وعد اللہ الذین امنوا وعملوا الصلحت لیستخلفنہم فی الارض

تاریخ اسلام مکمل پانچ جلد

آٹھواں ایڈیشن

سنہ ہجری سے ایک صدی قبل تا ۱۳۶۰ھ مطابق سنہ ۵۶۹ء تا سنہ ۱۹۴۱ء

مؤلفہ

عبدالرحمن شوق امرتسری

برائے فرم

حاجی ملک دین محمد اینڈ سنز پبلشرز و تاجران کتب لاہور

باہتمام ملک محمد عارف خاں پرنٹر دین محمدی پریس سرکلر روڈ لاہور

نے اپنے مطبع سے چھپوا کر

۱۹۴۳ء میں کشمیری بازار لاہور سے شائع کیا

بار ہشتم

قیمت مجلد پانچ روپے (صہ)

فہرست کے متعلق ضروری التماس

تاریخ اسلام کا پہلا ایڈیشن چونکہ پانچ حصوں میں الگ الگ طبع ہوا تھا۔ اسلئے ہر ایک حصہ کی فہرست بھی الگ الگ مرتب کی گئی تھی۔ دوسرے ایڈیشن میں اگرچہ پانچوں حصے یکجا کر دیئے گئے تھے مگر فہرست وہی سابقہ یعنی مختلف حصوں کی رہی۔ جسکی وجہ سے صفحات کی ترتیب میں فرق پڑگیا۔ بلکہ گذشتہ تیسرا اور چوتھا ایڈیشن بھی زنک پلیٹوں پر جمی ہوئی کاپیوں کے باعث اسی عجلت میں ویسا ہی طبع ہو گیا۔ لیکن اب اس پانچویں اور چھٹے ایڈیشن میں بعض ناموں کی صحت کے ساتھ ہی تمام حصوں کی فہرست ذیل بلحاظ ترتیب صفحات درست کر کے یکجا کر دی گئی ہے۔

"خاکسار مصنف"

تاریخ اسلام

کا

آٹھواں ایڈیشن

معہ اضافہ

مولفہٗ (شوق) امرتسری

سنہ ۱۹۲۸ء تا سنہ ۱۹۴۱ء

حصہ اول سوانحعمری ہادیٔ اسلام پیغمبرِ انام صلی اللہ علیہ وسلم حصہ دوم خلفاء راشدین حصہ سوم خلفاء بنی امیہ حصہ چہارم سلاطین عباسیہ حصہ پنجم و سلاطین عثمانیہ و ترکان احرار و مشاہیر اسلام مصطفیٰ کمال، عصمت انونو، رضا شاہ پہلوی، نادر شاہ۔ ظاہر شاہ۔ سلطان ابن سعود وغیرہ کے مختصر حالات نیز دنیائے اسلام یعنی انقرہ وانگورہ فلسطین مصر و حجاز بغداد و عراق جمہوریہ ترکی و موجودہ جنگ یورپ کے ضروری حالات پر مشتمل ہے

یہ حقیقت ہے

کہ آج تک ایسی کوئی مستند مختصر تاریخ اسلام مدوّن نہیں ہوئی

جس میں سنہ ہجری سے ایک صدی قبل یعنی

سنہ ۴۶۹ء سے سنہ ۱۹۴۱ء تک

تقریباً پندرہ ۱۵۰۰ سو سال کے مشاہیر اسلام کے حالات و دنیائے اسلام کے واقعات قلمبند ہونیکے علاوہ یکے بعد دیگرے آٹھ بار طبع ہو چکی ہو۔

جسے ملک محمد عارف خان کمشر دین محمدی پریس سرکلر روڈ لاہور نے اپنے مطبع سے طبع کرا کر کشمیری بازار لاہور سے شائع کیا:۔

گذشتہ سات ایڈیشنوں کی

تعداد

طباعت

مئی ۱۹۳۳ء میں	۲۰۰۰
ستمبر ۱۹۳۴ء میں	۲۲۰۰
مارچ ۱۹۳۶ء میں	۲۰۰۰
دسمبر ۱۹۳۷ء میں	۲۰۰۰
اپریل ۱۹۳۹ء میں	۲۰۰۰
فروری ۱۹۴۲ء میں	۱۰۰۰
ستمبر ۱۹۴۳ء میں	۱۰۰۰

ہماری مطبوعہ

تاریخِ اسلام

کی مقبولیت کا بہترین ثبوت ہے

تاریخ اسلام کا آٹھواں ایڈیشن

اور

اُس کے اضافہ کے متعلق

چند معروضات

مرحوم و مغفور قبلہ ملک دین محمد مالک فرم "ملک دین محمد اینڈ سنز پبلشر لاہور" کی وفات حسرت آیات کے بعد جبکہ مجھ سے تالیف و تصنیف کا کام بالکل چھوٹ چکا تھا۔

میری مولفہ تاریخ اسلام کا گذشتہ چھٹا ایڈیشن طبع کرتے وقت قبلہ ملک صاحب مرحوم و مغفور کے صاحبزادوں یعنی ملک محمد عارف و حاجی محمد صاحبان نے مجھ سے فرمایا۔

کیا ہی اچھا ہو کہ اس چھٹے ایڈیشن میں گذشتہ ۱۲ سال کے مشاہیر اسلام کے حالات کے علاوہ دنیائے اسلام کے بعض ضروری واقعات بھی اگر سما جائیں۔ تو ہم کہہ سکتے ہیں۔ کہ آج تک کوئی ایسی تاریخ اسلام مدون نہیں ہوئی جس میں ۱ھ سے ۱۹۴۱ء تک تقریباً پندرہ سو سال کے (دنیا کے اسلام سے وابستہ) واقعات قلمبند ہوں۔

ایسے وقت میں عزیزانِ محترم کے اس ارشاد کی تعمیل میرے لئے نہایت ہی مشکل تھی جبکہ نہ صرف ایک ماہ کے اندر ہی یہ ایڈیشن طبع ہونے والا تھا۔ بلکہ مجھے فرم کا حساب بھی تکمیل کرنا تھا۔

لیکن جو کام ہونے والا ہوتا ہے وہ ضرور ہو کے رہتا ہے۔ جنگ یورپ کے باعث بے حد گرانی کاغذ کے باوجود جب کاغذ ہی دستیاب ہونا مشکل ہو گیا۔ تو ادھر چھٹے ایڈیشن طبع ہونے میں جبری تاخیر واقع ہو گئی۔ اور ادھر مجھے دماغی سکون حاصل کرنے کے لئے ایک ماہ کی رخصت لینا پڑی۔

بہر حال انہی دنوں تنگیٔ وقت و تنگنائی کاغذ میں جو کچھ مجھ سے ہو سکا چھٹے ایڈیشن میں میں نے مناسب اضافہ کر دیا۔

خیال یہ تھا کہ اگر آئندہ ساتواں ایڈیشن ۱۹۴۳ء میں طبع کرنا پڑ گیا تو ۱۹۴۲ء کے بقیہ اور ۱۹۴۳ء کے ابتدائی حالات کا اور اضافہ کر دیا جائے گا۔ لیکن فروری ۱۹۴۲ء کا طبع شدہ ایڈیشن جب ماہ اپریل میں ہی ختم ہو گیا۔ تو اس اڑھائی تین ماہ کے عرصہ کے لئے عرصہ تاریخ و ادب کی خاک مجھ سے بھی اُڑائی نہ گئی۔

شوق

تاریخ اسلام مؤلفہ شوق امرتسری کی متعلق ہندوستان و پنجاب کے بعض مقتدر اسلامی اخبارات و رسائل کے ریویو

نوٹ:- بہ باعث عدم گنجائش اکثر مقتدر اخبارات و رسائل کے ریویو درج نہیں ہو سکے:- (معافی کا خواستگار، خاکسار شوق)

روزنامہ اخبار زمیندار ۱۳ راگست ۱۹۳۲ء:-

منشی عبدالرحمن صاحب شوق امرتسری کا اسم گرامی زیادہ محتاج تعارف نہیں ہے، آپ ایک ذوق سلیم رکھنے والے بزرگ ہیں، کافی تصانیف و تالیفات آپ کی مرہون منت ہیں اسلامی لٹریچر پر آپ مہارت تامہ رکھتے ہیں، آپ نے بہت سی کتب ایسی تصنیف کی ہیں جس کے مقصد صرف مسلمانوں کی فلاح اور بہبود ہے، چنانچہ ازاں جملہ ایک تاریخ اسلام ہے جو آپکی حال ہی کی تصنیف ہے، جو سنہ ہجری سے ایک سال قبل سے شروع ہوئی ہے، اور بارہ سو چوالیس ۱۲۴۴ سنہ ہجری تک ہے، مصدقہ روایات اور افسانوں سے بالکل قطع نظر کرکے اہم واقعات پر روشنی ڈالی گئی ہے، جو مستند کتابوں کے اقتباسات ہیں منشی صاحب موصوف نے اس کتاب کو تصنیف کرکے اس کی کمی کو پورا کر دیا ہے، جو مدتوں سے اسلامی دنیا میں محسوس کی جا رہی تھی، ہم نے بنظر غائر کتاب مذکور کا مطالعہ کیا ہے، کتاب صحیح معنوں میں تاریخ اسلام کہلانے کی مستحق ہے ہم اسلامیان ہند سے پرزور سفارش کرتے ہیں، کہ فراموش کردہ اسلامی داستان کے اعادہ کیلئے اس کتاب کا ضرور مطالعہ فرمائیں، جو ملک دین محمد اینڈ سنز و پبلشرز تاجران کتب کشمیری بازار لاہور سے مل سکتی ہے، کتاب کے محاسن اور خوبیوں کے مقابلے میں قیمت بالکل کم رکھی گئی ہے:

روزنامہ اخبار انقلاب لاہور جولائی ۱۹۳۳ء:-

منشی عبدالرحمن صاحب شوق امرتسری نے پانچ حصوں میں تاریخ اسلام مرتب کی ہے، جو تقریباً ایک ہزار صفحوں پر ختم ہوئی ہے، اردو زبان میں پورے عہد اسلام کی تاریخ بہت کمیاب ہے، مولوی احسان اللہ عباسی گورکھپوری اور منشی غلام قادر فصیح سیالکوٹی کے بعد منشی عبدالرحمن نے اردو میں پوری تاریخ اسلام قلمبند کرنیکی ہمت کی ہے، اور جہاں تک آپ سے ہو سکا ہے، واقعات کو نہایت محنت اور شوق سے فراہم کرکے مرتب کیا ہے، اور کوشش کی ہے کہ غلط العام روایات اور افسانوں سے احتراز کرکے صرف مستند واقعات درج کئے جائیں، آپ نے یہ کتاب ترتیب سنین کے لحاظ سے لکھی ہے، یعنی جو واقعہ جس سن میں تاریخ اسلام سے وابستہ ہے خواہ وہ بلاد عرب میں ہوا ہو یا بلاد ہند میں، اسی سن کے ماتحت درج کیا ہے، سنہ ہجری سے ایک صدی قبل سے لیکر ۱۳۴۴ھ مطابق ۱۹۲۹ء تک کے واقعات سیدھے سادھے سلیس انداز میں لکھے ہیں، محققین و علماء کیلئے تو عربی کی کتب تاریخ موجود ہیں، لیکن عام پڑھنے والے مسلمانوں کیلئے تاریخ اسلام کے واقعات اس کتاب میں یکجا کر دیئے گئے ہیں، جلدوں کی ترتیب اور قیمت حسب ذیل ہے:- پہلی جلد سوانح ہادیٔ اسلام ۱۱ھ تک

دوسری جلد خلفائے راشدین ۴۰ھ تک
تیسری جلد خلفائے بنو امیہ ۱۳۲ھ تک
چوتھی جلد خلفائے بنو عباسیہ ۹۲۳ھ تک
پانچویں جلد سلاطین عثمانیہ و ترکان احرار ۱۳۴۴ھ تک

پانچوں جلدیں یکجا طلب کرنے پر قیمت صرف تین روپے بارہ آنے مقرر ہے، کتابت طباعت نہایت اعلیٰ: ملنے کا پتہ:-

ملک دین محمد اینڈ سنز تاجران کتب کشمیری بازار لاہور۔

روزنامہ اخبار "آزاد" لاہور ستمبر ۱۹۳۳ء:-

اقوام و ملل کے ارتقاء و ارتفاع کی تاریخ کو جو اہمیت حاصل ہے، وہ بالغ النظر حلقہ سے مخفی نہیں خصوصاً تاریخ اسلام

جس کا ایک ایک حرف صفحۂ عالم کے مدّوجزر کا آئینہ ہے، اس قابل ہے، کہ اسے سنہری حروف میں شائع کیا جائے، مسلمانوں کو قعرِ مذلت سے نکالنے کیلئے ضرورت ہے، کہ اسوقت اُنکے آباؤ اجداد کے زرین کارنامے پیش کرکے انہیں بھولا ہوا سبق یاد دلایا جائے، تاکہ اُنہیں اپنی موجودہ پستی کا احساس ہو اور وہ اُبھرنے کیلئے میدانِ عمل میں اتر آئیں، ہمیں یہ دیکھ کر بے حد مسرت ہوئی ہے، کہ پنجاب کے مشہور انشاپرداز مولانا عبدالرحمان شوق امرتسری نے بڑی محنت سے ایک شاندار اور تقریباً آٹھ سو صفحہ کی تاریخ اسلام مرتب کی ہے، سن نبویؐ سے ایک سو سال پیشتر سے لیکر ۱۹۳۶ء تک تمام واقعات اجمالاً بیان کئے گئے ہیں، کتاب پانچ حصوں میں تقسیم کی گئی ہے، جو عہد نبویؐ، خلفائے راشدین، خلفائے بنو امیہ خلفائے بنو عباسیہ اور ترکان احرار کی تاریخ پر مشتمل ہے، کتاب کے سرسری مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے، کہ واقعات کی صحت اور چھان بین پر خاص توجہ کی گئی ہے، بے شبہ مصنف کی کاوش لائق تحسین و تبریک ہے، کتاب کی جلد نہایت خوبصورت اور مطلا ہے، کتابت وطباعت بھی اچھی ہے، ہمیں امید ہے، کہ تاریخ اسلام سے دلچسپی رکھنے والے ہاتھوں ہاتھ لیکر مصنف کی جگر کاویوں کی داد دینگے، مصنف کے اعلان کے مطابق ایک ماہ تک اس کی رعایتی قیمت محض تین روپیہ رکھی گئی ہے، جو کتاب کی گوناگوں خوبیوں کے مقابلہ میں بہت کم ہے۔ کتاب ملنے کا پتہ:۔

ملک دین محمد اینڈ سنز پبلشرز و تاجران کتب کشمیری بازار لاہور

الکلام (ہفتہ وار ایڈیشن) بنگلور سٹی ۲۲ جولائی ۳۳ء

عموماً مسلمانوں کو اسلامی تاریخ پر کافی عبور نہ ہونے سے اپنی گذشتہ عظمت وسطوت کا اندازہ نہیں، اور جب کبھی تقاریر یا وعظ کی محفلوں میں اسلامی شان وشوکت اور ترقی کا ذکر آجاتا ہے، تو سن کر دنگ رہ جاتے ہیں، ہر مسلمان کو چاہیئے، کہ وہ تاریخ اسلام کا ہمیشہ مطالعہ کیا کرے، اور اپنے سینہ میں اسلامی قربانیوں اور ضرب المثل اسلامی کارناموں کی یاد کو تازہ رکھے ؎ گاہے گاہے باز خواں ایں دفتر پارینہ را ؛ تازہ خواہی داشتن گر داغہائے سینہ را؛ ہم نہایت خوشی سے اعلان کرتے ہیں، کہ جناب شوق امرتسری کے قلم جادو رقم سے تاریخ اسلام مکمل پانچ جلدوں میں شائع کی گئی ہے، جس کی سنہری اور مضبوط جلد نہایت خوشنما ہے، پہلی جلد میں حضور سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سوانح دیئے گئے ہیں، دوسری جلد میں خلفائے راشدین کے تاریخی حالات، تیسری جلد میں خلفائے بنو امیہ، چوتھی اور پانچویں جلد میں بنو عباسیہ اور سلاطین عثمانیہ کے تاریخی حالات نہایت چھان بین اور تحقیقات کے ساتھ درج کئے گئے ہیں، زبان نہایت سلیس اور شگفتہ اور طرز بیان موثر اور دلنشین ہے، لکھائی چھپائی اور کاغذ بہت اچھے ہیں، ان پانچوں جلدوں کی قیمت تین روپیہ ہوا ہے، لیکن عام نفع رسانی کے خیال سے پانچوں جلدوں کی مجلد کتاب کی قیمت تین روپیہ مقرر کی گئی ہے، اس مفید اور قابل قدر مکمل اسلامی تاریخ کو صرف اتنے سستے داموں پر پبلک کو پڑھنے کا جو زریں موقع دیا گیا ہے، اس پر ہم تاریخ اسلام کے پبلشرز میسرز ملک دین محمد اینڈ سنز تاجران کتب کشمیری بازار لاہور کو دلی مبارکباد دیتے ہیں۔ شائقین اس کتاب کو پتہ بالا سے طلب فرماویں، ہم معزز ناظرین الکلام سے پرزور سفارش کرتے ہیں، کہ وہ ضرور اس تاریخی کان جواہرات کو خرید کر فائدہ حاصل کریں

ہفتہ وار اخبار اثنا عشری لاہور ۲ اگست ۳۳ء:۔

یہ کتاب جناب شوق امرتسری کی مؤلفہ ہے، اور جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے، اس میں اسلام کے عروج وزوال، اور تمام اسلامی سلطنتوں کے مستند حالات نہایت وضاحت کے ساتھ درج کر دیئے گئے ہیں

اور اُس میں جسقدر ضروری واقعات بیان کر دیئے گئے ہیں، وہ . . . . تمام واقعات مستند اور معتبر ہیں، ملک دین محمد اینڈ سنز تاجران کتب کشمیری بازار لاہور مستحق مبارکباد ہیں، کہ اُنھوں نے زرِ کثیر صرف کر کے یہ مفید کتاب چھپوائی، جو لوگ عربی، فارسی اور انگریزی کی تاریخی کتابوں کو پڑھنے سے قاصر ہیں، ان کیلئے یہ کتاب بیحد مفید ہے،، اور دوسرے اشخاص بھی اس سے کافی فائدہ اُٹھا سکتے ہیں، ہم قارئین کرام سے اس کے مطالعہ کی پرزور سفارش کرتے ہیں، کتاب کی ظاہری حیثیت بھی بہت اچھی ہے، ایک ہی جلد میں پانچوں حصے جمع کر دیئے گئے ہیں، اور ہر حصہ کا سرورق خوبصورت بلاک کے ذریعہ سے تیار کیا گیا ہے، سرورق کا کاغذ آرٹ پیپر پر چھاپا گیا ہے لکھائی چھپائی دیدہ زیب کاغذ عمدہ قیمت فی جلد تین روپے (ـــ) ملنے کا پتہ :-

ملک دین محمد اینڈ سنز تاجران کتب کشمیری بازار لاہور :

رسالہ عالمگیر لاہور سالانہ نمبر ۱۹۳۳ء

منشی عبد الرحمٰن شوق امرتسری کا نام محتاج تعارف نہیں، آپ کی عمر کا بیشتر حصہ تعلیمی خدمات میں وقف ہو چکا ہے، اور آج تک آپ کے سلسلہ تعلیم نسواں و تعلیم الاطفال وغیرہ کی ۱۷۵ کتابیں طبع ہو کر اپنی بہترین خوبیوں کے باعث ملک میں بیحد مقبول ہو چکی ہیں، اب شوق صاحب نے تاریخ اسلام کو تالیف کیا ہے، جو پانچ جلدوں میں تقریباً ... ۹ صفحات پر ختم ہوئی ہے، ہمیں اس کے سرسری مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے، کہ یہ کتاب بڑی محنت سے تالیف کی گئی ہے :

پہلی جلد سوانح حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے موسوم ہے، اور اس میں قبل از اسلام سنہ ہجری سے ایک سو برس پہلے تمام دنیا کے تمدن و مذہب پر ایک تاریخی نظر ڈالی گئی ہے، اس کے بعد حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی مکمل سوانح حیات ہے، ساتھ ہی مذہب اسلام پر مفید بحث کی گئی ہے، جو سنہ ۱۱ھ پر ختم ہوئی ہے :

دوسری جلد خلفائے راشدین سے موسوم ہے، اس میں مسئلہ خلافت پر بحث کرتے ہوئے تمام خلفائے راشدہ کا عہد حکومت سنین ماضیہ کے مطابق باترتیب سنین کے مطابق سنہ ۴۰ ہجری پر ختم ہوئی ہے :

تیسری جلد خلفائے بنی اُمیّہ سے موسوم ہے جس میں خلفائے بنی اُمیّہ کی ۹۲ سالہ اسلامی حکومت اور فتوحات اسلامیہ کے حالات قلمبند کئے گئے ہیں، جو سنہ ۱۳۲ ہجری پر ختم ہوئی ہے،

چوتھی جلد خلفائے عباسیہ سے موسوم ہے، جس میں خاندان عباسیہ کا باترتیب عہد حکومت اور دیگر ملکی فتوحات ہیں جو سنہ ۹۲۳ ہجری پر ختم ہوئی ہے **پانچویں جلد** سلاطین عثمانیہ و ترکان احرار سے موسوم ہے، جس میں تمام سلاطین عثمانیہ کا عہد حکومت انتظام سلطنت نیز ترکان احرار کے حالات جنگ طرابلس وغیرہ کے واقعات کے علاوہ موجودہ سلطان ابن سعود تک کے حالات درج کئے گئے ہیں، جو سنہ ۱۳۴۲ھ پر ختم ہوئی ہے،

غرضیکہ یہ مکمل تاریخ اسلام باترتیب سنین کے مطابق سن ہجری سے ایک سو سال قبل سے سنہ ۱۳۴۵ ہجری تک لکھی گئی ہے، ہمارے خیال میں زمانہ حاضرہ میں سب سے اعلیٰ اور بہترین تالیف ہے، جو تاریخی مضامین کے باعث نہایت مفید ہے، علاوہ ازیں پانچ جلدوں کی یکجائی قیمت ۱۲ روپے نہایت سستی ہے :

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

طبع ہشتم کا اظہارِ تشکر

شکر گذار ہوں، اُس خالق یکتا کا جس نے مجھ ایسے بے بضاعت کی مؤلفہ تاریخ اسلام کو مقبولیت کا شرف بخشا۔

ممنون ہوں، اپنے اُن قابلِ تعظیم بزرگوں اور اپنے ہم عصر علم دوست اصحاب کا جنہوں نے اسے پسند فرما کر میری ہمّت افزائی کی۔

مشکور ہوں، ان علماءِ کرام اور مصحح القرآن کا جنہوں نے کمال محنت سے آیات قرآنی کی تصحیح فرما کر ان آیاتِ بیّنات کے تراجم سے بھی اسے مزیّن فرمایا۔

زیر بار احسان ہوں، اُن محترم مدیران اخبارات و رسائل کا جنہوں نے اپنے اپنے مقتدر اخبارات و رسائل میں اس پر شاندار ریویو لکھ کر میری عزت افزائی فرمائی۔

رہین منت ہوں اپنے آقائے محترم ملک دین محمد صاحب پبلشر کا جن کی مساعیٔ جمیلہ سے نہ فقط اس کا پہلا ایڈیشن شرمندۂ احسان ہے، بلکہ آج آپکے دست کرم میں یہ ساتواں ایڈیشن بھی اُنہیں کی قائم کردہ فرم کا مطبوعہ ہے، جسے آپ بلحاظ صحت، کتابت، کاغذ، چھپائی، بہر صورت پہلے ایڈیشنوں سے بہتر پائیں گے۔

ماسوائے اِن چند الفاظ کے (وہ بھی ٹوٹے پھوٹے ہوئے) مجھ ایسے تہیدست کے پاس اور رکھا ہی کیا ہے، یقین جانئے، کہ میں اس اظہار تشکر کا عملی نمونہ پیش کرنے سے قاصر ہوں۔

جو کچھ مجھے اپنی اس تالیف کی نسبت عرض کرنا چاہیئے تھا، وہ میں نے پہلے ایڈیشن کی تمہید میں ظاہر کر دیا ہے، البتہ جس مستقبل کی میعادِ اُمید میں نے اپنے ذہن میں تین سال قرار دی تھی اُسے افضال باری کے کرشموں نے مہینوں سے جسقدر جلد بدلا اس کی نسبت چند

معروضات عرض کر دینا ضروری ہیں، اور وہ یہ ہیں:-

قبولیت کیلئے اس کے قابل اگر کوئی سبب ہے، تو کہا جا سکتا ہے، کہ اس قسم کی ضخیم علمی، ادبی تاریخی کتب کا پہلا ایڈیشن صرف چھ ماہ میں فروخت ہونے کے اسباب، مؤلف کی شہرت، کتاب کی قبولیت، بہترین نوعیت، ارزاں فروشی، اور صحیح طریق اشاعت ہیں؛

لیکن تالیف و تصنیف و طریق اشاعت کے متعلق یہ میرا پچیس ۲۵ سالہ تجربہ ہے، اور میں اپنے مخدوم و مکرم ملک دین محمد صاحب پبلشر کے اس زرّیں اصول کا قائل ہوں، کہ کسی کتاب کو جسقدر کم منافع پر فروخت کیا جائے، وہ اُسی قدر زیادہ فروخت ہوتی ہے، اور اُس کے کئی ایڈیشنوں کا تھوڑا تھوڑا منافع اُس کتاب سے کئی گنا زیادہ منفعت بخش ثابت ہوتا ہے، جو کتاب زیادہ قیمت ہونے کے باعث کئی سال تک دوسرے ایڈیشن میں نہ آسکے، نہ کہ آٹھویں ہی سال میں آٹھویں ایڈیشن میں؟

اس حقیقت کو مدنظر رکھتے ہوئے نہایت ادب کے ساتھ قابل مؤلفین و مصنفین اور محترم پبلشروں کی خدمت میں اگر میں یہ عرض کر دوں، تو شاید بیجا نہ ہوگا، کہ براہ کرم وہ ارزان فروشی کے اس اُصول کو مدنظر رکھیں، تاکہ ایسی بہت سی قابل قدر تالیفات و تصنیفات پبلک کے ہاتھوں میں آسکیں، جن کی اس وقت مسلمانوں کو واقعی ضرورت ہے؛

درگاہ ایزدی میں دست بدعا ہوں، کہ اللہ تعالیٰ تمام ناظرین و ناظرات کے دلوں میں جھوٹے اور نفسانی افسانوں کی بجائے تاریخ اسلام پڑھنے کا شوق اور اُس پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے آمین - بحق سید المرسلین - آمین - حسبنا اللہ و نعم الوکیل

خاکسار

خادم اسلام عبدالرحمٰن شوقی مؤلف تاریخ اسلام

سلسلہ تعلیم نسواں و تعلیم الاطفال و دیگر کتب متعددہ

لاہور

طبع ثانی

مورخہ ۱۴ ستمبر ۱۹۴۳ء

طبع ہشتم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تحمید و تمہید

اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَیْءٍ اِذَآ اَرَدْنٰهُ اَنْ نَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝ سورۃ النحل

ترجمہ:۔ سوائے اسکے نہیں کہ کہنا ہمارا واسطے کسی چیز کے جب ارادہ کرتے ہیں ہم اسکا یہ کہ کہتے ہیں ہم اس کو ہو۔ پس ہو جاتی ہے:۔

جب تمام کائنات ہُو کے عالم میں تھی۔ موجودات عالم کی ہر ایک شئے پر پردہ اخفا پڑا ہوا تھا اسوقت شان باری کے ایک لفظ کُن نے ہر ایک چیز کو ظاہر کر دیا۔ اور تمام نظامات مقامات معیّن پر قائم ہو گئے۔ یہ اسی وحدہٗ لاشریک کی شان وحدت ہے۔ کہ کارخانہ عالم کا ہر ایک ذرّہ اس زمانہ سے موجودہ وقت تک اپنے معینہ کام کو بدستور انجام دے رہا ہے۔ اور نہ جانے ابھی کب تک انجام دیتا رہے ✣

خالق حقیقی کے اس ادنےٰ کرشمے کے بعد مشیت ازلی کا دوسرا نمونہ حضرت انسان کو ملاحظہ فرمایئے۔ جسکو سرچشمہ روحانیت سے فیضیاب کر کے اشرف المخلوقات کے خطاب سے سرفراز فرمایا:۔

وَفِيْ خَلْقِكُمْ وَمَا يَبُثُّ مِنْ دَآبَّةٍ اٰيٰتٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ۝ سورۃ الجاثیہ

ترجمہ:۔ اور بیچ پیدائش تمہاری کے اور اس چیز کے پھیلاتا ہے۔ جانوروں سے نشانیاں ہیں واسطے اس قوم کے کہ یقین لاتے ہیں ✣

اللہ تعالےٰ کی قدرت کاملہ کی یہ کھلی ہوئی نشانیاں ہیں۔ جو ہر ایک انسان کے مشاہدے میں ہیں لیکن اس کی ذات وحدہٗ لاشریک کے یقین کرنیوالے وہی لوگ ہیں۔ جو صلاحیت رکھتے ہیں۔ اگرچہ کوئی شخص اس سے انکار نہیں کر سکتا۔ کہ اس تمام کائنات کا مالک وہی ہو سکتا ہے جو ہمارا بھی خالق ہے۔ جس کے دستِ قدرت میں ہر ایک شئے کی بقا و فنا کا اختیار ہے لیکن

اس یقین اور مشاہدہ پر بھی اگر اسکے بندے ذات باری سے منکر ہوں۔ یا اسکے ساتھ کسی واہمہ کو شامل کرتے ہوئے شرک بدعت کے مرتکب ہوں۔ تو لامحالہ خالق کو اپنی مخلوق یا مالک کو اپنے بندوں کی ہدایت اور سرکشوں کی تہدید کرنا ضروری ہے۔ لہٰذا خالق اکبر اپنے بندوں کی ہدایت و تہدید نیز دنیاوی تمدّن معاشرت کے احکامات دُنیا میں پہنچانے کیلئے اپنے جس مقرب اور پاکیزہ خصائل بندے کو مامور کرتا ہے۔ اسکو نبی مرسل و پیغمبر کہا جاتا ہے

هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْھُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ وَلَوْ کَرِہَ الْمُشْرِکُوْنَ ۝ سورۃ الصف

ترجمہ:۔ وہی ہے جس نے بھیجا رسول اپنے کو ساتھ ہدایت کے اور دین حق کے تو کہ ظاہر کرے اسکو اوپر دین سارے کے اور اگرچہ ناخوش رکھیں کافر۔

چنانچہ جبکہ اس کی دُنیا اس سے بیخبر تھی اور اسکے بندے اس سے غافل تھے۔ ہر ایک انسان کا ضمیر مرجھا چکا تھا۔ فطرت کا حسن حقیقی عصیان عالم کی تاریکی میں چھپ گیا تھا۔ تمرّد و سرکشی کے سیلاب خشکی و تری میں امنڈے ہوئے تھے۔ جن میں خُدا کے سابقہ رسولوں کی بنائی ہوئی عمارتیں بہ رہی تھیں۔ اس وقت حجاز کے ریگستانوں کعبہ کے مرغزاروں سے ایک مقدس ہستی نے مبعوث ہو کر صدائے توحید بلند کی۔ جو جبل ابو قبیس کی گھاٹیوں میں سُنائی دی۔ ریگستان حجاز سے اُٹھی۔ اور صحرائے افریقہ میں بلند ہوئی۔ وہ صدائے دلنواز صرف اس قدر تھی۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ۔ یعنی سوائے خُدا کے کوئی لائق عبادت نہیں۔ وہ معبود حقیقی ہمیشہ زندہ رہنے والا ہے۔ اور دُنیا کے کارخانے کو سنبھالے ہوئے ہے*

اس صدائے حق کی گرج سے شرک و کفر کے بادل پھٹ گئے۔ معصیت و سرکشی کی گھٹائیں دُور ہوگئیں۔ عصیان و تمرّد کی ظلمت کافور ہوگئی۔ اور آفتاب اسلام نے جلوہ ریز ہو کر دُنیا کے ہر گوشہ کو منوّر و متجلی کر دیا*

وَاِنَّ ھٰذِہٖٓ اُمَّتُکُمْ اُمَّۃً وَّاحِدَۃً

ترجمہ:۔ اور تحقیق یہ اُمت تمہاری اُمت ایک ہے

وَاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ ٥ سورۃ المؤمنون	اور میں ہوں پروردگار تمہارا پس ڈرو مجھ سے ✦

پیغمبر خدا حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا میں اسلام لے کر آئے جو رشتہ اخوت و اتحاد ہے۔ جو انسان کو اس کے خالق و مالک سے متصل کرتا۔ اور اس کی پرستش کرنے والوں کو ایک ہی سلک میں منسلک کرتا ہے۔ اسلام کے نزدیک رنگ اور نسل کی تفریق کوئی چیز نہیں۔ وہ تمام فرقہ بندیوں کو باعث ہلاکت اور تباہی قرار دیتا ہے۔ اور رنگ و نسل کو صرف پہچان کا ذریعہ بتلاتا ہے۔ یہ وہ مبارک رشتہ ہے۔ جو چین کے مسلمان کو افریقہ کے مسلمان سے عرب کے بدو کو افغانستان کے تاجدار سے اور ایک ہندوستان کے نومسلم کو مکہ معظمہ کے صحیح النسب قریشی سے وابستہ کر دیتا ہے۔ دُنیا میں کوئی طاقت نہیں جو اس رشتہ کو توڑ سکے اور اسکی بنیاد کو کاٹ سکے۔ جسمیں خدا کے ہاتھوں نے پرستاران توحید کے دلوں کو نہایت مظبوطی کے ساتھ جکڑ دیا ہے ✦

غرضیکہ اسلام کے اس رشتہ عظیم سے زمین کے دُور دراز گوشوں میں بسنے والی قومیں باہمی اختلافات و تنازعات کو مٹا کر متحد و متفق ہوگئیں۔ اور خدا کے بندے تمام شکوے اور شکایات بھول کر ایک دوسرے کے بھائی اور شریک رنج و راحت ہو گئے ✦

تاریخ اور اسلام

اس مختصر تمہید احدیت و شان صمدیت کے بعد تاریخ اسلام کی نسبت مجھے صرف دو ہی لفظوں کی شرح کرنا ہے۔ یعنے (۱) تاریخ۔ (۲) اسلام۔

تاریخ کا دوسرا نام احتساب اعمال و افعال ہے۔ اور ہر ایک قوم کی تہذیب و اصلاح اعمال و افعال کی صحت و تندرستی اور اُنکی نگہداشت پر موقوف ہے۔ قومی زندگی ہمیشہ کاموں کی دیکھ بھال اور فرائض منصبی کے احساس پر منحصر رہی ہے جو قوم کہ اپنے کردار اپنی عادات و اطوار پر ناقدانہ نظر ڈالتی رہی ہے۔ ہمیشہ یہی ہوا ہے۔ کہ اس کا وجود

نوع بشری کیلئے ضروری اور اس کا نقش قدم رہبری کیواسطے لابدی سمجھا گیا ہے +

اسلام ان قواعد و اصول کے مجموعہ کا نام ہے جن میں انسانی افعال و اعمال کا احتساب اور جائزہ لیا جاتا ہے۔ اور جن پر عمل پیرا ہو کر صحیح معنوں میں انسان انسان بن جاتا ہے۔ اسلام سے بہتر احتساب کسی مذہب اور کسی دین میں نہیں پایا جاتا حضور پُرنور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ذات مبارک سرتاپا احتساب کی مجسمہ تھی۔ قدرت نے اعمال صالحہ کا وُہ بیش بہا خزانہ جو کسی کامل ترین ہستی میں جمع ہو سکتا تھا۔ اس مقدس بشری وجود کو عطا فرمایا تھا۔ اسی لئے ذات باری نے پیروان ملت اسلامیہ کیلئے صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی اتباع اور اطاعت کو اسی لیئے لازم کر دیا کہ ان کو اپنے اصلاح و اعمال کیلئے کسی دوسری ہستی کی تابعداری کی ضرورت محسوس نہ ہو +

لھذا تاریخ اور اسلام لازم و ملزوم ہیں۔ اگر ان ہر دو لازم و ملزوم الفاظ کے ایک ہی معنے قرار دیئے جائیں۔ تو وہ یہ ہو سکتے ہیں۔ تاریخ اسلام ہر ایک شخص کیلئے رہبر زندگی ہے۔ جو بتا سکتی ہے۔ کہ اسلام سے قبل ان لوگوں کی کیا حالت تھی۔ اور اسلام لانے کے بعد کیا سے کیا ہو گئے۔ وہ کون سے اعمال ہیں جن پر عمل پیرا ہونے سے دینی و دنیوی اقتدار حاصل ہو سکتا ہے۔ اور وُہ کون سے افعال ہیں۔ جو دین و دنیا کیلئے باعث تنزّل و فلاکت ہیں +

سبب تالیف

مجھے اپنی اس تالیف تاریخ اسلام کے سببِ تالیف کی نسبت بھی سوائے چند مختصر معروضات کے کوئی طویل بیان عرض کرنا نہیں ہے +

(۱) اس خادم مصنفین و مؤلفین نے بالمقابل دیگر شائع شدہ اُردو تواریخ اسلامی کے اس تاریخ کو اس لئے تالیف کیا ہے۔ کہ میری فانی زندگی کے بعد میری سابقہ

..سو تالیفات و تصنیفات کے بالمقابل شاید یہی ایک تالیف بطور یادگار رہے ٭

(۲) میں نے اس تاریخ کو سنین ماضیہ کے مطابق سلسلہ وار ترتیب دیا ہے یعنی جس سن میں جو واقعہ اسلام خواہ وہ عرب میں ہوا ہو یا ترکستان میں افریقہ میں ہوا ہو۔ یا ہندوستان میں۔ اس واقعہ کو اسی سنہ کے نیچے درج کیا گیا ہے۔ تاکہ سنہ ہجری و سنہ عیسوی کے تسلسل کے مطابق تمام زیر مطالعہ باترتیب واقعات ناظرین کے ذہن نشین ہو جائیں ٭

(۳) اگرچہ اس میں اکثر گھوڑا دوڑانے اور بڑھانے کے طویل واقعات درج کر کے تاریخ اسلام کو جنگ نامہ بنانے سے عمداً احتراز کیا گیا ہے لیکن جہاں تک میرے خیال نے میری رہبری کی ہے۔ ایسا کوئی واقعہ اس میں نہیں چھوٹا جو قابل ذکر ہو ٭

(۴) آج تک شاید ایسی کوئی تاریخ اسلام کی تدوین طبع نہیں ہوئی۔ جس میں سنہ ہجری سے ایک صدی قبل سے زمانہ حال یعنی ۱۳۴۰ھ ہجری مطابق ۱۹۲۱ء تک کے واقعات درج ہوں ٭

(۵) اس تاریخ میں مناسب موقعہ پر مذہبی، تمدنی حالات پر تبصرہ بھی کیا گیا ہے۔ جسکے مطالعہ کرنے کی مسلمانوں کو اشد ضرورت ہے ٭

خُلاصۂ ترتیب

اِن مختصر معروضات کے بعد تاریخ اسلام کی ترتیب کا مختصر خلاصہ پیش نظر کیا جاتا ہے

> حِصّہ اوّل سوانح حیات ہادی اسلام حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سنہ سے ایک صدی قبل تا ۱۱ھ ہجری

تاریخ اسلام پانچ حصّوں میں طبع ہوئی ہے۔ پہلے حِصّہ کا نام سوانح حیات ہادی اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔ جس میں اسلام سے قبل تمام دنیا کے تمدن و مذہب پر ایک نظر ڈالی گئی ہے۔ اور ہادیٔ اسلام حضور پُرنُور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ پیدائش سے بچپن، شباب، آغاز اسلام

مشرکوں کی سرکشی، تبلیغ اسلام ہجرت مخالفین اسلام کی ریشہ دوانیاں، مسلمانوں کا صبر و استقلال، ہجرت مدینہ۔ و مدافعانہ جنگوں کے تمام حالات بالتفصیل درج کرنے کے علاوہ اسلامی تمدّن و معاشرت اور عروج وارتقا پر بھی مفید بحث کی گئی ہے +

حصّہ دوم خلفائے راشدین سلہ ہجری تا سکہ ھ	دوسرا حصّہ خلفائے راشدین کے نام سے موسوم ہے۔ اس میں مسئلہ خلافت کی تشریح کرتے ہوئے خلافت کے اصُول خلافت کے

احکام خلافت کے نشانات غرضیکہ خلافت کی تاریخ بیان کرنے بعد خلفائے راشدہ کی نیک نفسی و پابندئ شرع اسلام طریقِ خلافت ترقی اسلام ملکی فتوحات کے مشرح واقعات بیان کرنے کے علاوہ مسلمانوں میں نزاع واختلافات کے اسباب و حالات تمدّن، و خلافت راشدہ کی قلمروئے اسلامی کی جغرافیکل حالات بھی درج ہیں +

حصّہ سوم خلفائے بنو اُمیّہ سکہ ھ تا ۱۳۲ھ	تیسرا حصّہ خلفائے بنو اُمیّہ پر مشتمل ہے جس کے شروع میں حضرت امام حسن علیہ السّلام کے عہدہ خلافت سے دست بردار ہونیکے

وجوہات حضرت امام حسین علیہ السّلام کے واقعہ شہادت کے دلخراش حالات حضرت معاویہؓ اور خلافت بنو اُمیّہ کا آغاز، امیر معاویہؓ سے لیکر خاندان بنو اُمیّہ کے ۱۴ خلفار کی ۹۲ سالہ باعظمت، باجبروت اسلامی حکومت اور فتوحات نیز قلمروئے عرب، عراق، حجاز، سندھ، ہند، افریقہ، فلسطین و اسپین پر مسلط ہونے کے مستند اور مفصل حالات درج ہونے کے علاوہ قلمروئے اسلامیہ کی وسعت کا جغرافیہ بھی دیا گیا ہے۔ جس میں تمام زیر حکومت شہروں کے نام معہ حالات قلم بند کئے گئے ہیں +

حصّہ چہارم خلفائے عباسیہ ۱۳۲ھ تا ۹۳۲ھ	چوتھے حصّے کا نام خلفائے بنو عبّاسیہ ہے۔ جس میں بنو اُمیّہ سے بنی عباس میں خلافت کے منتقل ہونے کے اسباب اور خاندان

بنی عبّاسیہ کے خلیفہ اوّل عبداللہ ابو العباس سفاح بن محمد کے عہد خلافت ۱۳۲ھ سے ۹۳۲ھ تک خلفائے بنی عبّاسیہ کا دور حکومت۔ حجاز ثقفی والئی مصر کے عہد سلطنت

ہیں محمد بن قاسم کی فتوحات سندھ و راجگان سندھ کی تاریخ اور اسلامی دُنیا کے تمام مبسوط اور مشرح حالات درج ہیں ٭

حصّہ پنجم سلاطین عثمانیہ و ترکان احرار ۹۲۳ھ سے ۱۳۴۲ھ تک

پانچواں حصّہ سلاطین عثمانیہ و ترکانِ احرار کے نام سے لکھا گیا ہے۔ جس میں خاندان عباسیہ کے آخری خلیفہ المتوکل علی اللہ کا منصب خلافت (خاندان عثمانیہ کے) سلطان سلیم کو تفویض کرنا اور موجودہ وقت تک تمام خلفائے عثمانیہ کا عہد حکومت انتظام سلطنت قلمروئے اسلامی کی ترقی و تنزل کے اسباب، ہندوستان میں اسلامی سلطنت کا آغاز، عروج و زوال اور انگریزوں کا داخلہ، انگلستان اور خلافت موجودہ ٹرکی سے دول یورپ کی ریشہ دوانیاں، جنگ طرابلس اور ترکانِ احرار، جنگ یورپ اور ٹرکی کے حصّے بخرے، سلطنت برطانیہ کی ریشہ دوانیاں سلطان ابن سعود وغیرہ وغیرہ کے تمام مفصل واقعات درج ہیں۔

اعتراف حقیقت

اِس ترتیب میں خاکسار مؤلف کو جس قدر جانکاہی کرنا پڑی ہے۔ وہ میں ہی خوب جانتا ہوں۔ میرا خیال ہے۔ کہ کسی کتاب کو تصنیف کرنے کی بجائے تالیف کرنا بہت مشکل ہے۔ وہ اِس لئے کہ تصنیف میں مصنف کو اپنے اظہار خیالات اپنی وسعت معلومات کے متعلق ہی صرف جواب دہی کرنا پڑتی ہے۔ جو اِس کے لئے آسان ہے۔ لیکن مؤلف کو بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے یعنی ایک تو اسے اپنی تالیف میں تاریخی واقعات کو استدلال کی کسوٹی پر جانچنا پڑتا ہے دوسرے تاریخی واقعات کی ترتیب میں غلط واقعات کی تردید کرنے کے ساتھ صحیح حالات کے دلائل پیش کرنا پڑتے ہیں۔ پھر ترتیب مضامین کے لحاظ سے پچھلے واقعات کو یاد رکھنا پڑتا

ہے۔ایسی بہت سی مشکلات مؤلف کیلئے ہیں۔نہ کہ مصنف کیلئے۔بہت ممکن ہے۔کہ بلحاظ بشریت بوجہہ نا قابلیت میدان صحافت کی ان مشکلات میں میرے قدم بھی ڈگمگائے ہوں لیکن مجھے شہسواران عرصہ علم و ادب و مؤرخین قابل ادب سے اُمید ہے۔کہ وُہ ان مشکلات میں ازراہ حوصلہ افزائی میری ہر طرح کی امداد سے مجھے متمتع فرمائیں گے۔

اخیر پر میں اپنے ان مخدومان قوم اور قابل تعظیم مؤرخین و اہل تصنیف کا عموماً اور مولانا عبد الحلیم شرر۔و مولوی ظفر علیخاں مدیر زمیندار۔و ڈاکٹر سید محمود۔علامہ شبلی رح، کا خصوصاً بنہایت شکر گذار ہوں۔جنکی زرّین تصنیفات اور تاریخی معلومات سے میں نے استفادہ حاصل کیا۔بلکہ بعض جگہ انکی دلچسپ تحریروں کا اقتباس بھی درج کیا ہے +

اس شکر گذاری کے بعد مجھے مکرمی ملک دین محمد صاحب تاجر کتب بازار کشمیری لاہور کی مساعی جمیلہ کا بھی اعتراف ہے۔جنہوں نے اس ضروری تالیف کو محض مسلمانوں کے افادہ کے لئے ہزار ہا روپیہ خرچ کر کے طبع کیا۔ان سب معروضات کے بعد میں نہایت خلوص دل سے درگاہ ایزدی میں بعد حمد خدا و صلوٰۃ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ان ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں دعا کرتا ہوں +

خداوندا تو معبود حقیقی ہے۔وحدہٗ لا شریک ہے۔یکتا ہے۔بے نیاز ہے۔تیرا کوئی شریک نہیں تو ہر چیز کا مالک ہے۔تمام مخلوق کا رازق ہے۔تیرے حکم کے بغیر دنیا کا ایک ذرہ۔دریاؤں کا ایک قطرہ۔درختوں کا ایک پتّا بھی نہیں ہل سکتا یہ تیرا ہی کرم بے پایاں تھا۔یہ تیری ہی تائید تھی۔جو مجھ ایسے بے بضاعت سے یہ تالیف تاریخ اسلام مرتب کرائی۔اور اب یہ تیرا ہی کام ہے۔کہ تُو اسے اپنے بندوں میں مقبول کرے اور اس پر عمل پیرا ہونے کی ان کو توفیق دے۔آمین بحق سید المرسلین۔آمین۔حَسْبُنَا اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ نِعْمَ الْمَوْلٰی وَنِعْمَ النَّصِیْرُ ۝

خادم اسلام، عبد الرحمٰن شوق۔مؤلف تاریخ اسلام

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تاریخِ اسلام

جلدِ اوّل

سن ہجری سے ایک صدی پہلے ملک عرب کی حالت

قومیت ملک عرب کے کُل قبائل دراصل تین خاندانوں کی شاخیں ہیں (۱) بنی[1] قحطان (۲) بنی عدنان (۳) بنی قضاعہ۔ اِن تینوں خاندانوں میں بنی قحطان کی اولاد۔ عاربہ یعنے خالص عرب کہلاتی ہے۔ جو ہمیشہ یمن میں سکونت پذیر رہی قحطان[2] سام کا بیٹا۔ اور نوح علیہ السلام کا پوتا تھا۔ اور بنی عدنان کی اولاد متعاربہ (مِلی جلی) کہلاتی ہے۔ جو مکّہ شریف میں سکونت پذیر تھی۔ عدنان حضرت اسماعیل

---

[1] بنی خاندان کو کہتے ہیں:۔

[2] قحطان کے ایک بیٹے کا نام یعرب تھا۔ کہتے ہیں کہ یہی زبان عربی کا موجد ہے۔ لفظ عربی کی وجہ تسمیہ موجد کے نام سے ظاہر ہے

علیہ السّلام کی اولاد سے ہیں جنہوں نے مکّہ میں آکر یمن کی عورتوں سے نکاح کئے اِن کے بطن سے جو اولاد ہوئی۔ وُہ متعاربہ کہلائی۔ بنی قضاعہ کی اولاد عجمی کہلاتی ہے۔ یہ لوگ حضرت اسماعیلؑ کے بھائی فرخ کی اولاد سے ہیں۔ جو کچھ تو ایران سے موتیوں کی تجارت کرنے اور کچھ غلام بن کر یمن میں آئے۔ پھر وہاں سکونت اختیار کرکے موالی کہلائے۔ اہل عرب ان لوگوں کو عجمی کہتے تھے۔ اور یمن والے اِن کو علاوہ مکّار اور فسادی سمجھنے کے اِن کی زبان سے بھی ناخوش تھے۔ اہل یمن کو انکے متعلق یہ بڑی شکایت تھی۔ کہ عجمی لوگ عربی زبان کو ایرانی الفاظ کی ملاوٹ سے خراب کر رہے ہیں +

متذکرۃ الصدر ان تینوں خاندانوں کے مختلف شعوب[۱] اب تک اپنے اپنے بزرگوں کے نام سے مشہور ہیں۔ چنانچہ دوس وحمیر بنی قحطان کے معزز و ممتاز قبیلے ہیں (مصر قدیم کی تہذیب انہی سے وابستہ تھی) ہر ایک قبیلہ کے اندر بلحاظ مراتب جو تقسیم ہو جاتی ہے۔ اسے بطن کہتے ہیں ایسے ہی ہر ایک قبیلہ کی اندرونی منقسم شاخیں بطون کہلاتی ہیں۔ +

مذہب یہ تمام قبائل بُت پرست تھے کسی کا کوئی مذہب نہ تھا مختلف فرقے مختلف اوہام میں جکڑے ہوئے تھے۔ ہر ایک خاندان کا بُت الگ الگ تھا چنانچہ بنی غسان کے بت کا نام عزّیٰ تھا۔ اور بنی حولان کا عم انس اسی طرح بنی طے یغوث فلس عروہ کو اپنا ذریعہ نجات سمجھتے تھے +

اِن بتوں کی شکلیں بھی مختلف ہوا کرتی تھیں ھبل جیسا بڑا بُت ایک درخت کی شکل میں تھا جس کے پوجاری بنی شیبان کے لوگ تھے +

انصاب ان پتھروں کو کہا جاتا تھا۔ جو کعبہ سے ذرا پرے نصب تھے۔ اور ان پر اونٹ کی قربانی چڑھائی جاتی تھی +

[۱] شعوب شعب کی جمع ہے۔ اور شعب بڑے قبیلہ کو کہتے ہیں :-

غرضیکہ ہر ایک قبیلہ کے لوگ الگ الگ اپنے اپنے بتوں کی پرستش کرتے تھے۔ کسی قبیلہ کا خدا (نعوذ باللہ) ہبل تھا کسی کا صفا۔ کوئی عزّےٰ کو اپنا خالق مانتا تھا کوئی نائلہ کو کسی کو لات سے عقیدت تھی کسی کو منات سے علیٰ ہذا ایک مختلف فرقوں کے تین سو ساٹھ بت کعبہ کے اندر رکھتے۔ اور یہی کعبہ شریف اس وقت تمام قبائل عرب کے بتوں کا مرکز تھا۔

جو فرقے آتش پرست ستارہ پرست اور تثلیث کے معتقد تھے۔ وہ صابئین عیسائی۔ راہب۔ کاہن کے نام سے مشہور تھے۔ صابئین ستارہ پرست اور آتش پرست۔ عیسائی تثلیث کے قائل۔ راہب عیسائیوں کے درویش (جو دنیاوی لذتیں ترک کرکے پہاڑوں اور جنگلوں میں اپنی زندگی بسر کرتے تھے) اور کاہن وہ جو غیب کی خبریں بتایا کرتے تھے۔

اعتقادات

چھٹی صدی عیسوی میں مشرکین عرب کے یہ مذہبی حالات ہیں۔ جو فرشتوں کو خداؤں کی بیٹیاں[ل] مانتے تھے۔

جو اونٹنی علی التواتر دس مادہ بچے جنے۔ درمیان میں کوئی نر بچہ پیدا نہ ہو۔ اس کو اہل عرب اپنے بتوں کی نذر کر دیتے تھے۔ اور وہ سائبہ کے نام سے یاد کی جاتی تھی۔ جو اونٹنی سائبہ ہو جانے کی حالت میں مادہ بچہ جنے وہ بچہ بحیرہ کہلاتا تھا۔ اس بحیرہ کے کان چھید دیئے جاتے تھے۔ اور سانڈوں کی طرح سائبہ کے ساتھ وہ بھی دیوتاؤں کے نام پر چھوڑ دیا جاتا تھا۔ سائبہ اور بحیرہ کے بال کاٹنا۔ ان سے سواری کا کام لینا۔ ان کا دودھ استعمال میں لانا۔ ان کا گوشت کھانا حرام تھا۔

البتہ مہمانوں کے واسطے اور بطور تبرک باہمی تقسیم کرنے کیلئے ان کا دودھ دوہ لینا جائز تھا۔ ان وحشی اقوام کا عقیدہ تھا۔ کہ جو شخص مار ڈالا جائے۔ اس کی کھوپڑی سے

[ل] نصاریٰ تو آج تک فرشتوں کو بالکل ایسی صورت میں سمجھتے ہیں جیسی صورت یونانیوں میں عشق کے دیوتا کیوپڈ کی خیال کی گئی ہے۔

ایک اُلّو نکلتا ہے۔ جب تک قاتل کے خون کا انتقام نہ لیا جائے۔ وُہ اُلّو ویرانوں میں بیٹھ کر چلایا کرتا ہے ۔

خرگوش کی ران کو گلے میں اس لئے ڈالا جاتا تھا چونکہ مادہ خرگوش کو حیض آتا ہے اس کی ناپاکی سے جن بھوت کا سایہ نہیں ہوتا ۔

جسے سانپ کاٹ جائے اسے عورتوں کے کپڑے اور زیور اس لئے پہنائے جاتے تھے۔ تاکہ اس سے سانپ کا زہر اثر نہ کرے ۔

کُتّے کے کاٹے کا زہر اتارنے کی نسبت اِن کا یہ عقیدہ تھا۔ کہ ایسے مریض کے لئے کسی بادشاہ کا خون پینا۔ اِس عارضہ کا بہترین علاج ہے۔ یہ وحشی تناسخ کے بھی قائل تھے۔ اِن کا عقیدہ تھا۔ کہ مرا ہوا شخص دوسرے قالب میں پھر آجاتا ہے اس لئے مردے کی قبر پر ایک اونٹ باندھ دیا جاتا تھا۔ تاکہ وُہ مردہ دوسرے قالب میں آکر اس اونٹ سے خدمت لے سکے ۔

رسومات | مجوسیوں کے مردے دخمہ میں رکھے جاتے تھے۔ جسے مردار خور جانور نوچ نوچ کر کھا جاتے تھے۔ یہ رسم زرتشتیوں کی تھی۔ جسے شاید عجمیوں نے عرب میں رواج دیا ہوگا۔ اور پارسیوں میں اب تک یہ رسم چلی آتی ہے ۔

سفر میں جاتے وقت پلٹ کر دیکھنا منحوس خیال کیا جاتا تھا۔ راستہ بھول جانے پر اپنے کپڑے اُتار کر اُلٹے پہنے جاتے تھے۔ تاکہ راستہ یاد آجائے ۔

جو شخص کسی دوسرے قبیلے کا ستایا ہوا ہوتا تھا۔ وہ اپنے قبیلہ کے لوگوں کو اس ظلم پر توجہ دلانے کیلئے برہنہ ہوجاتا تھا۔ تاکہ لوگ مظلوم سمجھ کر اس کی مدد کریں ۔

جس شخص کو قتل کرنا منظور ہوتا۔ اِس کی پیشانی کے بال کھینچنے علامتِ قتل تصوّر کی جاتی تھی۔ اس کی کہنیوں اور کلائیوں میں زعفران لگایا جاتا تھا۔ اس رسم کا نام خلوق تھا۔ گدھے کی بولی بول کر دوسرے شہر میں داخل ہونا وبا کے اثر سے محفوظ رہنا

خیال کیا جاتا تھا ؂

عادات و اطوار ایسی ہی بیہودہ رسومات میں تمام عرب منہمک تھا۔ قمار بازی رات دن کا مشغلہ، شراب خوری کی اسقدر کثرت کہ بچے سے لے کر بوڑھے تک پی کر بدمست ہو جاتے تھے ۔ بدکاری کی کوئی حد ہی نہ تھی۔ باپ کا بیٹی سے اور بیٹے کا اپنی ماں تک ناجائز تعلق ہونا معیوب نہ تھا ؂

تمدن مائیں بیٹوں کو باپ کے ترکے میں ملا کرتی تھیں۔ عورتوں کو بقر (بیل) کی مانند سمجھا جاتا تھا۔ اِن وحشیوں کا خیال تھا۔ کہ جس طرح بیل آلہ زراعت ہے۔ اسی طرح عورت بھی ہے۔ لیکن عورتوں کو بھی اپنے نکاح کے فسخ[1] و بقا کا پورا اختیار تھا ؂

نکاح کا یہ طریقہ تھا۔ کہ مرد اور عورت آپس میں عہد وفا کرتے وقت اپنی اپنی چادر ایک دوسرے کے سر پر ڈال کر پھاڑ ڈالتے تھے۔ جو ایسا نہ کرتا تھا۔ اُن کے متعلق یہ سمجھ لیا جاتا تھا۔ کہ یہ محبت پائیدار نہ رہے گی۔ بلکہ چند روز بعد دونوں میں سے کوئی ضرور بے وفائی کرے گا ؂

عِدت کا یہ دستور تھا۔ کہ جس عورت کا خاوند مرجاتا تھا اسے گھر سے باہر کر دیتے تھے ۔ اور وہ عورت شہر سے باہر کسی جھونپڑے یا پہاڑ کی کھوہ میں کامل ایک سال تک رہتی تھی ۔ اِس عرصہ میں نہ کوئی اس سے ملتا تھا۔ اور نہ وہ کسی سے مِل سکتی تھی۔ پورا ایک برس گذرنے پر آخری تاریخ کو کسی بکری یا بھیڑ کو بدن کے خاص حصہ سے

[1] جس سے نکاح کر کے ہم بستر ہوتیں صبح کو اُنکی مرضی ہوتی تو اِس شخص سے تعلق قائم رکھتیں۔ ورنہ فسخ کر دیتیں ایسی عورتوں میں ام خارجہ کا درجہ سب سے بڑھا ہوا تھا۔ اس کا تو یہ حال تھا۔ کہ راہ چلتے باتوں باتوں میں ایجاب و قبول ہو جاتا تھا کوئی قبیلہ نہ تھا جس میں اس عورت نے نکاح نہ کیا ہو۔ یہ غریب عورتوں کا ہی کام نہ تھا۔ بلکہ ملکہ حیرہ تک اس مرض میں مبتلا تھی۔ جس کا نام ماویہ بنت عفزر تھا۔ وہ اِس قدر فاحشہ تھی۔ کہ روز ایک نئے شخص سے ملتی تھی۔ اس نے اپنے غلاموں کو یہ خاص حکم دے رکھا تھا۔ کہ وہ جس خوبصورت جوان کو دیکھیں اسے اپنی ملکہ کے پیش کریں۔ چنانچہ ایک دفعہ بیچارا حاتم طائی بھی کہیں آپھنسا تھا لیکن خوف خدا سے کسی بہانے وہاں سے جان چھڑا کر بھاگ نکلا ؂

وُہ سامان جمع کرتے جس کی ضرورت فوج کی آراستگی کے لئے ہوتی تھی ۔

اعنہ ۔ گھوڑوں کی باگوں کو کہتے ہیں ۔ اِس منصب کا مالک حالتِ جنگ میں قریش کے گھوڑوں کا نگران ہوتا تھا ۔ اور ان کی ضروریات کی فکر کرتا تھا ۔

سفارت | یہ اِس قسم کی خدمت تھی ۔ کہ جب اہل قریش کسی دوسرے عربی قبیلہ سے جنگ کرتے اور اس سے صلح کی گفتگو کرنا چاہتے ۔ تو کسی سفیر کو بھیجتے تھے ۔ اور اگر کوئی خاندان کسی قسم کا فخر جتانے کے ساتھ اِن سے منافرت کرتا ۔ تو سفیر ہی کو منافر بناتے اور اِس کے حکم کو تسلیم کرتے تھے ۔

ایسار ۔ فال کے تیروں سے استخارہ وغیرہ کے طور پر باہم تقسیم کرنے کے عمل کا نام تھا ۔ جب وُہ جنگ یا سفر کے واسطے کِسی اہم کام کی بابت تقسیم کرنا چاہتے تو اِنہی جوئے کے تیروں سے کرتے ۔ جیسا کہ آجکل چھٹی یا لاٹری ڈالنے کا طریقہ جاری ہے ۔ اس خدمت کی تولیت بنی جمح کے گھرانے میں تھی ۔

حکومت | یہ ان کے یہاں لوگوں کے مابین واقع ہونیوالے جھگڑوں اور اختلافوں کے فیصل کرنے کا نام تھا ۔ جو اسلامی عہدہ قضا کے مشابہ تھی ۔

اموال محجرہ | یہ اِس قسم کے مال ہوتے تھے جنہیں وُہ لوگ اپنے دیوتاؤں کے نام پر نامزد کر کے چڑھاتے تھے ۔ اِس میں نقد اور زیور سب کچھ شامل ہوتا تھا ۔ اور یہ اوقات بیت المال کے مشابہ ہوتا تھا ۔ اِس کی ولایت بنی سہم کے گھرانے میں تھی ۔

عمارۃ ۔ اِس سے یہ مراد ہوتی تھی ۔ کہ خانہ کعبہ کی مسجد (بیت الحرام) میں کوئی شخص گالی یا بُری بات زبان سے نکالے اور وہاں چیخنے چِلّانے نہ پائے ۔

چنانچہ مندرجہ بالا خدمات اہل قریش کے تمام کنبوں کو راضی رکھنے کیلئے سپرد کر دی گئیں تھیں ۔ تا کہ آپس میں رشک و عداوت پیدا نہ ہو ۔ کعبہ شریف کی انہی خدمات کے باعث اہلِ قریش دیگر خاندانوں میں عزت و حرمت کی نظر سے دیکھے

جانتے تھے +

صورتِ گذارا وہ قبیلہ تمام قبائل سے قابل عزت اور ذی اقتدار سمجھا جاتا تھا۔ جو اونٹوں گھوڑوں، بھیڑوں، بکریوں، کے گلہ بان ہوتے تھے۔ ایسے لوگ جابجا اپنے ریوڑ لئے پھرتے تھے جس جگہ اِن کو پانی کا چشمہ اور چارہ نظر آتا تھا۔ وہیں اپنے ڈیرے لگا دیتے تھے، یہ لوگ گوشت دودھ، دہی، گھی، ایندھن، اُون، چمڑہ وغیرہ ہر وقت استعمال کر سکتے تھے۔ رات کو اپنے ریوڑ کی حفاظت کیلئے اونٹوں کی مینگنیوں سے آگ روشن کرتے تھے، اُون سے اپنے جسم ڈھانکتے اور مویشیوں کی کھالوں کے خیمے تان کر اس میں رہا کرتے تھے، غریب لوگ لوٹ مار سے اپنا پیٹ پالتے تھے، اور کھال کے خیمہ کی بجائے کملیاں تان کر اسمیں رہتے تھے +

باہمی خصومت شہری کی غیر شہری سے اور ایک قبیلہ کو دوسرے قبیلہ سے اس قدر خصومت رہتی تھی۔ کہ ایک دفعہ کسی غسّانی نے ایک حیرہ والے کے کان کاٹ کر اس سے اپنی جوتیاں سی لیں، اسی واقعہ پر اِس زمانہ کے مشہور شاعر لبید[1] نے یہ شعر کہا۔ جو ایک مقولہ مشہور ہو گیا + ؎

مخصف بالاٰذان منکم لغالنا + ونشرب کرھا منکم فی الجماجم

یعنی کانوں سے جوتیوں کا کام لیا جائے + اور کھوپری سے جام شراب کا

غرضیکہ رہزنی لوٹ مار اِن کا پیشہ تھا، اور فتنہ و فساد شغلہ جو بات دل میں ٹھن جاتی

---

[1] لبید عرب کے ان مشہور شعرا میں سے ایک ہے جس نے جاہلیت اور اسلام کے دونوں زمانے دیکھے ہیں۔ ۱۴۵ سال تک زندہ رہا پچانوے برس جاہلیت اور ۵۰ برس زمانہ اسلام میں، زمانہ اسلام سے اس نے اپنے اشعار جاہلیت کہنا، قطعاً موقوف کر دیئے تھے۔ حضرت عمرؓ نے اپنے عہد خلافت میں ایک دن مغیرہ بن شعبہ والی کوفہ کو لکھا تھا۔ کہ موجودہ شعرا میں سے جو شخص سب سے اچھا کہتا ہو اسے میرے پاس روانہ کرو۔ چنانچہ مغیرہ نے لبید کو کوفہ سے بلوا کر حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے مجبور کیا۔ لیکن اس نے اس عہدہ کو قبول نہ کیا۔ زیادہ اصرار کرنے پر ایک جز پر سورہ بقر لکھ کر کہدیا کہ اب جو کچھ ہے وہ یہی ہے،

اس واقعہ کی جب حضرت عمرؓ کو خبر ہوئی، تو پانچ سو درہم سالانہ وظیفہ لبید کا مقرر فرمایا۔ ،،

تھی، وہ کر بیٹھتے تھے، کسی معمولی سی بات پر اڑ جانا باہمی قبیلوں میں ایک خوفناک جنگ کا اعلان سمجھ لیا جاتا تھا۔ ایسے جھگڑے کسی ملکی یا سیاسی مسائل پر مبنی نہ تھے، بلکہ محض خصومت کا بدلہ لینے کیلئے اِس زمانہ جاہلیت میں بدلہ لینے کی عادت ہر ایک کی گھٹی میں پڑی تھی، جو خون زیادہ قیمتی سمجھے جاتے تھے، ان پر رونے والی عورتیں اِس وقت تک نہ روتی تھیں، جب تک اُن کا انتقام نہ لیا جائے، یہ خصومت پانی بھرنے، مویشی چرانے، گھوڑا بڑھانے پر ہو جایا کرتی تھی۔ اور اِن معمولی سی معمولی باتوں پر فتنہ فساد کی آگ ایسی مشتعل ہوتی تھی، جس کے شعلے نصف صدی تک برابر بھڑکتے رہتے تھے، اور اِس آتش فساد میں ہزارہا لوگ خاک و خون میں مل جاتے تھے۔

چنانچہ اُس زمانہ میں اسی وجہ خصومت کے باعث بارہ سَو کے قریب خونریز لڑائیاں ہوئی ہیں۔ اور اِن میں اکثر لڑائیاں اب تک وجہ مخاصمت کے نام سے عرب میں مشہور ہیں۔ جن میں سے صرف دو خونریز لڑائیوں کا جو جنگ لبوس اور جنگ واحس سے مشہور ہیں، مختصر حال یہ ہے۔

جنگ لبوس قبیلہ بنی بکر اور قبیلہ بنی ثعلب کے درمیان ہوئی، اور اِس وجہ سے ہوئی، کہ ایک امیر شخص کلیب نامی نے اپنی چراگاہ کے متعلق یہ اعلان کر دیا تھا۔ کہ کوئی گلہ بان یا کوئی چرواہا میری چراگاہ میں مویشی نہ چروائے۔

اتفاق کی بات تھی، کہ دوسرے قبیلہ میں ایک مہمان حساس نامی ٹھہرا ہوا تھا، جس کے ساتھ ایک اونٹنی بھی تھی۔ چونکہ وُہ نووارد تھا۔ اور کلیب کے اِس اعلان سے بیخبر تھا۔ اِس لئے اِس نے اپنی اونٹنی کو کھلا چھوڑ دیا تھا۔ لہٰذا حساس کی اونٹنی کلیب کے کھیت میں چلی گئی۔ کھیت کی محافظہ ایک عورت تھی۔ اس نے اِس اونٹنی کو بُری طرح مارا۔ بلکہ اس کے تھن بھی کاٹ ڈالے۔ اونٹنی جب اپنے مالک حساس کے پاس پہنچی، نتیجہ یہ ہوا۔ کہ کلیب اور حساس کے قبیلوں یعنی بنی بکر اور بنی ثعلب

میں ایک خوفناک لڑائی ٹھن گئی۔ اور رفتہ رفتہ عرب کے تمام قبیلے اس جنگ میں شریک ہوئے۔ یہ لڑائی ۴۹۴ء سے شروع ہوئی اور ۵۳۴ء تک رہی۔ جسمیں ستر ہزار جانیں تلف ہوئیں *

جنگ داحس | یہ جنگ ایک گھوڑے کے متعلق ٹھنی۔ قیس نامی ایک امیر شخص نے گھوڑ دوڑ میں اپنا گھوڑا (جس کا نام داحس تھا) حذیفہ کے گھوڑے کے ساتھ دوڑانے کی شرط بدھی، قیس کا گھوڑا بڑھنے کو تھا۔ کہ حذیفہ کے ہم نواؤں میں کسی نے داحس کو بدکا دیا۔ اتنی سی بات پر ایسا رن پڑا کہ قبیلے کے قبیلے کٹ مرے یہ لڑائی اسی زمانہ یعنے ۵۶۸ء سے شروع ہوئی۔ اور ۶۳۱ء تک قریباً ۶۳ سال رہی *

اجتماع قومی | ان وحشی قبائل کے سردار اپنے اپنے قبیلوں پر اگرچہ برائے نام حکمران تھے۔ لیکن ہر شخص کو اپنی خواہشات نفسانی پر پورا اختیار تھا۔ کوئی قانون کسی قسم کا حکم کسی کے لئے نافذ نہ تھا۔ ان کے من گھڑت فسانے اپنے ایجاد کردہ چلن جتنے بھی تھے۔ سب وحشیانہ تھے۔ البتہ ملکی اقتدار برقرار رکھنے اور دیگر اقوام سے جائز و ناجائز بدلہ خصومت لینے کی غرض سے ان میں ایک رسم محالفہ قائم تھی، یعنی دو قبیلوں کے سردار آپس میں مل کر اس بات کی قسم کھاتے تھے۔ کہ ہر امر میں ایک دوسرے کا ساتھ دیا جائے *

چنانچہ دونوں قوموں میں اس طرح محالفہ ہو جاتا تھا۔ اور اس محالفہ کے بعد وہ قومیں ایک دوسری کی حلیف کہلاتی تھیں *

علاوہ ازاں مکہ شریف سے دس میل کے فاصلہ پر شہر طائف اور قصبہ نخلہ کے درمیان ایک چھوٹے سے جنگل میں سال بھر کے بعد ایک دفعہ تمام قبائل عرب ہر طرف سے جمع ہوتے تھے۔ اور اس لئے جمع ہوتے تھے تاکہ آپس کے

تجارتی حساب وکتاب لین دین و دیگر معاملات کو طے کیا جائے۔ اِس جائے اجتماع کا نام سوق یعنی بازار عکاظہ تھا، زمانہ جاہلیت کا یہ مشہور بازار تھا جسمیں تمام عرب کے دُور و نزدیک سب قبیلے مع اپنی عورتوں اور بچّوں کے جمع ہوتے تھے۔ اور یہ بیشمار مخلوق خدا اپنے کملوں اور دھسّوں کے خیمے تان تان کر فروکش ہوتی تھی، کئی روز تک اِس بازار میں علاوہ لین دین، مُلکی معاملات و مبادلۂ مذاق کے پہلوان اپنی پہلوانی کے، بہادر اپنی بہادری کے کرتب دکھاتے۔ جانوروں کی نمائش ہوتی۔ گھوڑوں کو سدھانے کا طریقہ بتایا جاتا۔ شاعر اپنی قوم کی خوبصورت عورتوں کی مدح یا مذمت کے قصیدے پڑھتے، اور اِس کی داد حاصل کرتے تھے +

شام و عدن کا ریشمی کپڑا، یمن کی چادریں، نجد کی کملیاں، عراق کا غلہ اور کم قیمت زیور عربی خانہ بدوشوں کے بنائے ہوئے مشکیزے پکھالیں۔ انکے بندھن اِن سب چیزوں کی خرید و فروخت ہوتی تھی، جہاں ارض حیرہ اور والئے غسّان[1] کے گماشتے مشک اور نافہ بیچتے دیکھے جاتے تھے، وہاں غریب اور بیوہ عورتیں، سوکھی کھجوریں جو اور ستّو فروخت کرتی بھی نظر آتی تھیں +

مُلکی اقتدار | یہ بازار مکہ شریف کے قریب اور شہر طائف و قصبہ نخلہ کے پاس سال بھر میں ایک دفعہ لگتا تھا، تمام قبائل عرب کا مُلکی اقتدار اِس بازار پر مبنی تھا +

یہ سب کچھ تھا، لیکن اس ریگستان کے رہنے والے بلا کے جیالے تھے۔ عرب کا وُہ حصہ جو شمال میں شام کی سرحد پر واقع ہے۔ اگرچہ اب نہایت ہی غیر آباد ہے۔ لیکن عجیب مردم خیز خطہ واقع ہوا ہے۔ بنی اسرائیل جس دشت میں چالیس سال تک

[1] زبید اور زمع نام دو وادیوں کے درمیانی میدان کا نام غسان تھا جسمیں قبیلہ ازد کا ایک گروہ اترا اور انہوں نے اسی مقام پر اپنی بود و باش اختیار کی جس کی وجہ سے ان کا نام غسان مشہور ہو گیا۔ انہی غسانیوں نے وُہ قدرت حاصل کی کہ فرمانروائے شام بنی ضجیم کو تباہ کر کے تاج و تخت کے مالک بن گئے +

پہاڑوں میں ٹکراتے پھرتے تھے ۔ وہ یہی صحرا ہے، حضرت موسیٰ علیہ السّلام کی وفات کے بعد یوشع بن نون کو جس زبردست عمالقہ قوم سے لڑنے کا حکم ہوا تھا، اس تنومند قوم کا مسکن انہی ریگستانوں میں تھا +

عوج بن عنق جسکی طاقت اور ڈیل ڈول کے افسانے اکثر سننے میں آتے ہیں، وہ اسی دشت ناپیدا کنار کا ایک معمولی باشندہ تھا +

ملکہ زنوبیہ[۱] جس نے عراق سے لیکر روما تک ساری مہذب دُنیا کو ہلا دیا تھا، اسی دشت کی بالو پر کھیلنے والی لڑکی تھی +

یہ سرزمین قدیم الایام میں قوم عمالقہ نے آباد کی تھی، جو دُنیا کی ایک بہت پرانی قوم تھی، ان کا آخری حاکم سمیدع بن ہوثر تھا، جسے حضرت موسےٰ علیہ السّلام کے بعد یوشع بن نون نے قتل کیا، اور اس کے بعد بنی اسرائیل یہاں کے مالک ہوگئے۔ یوشع کے بعد یہاں کی حکومت قوم عمالقہ کے ہی ایک خاندان بنی حسان میں رہی۔ اور اُنہیں میں سے یہاں کی مشہور ملکہ زبا بھی تھی +

اس کے بعد قبائل یمن میں سے بنی قضاعہ یہاں آکے سکونت پذیر ہوئے، اور جب پچھلے عملیقی خاندان کی حکومت کمزور ہوئی، تو اُنہوں نے سر اُٹھایا۔ چنانچہ ان

[۱] ملکہ زنوبیہ نے (جو ملکہ سبا کے نام سے اہل عرب میں مشہور تھی) اپنے علم و فضل اور اپنی شجاعت و جوانمردی سے ساری دُنیا میں عقلمندی کا ڈنکا بجا دیا تھا، لیکن آخر اس نامور نے ملکہ زنوبیہ کا کام بھی تمام کیا، دولت روم متواتر شکستیں کھا کے بڑے جوش و خروش سے متوجہ ہو گئی اور خود اوریلین قیصر دُور دراز کا سفر کر کے عربی غارت گروں کے ہاتھ سے لٹتا اور نقصان اُٹھاتا ہوا یہاں پہنچا جو زنوبیہ کو گرفتار کر کے شہر رُوم میں لے گیا، ملکہ زنوبیہ کی گرفتاری کے چند روز بعد ہی ایک دوسرا خاندان حکومت کرنے لگا جو خاندان بنی قضاعہ کے نام سے مشہور تھا جن میں سب سے پہلے تنوخ نام شخص نے عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لی، لیکن یہ نئی سلطنت دولت روم کے تابع تھی۔ اس خاندان کے تین ہی بادشاہ حکومت کرنے پائے تھے، کہ اسی قبیلے کے سلیح نام ایک شخص نے زبردستی ملک پر قبضہ کر کے پہلے خاندان کو اُکھاڑ کے پھینک دیا، سلیح کو بھی دولت رُوم سے انحراف کرنے کی جرأت نہ ہوئی، اور آخر اس نے قیصر ٹیٹس سے خاص طور پر پروانہ خوشنودی حاصل کر کے حکومت شروع کی سلیح کی نسل مدت ہائے دراز تک اس ملک پر حکمران رہی یہاں تک کہ اس نسل میں داؤد بن تشق نام ایک شخص بادشاہ ہوا چنانچہ اس وقت یہ خاندان بنی ضجیم کے نام سے نامزد تھا +

تجارتی حساب و کتاب لین دین و دیگر معاملات کو طے کیا جائے۔ اِس جائے اجتماع کا نام سوق یعنی بازار عکاظہ تھا، زمانہ جاہلیّت کا یہ مشہور بازار تھا۔ جسمیں تمام عرب کے دُور و نزدیک سب قبیلے مع اپنی عورتوں اور بچوں کے جمع ہوتے تھے۔ اور یہ بیشمار مخلوق خدا اپنے کملوں اور دھسّوں کے خیمے تان تان کر فروکش ہوتی تھی، کئی روز تک اِس بازار میں علاوہ لین دین، مُلکی معاملات و مبادلہ مذاق کے پہلوان اپنی پہلوانی کے، بہادر اپنی بہادری کے کرتب دکھاتے۔ جانوروں کی نمائش ہوتی۔ گھوڑوں کو سدھانے کا طریقہ بتایا جاتا۔ شاعر اپنی قوم کی خوبصورت عورتوں کی مدح یا مذمت کے قصیدے پڑھتے، اور اِس کی داد حاصل کرتے تھے +

شام و عدن کا ریشمی کپڑا، یمن کی چادریں، نجد کی کملیاں، عراق کا غلہ اور کم قیمت زیور عربی خانہ بدوشوں کے بنائے ہوئے مشکیزے پکھالیں۔ انکے بندھن اِن سب چیزوں کی خرید و فروخت ہوتی تھی، جہاں ارضِ حیرہ اور والئے غسّان[1] کے گماشتے مشک اور نافہ بیچتے دیکھے جاتے تھے، وہاں غریب اور بیوہ عورتیں، سوکھی کھجوریں، جَو اور ستّو فروخت کرتی بھی نظر آتی تھیں +

مُلکی اقتدار | یہ بازار مکّہ شریف کے قریب اور شہر طائف و قصبہ نخلہ کے پاس سال بھر میں ایک دفعہ لگتا تھا، تمام قبائل عرب کا مُلکی اقتدار اِس بازار پر مبنی تھا +

یہ سب کچھ تھا، لیکن اِس ریگستان کے رہنے والے بلا کے جیالے تھے۔ عرب کا وہ حصّہ جو شمال میں شام کی سرحد پر واقع ہے۔ اگرچہ اب نہایت ہی غیر آباد ہے۔ لیکن عجیب مردم خیز خطّہ واقع ہوا ہے۔ بنی اسرائیل جس دشت میں چالیس سال تک

[1] زبید اور زمع نام دو وادیوں کے درمیانی میدان کا نام غسان تھا، جسمیں قبیلہ ازد کا ایک گروہ اترا اور انہوں نے اسی مقام پر اپنی بود و باش اختیار کی جس کی وجہ سے ان کا نام غسان مشہور ہو گیا۔ انہی غسانیوں نے وہ قدرت حاصل کی کہ فرمانروائے شام بنی ضجیم کو تباہ کر کے تاج و تخت کے مالک بن گئے +

پہاڑوں میں ٹکراتے پھرتے تھے۔ وہ یہی صحرا ہے، حضرت موسیٰ علیہ السّلام کی وفات کے بعد یوشع بن نون کو جس زبردست عمالقہ قوم سے لڑنے کا حکم ہوا تھا، اس تنومند قوم کا مسکن انہی ریگستانوں میں تھا +

عوج بن عنق جسکی طاقت اور ڈیل ڈول کے افسانے اکثر سننے میں آتے ہیں، وہ اسی دشت ناپیدا کنار کا ایک معمولی باشندہ تھا +

ملکہ زنوبیہ[1] جس نے عراق سے لیکر روما تک ساری مہذب دُنیا کو ہلا دیا تھا، اِسی دشت کی بالو پر کھیلنے والی لڑکی تھی +

یہ سرزمین قدیم الایّام میں قوم عمالقہ نے آباد کی تھی، جو دُنیا کی ایک بہت پرانی قوم تھی، ان کا آخری حاکم سمیدع بن ہوثر تھا، جسے حضرت موسےٰ علیہ السّلام کے بعد یوشع بن نون نے قتل کیا، اور اس کے بعد بنی اسرائیل یہاں کے مالک ہو گئے۔ یوشع کے بعد یہاں کی حکومت قوم عمالقہ کے ہی ایک خاندان بنی حسان میں رہی۔ اور اُنہیں میں سے یہاں کی مشہور ملکہ زبا بھی تھی +

اِس کے بعد قبائل یمن میں سے بنی قضاعہ یہاں آ کے سکونت پذیر ہوئے، اور جب پچھلے عملیقی خاندان کی حکومت کمزور ہوئی، تو اُنہوں نے سر اُٹھایا۔ چنانچہ اِن

[1] ملکہ زنوبیہ نے (جو ملکہ سبا کے نام سے اہل عرب میں مشہور تھی)، اپنے علم و فضل اور اپنی شجاعت و جوانمردی سے ساری دُنیا میں فتحمندی کا ڈنکا بجا دیا تھا، لیکن آخر اس نامور نے ملکہ زنوبیہ کا کام بھی تمام کیا۔ دولت روم متواتر شکستیں کھا کے بڑے جوش و خروش سے متوجہ ہو گئی اور خود اوریلین قیصر دُور و دراز کا سفر کر کے عربی غارت گروں کے ہاتھ سے لٹتا اور نقصان اُٹھاتا ہوا یہاں پہنچا جو زنوبیہ کو گرفتار کر کے شہر روم میں لے گیا، ملکہ زنوبیہ کی گرفتاری کے چند روز بعد ہی ایک دوسرا خاندان حکومت کرنے لگا جو خاندان بنی قضاعہ کے نام سے مشہور تھا جن میں سب کے پہلے تنوخ نام شخص نے عمان حکومت اپنے ہاتھ میں لی، لیکن یہی سلطنت دولت روم کے تابع تھی۔ اِس خاندان کے تین ہی بادشاہ حکومت کرنے پائے تھے، کہ اسی قبیلے کے سلیح نام ایک شخص نے زبردستی ملک پر قبضہ کر کے پہلے خاندان کو اُکھاڑ کے پھینک دیا، سلیح کو بھی دولت روم سے انحراف کرنے کی جرأت نہ ہوئی، اور آخر اس نے قیصر ٹیٹس سے خاص طور پر پروانہ خوشنودی حاصل کر کے حکومت شروع کی سلیح کی نسل مدت ہائے دراز تک اس ملک پر حکمران رہی یہاں تک کے اس نسل میں داؤد بن تشق نام ایک شخص بادشاہ ہوا۔ چنانچہ اس وقت یہ خاندان بنی ضجعم کے نام سے نامزد تھا +

میں سے تنوخی لوگ اِس خطہ پر قابض ہو گئے چنانچہ اِس گھرانے کے مسلسل تین فرماں روا ایسے گذرے ہیں۔ جو ہمیشہ رومیوں کے ماتحت رہے +

آخر ۶ ؁ء میں اِن لوگوں کا بھی زور ٹوٹ گیا۔ اَور اسی قبیلہ قضاعہ میں سے نسل سلیح کے لوگ فرمانروا ہو گئے، گذشتہ تاریخ عرب سے پتہ چلتا ہے۔ کہ اِس خاندان کو طیطوس قیصر روم نے بیت المقدس کے تباہ و برباد کرنے کے بعد حاکم عرب بنا دیا تھا، لہذا ان کے بعد انہیں کے قبیلہ بنی عم میں سے ضجعمی لوگ اِس سرزمین پر قابض ہو گئے، جنہوں نے دولت روم کے خوش کرنے کیلئے دین عیسوی اختیار کر لیا، چنانچہ اِس مذہبی عقیدت کے لحاظ سے رومیوں نے بھی اِس خاندان کو حاکم عرب تسلیم کر لیا۔ اَور یہ لوگ علاقہ بلقا میں موآب نام ایک شہر کے قریب سکونت پذیر ہو گئے +

گویا اِس زمانہ میں سرحد شمال کی جانب مُلک رُوم کی پشت پناہی پر بنی ضجعم آباد تھے شمال مغرب کی طرف حیرہ کا ملک تھا۔ جو دولت عجم کی منظوری سے برسرِ اقتدار ہو گئے تھے جنوبی عرب کے حصّہ میں ایک ایسی ہی عارضی سلطنت قائم تھی، جسے اختلاف مذہبی کے باعث آئے دِن ایران اَور حبشہ کی فوجوں سے پامال ہونا پڑتا تھا +

غرضیکہ علاوہ اِن چند عارضی سلطنتوں کے تمام عربی قبائل عرب کے چاروں طرف پھیلے ہوئے تھے، جو آپس میں چھوٹی چھوٹی باتوں پر لڑتے رہتے تھے، اِن پر اپنے اپنے سردارانِ قبائل کی حکومت تو تھی، لیکن ہر ایک سردار کو صرف اپنے ہی قبیلہ کے لوگوں سے تعلق تھا، مُلک کے جغرافیہ پر ان کا کوئی اثر نہ تھا، انکی قلمرو صرف اپنے ہی قبائل کے افراد پر منحصر تھی، زمین کی مسافت میلوں، فرسنگوں سے ان کا کوئی تعلق نہ تھا، اَور نہ بلحاظ تمدّن و تجارت ممالک غیر کے سیاحوں اور تاجروں کو سوائے شہر بصرٰی کے کسی عربی دار السلطنت سے تعلق ہی تھا +

ممالک غیر کا مرکز تجارت | ۶ ؁ء میں صحرائے عرب کے شمالی شہر بصرٰی کو جو بحر لوطہ کے

جنوبی ساحل سے پندرہ بیس کوس کی مسافت پر، علاقہ ادوم اور ارض بنی مواب کے درمیان کوہستان سعیر کے مشرقی دامن سے پانچ چھ میل بنی ضجعم کے پایہ تخت کے قریب تھا، لیکن یہ تجارتی مرکز یعنے بصرے کسی سلطنت کا مستقر نہ تھا، اور نہ کسی حکومت کا مرکز مانا جاتا تھا محض غیر ممالک کا مرکز تجارت ہونیکے باعث اسمیں شاہانہ عظمت وجبروت کا سماں نظر آتا تھا۔ جدھر دیکھئے، دولتمند امرا کے سربفلک ایوان اور بڑے بڑے تاجروں کے عالیشان محل نظر آتے تھے *

شہر بصریٰ کی اس سطوت اور شاہانہ تمکنت کی وجہ دراصل یہ تھی، کہ اس زمانے میں یہاں مشرق سے ایران وعراق کے قافلے مال تجارت لیکر آتے تھے جن کے ساتھ اہل فارس اور شمالی ہندوستان وخطا وختن کی نادر روزگار چیزیں ہوتی تھیں، جنوب سے عربوں کے قافلے یمن، حضرموت عمّان بحرین کی پیداوار لاتے مغرب سے مصر وافریقہ کے قافلے ملکی سامان تجارت لیکر پہنچتے، شمال سے دمشق اور روم کا مال آتا *

غرض دن بھر میں کوئی گھڑی ایسی نہیں گذرتی تھی، جبکہ بصریٰ میں جرس کارروان کی آواز نہ سنی جاتی ہو، تجار لوگ مہینوں یہاں قیام کر کے مال تجارت کا باہمی تبادلہ کرتے اور جیسے لدے پھندے بصریٰ میں آتے تھے، ویسے ہی علاقہ عرب کی نئی چیزیں اور نئے مال سے لدے بھرے واپس ہوتے تھے *

پولیٹیکل اور سوشل حالت

اس مرکز تجارت میں علاوہ اس کاروبار کے عیسائیوں کی آبادی بھی کثرت سے تھی" اس کی وجہ یہ تھی، کہ سلطنت روم اس وقت کیتھولک مسیحیت کی حامی تھی، اس لئے تمام فرقے بالخصوص عیسائیوں کے گروہ کے گروہ ان کے مظالم سے تنگ آکر شہر بصریٰ میں پناہ گزین ہورہے تھے، چونکہ بصریٰ عرب کا سرحدی شہر ہونے کے باعث اپنی عربی آزادی کو عزت اور آبرو کے ساتھ بچائے ہوئے تھا جس میں دُنیا کے ہر ایک ستم رسیدہ شخص کو پناہ مل جاتی تھی، یہی وجہ تھی کہ نصاریٰ کے ہر فرقہ

کے اسقف اور راہب بھی یہیں آنکر سکونت پذیر ہو گئے تھے، جن کے بڑے بڑے کنیسے اور عالی شان خانقاہیں ہر طرف پھیلی ہوئی تھیں +

قطع نظر اس کے اس زمانہ میں آرمینیا و رویار بکر کے علاقے دولت روم اور دولت ساسانی کی جنگ و پیکار کی رزم گاہ بنے ہوئے تھے جسمیں سلطنت ساسانی و رومی کے زیر حکم مجوسیّت اور نصرانیت میں سخت مقابلہ ہو رہا تھا، اور اس مذہبی نزاع کے باعث وہاں کی حکومت آئے دن بدلتی رہتی تھی یعنی کبھی ساسانی قابض ہو جاتے تھے، اور کبھی رومی، جس کا آخری نتیجہ یہ ہوا، کہ مذکورہ ممالک کے صدہا عیسائی اور مجوسی خاندان کے سینکڑوں افراد بھی اپنے اپنے وطن کو خیرباد کہہ کر بصرے میں ہی آن کر سکونت پذیر ہو گئے تھے +

لہٰذا اس مرکز تجارت میں کوئی مذہب ایسا نہ تھا جس کے پیرو یہاں موجود نہ ہوں، اور جن کے معابد اور عزلت کدے عرب کے اس شمالی شہر میں تعمیر نہ ہو گئے ہوں + یہودی مجوسی، صابی، بُت پرست، عیسائی، اور پھر عیسائیوں کے بھی بہتیوں[1] فرقوں کے مقلدین آپسمیں مِل جُل کر اپنی زندگی آزادی سے یہاں بسر کرتے تھے +

اِس وقت چونکہ بصرےٰ تمام دُنیا کے مذاہب کا مامن اور مختلف عقائد کا مرجع بنا ہوا تھا، اس لئے یہاں مذہبی مباحث بھی ہوا کرتے تھے، ان مباحث اور رات دن کے جھگڑوں نے بہت سے صاحب علم اور ذی ہوش لوگوں کو بھی اپنے اپنے مذہب اور ذریعہ نجات کے متعلق مشتبہ کر دیا تھا، نہ کسی عقیدے پر اِن کا دِل جمتا اور نہ کسی

---

[1] آریوس حضرت مسیح کے احکام کا سچا اور پکا پیرو تھا، اسے عقیدۂ تثلیث کے ماننے سے انکار تھا، اور توحید کا زبردست حامی تھا، مگر کیتھولک عقیدے کی رومی کونسل نے اسے ملحد و بیدین قرار دیکر جلاوطن کر دیا، اس جلاوطنی میں وہ بھی اس شہر بصرےٰ میں آ رہا تھا، قسطنطین نے اگرچہ چند روز بعد اس کا قصور معاف کر کے اس کی حمایت کی تھی، مگر تثلیث پرست عیسائیوں کے شور و غل میں آریوس کیلئے شاہ قسطنطین کی حمایت بھی کچھ کام نہ آئی، اور نہ آریوس کی توحید کی آواز ہی سُنی گئی، آخر آریوس کے تمام پیرو بھی بصرے میں آہستہ آہستہ آ گئے +

مذہب کی روحانی تعلیم سے ان کے دِل کو تسلّی ہوتی تھی، یہ حالت تذبذب کچھ بصریٰ پر ہی موقوف نہ تھی، بلکہ ساری دُنیا اسی تردد میں پڑی ہوئی تھی، کہ سچّا دین کونسا ہے، اور حق کی تلاش اگر کی بھی جائے تو کہاں، عرب قدیم کی سوشل حالت کا یہ مختصر خاکہ ہے۔ اور پولٹیکل حالت کا یہ نمونہ تھا، کہ اس وقت فرمانروائے مواب (سرحد شمال کی جانب) +

پولٹیکل حالت ملک عرب

یعنے خاندان ضجعم کا آخری فرمانروا زیاد بن ہیولہ تھا، اس کی کمزوری سے بنی غسّانیوں نے (جو مُلک یمن سے نکل کر ادھر آنکلے تھے) فائدہ اُٹھایا، یعنی اس سرزمین کے غسّانی مالک ہوگئے، سابق فرمانروا زیادہ بنی غسّانیوں کے حملہ کی تاب نہ لاکر اپنی جان بچاتے ہوئے، ارض حجاز میں چلا گیا۔ جسے وہاں کے حاکم حجر آکل المرار نے قتل کر دیا، بنی غسان نے اس سرزمین کو حاصل کرتے ہی سلطنت روم کو خوش کرنے کیلئے دین عیسوی قبول کر کے دولتِ روم کی اطاعت اختیار کر لی، اور اپنی حکمت عملی سے تمام قبائل عرب پر ایسا اثر ڈالا، کہ سب قبائل نے ان کے آگے سر تسلیم خم کر دیئے +

دراصل اس خاندان کے عروج و استقلال کی وجہ یہ تھی، کہ دولت روم بلحاظ مذہبی عقیدت بنی غسّانیوں کی ہر وقت مددگار رہتی تھی، جو کوئی اُن کی مخالفت کرتا وُہ سلطنت روم کا باغی اور حریف سمجھا جاتا تھا، غسّانیوں کے اِس اثر سے عیسائیت دن بدن ترقی کرتی گئی، شام اور فلسطین کے ہزارہا مفرور یہودی بھی یہاں آنکر آباد ہوگئے، اِس رونق، شہرت و جاہت کے باعث غسّانیوں نے شہر قبا کو اپنا پایۂ تخت مقرر کر کے مُلک عرب میں باقاعدہ سلطنت کی بنیاد ڈالدی۔ اور اس زمانہ یعنی ۵۶۹ء میں شام کی سرحد شمال کی جانب مُلک روم کی پشت پناہی میں بنی غسّانیوں نے قدم جما لئے تھے +

شمال و مغرب کی طرف حیرہ کا ملک تھا جس کی سرحد عراق یعنی دولت ساسانی کی سرحد سے ملی ہوئی تھی، اور وہاں کے فرمانروا دولت عجم کی منظوری سے تخت نشین ہوتے تھے، غالباً یہی وجہ تھی، کہ حیرہ کے اکثر قبائل اور حکمران مذہب زرتشتی کے پابند تھے، جنہوں نے اس زرتشتی عقائد کی رو سے محرمات ابدیہ کو بھی حلال سمجھ لیا تھا +

جنوبی عرب کا وہ حصّہ جس کے کناروں کو بحر ہند تھپیڑے دیتا رہتا ہے، وہاں بھی ایک سلطنت قائم تھی، لیکن وہاں کے لوگوں میں مذہب کا اکثر اختلاف رہتا تھا، جسے حبشہ اور ایران کی فوجیں آئے دِن تباہ کرتی رہتی تھیں +

عہد سلاطین | ایران کے تخت حکومت پر اِس وقت نوشیروان عادل متمکن تھا۔ اور روم کی سلطنت ہرقل کے زیر حکومت تھی، ارض عرب کے انتہائی جنوب میں سمندر کے کنارے شہر یمن[1] پر ملک حبش کے مسیحی بادشاہ نجاشی نے ابرہہ نامی ایک سپہ سالار کو بھیج کر قبضہ کر لیا تھا +

حضورِ پُرنور حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیدائش سے ایک سال قبل ابرہہ نے جب یمن پر اپنا قدم جمالیا، تو ایک عالیشان گرجا تعمیر کرایا، اور وہاں کے لوگوں کو مسیحی دین کی تلقین کرتے ہوئے حکم دیا، کہ اِس گرجا میں آکر سب لوگ عبادت کیا کریں، ابرہہ کی حکومت سے یمن کے لوگ بہت سے عیسائی ہو گئے، اور اسکے نوتعمیر گرجے کی دُور دُور تک شہرت پھیل گئی +

ابرہہ مسیحت کا ایک زبردست مبلغ تھا، حکومت کے باعث اِس نے اپنے تبلیغی کام میں بہت ترقی کی، وہ شب روز اسی کشش و پیچ میں رہا کرتا، اس کا خیال تھا، کہ سارا عرب عیسائیت میں شامل ہو جائے، اسی اثنا میں ابرہہ کو معلوم ہوا، کہ عرب کے

[1] یہ مقام قدیم پایہ تخت ہے، قدیم الایام میں بڑے بڑے بادشاہوں کا دار السلطنت یہی مقام تھا، چنانچہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس ملکہ سبا یہیں سے آئی تھیں +

تمام قبائل حجاز شہر مکہ میں آ کے خانہ کعبہ کی پرستش کرتے ہیں، یہ بات ابرہہ کو سخت ناگوار گذری اور اس نے اپنی قلمرو میں یہ حکم نافذ کر دیا، کہ آئندہ اہل یمن اور مضافات یمن کے لوگ کعبہ کی زیارت کو نہ جایا کریں، اس حکم سے بت پرست عربوں میں بہت جوش پھیلا، اور ان میں سے ایک نے ابرہہ کے گرجے میں جا کر اسے ناپاک کر دیا ٭

اس بات کی جب ابرہہ کو خبر ہوئی، تو دریافت حال پر اسے معلوم ہو گیا، کہ یہ کام کعبے کے بت پرستوں کے سوا اور کسی کا نہیں ہو سکتا، چنانچہ وہ آگ بگولا ہو گیا فوراً زبردست اور قوی ہیکل ہاتھیوں کا لشکر مرتب کر کے اور خود ایک بڑے ہاتھی پر سوار ہو کر مکہ کی طرف اس خیال سے روانہ ہؤا کہ کعبہ کی اینٹ سے اینٹ بجاوے، یعنی اس بتخانہ کو ہمیشہ کیلئے نیست و نابود کر دے، جس پر بت پرست عربوں کو بڑا ناز ہے ٭

جن دنوں ابرہہ مکے کے قریب پہنچا، اس وقت قبیلہ قریش کے سردار غالب کی اولاد میں سے عبد المطلب نام ایک معزز و معمر بزرگ اہل مکہ کے سردار تھے، اور کعبہ کی تولیت انہیں کے سپرد تھی، ابرہہ نے مکہ میں پہنچتے ہی شہریوں پر اپنا رعب غالب کرنے اور ان کو ستانے کیلئے انکے مویشی پکڑ لئے جن میں عبد المطلب کے مویشی بھی تھے، اور سب لوگ تو گھبرا کر ادھر اُدھر پہاڑوں میں بھاگ گئے، مگر عبد المطلب خود ابرہہ کے پاس گئے، اس نے پوچھا کیا چاہتے ہو، عبد المطلب نے کہا، چونکہ میرے مویشی آپ کے لشکر والوں نے پکڑ لئے ہیں، وہ چھوڑ دیئے جائیں، ابرہہ نے جواب میں کہا، تم کو اپنے مویشیوں کی تو اتنی فکر ہے، لیکن کیا کعبے کی فکر نہ ہوئی جس کے منہدم کرنے کو میں آیا ہوں، عبد المطلب نے اس کے جواب میں یہ معقول جواب دیا کہ مویشی تو میرے ہیں، اس لئے مجھے انکی فکر ہے، کعبہ خدا کا گھر ہے، اسکی فکر ہبل (یعنی خدا) کو ہوگی، ابرہہ اس جواب پر خاموش ہو گیا، اور اس نے عبد المطلب کے مویشی اس خوشی میں آن کر چھوڑ دیئے، کہ مکہ کے لوگ میرے کام میں مزاحم نہ ہونگے،

چنانچہ ابرہہ دوسرے روز اپنے ہاتھیوں کا لشکر لے کر خانہ کعبہ کی طرف بڑھا تاکہ ہاتھیوں کے ریلے سے خانہ کعبہ کو گرادے ✣

مکّہ کے لوگ اِس حملہ کی شورش سنتے ہی شہر سے بھاگ گئے، عبد المطلب اکیلے کیا کرتے، مجبوراً اُنھوں نے بھی خانہ کعبہ کی زنجیر چڑھادی، اور شہر سے نکل گئے ✣

ابرہہ اپنے ہاتھیوں کو لیکر کعبہ کے قریب آیا، اور سب سے بڑے ہاتھی کو جس پر خود سوار تھا، ریلا تاکہ ٹکر مار کے کعبہ کو گرادے، مگر وُہ ہاتھی اُلٹے پاؤں پیچھے ہٹا ابرہہ نے ہزار مار مار کر اسے للکارا مگر ہاتھی نے کعبہ کی طرف رُخ تک نہ کیا، ابرہہ اپنے ہاتھی کی یہ حرکت دیکھ کر سخت برہم ہوُا، آخر اُس نے دوسرے ہاتھیوں کو للکارنا شروع کیا، اتنے میں خُدا کی قدرت سے آسمان پر ابابیلوں کا ایک غول نمودار ہوُا، جو بدلی کی طرح آناً فاناً ابرہہ اور اُس کے لشکر کے سر پر چھا گیا، ابابیلوں نے اپنی چونچوں سے ابرہہ کی لشکر اور ہاتھیوں پر اسقدر سنگریزے پھینکے کہ ابرہہ اور اس کے تمام ساتھیوں کو تہس نہس کر دیا، یہ سنگریزے نہ تھے، بلکہ قضا کے تیر تھے، جو کنکری جس پر گرتی اُسے اور اس کے ہاتھی کو فنا کرتی ہوئی زمین پر پہنچتی تھی، اِس آفتِ ناگہانی کو دیکھ کر ابرہہ اور اُسکے ساتھی فیل سوار بدحواس ہو کر بھاگے، اور سب نے یمن میں جا کر دم لیا ✣

چونکہ یہ بہت بڑا واقعہ تھا، اِس لئے اِس واقعہ کی سارے عرب میں دھاک بیٹھ گئی لوگوں کو کعبہ سے جو عقیدت تھی، وُہ ایک کی جگہ دہ چند ہو گئی، اہل عرب نے اس واقعہ سے ایک سنہ قائم کیا، جو عام الفیل کے نام سے مشہور ہو گیا ✣

لہ آجکل کے سائنس نے ثابت کر دیا ہے، کہ بسبب دوری رفتار چھوٹے چھوٹے سنگریزوں میں ایسی شدید طاقت ہو سکتی ہے، جس کی ضرب سے ہاتھی وغیرہ ہلاک ہو جائیں، کیونکہ صدمہ کی شدت سرعت رفتار کی تیزی پر منحصر ہے، نہ کہ فقط وزنی شے پر آجکل جب کہ بندوق کی گولی کا وزن صرف اڑھائی تولہ کے قریب ہوتا ہے، اور اس سے ہاتھی وغیرہ کا ہلاک ہو جانا یقینی ہے، وُہ اسلئے کہ اس زن کی رفتار فی سیکنڈ ۱۳۵۰ فٹ شمار کی گئی ہے) تو اسی رفتار کے مطابق ابابیلوں کی چونچوں سے آسمان کی بلندی سے چھوٹے چھوٹے سنگریزوں کی طاقت رفتار اور اس کا نتیجہ بھی قابل یقین ہو سکتا ہے ✣ (خاکسار شوق امرتسری)

مندرجہ بالا یہ تمام مختصر واقعات سنہ ۵۷۰ء سے سنہ ۶۵۷ء تک مُلک عرب کے حالات ہیں، چونکہ اسلام کو تمام دُنیا سے تعلق ہے، اِس لئے ہمیں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت کے ہندوستان کا سطحی خاکہ بھی قارئین کرام کے پیش نظر کر دیا جاوے +

چھٹی صدی عیسوی کا ہندوستان

پانچویں صدی عیسوی میں ایران کی ہن قوم نے ہندوستان پر حملہ کر کے چندرگپت خاندان کا خاتمہ کر دیا، اِس قوم کے سردار توران نامی نے سنہ ۵۰۰ء میں ہندوستان کا تخت حکومت سنبھالا، توران کے بعد اس کا بیٹا مہر گل بادشاہ ہوُا جس نے سنہ ۵۲۸ء تک ہندوستان پر حکومت کی، لیکن راجگان کی بغاوت سے مجبور ہو کر اُسے ہندوستان سے بھاگنا پڑا +

یہ زمانہ برہمنوں کے عروج کا زمانہ تھا، اور تمام ہندوستان میں پایہ تخت سندھ مشہُور تھا، جس پر راجہ سی ہرس متمکن تھا، اِس مشہور راجہ کا دارالسلطنت شہر الور[1] نہایت پُر رونق خوبصُورت اور عالی شان تھا، جو دریائے سندھ کے کنارے آباد تھا، جس کی حدود سلطنت بہ طرف مشرق کشمیر تک اور مغرب کی طرف مکران (ایران) تک جنوب میں سمندر اور شمال کیطرف کوہستان کروان وغیرہ تک تھی +

اس راجہ نے اپنی سلطنت کو چار صوبوں میں تقسیم کر رکھا تھا، جن میں ایک صوبہ برہمن آباد تھا، جس کے ماتحت قصبہ جات نیرون، دیبل، لوہانہ، لکھا، سمّہ تھے دوسرا صوبہ سوستان تھا، جس کے ماتحت بودھیہ اطراف یعنی بودھ پور جھنکان اور کوہستان اور مکران تک تھے، تیسرا صوبہ قلعہ اسکلندہ تھا، جس کے ماتحت پابیا، تلواریہ، چاچ پور کے قلعے اور بودھ پور کے آس پاس کی زمین تھی چوتھا صوبہ ملتان تھا، جس کے ماتحت سکّہ برہما پور، کرور، اشہار، کمبھ وغیرہ نام شہر تھے +

---

[1] تاہل مؤرخین نے اس شہر کا نام مختلف لکھا ہے، کسی نے الدور، کسی نے آلرور کسی نے اہرور +

چھٹی صدی عیسوی میں ساسانی قوم کے شاہ عجم؎ نے اپنی سلطنت فارس سے بڑھ کر مکران کے راستہ سے راجہ سی ہرس کی سلطنتِ سندھ پر حملہ کر دیا +

جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ شاہِ فارس سندھ کو فتح اور راجہ سی ہرس کا خاتمہ کر کے اپنی سلطنت میں پلٹ گیا +

سی ہرس کے بعد اس کا بیٹا رائے ساہسنی اپنے باپ سی ہرس کے تخت حکومت پر متمکن ہوا +

تمدن ان دنوں اگرچہ ایرانیوں کے تمدن کا سایہ ہندوستان پر پڑ چکا تھا لیکن ابھی عام لوگ اسی پرانی تہذیب کے خوگر تھے +

عام لوگ لنگوٹی باندھے ننگے بدن اور ننگے پاؤں وحشیوں کی طرح پھرا کرتے تھے، صرف برہمن قوم کے لوگ مذہبی تعلیم حاصل کر سکتے تھے، سوائے برہمنوں کے دوسرے لوگوں کیلئے تعلیم حاصل کرنے کی اجازت ہی نہ تھی +

عورتوں میں پردہ کا رواج بالکل نہ تھا، ایک عورت کے کئی پتی (شوہر) ہوا کرتے تھے، عورتیں اپنی خواہشات میں ہر طرح آزاد تھیں، یہ نفسی آزادی غربا طبقہ میں ہی نہ تھی، بلکہ ایک طرف جبکہ سندھ کا راجہ ساہسنی رائے محفل عیش میں اپنا دل خوش کرتا تھا، تو دوسری طرف اس کی رانی ایک پنڈت کے خوبصورت بیٹے چچ سے اپنی ناجائز خواہشات میں منہمک تھی، یہ تاریخی واقعہ ہے، جو کہ چچنامہ میں درج ہے، جس کا ترجمہ یہ ہے -+

"راجہ ساہسی رائے کا وزیر رام ایک دن دربار کر رہا تھا، بڑے بڑے پنڈت اور لائق وفائق لوگ سامنے مؤدب بیٹھے تھے، کہ ایک نہایت ہی خوشرو نوجوان حاضر دربار ہوا۔ جس نے اپنی فصاحت و بلاغت کا ایسا جوہر دکھایا، کہ تمام حاضرین عش عش کرنے لگے

؎ جس کا نام مؤرخین نے نیمروز لکھا ہے +

راجہ ساہسی رائے کے وزیر رام نے اُسکی لیاقت اور قابلیّت سے خوش ہوکر اس نوجوان کا نام دریافت کیا، اس نے کہا کہ میں سیلاج پنڈت کا بیٹا ہوں، اور میرا نام چچؔ ہے "

چنانچہ رام وزیر نے اس کو برہمن سمجھ کر اپنے مصاحبوں میں رکھ لیا، اور اس کی قابلیّت اور دانشمندی سے فائدہ اُٹھانے لگا۔ ✤

اس میں شک نہیں، کہ چچ واقعی بڑا ذہین اور عالی دماغ نوجوان تھا، جو چند ہی روز میں رام وزیر کا نائب اور معتمد بن گیا، اور اس کی ہردلعزیزی نے چند ہی روز میں یہ حالت کر دی، کہ مُلک بھر میں تمام لوگ اس کے والہ و شیدا تھے، رعایا میں سے ہر ایک شخص کے دل سے گویا وزیر رام کا نام ہی مٹ گیا، یونہی رفتہ رفتہ چچ کا اقبال ترقی کرتا جاتا تھا، کہ اتفاقاً وزیر رام بیمار ہو گیا، اور اس کے صاحب فراش ہونے کے زمانہ میں علاقہ دیبل سے کوئی ضروری تحریر آئی، چونکہ وزیر رام کام کرنے کے قابل نہ تھا، لہذا وہ تحریر خود راجہ کے ملاحظہ میں پیش کر دی گئی ✤

لہ یہ وہی چچ ہے، جسے رانی کی نظرِ عنایت سے سندھ کا تخت حکومت نصیب ہوا، ہندوستان کے مشہور مؤرخ شرر لکھنوی نے لکھا ہے، سندھ کے راجہ ساہسی رائے کی رانی چچ کے عشق میں تڑپتی تھی، آخر راجہ ساہسی بیمار ہوا، بڑے بڑے وید و حکیم جمع ہوئے مگر سب علاج میں عاجز آگئے، جب راجہ کی حالت زیادہ غیر ہوئی، تو رانی نے چچ کو اندر بلوا کر کہا، اب راجہ کا آخری دم ہے، اگر تم امید دلاؤ کہ میری آرزو بر آئیگی (یعنی میرے ساتھ وصل اختیار کروگے) تو تمہارے لئے تخت نشینی کی تدبیر کردوں، اور اسی پر میرے تمہارے تعلقات کا فیصلہ ہے، چچ کے قدم کو اس موقعہ پر لغزش ہو گئی، چنانچہ اس نے فوراً رانی کی خواہش قبول کر لی، رانی چچ کو اپنا ہمخیال سمجھ کر بہت خوش ہوئی، اور اُسی وقت ہرکاروں اور چوبداروں کو رانی نے حکم دیا، کہ کل مہاراجہ صاحب دربار کرینگے، یہ حکم دیتے ہی چچ کے ہاتھ میں راجہ کی انگوٹھی پہنا دی، اور اسے محل کے اندر ایک کمرے میں چھپا رکھا ✤

دوسرے دن دربار کے موعودہ وقت پر جب وزرا اور ارا کین سلطنت حاضر ہوئے، تو اہل دربار کو رانی نے کہلا بھیجا، کہ مہاراج ضعف و نقاہت کے باعث باہر نہیں آسکتے، اور حکم دیتے ہیں کہ میں نے چچ کو اپنا جانشین مقرر کیا ہے جسے سندھ کے طور پر میں نے اپنی انگوٹھی دیدی ہے اس حکم کو تمام اہل دربار نے بغیر کسی عذر کے تسلیم کر لیا، اور چچ کے آگے سب نے سرِ نیاز جھکا دیا، چنانچہ اس واقعہ کے دو یا چار روز بعد۔ راجہ ساہسی رائے نے سفرِ آخرت اختیار کیا، شروع سنہ ہجری کے زمانہ میں راجہ چچ کو حضرت عشق کی بدولت سندھ کا تخت حکومت ملا ✤

راجہ ساہسی رائے حسب عادت جشن طرب میں تھا، اُسے اس عشق کی صحبت کو چھوڑ کر آنا گراں معلوم ہوا، تو اس نے حکم دیا، کہ چچ حاضر ہو، میں اسے حکم لکھ دونگا، چچ کے آنے پر اپنی رانی کو پردے میں ہو جانے کا جب اشارہ کیا، تو رانی نے کہا، چچ ایک برہمن ہے، اس سے پردہ کیسا، چچ کی وقعت راجہ کے دل میں بھی اسقدر تھی، کہ رانی کے سامنے ہونے کا بھی راجہ نے خیال نہ کیا، چچ اجازت پاتے ہی راجہ اور رانی کے سامنے آکے مؤدب کھڑا ہو گیا، چچ نے راجہ کے حکم کی تعمیل ایسے ادب و شائستگی سے کی کہ راجہ نہایت ہی محظوظ ہوا، اور عام اجازت دیدی، کہ جب کوئی ضروری امر پیش کرنا ہو، بے تکلف محل میں حاضر ہو جایا کرو +

راجہ کے اس حکم کے مطابق چچ محل میں آنے جانے لگا، لیکن چچ کی خوبصورتی کا جادو رانی کے دل پر اثر کر گیا، اور وہ دل ہی دل میں اس پر فریفتہ ہو گئی، رانی نے خفیہ آدمی بھیجکر تعلقات ناجائز کی بھی خواہش کی، اور آخر چچ کے عشق میں مبتلا ہو گئی، یہ مختصر واقعات چھٹی صدی عیسوی کے ہندوستان کے ہیں، غرضیکہ ہندوستان کی یہ حالت تھی +

اور عرب میں اس وقت دو فرمانروا تھے، ایک طرف تو تاجدار حیرہ اور دوسری طرف قبیلہ غسّان والئی سلطنت حارث اعرج، کی سرحد ملی ہوئی تھی، شوکت و حشمت اور سخاوت و فیاضی میں دونوں ایک دوسرے کے حریف تھے، جس طرح بسا اوقات دونوں کی فوجیں، آپس میں لڑتی رہتی تھیں، اسی طرح دونوں کی فیاضیوں کا بھی باہم مقابلہ ہوا کرتا تھا +

حیرہ کا بادشاہ جزیرہ نمائے عرب پر دولت ایران اور مذہب زرتشتی کا اثر ڈالتا تھا، اور فرمانروائے غسّان دولت روم اور مذہب مسیحی کا +

اس مذہبی تعصب اور بت پرستی کے زمانے میں بہت سی رومی و ایرانی نئی رسمیں عربوں میں جاری ہو گئی تھیں +

دونوں عربی نژاد پادشاہ اگرچہ ایک ہی ملک کے رہنے والے تھے، مگر دونوں کے مراتب کا یہ اثر بھی دونوں کے دربار سے نمایاں تھا ✤

فرمانروائے حیرہ کسریٰ[1] ایران کے اثر سے اپنے دربار میں نمائشی اور جلوسی شان و شوکت پیدا کرنے کی زیادہ کوشش کرتا تھا ✤

غرضیکہ بنی غسّان میں قیصر روم ہرقل کی شوکت وحشمت تھی، اور بادشاہ حیرہ کے دربار میں کسرائے ایران نوشیروان کی دھوم دھام ✤

پیشوائے مذہب ہم پہلے عرض کر چکے ہیں، کہ اس زمانہ میں زرتشتیوں، عیسائیوں مجوسیوں وغیرہ کے مختلف فرقے اپنے اپنے اوہام میں منہمک تھے ✤

چنانچہ مُلک ایران کے موجودہ شہر اصفہان کے قریب ان دنوں کے مشہور شہر خیبر میں زرتشتیوں کا ایک بڑا آتش کدہ تھا جس کا پیشوا بورزخشان تھا، زرتشتی، آگ اور اجرام فلکی کی پرستش کرتے تھے ✤

اور ساسانی قلمرو میں اس مذہبی عقیدت کے باعث حکومت نے اس بات کی سخت ممانعت کر دی تھی، کہ کوئی پارسی یعنے زرتشتی نہ بنایا جائے، اگر کہیں اس حکم کے خلاف ہوتا، تو ساسانی حکومت عیسائی بننے اور بنانے والے دونوں کو قتل کر ڈالتی تھی، برخلاف اس کے ملک شام کا دارالخلافہ دمشق مسیحیت کا مرکز تھا، جہاں مذہب مسیحی کا سب سے بڑا مقتدا لینوس رہتا تھا ✤

لینوس، قانطنوس مذہب کی تبلیغ کر رہا تھا، قانطنوس نے اپنے آپ کو فارقلیطہ سمجھا تھا، اور اس کے مذہبی احکام یہ تھے ✤

نفس کشی ہر شخص پر فرض ہے، اسقفوں اور راہبوں کی حکومت دین کے خلاف

---

[1] کسریٰ ایران کے ہر ایک بادشاہ کا لقب ہوتا تھا، جیسے چین کے شاہوں کو خاقان یا فغفور کہتے ہیں، اسی طرح روم کے بادشاہوں کو قیصر لکھتے تھے، حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کے وقت نوشیروان عادل ایران کے شہنشاہ تھے ✓

ہے، ریاضت کے لئے کسی کی تخصیص نہیں، ہر مرد و عورت کیلئے راہب، کاہن بننا ضروری ہے، توبہ قبول نہیں ہو سکتی، اس لئے توبہ کرنا بے کار ہے، شادی ایک قسم کی بُرائی ہے، انسان کو اس سے کوئی فائدہ نہیں پہنچتا، نکاح ثانی کرنا مرد و عورت دونوں کے لئے حرام کاری ہے +

انبیا ہر وقت مبعوث ہوتے رہتے ہیں، خواہ وہ عورت ہوں، یا مرد +

اسی طرح شہر موصل میں، جیروم، اسقف تھا، جو اپنے ایسے ہی مختلف عقائد کی لوگوں کو تلقین کرتا تھا +

انطاکیہ میں، بونی فیس اور بصریٰ میں بحیرؔا[۱] راہب وغیرہ +

[۱] یہ وہی بحیرہ راہب ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ بچپن میں آپ کی زیارت سے مشرف ہو چکا تھا، تقریباً دس برس کی عمر میں حضور پُرنور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے چچا ابو طالب کے ساتھ جب شام کے سفر کو نکلے ہیں، تو اسی بحیرہ راہب نے حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان نبوت کا اظہار کرتے ہوئے ابو طالب کو تاکید کر دی تھی، کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شام ہمراہ نہ لے جائیں، کیونکہ یہودی اگر اصلی نبی آخر الزمانؐ کو دیکھ پائینگے، تو وہ لوگ دشمنی پہ آمادہ ہونگے، چنانچہ ابو طالب حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لے کر اسی مقام سے واپس لوٹ آئے تھے +

خیر القرون

یعنی

ہادیٔ اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا زمانہ پیدائش وعہدِ رسالت سن ہجری سے باون سال قبل

۵۷۱ء سے ۶۲۱ء تک

چھٹی صدی ۵۰۰ء کے وہ تمام حالات جو گذشتہ صفحات پر قارئین کرام ملاحظہ فرما چکے ہیں، تاریخی واقعات ہیں، ان میں ایک بھی ایسا واقعہ نہیں ہے، جو تاریخ سے علیحدہ ہو، بس ایسے وقت میں جبکہ دنیا میں جہالت کا گھٹا ٹوپ اندھیرا چھایا ہوا تھا، خداوند لایزال کی رحمت ورافت دنیا والوں سے اُٹھ گئی تھی، بندے اپنے معبود حقیقی سے غافل ہو چکے تھے، مخلوق میں ایسا کوئی نہ تھا، جو اپنے خالق کو ڈھونڈھے، کوئی قدم نہ تھا، جو اس کی طرف دوڑے کوئی آنکھ نہ تھی، جو اس کیلئے اشکبار ہو، کوئی دل نہ تھا، جو اس کی یاد میں مضطرب ہو، کوئی روح نہ تھی جو اسے پیار کرے ٭

غرضیکہ ہر ایک انسان کا ضمیر مرجھا چکا تھا فطرت کا حسن حقیقی عصیانِ عالم کی تاریکی میں چھپ گیا تھا، (تمرد) (سرکشی) اوھام پرستی، خود غرضی کی روانیوں سے اختلافات نزاعات، اختراافات، مناقشات کے دریا اُمنڈ آئے تھے، جن کے طوفانِ عظیم سے خدا کے سابقہ رسولوں کی بنائے ملت تک بہ چکی تھی ٭

اس طوفان بے تمیزی کو تھامنے اور دنیا کی بدترین حالت کو بہترین بنانے کیلئے

خالق ارض وسما نے اپنے جس مقرب اور برگزیدہ بندہ کو جس شہر میں پیدا کرنا چاہا +

وُہ شہر اگرچہ اس وقت کا منبع جہالت یعنی ملک عرب کا مرکزی مقام مکہ تھا، تاہم خدا کا پہلا گھر یعنے کعبہ شریف[1] اسی شہر میں تھا جس کی تولیت حضرت اسمٰعیلؑ کی اولاد سے خاندان کنانہ اور کنانہ سے قریش، قریش سے ھاشم اور ہاشم سے عبد المطلب ہاشمی کے خاندان میں وراثتاً پہنچی تھی +

اس زمانہ کا سنہ عیسوی ۵۷۱ء تھا، مگر اہل عرب میں یہ سال عام الفیل[2] کے نام سے مشہور تھا +

عبد المطلب ہاشمی وقریشی متولی کعبہ بہ اعتبار نسبی وذاتی شرافت تمام قوم میں ممتاز ومعمّر بزرگ سمجھے جاتے تھے، آپ کثیر الاولاد تھے، ابو لہب، ابوطالب، حمزہ، عباس، زبیر، عبد اللہ، نامی لڑکوں کے علاوہ ان کے سات لڑکے اور بھی تھے، نیز ان تیراں[13] بیٹوں کے علاوہ، امیمہ، اروٰی، عاملہ، صفیہ، ام حکیم، یہ چھ بیٹیاں بھی تھیں، لیکن یہ اولاد عبد المطلب کی مختلف بیویوں کے بطن سے تھی، البتہ عبد اللہ، زبیر، ابو طالب، وامیمہ اروٰی آپس میں سگے بہن بھائی تھے، جن کی والدہ کا نام فاطمہ تھا +

اسی اولاد میں عبد اللہ اپنی خوبصورتی، عقلمندی، خوش خلقی، کے باعث نہ فقط عبد المطلب کو اپنے تمام بیٹوں بیٹوں سے زیادہ پیارا تھا، بلکہ سارا شہر عبد اللہ کی سیرت وصورت کا گرویدہ تھا +

لہ اس وقت کعبہ کے اندر علاوہ دیگر بتوں کے حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت اسماعیل علیہ السلام حضرت مریم علیہ السلام، حضرت عیسٰی علیہ السلام کی تصویریں بھی تھیں، جس کی وجہ یہ تھی، کہ حضرت عیسٰے علیہ السلام کے ۲۵۴ برس پہلے اگرچہ عرب میں یہودی مذہب رائج تھا، لیکن تیسری صدی عیسوی میں عیسائی مذہب نے ترقی کی اور عیسائیت میں تصویروں کے متعلق کسی قسم کی مذہبی ممانعت نہ تھی +

ٹہ عام الفیل کی وجہ تسمیہ اور اس کے تاریخی واقعات پچھلے صفحات میں بیان ہو چکے ہیں۔ +

جس طرح عبداللہ اپنی سیرت اور صورت کے باعث مکہ بھر میں مشہور تھے اسی طرح وہب بن مناف کی لڑکی آمنہ بلحاظ شرافت، ذہانت، سیرت، اور اپنی چاند سی صورت کے شہر مکہ کے تمام شریف گھرانوں کی لڑکیوں میں ممتاز تھی، بزرگوں کی نظر انتخاب سے یہ بہترین اور خوبصورت جوڑا میاں بیوی کی صورت میں منسلک ہوگیا، یعنے عبداللہ آمنہ کی زندگی کے رفیق بنے اور آمنہ عبداللہ کی رفیقہ حیات لیکن قدرت نے حضور پُر نور کو یتیم پیدا کرنا تھا، چنانچہ ابھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیدائش میں دو ماہ باقی تھے، کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والد عبداللہ کو عبدالمطلب کی اجازت کے مطابق ملک شام کا سفر کرنا پڑا، اور اسی سفر میں عین عالم شباب کے زمانہ میں وہ راہی مُلک بقا ہوئے +

جلوس کسرٰے سے چالیسویں برس عام الفیل کے مشہور سال ۵۷۱ء ۲۰ مئی یعنی سنہ[1] ہجری کے باون ۵۲ سال قبل ۱۲ ربیع الاوّل پیر کے دن ہادئی اسلام حضور پُر نور حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم پسر عبداللہ حضرت آمنہ کے بطن مقدس سے پیدا ہوئے +

ہادئی اسلام حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیدائش اور زمانہ بچپن

حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہایت پاک و صاف پیدا ہوئے، یعنی ان کے جسم اطہر کے ساتھ کسی قسم کی آلائش نہ تھی، جیسی کہ دیگر بچوں کے ساتھ پیدا ہونے کے وقت ہوتی ہے +

شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے لکھا ہے، کہ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باختنہ پیدا ہوئے، اور فارس کا آتشکدہ جو ہزار برس سے روشن تھا، ٹھنڈا ہوگیا، قصر نوشیرواں کے

[1] سنہ ہجری کا شمار چاند کی حرکات کے مطابق ہے اور سنہ عیسوی کا حساب سورج کی حرکتوں پر چونکہ چاند اور سورج کے حساب میں فرق پڑ جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ بعض مصنفین کو سنہ ہجری کے مطابق سنہ عیسوی نکالنے میں غلطی ہو گئی ہے + چنانچہ بعض نے ۵۶۹ء لکھا ہے، اور بعض نے ۵۷۰ء لیکن ہمارا حساب ہندوستان کے سب سے بڑے مؤرخ مولانا شبلی نے ملکیا ہے، اگرچہ ماہ اور تاریخ میں کچھ فرق پڑتا ہے، لیکن خاکسار مؤلف نے انگریزی ماہ اور تاریخ میں مولانا شبلی کی ہی تقلید کی ہے +

بارہ کنگورے گر گئے کعبہ کے بُت اوندھے مُنہ گر پڑے۔

حضور پُرنور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے پیدا ہوتے وقت آپ کے دادا عبدالمطلب کعبہ میں تھے، جب اُنہوں نے یہ حالت دیکھی، تو گھبرا کر باہر نکلے، لیکن باہر بھی اُنہوں نے صفا و مروہ پہاڑوں کو لرزتے دیکھا، اس خوف وہراس میں سہمے ہوئے اپنے گھر پہنچے تو ان کو معلوم ہوا، کہ ان کے مرحوم بیٹے عبداللہ کے گھر لڑکا پیدا ہوا ہے۔

عبدالمطلب کا قول ہے کہ میں نے یہ خوشخبری سنکر زچہ خانہ کے دروازے پر اپنی بہو آمنہ (خاتون) کو پکار کر کہا، کہ محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کو مجھے دکھاؤ، لیکن آمنہ (خاتون) نے جواب میں کہا کہ مجھے پردہ غیب سے اس بات کی تاکید کردی گئی ہے، کہ میں تین روز تک اپنا بچہ کسی کو نہ دکھاؤں، لیکن میں نے آمنہ (خاتون) کا کہنا نہ مانا، اور جیسے ہی زچہ خانہ میں گھس کر دیکھا، تو محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ایک پارچہ حریر میں لپٹے ہوئے تھے میں انکو دیکھنے کیلئے جیسے ہی آگے بڑھا، تو کسی ڈراؤنی شکل نے مجھے روک کر کہا کہ تم تین روز تک اس کو ہاتھ نہیں لگا سکتے[1]۔

چنانچہ تیسرے روز عبدالمطلب اپنے مقدس پوتے کو اسی پارچہ حریر میں لپیٹ کر خانہ کعبہ میں لائے، عبدالمطلب (کی نظر میں) کعبہ سے حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے لئے برکت حاصل کی گئی، در اصل کعبہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے برکت حاصل ہوئی۔

حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اپنی والدہ ماجدہ کا دودھ صرف آٹھ روز پیا، اُسکے بعد ثوبیہ[2] نے اپنا دودھ پلایا، ایسے ہی خولہ بنت اخویلد نیز کئی عورتوں کو حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی، دودھ پلائیوں کا شرف حاصل ہوا۔

امرائے عرب میں یہ دستور تھا، کہ وہ اپنے بچوں کی پرورش کیلئے مامائیں اور دایہ مقرر

[1] مفصل واقعات اور ثبوت کیلئے صدق تاج الانبیاء مؤلفہ خاکسار شوق امرتسری ملاحظہ فرمایئے۔

[2] ثوبیہ وہ کنیز تھی جسے ابولہب نے آنحضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پیدا ہونیکی خوشخبری سنکر آزاد کیا تھا۔

کر دیتے تھے، اسی دستور کے مطابق آپ کے دادا عبدالمطلب نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو دوسرے مہینے کی عمر میں حلیمہ سعدیہ دایہ کے سپرد کر دیا، +

طبرانی اور بیہقی نے حلیمہ کا زبانی بیان جو کچھ لکھا ہے، وہ یہ ہے +

حلیمہ سعدیہ فرماتی ہیں، کہ میں جن دنوں اپنے خاوند اور شیرخوار بچہ کو ساتھ لے کر قبیلہ بن کردار کی مستورات کے ہمراہ پرورش اطفال کی خدمت تلاش کرنے کے لئے اپنے شہر سے مکہ کی طرف آئی، اس وقت قحط کا زمانہ تھا +

ہم پہلے ہی غربت میں تھے، مگر اس قحط نے ہماری یہ حالت کر دی تھی، کہ اس وقت کھانے تک کو ہمارے پاس نہ تھا، میں اپنی سفید دراز گوش پر سوار تھی، اور ہمارے پاس ایک بوڑھی اونٹنی بھی تھی، جو دودھ سے بھاگ چکی تھی، یعنی اس کے تھنوں میں دودھ کا ایک قطرہ بھی نہ تھا +

مارے بھوک کے ہم ہلکان ہو رہے تھے، خوراک نہ ملنے کے باعث میرا دودھ بھی بہت کچھ سوکھ گیا تھا، اور میرا بچہ دودھ نہ ملنے کے باعث بیقرار رہتا تھا، دن کو سفر کی زحمت گوارا کرتے اور شب کو بچے کی گریہ زاری سے مضطرب رہتے :.

ایسی حالت میں ہم اپنے گاؤں سے مکہ شریف کی طرف سفر کر رہے تھے، چونکہ ہماری سواریاں قافلہ کی دیگر سواریوں سے کمزور تھیں، قافلہ والوں کو ہمارا انتظار گراں گذر رہا تھا، اسلئے ہمیں پیچھے چھوڑ کر سب عورتیں ہم سے پہلے مکہ شریف میں پہنچ گئیں، اور ان سب نے میرے پہنچنے سے پہلے ہی امراء مکہ کے بچے پرورش کیلئے حاصل کر لئے، جب ہم مکہ میں پہنچے تو صرف ایک یتیم بچہ رہ گیا تھا، جس کو اس کی یتیمی کے باعث کسی نے پرورش کے لئے نہ لیا، کیونکہ میری ہم پیشہ عورتوں کو یتیم بچہ سے زیادہ فائدہ کی امید نہ ہوتی تھی، ان کا خیال تھا، کہ بچہ کے ماں باپ جتنا حق الخدمت دے سکتے ہیں یتیم کے چچا سے اسقدر امید نہیں ہو سکتی، اسی خیال سے کسی عورت نے اس یتیم بچہ کی پرورش اپنے ذمہ

نہ لی، جب تمام عورتیں مکہ شریف سے لوٹنے لگیں، تو میں نے اپنے خاوند سے مشورہ کیا، کہ مجھے یہ مناسب معلوم نہیں ہوتا، کہ اب یہاں سے خالی ہاتھ واپس چلیں، چلو اسی یتیم بچہ کو ہی لئے چلتے ہیں، بہر حال خالی جانے سے تو بہتر ہو گا +

چنانچہ میرے خاوند نے میرے اس مشورہ کو قبول کیا، اور ہم دونوں میاں بیوی عبد المطلب کے گھر آئے، میں اس بچہ کا چاند سے بھی زیادہ خوبصورت اور بے عیب چہرہ دیکھ کر بہت خوش ہوئی، جیسے ہی میں نے اس خوبصورت اور بابرکت بچہ کو گود میں لیا میرے دونوں دُودھ، دُودھ سے بھر آئے، پہلے میں نے اپنے دائیں دودھ سے اس مبارک بچے کو دُودھ پلایا، جب بایاں دودھ دیا، تو اس نے نہ پیا، چنانچہ وہ اپنے لڑکے عبد اللہ کو پلایا، اس طرح دودھ پی کر دونوں بچے سو گئے، اس کے بعد میرے خاوند کی نگاہ یک بیک اونٹنی کی طرف پڑی، تو وہ اسے دیکھ کر سخت متعجب ہوا یعنے اونٹنی کے دونوں تھن دودھ سے بھرے ہوئے تھے، ہم دونوں بہت خوش ہوئے، جب اونٹنی کا دودھ دوہا، تو اس قدر تھا، کہ ہم دونوں نے خوب پیٹ بھر کر پیا +

یہ واقعہ پہلے دن کا واقعہ تھا، ہم نے نہایت آرام سے رات کاٹی صبح کو پھر ایسا ہی ہوا، اس اچانک خوش قسمتی کو دیکھ کر میرے خاوند نے مجھ سے کہا +

اے حلیمہ خدا کی قسم یہ نہایت مبارک بچہ ہے، جو ہمارے سپرد کیا گیا ہے، یہ اسی کی برکت ہے +

چنانچہ تین دن ہم مکہ میں رہ کر چوتھے روز دیگر قافلوں کے ساتھ اپنے گاؤں کو روانہ ہوئے میں اس مبارک و برتر بچے کو اپنی گود میں لے کر اپنی دراز گوش پر سوار ہوئی اگرچہ کئی قافلے ہمارے آگے تھے، لیکن میری سواری اسقدر تیز رفتار ہو گئی، کہ تھوڑی ہی دیر میں سب قافلوں کے آگے نکل گئی، میری سواری کی تیز رفتاری دیکھ کر قافلہ کی عورتوں نے متعجب ہو کر پوچھا اے ابوذہب کی بیٹی (یعنے حلیمہ) کیا یہ وہی

سواری ہے، جس پر تو آتے وقت سوار تھی، میں نے ان سے کہا، خدا کی قسم یہ وہی ہے چنانچہ آتے وقت تو میری ساتھ والیاں مجھے طعنے دیدے کر جلدی چلنے کو کہتی تھیں، مگر لوٹتے وقت میری تیز رفتاری کو دیکھ کر آہستہ چلنے کی تاکید کر رہی تھیں۔

جب ہم اپنے گھر پر پہنچے تو اس مبارک و برتر بچے کی برکت سے ہر طرح کی راحت مجھے میسر ہوئی، ہماری بھیڑوں اور بکریوں کا ریوڑ جو خشک سالی کے باعث جنگل سے بھوکا واپس آتا تھا، اس روز سے سیر ہو کر آنے لگا، جن بکریوں نے دودھ دینا چھوڑ دیا تھا، وہ بھی دودھ دینے لگیں، جن کا دودھ کم ہو گیا تھا، ان کا دودھ زیادہ ہو گیا غرضیکہ اس مبارک بچے کے تصدق ہماری ہر قسم کی ابتری بہتری سے بدل گئی علاوہ اس ظاہری برتری کے مجھے روزمرہ روحانی مسرت حاصل ہونے لگی، کسی قسم کا رنج و غم میرے دل میں نہ رہتا تھا +

میں اس چاند سے زیادہ خوبصورت بچے کی عادات و اطوار پر بھی بہت خوش تھی یعنے پیارے محمد (صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم) نے کبھی میرے بائیں دودھ سے دودھ نہیں پیا، وایاں دودھ ہمیشہ پیتے تھے، بایاں اپنے بھائی یعنی میرے بیٹے عبداللہ کیلئے چھوڑ دیتے تھے، یہ حمیدہ صفات بچہ بہت جلد بڑھتا جا رہا تھا، چنانچہ تین ماہ کے عرصہ میں آپ چلنے لگے، اور نویں مہینے میں بولنے لگے، دوسرے سال جب آپ نے دودھ پینا چھوڑ دیا، تو میں ان کی والدہ محترمہ بی بی آمنہ خاتون کے پاس انہیں لے کر آئی لیکن میری طبیعت نہ چاہتی تھی، کہ میں اس برتر بچہ سے جدا کی جاؤں، اس لئے میں نے بی بی آمنہ سے اپنی دلی خواہش ظاہر کی، اور اس محترمہ خاتون نے اسے قبول کر لیا اس لئے میں اس بچہ کو اپنے ہمراہ مکہ سے پھر واپس لے آئی، مکہ سے آئے ہوئے ابھی دو تین دن ہی گذرے تھے، کہ ایک عجیب واقعہ پیش آیا +

میرا لڑکا عبداللہ اکثر ریوڑ کے پیچھے جنگل میں جایا کرتا تھا، اس روز آپ نے بھی

اپنے دُودھ بھائی کے ساتھ جنگل میں جانے کی مجھ سے اجازت چاہی، چنانچہ میں نے آپ کو نہلا دھلا کر اور آنکھوں میں سرمہ لگا کر عبداللہ کے ساتھ بھیجدیا، تھوڑی دیر بعد میرا لڑکا عبداللہ بھاگم بھاگ میرے پاس گھبرایا ہوا آیا، اور مجھ سے اور اپنے باپ سے اِس نے کہا، کہ میرے اس قریشی بھائی کو جنگل میں دو اجنبی شخصوں نے پکڑ لیا ہے، اِن دونوں کے کپڑے سفید ہیں، میں بہتیرا چلایا، لیکن اُنہوں نے میری ایک نہ سُنی، مجھ سے کچھ دُور لے جا کر اُنہوں نے میرے قریشی بھائی کو پہلو کے بل لٹا کر اِس کے پیٹ میں چھُری بھونکدی ہے، اور اِس کے پیٹ کو چیرا ہے +

(بس جلدی چلو میں تم کو اس لئے بلانے آیا ہوں) +

یہ تعجب خیز واقعہ سُنکر ہم دونوں کے ہوش حواس جاتے رہے، اور ہم گھبرا کر اسی وقت عبداللہ کے ساتھ جنگل میں پہنچے، دیکھا تو آپ تن تنہا جنگل میں کھڑے ہیں، میں نے ان کو جاتے ہی اپنی چھاتی سے لگا کر حال دریافت کیا، تو آپ نے فرمایا +

دو شخصوں نے میرا سینہ چاک کیا، اور اِس میں سے ایک خون کی پھٹکی سی نکالی اسے دھویا، پھر اُسی طرح سی کر اُس پر مہر لگا دی +

یہ واقعہ سُن کر ہم آپ کو اپنے گھر پر لے آئے، لیکن ہم دونوں سخت ہراسان ہوئے میرے خاوند نے مجھ سے کہا، کہ اس لڑکے پر کسی جن کا سایہ معلوم ہوتا ہے، ممکن ہے کہ کسی وقت اس سے بھی سخت واقعہ ہو جائے، اور ہم اس کی والدہ اور دادا وغیرہ کو مُنہ دکھانے کے قابل نہ رہیں، اس لئے میری رائے ہے، کہ اب اسے اپنی والدہ کے سپرد کر آنا چاہیے +

چنانچہ اسی مشورہ کے مطابق میں چند ہی دن میں اس مبارک اور پیارے بچے کو اس کی والدہ محترمہ بی بی آمنہ خاتون کے پاس واپس لے گئی، انہوں نے اسقدر

لے یہ واقعہ شق الصدر کے نام سے مشہور ہے، مفصل واقعات اور دلائل عقلیہ کیلئے معجزات محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ملاحظہ فرمائیے

جلد ہی واپسی کے اظہار حال پر جب مجھے مجبور کیا، تو میں نے ان سے گذشتہ واقعہ سنا دیا، لیکن بی بی آمنہ خاتون کو اس پر ذرا تعجب نہ ہُوا، بلکہ اس نے مجھے کہا، کہ حلیمہ یہ تمہارا وہم ہے، میرے بچّے پر کسی جن بھوت کا سایہ نہیں ہو سکتا، خُدا کی قسم میرے بچّے کی بڑی شان ہے،

اگرچہ حلیمہ سعدیہ دل سے نہ چاہتی تھی، کہ اسقدر جلدی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آپ کی والدہ محترمہ کے سپرد کر دیا جائے، لیکن معجزہ شق الصّدر نے اس کے خاوند کو بہت ہراساں کر دیا تھا، اس لیئے خاوند کے تعمیل حکم سے مجبور ہو کر حلیمہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آپ کی والدہ محترمہ کے سپرد کر دیا، دو سال کے سن شریف سے تقریباً چار سال تک آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی والدہ محترمہ کی زیر پرورش رہے، اس عرصہ میں آپ نے اپنی والدہ کو دیگر بچوں کی طرح کبھی نہ ستایا، بستر پر کبھی پاخانہ یا پیشاب نہیں کیا، کسی طرح کی ضد نہ کی، نہ کبھی روئے، خود ہی اُٹھ کر پانی پی لیتے، کھانا مل جاتا تو بہت کم کھا لیتے، ورنہ مانگنے کی عادت ہی نہ تھی، +

چھ برس کے سن میں آپ کی والدہ محترمہ آپ کو اپنے ساتھ لے کر اپنے قرابت داروں کے پاس تشریف لے گئیں، تاکہ اپنے متبرک اور پاکیزہ و برتر بچے کی زیارت سے وہ بھی مشرف ہو سکیں، کچھ عرصہ کے بعد جب حضرت آمنہ وہاں سے لوٹیں، تو راستہ میں جیحون گھاٹی کے قریب بمقام ابوا میں یہ محترمہ خاتون فوت ہو گئیں، ام ایمن[۱] ساتھ تھیں، جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ساتھ لیکر مکّہ میں آئیں، اور عبد المطلب کو اس صدمہ جانکاہ سے باخبر کر کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا عبد المطلب کے سپرد کر دیا +

والدہ محترمہ کی وفات کے بعد یتیم کبریٰ کی حالت میں عبد المطلب نے حضور صلی اللہ

---

[۱] ام ایمن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والد مکرم کی کنیز تھیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ نبوت میں جنگ بعید کے بعد حضرت زید بن حارثہ سے ان کا نکاح ہوا، زید کا بیٹا اسامہ اسی ام ایمن کے بطن سے پیدا ہوا ہے، جنہوں نے عہد معاویہ میں انتقال کیا +

علیہ وآلہ وسلم کو اپنی آغوش تربیت میں لے لیا، عبد المطلب اپنے معزز پوتے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت کے قائل تھے، انہوں نے بڑی شفقت سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پالا، آپ بچپن سے ہی قانع نفس[1] تھے، کبھی بھوک پیاس کی شکایت نہ کی، اور نہ کسی قسم کی اپنے دادا کو تکلیف دی۔

جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر آٹھ برس کی ہوئی، تو آپ کے دادا عبد المطلب نے بھی وفات پائی، مگر قبل از وفات اپنے معزز پوتے کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سگے چچا ابو طالب کے سپرد کرتے ہوئے، اپنے بیٹے ابو طالب کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پرورش کی تاکید کر کے اس دنیا سے چل بسے۔

ابو طالب کو بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت تھی، انہوں نے نہایت جانفشانی سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی پرورش میں لیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یتیم صغیر پیدا ہوئے، چھ برس کی عمر میں والدہ محترمہ کی آغوش شفقت سے جدا ہو گئے، آٹھ برس کی عمر میں مشفق دادا عبد المطلب کا سایہ سر سے اٹھ گیا، اور اب نویں برس میں اپنے چچا ابو طالب کی زیر پرورش تھے، اگرچہ اس عرصہ میں کسی کو بھی آپ کی تعلیم کا خیال نہ آیا لیکن پھر بھی اس عمر اور ایسی حالت میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذہنی و دماغی نشو و نما طبیعت کی پاکیزگی تمام عرب میں مشہور تھی، جہاں کہیں بچوں کے اخلاق و آداب کا ذکر ہوتا تو ابو طالب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق و آداب راست گوئی، قناعت پاکیزگی وغیرہ کو بڑے فخر کے ساتھ بیان کرتے تھے۔

عبد المطلب کے فوت ہونے پر کعبہ شریف کے متولی بھی ابو طالب ہی قرار دیئے گئے تھے، اس لئے اہل مکہ ان کی بزرگی اور عظمت کے قائل تھے۔

[1] دلائل ابی نعیم میں ام ایمن کی زبان کے الفاظ یہ ہیں، میں نے یہ کبھی نہ سنا اور نہ دیکھا کہ کسی وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھوک اور پیاس کی شکایت کی ہو، صبح کو آپ سو کر اٹھتے تو گھر سے نکل کر چشمۂ زمزم پر جا کر پانی پی آتے، اکثر جب ہم کھانا آپ کے سامنے رکھا جاتا، تو آپ یہ فرمایا کرتے، کہ میں نہیں چاہتا، کیونکہ میں سیر ہوں۔

قحط[1] سالی کے دنوں میں بلحاظ بزرگانہ عقیدت ایک روز اہلِ قریش ابوطالب کے پاس آکر کہنے لگے، اے ابوطالب ملک میں قحط پڑ رہا ہے، ہم اور ہمارے بیوی بچّے بھوکے مر رہے ہیں، دعا کرو، کہ بارش ہو، تاکہ یہ قحط سالی دُور ہو جائے ابوطالب نے اپنی قوم کی التجا کو ہمدردی سے سنا، اہلِ قریش اور معصوم بچوں کو ساتھ لے کر کعبہ شریف سے باہر نکلے، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ساتھ تھے، ابوطالب کعبہ شریف کی دیوار سے اپنی پشت لگا کر کھڑے ہو گئے، سب نے دعا کیلئے ہاتھ اُٹھائے، تو ابوطالب نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی انگلی دبا کر دعا کیلئے ہاتھ اُٹھانے کو کہا، اگرچہ اُس وقت آسمان پر بادل کا ایک ٹکڑا بھی نہ تھا، مگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب اپنے ننھے ننھے دونوں پاکیزہ ہاتھ اُٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا تو اسی وقت چاروں طرف سے بادل گھر آئے، اور ایسی بارش ہوئی، کہ ہر طرف پانی ہی پانی نظر آنے لگا، ✣

یہ واقعات ۵۷۹ء کے ہیں، اسی سال کسریٰ انوشیرواں عادل کا انتقال ہوا، تو اس کی جگہ اس کا بیٹا ہرمز چہارم اورنگ سلطنت پر جلوس فرما ہوا، ہرمز نہایت ظالم اور جابر بادشاہ تھا، اس لئے اس کی رعایا نے اس سے بغاوت کر دی، ہرمز بغاوت کے فرو کرنے کے باعث اپنے ملک کی حفاظت نہ کر سکا، اس بدانتظامی سے قیصرِ روم نے فائدہ اُٹھانا چاہا، چنانچہ رومیوں نے عراق کی جانب سے بڑھ کر ایران پر دھاوا بول دیا، اور جانب شمال تاتاریوں نے چھاپا مارا، شاہ ہرمز ایک تو رعایا کی بغاوت میں گرفتار تھا، دوسرے رومی اس پر حملہ آور ہوئے، تیسرے تاتاریوں نے کشت وخون کرنا شروع کر دیا ✣

---

[1] قسطلانی وشرح ابن حجر میں ابوطالب کا یہ قول درج ہے کہ وہ دیعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ہی گویا نورانی ہیں جن چاند سے چہرے کی طفیل نزول باران رحمت طلب کیا جاتا ہے ✣

غرضیکہ ہرمز تین بلاؤں میں گرفتار ہوگیا قریب تھا کہ فارس کا تخت تختۂ دنیا سے مٹ جائے، اگر خداوند کو یہ منظور نہ تھا یعنے مُلک فارس کے مدبّر اور بہادر جنرل بہرام کو خُدا نے وُہ طاقت دی کہ اس نے دونوں دشمنوں یعنی رومیوں اور تاتاریوں کو نیچا دکھایا، اور فارس کی رعایا کو بھی بہرام کی اس بہادری نے اپنا گرویدہ بنا لیا رعایا اپنے بادشاہ ہرمز کی مخالف تو تھی ہی ....

.... ایک روز ہرمز کو تخت سے اُتار کر اس کی آنکھوں کو گرم آہنی میخوں سے پھوڑ دیا اور اس کی جگہ پر اس کے بیٹے پرویز کو تخت نشین کردیا، لیکن جنرل بہرام نے پرویز کی تخت نشینی منظور نہ کی، بلکہ پرویز کو ہر طرح اس نے ذلیل و خوار کیا، پرویز بہرام کی مخالفت سے تنگ آکر پوشیدہ طور قسطنطنیہ بھاگ گیا، قسطنطنیہ (روم) کے تخت پر ان دنوں شاہ مورِیس جلوہ افروز تھا موریس نے پرویز کی امداد کی، اور اُسے عظیم الشان فوج کے ساتھ اپنا آبائی ترکہ بہرام سے چھیننے کے لئے واپس روانہ کیا، چنانچہ پرویز نے بہرام سے لڑ بھڑ کر اپنے مُلک پر دوبارہ قبضہ کرلیا، اور موریس جب تک زندہ رہا پرویز کی احسان مندی کی بدولت رومیوں کا دوست بنا رہا ✤

اِس زمانہ اور ایسی حالت میں ابنائے بادیہ کے رہنے والے نیم وحشی جنگجو کہیں پانی کا کوئی مستقل چشمہ ملا، وہیں اپنی اپنی کملیاں اور اونٹوں کی کھال کے خیمے ڈال کر گذارہ کرنے والے جن میں نہ کسی قسم کی تعلیم تھی، نہ تربیت، بتوں کو پوجنے اور لوٹ مار کرکے گذارہ کرنے والے عرب تھے، انہیں میں اہل قریش بھی تھے، جو دیگر اہل عرب میں تجارت پیشہ اور ذی عزت سمجھے جاتے تھے، ان ہی ذی عزت لوگوں کے سردار ابوطالب تھے، جو کہ مکّہ سے اپنا تجارتی مال لاد کر بصریٰ کی راہ سے مُلک شام کو فروخت کرنے جایا کرتے تھے ✤

شانِ نبوّت کی پہلی جھلک

اس وقت حضور پُرنور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر مبارک دس سال کے قریب تھی، اسی سال دیگر تجارتی قافلوں کے ہمراہ بغرض تجارت جب ابوطالب نے ملک شام میں جانے کا ارادہ کیا، تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اپنے چچا کے ساتھ جانے کی خواہش کی، چنانچہ ابوطالب نے اپنے پیارے بھتیجے کو اپنے ساتھ لے لیا، یہ تجارتی قافلہ منزلیں طے کرتا ہوا، جب شہر بصریٰ کے قریب کوہستان سعیر کے سرسبز و شاداب دامن میں پہنچا، تو حسب دستور اس منزل پر بھی ایک آدھ روز ٹھہرنے کیلئے سب لوگوں نے اپنا اپنا سامان اونٹوں کے کجاوؤں سے اُتارنا شروع کیا، حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اپنے چچا کے ساتھ سامان اُتارنے میں مصروف ہو گئے، ہم پہلے عرض کر چکے ہیں، کہ اس تاجرانہ شہر بصریٰ میں اس وقت مختلف عقائد مسیحیوں کے معابد اور عزلت کدے تعمیر ہو گئے تھے، انہیں معابد میں بحیرہ راہب کا عظیم الشان گرجا بھی تھا جو فصیل شہر سے دو تین میل کی مسافت پر کوہستان سعیر کی ایک بلند پہاڑی کے دامن میں ایک سرسبز و شاداب قطعہ زمین پر بنایا گیا تھا جس کے اردگرد کے حجروں میں بہت سے راہب عبادت و ریاضت میں مشغول رہا کرتے تھے، اور انہیں حجروں سے ملا ہوا ایک وسیع مہمان خانہ بنا ہوا تھا جس میں علاوہ اِکّا دُکّا مسافروں کے شام کو جانے والے قافلے بھی ٹھہرتے تھے، اور ہر ایک مسافر کو اس جگہ ہر طرح کا آرام ملتا تھا۔ +

چنانچہ ان دنوں کوہستانی عرب کے شمالی حصے اور ملک شام پر شاہ قسطنطنیہ کا قبضہ تھا بحرِ قلزم کے ساحل کا ایک حصہ شہر مکّہ کے جنوب تک حبشہ کے عیسائی بادشاہ کی حکومت میں تھا، خلیج فارس کے کنارے اور وہ ملک جس میں دریائے دجلہ و فرات بہتے ہیں، نیز جزیرہ نمائے عرب کے جنوبی حصے کیانیوں کے ماتحت تھے، ان ممالک میں

رہنے والے یا تو عیسائی تھے، یا آتش پرست اور بعض یہودی +

اکثر آزاد خود مختار عرب بتوں ستاروں اور مختلف دیوتاؤں کی پرستش کرتے تھے، اِس وقت ان تمام مذاہب میں اگر کوئی مذہب عمدہ ہو سکتا تھا، تو وہ یہودیوں اور عیسائیوں کا مذہب تھا، لیکن ان ہر دو مذاہب میں بھی خرابیاں پیدا ہو گئی تھیں، چنانچہ یہودیوں میں سوائے بناوٹ نخوت، قساوت، قلب کے مذہبیت نابود ہو چکی تھی، ان کے مذہب کا تمام دارومدار قصہ گوئی، اور بے ہودہ رسومات مروجہ کی پیروی پر تھا، اسی طرح عیسائیوں کی کیفیت یہ تھی، کہ اِن کے پادریوں نے ریاکاری دُنیا طلبی کے باعث عیسائیت کو پس پشت ڈال دیا تھا، وہ مصنوعی روایتوں، جھوٹی نقلوں، اپنے مفید مطلب من گھڑت فسانوں باطل کرامتوں، اور غلط معجزوں کو بیان کر کے اپنے اپنے مقلدوں سے فائدہ اُٹھاتے تھے +

شام کے دار الخلافہ دمشق میں، لینوس راہب اپنے پیر مرشد مانطنوس مذہب کی تبلیغ کرتے ہوئے لوگوں کو دام عقیدت میں لا رہا تھا +

موصل میں جیردم اسقف اپنے عقائد کی تلقین میں مصروف تھا، عموریہ میں بطرس راہب اپنے عقائد میں منہمک اسی طرح انطاکیہ میں بونی فیس کا مذہب علیحدہ تھا، اور اور بصریٰ کے خانقاہ میں بحیرہ راہب کے اعتقادات مذہبی علیحدہ تھے، غرضیکہ خالص مذہب مسیحیت اس وقت معدوم ہو چکا تھا، مسیحی مذہب کے بیسیوں فرقے تھے، جن میں اصلی عیسائیت کا پتہ لگانا دشوار تھا، اور ان فرقوں کے تمام اسقف و راہب اگرچہ اپنی اپنی حقانیت کے دعویدار تھے، لیکن ان کی خود غرضی اور دُنیا طلبی نے یونان اور روم کی مسیحیت کو بُت پرستی کا مترادف بنا دیا تھا، +

کہیں آریوس کی مسیحیت تھی، جس میں رہبانیت کی تعلیم سے ہر شخص مبتلائے مصیبت نظر آتا تھا، کہیں نسطوری مسیحیت جو دُنیاوی تمدّن کو برباد کر رہی تھی، غرضیکہ

توحید کے دعوےٰ کو تثلیث کے عقیدے اور ذاتِ احدیت کو تین کی تقسیم سے اِن عیسائی اسقف اور راہبوں نے ایسا خراب کر دیا تھا، کہ توحید کے معنی تک سمجھنا مشکل ہو گئے تھے +

بحیرہ راہب کی مسافر نوازی مشہور تھی، اگرچہ اس نے اپنے مقامی معتقدین اور خانقاہ کے مجاوروں کو مسافروں کے آرام و آسائش کی ہدایتیں دے رکھی تھیں، مگر اِس پر بھی وُہ آنے والے مسافروں کے پاس ایک دفعہ خود آ کر دریافت حال کیا کرتا تھا +

چنانچہ جسوقت ابو طالب کا قافلہ اس مقام پر اترا، اُس وقت بڑی کڑی دھوپ تھی، بحیرہ راہب نے ان نو وارد مسافروں پر نظر ڈالی، جب اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا، تو چونک سا پڑا اور بڑی دیر تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ منورہ کو دیکھتا رہا +

قافلہ کے سب لوگ اپنا اپنا سامان اتار چکے، تو بحیرا راہب نے سب سے پہلے قافلہ کے لوگوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت ہی یہ سوال کیا، کہ "یہ کون صاحبزادے ہیں؟" ابو طالب نے کہا، کہ یہ میرا فرزند ہے، اور اس نے شکل و صورت کیسا تھ اچھے خصائل و عادات بھی پائے ہیں، جو ان کو دیکھتا ہے، خوش ہوتا ہے +

اِس پر بوڑھے راہب نے کہا، کہ مجھے اِس صاحبزادے کے چہرے پر حق کی تجلی نظر آتی ہے، میرا خیال ہے، کہ ان کی کوئی خاص شان ہے، کیونکہ میں گرجا کے دریچے میں بیٹھا تھا، میں نے تمہارا قافلہ گھاٹی پر چڑھتے دیکھا، میں اس وقت سے اب تک ابر کا ٹکڑا اس صاحبزادے کے سر پر سایہ کئے ہوئے دیکھتا ہوں، بحیرا ابو طالب سے یہی باتیں کر رہا تھا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی پاس بیٹھے تھے، اتنے میں بحیرہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا، صاحبزادے آپ کا مذہب کیا ہے +

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب میں فرمایا، میرے دل میں جس چیز کی جستجو ہے وہ ابھی تک مجھے نہیں ملی، میرے بزرگ اگرچہ بتوں کو اپنا خدا سمجھتے ہیں، لیکن میرا دل اسکو نہیں مانتا، اور نہ میں نے کسی بُت کے آگے اب تک اپنا سر ہی جھکایا ہے +

اِس معقول جواب پر بحیرا نے خوش ہو کر پوچھا، آپ نے یہود کی کتب آسمانی پڑھی ہونگی، اِس لئے آپ بت پرستی کو اچھّا نہیں سمجھتے +

حضُور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، میں تو اُمّی ہوں، مجھے کیا معلوم کہ یہود کی آسمانی کتب میں کیا لکھا ہے، البتہ میرا دل مجھ سے کہہ رہا ہے، کہ ہماری قوم غلطی پر ہے، بلکہ مجھے تو آپ لوگ بھی مشرک معلوم ہوتے ہیں، کیونکہ میرا خیال ہے، کہ خدا کا اصلی مذہب توحید ہونا چاہیئے، اور اسی حقیقی مذہب کی دُنیا میں ضرورت ہے +

یہ کہہ کر حضُور صلی اللہ علیہ وسلم پانی لینے کیلئے حوض پر گئے، ابر کا ٹکڑا ان کے سر پر ساتھ ساتھ تھا، بحیرا نے ابو طالب سے کہا، آپ نے جو یہ کہا، کہ یہ میرا فرزند ہے، میں اپنی مذہبی پیشگوئی کے مطابق کہہ سکتا ہوں، کہ اِس صاحبزادے کو تو یتیم ہونا چاہیئے تھا +

ابو طالب نے کہا، آپ کا خیال درست ہے، واقعی یہ یتیم ہے اور میرے مرحوم بھائی عبداللہ کا فرزند ہے، مگر میں نے اسے اپنی اولاد کی طرح پالا ہے، اِس پر بحیرہ راہب نے کہا، اب مجھے یقین ہو گیا، یہ وہی ناموس اکبر ہیں، جس کی انبیائے سلف پیشین گوئی کرتے آئے ہیں، آپ اِس صاحبزادے کو حفاظت سے رکھیں، اور اِن کی پوری نگہبانی کریں جو باتیں مجھے اس صاحبزادے میں نظر آئی ہیں، اگر میری قوم یہود کو نظر آئینگی، تو وہ اِنکے دشمن بلکہ خون کے پیاسے ہو جائیں گے، میرا خیال ہے، کہ اس مقرب خدا لڑکے

لہ ترمذی نے لکھا ہے، راہب نے ابو طالب کو قسم دیکر کہا کہ انکو اپنے ساتھ ارض روم میں نہ لے جائیں، کیونکہ وہاں کے لوگ اِن کے دشمن ہیں، بحیرا راہب ابھی اِس بات کی تاکید ہی کر رہا تھا، کہ دُور سے سات رومی شخص آتے دکھائی دیئے، بحیرا نے بطور استقبال آگے بڑھ کر ان سے دریافت حال کیا، ان رومیوں نے کہا کہ ہم کو اِس بات کی خبر ملی ہے، کہ اس جگہ وہ شخص پہنچا ہے، جو نبوت کا دعویٰ کرے گا، لہٰذا ہم اسی کی تلاش میں ہیں، راہب نے یہ سُن کر ان سے کہا، کہ خدا کو اگر وہ ناموس اکبر پیدا ہی کرنا، اور اُس کی تعلیم کو دُنیا میں پھیلانا ہی ہے، تو اس کی قدرت میں کون مزاحم ہو سکتا ہے، چونکہ بحیرا راہب ایک مذہبی پیشوا اور بزرگ شخص تھا، اس لئے وہ رومی شخص بحیرا کے سوال کا جواب دیئے بغیر شرمندہ ہو کر وہاں سے پلٹ گئے +

کو آپ شام میں نہ لے جائیں، اگر آپ کو اس سے دِلی محبّت ہے، تو یہیں سے اس کو اپنے مُلک کو واپس کر دیجیے، ابو طالب کو حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے دلی محبت تھی، چنانچہ راہب کے مشورہ کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی منزل سے مکّہ شریف واپس لوٹنا پڑا ✣

اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم قریبًا ۵ سال مکّہ شریف میں اپنے مشفق چچا ابو طالب کی زیرِ پرورش رہے، جو ہر طرح ان کا ساتھ دیتے رہے، ان پانچ سال کے عرصہ میں اہل قریش، اہل کنانہ، اور قبیلہ ہوازن میں چار لڑائیاں ہوئیں، جو حروب حجاز کے نام سے مشہور ہیں، آخری لڑائی جو تقریبًا ۴ سال تک رہی، اس لڑائی میں ابو طالب کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم جس روز شریک[1] ہوئے، اس دن کو یوم شرب کہتے ہیں چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی برکت سے، اہل قریش و اہل کنانہ کو ہوازن پر اسی روز فتح حاصل ہوئی ✣

حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا زمانہ شباب

۵۸۶ء میں حضور پُر نور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا سن مبارک پندرہ برس کا تھا، ابو طالب پہلے ہی عیال دار تھے، اِن کو حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی اس عمر میں آئندہ زندگی کا فکر ہوا، اتنے مالدار نہ تھے، کہ کچھ مال و اسباب خرید کر حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو بھی تجارت کا کام سپرد کرتے، جس سے حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم فکرِ معاش سے بے فکر ہو جاتے، ساتھ ہی اِس کے مشفق چچا کو اپنے معزز بھتیجے کی شادی خانہ آبادی کا بھی خیال تھا، ابو طالب دِل سے چاہتے تھے، کہ میرا معزز بھتیجا بھی اہل قریش میں مرفع الحال اور خانہ دار نظر آئے، انہی خیالات کے مطابق ایک روز ابو طالب نے حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے کہا، بیٹا مجھے یہ کہتے ہوئے اگرچہ شرم آتی ہے، لیکن میں اپنی عیالداری کے باعث یہ کہنے پر مجبور ہوں، کہ اب تم جوان ہو، تمہیں آئندہ زندگی گذارنے کا فکر کرنا چاہیئے اگر میرے پاس سامان اور روپیہ ہوتا، تو میں تم کو تجارت کرنے کو کہتا، لیکن میں خود

---

[1] حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، کہ میں اپنے چچا کے ساتھ تھا، اور دشمنوں کے تیر روکتا تھا (دیکھو عقد الفرید) شوق

غریب ہوں، اِس لیئے میری تجویز یہ ہے، کہ اِس وقت ہمارے شہر میں خویلد کی لڑکی خدیجہ بہت مالدار اور صاحب تجارت عورت ہے اُسے اپنے تجارتی کاروبار کیلئے اکثر ملازموں کی ضرورت رہتی ہے، اگر تم اس کی ملازمت کرنا چاہو، تو میں اس کے پاس جاکر تمہیں اس کی ملازمت دلاؤں، تاکہ اس تنخواہ سے تمہاری شادی بھی ہو جائے، اور ضروریات زندگی بھی پوری ہوتی رہیں +

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے مہربان چچا کی اس تجویز کو غور سے سُن کر نہایت ادب سے یہ جواب دیا۔ چچا جان! مجھے آپ کی اس تجویز سے اتفاق ہے، اور میں آپ کو اپنا مشفق سمجھ کر آپ کے ہر ایک حکم کی تعمیل کرنے کو ہر وقت حاضر ہوں +

ابوطالب اپنے لایق اور فرمانبردار بھتیجے کا یہ جواب سُن کر بہت خوش ہوئے چنانچہ دوسرے روز وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ملازمت کیمتعلق خدیجہ کے محل میں گئے +

خویلد اہل قریش میں بڑا امیر کبیر شخص تھا، اس کی لڑکی خدیجہ تھی، جو نہایت ذہین اور عالی دماغ عورت تھی، صورت و سیرت اور مال دولت کے لحاظ سے بھی مکہ بھر میں سب سے ممتاز تھی. +

خدیجہ کا باپ خویلد بہت کچھ زر و مال چھوڑ کر فوت ہو چکا تھا، اور یہ بھی عہد شباب میں ہی بیوہ ہو چکی تھی، سوائے ایک چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل کے اس کا کوئی اصلی وارث نہ تھا، لیکن خدیجہ نے اپنی قابلیت سے تجارت کا کام خود سنبھالا، اور ہر ایک کام بڑی خوش اسلوبی سے انجام دینے لگی، جس کا نتیجہ یہ ہوا، کہ خدیجہ پہلے سے بھی زیادہ امیر ہو گئی، چنانچہ اس وقت نہایت اطمینان اور فارغ البالی سے اپنی زندگی بسر کر رہی تھی، بیسیوں کارندے، درجنوں کنیزیں، کئی ایک عالیشان مکان، ہر طرح کا ساز و سامان غرضیکہ سبھی کچھ تھا، اور اپنی قابلیت، امارت، عزت، کے باعث نہ فقط مکہ بھر میں بلکہ سارے عرب میں مشہور تھی، خدیجہ کی صورت، و سیرت، قابلیت دولت کا شہرا

سُن کر عرب کے دُور نزدیک کے اکثر امرار رؤسا نکاح کے پیغام بھیجتے تھے، لیکن خدیجہ نے اب تک کسی کا پیغام قبول نہ کیا تھا ÷

چنانچہ ابوطالب جب خدیجہ کے محل کی ڈیوڑھی پر پہنچے، تو دربانوں نے جا کر اپنی مالکہ کو ابوطالب کے آنے کی اطلاع دی، خدیجہ نے ابوطالب کا نام سنتے ہی ان کو بڑی عزت سے اندر بلا لیا ÷

ابوطالب اگرچہ عیالداری کے باعث مرفع الحال نہ تھے، لیکن اپنی قوم کے ایک معزز رکن سمجھے جاتے تھے، ویسے بھی خدیجہ سے رشتہ کی قرابت تھی، اس لئے خدیجہ نے ان کی بڑی تکریم و تعظیم کی مہمان نوازی کا حق ادا کر کے جب حاضر ہونے کا سبب دریافت کیا، تو ابوطالب نے حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ملازمت کے متعلق سفارش کی، خدیجہ نے بغیر کسی حجت اور شرط کے حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی ملازمت میں لینے کا اقرار کر لیا، اور ابوطالب خدیجہ کا شکریہ کر کے واپس چلے آئے، ÷

دوسرے روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم خدیجہ کے محل میں داخل ہوئے، تو آپ کو بھیڑوں بکریوں کی پاسبانی کا کام سپرد کیا گیا، تھوڑے ہی دنوں میں حضور صلعم کے تصدق خدیجہ کی بھیڑوں اور بکریوں کے دودھ اور بچوں میں بڑی ترقی ہوئی، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق، ادب، محنت، دیانت کا دیگر ملازموں پر ایسا اثر پڑا کہ خدیجہ کے سب پُرانے ملازم اپنی مالکہ کے سامنے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خوش خلقی، امانت، دیانت، محنت، مشقت کی ہر وقت تعریف کرنے لگے، چنانچہ خدیجہ کے دِل میں بھی حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا ایک خاص خیال پیدا ہو گیا ÷

یہ قاعدہ کی بات ہے، کہ ملازم پر اپنے آقا کی خوشنودی اس کی ترقی کا باعث ہوا کرتی ہے، علاوہ اس کے ایک روز خدیجہ اتفاقاً اپنے محل کے اوپر کھڑی تھی، دھوپ کا وقت تھا، حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ریوڑ کو لئے آرہے تھے، خدیجہ نے حضور صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم کے سر پر بادل کا سایہ دیکھا، اور جیسے جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم آگے بڑھتے تھے، وہ بادل کا ٹکڑا بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سر پر ساتھ ساتھ بڑھ رہا تھا خادیجہ کو یہ دیکھ کر بہت متعجب ہوا، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ شان دیکھ کر خدیجہ کی نظروں میں اور بھی مقرب ہو گئے، جس کا نتیجہ یہ ہوا، کہ خدیجہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے کارندوں میں چن لیا، لہٰذا ایک روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بلا کر کہا کہ اگر تم تجارت کے قافلہ کے ہمراہ جا سکو تو تمہاری بہتری کا باعث ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں کہا، کہ ملازم کو آقا کے حکم سے کیا انکار ہے ÷

شانِ نبوّت کی دوسری جھلک

اگرچہ تجارتی زمرہ میں خدیجہ کے کئی ایک کارندے تھے، لیکن تجارت کا بڑا مہتمم خدیجہ کا آزاد کردہ غلام میسرہ نامی تھا، جس کی تحویل میں تجارت کا سب حساب رہتا تھا، چنانچہ خدیجہ نے میسرہ کو بلا کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت تاکیداً کہدیا، کہ اس سال قافلہ کے ساتھ یہ نئے ملازم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی جائیں گے، اگرچہ ابھی یہ تجارتی کام کے نااہل ہیں، لیکن پھر بھی جو کچھ تم لوگوں کو یہ مشورہ دیں، اُنہیں کے مشورہ پر عمل کرنا اور اِن کو میرا خاص کارکن سمجھ کر ان کی ہر قسم کی خبر گیری رکھنا، تاکہ ان کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہو علاوہ اِس کے سفر میں انکی ذات سے جو کچھ واقعات گذریں، انکو اچھی طرح یاد رکھنا، میسرہ نے اپنی مالکہ کی یہ ہدایات سُنکر اس پر عمل کرنے کا اقرار کیا ÷

چند روز بعد خدیجہ کے سامان تجارت کا قافلہ مکّہ سے شام کی طرف نکلا، حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ساتھ تھے، ÷

چند منازل طے کر کے جب اِس قافلہ نے ایک عیسائی پادری نسطورا نامی کے گرجے کے پاس منزل کی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس درخت کے پاس بیٹھے تھے اس

درخت کا سایہ حضورؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جھک آیا، پادری یہ واقعہ دیکھ کر میسرہ کیطرف آیا، اور متعجب ہو کر پوچھنے لگا، اے میسرہ یہ تمہارے قافلہ کے ساتھ اس سال کون نوجوان آئے ہیں، میسرہ نے کہا، یہ اہلِ قریش میں سے ہیں، اور ہمارے سردار ہیں +

پادری نے کہا، بیشک یہ تمہارے قافلہ کے ہی سردار نہیں، بلکہ کسی دن سارے جہاں کے سردار ہونگے +

میسرہ نے پوچھا، آپ کو یہ کیسے معلوم ہو گیا، پادری نے کہا، ان کی آنکھوں میں سُرخی معلوم ہوتی ہے، اور سوائے نبی کے اس درخت کے نیچے اور کوئی نہیں بیٹھا[۱] مجھے تو یہ نبی آخر الزمان معلوم ہوتے ہیں، کاش میں اس وقت تک زندہ رہتا، جبکہ یہ معبوث ہونگے، اس تمنا کے بعد پادری نے میسرہ کو اس بات کی تاکید کردی، کہ ان سے کسی وقت جُدا نہ ہونا، سچے ارادے اور نیک نیتی سے ان کے ساتھ رہنا، کیونکہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم وہ ہیں، جنہیں اللہ تعالےٰ شرف نبوّت عطا کرنے والے ہیں +

علاوہ اس واقعہ کے اور بھی ایسے ہی کئی واقعات راستے میں گذرے، آخر یہ قافلہ ملک شام میں پہنچا، اور حضورؐ صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے خدیجہ کا تمام سامانِ تجارت اس سال دُگنے چوگنے منافع پر جب فروخت ہو گیا، تو قافلہ کے سب لوگ خوش وخرم اپنی مالکہ خدیجہ سے انعام واکرام حاصل کرنے کی خوشی میں مکّہ شریف کی طرف واپس ہوئے +

ان بابرکت واقعات سے سب ملازمان کے دلوں میں حضورؐ صلی اللہ علیہ وسلم کی آگے سے بھی زیادہ عقیدت تھی، اور ہر ایک شخص حضورؐ صلی اللہ علیہ وسلم کی نہایت تکریم وتعظیم کرتا تھا، میسرہ اپنی مالکہ خدیجہ کی ہدایت کے مطابق نہایت ادب سے آپکی حرکات سکنات وپیش آمدہ واقعات پر غور کرتا ہوا حضورؐ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ساتھ آرہا تھا،

[۱] اس درخت کے نیچے بیٹھنا اور آنکھوں کی سپیدی میں سُرخی ہونا، کتب قدیمہ میں نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی خاص علامت بیان کردی گئی ہے +

جب یہ قافلہ مکّہ کے قریب پہنچا، تو سب میں یہ رائے قرار پائی، کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی سواری دوڑاتے ہوئے سیّدہ خدیجہ کو سامان تجارت کی فروخت اور کافی منافع کی خوشخبری دینے سب سے پہلے جائیں، تاکہ ہر ایک ملازم کو خاطر خواہ انعام واکرام سیّدہ سے ملے۔

چنانچہ اسی تجویز کے مطابق حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی سواری دوڑاتے ہوئے جس وقت خدیجہ کے محل کی طرف آرہے تھے، اتفاقاً اس وقت خدیجہ بھی اپنے محل کی چھت پر کھڑی تھیں جنہیں اس سوار کی عجیب شان نظر آئی، سوار کا چہرہ چاند سے زیادہ منور تھا اور اس کے سر پر ابر کا ٹکڑا سایہ کئے ہوئے ساتھ ساتھ دوڑ رہا تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ شان رعنائی خدیجہ کے دل پر گہرا اثر کر گئی، خدیجہ کی نظر سے جب یہ سوار اوجھل ہو گیا، تو محل کی چھت سے اترتے ہی اس نے دربان کو حکم دیا، کہ وہ شہر میں داخل ہونیوالے سوار کا پتہ لگائے، کہ وہ کون ہے، دربان سیّدہ خدیجہ کے اس حکم کی تعمیل میں ابھی ڈیوڑھی سے نکلا ہی تھا، کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آتے دیکھ کر دریافت کیا، کہ آپ کے پیچھے یا ساتھ کوئی اور سوار بھی باہر سے آیا ہے، کیا! +

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، نہیں۔ صرف میں ہی اپنی سواری دوڑاتے ابھی آرہا ہوں، سیّدہ کو خبر کردو، کہ محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم، خوشخبری لیکر حاضر ہوا ہے +

دربانوں نے خدیجہ کو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا پیغام دیا، اور ساتھ ہی خدیجہ کو جب یہ معلوم ہوا، کہ وہ سوار محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی تھے، تو خدیجہ کے دل میں پہلے سے بھی زیادہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خیال نے ترقی کی، اس پر جب حضور علیہ السلام نے نہایت ادب سے سب تجارتی مال دُگنے اور چوگنے منافع پر فروخت ہو جانے کی خبر سنائی، تو خدیجہ کے دل میں حضور علیہ السلام کی برکت وسیرت اور عقیدت کا خاص جذبہ پیدا ہو گیا +

اتنے میں باقی قافلہ کے ملازم بھی آ گئے، میسرہ نے اپنی مالکہ سے سفر کے واقعات سنائے اور پادری کے نصیحت آمیز الفاظ دُہرائے، خدیجہ کو پختہ یقین ہو گیا، کہ بیشک

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا کے برگزیدہ اور مقرب انسان ہیں، جو ہدایت عالم کے لئے پیدا ہوئے ہیں +

نکاح اوّل کچھ دنوں تک تو خدیجہ نے اپنا حال دل پوشیدہ رکھا، آخر اظہار کرنا ہی پڑا چنانچہ ایک روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خدیجہ نے اپنی دلی تمنا یعنی نکاح کا پیغام دیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت حیا وادب کے ساتھ یہ جواب دیا، کہ اسکے متعلق میرے بزرگ ابوطالب کی اجازت ضروری ہے +

چنانچہ خدیجہؓ نے ابوطالب کے پاس تحفہ تحائف دیکر حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنے نکاح کا پیغام ارسال کیا، اگرچہ ابوطالب کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر کے لحاظ سے یہ پیغام قبول کرنے میں کچھ تامل تھا، لیکن اپنی بیوی کے مشورہ سے یہ پیغام قبول کرنا پڑا +

آخر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے لیکر اور آپ کی بہتری کے لحاظ سے خدیجہؓ کے ساتھ نکاح کی تاریخ مقرر ہو گئی، نکاح کیلئے چونکہ ناکح ومنکوحہ کے بزرگوں کی شمولیت واجازت ضروری تھی، اسلئے خدیجہؓ نے بھی اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل کو اپنے نکاح میں شامل کیا، چنانچہ خدیجہؓ کی طرف سے ورقہ بن نوفل تھے، اور حضرت محمد علیہ السلام کیطرف سے ابوطالب ان دونوں بزرگوں نے ناکح ومنکوحہ کا نکاح پڑھا دیا، خطبہ نکاح ابوطالب[1] نے پڑھا، اکثر اسلامی روایات سے ظاہر ہوتا ہے، کہ نکاح کے بعد سیّدہ حضرت

[1] خطبہ نکاح بعض محدثین نے خدیجہ کے چچا عمرو بن اسد اور ورقہ بن نوفل کی نسبت لکھا ہے، لیکن ابو الحسین کا بیان مستند معلوم ہوتا ہے، چنانچہ سیرت حلبیہ میں بھی ابوطالب کا خطبہ درج ہے، جس کا ترجمہ یہ ہے، سب سے پہلے ستایش اللہ کو ہے جس نے ہمیں ابراہیم کی نسل اور اسماعیل کے فرزند سے ممنون بنایا، اور ہم کو اس گھر کا خادم بنایا، جو حج اور امن کا گھر ہے، اور ہمیں لوگوں کا حاکم بنایا، اس کے بعد میرا بھتیجا محمد بن عبداللہ اگرچہ دولتمند نہیں ہے، مگر نسبتی شرافت اور عقل ودانائی اخلاق وعادات میں جس شخص سے اس کا مقابلہ کیا جائے یہ اس پر غالب آتا ہے، مال ودولت تو ڈھلتے اور دور ہونے والا ہے، اور ایک قسم کا قرض ہے، جو واپس مانگا جاتا ہے، مگر نجابت وشرافت کو کبھی زوال نہیں، اللہ کی قسم منکوحہ کی بڑی خوش قسمتی ہے، جو محمدؐ نے عمر رسیدہ خدیجہؓ کو برضائے رغبت قبول کر لیا ہے، اور اس کیلئے بارہ اوقیہ ایک اوقیہ چالیس درم کا ہوتا ہے، اور ایک نش (نش بیس درم کا) مہر مؤجل اور غیر مؤجل مان لیا ہے +

خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اپنا تمام مال اسباب جائداد منقولہ وغیر منقولہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی نذر کرکے بزرگانِ قریش سے کہا، کہ تم لوگ گواہ رہو، میں اپنی مرضی سے اپنا تمام مال و منال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کرتی ہوں، آج سے یہ سب مال و دولت انہیں کا ہے، چاہیں اپنے پاس رکھیں یا کسی کو دیدیں، یا راہ خدا میں خرچ کریں ✤

چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت خدیجہؓ کی مرضی کیمطابق تمام زر و مال راہ خدا میں خرچ کر دیا، اور سب کنیزوں اور غلاموں کو آزاد کرکے حضرت خدیجہؓ کو بھی اپنے ساتھ درویشانہ زندگی بسر کرنے کا عملی سبق دیا ✤

یہ ۶۰۵ء کا زمانہ تھا، اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سن مبارک انتیس ۲۹ سال کا تھا سب لوگ آپکی اعلیٰ درجے کی اخلاقی خوبیوں اور آپ کی نیک اور پاکیزہ زندگی کو نہایت عزت سے دیکھتے تھے، مکہ بھر میں آپ کو راست گو امین اور دیانتدار کے خطاب سے یاد کیا جاتا تھا لیکن حضور علیہ السّلام کے دل میں قوم کی اخلاقی اور تمدّنی حالت دیکھ کر بہت رنج ہوتا تھا، وہ اپنی قوم اور مُلک کو با امن، ادیب، راست گفتار اور وحدت پرست دیکھنا چاہتے تھے، اور دل ہی دل میں اس ابتر حالت کو بہتر بنانے کیلئے خدا سے لَو لگائے رہتے تھے ✤

اس زمانہ میں بارش کی زیادتی کے باعث کعبہ کی بنیادیں پھٹ گئی تھیں، اسلئے تمام قبائل نے مل کر کعبہ شریف کی مرمت کا کام شروع کر دیا، اس کام میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی پتھر اور مٹی ڈھونے میں شامل تھے ✤

تعمیر کعبہ کے وقت حجر اسود کے اُٹھانے اور پھر اسی مقام پر رکھنے کے متعلق قبائل میں جھگڑا پڑ گیا، چونکہ ہر قبیلہ کے معززین کی یہی خواہش تھی، کہ ہمارے ہی ہاتھ سے حجر اسود اُٹھایا اور رکھا جائے، اس بات پر بہت قیل و قال ہوئی، اور اس قضیہ نے یہاں تک طول پکڑا کہ سب قبائل ایک دوسرے سے لڑائی لڑنے کیلئے قسمیں کھانے کو تیار ہو گئے، آخر چند سمجھدار معززین نے آپس میں فیصلہ کرنا چاہا، مغیرہ ایک صلح کل اور راست گفتار شخص تھے، اسکو

اِس فیصلہ کا منصف مقرر کیا، مغیرہ نے یہ تجویز پیش کی کہ علی الصبح جو شخص باب بنی شیبہ کی طرف سے سب سے پہلے کعبہ شریف میں داخل ہو، وہ جو کچھ فیصلہ کرے اسے تمام قبائل منظور کریں، چنانچہ مغیرہ کی یہ تجویز سب نے تسلیم کر لی +

صبح کو سب سے پہلے باب بنی شیبہ کیطرف سے جو شخص کعبہ میں داخل ہوا، وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تھے، چونکہ ویسے بھی سب لوگ حضور علیہ السلام کی شرافت دیانت اور سچائی کے معترف تھے، اِس لئے سب لوگوں نے نہایت خوشی سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اپنا منصف تسلیم کر لیا +

لہٰذا جب حضور علیہ السلام کے سامنے اس بات کا فیصلہ پیش کیا گیا، کہ حجر اسود کو کون سے قبائل اُٹھائیں، اور رکھیں اُمّی ابی حضور علیہ السلام نے اپنی خدا داد ذہانت سے جس طرح اس بات کا فیصلہ کیا، وہ ہر مخالفین اسلام کیلئے قابل عبرت اور اسلام کیلئے قابلِ ناز ہے +

چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حجر اسود کو خود اُٹھا کر ایک بڑی چادر میں رکھدیا اور تمام قبائل کے سر برآوردہ اصحاب کو بُلا کر کہا، کہ تم سب لوگ اس چادر کو پکڑ کر حجر اسود اُٹھا لو، جب اس کے نصب کرنے کا وقت آئے، تو اسی طرح پھر اُٹھا کر کعبہ شریف میں لے آؤ حضور صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اِس فیصلہ پر تمام لوگوں نے آمنّا صدّقنا کہا، اور سب معززین قبائل نے اسی طرح حجر اسود کو اٹھایا، اور پھر اسی طرح خانہ کعبہ میں لا رکھا اور جس جگہ حجر اسود نصب کیا جانا چاہیئے تھا، اس جگہ خود حضور نے اسے نصب کر دیا

علاوہ اس کے اور بھی بہت سے جھگڑے حضورؐ نے اپنی قوم کے طے کیے جس کی وجہ سے سب قبائل انکے زیر بار تھے، اور آپ کو بے ریا اور دیانتدار منصف سمجھ کر نہایت عزت کی نظر سے دیکھتے تھے +

زمانۂ رسالت اور اُس کے واقعات

یہ ۶۱۰ء کا زمانہ تھا، جبکہ فرمانروائے روم قسطنطنیہ کے تخت پر موریس کے قتل ہو جانے

کے بعد اس کا بیٹا نوقاس تخت نشین ہوا، مگر نوقاس جاہل اور ظالم بادشاہ تھا۔ اِس وجہ سے رعایا اپنے راعی سے ناراض تھی، اور اس فکر میں تھی، کہ کوئی زبردست اور قابل شخص ملے تو نوقاس کی جگہ اُسے اپنا بادشاہ بنا دیا جائے، اِن دنوں رومانی سلطنت کے گورنروں میں ملک افریقیہ کا ایک گورنر اکلیوس نامی تھا، قسطنطنیہ والوں نے اس سے اس امر میں امداد طلب کی تو اس نے اپنے بیٹے ہرقل کو ایک جہازی بیڑے کے ساتھ بھیجدیا، +

ہرقل نے ۶۱۰ء میں نوقاس شاہ قسطنطنیہ کو قتل کر کے تخت شاہی پر جلوس کیا +

اس وقت حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا سن مبارک چالیس سال کے قریب تھا جس قدر رسالت کا زمانہ قریب ہوتا گیا، اُسی قدر آپ خلوت پسندی کو اب سمجھنے لگے اس خلوت میں آپ اپنے خالق یکتا کی حمد و ثنا اور اپنی قوم کو بہتر و برتر بنانے کی فکر میں مصروف رہنے لگے، عالم تنہائی اسقدر پسند ہوا، کہ مکہ شریف سے باہر کچھ فاصلہ پر غار حرا میں دن بھر تنہا جا بیٹھتے تھے، بلکہ وہیں متعدد راتیں بسر کیا کرتے تھے +

نزول وحی سے چھ مہینے قبل اس حالت میں آپ کو نہایت واضح اور سچے خواب دکھائی دینے لگے، اور اس عالم رویاء کا سلسلہ برابر چھ ماہ تک جاری رہا، یعنی جو خواب آپ شب کو دیکھتے صبح کو اسکی تعبیر صاف ہو جاتی، اس میں خداوند کریم کی یہ مصلحت تھی، کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قوائے بشریہ کو نزول وحی کا عادی بنایا جائے، تاکہ جب خدا کا فرشتہ پیغام رسالت لیکر آئے، تو اس کے قبول کرنے کیلئے حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے قویٰ متحمل ہو جائیں +

چنانچہ ماہ رمضان المبارک میں رات کی سنسان گھڑیوں میں صبح کے سہانے وقت اور عالم خاموشی میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو بادِ صبا کی سرسراہٹ اور دریا کی موجوں کے ساتھ خداوند کریم کا یہ حکم سنائی دیتا تھا، تو بشر ہے اور خدا کا رسولؐ ہے، خدا کا نام بیشک سچّا ہے، وُہ خالق ہے اپنے بندوں میں سے پیغمبروں کو انتخاب کر لیتا ہے، اور ان کو ایسی

ہی آواز میں حکم دیتا ہے +

۶۱۱ء میں چالیس سال کی عمر سے کچھ دن اوپر، ماہ رمضان کی ستارہویں یا چوبیسویں یا ستائیسویں تاریخ لیلۃ القدر کی رات کو جب کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم غار حرا میں حسب عادت خلوت گزیں تھے، تو آپ کو ایک فرشتہ دکھائی دیا جس کو دیکھ کر آپ کے دل پر خوف طاری ہوا، اس فرشتہ نے آپ سے کہا، اقرا یعنے پڑھو آپ نے گھبرا کر کہا، مجھ کو پڑھنا نہیں آتا دوسری دفعہ فرشتے نے آپ کے جسم مبارک کو دبا کر پھر یہی کہا، کہ پڑھو حضور علیہ السلام نے ڈرتے ڈرتے پھر یہی فرمایا کہ مجھے پڑھنا نہیں آتا، حتیٰ کہ تیسری بار اس فرشتے نے حضور علیہ السلام کو اس قدر بھینچا کہ آپ کو سانس لینا دشوار ہو گیا، اور یہ کہہ کر کہ خدا کا نام پکارو (اقراء باسم ربک) غائب ہو گیا، +

حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم خوف وہراس میں سہمے ہوئے گھر پر آئے، اور حضرت خدیجہؓ سے کانپتے ہوئے فرمایا، مجھ کو کمبل اڑھا دو، تھوڑی دیر بعد جب کچھ خوف دور ہوا تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے غار حرا کا تمام واقعہ بیان کیا، جسے سنکر حضرت خدیجہؓ نے آپ کو تسلی دیکر کہا، خداوند عالم کے مقرب بندے کو کسی بات کا خوف نہیں کرنا چاہیئے +

اس کے بعد حضرت خدیجہؓ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں، کیونکہ وہ اس زمانہ کا بڑا عالم اور کتب سماویہ کا ماہر تھا، جس وقت حضرت خدیجہؓ نوفل کے سامنے پہنچیں، اس وقت وہ عبرانی زبان میں انجیل شریف کو نقل کر رہے تھے، آنے کا باعث دریافت کرنے پر حضرت خدیجہؓ نے کہا، اے میرے چچازاد بھائی، اس صاحب (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ ایک عجیب واقعہ پیش آیا ہے چنانچہ ورقہ بن نوفل نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مخاطب ہو کر پوچھا، فرمایئے وہ کیا واقعہ ہے، حضور علیہ السلام نے نہایت صفائی اور سہولت سے غار حرا کا تمام واقعہ بیان کر دیا +

ورقہ بن نوفل نے یہ واقعہ سنتے ہی کہا، یہ وہی ناموس (جبرائیل فرشتہ ہے)، جسکو خدا نے موسیٰ کے پاس بھیجا تھا۔ پھر حضور صلعم سے فرمایا، کاش میں آپ کے اس زمانہ نبوت میں جوان ہوتا، تو ضرور آپکی مدد کرتا، کیونکہ اظہار رسالت اور دعوت حق پر قوم کی طرف سے آپ کو اسقدر تکلیف پہنچے گی، کہ آپ کو اپنا وطن چھوڑنا پڑیگا، یہ اس لئے کہ قوم کے اخلاق نہایت مذموم ہیں، اگرچہ آپ کا دعویٰ بالکل سچّا ہوگا، لیکن قوم کے دلوں پر یک بیک اسکی صداقت کا اثر نہیں پڑیگا، خیر اگر میں اس وقت تک زندہ رہا تو آپکی مدد کرونگا +

حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اور خدیجۃ الکبریٰ ورقہ بن نوفل سے اس واقعہ کی صداقت کا یقین کر کے پلٹ آئے، اور اس کے بعد چند دنوں تک حضور علیہ السلام نے کسی فرشتہ کو نہیں دیکھا، اور نہ کسی قسم کی آواز ہی آپکو سنائی دی، لیکن تین ماہ کے بعد ایک روز آپ نے جبرائیل علیہ السلام کو پھر اسی صورت میں دیکھا تھا، آپ اس کی شکل دیکھتے ہی کمبل اوڑھکر لیٹ گئے +

اس وقت سورۂ یاایھا المدثر کی یہ آیات نازل ہوئیں۔ جن کا ترجمہ یہ ہے یعنی اے جو کہ کمبل میں لپٹے پڑے ہو، اٹھو اور لوگوں کو عذاب خدا سے ڈراؤ، اور اپنے پروردگار کی بزرگیاں بیان کرو، اپنے کپڑوں کو پاک کرو، اور نجاست سے الگ رکھو +

آغاز اسلام ۶۱۰ء

حضور صلی اللہ علیہ وسلم خدا کا یہ حکم سنتے ہی اُٹھ کھڑے ہوئے، آپکی طبیعت میں ایک ایسا انقلاب عظیم برپا ہوا، جس نے آپ کی پہلی طاقت کو بالکل بدل دیا، اس صدائے دلنواز نے ان کے دلی یقین کو اس راسخ الاعتقاد عقیدہ سے بدل دیا، کہ فی الواقعہ خداوند کریم یکتا ہے، اسکے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہ معبود حقیقی ہمیشہ زندہ رہنے والا ہے

لہ علامہ برزنجی کا قول ہے، کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر پہلے اقرا باسم ربک کی وحی نازل ہوئی، اور پھر یاایھا المدثر کی آیات نازل ہوئیں، اس سے صاف ظاہر ہے، کہ نبوت کے بعد آپ کو رسالت عطا ہوئی، یعنی اقراء باسم ربک کے حکم سے آپ نبی بنائے گئے، اور یاایھا المدثر سے رسولؐ، چنانچہ رسولؐ کا کام یہی ہے، کہ مومنوں کو نیک کاموں کی تلقین کر کے عاقبت کی خوشخبری، اور مشرکوں کو عذاب آلہی سے ڈرانا ؎

اور دُنیا کے کارخانہ کو سنبھالے ہوئے ہے، اور سب سے پہلے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغ اسلام کے جو الفاظ اپنی زبان مبارک سے ادا کئے وُہ یہ ہیں ÷

کہ معبودِ حقیقی وحدہٗ لاشریک ہے، اکیلا ہے، یکتا ہے، بے نیاز ہے، اسکا کوئی شریک نہیں، وُہ تمام مخلوق کو پالتا اور ہر جانور کو رزق پہنچاتا ہے، ہر ایک چیز اُسی نے پیدا کی، اور وہی خالق اکبر کائنات کی تمام نعمتوں کا مصدر اور سرچشمہ ہے، دُنیا کے عظیم الشان کارخانہ کا ہر ایک ذرّہ، دریاؤں کا ہر ایک قطرہ، درختوں کا ہر پتّا اسی معبود حقیقی کی تحمید و تقدیس میں مصروف ہے، اس صدائے توحید پر عورتوں میں سب سے پہلے ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا ایمان لائیں، اور لڑکوں میں آپؐ کے چچازاد بھائی حضرت علی کرم اللہ تعالٰے وجہہ جنکی عمر اسوقت آٹھ سال کے قریب تھی، اور مردوں میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ،

لیکن جب دوسرے شخصوں نے اس صدائے توحید کو سنا، تو بعض یہ کہنے لگے، کہ پہاڑوں میں اکیلے بیٹھے بیٹھے اور ریاضت سے نعوذ باللہ منہا محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے قلب و دماغ ماؤف ہو گئے ہیں، اور جنون میں نئی نئی باتیں سناتا ہے، جو نہ آج تک دیکھی گئی تھیں، اور نہ سنی گئی تھیں، یہ عجیب بات ہے، پہلے تو ایسا نہ تھا، شریف ترین گھرانے میں پیدا ہوا، ابھی تھوڑے ہی دنوں پہلے مہذب شائستہ نیک نفس اور ستودہ خیال شخص تھا، تمام لوگوں میں اپنے اخلاق حسنہ اور عام انسانی ہمدردی کے باعث مقبول اور مشہور تھا، جانے اب اُسے کیا ہو گیا ہے، جو یہ کہتا ہے، کہ میں پیغمبر ہوں، اور خدا نے مجھے سارے عالم کی رہنمائی کیلئے بھیجا ہے، خدا کا فرشتہ جبرائیلؑ جو آسمان سے اُتر کر ابراہیمؑ موسیٰؑ عیسےٰ علیہ السلام کے پاس آیا کرتا تھا، وُہی اب میرے پاس خدا کے احکام لاتا ہے، اور بعض یہ کہتے، کہ

مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِیْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِیْنَ	ترجمہ:۔ ہم نے تو ایسی بات اپنے اگلے باپ دادوں سے سُنی نہیں ÷
بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَیْنَا عَلَیْهِ اٰبَآءَنَا	ترجمہ:۔ نہیں جی ہم تو اسی طریقے پر چلیں گے جس پر

ہم نے اپنے بڑوں کو دیکھتے ہوئے پایا ہو

مثل مشہور ہے، جتنے منہ اتنی باتیں، جو جس کے جی میں آتا تھا، سناتا، لیکن آپ ہر ایک شخص کے سوال کا معقول جواب خُدا کی مرضی کے مطابق دیتے تھے، اسی روز سے ہر ضرورت کے مطابق حضور پر وحی نازل ہونے لگی ✤

ہم پہلے یہ بھی عرض کر چکے ہیں، کہ شہر مکہ میں کعبہ شریف حضرت اسمٰعیل علیہ السّلام نے خُدا کی عبادت کا پہلا گھر دُنیا میں تعمیر کیا تھا، اس وقت کعبہ میں کسی دیوتا کی مورت نہ تھی، مگر جوں جوں زمانہ گذرتا گیا، اس بات کی لوگوں کو ضرورت محسوس ہوتی گئی، کہ وہ اپنے بزرگوں کی مورتیں کعبے میں رکھیں، وہ اسلئے کہ بُت خُدا کے نیک بندے ہیں، اور خُدا انکی زیادہ سنتا ہے، اسی خیال سے بتوں کی پرستش ہونے لگی، ان لوگوں کا یہ عقیدہ تھا، کہ ہمارے بُت خُدا کی درگاہ میں ہماری شفاعت اور سفارش کرینگے، اور انکے ذریعے سے ہماری دعائیں جلد قبول ہو جاتی ہیں ✤

مدت دراز سے قبائل عرب میں ان بتوں کے پوجنے کا رواج تھا، عبادت کرتے وقت انکے سامنے ادب سے کھڑے ہوتے، اور تالیاں اور سیٹیاں بجا بجا کر انہیں جگایا جاتا تھا، اور انہیں کے نام پر اونٹوں کو سانڈ بنا کر چھوڑتے، اور اچھی اچھی ونٹنیوں کو ان کا چڑھاوا دیکر آزاد کر دیتے تھے، کہیں کا سفر کرتے تو عبادت کیلئے دو چار خوبصورت اور گول پتھر اُٹھا کے ہمراہ رکھ لیتے، جن کو روزانہ صبح و شام پوجتے تھے، ✤

سب لوگ اپنے افعال میں بالکل آزاد اور جاہل مطلق تھے، جو مل جائے کھالیتے حرام و حلال کی ان میں کوئی تمیز نہ تھی، شراب پیتے جوا کھیلتے، اگر کوئی کسی امر میں خلل انداز ہوتا، تو فوراً لڑائی پر آمادہ ہو جاتے تھے، لوٹنا اور بہادرانہ انداز سے رہزنی کرنا، یہ شریفانہ پیشہ سمجھا جاتا تھا، ✤

ان لٹیروں کے باعث عرب میں مسافروں کیلئے سفر کرنا بہت مشکل تھا، البتہ

سال بھر میں اِن لوگوں نے یہ عام قاعدہ مقرر کرلیا تھا، کہ چار مہینے جنگ پیکار اور قتل و خونریزی حرام سمجھی جاتی تھی، اِس وجہ سے زمانہ جاہلیّت میں چار مہینے شہر الحرام کے نام سے مشہور رہتے تھے، انہی مہینوں میں لوگ حج کعبہ کیلئے سفر بھی کرتے تھے، ذالحج کے مہینے میں حج کعبہ کی رسم ادا تو کی جاتی تھی، لیکن اس میں نہایت مخرب الاخلاق من گھڑت رسمیں ایجاد ہوگئی تھیں، کعبے کے گرد بیٹھ کر سر منڈاتے تھے، کوہ صفا اور مروہ دونوں پہاڑیوں کے درمیان اُچکتے ہوئے دوڑتے تھے، اور مروہ وصفا میں کچھ بُت نصب تھے، اِن کو پوجتے تھے، قریش کے سوا باہر کے دیگر قبائل کے حاجیوں کے لئے عام اس سے کہ مرد ہوں یا عورتیں ان کے لئے یہ شرط تھی، کہ وہ لوگ بھی وہی کپڑے پہن کر طواف کعبہ اور حج کریں، جو قریش والوں سے ملے ہوں، ان لوگوں سے اہل قریش معاوضہ لے کر اپنے پاس سے کپڑے دیتے تھے، جن لوگوں کے پاس کپڑوں کا معاوضہ نہ ہوتا تھا، وہ بالکل برہنہ ہو کر طواف کعبہ میں شامل ہوتے تھے، چنانچہ اس بیہودہ رسم کے باعث حج میں آدھے سے زیادہ زن و مرد ننگے طواف کرتے تھے جو آگے پیچھے ستر پر صرف اپنے ہاتھ رکھ لیتے تھے، اور یہ خیال کرلیتے تھے، کہ آج کے دن برہنگی میں کوئی نقصان نہیں، لیکن یہ کسے معلوم تھا، کہ بگڑی ہوئی دنیا پھر سنورنے والی ہے، انسانیت مر کر پھر زندہ ہونے والی ہے، اور ایک ایسا انقلاب عظیم برپا ہونے والا ہے، جس سے عرب کا وحشی تمدّن تہذیب و ادب سے یکسر بدل جائیگا، حجاز کے ریگستانوں اور کعبہ کے مرغزاروں سے ایک ایسی مقدس ہستی مبعوث ہو کر صدائے توحید بلند کریگی، جو تمام تاریکی اور گمراہی کو فنا اور معدوم کردیگی، وہ مقدس ہستی اور اس کی صدائے دلنواز یہی تھی، جس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح فرمایا ٭

اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ

ترجمہ:۔ خدائے واحد القہار کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں، وہ معبود حقیقی ہمیشہ زندہ رہنے والا اور دنیا کے کارخانوں کو سنبھالے ہوئے ہے ٭

لیکن اس آواز کو یک بیک کون سنتا، کیونکہ اس صدائے اسلام سے پہلے بہت سے مذاہب عرب میں رائج تھے، جن میں دہریت پرست، یہودی، عیسائی، مجوسی، خاص طور پر مشہور تھے، دہرئے کسی کتاب آسمانی اور کسی پیغمبر کے قائل ہی نہ تھے، خداوند کریم اور قیامت کا انکار کرتے تھے، جزا و سزا سے بھی منکر تھے، ان کا خیال تھا کہ دُنیا ہمیشہ سے ایسی ہے، اور ایسے ہی رہے گی، چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس صدائے توحید پر دہریوں نے کہا ÷

اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَا اِلَّا الدَّهْرُ ۔

ترجمہ:۔ ہماری دُنیا کی زندگی ہے، اور بس یہیں مرتے ہیں، اور یہیں جیتے ہیں، اور زمانہ ہی ہم کو ایک وقت خاص تک زندہ رکھ کر مار دیتا ہے ÷

حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم جب ان کو قیامت کا خوف دلاتے تو یہ جواب دیتے ÷

وَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ۝

ترجمہ:۔ کیا جب ہماری مرے پیچھے گل سڑ کر ہڈیاں ریزہ ریزہ ہو جائینگی، تو کیا (ایسی حالت میں) ہمکو قیامت کے دن اُٹھا کر کھڑا کیا جائے گا ÷

بعض ایسے لوگ تھے، جو وحدانیت کے تو قائل تھے، لیکن ان کے اعتقاد میں خدا کے علاوہ کچھ چھوٹے درجہ کے بھی خدا تھے، جو روحوں اور فرشتوں کے ذریعے سے دُنیا کے کارخانے اور انتظام میں دخل رکھتے تھے، اس لئے وہ لوگ ان خداوں کے نام کے بت بنا کر پوجا کرتے اور کہتے تھے ÷

مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَا اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى

ترجمہ:۔ ہم تو ان کی پرستش صرف اس لئے کرتے ہیں، کہ وہ خدا سے ہم کو نزدیک کر دیں ÷

ایک اور گروہ تھا، ان کے اعتقاد میں تمام فرشتے اللہ کی لڑکیاں تھیں، ان اختلاف عقائد میں وہ اور لوگوں سے دشمنی کرتے، شراب پیتے، جوا کھیلتے حرام کاری کرتے اپنی اولاد کو مار ڈالتے سود لیتے کثرت سے نکاح کرتے، زندہ لڑکیوں کو قبر میں دفن کر دیتے تھے ÷

جب حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم ایسے لوگوں کو سیدھی راہ دکھلا کر کہتے کہ بتوں کو چھوڑو

اور خدائے واحد کی پرستش کرو، تو وہ غصہ میں آکر بے معنی اعتراض کرتے، اور اُن میں سے ہی کسی نے غیض و غضب کی حالت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت یہ کہا ہے ÷

اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا

ترجمہ:- اس نے (تو سب) معبودوں کا کھوج کھوکر) ایک ہی معبود رکھا ÷

اسی قسم کے بیسیوں اعتراض اور سوال حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ہر خیال کے لوگ کرتے تھے، آپ نہایت صاف اور روشن دلیلوں سے اللہ تعالٰے کے احکام اس طرح بیان فرماتے

اَفِی اللّٰهِ شَكٌّ فَاطِرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

ترجمہ:- کیا تم کو خدا کے ہونے میں شک ہے، جو آسمان اور زمین کا بنانے والا ہے ÷

اَلَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا

ترجمہ:- جس نے تمہارے لئے زمین کو فرش بنایا اور آسمانکو چھت

اَللّٰهُ الَّذِیْ یُرْسِلُ الرِّیٰحَ فَتُثِیْرُ سَحَابًا فَیَبْسُطُهٗ فِی السَّمَآءِ كَیْفَ یَشَآءُ وَیَجْعَلُهٗ كِسَفًا فَتَرَى الْوَدْقَ یَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ -

ترجمہ:- پھر خدا جس طرح چاہتا ہے، کبھی بادل کو (سایہ) آسمان میں پھیلاتا، اور کبھی اسکو ٹکڑے (ٹکڑے) کر دیتا ہے (اے مخاطب) تو دیکھتا ہے، کہ بادل کے بیچ میں سے مینہ نکلا چلا آتا ہے ÷

وَهُوَ الَّذِیْ سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَاْكُلُوْا مِنْهُ لَحْمًا طَرِیًّا وَّتَسْتَخْرِجُوْا مِنْهُ حِلْیَةً تَلْبَسُوْنَهَا وَتَرَى الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِیْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝

ترجمہ:- اور وہی قادر مطلق ہے جس نے (ایک اعتبار سے) دریا کو (تمہارا) مطیع کر دیا، تاکہ اس میں سے تم (مچھلیاں نکالکر ان کا تازہ) تازہ گوشت کھاؤ، اور نیز اس میں سے زیور (کی چیزیں یعنی جواہرات) نکالو جن کو تم لوگ پہنتے ہو، اور (اے مخاطب) تو کشتیوں کو دیکھتا ہے، کہ (پانی کو پھاڑتی ہوئی دریا میں چلی جا رہی ہیں) اور دریا کو اس لئے بھی تمہارا مطیع کیا ہے تاکہ تم لوگ خدا کا فضل (یعنے تجارت کے فائدے) تلاش کرو اور تاکہ (آخر کے دن سب منفعتوں پر نظر کر کے خدا کا) شکر ادا کرو ÷

اسی طرح اللہ تعالٰے کی پاک صفات کو جو اس کی ذات اور شان کے لایق تھیں تعریف کر کے اور جو اس کی کبریائی کے شایان نہ تھیں، ان سے اس کو پاک ثابت کر کے خدا کی

وحدانیت کو اس طرح ثابت فرماتے تھے :

لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا

ترجمہ :- اگر زمین و آسمان میں خُدا کے سوا اور معبود ہوتے تو (زمین و آسمان دونوں کبھی کے) برباد ہو گئے ہوتے ÷

وَمَا كَانَ مَعَهُ مِنْ إِلٰهٍ إِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ إِلٰهٍ بِمَا خَلَقَ

ترجمہ :- اور نہ اس کے ساتھ کوئی اور خدا ہے ورنہ ہر ایک خدا اپنی مخلوقات کو الگ لئے پھرتا +

بُت پرستی کی بُرائی میں یہ آیت پیش کرتے تھے :-

وَاتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ آلِهَةً لَّا يَخْلُقُونَ شَيْئًا وَّهُمْ يُخْلَقُونَ وَلَا يَمْلِكُونَ لِأَنْفُسِهِمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا وَّلَا يَمْلِكُونَ مَوْتًا وَّلَا حَيَاتًا وَّلَا نُشُورًا ۝

ترجمہ :- اور کافروں نے خُدا کے سوا دوسرے اور تیسرے) معبود اختیار کر رکھے ہیں جو کسی چیز کو پیدا نہیں کرتے بلکہ وہ (خود دوسرے کے) بنائے (اور پیدا کئے ہوئے ہیں اور خود اُنکا اپنا برا بھلا بھی) ان کے اختیار میں نہیں اور نہ مرنا اور جینا اور نہ (مرے پیچھے جی) اُٹھنا ان کے اختیار میں ہے ÷

قیامت کے منکروں کو مطابق وحی یہ فرماتے :-

قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِي أَنْشَأَهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ -

ترجمہ :- (اے پیغمبر تم اس گستاخ سے) کہو کہ جس نے ہڈیوں کو اوّل بار پیدا کیا، وہی ان کو دوبارہ بھی (جلا) اُٹھائیگا +

چونکہ عرصہ دراز سے کوئی پیغمبر نہیں آیا تھا اس لئے نبوت کے سمجھنے اور اس کے مسائل کے متعلق لوگوں میں طرح طرح کی غلطیاں پیدا ہو گئی تھیں، اور بہت سی باتیں لوگوں نے اپنی طرف سے گھڑ لی تھیں، جو محض اوہام پر مبنی تھیں، وہ نبوت کو بشریت سے بالاتر اور خدائی کا ایک جزو سمجھنے لگے تھے، اس لئے اُنہوں نے حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے انکار کیا، اور اُنکی پیغمبری کے دعوےٰ کو حیرت کے ساتھ سنا، اور تعجب سے کہنے لگے، بَشَرًا رَّسُولًا ۝ کیا آدمی کو اللہ نے رسول بنا کر بھیجا +

مَالِ هٰذَا الرَّسُولِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِي فِي الْأَسْوَاقِ ۝

ترجمہ :- یہ کیا رسول ہے، جو کھانا کھاتا اور بازاروں میں پھرتا ہے +

انہیں خیالات کے متعلق وہ لوگ حضور علیہ السّلام سے بطور طعنہ کے یہ کہتے :-

لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْبُوْعًا اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِيْرًا ہ اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا اَوْ يَكُوْنَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰى فِي السَّمَآءِ -

ترجمہ :- ہم تو اس وقت تک تم پر ایمان لانے والے ہیں نہیں کہ دیا تو ہمارے لئے کوئی چشمہ زمین سے نکالو یا کھجوروں اور انگوروں کا تمہارا کوئی باغ ہو اور اس کے بیچ بیچ میں تم بہت سی نہریں جاری کر دکھاؤ یا جیسا تم کہا کرتے تھے آسمان کے ٹکڑے ہم پر لا گراؤ یا خدا اور فرشتوں کو ہمارے سامنے لاکر کھڑا کردو یا رہنے کے لئے کوئی تمہارا طلائی گھر ہو یا آسمان پر چڑھ جاؤ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان سوالوں کا جواب خدا کے حکم سے یہ دیتے :-

قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّيْ مَلَكٌ

ترجمہ :- (اے پیغمبر ان لوگوں سے) کہو کہ میں تم سے نہیں کہتا ہوں، کہ میرے پاس خدا (کی سرکار) کے خزانے ہیں اور نہ میں غیب جانتا ہوں، اور نہ میں تم سے کہتا ہوں کہ میں فرشتہ[لہ] ہوں ہ

قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْٓءُ -

ترجمہ :- (اے پیغمبر لوگوں سے) کہو کہ میرا اپنا ذاتی نفع نقصان بھی میرے اختیار میں نہیں (میں بہتیرا چاہتا ہوں مگر وہی ہو کر رہتا ہے جو خدا چاہے، اور اگر میں غیب جانتا ہوتا تو اپنا بہت سا فائدہ کر لیتا (اور مجھ کو کسی طرح کا گزند بھی) نہ پہنچتا ؛

لہ اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے، کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کوئی معجزہ صادر نہیں ہوا ایسا معجزہ حضور پر نور سے ہونا ناممکن تھا کیونکہ قرآن مجید میں پہلے پیغمبروں کے معجزات کا تذکرہ ہے، اور ظاہر ہے، کہ ان معجزات سے مذہب پھیلانے میں بڑی مدد ملی، اور اکثر لوگ محض معجزات دیکھ کر ایمان لائے، لیکن پھر بھی بہت سے ایسے شقی القلب لوگ تھے، جو معجزے دیکھ کر بھی منکر ہی رہے معجزے کے متعلق اسقدر لوگوں کو خیال ہو گیا تھا، کہ نبوت کو بغیر معجزے کے کوئی چیز ہی نہ سمجھتے تھے، بات بات پر معجزہ طلب کرتے لیکن دیا کرنا گویا عجائب پرستی میں مدد دینا تھا، اور چونکہ آنحضرت خاتم النبیین تھے اور قرآن کریم تمام مخلوق کی ہدایت کیلئے، نازل کیا گیا تھا اور قیامت تک کیلئے اس کے احکام قابل عمل قرار دیے گئے لہٰذا اشاعت کا طریقہ بھی نہایت روشن صاف اور معتدل اختیار کیا، توحید رسالت حشر و نشر عذاب و ثواب اور تمام عقائد و احکام مذہب کو ایسی عمدہ اور دلنشین دلیلوں سے ثابت کیا، کہ جس کے بعد کسی معجزے کی ضرورت ہی نہ تھی، غرض خداوند کریم نے تمدن و تہذیب اخلاق، معاشرت اور عقائد و احکام اور اپنی یکتائی کو مخلوق کے سامنے ایسے عمدہ دلائل سے پیش کیا ہے کہ پھر دوسری چیز کی تو دوسری چیز، لیکن چون و چرا کی گنجائش ہی نہیں رہتی، واقعی ایسے شہنشاہ بے مثل کی طرف سے انسان اشرف المخلوقات کی نجات اور تکمیل تہذیب و اخلاق کیلئے ایسی ہی چیز کی ضرورت تھی جیسے کہ کلام مجید ہے، جو الفاظ و معنی کے لحاظ سے خود ایک معجزہ ہے، مولانا شبلی علیہ الرحمتہ ۱۲

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ -	ترجمہ:- (اے پیغمبر تم لوگوں سے) کہو کہ میں (بھی) تم ہی جیسا بشر ہوں، (مگر) مجھ پر وحی آتی ہے، کہ تمہارا معبود بس (وہی) ایک معبود ہے
اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ -	ترجمہ:- میں تو بس اسی حکم پر چلتا ہوں (جو میری طرف وحی کیا جاتا ہے
اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ -	ترجمہ:- میں تو اُن لوگوں پر جو ایمان لانا چاہتے ہیں (دوزخ کا) ڈر اور بہشت کی خوشخبری سنانیوالا ہوں +
اِنِّىْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ وَاُمِرْتُ لِاَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ الْمُسْلِمِيْنَ -	ترجمہ:- (اے پیغمبر ان لوگوں سے) کہو کہ مجھ کو (تو خدا کے یہاں سے یہی) حکم ملا ہے کہ میں خالص خدا ہی کے فرمانبرداری مدنظر رکھ کر اُسی کی عبادت کیا کروں (اور نیز) مجھ کو یہ حکم ملا ہے کہ میں سب سے پہلا مسلمان ہوں +
قُلْ اِنِّىْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّىْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ - انعام رکوع ۲ -	ترجمہ:- (اے پیغمبر ان لوگوں سے کہو) کہ اگر میں اپنے پروردگار کی نافرمانی کروں تو (اس صورت میں) مجھے بڑے (سخت) دن (یعنی روز قیامت) کے عذاب سے بہت ہی ڈر لگتا ہے +
وَلَا يَاْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ اَرْبَابًا -	ترجمہ:- اور وہ تم سے کبھی بھی نہیں کہے گا، کہ فرشتوں اور پیغمبروں کو خدا مانو)
قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ -	ترجمہ:- (اے پیغمبر ان لوگوں سے) کہدو کہ اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو، تو میری پیروی کرو، کہ اللہ تم کو دوست رکھے گا

علیٰ ہذا ایسے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو تبلیغ اسلام کرتے رہے، لیکن وہ لوگ ایسے سرکش اور جاہل مطلق تھے، کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم (پر بہتان کستے اور اُن کی عقل کا فتور سمجھ کر کوئی بات سنتے ہی نہ تھے، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم چپکے چپکے تبلیغ اسلام کے کام میں برابر مصروف تھے +

حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کی عمر اس وقت اگرچہ آٹھ برس کی تھی، اور حضور پُرنور صلی اللہ

علیہ وسلم کے گھر میں ہی پرورش پاتے تھے، اسلئے اس عمر میں ہی اُن کی معلومات نہایت وسیع تھیں نیک و بد کو اچھی طرح جانتے تھے، سچ اور جھوٹ کا امتیاز اپنی خُداداد عقل کے ذریعے بہت آسانی سے کر لیتے تھے، چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دعویٰ نبوت سنتے ہی وُہ آپ پر ایمان لے آئے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ایمان لانے سے کیسی قدر تسلی ہوئی، اور آپ اشاعت اسلام کا طریقہ سوچنے اور خُدا کی امداد حاصل کرنیکے لئے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو ساتھ لیکر شہر سے باہر چلے جایا کرتے تھے ✤

حضرت علیؓ کے ایمان لانے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا آزاد کردہ غلام زیدؓ بن حارث اسلام میں داخل ہوا اس کے بعد اہل قریش کے نہایت ذی عزت اور متمول تاجر ابوبکر عبداللہ بن قحافہ ایمان لائے ✤

ابوبکر عبداللہ بن قحافہ بچپن میں ہی نیک چلن تھے، اور بچپن میں ہی حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی رفاقت کا فخر آپ کو حاصل تھا، جن دنوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خُدا نے رسالت عطا فرمائی اور آپ نے دعویٰ رسالت کیا، ان دنوں ابوبکر صدیقؓ ملک شام میں بغرض تجارت گئے ہوئے تھے، ✤

اکثر روایات اسلامی سے معلوم ہوتا ہے، کہ شام میں ایک رات ابوبکر صدیقؓ نے خواب میں دیکھا، کہ آسمان سے ایک نور کی روشنی نمودار ہوئی، جو تمام اطراف عالم پر پھیل گئی، اس کے بعد وُہ سب نورانی روشنی جمع ہو کر آپ کے مکان میں پہنچی، اور آپ نے مکان کا دروازہ بند کر کے اس کو محفوظ کر لیا ✤

ابوبکر صدیقؓ نے صبح اُٹھ کر بحیرہ راہب کو یہ خواب سنایا، اس نے اس خواب کی تعبیر یہ بتائی، خداوند تعالیٰ آپکی قوم میں ایک نبی پیدا کریگا، جو دُنیا میں آخری نبی ہوگا، اور اس نبی

ك حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے بھائی کے لڑکے کا نام حکیم بن خرام تھا، وہ ملک شام سے چند غلام اپنے ہمراہ لائے تھے، جن میں زید بن حارث بھی تھے، حکیم بن خرام نے خدیجۃ الکبریٰؓ کی خدمت میں زید بن حارث پیش کیا، اور حضرت خدیجہؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نذر کر دیا، حضور علیہ السلام نے زید بن حارث کو آزاد کر کے اپنا متبنیٰ بنا لیا تھا ✤

(صلی اللہ علیہ وسلم) کے آپ وزیر مقرر ہونگے ٭

چنانچہ ابوبکر صدیقؓ جب شام سے مکہ میں آئے، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دعویٰ نبوت سنتے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے، اور دریافت حال پر آپ نے ابوبکر صدیقؓ سے فرمایا، ہماری قوم میں سینکڑوں خرابیاں پیدا ہو گئی ہیں، اور خدا نے مجھے حکم دیا ہے، کہ اِن سب خرابیوں کو بہتری سے بدلنے کیلئے کمر ہمت باندھوں خدا کے بندے جو اپنے خدا کو بھولے ہوئے ہیں، اِن کو اس احد بے ہمتا کے آگے لا کر کھڑا کر دوں ٭

چنانچہ اس صداقت آمیز تقریر کو سنتے ہی حضرت ابوبکرؓ نے اسلام قبول کر لیا، اور اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چپکے چپکے اپنے سمجھدار دوستوں کو اسلام کی خوبیاں سمجھانی شروع کر دیں، جس کا نتیجہ یہ ہوا، کہ چند معزز اور عقلمند لوگوں نے اسلام قبول کر لیا، اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان چند مسلمانوں کو اسلام پر قائم رہنے اور تبلیغ اسلام میں حصہ لینے کی تاکید فرماتے ہوئے وحی کے مطابق ارشاد فرمایا ٭

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ ۔ سورہ آل عمران

ترجمہ:- لوگوں کی رہنمائی کیلئے جسقدر امتیں پیدا ہوئیں ان میں تم (مسلمان) سب سے بہتر ہو کہ اچھے کام کرنے کو کہتے ہو، اور بُرے کاموں سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو

تَخَلَّقُوا بِالْأَخْلَاقِ ۔

ترجمہ:- اخلاق الٰہی اپنے اندر پیدا کرو، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۔

ترجمہ:- اور مددگاری کرو آپس میں، بھلائی اور پرہیزگاری پر اور نہ مدد کرو، ایک دوسرے کی گناہوں پر ٭

لَيْسَ الْبِرَّ أَنْ تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلَٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ ۔۔۔ وَآتَى الْمَالَ عَلَىٰ حُبِّهِ ذَوِي الْقُرْبَىٰ

ترجمہ:- مسلمانو! نیکی یہی نہیں ہے کہ نماز میں اپنا منہ مشرق کیطرف کر لو، بلکہ اصل نیکی تو اُنکی ہے جو اللہ پر ایمان لائے،

ترجمہ:- اور مال عزیز، اللہ کی حب پر رشتہ داروں یتیموں اور

وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ - بقرۃ ع ۲۲-	محتاجوں اور مسافروں اور مانگنے والوں کو دیا اور غلامی وغیرہ کی قید سے لوگوں کی گردنوں کو چھڑایا ۰

اب غور کرنا چاہیئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ تبلیغ تعلیم خدا وحی نہیں تو اور کیا ہے لیکن اس فصیح و بلیغ مؤثر اور سچی تعلیم کو سوائے چند شخصوں کے جن کا ذکر پچھلے صفحات میں ہو چکا ہے کسی نے کان دھر کر نہیں سنا ۰

کچھ عرصہ تک تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ ایک سربستہ راز رہی جس سے خاص خاص لوگ ہی آگاہ تھے، اگرچہ بہت سے لوگوں میں سرگوشیاں ہونے لگیں تھیں لیکن یہ دعوتِ حق راز میں تھی اس لئے ان کی مخالفت بھی دشمنوں کے سینوں کے اندر ہی رہی ۰

مگر کچھ دنوں بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دِل میں حق پرستی اور حق شناسی کا کچھ ایسا احساس ہوا کہ خدا کے بھروسہ پر گھر سے نکلے، نہ اپنی بے کسی و تنہائی کا خیال کیا، نہ اپنے طرفداروں اور دوستوں کی کمزوری کا لحاظ کیا، بے اختیار ہو کر اپنی قوم کے سامنے کھڑے ہو کر علی الاعلان فرمایا لوگو! بُرے کاموں کو چھوڑ دو، بدکاری سے باز آؤ، تمہارے معبود جھوٹے ہیں جن کو تم پوجتے ہو، وہ پتھر کے بیجان پتلے ہیں، وہ جب اپنے پنڈے پر سے مکھی تک نہیں اُڑا سکتے، تو تمہاری کیا مدد کرینگے، انہیں توڑ تاڑ کے پھینکو اور اس کعبے کو جو حضرت ابراہیم و اسمٰعیل کا بنایا ہوا عبادت خانہ توحید ہے، بتوں کی نجاست سے پاک کرو، دراصل یہ بت ہیں نہ کہ حاکم، نہ یہ تمہیں نقصان پہنچا سکتے ہیں، نہ ضرر، یقین کے ساتھ ایمان لاؤ کہ تمہارا خالق اور معبود وہی خدائے واحد لم یزل ہے، جو تمہیں پیدا کرتا، پالتا، اور جب چاہتا ہے اپنے پاس بلا لیتا ہے، اس لئے اس کی طرف توجہ کرو، کفر و شرک سے باز آؤ، اور ایسا نہ کرو کہ تمہارا بھی وہی حشر ہو، جو تم سے پہلے سرکش کافروں اور مشرکوں کا ہو چکا ہے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے یہ الفاظ سنتے ہی مکّے کے لوگ اور دیگر عزیز و اقارب بگڑ گئے، وہی شخص جو سارے عرب میں امین، دیانتدار، خوش خلق، نیک کردار، اور راست

گفتار تھا، چشم زدن میں سب کی نظر میں بُرا ہوگیا بجائے اسکے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فصیح و بلیغ و ناصحانہ کلام کا لوگوں پر اثر پڑتا، باوجود اس کے کہ آپ اَن پڑھ تھے، آپ کو سب لوگ شاعر اور مجنوں کہنے لگے، اور یہ خیال اِن وحشیوں کے دلوں میں اسقدر جاگزین ہوگیا، کہ حضور پرنور جسطرف جدھر جاتے بوڑھے جوان سب کے سب آپ کی تحقیر و تذلیل کرتے لڑکے پیچھے پیچھے تالیاں بجاتے، اور آپ کے الہامی کلام کو بگاڑ بگاڑ کر ایک دوسرے کو سناتے اور اس پر تمسخر کرتے، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نہایت مستقل مزاجی سے اپنا کام کیۓ جاتے تھے، بالخصوص حج کے دنوں میں جب کہ دُور دُور سے قبائل عرب آکے مکے کے اردگرد اپنے پڑاؤ ڈالتے، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پیغامِ حق دینے کیلئے اِن میں جاتے، ان باہر کے لوگوں کو اسلام کی تعلیم سے بہرہ اندوز فرماتے، لیکن اہل قریش کے بعض آوارہ شخص بھی وہاں پہنچ جاتے اور وہ پکار پکار کر لوگوں سے کہتے، اس کی (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کی باتوں میں نہ آنا، نہ اسکے دین کا ٹھکانا ہے، نہ اس کے عقیدے کا، یہ چکنی چپڑی باتیں بنا بنا کے لوگوں کو اسی طرح بہکاتا، اور گمراہ کرتا رہتا ہے، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس شرارت کی بھی پرواہ نہ کرتے، کلام الٰہی سنائے ہی جاتے تھے، بعض شخص کان دھر کر جب اس الہامی کلام کو سننے کی کوشش کرتے تو قریش کے شرارتی لوگ خواہ مخواہ اسقدر چلاّنا اور شور و غل مچانا شروع کر دیتے کہ کان پڑی آواز نہ سنائی دیتی، وہ اسلئے کہ کسی کے کان میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ نہ پڑ جائیں ✣

باوجود ان یورشوں اس طوفان بدتمیزی اور عداوت کے حضور علیہ السّلام کا روزانہ یہ معمول تھا، کہ جہاں لوگوں کا مجمع دیکھتے، وہیں جاکر توحید کا وعظ کر دیتے، کسی کے ہاں شادی ہو یا غمی، کوئی جلسہ ہو یا مجلس وہاں بے خوف جا پہنچتے، اور سب کو مخاطب کر کے فرماتے، دُنیا کے کام تو ہوتے ہی رہینگے، تم مجھ سے دین کی نسبت بھی دو باتیں سُن لو، جن پر تمہاری اخروی نجات ہی نہیں، بلکہ دنیوی فلاح و بہبود کا بھی دار و مدار ہے،

سب سے زیادہ لوگوں کو اس بات پر تعجب تھا، اور اس بات نے عرب کے بڑے بڑے شاعروں

خطیبوں کو چکر میں ڈالدیا تھا، کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اتنے بڑے فصیح و بلیغ شاعر کیسے ہو گئے، کیونکہ سب جانتے تھے، کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اَن پڑھ تھے، جن لوگوں کو اپنی شاعری اور سحر بیانی پر ناز تھا، جلسہ یا میلے میں جہاں کہیں وہ فصیح و بلیغ شاعر سب لوگوں کو اپنا کلام سناتے یا کسی جگہ تقریر کرتے حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی وہیں پہنچ کر الہامی کلام سنانا شروع کر دیتے تھے، جس کو سن کر بڑے بڑے فصحا اور قادر الکلام شاعر تک دنگ رہ جاتے تھے +

تقریباً تین سال یہی حالت رہی حضور علیہ السلام جس طرف سے گذرتے، بدمعاش لوگ لڑکوں کو آپ کے پیچھے لگا دیتے، تالیاں بجاتے، گالیاں سناتے، ڈھیلے مارتے، لیکن آپ اس طوفانِ بے تمیزی سے مطلق تعرض نہ کرتے، خاموشی سے چلے جاتے تھے، اگر کہیں کوئی اجنبی شخص مِل جاتا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسے ہدایت کرنے کیلئے کھڑے ہو جاتے، مگر شورہ پشت بدمعاش وہیں پہنچ کر طعن و تشنیع کر کے گالیاں دیتے منہ چڑاتے، اور ہنگامہ برپا کر دیتے، مجبوراً حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو وہاں سے آگے چلنا پڑتا، لیکن لوگ پیچھے پیچھے پتھر کھینچ کھینچ کے مارتے، اور پتھروں کی چوٹ سے حضور علیہ السلام کا بدن مبارک چکنا چور ہو جاتا، مگر اُف تک نہ کرتے تھے +

ایسی حالت میں رسالت کے تیسرے سال یعنی ۶۱۳ء کے آغاز میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کی طرف سے یہ الہامی حکم ہوا +

وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ	ترجمہ: اور خاص کر اپنے قریب کے رشتہ داروں کو عذاب خدا سے ڈراؤ

اس حکم خدا کی تعمیل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے قریبی رشتہ داروں کو کوہ صفا پر جمع کیا، اور سب کو مخاطب کر کے فرمایا +

"اے آل غالب! آپ مجھے سچا سمجھتے ہو یا جھوٹا"، اس سوال پر بعض نے جواب دیا، اس سے پہلے تو ہم نے آپ کو کبھی جھوٹ کہتے نہیں سُنا، پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تو کیا اگر میں یہ کہوں، کہ اس کوہ صفا کے پیچھے ایک بہت بڑی فوج ہے، جو تمہارے لوٹنے اور تباہ کرنے کی فکر میں ہے، اسے باور کر لوگے! لوگوں نے اس کے جواب میں کہا، کہ آپ بچپن سے

ہی صادق القول اور امین مشہور ہیں، ہمیں آپ کی بات کا یقین ہے، یہ جواب سن کر حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بلند آواز سے فرمایا :۔

سنو! عنقریب بہت ہی بُرا وقت آنے والا ہے، اس سے ڈرو، اس کے خیال سے کانپو، ہر ایک بُری بات سے باز آؤ، تمہارا یہ کفر اور تمہاری یہ بُت پرستی بڑی خطرناک چیز ہے جو خُدا کو بہت ناگوار ہے، اگر کہیں خُدا کا غضب نازل ہو گیا، تو یہ سارا زور و شور اور یہ شان و شوکت سب خاک میں مل جائے گی، اس لئے توبہ کرو، بتوں کو چھوڑ کر خُدا کے دین پر ایمان لاؤ، اور سب لوگ صدق دل سے کہو، لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ابھی پوری تقریر کرنے نہ پائے تھے، کہ ابولہب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہزاروں گالیاں سُناتے ہوئے، تمام مجلس درہم برہم کر دی، سب لوگ بگڑ کھڑے ہوئے اس وقت سب اعزاء و اقارب حضور علیہ السّلام کے خون کے پیاسے تھے ۞

صرف ایک شفیق چچا کی ذات تھی، سو ان کو بھی ان لوگوں نے یہ طعنے دینے شروع کئے کیا تُم نے اپنے بھتیجے کی باتیں سنیں، اب تو یہ علانیہ بزرگوں کو بُرا کہتا ہے، اور خود بڑا بنا جاتا ہے ۞

لیکن اس مخالفت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پائے استقلال میں ذرا بھی لغزش نہ ہوئی بلکہ اُس دن سے حضور علیہ السّلام نے علانیہ بتوں کی مذمت اور خالق لایزال کی وحدانیت کو بیان کرنا شروع کر دیا، جس سے اہل قریش کا غصّہ اور بھی بھڑک اُٹھا، ابھی تک تو فقط اس بات کی کوشش تھی، کہ لوگوں پر حضور علیہ السّلام کی تعلیم کا اثر نہ پڑے، لیکن اب مکّہ کے تمام لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا اور تکلیف پہنچانے کیلئے آمادہ ہو گئے، اور ساتھ ہی وہ لوگ بھی ستائے جانے لگے، جو مسلمان ہو چکے تھے ۞

چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سر پر راہ چلتے خاک ڈالدی جاتی، دشمن اس پر تمسخر اور ہنسی اڑاتے کوئی پھبتیاں کہتا، کوئی پتھر مارتا، کوئی تلوار لیکے چڑھ آتا، غرضیکہ جو جس سے بنتا، وہ کرتا کوئی دشمنی ایسی نہ تھی، جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نہ کی جاتی ہو، عورتیں اسقدر کینہ کرتیں، کہ

گھر کا کوڑا کرکٹ حضورؐ صلی اللہ علیہ وسلم پر پھینک دیتیں، ابولہب کی بیوی تو حضورؐ کے راستہ میں کانٹے بچھا دیا کرتی تھی، جس سے حضورؐ کے پاؤں زخمی ہو جاتے تھے ÷

ایک روز ایک بدمعاش نے راہ چلتے آپ کے گلے میں چادر ڈال کر اسقدر اینٹھی کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا گلا گھٹنے لگا تھا، ایک دن آپ کعبہ میں سربسجود تھے، کہ کسی ظالم نے اونٹ کی بڑی بھاری اوجھڑی لا کے حضورؐ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیٹھ پر رکھدی، جس کے بوجھ سے حضورؐ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا سر مبارک اٹھانا دشوار ہو گیا ÷

کئی دفعہ حضورؐ علیہ السلام کو زہر دینے کی کوشش کی گئی، مگر دشمن ناکام رہے، ایسی ایسی صریح دشمنیوں اور عداوتوں پر بھی حضورؐ صلی اللہ علیہ وسلم کا جوش ہدایت و تبلیغ بجائے مرعوب ہونے اور دبنے کے اور بڑھتا ہی گیا، بلکہ مسلمانوں کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہوتا گیا، جس کو دیکھ دیکھ کے اہل مکّہ نے ابو طالب کے پاس آ کر یہ کہنا شروع کیا، کہ ہم لوگ تمہاری عمر اور تمہاری بزرگی کا ادب و لحاظ کرتے ہیں، لیکن آخر اس لحاظ کی کوئی حد بھی ہے، اب ہم سے یہ بات ہرگز نہیں دیکھی جاتی، کہ تمہارا بھتیجا ہمارے معبودوں کی مذمت کرے، ان کو شارع عام پر برا کہے اور ہم دیکھا اور سنا کریں، یا تو تم ان کو اس حرکت سے روکو یا ان کے شریک ہو جاؤ، تاکہ تلوار سے اس بات کا فیصلہ ہو سکے ÷

ابو طالب کیلئے نہایت مشکل کا سامنا تھا، وہ بالکل حیران تھے، کہ کیا کروں، اور کیا نہ کروں کیونکہ نہ تو وہ قوم سے جدا ہو سکتے تھے، اور نہ ان کو یہ بات گوارا ہو سکتی تھی، کہ حضورؐ علیہ السلام کا ساتھ چھوڑ دیں، اس لئے ابو طالب نے حضورؐ علیہ السلام سے کہا، بیٹا یہ کام اچھا نہیں ہے، نہ کیا کرو، اس پر حضورؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جواب دیا، چچا جان! مجھ سے یہ نہیں ہو سکتا، کہ میں اپنی جان کے خوف سے سچ کو جھوٹ میں دبا دوں، اور خدا کے احکام ظاہر نہ کروں، اس میں خواہ آپ بھی

ؔ ابولہب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سوتیلا چچا تھا، اور نہایت سنگدل تھا، قرآن شریف میں سورہ تبت یدا میں اس کا اور اس کی بیوی کے عناد کا ذکر ہے، یہ عورت آپ کے راستہ میں کانٹے بچھایا کرتی تھی، اس لئے اس سورہ میں خدا نے اس کو حَمَّالَةَ الْحَطَبِ (کانٹے بچھانے والی فرمایا ہے) ÷

مجھ سے کنارہ کش ہو جائیں، اور خواہ میں خود بھی شہید ہو جاؤں، لیکن اعلانِ حق سے باز نہ آؤنگا۔

اس میں کچھ شک نہیں، کہ ابو طالب کے اثر سے کسی دشمن کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جان لینے کی جرأت نہ ہوتی تھی، سب لوگ اس بات سے بھی ڈرتے تھے کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کر دیا جائے، تو ابو طالب اپنے بھتیجے کے خون کا انتقام لینے اٹھ کھڑے ہونگے، پھر کسی کے بنائے کچھ نہ بنے گی، تاہم ان لوگوں نے طرح طرح کے عذاب سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت پریشان کرنا شروع کیا، اس کا انجام یہ ہوا، کہ جو لوگ ایمان لاتے وہ بھی اپنی جان کے خوف سے اپنے آپ کو چھپائے پھرتے تھے، ڈرتے ڈرتے ایک دوسرے کے گھر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتے تھے، اس پر بھی ان غریب مسلمانوں کی یہ حالت تھی، کہ اگر دشمنوں کو کسی کی نسبت مسلمان ہو جانے کا وہم و گمان بھی ہو جاتا، تو اس کی جان لینے کے درپے ہو جاتے تھے +

چنانچہ ان غریب نو مسلموں میں سے، عمارؓ، یاسرؓ، سمیہؓ، صہیبؓ بن سنان رومی عامرہ بن سبیرہ ابو فکیہہ وغیرہ ایسے ہی بے کس لوگ تھے، جو بحیثیت غلامی مشرکوں کے بس میں تھے، ان پر تو ایسے ایسے ظلم ناروا کئے جاتے کہ الامان، کبھی دوپہر کی جلتی ریت پر منہ کے بل ان کو لٹایا جاتا، کبھی ننگے بدن پر اسقدر کوڑے لگائے جاتے کہ بیچاروں کی کھال اُدھڑ جاتی، کبھی پانی میں غوطے دیدے کر ہلکان کیا جاتا، کبھی لوہے کو آگ میں سُرخ کر کے بدن پر داغا جاتا، کبھی اونٹ کی ٹانگ سے باندھ دیئے جاتے کبھی چٹائی میں لپیٹ کر ناک میں مرچوں کی دھونی دی جاتی کہ دم گھٹ جائے، کبھی برچھیاں مار مار کر ادھ موا کر دیا جاتا کبھی دو دو اونٹوں کو ساتھ ساتھ کھڑا کر کے غریب مسلمان کو ان پر سوار کرا کر اس کی ایک ٹانگ ایک اونٹ سے اور دوسری دوسرے اونٹ سے باندھ کر پھر دونوں اونٹوں کو علیحدہ علیحدہ دوڑا دیا جاتا، چنانچہ بیچارے عمارؓ اور یاسرؓ تو اس عذاب سے شہید بھی ہو گئے، لیکن باوجود ان روح فرسا مظالم کے کسی نے اسلام سے منہ نہ موڑا :-

بلال رضی اللہ عنہ کفار مکہ میں اُمیہ نامی ایک بڑا مالدار تاجر تھا، اس کے ایک حبشی غلام کا نام

بلالؓ تھا، بلالؓ کے دِل میں بھی اسلام کی صداقت اثر کر گئی تھی، کچھ دِنوں تک تو بلالؓ نے کفر کی تاریکی میں اسلام کی روشنی کو چھپانے کی کوشش کی بھی، لیکن نور ظلمت میں کب چھپ سکتا ہے، آخر بلالؓ کے آقا کافر اُمیہ کو اس بات کی خبر ہو گئی، کہ بلالؓ کے دِل میں نورِ اسلام ضوفشاں ہے، پہلے پہل تو مشرک آقا نے باایمان غلام کو تنبیہ کی، کہ بلالؓ اس روشنی صداقت کو دل سے محو کر دے، لیکن بلال کی کیا مجال تھی، جو ایسا کر سکتا جس دل میں اسلام نے گھر کر لیا ہو وہ کسی کے نکالے بھلا کیا نکل سکتا ہے، اور بلال وہ پہلا بلالؓ ہوتا، تو اپنے اس آقا کے حکم کی تعمیل بھی کرتا، لہٰذا اس نے صاف صاف کہہ دیا، کہ مجھ سے یہ ہرگز نہیں ہو سکتا، کہ میں اپنے حقیقی آقائے نامدار اور خدا تعالےٰ کے برگزیدہ پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر ایمان نہ لاؤں اور اسلام کو ترک کر دوں ✣

غلام سے آقا کو ایسا سرکش جواب سننے کی تاب کہاں ہوتی، اُمیہ نے اسی وقت اپنے دیگر غلاموں کو حکم دیا کہ بلالؓ کی مشکیں کس لو اور ٹھیک دوپہر کی دھوپ اور تپتی ہوئی بالو پر لٹا کر اس کے سینے پر جلتی ہوئی سلیں رکھ کر اوپر سے خوب دُرّے لگاؤ، جب تک یہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کے دین سے انکار نہ کرے، اس کے ساتھ یہی عمل کرو ✣

حضرت بلالؓ یہ سب عذاب سہتے تھے، لیکن اسلام کو دِل سے محو کرنے کی بجائے وہ اَحَدٌ اَحَدٌ یعنے وہ اکیلا ہے، خدا سچا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) برحق ہے، کہے جاتے تھے ✣

کئی دِن اس عاشق رسول اللہؐ کے ساتھ اُمیہ نے یہی ظالمانہ طرزِ عمل جاری رکھا حضرت بلالؓ کا بدن زخموں سے چکنا چور تھا، پیاس کے مارے دم خشک ہو رہا تھا، اتفاقاً اِس روز حضرت صدیق اکبرؓ کا اِس طرف سے گذر ہوا، بلالؓ کی مظلومانہ حالت دیکھ کر آنکھوں میں آنسو بھر آئے، کلیجہ دہل گیا، دریافت کرنے پر معلوم ہوا، کہ عاشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہے، اور ہادی اسلام کے عشق میں ہی بلالؓ یہ عذاب برداشت کر رہا ہے، آخر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے چند بکریوں کا زربدل دیکر اُسے کافر اُمیہ سے خرید کر آزاد کر دیا، یہ شمع محمدی کا پروانہ

وہاں سے چھوٹتے ہی جان نثارانِ اسلام میں آکر حلقۂ محمدی میں شامل ہوگیا +

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے جان نثار مسلمانوں کی یہ حالت اور ایسی ایسی سختیاں دیکھ کر اِن بے کس مسلمانوں کو حکم دیا، کہ وُہ ارضِ حجاز کو چھوڑ کر ملک حبشہ میں چلے جائیں +

مکّہ سے تھوڑی دُور بحر قلزم کے پار ہوتے ہی جو حبشیوں کے ملک کا ساحل ہے وُہ حبشہ کہلاتا ہے، حبشہ اَور عرب میں ویسے بھی آمد و رفت جاری تھی، وہاں کا بادشاہ نجاشی اگرچہ عیسائی تھا لیکن منصف مزاج اَور نیک بادشاہ تھا، چنانچہ حضور علیہ السلام کے ارشاد کے مطابق مسلمانوں کا چھوٹا سا قافلہ جس میں حضرت عثمانؓ، حضرت زبیرؓ، عبد اللہؓ بن مسعود عورتوں میں حضرت رقیہؓ ابو خذیفہ وغیرہ تھیں، مکّہ سے حبشہ کی طرف روانہ ہوگیا +

جب یہ لوگ حبشہ میں پہنچ گئے، تو دشمنوں کو خبر ہوئی، اس پر انہیں اس قدر طیش آیا کہ مسلمانوں کے پیچھے اِن کا ایک گروہ سفارت کی شان سے حبشہ میں پہنچا، تاکہ ان پناہ گزین مسلمانوں کو وہاں بھی جا کے ستائے، اَور جس طرح بنے انہیں اس سرزمین سے بھی نکلوا دیا جائے، بادشاہ نجاشی نے مکّہ کے ذی عزت سفیروں کا پیغام سُن کر مسلمانوں کو اپنے سامنے بُلا کر پوچھا، کہ وہ کون سا نیا مذہب ہے اَور کس لئے تُم نے اس کو اختیار کیا ہے، اِس کے جواب میں مسلمانوں کی طرف سے جعفرؓ نے دربار حبش میں جو پُر اثر تقریر فرمائی، اُس کا مختصر خلاصہ یہ ہے +

اے بادشاہ ہم لوگ جہالت میں ڈوبے ہوئے تھے، بتوں کو پوجتے تھے، ہم میں حلال و حرام کی تمیز نہ تھی، جھوٹ بولتے تھے، بد افعال تھے، غرضیکہ ہم سب لوگ تمام انسانی فرائض سے محض ناواقف تھے، اَور ہمارا تمدّن بد اخلاقی ناانصافی، خود پرستی یعنے مظالم گوناگون کا منبع تھا +

ایسی حالت میں خداوند کریم نے ہم لوگوں میں سے ایک ایسے شخص کو اس بدترین حالت کو بہتر بنانے کیلئے مامُور فرمایا، جس کی نجابت، شرافت، دیانت، ایمانداری

اور نیک چلنی بچپن سے ہی سارے عرب میں مشہور تھی، اس ستودہ صفات شخص نے ہم کو خدا کی وحدانیت سمجھائی، شرک سے بچانے کیلئے بتوں کی پرستش سے منع کیا، سچ بولنے کی ہدایت کی، امانت میں خیانت کرنے کی تنبیہ کی، غریبوں، مسکینوں، یتیموں، محتاجوں سے ہمدردی کرنے کی تلقین کی، دن رات ہم فسق و فساد، جوا، شراب میں مبتلا رہتے تھے ان ذلیل اور بدترین افعال سے روک کر ہمیں خدائے واحد کی عبادت کرنے کا ارشاد فرمایا لہٰذا ہم نے خدا کے اس برگزیدہ پیغمبر کی ان ہدایت کو مان لیا ہے، اور اس پر ایمان لا چکے ہیں، بس یہی ہمارا جرم ہے، اور اسی لئے ہمارے ہم وطن ہم لوگوں کے دشمن ہو گئے ہیں، ان کا مطلب یہ ہے، کہ ہم لوگ اس پاک اور خدا کے مذہب کو چھوڑ دیں، بجائے خدا واحد کی پرستش کرنے کے پتھر کے بت اور کاٹھ کی مورتیں پوجیں، صداقت سے بہکا کر سیدھی راہ سے الٹی راہ چلانے کیلئے ان لوگوں نے ہم کو یہاں تک ستایا، اور اس قدر روح فرسا مظالم ہم پر کئے، جو نا قابل بیان ہیں، مجبوراً ہم کو اپنے عزیز و اقارب گھر بار اور وطن کو چھوڑ کر اپنے ہادی کے ارشاد کے مطابق آپ کے عدل و انصاف کے بھروسہ پر یہاں پناہ گزین ہونا پڑا، اس پر بھی انہوں نے ہمارا پیچھا نہ چھوڑا، یہ مختصر واقعات ہیں، اور یہی ہمارا جرم ہے +

نجاشی نے جعفر کی اس سچی اور دلپذیر تقریر کو سنتے ہی سفیران مکہ کو قائل کر کے اپنے دربار سے نکلوا دیا +

اس ناکامی نے مشرکین مکہ کی آتش غضب کو اور بھی بھڑکا دیا، آخر اہل قریش کے چند معززین نے مشورہ کیا، کہ اس نئے مذہب کی نہ رکنے والی رو کو، کس طرح روکا جائے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان کس طرح بند کی جائے، تو یہ قرار پایا، کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم، کو دنیا کی لذتوں اور نعمتوں کا لالچ دیا جائے، تاکہ وہ بتوں کی تحقیر تذلیل کرنے سے رک جائیں، چنانچہ اسی مشورہ کے مطابق عتبہ بن ربیعہ کو حضور علیہ السلام کی خدمت میں روانہ کیا گیا +

حضرت محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خانہ کعبہ میں تھے، عُتبہ نے حاضر ہو کر کہا، کہ اے ابن عم، تم ہماری قوم میں شریف اور عالی خاندان ہو، بچپن سے ہی امین اور صادق القول ہو، تم نے اپنی ذہانت سے قوم کو بارہا کشت وخون سے بچا کر زیر بار احسان کیا ہے، اسی وجہ سے ہم کو تمہارا لحاظ ہے، ورنہ تم اعلانیہ ہمارے معبودوں کی مذمت کرتے ہو، ہماری قوم کو آبائی مذہب سے منحرف کرتے ہو، اور ہم سوائے ڈرانے اور دھمکانے کے تمہاری جان نہیں لیتے +

آخر اِس فساد برپا کرنے سے آپ کا کیا مطلب ہے، خواہ مخواہ سارے عرب میں خود بھی بدنام ہو رہے ہو، اور ہمیں بھی رسوا کر رہے ہو، کوئی تمہیں مجنون کہتا ہے، کوئی جادوگر ہر قسم کے طعنے سنتے ہو، طرح طرح کی ذلتیں اُٹھاتے ہو، اپنے ساتھ اپنے قبیلہ کے لوگوں کو بھی ہزارہا باتیں سنواتے ہو، آخر یہ کس لئے صاف صاف کہدو، کہ تم چاہتے کیا ہو، اور اس شورش سے تمہارا اصلی مقصد کیا ہے؟ اگر تم کو کسی خوبصورت دوشیزہ لڑکی کا عشق ہے، تو وہ جس خاندان کی ہے، ظاہر کرو، ہم اس گل اندام سے تمہارا نکاح پڑھا دیں، دولت حکومت چاہتے ہو، تو جتنا روپیہ کہو، ہم سب جمع کر کے تمہیں دیدیں، تمہاری حکومت تسلیم کرلیں، غرضیکہ جس چیز کی خواہش ہو ہم پوری کرنے کو تیار ہیں، مگر تم ہمارے معبودوں کو بُرا کہنا چھوڑ دو، نئے مذہب کا جھگڑا نہ پھیلاؤ، +

اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، سنو، میں جو کچھ کہتا ہوں، خدا کی وحی کیمطابق کہتا ہوں، خُدا کے احکام مجھ پر عربی زبان میں نازل ہوتے ہیں اور وہ نہایت صاف و واضح ہیں، اِن احکام کی تعمیل دونوں جہاں میں راحت کا باعث ہے، عرب کا تمدن اور ہماری قوم کا وحشیانہ پن قانون فطرت کے خلاف ہے، اگرچہ میں بھی تمہاری طرح ایک انسان ہوں مگر خُدا نے مجھ پر یہ بات ظاہر کر دی ہے، کہ میں اس بدترین حالت کو درست کروں، خدا کی وحدانیت ثابت کروں، بتوں کی پرستش اور دیگر مشرکانہ باتیں لوگوں سے چھڑادوں میں

تم کو مطلع کرتا ہوں، کہ تمہارا خُدا ایک ہے، قیامت برحق ہے، تم خُدائے واحد پر ایمان لاؤ اور روزِ جزا پر یقین رکھو، جو لوگ خُدا کے احکام مانینگے، اُن پر عمل کرینگے، دین دُنیا میں وہی بہترین لوگ ہیں، میرا کام صرف یہی ہے، اور میں صرف یہی بات چاہتا ہوں، میری نہ کوئی نفسانی خواہش ہے، نہ دولت چاہتا ہوں، نہ حکومت، اب تم چاہو میری بات مانو یا نہ مانو، تم کو اختیار ہے، وہ لوگ جو مشرک ہیں، اور خُدا کی راہ میں مزاحم ہوتے ہیں، خُدا ان کو اس کی سزا دیگا، جو ایمان لے آئے ان کو اس بات کا اجر دیگا +

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پُرتاثیر تقریر کا عُتبہ پر ایسا اثر پڑا کہ خاموش ہو کر واپس چلا آیا اور اہلِ قریش میں اس نے آکر کہا، کہ میں نے کسی تقریر میں ایسا اثر نہیں پایا، جیسا کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی زبان میں اثر ہے، اس پر سب نے بگڑ کر کہا، کہ شاید تم پر بھی اسکے جادو کا اثر ہو گیا، کیا ہم نے اسی لئے تم کو بھیجا تھا، عُتبہ نے کہا، جو کچھ تُم نے مجھ کو سمجھایا تھا، اس سے بھی زیادہ میں نے حضور علیہ السلام سے کہا، لیکن اسکے جواب میں جو کچھ میں نے سُنا، وہ اثر نہ شاعری میں ہے، نہ جادو میں مجھ سے جو کچھ ہو سکا میں نے کیا، میرے دل پر جو اثر پڑا وہ میں نے ظاہر کر دیا، اب تُم جانو، اور تمہارا کام، میں تو اب اس کام میں پڑنے کا نہیں +

یہ ۶۱۵ءکے واقعات ہیں، یعنی اس وقت بعثت نبوی کا چھٹا سال تھا، اِن دنوں جو مسلمان حبشہ میں پناہ گزین تھے، ان کی تعداد مردوں میں تراسی تک اور عورتوں میں اٹھارہ تک پہنچ گئی تھی، انہیں کسی نے اطلاع دی کہ اب مکہ میں امن ہے، اہل قریش اور ہادیِ اسلام میں سمجھوتہ ہو گیا ہے، اس خبر کے سنتے ہی وہ لوگ اپنے وطن کی محبت میں حبشہ سے چل پڑے، لیکن جب ساحلِ عرب پر پہنچے، تو انہیں معلوم ہو گیا، کہ یہ اطلاع غلط تھی، چونکہ یہ لوگ اپنے وطن کے قریب پہنچ چکے تھے، سب کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ اب گھر کے دروازے پر سے لوٹنا مناسب نہیں، آؤ شہر میں جا کر اپنے گھر کی حالت بھی دیکھ آئیں، اور اپنے عزیز و اقارب سے بھی مل لیں، انہیں خیالات کیمطابق

جب یہ ساٹھ مہاجرین اپنے شہر میں داخل ہوئے، تو اُنہوں نے اپنے دشمنوں کو پہلے سے بھی زیادہ غضبناک دیکھا +

بادشاہ حبشہ کی ہمدردی و جانب داری کی آتش غضب ابھی مشرکین مکہ کے دلوں میں موجود تھی، پناہ گزین مسلمانوں کو دیکھتے ہی دشمنوں کے سینہ کی آگ بھڑک اٹھی، اور اُنہوں نے علانیہ مسلمانوں کو بہت بُری طرح ستانا شروع کر دیا، مجبوراً مسلمانوں کو پھر حبشہ جانا پڑا، مگر اب کی دفعہ ایک ساتھ جانا غیر ممکن تھا، کیونکہ دشمن تاک میں لگے رہتے تھے، اور ہر طرح کی مزاحمت کرتے تھے، اسلئے چھپ چھپ کر اور ایک ایک دو دو کر کے تقریباً ایک سو مسلمان مکّے سے نکل کر پھر حبشہ میں چلے گئے +

مشرکین مکّہ کی ان سختیوں اور مزاحمتوں کے باوجود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغ اسلام کا کام بند نہ کیا، اور ان کے استقلال صداقت سے روز بروز مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا، اور دشمنوں کی تمام مزاحمتیں بیکار ثابت ہوئیں، آخر اُنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہلاکت کا مشورہ کر کے ایک دفعہ حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معاون چچا ابوطالب کے پاس آن کر کہا :-

ہم نے بہتیرے جتن کئے، مگر تمہارا بھتیجا نہیں مانتا، ہمارے دیوتاؤں کی برابر تحقیر و تذلیل کر رہا ہے، ہم نے پہلے بھی تم کو کہا تھا، کہ اگر تم اس کی معاونت نہیں چھوڑتے، تو ہمارے ساتھ تلوار سے اس بات کا فیصلہ کر لو، لیکن تم نے ہمیں اسوقت بھی ٹال دیا، اب ہم کب تک اپنے آبائی مذہب اور بتوں کی توہین برداشت کریں، قوم نے اس بات کا فیصلہ کر لیا ہے، کہ اس جھگڑے کا اب آخری فیصلہ کر لیا جائے، بتاؤ تم کیا کہتے ہو +

ابوطالب حیران تھے، کہ کیا کہوں، اور کیا نہ کہوں، چونکہ وُہ اپنے بھتیجے حضور علیہ السّلام کے عزم استقلال سے واقف تھے، اُنہوں نے اہل قریش کو لاکھ سمجھایا، لیکن وُہ کب سمجھنے والے تھے، مجبور ہو کر ابوطالب نے اپنی اور اپنے بھتیجے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور اپنے خاندان

کی حفاظت کیلئے قبیلہ بنی ہاشم کو جمع کر کے حمایت پر آمادہ کر لیا، قریش کو جب اسکی خبر ہوئی، تو سب کے سب بنی ہاشم کے دشمن ہو گئے ؛

اگرچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ابو طالب اور اپنے قبیلہ بنی ہاشم کے باعث مشرکین مکّہ سے ہلاکت کا خوف نہ تھا، تاہم مخالفین اسلام حضور علیہ السّلام کے درپے آزار تھے، اس وقت جس طرح ابو لہب اور اسکی بیوی حَمَّالَۃَ الحَطَبِ دونوں میاں بیوی آپ کے جانی دشمن تھے، اسی طرح ابو طالب اور حضرت ابو بکر صدیقؓ آپ کے رفیق اور مونس تھے ؛

چنانچہ ایک دفعہ حضور علیہ السّلام کعبہ شریف میں تھے، مشرکین مکّہ نے آپکو تنہا سمجھ کر وہیں گھیر لیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم دشمنوں کے نرغہ میں گھر گئے، تو مشرکین میں سے کسی نے پوچھا، بتاؤ، اب کیا کہتے ہو، آخر تم ہمارے بتوں کو کیوں برا کہتے ہو ؛

حضور علیہ السلام جیسے پاک باطن تھے، ویسے ہی ظاہر میں صادق بھی تھے، آپ نے ایسی خطرناک حالت میں بھی دشمنوں کو یہی جواب دیا، بیشک تمہارے معبود جھوٹے ہیں، خُدا سچّا اور واحد ہے، اتنا سنتے ہی مشرکین آپ پر جھپٹ پڑے، قریب تھا کہ آپکی جان خطرہ میں پڑ جاتی، اتفاقاً حضرت ابو بکر صدّیق وہاں پہنچ گئے، اور اُنہوں نے یہ واقعہ دیکھ کر حضور علیہ السّلام کو بچا کر دشمنوں سے کہا :-

"کیا تم لوگ میرے محترم دوست اور خدا کے برگزیدہ پیغمبر کو اس لئے مار ڈالنا چاہتے ہو، کہ وہ تمہیں خدا کی سچی راہ کیوں دکھاتا ہے ؛

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی یہ حمایت دیکھ کر مشرکین نے حضور علیہ السّلام کو چھوڑ کر ابو بکر صدیقؓ کو گھیر لیا، اور اسقدر مارا کہ آپ بیہوش ہو گئے ؛

اسی طرح ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ شریف میں خدا کی عبادت میں مصروف تھے، کہ ایک شریر مشرک نے آپکی گردن مبارک میں کپڑے کا پھندا ڈال کر اس بیدردی سے کھینچا، کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم درد کے مارے بیتاب ہو گئے ؛

انہی دنوں کا واقعہ ہے، کہ حضور علیہ السّلام کوہ صفا پر جب تبلیغ اسلام فرما رہے تھے اس وقت تمام سرکش لوگوں کا سرغنہ ابوجہل جو نہایت ہی جاہل اور ضدی تھا، اس طرف گذرا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے ہی بے تحاشا گالیاں دینے لگا، لیکن حضور علیہ السّلام نے ایک لفظ بھی جواب میں نہ کہا، آخر ابوجہل اپنی جہالت سے خود ہی تھک کر چلا گیا، اس واقعہ کے وقت حضور علیہ السّلام کے چچا امیر حمزہ کی ایک کنیز وہیں موجود تھی، اس نے گھر پہنچکر حمزہؓ کو یہ واقعہ سنایا، کہ آج کوہ صفا پر ابوجہل نے آپکے بھتیجے کو ہزاروں گالیاں دیں، لیکن حضور (علیہ السّلام) نے ایک لفظ تک ان سے نہ کہا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا صبر اور ابوجہل کا جبر سنتے ہی حمزہ کے خون حمیّت میں جوش پیدا ہوا، اور اسی وقت قسم کھا کر اٹھ کھڑے ہوئے، کہ جب تک میں اپنے یتیم بے کس بے بس بھتیجے کا بدلہ نہ لے لوں، مجھ پر کھانا پینا حرام ہے ✦

حمزہ شجاعان عرب میں ایک مشہور و معروف شخص تھے، پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، اور ان سے کہا، تمہارا چچا تمہارے دشمن سے بدلہ لینے کیلئے آیا ہے، بتاؤ، ابوجہل نے تم سے کیا کہا تھا، حضور (علیہ السّلام) نے فرمایا، ایسے شخص سے آپ کو کیا واسطہ ہے، جس کی نہ ماں ہے، نہ باپ، نہ کوئی عزیز ہے، نہ ہمدرد، آپ میرے چچا ہیں، تو کیا؟ اس مشرکانہ حالت میں خواہ آپ کافروں کے خون سے عرب کی زمین بھی سُرخ کر دیں، تو اس سے کیا ہو سکتا ہے، تاوقتیکہ آپ خدائے واحد پر یقین لا کر ایمان نہ لے آئیں، مسلمان ہو کر اگر آپ دین اسلام کی مدد کر سکتے ہیں، تو یہ امداد آپ کے ثواب کا باعث ہے، ورنہ میں اپنی ذات کیلئے سوائے خدا کے اپنے یا پرائے کی مدد کا طالب نہیں ہوں، میں جس کا کام کرتا ہوں، وہی میری مدد بھی کریگا ✦

حمزہؓ نے اپنے بھتیجے کا ایسا زبردست صبر و استقلال جو دیکھا، تو اسی وقت کلمہ شریف پڑھ کر مسلمان ہو گئے ✦

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے سے حضور علیہ السّلام کو نہایت خوشی ہوئی، اگرچہ

روز بروز اسلام میں ترقی ہو رہی تھی اور امیر حمزہؓ جیسے شجاع شخص کا دین اسلام قبول کرنا مسلمانوں کی تقویت کا باعث ہوا، لیکن ابھی مسلمانوں کی تعداد بہت کم تھی، اس لئے ہزار ہا دشمنوں سے مقابلہ کرنا نہایت مشکل تھا، مشرکین مکہ میں سے ابوجہل بن ہشام اور عمر بن الخطابؓ ان دونوں شخصوں کا حلقہ اثر نہایت وسیع تھا، اور یہ دونوں شجاع ذی ثروت اور صاحب رسوخ شخص سب سے زیادہ حضور علیہ السلام کے دشمن تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال تھا، کہ اگر ان دونوں میں سے کوئی ایک مسلمان ہو جائے، تو مسلمانوں کی کمر ہمت مضبوط ہو سکتی ہے ٭

لہذا اسی خیال کے مطابق حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک روز بارگاہ ایزدی میں یہ دعا کی :۔

خداوندا! ان دو شخصوں میں سے کسی ایک کو ایمان عطا فرما کر دین اسلام کو تقویت بخش، ادھر تو حضور علیہ السلام نے یہ دعا کی، اُدھر دشمنان دین نے اسلام کی جڑ کاٹنے کیلئے ایک زبردست اجتماع کا اعلان کر دیا ٭

یہ اجتماع اہل قریش کے سردار ابوجہل کی طرف سے ہوا تھا اور اسلئے ہوا تھا، تاکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی نہ کسی طرح، نعوذ باللہ ٹھکانے لگا کر دین اسلام کا قلع قمع کر دیا جائے کیونکہ ایک تو مشرکین اپنی ناکامیوں پر کھسیانے ہو رہے تھے، دوسرے مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی تعداد دیکھ کر ان کے کلیجوں پر سانپ لوٹ رہے تھے، تیسرے حمزہؓ جیسے شجاع اور بہادر شخص بھی مسلمان ہو چکے تھے ٭

اس اجتماع میں نہ فقط اہل قریش ہی شامل ہوئے، بلکہ تمام قبائل کے ہزار ہا لوگ جمع تھے، چنانچہ ابوجہل میر مجلس نے حضور علیہ السلام کو جادوگر مجنون وغیرہ بتا کر اور اپنے آبائی مذہب و بتوں کی مذمت کا جوش دلا کر حاضرین میں یہ رائے پیش کی، کہ جو شخص اس نئے پیغمبر (حضور علیہ السلام) کا (نعوذ باللہ) سر قلم کر کے لائے گا، اُسے میں ایک ہزار عمدہ قسم کے اونٹ اور ایک ہزار اوقیہ سونا یا چاندی دونگا، اس بھاری انعام کو سنتے ہی تمام مشرکین نہایت خوش ہوئے، لیکن سوائے عمر بن الخطاب کے کسی کو اپنی قسمت آزمائی کی جرأت نہ ہوئی ٭

چنانچہ عمر بن الخطاب اپنی تلوار تول کر اُٹھ کھڑے ہوئے، اور اِس کام کو انجام دینے کا وعدہ کر کے حضور علیہ السّلام کی تلاش میں چل نکلے، جوشِ انتقام میں جا رہے تھے، راستہ میں ایک واقف کار شخص عبداللہ ملے، عبداللہؓ مُسلمان ہو چکے تھے، اُنہوں نے عمرؓ کی سراسیمہ حالت دیکھ کر پوچھا، "اے عمرؓ! ایسی گھبراہٹ میں کہاں جا رہے ہو؟ عمر نے جوشِ غضب میں جواب دیا، (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو (نعوذ باللہ) قتل کرنے +

عبداللہؓ نے اس جواب کو نہایت تعجب سے سُنکر کہا، اے عمر ایسا کام کبھی بھولے سے بھی نہ کرنا، اگر یہی ارادہ ہے، اور تم اپنے اِس ناپاک ارادے میں اگر کامیاب بھی ہو گئے تو یاد رکھو، بنی ہاشم کے ہاتھوں تم بھی زندہ نہیں بچ سکتے +

عمرؓ جیسے بہادر اور غیور شخص کو اتنی بات سننے کی بھلا تاب کہاں ہوتی، انتقام کے جوش میں تو تھے ہی غضبناک لہجہ میں عبداللہ سے کہا، معلوم ہوتا ہے، کہ تم بھی اِن جادوگر کے اثر سے اپنے آبائی مذہب سے منحرف ہو چکے ہو؟ کیوں! یہی بات ہے نا؟ عبداللہ نے کہا، مجھ پر ہی کیا منحصر ہے، پہلے اپنی بہن اور بہنوئی کی تو خبر لو، بس اتنا سننا تھا، کہ عمر کا سارا جوشِ انتقام بہن اور بہنوئی کے جوش کدورت سے بدل گیا، بجائے اِس کے کہ وُہ انحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تلاش کرتے، وہیں سے سیدھے بہن کے گھر کو پلٹے +

گھر کا دروازہ بند پا کر جس وقت عمرؓ نے آواز دی، اِس وقت انکی بہن اور بہنوئی دونوں خباب (صحابی[۱] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) سے قرآن شریف پڑھ رہے تھے جس کو عمر نے بھی سُن لیا، عمرؓ کی آواز پہچانتے ہی خباب تو کوٹھری میں چھپ گئے، بہن (فاطمہؓ) نے قرآن شریف کی آیات کو جلدی سے چھپا کر دروازہ کھولا +

عمرؓ نے دروازہ میں پاؤں رکھتے ہی غضبناک لہجہ میں پوچھا، کہ تم ابھی ابھی یہ کیا پڑھ رہے

[۱] صحابی اُس شخص کو کہا جاتا ہے، جس شخص نے حالت اسلام میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا ہو +

تھے، بہن نے جان کے خوف سے کہا، نہیں تو، ہم تو آپس میں باتیں کر رہے تھے، عمرؓ نے پھر للکار کر پوچھا، میں نے سنا ہے، کہ تم نے بھی اپنا آبائی مذہب ترک کر دیا ہے اور ایک اُمّیؐ شخص کا نیا مذہب اختیار کر لیا ہے؟ اس پر عمرؓ کے بہنوئی سعید نے ذرا حوصلہ کر کے یہ جواب دیا، کیا کریں، جب ہمارا آبائی مذہب سچّا ہی نہ ہو، تو ..... ابھی اتنا ہی کہنے پائے تھے، کہ عمرؓ نے جوشِ غضب میں پوری طاقت کے ساتھ بہنوئی کے رخسار پر اس زور سے ایک طمانچہ مارا، کہ وہ بیچارے زمین پر گر گئے، بہن اپنے خاوند کو بچانے کیلئے، جو آگے بڑھی، تو عمرؓ نے اس کو بھی زمین پر دے ٹپکا جس کی چوٹ سے بیچاری کے مُنہ سے خُون جاری ہو گیا، ایسی حالت میں بہن نے روتے ہوئے صاف صاف کہدیا، بھائی عمر! چاہے تم جان سے مار دو، اب اظہارِ صدق سے ہم کچھ خوف نہیں کرتے، واقعی ہم نے شرک سے توبہ کر کے مذہبِ اسلام قبول کر لیا ہے ہم مسلمان ہیں، سوائے خُدا کے کسی سے نہیں ڈرتے، بہن خاک پر رو رہی تھی، بہنوئی ایک طرف کھڑے چوٹ سے کراہ رہے تھے، اور عمرؓ تلوار تولے دونوں کے سر پر کھڑے تھے، اس پر بھی عمرؓ کی بہن اور بہنوئی بغیر خوف و خطر اسلام کی صداقت کا بہترین نمونہ پیش کر رہے تھے، اس دردانگیز نظارہ نے عمرؓ کے جوشِ غضب کو ٹھنڈا کر دیا، کچھ دیر بعد عمرؓ نے یہ کہتے ہوئے پھر سلسلہ کلام جاری کیا، اچھّا جو کچھ تم پڑھ رہے تھے، وہ مجھے بھی تو دکھاؤ، بہن نے آیاتِ قرآنی کے چند اوراق نہایت ادب و احترام کے ساتھ نکالے عمرؓ اُن کو ہاتھ لگانے ہی لگے تھے، کہ بہن نے ٹوک کر کہا، کہ یہ پاکیزہ کلام خُدا کا کلام ہے، ہاتھوں کو پاک کئے بغیر اسے ہاتھ نہ لگانا، عمرؓ نے اِن آیاتِ قرآنی کا جو یہ احترام دیکھا، تو اور بھی مؤثر ہوئے، مجبوراً ہاتھ دھو کر آیاتِ قرآنی کو پڑھا، (یہ آیت قرآن شریف کی سورہ طٰہٰ کی تھی) پڑھی، تو جوشِ وحدت سے دِل بھر آیا، آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے، بڑی مشکل سے دِل کو سنبھال کر کہا، واقعی یہ خُدا کا کلام ہے، ایسا کلام آجتک

میں نے نہیں سنا، اور نہ آج تک کسی کلام سے میں اسقدر متاثر ہوا ہوں، چلو مجھے بھی اپنے ہادی کے پاس لے چلو، میں ابھی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر مذہب اسلام قبول کروں گا +

عمر کا یہ اضطراب سنتے ہی حباب رضی اللہ عنہم نہایت خوشی سے کوٹھری سے باہر نکلے اور عمرؓ کے سامنے ہو کر کہنے لگے، اے عمرؓ تم نہایت خوش قسمت ہو، کیونکہ حضور علیہ السلام نے خدا کی بارگاہ میں دعا کی تھی، کہ خداوندا ابو جہل بن ہشام یا عمر ابن الخطاب میں سے کسی کو مسلمان کر دے، لیکن تمہاری نسبت ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا قبول ہوئی +

چنانچہ عمرؓ ابن الخطاب اپنی بہن کے گھر سے نکل کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں چلے، حضور علیہ السلام اسوقت اپنے ایک صحابی ارقم کے یہاں تشریف فرما تھے، عمرؓ تلاش کرتے ہوئے وہیں پہنچ گئے، یہاں بھی کفار کے خوف سے دروازہ بند تھا، دروازے پر ہاتھ مارا اور اندر آنے کی اجازت طلب کی، لوگوں نے دروازہ کی درازوں سے عمر کو گلے میں تلوار لٹکائے دیکھا، تو سب صحابہؓ سہم گئے، کسی کو دروازہ کھولنے کی جرأت نہ ہوتی تھی، امیر حمزہؓ بھی موجود تھے جوش میں بولے، دروازہ کھول دو، اگر عمر کسی بری نیت سے آئے ہیں، تو میں انہیں کی تلوار سے ان کا سر اڑا دونگا، غرض دروازہ کھولا گیا، اور عمر اندر داخل ہوئے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے محبت آمیز جوانمردی سے بڑھ کر انہیں دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر پوچھا عمرؓ! کس ارادے سے آئے ہو، آخر کب تک اسلام کے مخالف رہو گے، بہتر ہے کہ دین اسلام قبول کر لو، عمرؓ نے ادب سے عرض کیا، میں ایمان لانے ہی کیلئے حاضر ہوا ہوں، عمر کے منہ سے یہ الفاظ سنتے ہی سب صحابہ کرامؓ نے نہایت خوش ہو کر اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا +

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایمان لاتے ہی حضور پرنور حضرت محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مشرکین مکہ باوجود کافر

ہونے کے اپنے جھوٹے معبودوں کی پرستش تو علانیہ کریں، اور ہم لوگ خدائے واحد ذوالجلال یکتا پر ایمان لانے والے چھپ چھپ کر گھروں میں عبادت کریں، چلئے اسی وقت ہم لوگ بھی علانیہ کعبہ میں اس معبودِ حقیقی کی توحید کا اظہار کریں +

چنانچہ حضرت عمرؓ نے موجودہ چالیسؓ مسلمانوں کے مختصر گروہ کو اس طرح ترتیب دیا، داہنے ہاتھ تو حضرت ابوبکرؓ کو کھڑا کیا، اور بائیں ہاتھ پر حضرت علیؓ کو، نیرّ اسلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم توحید کے پروانوں میں تھے، اور آگے آگے شجاعانِ اسلام حضرت عمرؓ اور حضرت حمزہؓ ننگی تلواریں علم کئے ہوئے تھے، یہ پہلا دِن تھا، کہ اس شان سے مسلمان کعبہ شریف میں خدائے واحد کی عبادت کرنے کیلئے چلے، اسی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا لقب فاروق مشہور ہے)

راستے میں مشرکین مکہ نہایت خوشی کے ساتھ اس بات کے منتظر تھے، کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے کام کو انجام دے کر آتے ہی ہونگے، لیکن یہ کسے معلوم تھا، کہ ہادیٔ اسلام حضورِ پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کا سرِ مبارک اپنی قوم میں پیش کرنے کی بجائے وہاں انہیں اپنا ہی سرِ تسلیم خم کرنا پڑے گا +

جب دشمنانِ اسلام نے حضرت عمرؓ کو اس وضع میں اسلام کا خادم بنا دیکھا، تو کسی نے متعجب ہو کر پوچھا، ہیں! عمر! یہ کیا؟ کیا تم اسی کام کیلئے گئے تھے، ؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا، ہاں خدا کو یہی منظور تھا، کہ میں مسلمان ہو جاؤں، اب میں اسلام کا خادم ہوں، دیکھنا، اگر کسی نے بھی کوئی بے ادبی یا گستاخی کی تو اسی کی تلوار سے اس کا سر اڑا دونگا +

مشرکین مکہ اگرچہ حضرت عمرؓ کی الوالعزم شجاعت سے واقف تھے، مگر پھر بھی ان سے یہ حال دیکھ کر صبر نہ ہوسکا، یعنی بعض نے حضرت عمرؓ پر ایسی حالت میں حملہ کر دیا، مگر وہ کب دبنے والے تھے، حضرت عمرؓ نے مشرکین کو کعبہ سے نکال کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں سب مسلمانوں کے ساتھ نماز ادا کی، اسکے بعد حضرت عمرؓ نے پوچھا، کہ قریش میں کون ایسا شخص

ہے، جو اس واقعہ سے تمام مشرکین کو مطلع کر دے، کسی نے کہا ایسا شخص تو جمیل ابن معمر ہے ✣ چنانچہ حضرت عمرؓ اس کے پاس گئے، اور کہا کہ میں مسلمان ہو گیا ہوں، جمیل ابن معمر اسی وقت کعبہ میں پہنچا، اور اس نے لوگوں کو پکار پکار کر کہنا شروع کیا، "اے گروہ قریش عمرؓ مرتد ہو گیا" حضرت عمرؓ اس کے پیچھے پیچھے ہی آ رہے تھے، سامنے ہو کر کہنے لگے یہ جھوٹ کہتا ہے، "مرتد نہیں بلکہ مسلمان ہو گیا ہوں" اہل قریش نے جب حضرت عمرؓ کے منہ سے یہ کلمہ سنا، تو سب کے سب ان پر پل پڑے، حضرت عمرؓ ان سے لڑتے جاتے، اور یہ کہتے جاتے تھے، تم جو چاہو کرو، اگر ہم میں تین سو آدمی مسلمان ہو جائیں، تو پھر دیکھیں گے، کہ مکہ میں ہم رہتے ہیں، یا تم، اس اثنا میں عاص بن وائل نے آ کر کہا، عمرؓ کو چھوڑ دو، اس کی قوم بنی عدی خود ہی اس کو قتل کر دے گی ✣

حضرت عمرؓ کے ایمان لانے سے جسقدر مسلمانوں کو خوشی حاصل ہوئی، اس سے زیادہ مشرکین مکہ حضور علیہ السلام اور انکے اصحابہ کرامؓ کے دشمن ہو گئے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم جہاں کہیں لوگوں کو قرآن شریف کے احکام سنا کر ہدایت فرماتے، کفار آپ کی ہنسی اڑاتے، کوئی تو یہ کہتا

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْ نُزِّلَ عَلَیْهِ الذِّكْرُ اِنَّكَ لَمَجْنُوْنٌ ۝ سورہ حجر ع

ترجمہ:- اے شخص جس کے ذہن میں یہ سمایا ہے کہ اس کو خدا کے یہاں سے قرآن نازل ہوا ہے تحقیق تو دیوانہ ہے

کوئی یہ جواب دیتا:-

قُلُوْبُنَا فِیْۤ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَاۤ اِلَیْهِ وَ فِیْۤ اٰذَانِنَا وَقْرٌ وَّ مِنْۢ بَیْنِنَا وَ بَیْنِكَ حِجَابٌ -

ترجمہ:- جسکی طرف تم ہم کو بلاتے ہو، ہمارے دل تو اس سے پردوں میں ہیں، (کہ تمہاری بات) ہمارے کانوں میں (ایک طرح کی) گرانی ہے (کہ جو تم کہتے ہو سنائی نہیں دیتا) اور ہم میں اور تم میں (ایک طرح کا) پردہ (حائل) ہے -

کوئی متعجبانہ انداز میں کہتا:-

اِنَّ هٰذَا لَسِحْرٌ مُّبِیْنٌ -

ترجمہ:- تحقیق یہ البتہ جادوگر ہے،

کوئی اپنے مشرکین کی طرف مخاطب ہو کر ان کو سمجھاتا:-

اَضْغَاثُ اَحْلَامٍم بَلِ افْتَرٰہُ بَلْ هُوَ شَاعِرٌ۔ انبیاع ۱۔	ترجمہ:۔ بلکہ لگے کہنے یہ تو پریشان خیالات کا مجموعہ ہے، یا اس نے یہ جھوٹی جھوٹی باتیں اپنے دل سے بنائی ہیں، یا یہ شاعر ہے،
لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْ فِيْهِ۔	ترجمہ:۔ سنو ہی مت اور (سنانے لگیں تو) اس کے (درمیان) غل مچایا کرو۔
اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ۔	ترجمہ:۔ سوائے اسکے نہیں کہ اسکو آدمی سکھاتا ہے۔
اَنُؤْمِنُ كَمَا اٰمَنَ السُّفَهَآءُ۔	ترجمہ:۔ کیا ہم بھی اسی طرح ایمان لے آئیں جس طرح کہ احمق ایمان لائے

علیٰ ہذا ایسے ایسے لایعنی اعتراض اور تمسخر کر کے ہر ایک شخص حضور علیہ السّلام کو ستاتا تھا، ابولہب اور ابوجہل اور اُمیّہ بن خلف اور حارث ابن قیس اور ولید ابن مغیرہ اور عاص ابن وائل یہ چند لوگ تو حضور علیہ السّلام کے خون کے پیاسے تھے۔ ان کا دن بھر یہی کام تھا، کہ جہاں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا، گالیاں دیں، مشرکین میں ان کو جھٹلایا، ان پر آوازے کسے ✦

کئی دفعہ ایسا بھی کرتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کے دروازہ پر گوبر اور پتھر پھینک دیتے، حضور علیہ السّلام جب نکلتے، تو پتھروں سے ٹھوکر کھا کر گر پڑتے، گوبر میں لتھڑ جاتے جب راستے چلتے تو ان پر پتھر پھینکتے تھے، جہاں کھڑے ہوتے، وہاں پہنچکر حضور علیہ السّلام کا مضحکہ اڑاتے تھے، لیکن صبر و کرم اور رحمت کے پیکر حقیقی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان دشمنوں کی کچھ پرواہ نہ کرتے تھے، بلکہ نہایت استقلال و استقامت کے ساتھ تبلیغ اسلام میں دن رات مصروف رہا کرتے تھے ✦

دشمنانِ اسلام کو اپنی روز بروز کی ناکامیوں نے پہلے ہی مشتعل کر رکھا تھا، اس پر اس نئے واقعہ نے تیل کا کام دیکر ان کی آتش انتقام کو اور بھی بھڑکا دیا، چنانچہ ایک روز تمام مشرکین پھر جمع ہوئے، سب لوگ متعجبانہ انداز میں یہی کچھ کہتے تھے، کہ اس نئے نبوت کے مدعی کو ہم تو مجنوں اور جادوگر سمجھتے ہی رہ گئے، مگر وہ آہستہ آہستہ اپنی طاقت بڑھا رہا ہے

شاہ نجاشی تک نے اِس کی طرفداری اور عزت کی اور ہمیں دربار حبشہ سے بھی ذلیل ہوکر ناکام واپس ہونا پڑا، آلِ ہاشم اس کی حمایت میں تلے کھڑے تھے اور اب عمرؓ بن الخطاب جیسا جری شخص اس کا رفیق بن گیا ہے، اِسی کے بل پر تو کعبہ میں اُنہوں نے اپنے اَن دیکھے خدا کی عبادت بھی کر لی، اب بھی اگر ہم لوگ خاموش ہوگئے تو یہ نئے پیغمبر اور اس کے ساتھی ایک روز ہمارے معبودوں کو ہمارے ہی مُنہ پر گالیاں دینگے، اور ہمیں سننا پڑیگی، کچھ دیر تو ایسی ہی افسوسناک باتیں ہوا کیں، اس کے بعد ایک نے بھرے مجمع میں کھڑے ہو کر خوفناک تجویز پیش کرتے ہوئے کہا :-

اگر بنی ہاشم اِس نئے پیغمبر اور اَن دیکھے خدا کے ماننے والے لوگوں کا ساتھ دیتے ہیں تو کیوں نہ اِن سے قطع تعلق کر لیا جائے، اِس پر دوسرے نے کہا :-

"بالکل ٹھیک ہے، ہم سب کو اِن سے میل جول لین دین شادی بیاہ بلکہ ہر قسم کے تعلقات کلیتہً موقوف کر دینے چاہئیں، تیسرے نے کہا :-

اِس سے اچھی تجویز اور کوئی نہیں ہوسکتی، چند ہی روز میں ان کے تکلے کے سے بل نکل جائینگے، اور اِس نئے مذہب کا قلع قمع ہو جائیگا ؞

چوتھے نے کہا، اِس تجویز کو یقیناً سب پسند کریں گے، لیکن ساتھ ہی اسکے ہم سب کو آپس میں اِس بات کا بھی عہد کر لینا چاہیئے، کہ اگر ہم میں سے کوئی کسی ہاشمی کو جان سے مار بھی دے، تو وہ قابل مواخذہ نہ ٹھہرایا جائے ؞

غرضیکہ ایسی چند تقریروں کے بعد آخر اسی تجویز کو پسند کیا گیا، کہ بنی ہاشم سے تین سال کیلئے کلی تعلقات قطع کر دیئے جائیں ؞

چنانچہ اس تجویز کو پختہ کرنے اور مزید اطمینان کیلئے تحریری عہد نامہ[1] کی صورت میں

[1] اِس عہد نامہ پر تمام بنی ہاشم جن میں مسلمان اور کافر دونوں شامل تھے، ابوطالب کے گروہ میں داخل ہو گئے تھے، مگر حضور علیہ السلام کا سوتیلا چچا ابولہب جس کا نام عبدالعزیز بن عبدالمطلب تھا اُن سے قطع تعلق کر کے قریش کے ساتھ جا ملا (علامہ شبلی)

لاکر خانہ کعبہ میں لٹکا دیا گیا، اور تمام مشرکین نہایت سختی سے اس پر کاربند ہو گئے۔

یہ واقعہ ۶ ؁ھ یعنی عہد رسالت کے ساتویں سال کا واقعہ ہے، جب دشمنانِ اسلام نے اسلام کو دنیا سے مٹا دینے کی سب سے زیادہ خطرناک آخری تجویز پر عمل کر کے ہادیٔ اسلام کے ساتھ تمام صحابہ کرامؓ بلکہ خاندان ہاشمی کو بھی فنا کر دینے کا تہیہ کر لیا تھا، حضور علیہ السلام اور ان کے نام لیواؤں کے باعث جب ابوطالب اور آلِ ہاشم کو اہلِ قریش کے اس مقاطعہ کا حال معلوم ہوا، تو وہ نہایت پریشان ہوئے، بستی کے کل باشندوں کا صرف ایک گھرانے کو چھوڑ دینا کوئی معمولی بات نہ تھی، خاندان ہاشم کے کلی تعلقات شہر مکہ کے تمام لوگوں سے منقطع ہو چکے تھے، بیچارے نہ کسی سے مل سکتے تھے، نہ کسی سے بات کر سکتے تھے، کھانے پینے کی چیزیں کس سے مول لیتے، اور کہاں سے لاتے، آخر مجبور ہو کر ابوطالب اپنے بھتیجے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جان بچانے کیلئے اپنے خاندان کے لوگوں کو لیکر پہاڑ کی ایک گھاٹی میں محصور ہو گئے، وہ گھاٹی اب تک شعب ابو طالب کے نام سے مشہور ہے۔

پہاڑ کی اس تنگ و تاریک گھاٹی میں جہاں اناج کا ایک دانہ تک مہیا کرنا ناممکن تھا، وہاں حضور علیہ السلام اور ان کے رفقا کو جو جو عقوبت خیز سختیاں برداشت کرنا پڑیں وہ انسان کے انتہائے ظلم کا ایک ہیبتناک واقعہ ہے۔

شعب ابو طالب کے مظلوم محصورین جنگلی بوٹیاں اور درختوں کے پتے کھا کھا کر زندگی کے دن کاٹنے لگے کسی کو اگر کہیں سے خشک چمڑے کا ایک آدھ ٹکڑا مل جاتا، تو وہ اسے نعمت غیر مترقبہ سمجھ کر پانی میں بھگو کر اسی سے گذارا کرتا، رات کے وقت وہ بھی جب کبھی دشمنوں سے موقع ملتا، تو باہر نکل کر پانی لے آتے، یا حج کے دنوں میں جب میلہ کا بازار لگتا، تو اس موقعہ پر کھانے کی چیزیں لے آتے۔

ماؤں کی چھاتیاں خشک ہو جانے کے باعث شیر خوار بچے بھوک سے چلاتے، بوڑھے ضعیف و نقاہت سے کراہتے۔ جوان بھوک سے تڑپتے اور دشمنانِ دین شعب کے

باہر کان لگا کر ان مظلوموں کی آہ و بکا سنتے تھے، بجائے اس کے کہ اس دردناک عذاب سے انکو کچھ رحم آتا، وہ اور خوش ہوتے، مشرکین کے زعم میں یہ خوشی بیجا نہ تھی، کیونکہ وہ اپنی قوم کے نہیں، بلکہ اسلام کے دشمن تھے، ان کا خیال تھا، کہ اس مُہلک عذاب سے تنگ آکر نئے پیغمبر اور ان کے حمایتی بہت جلد دین اسلام سے منحرف ہو جائینگے اور اس طرح نہایت آسانی کے ساتھ مذہب اسلام کا خاتمہ ہو جائیگا +

لیکن یہ کسے معلوم تھا، کہ خدائے واحد نے مسلمانوں سے یہ وعدہ کر لیا ہے :-

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَیَجْعَلُ لَھُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا ۝ مریم ع ۶	ترجمہ:- جن لوگوں نے ایمان لاکر اچھے عمل کئے خدائے رحمٰن یقیناً انکی طرف سے کفار کے دلوں میں عنقریب گرویدگی پیدا کریگا

خداوند کریم کے اس وعدہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم مطلع ہو چکے تھے، اور مسلمانوں کو اس پر کامل یقین تھا، اگر شعب ابو طالب میں حضور علیہ السلام اور انکے رفقا کو تین سال کے قریب ہولناک مصائب جھیلنا پڑے، لیکن سب مسلمان مطمئن تھے، حضور علیہ السلام کا پاکیزہ قلب اس بات کی گواہی دے رہا تھا، کہ جن سنگدل دشمنوں نے یہ ظلم ناروا کیا ہے، خداوند کریم ان کے پتھر سے زیادہ سخت دلوں کو نرم کر کے انہیں کے ہاتھوں مسلمانوں کو اس تاریکی سے نکال کر اسلام کو روشن کریگا +

لیکن مشرکین شانِ وحدت سے محض ناواقف تھے، انکی خیالی مسرتوں کی تقویت کا ایک باعث یہ بھی تھا +

چونکہ ان دنوں شاہنشاہ فارس پرویز کو اپنے محسن موریس کے قتل ہو جانے پر یہ موقعہ مل گیا تھا، کہ وہ بھی روم کے بعض صوبوں پر قبضہ کرے چنانچہ ظاہر اطوار اس نے اپنے محسن موریس کے قاتلوں سے بدلہ لینے کا بہانہ کر کے اپنی فوجوں کے ساتھ ملک شام پر حملہ کر دیا، شام کے یہودی اسکے مددگار تھے، اسلئے پرویز نے شام، مصر اور افریقہ کو فتح کر لیا، علاوہ ازیں انطاکیہ، دمشق، بیت المقدس، اور ملک شام و فلسطین کے دوسرے تمام

شہروں پر قبضہ کرنے کے علاوہ پرویز نے اپنی فوج کو یروشلیم کے لوٹ لینے کی عام اجازت دے دی، چنانچہ پرویز کی یہودی فوج نے قبر مقدس کو جلا دیا، کیسہ قیاستہ کو پھونک دیا، جسقدر مال و خزانہ وہاں جمع تھا، سب نکال لیا، وہاں کے بطریق کو پکڑ کر اور اصلی صلیب کو اٹھا کر فارس روانہ کر دیا، اسی طرح وہ ۶۱۶ء تک برابر ملک شام میں لوٹ مار کرتے رہے، اس عرصہ میں انہوں نے جس قدر عیسائیوں کو قتل کیا، ان کی تعداد ۹۰۰۰۰ تک پہنچتی ہے، گویا آتش پرستی کے شعلوں نے مسیحی روشنی کو ماند کر دیا تھا، اور ان خبروں کو سن کر مشرکین مکہ بے انتہا خوش ہوتے تھے، وہ اس لئے کہ تمام عرب ان دنوں بت پرستی میں منہمک تھا، جب سے نجاشی عیسائی بادشاہ حبشہ نے مسلمانوں کی امداد کی، اس وقت سے مشرکین مکہ نے سمجھ لیا تھا، کہ اسلام کو عیسائیت سے کچھ نہ کچھ مناسبت ہے، جس طرح والئ حبشہ نے مسلمانوں کے مقابل ہم لوگوں کو ذلیل کیا ہے، ممکن ہے، کہ قیصر روم بھی مسلمانوں کی امداد کرنے کیلئے ایک دن اٹھ کھڑا ہو، یہی وجہ تھی، کہ وہ ان دنوں مذہب عیسوی کے لحاظ سے قیصر روم کے دشمن تھے، اور اس کی شکست پر خوش ہوتے تھے، مگر حضور علیہ السلام وحی کے ذریعہ اس بات سے بھی واقف ہو چکے تھے ✣

لہ فتح مکہ کے وقت جب حضرت محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے تمام بت کعبہ سے نکالے گئے، تو ان میں حضرت مریم کی ایک مورت بھی موجود تھی، لیکن مسیحیت کو جو چوتھی صدی عیسوی سے سیاسی حیثیت اختیار کر کے جوع الارض کے مرض میں مبتلا ہو گئی تھی وہ اپنا دشمن سمجھتے تھے، کعبہ کے انہدام کی غرض سے ابرہۃ الاشرم کی فوج کشی انکی رائے میں صاف اس امر کی دلیل تھی، کہ مسیحیت عرب کے کان میں اپنی غلامی کا حلقہ ڈالنے پر تلی ہوئی تھی، قیصر روم کے حلیف اہل سیسنیا کے مسیحی قبضہ سے آزاد کرانے کیلئے ایران سے اگر مداخلت کی استدعا کی گئی، تو اسکی تہہ میں یہی جذبہ چھپا ہوا تھا، کہ اگر محکوم ہی ہو کر رہنا ہے تو مسیحیت سے آتش پرستی افضل ہے ✣

قریش کے دل میں اپنے اس وفد کی ناکامی کی یہ بھی کانٹا بنکر کھٹک رہی تھی، جو وفد مہاجرین اولے کی حوالگی کے مطالبہ کے لئے نجاشی کے دربار میں پہنچا تھا، مگر خائب و خاسر ہو کر بے نیل و مرام واپس آیا تھا، ایک مسیحی دربار کی طرف سے سفراء مکہ کی بے توقیری ایک ایسی ذلت تھی جسے قریش کی آبائی غیرت باسانی گوارا نہ کر سکتی تھی، اس لئے جب خسرو پرویز کی تابڑ توڑ فتوحات اور قیصر روم کی پے درپے شکستوں کی خبریں مکہ میں پہنچیں، اور واقعات کی رفتار نے تمام دنیا کے ساتھ عرب کو بھی یقین دلا دیا، کہ آتشکدہ فارس کی روشنی کے سامنے روم کی مسیحی مشعل ہمیشہ کیلئے ماند پڑ گئی ہے، تو قریش کے گھروں میں گھی کے چراغ جلنے لگے ✣

لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے معدودے چند نومسلموں اور خاندان بنی ہاشم کے ساتھ اگرچہ شعب ابو طالب میں نظر بند تھے، لیکن زبانِ حقیقت بند نہ تھی، خداوند کریم نے اپنے پیغمبر کو وہیں اپنے اس کلام پاک سے بھی مطلع فرما دیا تھا :-

الٓمّٓ ۝ غُلِبَتِ الرُّوْمُ فِیْٓ اَدْنَی الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ ۝ فِيْ بِضْعِ سِنِيْنَ لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْۢ بَعْدُ وَيَوْمَئِذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ بِنَصْرِ اللّٰهِ يَنْصُرُ مَنْ يَّشَاۗءُ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝ وَعْدَ اللّٰهِ لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ وَعْدَهٗ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝

ترجمہ :- یعنی، الم، قریب کے ملک (یعنی فارس) میں رومی جو نصاریٰ ہیں، اہل فارس آتش پرست سے مغلوب ہو گئے ہیں، لیکن یہ لوگ اپنے مغلوب ہوئے پیچھے عنقریب چند سال میں (پھر اہل فارس پر) غالب آجائیں گے (اس سے پہلے بھی فتح و شکست کا اختیار اللہ تعالیٰ کو ہی تھا، اور اس واقع کے بعد بھی اسی کو اختیار ہے، اور اُس دن (جبکہ رومی غالب ہونگے) مسلمان اللہ تعالیٰ کی مدد سے خوش ہو جائینگے، وہ جسکی چاہتا ہے، مدد کرتا ہے، اور وہ زبردست (اور) رحم والا ہے، یہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے (اور اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کیخلاف نہیں کیا کرتا لیکن اکثر لوگ نہیں سمجھتے +

علماءِ دین نے اس کلام ربانی کی تفسیر میں بضع سنین (چند سال) سے کم از کم تین اور زیادہ سے زیادہ دس سال مدت تفسیر کی ہے +

غرضیکہ حضور علیہ السلام اور اِن کے نام لیواؤں کے ساتھ آلِ ہاشم کو شعب ابو طالب میں لاانتہا مصائب جھیلتے تین سال کا عرصہ جب گذر چکا، تو اہل قریش میں سے چند لوگوں کے دلوں میں محصورین شعب کے روح فرسا مظالم کی نسبت رحم پیدا ہوا، اور اُنہوں نے قریش کے اس عہد نامہ کو توڑنا چاہا، چنانچہ چند لوگ حجوں (گھاٹی) کے قریب جمع ہوئے، اُنہوں نے آپس میں عہد و پیمان کیا، زہیر امیۃ المخذومی نے کہا، کہ میں سب سے پہلے یہ کام کرونگا، اگلے روز صبح کو سب پھر جمع ہوئے، اور زہیر خانہ کعبہ کا طواف کر کے لوگوں کی طرف گئے، اور ان سے کہا، اَے اہل مکہ ہمارے لئے تو ہر قسم کا کھانا اور لباس موجود ہے، لیکن بنی ہاشم کی یہ حالت ہے، کہ اِن کے پاس نہ کھانے کو کچھ ہے، نہ پہننے کو اور نہ وہ کچھ خرید سکتے ہیں، خُدا کی قسم جب تک میں اس

ظالمانہ عہدنامہ کو چاک نہ کرالونگا، خاموش نہ بیٹھوں گا ٭

ابوجہل وہیں موجود تھے، اس نے زہیر سے کہا، میں ہرگز اس عہدنامہ کو چاک نہ کرنے دونگا زمعہ ابن اسعد نے ابوجہل کو مخاطب کر کے کہا، خدا کی قسم تو نے جھوٹ کہا، اس عہدنامہ کے لکھنے کے وقت ہم نے اپنی رضامندی ظاہر نہیں کی تھی، آخر اسی کشمکش میں مطعم نے اُٹھ کر وہ عہدنامہ پھاڑ ڈالا ٭

غرضیکہ حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم آل ہاشم کے ساتھ اس قعر ہلاکت سے نکلے، اور پہلے سے بھی زیادہ تبلیغ اسلام کا کام انجام دینے لگے، قاعدہ کی بات ہے، کہ انسان مصائب جھیل کر مستقل مزاج ہو جاتا ہے، نومسلموں نے بھی شعب ابو طالب کی قید سے نجات پا کر کھلم کھلا مشرکین سے دین اسلام کی صداقت اور خوبیاں بیان کرنا شروع کر دیں، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے تو حضور علیہ السلام کے الہامی حکم کے مطابق یعنے خداوند کریم کے ان دو تاریخی واقعات کے سرچشمہ وعدوں کی نسبت کفار سے کہا، کہ مسلمانوں سے خدا نے جو وعدہ کیا وہ حرف بحرف پورا ہوا، اب یہ دو وعدے خدا کے وعدے نے ہمارے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وساطت سے فرمائے ہیں، پہلا وعدہ یہ ہے، کہ روم چند سال میں فتحیاب ہوگا، اور دوسرا وعدہ یہ ہے کہ رومیوں کی فتح نصرت کے ساتھ ہی مسلمان بھی مشرکین پر مظفر و منصور ہونگے، کفار نے جب ان ہر دو زبردست وعدوں کو سنا تو تمسخرانہ انداز میں کہنے لگے، لو اور سنو، خسرو پرویز جیسے ذی اقتدار اور فاتح بادشاہ پر ہزیمت خوردہ قیصر روم فتح حاصل کریگا، اور یہ مٹھی بھر مسلمان لاکھوں پر مظفر ہونگے، ان خلاف قیاس وعدوں کا بھی بھلا کچھ ٹھکانا ہے ؟

لیکن صادق الایمان مسلمانوں پر کفار کے اس تمسخر کا کچھ اثر نہ ہوا، بلکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی قوت ایمانی سے مجبور ہو کر صاف کہدیا، کہ یہ دونوں وعدے ضرور پورے ہو کر رہینگے اگر کسی مشرک کو اس پر بھی یقین نہ ہو تو میں دس اونٹ اس پر شرط بدتا ہوں، مشرکین میں سے تو ابی ابن خلف نے ان وعدہ کو اپنے زعم میں ایک یاوہ گوئی سمجھ کر اسی وقت یہ شرط قبول

کرلی، حضور علیہ السّلام کو جب اس بات کی خبر ہوئی، تو آپ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے فرمایا، شرط بڑھنے کی کیا ضرورت تھی، یہ تو خدا کا وعدہ ہے، جو ضرور پورا ہو کر رہے گا، بضع سنین کی مدّت اگرچہ تین سال کی ہے، لیکن اسکی آخری مدّت دس سال تک بھی ہے ✦

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد جو سُنا، تو اسکی صداقت میں مشرکین سے بجائے دس کے سو اونٹوں کی تعداد شرط بڑھا دی ✦

اسلام کا یہ تاریخی واقعہ پیشین گوئی کا بڑا زبردست معجزہ ہے، یعنی دو زبردست سلطنتوں کے متعلق برسوں پہلے اس وثوق کے ساتھ قطعی فیصلہ کر دینا کسی بشر کا اپنا کام نہیں ہو سکتا، آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو اُمّی تھے، آپکو ان دونوں سلطنتوں کی فوجی قوّت اور انتظام جانچنے کا کبھی موقعہ ہی نہ ملا تھا، تھوڑی دیر کے لئے (نعوذ باللہ) اگر یہ بھی مان لیا جائے، کہ حضور علیہ السّلام کی یہ ذاتی رائے تھی، تو اس کو وحیِ آسمانی قرار دے کر مشتہر کرنا شانِ رسالت کی بڑی مستحکم دلیل ہے

یہ ۶۱۹ء کے واقعات ہیں، یعنی رسالت کے دسویں سال جب حضور علیہ السّلام اور اُن کے اصحاب شعب ابوطالب کی قید سے آزاد ہوئے، انکو تقریبًا ایک سال ہو چکا تھا، اور وہ باوجود دشمنان اسلام کی اذیتوں کے تبلیغ اسلام میں برابر مصروف تھے، لیکن اس سال ہادیٔ اسلام حضور پر نور صلے اللہ علیہ وسلم کو ایک نہایت دردانگیز سانحہ پیش آیا، یعنے آپ کے مربی و مشفق چچا ابوطالب ایسے سخت بیمار ہوئے، کہ اِن کے بچنے کی اُمید نہ رہی، چونکہ ابوطالب نے حضور علیہ السّلام کو آٹھ برس کے سن مبارک سے پرورش کیا تھا، اور اُس وقت تک حضور علیہ السّلام پر اپنی جان نثار کرنے کیلئے ہر وقت تیار رہے، اس لئے، حضور علیہ السّلام کو اپنے محسن چچا کی بڑی محبت تھی، اور آپ چاہتے تھے، کہ اس آخری وقت میں بھی ابوطالب مسلمان ہو جائیں ✦

چنانچہ اسی شفقت کے لحاظ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے شفیق چچا ابوطالب سے نزع کی حالت میں فرمایا، چچا جان! مجھ پر تمہارے بہت سے احسانات ہیں، اور آپ نے دیگر مسلمانوں کی بھی مدد کی ہے، لہذا میری تمنا ہے، کہ آپ اپنی زبان مبارک سے ایک دفعہ کلمہ شہادت پڑھ

لیجیے، تاکہ قیامت کے دن خداوند کریم کے روبرو میں آپ کی شفاعت کر سکوں ÷

لیکن ابوطالب نے کچھ سوچ کر یہ جواب دیا، اے میرے بھتیجے! مجھے تیرے خوش کرنے میں اب بھی کوئی عذر نہ تھا، لیکن مجھے اس بات کا خیال آتا ہے، کہ میرے مرنے بعد اہلِ قریش کی عورتیں تک مجھے اِس طعنے سے یاد کرینگی، کہ ابوطالب نے موت سے ڈر کر آخری وقت اپنے بھتیجے کا کلمہ پڑھ لیا ÷

حضور علیہ السّلام کو اپنے مشفق چچا کے اس جواب سے نہایت افسوس ہُوا، آخر ابوطالب پچاسی سال سے کچھ اوپر ہی کی عمر میں فوت ہو گئے ÷

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دل پر ابھی اس صدمہ جانکاہ کی یاد تازہ تھی، کہ مشرکین مکّہ نے آپ کو طرح طرح کے مصائب میں مبتلا کر دیا، کیونکہ ابوطالب کی زندگی میں دشمنانِ اسلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا پہنچاتے کچھ ڈرتے بھی تھے، لیکن اب جس کا ڈر تھا، وہ تھا ہی نہیں، مشرکین سے جو کچھ ہو سکا، اُنہوں نے کیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم سب مصائب جھیلتے رہے، تاہم دن بھر کے غم و آلام سے حضور علیہ السلام کو اپنے گھر میں ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا، سے بڑی تسکین ملتی تھی، مگر قدرت کو یہ بھی منظور نہ تھا، خدا تعالیٰ کو اپنے مقرب رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے صبر کی آزمائش منظور تھی، چنانچہ ابوطالب کی وفات کے چند[1] روز بعد ہی حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا بھی رحلت فرما گئیں ÷

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ایک برگزیدہ خاتون تھیں، آپ نے تمام مرد اور عورتوں میں سب سے پہلے اسلام قبول کیا تھا، جب مشرکین کی تکلیفات پہنچانے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مغموم ہو جاتے تھے، تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا آپکی تسکین کرتی تھیں، غارِ حرا میں جہاں حضور علیہ السلام پر وحی نازل ہوتے وقت تکلیف محسوس ہوئی، اور آپ اپنے

[1] بعض اسلامی روایات کے مطابق حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا، کی وفات حسرت آیات سنہ ہجری سے تین سال قبل درج ہے، اور ابوطالب کی وفات سے ۲۵ روز بعد اور علامہ برزنجی نے وفات ابوطالب کے تین روز بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات لکھی ہے: واللہ اعلم

گھر پر واپس تشریف لائے، تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے حضور علیہ السلام کو اسقدر تشفی دی تھی، کہ آپ مطمئن ہو گئے تھے، چنانچہ ایسی مونس اور غمگسار بیوی کی مفارقت میں حضور علیہ السلام کئی روز تک غم و اندوہ میں مبتلا رہے، چونکہ یہ سال حضور علیہ السلام کیلئے رنجدہ ثابت ہوا تھا، اس لئے یہ سال عربی محاورہ کے مطابق سالِ حزن کے نام سے مشہور ہو گیا۔ +

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے زینب، رقیہ، ام کلثوم، فاطمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہما یہ چار بیٹیاں، اور قاسم (جن کے نام سے آپ کنیت فرماتے تھے) طاہر و طیّب رضی اللہ عنہم تین لڑکے پیدا ہوئے[۱] +

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ کے رفیق صادق تھے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ان صدمات کے باعث مغموم دیکھ کر اپنی ذہین اور عاقلہ صاحبزادی یعنی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا جنکی عمر ابھی چھ سال کے قریب تھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں دینے کی درخواست کی، تاکہ ایک تو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا غم دور ہو، دوسرے تبلیغ اسلام میں حضور علیہ السلام کی رنجیدہ طبیعت سے کسی طرح کی رکاوٹ نہ ہو، تیسرے قرابت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا شرف حاصل ہو جائے، چونکہ یہ درخواست ایک ایسے ذی اثر اور رفیق صادق کی طرف سے تھی محبت اور سیاسی نکتہ نظر سے بھی اگر حضور علیہ السلام حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی درخواست کو منظور نہ کرتے، تو اسلام کے خلاف ہوتا، اس لئے حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کر لیا، چونکہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ابھی خورد سال

---

[۱] حضور علیہ السلام کے تینوں صاحبزادے بچپن میں ہی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ پیغمبری سے پہلے انتقال فرما گئے تھے، البتہ صاحبزادیوں نے اسلام کا مبارک زمانہ دیکھا، اور اسلام لائیں، حضرت زینب رضی اللہ عنہا سب سے بڑی بیٹی تھیں، جو نبوت سے پانچ برس پہلے پیدا ہوئیں، اور ان کا نکاح حضرت ابی العاص رضی اللہ عنہ صحابی سے ہوا، جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خالہ زاد بھائی تھے، حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا دوسری بیٹی تھیں، جن کا نکاح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ہوا، یہ نکاح ثانی تھا، ان کا پہلا نکاح مکہ شریف میں عتبہ بن ابی لہب سے ہوا تھا ۲ سنہ ھ میں حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کے فوت ہونے پر نکاح ثانی حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوا، اسی لئے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا لقب ذوالنورین ہے، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا یہ سب سے چھوٹی بیٹی تھیں ان کا نکاح حضرت علی کرم اللہ تعالےٰ وجہٗ سے ہوا:۔

تھیں، اس لئے انکی رخصتی نکاح کے تین سال بعد مدینہ شریف میں جا کر ہوئی +

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس نکاح کے بعد یہ واقعہ گذرا، کہ مشرکین مکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور انکے اصحاب کے درپئے آزار تو رہتے ہی تھے، اُنھوں نے موقعہ پاتے ہی ایک نومسلم غریب کو بڑی بیرحمی سے شہید کر ڈالا، اُنکی ستم رسیدہ بیوی اپنے شوہر کے شہید ہونے پر بالکل تنگدست اور شکستہ حال تھیں، اور ان کے بچوں پر مشرکین مکہ طرح طرح کے ظلم کرتے تھے، ان کا کوئی والی وارث نہ تھا، نہ پرسان حال، چنانچہ ازراہ ترحم حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شہید نومسلم کی بیوہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کر لیا +

یہاں پر مناسب معلوم ہوتا ہے، کہ مخالفین اسلام کے اس ہوّے یعنی کثرت ازواج کے اعتراض پر کچھ عرض کر دیا جائے، تاکہ ہادئ اسلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازدواج مطہرات کی نسبت اس بات کا جواب لکھ دیا جائے کہ حضور علیہ السلام نے کس بنا پر اتنے نکاح کئے +

دیانتدار معترضین کیلئے تو اتنا ہی کہدینا کافی ہے، کہ وہ قبل از اسلام عرب کی سوشل حالت پر نظر ڈالیں، کہ اس وقت عرب کی کیا حالت تھی، زنا اور لواطت سے قطع نظر کرتے ہوئے بھی، اہل عرب میں رواج اور قانون کی رو سے بہت سی بیویاں کرنی جائز تھیں، لیکن دین الفطرت اسلام نے بموجب ارشاد باری تعالےٰ مسلمانوں کو صرف چار بیویاں کرنے کی اجازت دی، اور ساتھ ہی اس بات کی فہمائش کر دی، کہ چار بیویوں کی موجودگی میں اور کسی عورت سے نکاح کرنا جائز نہیں، لیکن چار عورتوں سے وہی شخص نکاح کر سکتا ہے، جس میں مقدور ہو، کہ وہ چاروں سے یکساں برتاؤ کر سکے، اگر کوئی شخص ایک بیوی پر اکتفا کر سکے، تو وہ اس سے بہتر ہے، کہ شاید وہ چاروں کی دلجوئی نہ کر سکے، اس طریق عمل سے صاف ظاہر ہے، کہ دین الفطرت اسلام کا مدعا یہ تھا، کہ موجودہ سوشیل حالت کو درست کر کے تمدنی حالت اور خانگی تعلقات کو اعلےٰ درجہ کے اخلاقی رتبہ پر پہنچایا جائے +

موجودہ وقت میں ایک ہی نکاح کرنے یا کسی عورت کے بیوہ ہو جانے پر اس کا نکاح ثانی

نہ کرنے کی نسبت جو کچھ بدکاریاں اور اخلاقی جرائم آئے دن دیکھے جاتے ہیں، اس کا تذکرہ کرتے ہوئے ہمیں شرم آتی ہے،

ہندوستان کی موجودہ تہذیب تو یورپ کی ادھوری تقلید ہے، یورپ کی مکمل تہذیب کو ہی دیکھ لیجئے، کہ وہاں صرف کثرت ازدواج کا قانون نہ ہونے سے ہی بدکاری اور سیاہ کاریوں کے کیسے گھناؤنے طوفان اُمڈ رہے ہیں، اور آئے دن مقدمات طلاق سوشیل بدنامیاں اور شوہرانہ مصائب کے وہ حالات جن کو سنکر شرم اور نفرت پیدا ہوتی ہے، ہر ایک اخبارات میں شائع ہو رہے ہیں، کیا یہ آج کل کی سوشیل حالت ہی اس بات کا بدیہی ثبوت نہیں ہے، کہ اسلام نے آج سے چودہ سو برس پہلے اس بدترین حالت کو مدنظر رکھ کر ہی نکاح ثانی کا حکم دیتے ہوئے اس وقت کی سوشیل حالت کو بہترین بنانے کی کوشش کی تھی، اور آج معترضین کی قوم اور ملک میں کثرت ازدواج پر عمل کرنے کی ابتدا بھی ہو رہی ہے، چنانچہ ہندوؤں میں آریہ سماج کے بانی دیانند جی نے ہادیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے اسی قانون کے مطابق نکاح بیوگان کو جائز قرار دیا ہے، اور یورپ میں بھی نکاح ثانی کی بہتری کو تسلیم کیا جا چکا ہے، اسلام کا یہ دعویٰ بیجا نہیں ہے، کہ اس کا کوئی قانون حکمت سے خالی نہیں ہے، اور اس کا دستور العمل خداوند کریم کا بنایا ہوا ہے، سب مسلمانوں کا ایمان یہی ہے، کہ مذہب اسلام جو خدا کی طرف سے ہادیٔ اسلام حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کو تفویض کیا گیا ہے، اور اس کا دستور العمل قرآن مجید جو تمام بندگانِ خدا کیلئے سراسر حکمت ہے، جوں جوں زمانہ گزرے گا اور جس قدر سائنس اور دیگر علوم کی ترقی ہوگی اسی قدر قرآن مجید کی حکمت اور قانونِ اسلام کی بہتری و برتری دنیا پر ثابت ہوتی رہے گی، اسلام کا یہ دعویٰ قرآن مجید میں بہت سے مقامات پر ہے، ایک جگہ یہ ہے

كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ ۝	ترجمہ:۔ کہ وہ حکمت کی باتیں ہیں، انکو پھر کھول کھول کر بھی بیان کیا ہے ؎

ایک جگہ یہ ارشاد ہے :- مِنۡ لَّدُنۡ حَکِیۡمٍ خَبِیۡرٍ ۞ یعنی یہ اس ذات کی طرف سے ہے جو حکمت والا بھی ہے، اور جانتا ہے ۔ اسی طرح ایک مقام پر یہ دعویٰ ہے، کہ :-

لَا یَاۡتِیۡهِ الۡبَاطِلُ مِنۡۢ بَیۡنِ یَدَیۡهِ وَ لَا مِنۡ خَلۡفِهٖ ؕ تَنۡزِیۡلٌ مِّنۡ حَکِیۡمٍ حَمِیۡدٍ ۞	ترجمہ:- یہ قرآن اُتارا گیا ہے، اُس خدا کی طرف سے جو حکمت والا اور حمد والا ہے، اسلئے باطل نہ سامنے سے حملہ آور ہو سکتا ہے اور نہ پیچھے سے ۔

قرآن مجید جو کہ خدائے وحدہٗ شریک کا کلام لازوال اور دین الفطرت اسلام کا مکمل دستور العمل ہے، اس میں دیگر مذاہب کے ساتھ صلح آشتی کا جو طریق عمل اور اللہ تعالےٰ نے اپنی رحمت و شفقت سے جو احکامات بیان فرمائے ہیں، اگر بغیر کسی تعصب کے اسلام کے اس مکمل دستور العمل کا بغور مطالعہ فرمایا جائے تو یقیناً ہر ایک شخص کو اسکی صداقت کا اعتراف کرنا پڑے گا ۔

جو اصحاب سطحی نظر میں قرآن مجید و مذہب اسلام اور ہادیٔ اسلام حضور پُر نور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے طرز عمل پر محض سنی سنائی باتوں پر اعتراض کرنیکے خوگر ہیں، یا جن مسلمانوں کو ایسے اعتراضات سننے پڑتے ہیں، اور وہ اپنی مذہبی تعلیم کی ناواقفیت کے باعث ان اعتراضات کا جواب دینے سے نہ فقط معذور ہیں، بلکہ انکے دلوں میں اسلام کے بعض احکامات کی نسبت شکوک پیدا ہو جانے کا احتمال ہے ایسے اصحاب کے مطالعہ کیلئے ہم نے بعض اسلامی احکامات کی تشریح کر دی ہے، ورنہ ہم جانتے ہیں کہ تاریخ کو ان استدلال مذہبی سے ایسا ضروری تعلق نہیں ہے، لہذا موجب تعلیم اسلام کسی ایک شخص کا دل دکھائے بغیر ہم بعض ان اعتراضات کو صاف کر دینا چاہتے ہیں ۔

چنانچہ مسلمانوں کے متعلق عام طور سے خیال ہے، کہ یہ ایک جنگ جُو قوم تھی لیکن یہ جنگ انہوں نے کیوں کئے، کیا غرض تھی، معترض تو کہیں گے کہ اس لئے کئے کہ اسلام کو بزور شمشیر منوا دیں، لیکن حقیقت کیا ہے، جہاں جنگ کا اذن دیا جاتا ہے وہاں کس

طرح شروع ہوتا ہے، فرمایا،

أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا ؕ

ترجمہ:- ان لوگوں کو اجازت دی جاتی ہے، جن کے ساتھ جنگ کی جاتی ہے، کیونکہ ان پر ظلم ہوا،

یہ جنگ کی ابتدا ہے، کوئی دوسری قوم ان کے ساتھ جنگ شروع کر چکی ہے، انکو تلوار سے مٹانا چاہتی ہے، اس سے بچاؤ کرنے کی اجازت دی جاتی ہے، یہ تو ابتدار ہے جنگ کی، لیکن اس اذن کی غرض کیا ہے، ان جنگوں میں کون سی بات مدنظر ہوگی فرمایا،

وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَصَلَوٰتٌ وَمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا اسْمُ اللَّهِ كَثِيرًا - حج

ترجمہ:- اگر اللہ تعالیٰ اس طرح سے بعض لوگوں کا بعض سے دفعیہ نہ کرادیتا، تو راہبوں کی کوٹھریاں، ور گرجے اور عبادت خانے اور مساجد جن میں اللہ کا ذکر کثرت کے ساتھ ہوتا ہے مسمار ہو جاتے ۔

یہ ہے اسلام کے جنگوں کی غرض پہلے فکر جو پڑی ہے، تو عیسائی راہبوں کی کوٹھریوں کی گرجوں اور دیگر عبادت خانوں کی یہ ہے، وہ بہت بڑا احسان جو اسلام نے دیگر مذاہب پر کیا ہے، کہ ان کے عبادت خانوں کو گرنے سے بچالیا، یہ کیوں؟ کس لیے عیسائی راہبوں کی کوٹھریوں کی فکر پڑتی ہے، کیا ان کو کوئی اچھی نظر سے دیکھتا ہے، نہیں دوسری جگہ خود ہی فرمایا ہے،

وَرَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ إِلَّا ابْتِغَاءَ رِضْوَانِ اللَّهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا

ترجمہ:- یہ رہبانیت اُنہوں نے خود ہی ایجاد کر لی ہم نے ان کے اوپر نہیں رکھی پر وہ اس کا حق رعایت ملحوظ نہیں رکھ سکے

یہ تو ان کی رہبانیت کا حال ہے، پھر ان راہبوں کا جن کی کوٹھریوں کی حفاظت کرتا ہے عقیدہ کیا ہے، کہ مسیح خدا کا بیٹا ہے، اس کے متعلق بھی صاف طور پر فرمایا ہے ۔

تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْأَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا - مریم ع ۶

ترجمہ:- قریب ہے کہ آسمان اس سے پھٹ پڑیں، اور زمین شق ہو جائے، اور پہاڑ کانپ کر گر پڑیں،

تو ان کے عقیدے کو یہاں تک برا جانتا ہے، انکی رہبانیت کو وہ جائز نہیں رکھتا لیکن باایں ہمہ سب سے پہلے کہتا ہے، لَهُدِّمَتْ صَوَامِعُ، راہبوں کی کوٹھریاں گر پڑیں گی

اگر اللہ تعالےٰ جنگ نہ کرائے، ساتھ ہی فرمایا، صَوَامِعُ، اور گرجے بھی، یعنے ابھی راہبوں کی کوٹھریوں کی فکر تھی، اب گرجوں کی بھی فکر ہوگئی، جہاں رات دن مسیح کی خدائی کا ذکر ہے، پھر فرماتا ہے، وصلوٰت اور بھی عبادت خانے ہیں، آخر پر مساجد کو رکھا اور ساتھ ہی کہا، کہ ان میں اللہ کا ذکر بہت کثرت سے ہوتا ہے، لیکن اس کے باوجود دوسرے مذاہب کے عبادت خانوں اور گرجوں کو پہلے رکھا، یہ ہے، وہ عزت جو اسلام نے دوسرے مذاہب کی روا رکھی ہے، یہ ایک بہت ہی مشکل کام ہے، کہ کوئی کسی دوسرے شخص کو مقدم کرے، اور اپنے آپکو پیچھے رکھے، یہ اسلام ہی کا احسان ہے، جو اس نے دوسرے مذاہب پر کیا ؛

غرضیکہ اسلام تو عملی رنگ میں دوسرے مذاہب کی وہ عزت کرتا ہے، اس پر ہی بس نہیں، بلکہ اس سے آگے اور ترقی کرتا ہے :۔

لَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ - انعام ع ۱۳	ترجمہ:۔ اِن کافروں کے معبودوں کو بھی جنکو وہ اللہ کے سوائے پکارتے ہیں، گالی نہ دو ؛

گویا ہمیں تمام مذاہب کے بزرگوں کی عزت کرنی سکھائی ہے، چاہے لوگ انہیں مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ معبود بنائے ہوئے ہوں، الغرض ایک طرف علوم کے رنگ میں تمام مذاہب کے نقائص اصولی ظاہر کئے اور دوسری طرف عملاً ان کی یہ عزت کی، اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے :۔ کہ

اسلام کی پوزیشن دیگر مذاہب میں

اسلام کی اپنی کیا پوزیشن ہے یعنی دوسرے مذاہب کی عزت تو یہاں تک کی، کہ مثلاً جہاں کہیں تورات کا بھی ذکر کریگا، تو فرمادیگا فیھا ھُدًی و نور، تو جب اس کے اندر ہدایت اور نور موجود ہے، تو تورات والے کہیں گے، کہ پھر اس قرآن کو ہمارے سامنے کیوں پیش کرتے ہو، ہدایت اور نور تو پہلے ہی ہماری اس کتاب میں موجود ہے، وہ اور کون سی بات ہے جس کے لئے

اِس کو مانا جائے، تو اس لئے سب سے پہلے اسلام اپنی بھی ایک پوزیشن قائم کرتا ہے فرمایا

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ

ترجمہ:۔ اور جب اللہ تعالےٰ نے نبیوں کے ذریعہ یہ عہد کرلیا کر دیکھو جو تم کو کتاب اور حکمت دی ہے پھر تمہارے پاس ایک رسول آئیگا، جو تصدیق کرے گا، اسکی جو تمہارے پاس ہے پھر تمہیں اس پر ایمان لانا ہوگا، اور اس کی مدد کرنی ہوگی ؛

دوسری جگہ فرمایا :۔

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ۔ مائدہ ع

ترجمہ:۔ اور ہم نے یہ کتاب آپکے پاس بھیجی ہے جو خود بھی صدق کے ساتھ موصوف ہے، اور اس سے پہلے جو کتابیں ہیں اُنکی بھی تصدیق کرتی ہے، اور ان کتابوں کی محافظ ہے، تو اُنکے باہمی معاملات میں اس بھیجی ہوئی کتاب کے موافق فیصلہ فرمایا کیجئے

پہلی آیت میں صاف ایک رسول کے آنے کا وعدہ دیا ہے، اور اس کی نشانی یہ بتادی کہ وُہ تمام دنیا کی کتابوں کی تصدیق کریگا، جاؤ اب ایک ایک کرکے تمام نبیوں کی کتابوں کو تلاش کرو، سوائے قرآن کریم کے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کسی کو بھی دوسری الہامی کتابوں اور نبیوں کا مصدق نہ پاؤ گے، بے شک تورات کو جس کا جی چاہے دیکھ لے، یا ویدوں[1] ہی سے کوئی نکال کر دکھائے، کہ اس نے کہاں دوسری کتابوں کی تصدیق کی ہے ✣

اب یہ بات کہ واقعی سارے نبیوں نے آپ کیلئے پیشگوئی کی تھی، اس کی تصدیق کسی قدر دقت طلب امر ہے، کیونکہ کئی نبیوں کی کتابیں ہی نہیں ملتیں، تو ان کی پیشگوئیوں کا کہاں سے پتہ لگے، لیکن اس کا ایک بڑا علاج بتادیا، کہ جس طرح محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب کا مصداق ہے، اسی طرح وُہ سب اس کی پیشگوئی کرتے ہیں، قرآن مجید کے متعلق فرمایا، یہ قرآن کریم واقعی اس کے اندر علوم کے خزانے جمع کردیئے گئے ہیں، چنانچہ اس قدر علوم کو اس نے بیان کیا ہے، کہ ایک جرمن پروفیسر نے ایک کتاب

[1] اگرچہ وید اسلامی نکتہ نظر سے الہامی نہیں ہیں، تاہم جو لوگ اس کو الہامی مانتے ہیں، وُہ لوگ مخاطب ہیں۔ (مؤلف)

لکھی ہے، جس کا نام ہے "قرآن کے متعلق نئی تحقیقات" وہ لکھتا ہے، کہ اُس (محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے معلوم ہوتا ہے، کہ اپنے پاس بائیبل کے نوٹ رکھے ہوئے تھے، کیونکہ قرآن مجید کے ایک ایک فقرہ بلکہ ایک ایک لفظ کے اندر اس نے بائیبل کے کئی کئی باب بیان کر دیئے ہیں، لیکن اس کو معلوم نہیں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بائیبل کا علم تو کیا ہونا تھا، آپ پڑھے ہوئے بھی نہ تھے، سلسلہ اسرائیلی میں سے دو باتیں قرآن مجید نے لے لیں، اور باقی سب کو چھوڑ دیا، اِس سلسلہ کے ایک تو جد اوّل حضرت ابراہیم علیہ السّلام کا ذکر کر دیا، کہ اِن کی دعا ہے :۔

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ - بقرع ۱۵	ترجمہ:۔ اے پروردگار اس جماعت کے اندر انہی میں کا ایک ایسا پیغمبر بھی مقرر کیجئے، جو ان لوگوں کو آپ کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سنایا کریں، اور اُن کو کتاب کی اور خوش فہمی کی تعلیم دیا کریں، اور اُن کو پاک کر دیں ؛

یہ دعا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق ہے، اس دعا کا ذکر تو صراحت کے ساتھ کیا، لیکن حضرت موسےٰ تک کی عظیم الشان اس پیشگوئی کو

"خداوند تیرا خدا تیرے لئے ہی درمیان سے تیرے ہی بھائیوں میں سے میری مانند ایک نبی پیدا کرے گا،" (استثنا ۱۸ - ۱۵)

محض ایک اشارہ کے رنگ میں بیان کیا جہاں فرمایا:۔

إِنَّا أَرْسَلْنَا إِلَيْكُمْ رَسُولًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَا أَرْسَلْنَا إِلَىٰ فِرْعَوْنَ رَسُولًا - مزمّل ع	ترجمہ:۔ بیشک ہم نے تمہارے پاس ایک ایسا رسول بھیجا ہے جو تم پر گواہی دینگے جیسا ہم نے فرعون کے پاس رسول بھیجا تھا ۔

یعنے وہ مثیل موسےٰ بن آگیا، لیکن ایک اور پیش گوئی کا بھی تصریح کے ساتھ ذکر کیا، اور وہ ہے، بنی اسرائیل کے آخری رسول حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کی پیشگوئی ان کی بھی بشارت کو نقل کیا :۔

مُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِن بَعْدِي	ترجمہ:۔ یعنی آپ نے فرمایا، کہ میں ایک رسول کی بشارت

اِسْمُهٗ اَحْمَدُ - صف ع　　دیتا ہوں، جو میرے بعد آئے گا، اور اس کا نام احمد ہو گا۔

گویا تمام نبی جس کا انتظار دلاتے آئے تھے، کہ وہ آئے گا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی کی بشارت لے کر آئے، کہ لو وہ اب آتا ہے، اسی طرح سے سارے نبیوں کا موعود آپ کو ثابت کر دیا، اسلام کی پوزیشن کی نسبت دوسرے مذاہب کا ہر ایک مذہب اس آخری دین کا وعدہ دیتا آیا، اور اس کو ماننے کی ہر ایک نے ہدایت دی۔

الغرض اسلام نے ثابت کر دیا ہے، کہ یہ مذہب تمام دنیا کیلئے اور ہادئ اسلام خدا کی طرف سے خدا کے احکام لیکر تمام دنیا کیلئے مبعوث ہوئے ہیں[۱] الکثرت ازدواج نکاح ثانی طلاق یا دیگر کسی ایک قانون پر معترضین کا اعتراض کرنا اس وقت تک لاحاصل ہے، جب تک وہ خود اپنے زیر اثر مذہب کے قوانین یا اپنے ہادی . . . . . کے اقوال واعمال سے مذہب اسلام کے قوانین اور ہادئ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے طرز عمل کا مقابلہ نہ کریں، اب رہا حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کا کئی عورتوں سے نکاح کرنا، اس میں اتنا ہی عرض کر دینا کافی ہے، کہ ہادئ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے (نعوذ باللہ) اپنی نفسانی خواہش کو پورا کرنے یا ذاتی اغراض کیلئے نہیں، بلکہ آپ نے جتنے بھی نکاح کئے، ملکی تمدنی، مذہبی حالت کے ماتحت کئے، (اگر صحت اور وقت نے مہلت دی تو اس پر ایک الگ کتاب لکھنے کا خیال ہے) (مؤلف)

چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرا نکاح سودہؓ بنت زمعہ سے کیا، حضرت سودہ رضی اللہ عنہا بیوہ تھی، جو نکاح میں آتے ہی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں رہیں اس نکاح سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا غم والم کسی قدر کم ہو گیا، اور آپ نے پھر تبلیغ اسلام کا کام شروع کر دیا۔

اب چونکہ آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شفیق چچا دنیا میں نہ تھے، جس کا

لہ اس مسئلہ پر علمی اور مذہبی بحث کرنے سے چونکہ ایک الگ موضوع قائم ہو جائے گا، اسلئے ازدواج کے مضمون کو نظر انداز کر دیا گیا ہے۔

اہل قریش کو کچھ پاس ہوتا، اس لئے مشرکین مکہ نے ہادیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی سختی سے مزاحمت کی، آپ جہاں کہیں وعظ فرماتے، وہیں یہ لوگ بالخصوص ابولہب تو ہر وقت آپ کے ساتھ ساتھ رہتا، جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسافروں وغیرہ کو ہدایت فرماتے وُہ پکار پکار کر کہتا، کہ لوگو! یہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) (نعوذ باللہ) جادوگر ہے جھوٹا ہے، تم نے اس کی چکنی چپڑی باتوں میں نہ آنا، یہ ایسے ہی لوگوں کو گمراہ کرتا رہتا ہے، چنانچہ مشرکین کے اس طرزِ عمل سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مکہ شریف میں تبلیغ اسلام کا کام انجام دینا مشکل ہو گیا، ناچار آپ زید بن حارثہ کو اپنے ساتھ لیکر مکہ معظمہ سے تین منزل کی مسافت پر شہر طائف میں تبلیغ اسلام کیلئے تشریف لے گئے وہاں پہنچ کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبیلہ ثقیف کے شرفا کی ایک جماعت کو توحید کی طرف متوجہ کیا، اور انہیں خدائے واحد کے احکام مذہب اسلام قبول کرنے کی تلقین فرمائی، اس پر مسعود و حبیب (یہ دونوں اپنے قبیلہ کے معزز امراء تھے) مسعود نے آگے بڑھ کر کہا، آپ ہی تو رہ گئے تھے، کہ خدا نے آپ کو رسالت پر معمور کیا، اور تمام لوگوں پر آپ کو پیغمبر بنا کر بھیجا، اسی طرح حبیب نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا، خدا کی قسم میں تم سے ہرگز بات نہ کروں گا، کیونکہ اگر تم پیغمبر خدا (صلی اللہ علیہ وسلم) ہو، جیسا کہ تم کہتے ہو، تو یہ نہایت خطرناک بات ہے کہ تم کو جواب دوں، اور اگر تم نے خدا پر جھوٹ باندھا ہے، تو تم اس لائق نہیں ہو، کہ میں تم سے بات تک بھی کروں

یہ کہہ کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس سے اُٹھ کر جوش و غضب میں چلے گئے، اور انہوں نے اپنے شہر کے جاہلوں اور لڑکوں کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت بھڑکا دیا، پھر کیا تھا اپنے سرداروں کا اشارہ پاتے ہی قبیلہ کے سب لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گھیر لیا، ہر شخص آپ کو طعن و تشنیع کرتے ہوئے گالیاں دینے لگا، مجبوراً حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو طائف سے لوٹنا پڑا، لیکن ان جاہل

دشمنوں نے آپ کا لوٹنا بھی مشکل کر دیا، چاروں طرف یہ لوگ آپ کا راستہ روک کر کھڑے ہو گئے، جیسے ہی آپ قدم اُٹھاتے شریر لوگ اور لڑکے آپ کے ہر قدم پر پتھر مارتے، آپ کا مضحکہ اڑاتے راستہ میں دونوں طرف سے آپ کے سرِ مبارک پر خاک ڈالی جاتی ٭

چنانچہ ان شریروں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اس قدر تنگ کیا، اور راہ چلتے آپ پر اس قدر پتھر برسائے، کہ آپ کی پنڈلیاں لہولہان ہو گئیں ٭

اس تکلیف میں آپ ذرا دم لینے کھڑے ہوئے، تو ان جاہلوں اور شریر لڑکوں کا گروہ آپ کے ارد گرد پھر جمع ہو گیا، دشمنوں نے آپ کو ریلنا شروع کر دیا، اس ریلے میں قریب تھا، کہ آپ گر جاتے، لیکن ایک باغیچہ کی دیوار سے آپ رک گئے ٭

یہ کیسی مایوسی کا عالم تھا، اگر آپ کی جگہ کوئی اور ہوتا، تو نہ معلوم کیا کرتا، لیکن آپ کی مستقل مزاجی اور رضائے الٰہی کی متابعت یہ ایسی چیزیں نہ تھیں، کہ آپ اُف بھی کرتے آپ خاموش تھے، خدائے واحد کی رضا پر صبر وشکر کے ساتھ دیوار سے سہارا لگائے کھڑے تھے، اور اپنے معبودِ حقیقی سے لو لگائے، اسکے رحم وکرم کے منتظر تھے، زمین کا ہر ایک ذرہ اپنے خالق کے برگزیدہ اور مقرب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی اس اذیت پر بیتاب تھا، آسمان کی ہر ایک چیز بیقرار تھی، زمین مضطرب تھی، کہ دشمنانِ اسلام کا تختہ پلٹ دے آسمان منتظر تھا، کہ اپنی ایک کڑک سے ان مشرکین کا نام ونشان تک صفحہ ہستی سے مٹا دے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک آہ سے عالم تہ وبالا ہو سکتا تھا، زبان سے نکلے ہوئے چند الفاظ اہل طائف کو پیوند زمین کرنے کیلئے کافی تھے، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو دونوں جہانوں کے ماوا وملجا اور نمونہ رحمت بن کر آئے تھے، آپ نے کسی وقت بھی اپنے دشمنوں کو نہیں کوسا، بلکہ اُلٹا اُن کے حق میں یہ دعا کرتے تھے، کہ خدائے رحمٰن ورحیم انہیں حق و باطل کی تمیز کی توفیق بخشے، بلکہ نو مسلموں کی ایذادہی پر صبر کیا، اور بجائے بددعا کے

اِن کے حق میں یہ دعا[1] فرمائی "یا اللہ ان لوگوں کو ہدایت دے، اور تو میری مدد کر بغیر تیری مدد کے کامیاب ہونا دشوار ہے، اے خدا، تو جو سب مہربانوں سے مہربان ہے تیرے ہی آگے اپنی ناتوانی اور بیچارگی ظاہر کرتا ہوں" آخر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہاں سے مکّہ شریف میں لوٹ آئے، لیکن یہاں آکر مسلمانوں کو اور بھی زیادہ مصائب میں گھِرا پایا۔

نبوت کے گیارہویں برس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک رات خداوند کریم نے معراج کا شرف بخشا، جو قرآن شریف کی آیت سُبْحٰنَ الَّذِیْ اَسْرٰی سے ثابت ہے، اور جس کا ترجمہ یہ ہے

"پاک ذات ہے، جو لے گیا اپنے بندے (محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم) کو راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک کہ جس کے گرداگرد ہم نے برکتیں رکھی ہیں، تاکہ ہم اس کو دکھائیں، اور اپنی قدرت کے کچھ نمونے، بیشک وہی سننے والا دیکھنے والا ہے" +

جب صبح ہوئی، تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معراج شریف کا حال سنایا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس پر آمنا وصدقنا کہا، (اسی وجہ سے آپ کا لقب صدیق مشہور ہے، لیکن مشرکین نے جب معراج شریف کا حال سنا، تو انہوں نے اس بات کا مضحکہ اڑایا، اہل قریش میں ایسے بہت سے لوگ تھے، جنہوں نے بیت المقدس کو دیکھا تھا، اور یہ تو سب جانتے ہی تھے، کہ حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کبھی بیت المقدس کی طرف نہیں گئے، اس لئے اہل قریش نے بیت المقدس کے متعلق بہت سے سوال کئے، باوجود اس کے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب باتوں کا جواب دیتے گئے لیکن پھر بھی مشرکین نے اس صداقت کو جادو سے تعبیر کیا +

ان دنوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ طریقہ تھا، کہ حج کے موقعہ پر جو قبائل عرب باہر سے مکّہ میں آتے، ان کے پاس تشریف لے جاتے، اور ان کو خدا کا کلام سنا سنا کر

---

[1] ایک ستم رسیدہ صحابی نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اہل قریش کے حق میں بد دعا کرنے کی التجا کی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگلے وقتوں میں ایسے کئی لوگ گذرے ہیں، جن کے سر پر صداقت حق کی پاداش میں آرے تک چلائے گئے، لیکن انہوں نے اُف تک کی، اور آخر وقت تک اپنا فرض انجام دیتے رہے تو کیا تم سے یہ معمولی سختیاں بھی نہیں سہی جاتیں ؟

اِسلام کی اس طرح تلقین فرماتے تھے اے نبی فلاں! مجھ کو خدا نے تمہاری طرف بھیجا ہے اور فرمایا ہے، کہ اسکی عبادت کرو، اور اس کا کسی کو شریک مت بناؤ، اِس تلقین پر ابولہب وہیں پہنچ کر چلاتا۔ لوگو! یہ تم سے لات اور عزےٰ سے منحرف ہو جانے کو کہتا ہے تم اس کی بات ہرگز نہ سننا ❖

اسی طرح ایک روز حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کندہ کلب بنی خدیفہ بنی عامر کے قبائل کے پاس پہنچے، لیکن کسی نے آپ کی صدائے توحید کو نہ سنا، وہاں سے ہو کر جب عامریوں میں آئے، تو ان میں سے ایک شخص نے کہا:۔

کہ اگر ہم اطاعت قبول کریں، اور خدا تم کو مخالفوں پر فتح دے، تو تم اپنے بعد ہمیں حاکم بنا سکتے ہو! حضور علیہ السلام والصلوٰۃ نے فرمایا، یہ بات خدا کے اختیار میں ہے، جن کو چاہے حکومت دے، اِس پر وہ کہنے لگا، کہ پھر ہمیں کیا فائدہ کہ ہم مسلمان ہوں ❖

ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مقام عقبہ (عقبہ مکہ شریف کے قریب ایک گھاٹی ہے) پر تشریف لے گئے، وہاں قبیلہ خزرج کے چھ لوگوں نے (جو مدینے شریف کے رہنے والے تھے) پڑاؤ ڈالا ہوا تھا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حسب عادت ان کو بھی اسلام کی دعوت دی، اور خدا کا کلام پڑھ کر سنایا، آدمی سمجھدار تھے، خدا کی قدرت سے سب نے اسی وقت اسلام قبول کر لیا، اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ان چھ نومسلموں نے اقرار کیا، کہ ہم خدا کو ایک جانینگے، ہمیشہ سچ بولیں گے، حرام کاری وزنا، دختر کشی، شراب نوشی، اور جوئے سے احتراز کریں گے، یہ لوگ اِن باتوں کا عہد کر کے مکہ معظمہ سے مدینہ شریف میں آئے، تو ان انصار[1] نے اپنے ہم وطنوں کو پیغمبر خدا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صداقت حسن واخلاق کی طرف متوجہ کر کے جن باتوں کی پیروی کرنے کا اقرار خود کیا تھا، وہ باتیں اوروں کو بھی بتائیں، اکثر لوگوں نے کہا

[1] انصار ناصر (یعنی مددگار) کی جمع ہے، قبیلہ اوس خزرج میں جو لوگ پہلے اسلام لائے اور انہوں نے اسلام کی مدد کی وہ انصار کہلائے ❖

کہ یہ تو سب باتیں ماننے کے قابل ہیں، غرض ان لوگوں نے اہل مدینہ کی محفلوں میں بیٹھ بیٹھ کر حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی علانیہ تعریفیں کرنا شروع کیں ٭

دوسرے سال ایام حج کے موقعہ پر اسی قبیلہ کے بارہ[1] شخص مکہ میں آئے، اور مقام عقبہ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اسلام کی تلقین فرمائی، اور مسلمان ہوئے، ہادی اسلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے بھی بری باتوں سے احتراز رکھنے کا وعدہ لیا[2]، اور جب یہ لوگ مدینہ منورہ کو جانے لگے، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے ہمراہ مصعب بن عمیر کو روانہ کر دیا، تاکہ وہ ان کو اسلام کے احکام سکھایا کریں ٭

اتفاقاً مشرکین کے کسی جاسوس کو یہ سب حالات معلوم ہو گئے، اور اس نے فوراً شہر میں جا کر مشرکین مکہ کو خبر کر دی، وہ سخت برافروختہ ہوئے، اور بعض لوگ اسی تاؤ میں اہل مدینہ کے پڑاؤ کی طرف چلے، تاکہ جو لوگ مسلمان ہو گئے ہیں، ان کو سمجھا بجھا کے اسلام سے منحرف کر دیا جائے، مگر مشرکین مکہ کے پہنچنے سے پہلے اہل مدینہ کا قافلہ وہاں سے کوچ کر چکا تھا، آخر مجبور ہو کر مفسدوں کو واپس آنا پڑا، لیکن ان کا جوش عداوت ٹھنڈا نہ ہوا آخر مشرکین نے ایک لشکر مرتب کر کے مدینے کے قافلہ کا پیچھا لیا ٭

چونکہ مشرکین مکہ تیزی سے کوچ کرتے ہوئے ان کا پیچھا لئے ہوئے تھے، آخر راستے میں ہی مدینہ کے قافلہ کو پا لیا، اور ان سے لڑائی چھیڑ دی، مدینہ والے تعداد میں بہت کم تھے، کچھ دیر تو مقابلہ کرتے رہے، آخر بیچارے مدینہ کی طرف بھاگ کھڑے ہوئے، اور مشرکین نے ان کا پیچھا کرنا اسلئے مناسب نہ سمجھا کیونکہ مکہ والے اگر مدینہ تک ان لوگوں کا تعاقب کرتے، تو مدینہ والے ان کو زندہ نہ چھوڑتے، پھر مکہ اور مدینہ میں ہمیشہ کیلئے لڑائی ٹھن جاتی، جس کے باعث تاجرانہ قافلوں کیلئے شام کا راستہ بند ہو جاتا ٭

[1] ان ۱۲ انصار کے نام یہ ہیں، اسعد[1]، معاذ[2]، رافع[3]، ذکوان[4]، عوف[5]، عبادہ[6]، ابو عبدالرحمن[7]، عباس[8]، عقبہ[9]، ابو الہیثم[10]، مالک[11]، عویم[12] ٭ [2] اس وعدہ کو بیعت العقبۃ الاولیٰ کہتے ہیں ٭

اِس واقعہ کی ناکامی نے مشرکین کو اَور بھی مشتعل کر دیا، حضورؐ صلی اللہ علیہ وسلم کو اہل مکّہ میں جب کسی کی ہمدردی اَور اسلام لانے کی امید نہ رہی، بلکہ روز بروز مشکلات بڑھتی نظر آئیں، تو آپ نے مسلمانوں کو حکم دیا، کہ وہ سب مکّہ چھوڑ کر مدینہ شریف میں چلے جائیں، کیونکہ حضورؐ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اہلِ مدینہ کی مہمان نوازی کا یقین تھا، اَور آپ یہ جانتے تھے، کہ مدینہ میں اسلام کی ترقی ہو گی ✦

چنانچہ ہادیٔ اسلام حضورؐ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اجازت پاتے ہی ایک ایک دُو دُو مسلمان چھپ چھپ کر مکّہ سے مدینہ کی طرف روانہ ہونے لگے ✦

مدینہ شریف میں اسلام کی روشنی پہنچ چکی تھی، جو آہستہ آہستہ ہر گھر میں پھیل گئی تھوڑے ہی عرصہ میں کوئی گھر ایسا نہ رہا، جس میں کوئی نہ کوئی مرد یا عورت مسلمان نہ ہو، چند ماہ بعد مصعب بن عمیرؓ تہتر مسلمانوں کو لیکر مکّہ میں واپس آئے، اَور سب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے وعدہ کیا، کہ ایامِ تشریقؐ[1] کے درمیان بمقام عقبہ حاضر ہوں گے ✦

اِس کے بعد حضورِ پرنور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ان مسلمانوں کو اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے ہاں لیکر پہنچے، (حضرت عباس رضی اللہ عنہ ابھی تک ایمان نہ لائے تھے) حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اہلِ مدینہ کے ان نومسلموں سے کہا ✦

اے گروہِ خزرج! تم جانتے ہو، کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم میں بڑی عزت اَور مرتبے کا شخص ہے، باوجود اس کے یہ تمہارے ساتھ جانا چاہتا ہے، اگر تم لوگ اس کی مدد کیلئے مستعد ہو، اَور دشمنوں سے اِس کو محفوظ رکھ سکتے ہو تو لے جاؤ، ورنہ ابھی یہیں چھوڑ جاؤ، انصار میں سے ایک شخص نے کہا، اے گروہِ خزرج تم جو یہ سمجھتے ہو، کہ کس شرط پر تم بیعت کرتے ہو، سیاہ و سُرخ (یعنی اقوام عرب و عجم) کے ساتھ لڑائی مول لیتے ہو، بس اگر بیزار ہو گئے، تو خدا کی قسم ذلت و خواری کا داغ دُنیا و آخرت

[1] ایامِ تشریق ۱۱ ذی الحجہ سے ۱۳ ذی الحجہ کے دنوں کو کہتے ہیں ✦

میں تمہاری پیشانی پر رہے گا، اور اگر اس کے پورا کرنے پر مستعدی ظاہر کرتے ہو تو ہاتھ بڑھا کر محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ہاتھ پکڑو، تاکہ دُنیا و آخرت میں سربلند ہو جاؤ +

اِس پر سب نے کہا، ہم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ پکڑتے ہیں، اور اپنے جان و مال سے ان کے لئے حاضر ہیں، اس کے بعد سب نے اِس بات پر بیعت کر لی، یہ بیعت بیعت ثانیہ کے نام سے مشہور ہے، اِس کے بعد یہ لوگ مدینہ شریف کو واپس چلے گئے +

نبوت کے تیرھویں سال آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب سے بھی فرمایا کہ تُم بھی مدینہ کو چلے جاؤ، چنانچہ وہ بھی مکّہ سے مدینہ کو ہجرت کر گئے، مسلمانوں میں سے صرف حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہٗ آپ کے ساتھ رہ گئے، اور آپ نے بھی ذوالحجہ کے بقیہ ایّام اور محرم و صفر کے دونوں ماہ مکّہ میں ہی بسر کرنے کا ارادہ کر کے ماہ ربیع الاوّل میں مدینہ شریف جانے کا ارادہ کیا +

ہجرت و ترقیٔ اسلام

۱ سنہ ہجری سے ۱۱ سنہ ہجری تک

مطابق

۶۲۲ سنہ عیسوی سے ۶۳۲ سنہ عیسوی تک

مدینہ طیبہ کا قدیم نام **یثرب** تھا، یثرب ایک چھوٹی سی بستی تھی، جس میں زیادہ تر دو بت پرست قبیلے اوس[1] وخزرج آباد تھے، جو قدیم نسل قحطان کی اولاد سے تھے، ان ہر دو قبائل کے علاوہ یہاں وہ رومی اور یہودی بھی نظر آتے تھے، جو مسیحیوں کے ظلم سے ارض فلسطین کو چھوڑ کر یہاں آئے، اور یثرب کے ارد گرد وہ اپنے قلعے و باغات بنا کر آباد ہو گئے تھے، بلکہ یہودیوں نے اپنی کافی قوت حاصل کر لی تھی +

خاص شہر یثرب میں اسرائیلی قبائل اور اہل یہود میں سے زیادہ تر بنی قینقاع فروکش تھے، اگرچہ دیگر قبائل یہود کے بھی لوگ شہر میں نظر آتے تھے، لیکن بہت کم +

تاریخ سے ثابت ہوتا ہے، کہ اس زمانہ سے پہلے قحطانیوں اور اسرائیلیوں میں بڑا اتفاق تھا، اور یہ دونوں ایک دوسرے کے رفیق اور ہمدم تھے، لیکن یہ اتفاق و اتحاد آپس

---

[1] اوس وخزرج دراصل یمن کے عاربہ یعنی آل قحطان کے مشہور و معزز قبیلے حمیر کی نسل سے تھے، جو اپنے قدیم مذہب اور قدیم خدمتی پر قائم تھے اور کسی زمانہ میں یثرب میں آکر فروکش ہو گئے تھے، سرزمین شام کے یہودی (جو مسیحیوں کے ظلم سے بھاگ کر آئے تھے) ان سے پہلے یثرب میں مقیم تھے جنکے تین گروہ تھے، ایک گروہ یعنی بنی نضیر نے تو مشرق و شمال کی جانب بمقام خیبر میں رہائش اختیار کی، دوسرے گروہ بنی قریظہ نے فدک نام بستی میں، تیسرے گروہ بنی قینقاع نے خاص یثرب میں، پہلے تو یہ اہل یہود تازہ وارد و متوطنان اوس وخزرج کے آنے سے بہت خوش ہوئے، مگر چند روز بعد اختلاف مذہب نے عداوت پیدا کر دی، چنانچہ پہلے تو یہود نے اوس وخزرج کو مغلوب کر لیا، پھر کچھ روز بعد اہل یہود ان سے مغلوب ہو گئے +

میں زیادہ دیر تک قائم نہ رہ سکا یعنی اختلاف مذہبی سے دونوں میں نفاق ہوگیا، کچھ دنوں تک تو یہود غالب رہے، اور اوس و خزرج پر طرح طرح کے جور و ستم کرنے لگے آخر اِن مظلوم قحطانی عورتوں نے جوش حمیت سے مجبور ہو کر ان سے سرکشی اختیار کر لی جس کا نتیجہ یہ ہؤا، کہ غالب یہود کو اُنھوں نے اپنا محکوم بنا لیا۔

اوس و خزرج اپنے حریف یہود پر غالب تو آ گئے، لیکن اِن دونوں قبائل میں اتفاق نہ رہا، بلکہ اِن ہر دو قحطانی قبائل میں آپس میں اس قدر نفاق پیدا ہو گیا، کہ اکثر کی ایکدوسرے سے خونخوار لڑائی ٹھن گئی ✣

یہود اگرچہ مغلوب ہو چکے تھے، تاہم انہیں اپنی مذہبی روایات کے مطابق اس بات کا یقین تھا، کہ اِس نئے پیغمبر کی روحانی طاقت کے باعث جس کی بشارت انبیائے سلف دیتے رہے ہیں، ہم پھر ان قحطانیوں پر غالب ہو نگے، بجائے اس کے کہ وہ اس یقین کے مطابق حضور علیہ السّلام والصلوٰۃ کی نبوّت کی خبر سُن کر مکہ شریف میں پہنچتے، لیکن اسقدر غافل ہوئے، کہ ان کے کانوں تک جوں تک نہ رینگی۔

خداوند کریم کو جو منظور ہوتا ہے، وہی ہوتا ہے، عرب کے قحطانی قبائل کو ہی ان اسرائیلیوں پر غلبہ حاصل ہونا تھا، اور یہی راہ ہدایت کے حقدار بھی ٹھیرے تھے ✣

لہذا جب اِن بُت پرست قبائل (اوس و خزرج) کے چند لوگ کعبے کے بتوں کی

۱؎ یہ وہ زمانہ تھا، جبکہ کسریٰ پرویز شہنشاہ فارس نے قیصر ہرقل فرمانروائے روم کی عیش و عشرت کے باعث روم کا تختہ پلٹ دیا تھا، یہ شہنشاہ ہرقل خوابِ غفلت سے چونکا، لیکن دشمنوں کی روک تھام اور ملکی امن و انتظام قائم کرنے کے لئے سلطنت کا خزانہ خالی تھا، فوج بیدل اور بے ترتیب تھی، لیکن ہرقل ہراساں نہ ہؤا، اسلئے دوسرے بادشاہوں سے اس شرط پر روپیہ قرض لیا، کہ دشمنوں کو پامال اور ملکی امن و انتظام بحال کرنے کے بعد معہ سود اس روپیہ کو ادا کروں گا چنانچہ ہرقل نے اس روپیہ سے فوج کو آراستہ کیا، اور سب سے پہلے وہ دریائی راستہ سے کلیکیا کی طرف بڑھا، کلیکیا ایشیائی کوچک میں ایک شہر ہے، وہاں سے الیسوس میں داخل ہؤا، الیسوس میں فارس کی فوج مقابلہ کیلئے کھڑی تھی ہرقل نے سب سے پہلی شکست ۶۲۲ء میں فارس والوں کو اسی جگہ دی ✣

پرستش کے شوق میں مکّے میں پہنچے، تو پیغمبر خدا حضور پُر نور حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا نصیحت آمیز کلام سنتے ہی یہ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر یقین لاکر اسلام سے مشرف ہوئے، اور یثرب میں آکر انہوں نے اپنے بہت سے ہم مذہبوں کو اپنا ہم خیال بنالیا، پھر ہادیٔ اسلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ مکّے میں جن مسلمانوں کو وہاں کے بت پرست ستائیں، آپ ان کو ہمارے پاس بھیجدیجئے، ہم انہیں یہاں عزت اور محبت سے رکھیں گے چنانچہ حضور علیہ السلام والصّلوٰۃ نے انکی درخواست منظور کی اور اپنے اصحاب کو مکّہ سے یثرب میں ہجرت کرنے کا حکم دے دیا۔

باوجود مشرکین مکّہ کی بندش کے سینکڑوں خاندان مکّہ سے نکل کر جب یثرب کو چلے گئے، تو اہل مکہ کو اس پر سخت طیش آیا، اور یہ سنکر کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی یثرب کو جانیوالے ہیں، وہ اور بھی مضطرب ہوئے، ان کا خیال تھا، کہ اگر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں پہنچ گئے، تو ان کی وجہ سے وہاں سارا مدینہ مسلمان ہوجائے گا، جو ہماری تباہی کا باعث ہے، اس لئے سب مشرکین، دارالندوہ[1] میں جمع ہوئے۔

ندوہ میں سب سے پہلے ایک شخص نے اس قسم کی تقریر کی، کہ آج سے دس برس پہلے مکّہ کی جو حالت تھی، اس سے سب واقف ہیں، مگر جب سے یہ نئے مدعی نبوت (یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) ظاہر ہوئے ہیں، ان کی وجہ سے مکّہ تباہ ہونے کو ہے، بہت سے خاندان اس نے اپنے جادو کے اثر سے ہم سے منحرف کردیئے، جو اپنے وطن کو چھوڑ کر یثرب میں چلے گئے ہیں اب جدھر دیکھئے، ایک سنّاٹا نظر آتا ہے، ہمیں یہ بھی معلوم ہوا ہے، کہ یہ نئے پیغمبر (حضور صلی اللہ علیہ وسلم) بھی اب یثرب کو جانے والے ہیں، صاف ظاہر ہے، کہ اس شخص نے اپنے نئے مذہب میں کہاں تک ترقی کی ہے، ہر ایک شخص کو اپنے شاعرانہ کلام سے مسخر کرلیا ہے

[1] دارالندوہ یعنی مشورے کا مکان، اس کی بنیاد قصی ابن کلاب نے ڈالی تھی، یہ ایک ایسا مکان وقف ہوتا تھا، جس میں عرب کے لوگ مشورے کیلئے جمع ہوا کرتے تھے۔

اندیشہ ہے، کہ اگر یہ شخص یثرب میں پہنچ گیا، تو اپنے پیرووں کے ساتھ ایک روز ہم پر حملہ نہ کرے، لہذا ہم کو اس کی نسبت کوئی پختہ رائے قائم کر لینی چاہیئے، اور اسی لئے ہم سب یہاں جمع ہوئے ہیں *

اس تقریر کے بعد دوسرے نے اُٹھ کر کہا، کہ "اس شخص کو زنجیر سے باندھ کر گھر میں قید کر کے دروازہ چن دو"۔ تیسرے نے کہا اس کو اس شہر سے ہی نکال دینا اچھا ہے، چوتھے نے کہا۔ کہ اُس کو زندہ چھوڑ دینا کسی طرح ٹھیک نہیں *

آخر بڑی بحث و تکرار کے بعد یہ تجویز قرار پائی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو (نعوذ باللہ) قتل کر دینا چاہیئے، لیکن پھر اس بات کی بحث چھڑ گئی، کہ جس قبیلہ کا شخص انکو قتل کریگا، بنی ہاشم یقیناً اس قبیلہ کو تباہ کر دیں گے، اس کا کیا علاج ہے؛

اس پر ابو جہل نے اُٹھ کر کہا، اس کا علاج بہت سہل ہے، وہ اسطرح کہ ہر ایک قبیلہ سے ایک ایک آدمی منتخب کر لیا جاوے، اور وہ سب ایک ساتھ اس پر وار کریں، تاکہ اس کا خون ہر قبیلہ کی گردن پر ہو، اس صورت میں بنی ہاشم ان سب قبائل کے ساتھ لڑائی نہ کر سکیں گے اگر کریں گے، تو مُنہ کی کھائیں گے *

ابو جہل چونکہ رئیس مکہ تھے۔ سب نے اس کی اسی رائے کو پسند کیا، اور پھر یہ امر طے پایا، کہ ان کے مکان کا آج سے ہی محاصرہ کر لیا جائے، تاکہ وہ جانے نہ پائیں، اور تاریخ مقررہ پر سب منتخب شخص ایک ہی وقت میں مکان کے اندر گھس کر ایک ہی ساتھ اس پر حملہ کر کے ان کا کام تمام کر دیں *

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رفقا حضرت علی کرم اللہ تعالےٰ وجہہ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دار الندوہ کی اس تجویز کا علم ہوا، تو انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں اس امر کی تشویش ظاہر کی، لیکن آپ نے ان کو تسلی و تشفی دیتے ہوئے فرمایا، آپ کچھ فکر نہ کریں، خدا میرا نگہبان ہے، تاہم حضرت علی اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہم حضور پُر نور

صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ رہنے لگے ؛

مشرکین مکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مکان کے ادہر اُدہر تو اسی روز سے لگ گئے تھے لیکن یوم مقررہ پر سب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مکان کو محاصرہ میں لے لیا ؛

اس روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رفیق حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ساتھ مکان میں موجود تھے، لیکن موقعہ کے منتظر تھے، چنانچہ رات کے وقت جبکہ مشرکین پہرہ دار غافل تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے فرمایا، کہ میرے بستر پر سو رہو، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضور علیہ السلام والصلوٰۃ کے ارشاد کی تعمیل کی، اور آپ نے اپنی عبا حضرت علی رضی اللہ عنہ پر ڈال دی، پھر چپکے سے سورہ یٰسین اس آیۃ تک پڑھتے ہوئے نکلے :-

وَجَعَلْنَا مِنْ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدًّا وَّمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَاَغْشَيْنٰهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ - سورہ یٰس -

ترجمہ :- اور ہم نے آگے ایک دیوار اور اُن کے پیچھے ایک دیوار قائم کر دی ہے، پھر ہم نے اُن کو اُوپر سے ڈھانک بھی دیا ہے - اس لئے کہ وہ دیکھ ہی نہیں سکتے ؛

اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکان پر آئے، حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ (جو اس وقت اپنے والد کے ہاں تھیں) اور حضرت اسماءؓ نے دونوں کے لئے جلدی جلدی زادِ راہ کیلئے کچھ ستو ایک تھیلی میں ڈال دیئے، اور اپنے کمر بند کے ایک ٹکڑے سے تھیلی کا منہ بند کر دیا، اور دوسرے سے مشکیزے کا تسمہ بنا دیا - اسی وجہ سے حضرت اسمار کو ذات النطاقین کہتے ہیں، دونوں اُسی وقت شہر مکہ سے نکل کر غار ثور کی طرف - (جو مکہ کے نشیب میں چار پانچ میل کے فاصلہ پر ایک پہاڑ ہے) چل پڑے، چونکہ راستہ سنگلاخ تھا، اور اُسکی چڑہائی سر توڑ تھی نکیلے پتھر سردار دوجہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پائے مبارک کو زخمی کر رہے تھے، اور ٹھوکریں لگنے سے اور بھی زیادہ تکلیف ہوتی تھی، ابوبکر صدیق اکبرؓ آنحضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ تکلیف کب گوارا کر سکتے تھے، اُس وقت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم

کو اپنے کندھوں پر اُٹھا لیا، اور راستہ قطع کر کے آخر غار ثور تک پہنچے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو غار کے باہر ٹھہرے، اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خود . . . . اندر جا کر غار کو خوب صاف کیا، اور جہاں جہاں اُس میں سوراخ تھے، اپنی چادر پھاڑ کر اُن کو بند کیا، اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا، کہ حضورؐ تشریف لائیں ؂

یہ واقعہ ۲۷ صفر ۱۳ نبوت روز پنجشنبہ مطابق ۱۲ ستمبر ۶۲۲ء کا ہے۔ محافظوں میں سے ایک نے دیکھ لیا تھا، چونکہ وہ اکیلا تھا، اسلئے اسے کچھ بولنے کی جرأت نہ ہوئی، مگر اس نے دوڑ کے اہل مکہ کو خبر کر دی کہ محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) جن کو تم گھیرے کھڑے تھے وُہ نکل گئے، مشرکین نے جب مکان کی کھڑکیوں سے جھانک کر دیکھا، تو اس شخص کو بیوقوف بنا کر کہنے لگے، دیکھو تو وُہ بچھونے پر کون لیٹا ہے، تم کو دھوکا ہوا ہوگا، وُہ یہاں سے کیسے جا سکتے ہیں، اس پر اس نے قسم کھا کر کہا، کہ میں نے اپنی آنکھوں سے انہیں جاتے دیکھا ہے، ناممکن ہے، کہ وُہ یہاں ہوں، اس پر سب مشرکین برافروختہ ہو کر بھڑ بھڑا کے مکان کے اندر گھس پڑے، بچھونے کے قریب پہنچے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اُٹھ کر کہا، کہ کیا ہے؟ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جگہ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کو دیکھ کر سب حیران رہ گئے، پھر حضرت علیؓ سے ڈانٹ کر پوچھا، محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کہاں ہیں، حضرت علیؓ نے کہا، "میں کیا جانوں" کہاں ہیں؟ کیا تم نے مجھے ان کی حراست پر مقرر کیا تھا، جو مجھ سے پوچھتے ہو، آخر جب مشرکین کا کچھ زور نہ چلا، سب نے حضرت علیؓ کو گرفتار کر لیا، لیکن ابوجہل کے اس کہنے پر، "کہ علیؓ کو پکڑنے سے کیا حاصل" حضرت علی رضی اللہ عنہ کو چھوڑ دیا گیا ؂

تمام اہل قریش اس بات سے سخت برہم ہوئے، کہ جس شخص کی جان لینے کیلئے ایسا زبردست بندوبست کیا گیا تھا، وہ ہماری آنکھوں میں خاک جھونک کر صاف نکل گیا، چنانچہ دوسرے دن سب نے ابوبکر صدیقؓ کے گھر پر یورش کی جب ان کو بھی نہ پایا، تو انکے بچوں

کو مار مار کر پوچھا، کہ بتاؤ، دونوں کہاں گئے، لیکن کچھ پتہ نہ چلا ۔

آخر مجبور ہو کر مشرکین مکہ نے اعلان کر دیا، کہ جو شخص (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) یا ابو بکر (صدیق رضی اللہ عنہ) کو زندہ گرفتار کرکے یا انکا سر کاٹ کر لائیگا اسے سو اونٹ انعام دیئے جائینگے ۔

حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رفیق صادق حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ غارِ ثور میں تھے، حضرت اسماء (ابو بکر رضی اللہ عنہ کی بیٹی) دونوں کے لئے وہاں کھانا لے جایا کرتی تھیں ۔

مشرکین کے اعلان اور انعام کے طمع سے کئی لوگوں نے ہر گھر کا کونہ کونہ چھان مارا کھوہ اور غار تلاش کر ڈالے لیکن خداوند کریم کو اپنے پیغمبر صادق اور نبی برحق کو بچانا منظور تھا خدا کی قدرت سے غار کے دہانے پر مکڑی نے جالا تن دیا، اور کبوتر نے آشیانہ بنا کر انڈے دیدیئے، ڈھونڈھنے والے غار ثور تک بھی پہنچے ہونگے لیکن ایسی حالت میں اُن کو کیا شک ہو سکتا، غار کے دہانے پر جالا دیکھ کر وہ واپس ہو جاتے تھے ۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے رفیق صادق حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے تین دن تک غارِ ثور کو مشرف فرمایا، چوتھے روز غار سے نکل کر مدینہ منورہ کی طرف بڑھے، مشرکین مکہ اگرچہ مایوس ہو چکے تھے لیکن بعض لوگ انعام کی لالچ میں ابھی تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تلاش کر رہے تھے، ان میں ایک شخص سراقہ نامی بھی تھا، اُس نے کہیں دونوں کو دیکھ لیا تھا، چنانچہ سراقہ نے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم و ابو بکر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا پیچھا کیا، تو ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اُسکی آہٹ پا کر جب پیچھے مڑ کر دیکھا، تو گھبرا کے بولے، "یا رسول اللہ دشمنوں نے ہم کو پا لیا" حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تسلی کے لہجے میں ابو بکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا، لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا، "غمگین نہ ہو، خدا ہمارے ساتھ ہے۔" اتنا کہتے ہی خداوند کریم سے دعا کی۔ اَللّٰهُمَّ اکْفِنَاهُ بِمَا شِئْتَ، جو قبول ہوئی، اور سراقہ کے گھوڑے کے قدم زمین میں گڑ گئے، سراقہ جب اس عذاب میں پھنسا تو اُس نے عاجزی کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اس آفت سے بچایئے میں وعدہ کرتا ہوں، کہ یہیں سے پلٹ جاؤنگا، بلکہ راستے میں جو کوئی آپ کا

تعاقب کرتا ہُوا مجھے ملے گا، اُسے بھی اپنے ہمراہ پلٹائے جاؤنگا، حضورؐ صلی اللہ علیہ وسلم رحم دِل تھے، آپنے سراقہ کیلئے پھر خدا سے دعا کی اور وُہ اس عذاب سے چھوٹتے ہی پلٹ آیا، اور راستہ میں جو اسے ملا، اسے بھی اس نے واپس کر دیا،

غار سے نکلتے ہی اوّل ہی روز اس قافلے مبارک کا گذر ام معبد کے خیمہ پر ہُوا، یہ ... عورت مسافروں کی خبر گیری اور اُنکی تواضع کیلئے قوم خزاعہ میں ... مشہور تھی، سر راہ اُس کا خیمہ تھا، آتے جاتے مسافرونکو پانی پلایا کرتی تھی، اور مسافر وہاں ٹھہر کر آرام حاصل کیا کرتے تھے، اِس مبارک قافلہ نے یہاں پہنچکر اس بڑھیا سے پوچھا کہ تیرے پاس کوئی چیز ہے، اُس نے عرض کی، کہ نہیں، اگر کوئی چیز میرے ہاں موجود ہوتی تو میں آپ کے دریافت کرنے سے پہلے خود حاضر کر دیتی، سردار دوجہاں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس کے خیمہ کے ایک گوشہ میں ایک بکری دیکھی، اور فرمایا، کہ یہ بکری کیوں کھڑی ہے، ام معبد نے عرض کی کہ مدت گذری کہ یہ جنی نہیں، اور بہت کمزور ہے، ریوڑ کے ہمراہ چل نہیں سکتی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ اگر ہمیں اجازت دو تو ہم اِس کا دودھ دوہ لیں، ام معبد نے عرض کی، کہ اگر حضورؐ کو معلوم ہوتا ہے کہ دودھ ہے، تو آپ دوھ لیں، آنحضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے برتن مانگا، اور بسم اللہ شریف پڑھکر جب بکری کو دوھنا شروع کر دیا، تو وُہ برتن دودھ سے ایسا بھر گیا، کہ اچھل کر زمین پر بھی گرنا شروع ہو گیا، اور وُہ برتن اتنا بڑا تھا، کہ آٹھ نو آدمی پی کر سیر ہو سکتے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ دودھ خود بھی پیا اور اپنے ہمراہیوں کو بھی پلا دیا، دوسری دفعہ پھر دودھ دوہ کر برتن بھر کے ساتھ والوں کو پلا دیا۔ تیسری دفعہ پھر دودھ دوہا تو برتن بھر گیا، اور یہ ام معبد کیلئے چھوڑ کر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم آگے کو روانہ ہوئے۔

کچھ دیر کے بعد ام معبد کا شوہر اپنے خیمہ میں واپس آیا، تو خیمہ میں دودھ کا برتن بھرا ہُوا دیکھتے ہی حیران ہو کر اپنی بیوی ام معبد سے دریافت کیا کہ یہ دودھ کہاں سے آیا ہے،

ام معبد نے جواب دیا، کہ آج ایک متبرک بزرگ یہاں تشریف فرما ہوئے تھے، اور یہ دودھ اُن کے متبرک قدموں کی برکت ہے، وہ بولا، کہ مجھ کو معلوم ہوتا ہے کہ یہ وہی صاحب قریش ہے جس کی عرصہ سے میں تلاش کر رہا ہوں، اچھا ذرا تم اس کی توصیف یعنے حلیہ تو بیان کرو، ام معبد نے آنحضور پُرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حلیہ مبارک اس طرح بیان کرنا شروع کیا:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حلیہ مبارک

نہایت پاکیزہ۔ رُو۔
کشادہ۔ چہرہ
پسندیدہ۔ خُو۔
نہ توند نکلی ہوئی
اور نہ چندیا کے بال گرے ہوئے۔
خوبصورت زیبا صاحب جمال۔
آنکھیں فراخ اور سیاہ۔
بال گھنے اور لمبے۔
آواز میں بھاراپن۔
گردن مبارک بلند۔
روشن مردمک۔
چشم مبارک سرگیں۔
ابرو مبارک پیوستہ اور باریک۔
بال مبارک خوب سیاہ گھنگریالے۔

خاموش ساتھ وقار کے۔ گویا دلبستگی لئے ہوئے۔
دُور سے دیکھنے میں زیبندہ اور دلفریب
نہایت شیریں۔
اور کمال حُسین
شیریں کلام۔
واضح الفاظ۔
کلام کمی وزیادتی الفاظ سے معرّا
گفتگو تمام موتیوں کی لڑی کی طرح پروئی ہوئی
قد میانہ کہ کوتاہی سے حقیر نظر نہیں آتے
نہ ایسا طویل کہ آنکھ اس سے نفرت کرے
خوبصورت نہال کی تازہ شاخ۔
خوبصورت منظر۔ والا قدر۔ رفیق ایسے کہ ہر وقت اصحاب اُنکے گرد وپیش رہتے ہیں؛

اور جب وُہ کچھ فرماتے ہیں، تو آپکے کہنے کو نہایت توجہ سے سنتے ہیں۔ اور جب حکم دیتا ہے، تو جھپٹتے ہیں آپکے حکم کی تعمیل کیلئے۔	مخدوم مطاع نہ کم سخن اور نہ فضول گو۔

یہ اوصاف سُنکر ام معبد کا شوہر بولا کہ یہ تو ضرور صاحب قریش[ل] ہے، اور میں جاکر اُن سے ملونگا۔ ادھر ام معبد کے شوہر کو حضور پُرنُور صلی اللہ علیہ وسلم کے شرف کا اشتیاق ہوا، اور اُدھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب آگے بڑھے، تو ایک اور خطرناک دشمن سے سامنا ہوگیا، یہ دشمن بریدہ بن الحصیب اسلمی تھا جس کے ساتھ قریباً ستّر سوار تھے اور یہ اپنی قوم کا سردار تھا، چونکہ قریش نے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی گرفتاری پر ایک سو اونٹ کا انعام مقرر کیا ہوا تھا، اور یہ اُس مشتہرہ انعام کے حاصل کرنے کے لالچ پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں نکلا تھا۔؛

جب وُہ قریب آیا، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس انداز اور ایسے اطمینان قلب سے گفتگو فرمائی۔ جو کہ ذیل میں درج ہے؛

پُوچھا تُم کون ہو، اُنہوں نے کہا بریدہ بن الحصیب، آپ نے بطور تفاول کے فرمایا، بَرَدَ اَمرُنَا یعنے خنک اور ٹھنڈا ہوا کام ہمارا، اور قبیلہ کا نام اسلم سُنکر آپ نے تفاولاً فرمایا سَلِمْنَا، سلامت رہے ہم، آپ نے پوچھا قبیلہ اسلم میں سے کس قوم کے ہو، اُنہوں نے کہا بنی سہم کے، آپ نے فرمایا خَرَجَ سَهْمُكَ حاصل ہو۔ (حصّہ تیرا یعنے اسلام سے تجھے نصیب ملا)؛

بریدہ آئے تو بارادہ بد تھے، اور کفار قریش سے انعام حاصل کرنے کیلئے آپکو تعرض تکلیف پہنچانے کی نیّت تھی، لیکن جمال مبارک دیکھ کے اور کلام پاک سُنکر مسحور ہوگئے، اور معہ تمام رُفقا

ل بدوی غیر مسلم کفار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو صاحب قریش کہتے تھے؛

اسلام لاکر آنحضور علیہ السّلام کی غلامی کا شرف حاصل کیا، پھر بریدہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مناسب معلوم ہوتا ہے، آپ کے مدینے میں داخل ہونے کے وقت آپ کے ساتھ نشان ہو چنانچہ اپنی پگڑی سر سے اوتار کر نیزے کے اوپر باندھ کر بریدہؓ نے اس کا علم بنالیا ؛

آپ نے بریدہ ہی کو علم بردار مقرر کیا، اور وُہ آپ کے جلو میں مع اپنے ہمراہیوں کے نشان لیکر چلے، سبحان اللہ کیا قدرتِ خدا ہے، کہ بریدہ سرکشی سے آئے اور کیسے فرمان بردار ہو کر چلے ؛

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس شان کے ساتھ آگے بڑھے تو اہلِ قریش کا ایک قافلہ شام سے آتا ہوا راستے میں ملا، جس کے قافلہ سالار طلحہ بن عبداللہ تھے، جو پہلے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاکر مسلمان ہو چکے تھے، ہادیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے ہی قدمبوس ہوئے، اور اپنا بھی ارادہ ظاہر فرمایا، کہ وُہ بھی ساتھ ہولیں لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس خیال سے کہ ان کے پاس مالِ تجارت ہے، اور اسکے بہت سے ایسے ہمراہی ہیں، جن کو اپنے اپنے گھر جانے کی ضرورت ہو گی، اس ارادہ سے روک فرمایا، کہ تم مکّہ سے ہو کر مدینہ کو چلے آنا ؛

خدا کی قدرت دیکھیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم صرف ابو بکر صدیقؓ کے ساتھ مکّہ سے جان بچاکر کس مپرسی کی حالت میں نکلے تھے، اب بریدہ اور اِن کے ہمراہیوں کی معیت میں شان و شوکت کے ساتھ اطمینان کی حالت میں مدینہ کی طرف سفر کرنے لگے ؛

شہر مدینہ اپنی خوبیٔ قسمت پر نازاں تھا، کہ ساڑھے تین ہزار سال کے انتظار بسیار کے بعد خدا کے برگزیدہ پیغمبر نبی آخر الزمان کے پُر نور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ملّت ابراہیم کو زندہ کرنے کیلئے تشریف لارہے ہیں، ساکنانِ مدینہ بالخصوص اوس و خزرج قبائل کے تمام مردوں عورتوں، بچوں تک کی آنکھیں اشتیاق دیدار میں بچھی ہوئی تھیں، بہت سے لوگوں کا معمول تھا

کہ ہر روز تین چار میل تک زیارت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شوق میں استقبال کو نکل آتے اور شام کو مایوس ہو کر واپس چلے جاتے تھے کئی روز کے انتظار کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری مدینہ شریف کے باہر قبا[1] میں نبوت کے تیرھویں سال ۱۲ ربیع الاوّل مطابق ۲۴ ستمبر ۶۲۲ء پیر کے دن پہنچی، مشتاقانِ دیدار و ساکنانِ قبا نے خلوص کیساتھ دوڑ دوڑ کے آپ کے قدم چومے، اہل یثرب و مہاجرین نے جب حضور کی آمد کا مژدہ سُنا تو وہاں کے سینکڑوں آدمی بھی قبا میں آگئے، اور سارے یثرب میں مبارک باد کا غلغلہ بلند ہوا ۔

چنانچہ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کے اصرار پر کلثوم بن ہدم کے گھر میں قیام فرمایا، اور وہاں ایک مسجد کی بنیاد ڈالی جو آج تک مسجد قبا کے نام سے مشہور ہے اور جس کی شان میں قرآن شریف کی یہ آیت نازل ہوئی ہے ۔

لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَی التَّقْوٰی مِنْ اَوَّلِ یَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِیْہِ ۔

ترجمہ :- ہاں وہ مسجد کہ جس کی بنیاد شروع دن سے پرہیزگاری پر رکھی گئی اس کا البتہ حق ہے، کہ تم اس میں کھڑے ہو کر (امامت کیا کرو)

قبا میں حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے چار روز قیام فرمایا، ان دنوں میں حضرت علی رضؓ بھی دشمنوں سے بھاگ کر پا پیادہ سفر کرتے وہاں پہنچ گئے، اور حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم ان کو اور اپنے دیگر رفقاء کو ساتھ لے کر جمعہ کے روز قبا سے نکلے، یثرب پہنچنے پر مہاجرین و انصار کے مردوں عورتوں بچوں نے جس خلوص کے ساتھ آپ کا استقبال کیا وہ قیصر و کسریٰ تو کیا دنیا کے کسی بادشاہ کا نہ ہوا ہوگا، اور نہ ہوگا، ہر شخص جوش مسرت سے اللہ اکبر محمد رسول اللہ کہہ رہا تھا، عورتیں دف بجاتی تھیں، مرد آنکھیں بچھاتے تھے، عورتیں جان فدا کرنے کو تیار تھیں، اور ننھی ننھی بچیاں سچے دل اور سچی محبت سے یہ نغمہ مبارک باد

[1] قبا - مدینہ سے جانب جنوب تھوڑی دور پر ایک بستی تھی ۔

گا رہی تھیں:۔

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَیْنَا مِنْ ثَنِیَّاتِ الْوَدَاعِ

طلوع کیا بدر نے ہم پر ثینات الوداع سے

وَجَبَ الشُّکْرُ عَلَیْنَا مَا دَعَا لِلّٰہِ دَاعٍ

واجب ہوا شکر ہم پر جب تک دعا کرے اللہ سے کوئی دعا کرنیوالا

ثینّات الوداع کے معنے ہیں گھاٹیاں رخصت کی اہل مدینہ مسافر کو رخصت کرنے کے لئے اِن گھاٹیوں تک جایا کرتے تھے، لہٰذا وہ ثینات الوداع کہلائیں۔

(کذا فی القاموس)

انصار کی جن لڑکیوں نے یہ ترانہ سنجی کی ہے، وہی ہیں، جنھوں نے ۱۱ و ۱۲ و ۱۳ سنہ نبوت میں مکہ معظمہ پہنچکر سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی تھی، جو بیعت عقبہ اولیٰ اور بیعت عقبہ ثانیہ کے نام سے مشہور رہے، یا وہ ہیں جو مصعب بن عمیر یا ابن کلثوم رضی اللہ عنہ کی ہدایت اور تعلیم سے مدینہ میں مسلمان ہو گئے تھے:۔

آپ اپنی اونٹنی پر سوار تھے، تمام رفقائے سفر نیز میزبانان قبا ہم رکاب تھے، یثرب میں تمام سرداران اوس و خزرج کی آنکھیں زمین پر بچھی ہوئی تھیں، ہر گھر اور ہر خاندان زبان شوق سے یہی پکار رہا تھا، کہ آپ یہیں فروکش ہوں، لیکن حضور کا یہ فرمانا تھا، راستہ نہ روکو، اونٹ کو چلنے دو، جس کے دروازے پر یہ خود سے ٹھہر جائے گا میں اُسی کا مہمان ہونگا۔

ناقہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم آہستہ آہستہ جا رہا تھا، اور ہر شخص کی نگاہ شوق اسے اپنی طرف بلا رہی تھی، مگر اس کا قدم کہیں نہ رکتا تھا، آخر جاتے جاتے ایک ویران غیر آباد زمین پر پہنچ کر ٹھہر گیا، جس پر سب کو تعجب ہوا، کیونکہ اس قطعہ زمین پر کچھ قبریں تھیں اور باقی گھوڑے کی جگہ تھی، اونٹ کو ہنکا کے آگے بڑھایا گیا، مگر وہ پھر پلٹ کے وہیں آ کے کھڑا

ہو گیا - چنانچہ حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہیں اُونٹ کو بٹھا دیا، یہاں سے قریب ہی ابو ایوب کا گھر تھا، (یہ وہی ایوب انصاری ہی تھے، جن کی قبر پر آج تک دارالسلطنت قسطنطنیہ فخر کر رہا ہے) وہی آپ کے اونٹ کے کجاوے اپنے گھر لے گئے، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم انہیں کے ہاں جا کر ٹھہرے، سب لوگ حیران تھے، کہ جس قطعہ زمین پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ناقہ ٹھہرا ہے، وہ تو ایک ناصاف قطعہ زمین ہے، اسے کس طرح مسکن رسولؐ بنایا جائیگا ؛

آخر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دریافت کرنے پر معلوم ہوا، کہ وہ زمین سہل اور سہیل نام دو یتیموں کی ملکیت ہے، جس شخص کے زیر سایہ یہ دونوں لڑکے پرورش پا رہے تھے اُنہوں نے خود ہی حاضر خدمت ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ زمین نذر کرنا چاہی مگر یتیموں کے مال کو مفت لینا پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی حمیت نے گوارا نہ کیا، اسلئے حضور علیہ السلام کے یار غار صدیق اکبرؓ نے اپنے پاس سے دس مثقال سونا دیکر اس زمین کو خرید لیا پھر اس تختۂ زمین کو ہموار کر کے سب سے پہلے اس پر ایک مسجد تعمیر کرنے کا ارادہ کیا، جس کے کاریگر خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے رفقا تھے، چنانچہ کچی اینٹوں اور گارے کی دیواریں کھڑی کر کے اس پر کھجور کے ستون اور کھجور کی ٹہنیوں کی چھت ڈال کر ایک سیدھی سادھی عبادت گاہ بنا کر کھڑی کر دی، یہی وہ مسجد نبوی ہے، جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے بنی اور جس پر سب سے پہلے اسلام کا قبضہ ہوا، جو آج تک پُرجوش دینداروں اور عقیدت کیشوں کا مرجع دماوائی ہے، اور یہی وہ روضہ متبرک ہے جسکی شان میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، روضۃ من ریاض الجنۃ - یعنی میرا روضہ باغ جنت کا ایک چمن ہے ؛

سنہ ھ میں سب سے پہلے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں پہنچکر مسجد نبوی تعمیر کرتے ہی یہ کام کیا، کہ یثرب کے قبائل اوس اور خزرج میں جو مدت کی رقابت اور عداوت تھی، اسے چند دن ہی میں دُور کر دیا، دونوں قبائل نیز مہاجرین و انصار کو جمع کر کے قرآن شریف کی یہ آیات سُنا کر پُراثر نصیحت فرمائی :-

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَّأُنْثٰى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَّقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ أَتْقَاكُمْ - حجرات ع ۲	ترجمہ:- اے لوگو! ہم نے دنیا میں تمہاری خلقت کا وسیلہ مرد اور عورت کا اتحاد رکھا اور نسلوں اور قبیلوں میں تقسیم کر دیا اسلئے کہ باہم پہچانے جاؤ، ورنہ دراصل یہ تفریق وانتشار کوئی ذریعہ امتیاز نہیں، اور شرف امتیاز تو اسی کیلئے ہے جو اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ متقی ہے۔

یعنی اسلام کے نزدیک رنگ اور نسل کی تفریق کوئی چیز نہیں ہے، وہ تمام فرقہ بندیوں کو باعث ہلاکت اور تباہی قرار دیتا ہے، اور رنگ و نسل کو صرف پہچان کا ذریعہ بتلاتا ہے ÷

وَإِنَّ هٰذِهٖ أُمَّتُكُمْ وَّاحِدَةً وَّأَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُونِ -	ترجمہ:- بیشک تمہاری جماعت ایک ہی اُمت ہے، اور ہم ایک ہی تمہارے پروردگار ہیں ÷

یعنی رشتہ اخوت واتحاد وہ رشتہ ہے، جو انسان کو اس کے خالق ومالک سے قریب کرتا اور اس کی پرستش کرنے والوں کو ایک ہی سلک میں منسلک کرتا ہے ÷

یہی اسلام کی وُہ عالمگیر اخوت اور دعوت اسلام کی وحدت ہے، جس نے زمین کے دور دراز گوشوں کو ایک کر دیا اور صدیوں کے بچھڑے ہوؤں کو گلے ملا دیا، اوس وخزرج کے دلوں میں باہمی بغض وعناد محو ہو گیا، اور دونوں ایسے ہو گئے، جیسے ان میں کوئی جھگڑا اور فساد تھا ہی نہیں ÷

اسی کے ساتھ ان صدہا جان نثاروں کو جو اسلام کی خاطر مکہ چھوڑ کر مدینہ منورہ میں آ گئے تھے، اور یہاں بوجہ مسافرت بے خانماں تھے، اہل یثرب سے ان کا عقد مواخات یعنے بھائی چارہ کرا دیا، مہاجرین اور انصار میں اسقدر میل جول بڑھا کہ حقیقی بھائیوں میں بھی وُہ محبت نہ ہو گی، لیکن یثرب میں دو گروہ ہادی اسلام اور اسلام کی اس مقبولیت کو بغض اور عداوت کی نظر سے دیکھ رہے تھے، ایک تو یہود، اور دوسرے عبد اللہ ابن ابی سلول منافق کا گروہ :-

حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے یثرب آنے سے پہلے عبداللہ بن ابی سلول کا چونکہ یثرب میں بڑا اثر تھا، اور اسے خیال تھا، کہ عنقریب میں ہی یثرب کا حاکم ہو جاؤنگا، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آنے پر جب سب لوگ آپکے گرویدہ اور مطیع ہو گئے، تو عبداللہ اپنا اثر کم ہو جانے کے باعث حاسد بن گیا، لیکن ظاہرا صورت میں اسے مخالفت کرنیکی جرأت نہ ہوئی، بلکہ دل میں دشمنی رکھکر مسلمانوں کا دوست بن گیا، اور دوستی کے پردے میں دشمنی کرنے لگا، چنانچہ عبداللہ بن ابی سلول اور اس کا گروہ ہر وقت اسی فکر میں رہنے لگے، کہ کوئی ذرا سا بھی موقع مل جائے، تو ہادی اسلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ایک ہنگامہ بپا کر کے انہیں یثرب سے باہر نکال کر خود یثرب کے حاکم بن جائیں ؛

یہود کی یہ حالت تھی، کہ وہ پہلے تو نبی آخر الزمان کے ظہور کے منتظر تھے، ان کا خیال تھا، کہ اسی برگزیدہ پیغمبر کی مدد سے ہم اپنے حریف قبائل اوس وخزرج پر حکومت و قوت حاصل کریں گے، لیکن جب حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم نمودار ہوئے، اور انہوں نے جو دیکھا، کہ اوس اور خزرج نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہم سے پہلے اپنا بنا لیا، تو بہت گھبرائے، اسی حسد نے ان کو مسلمانوں کا دشمن بنا دیا، بلکہ حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی منکر ہو کر کہنے لگے، کہ خدا کے آخری نبیؐ ایک اُمّی اور ایسی جاہل قوم میں سے نہیں ہو سکتے، وہ جب ہونگے تو بنی اسرائیل میں سے ہونگے، جس طرح کہ اس سے پہلے اکثر پیغمبر آل اسرائیل میں سے ظاہر ہوتے رہے ہیں، لیکن صداقت چھپ نہیں سکتی، انہیں میں ایک فاضل اور کتب آسمانی کے عالم تھے، ان کا نام بھی عبداللہ تھا، وہ ایک روز حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا امتحان لینے کیلئے سب سے چھپکر گئے، جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے ہی دل میں خیال کیا، ایسا نورانی اور متبرک چہرہ کسی جھوٹے کا نہیں ہو سکتا، اس یقین کے بعد عبداللہ نے حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کان لگا کر سننا شروع کئے، اس وقت آپ حاضرین کو یہ فرما رہے تھے ؛

لوگو! بہ اعلان سلام کیا کرو، محتاجوں کو کھانا کھلاؤ، تعلقات قرابت کو جوڑ کے مضبوط کرو، راتوں کو جب لوگ سوتے ہوں، تم خُدا کی عبادت کرو ،۔

عبداللہ نے حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان فیض ترجمان سے یہ کلمات ہدایت سنتے ہی ظاہر ہو کر عرض کیا، یا رسول اللہ میں آپ کی رسالت کی تصدیق کرتا ہوں، مگر مناسب یہ ہوگا، کہ حضرت پہلے یہود کو بلا کر ان سے میرا حال دریافت فرمائیں، اگر ان پر میرا مسلمان ہونا ثابت ہو جائیگا، تو غالباً وُہ بھی مسلمان ہو جائینگے ،۔

چنانچہ حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ کی اس عرض کے مطابق یہود کو بلا کر ان سے دریافت کیا، کہ عبداللہ بن سلام کیسے شخص ہیں، سب نے بلا تامل جواب دیا، وُہ ہماری قوم میں بڑے عالم و فاضل ہیں، ہم ان کو اپنا سردار جانتے ہیں، اور انکی پارسائی اور صداقت پر ہمیں پورا بھروسہ ہے، یہود کا یہ جواب سُنکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر ان سے دریافت کیا، آپ لوگ عبداللہ کو ایسا جانتے ہو، تو اگر وُہ مجھ پر ایمان لا کر مسلمان ہو جائے، کیا آپ لوگ بھی دین اسلام قبول کر لو گے ،۔

یہود نے کہا، یہ ناممکن ہے، عبداللہ بن سلام جیسا عالم و فاضل اپنے دین کو چھوڑ دے، اتنا سنتے ہی حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن سلام کو آواز دے کر یہود کے سامنے کر کے پوچھا، تو اس نے کلمہ شہادت پڑھتے ہی اپنی قوم کے لوگوں سے کہا، بھائیو خُدا سے ڈرو، حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم برحق نبی آخرالزمان ہیں، ان پر ایمان لاؤ، اور مسلمان ہو جاؤ! عبداللہ کے مُنہ سے یہ الفاظ سنتے ہی تمام یہود پر سناٹا چھا گیا، لیکن کچھ دقفہ کے بعد وُہ عبداللہ ابن سلام کو بُرا بھلا کہتے اور گالیاں دیتے ہوئے واپس ہو گئے ،۔

اس زمانہ میں خاص یثرب کی تو یہ حالت تھی، کہ یہود بنی قینقاع و گرد و پیش کے دیگر قبائل اگرچہ اسلام کے مخالف تھے، لیکن اپنی کمزوری کے باعث دم نہ مار سکتے تھے، عبداللہ ابن ابی سلول اور اس کے رفقا بظاہر مسلمان بنے ہوئے تھے، مگر باطن میں مسلمانوں کے

دشمن تھے، اُدھر قسطنطنیہ میں قیصر روم خواب غفلت سے چونک اُٹھا تھا، اور اس نے اپنا ملکی امن وانتظام قائم کر کے ایشیا کوچک میں داخل ہوتے ہی ایسوس میں کسریٰ پرویز کی فوج سے مقابلہ کر کے ۶۲۲ء میں فارس والوں کو پہلی شکست دی تھی ؛۔

ہندوستان کے پایۂ تخت سندھ پر راجہ ساہسی کی رانی سوبھن دیوی کی نظر محبت کی بدولت ایک برہمن زادہ چچ نامی جلوہ افروز ہوا تھا جس نے تخت پر بیٹھتے ہی سب سے پہلے بیوہ راجہ ساہسی یعنی رانی سوبھن دیوی کو اپنے عقد میں لے کر رانی بنایا، پھر مرحوم راجہ کا خزانہ کھول کر فوج کو انعام واکرام سے سرفراز کر کے اپنا گرویدہ بنالیا ؛۔

جب جے پور کے راجہ مہرت کو اس بات کی خبر ہوئی، تو وہ رائے ساہسی کے قرابت دار ہونے کے باعث اپنا حق وراثت یعنی سندھ کا ملک حاصل کرنے کیلئے بڑی بھاری فوج سے چچ پر حملہ آور ہوا، چنانچہ جیسلمیر میں پہنچکر راجہ مہرت نے رائے چچ کو یہ لکھا، کہ تم ذات کے برہمن ہو، راج پاٹ سے تم کو کیا نسبت ہے، معرکہ جنگ کے تہلکوں میں تم نہیں ٹھہر سکتے، اس لئے میری صلاح مانو، لڑائی سے باز آؤ، رن کے میدان میں آنے کی بجائے، گوشہ عافیت میں بیٹھ کر پوجا پاٹ کرو ؛۔

چچ کے پاس جب راجہ مہرت والئے جیپور کا یہ خط پہنچا، تو اس نے رانی سوبھن دیوی کے سامنے یہ خط ڈال کر کہا، اب بتاؤ کیا تدبیر کی جاوے، رانی نے کہا، اس کی تدبیر عورتوں کے پاس نہیں ؛۔

چنانچہ رانی کی ہمت دلانے سے چچ اور مہرت میں لڑائی ہوئی، اور چچ کو فتح حاصل ہوئی ایسے وقت میں جمہوریت کے اُصول پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ شریف میں مسلمان قوم کے لئے ایک معاہدے کا مسودہ تیار کیا، جس کے الفاظ یہ تھے ؛

محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کیطرف سے کل مسلمانوں کے ساتھ عام اس سے کہ وہ قریشی ہوں یا یثربی اور ان دوسرے لوگوں کے ساتھ جو کہ خواہ کسی گروہ یا ملت کے ہوں، مگر جو

ہمارے شریکِ حال رہنا چاہیں، یہ معاہدہ کیا جاتا ہے، کہ سب مِل کر ایک قوم سمجھے جائیں گے، صلح اور جنگ کی حالت کُل مسلمانوں پر یکساں عائد ہوگی، انہیں میں سے کسی ایک یا دو شخصوں کو یہ اختیار نہ ہوگا، کہ وُہ خود ہی جنگ کا اعلان کریں، یا خود ہی صلح کر لیں وُہ یہود جو ہمارے جمہوری انتظام میں شامل رہنا چاہتے ہیں، ان کیلئے ہر حالت میں ہمارا فرض ہوگا، کہ انکی حفاظت کریں، اور بیرونی حملوں کے وقت ان کی مدد کریں انکے حقوق ویسے ہی ہونگے، جیسے مسلمانوں کے ہمارے شامل حال یہود مسلمانوں کے پہلو بہ پہلو ملکی عہدوں پر بھی ممتاز ہونگے، اور اِن سے کسی قسم کا تعرض نہ کیا جائیگا ؛

یثرب کی جتنی قومیں یہود کی آباد ہیں، وُہ سب ایک نظر سے دیکھی جائینگی اور انہیں اپنے مذہبی فرائض انجام دینے کیلئے مسلمانوں کی طرح کامل آزادی حاصل ہوگی، جو لوگ یہود کی پناہ میں ہیں، اور ان کے حلیف ہیں، ان لوگوں کی بھی ویسی ہی حفاظت کی جائیگی اور انہیں بھی ویسی ہی آزادی دیجائیگی، مجرم خواہ یہودی ہو یا مسلمان یکساں سزایاب ہوگا اگر کوئی دشمن یثرب پر حملہ کرے، تو یہودی مسلمانوں کے ساتھ مل کر اس کے پسپا کرنے کیلئے میدان جنگ میں آئینگے، جو شخص یثرب میں داخل ہوگا، اس کے بھی یہی حقوق ہونگے جرم پر کسی کی رعایت نہ کی جائیگی، عام اس سے کہ وُہ کوئی سردار ہو یا عام شخص، اور نہ کوئی شخص مجرم کی بے جا طرفداری کریگا، چاہے وُہ اس کا کوئی قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو تمام گذشتہ جھگڑوں اور قضیوں کی نسبت سمجھا جائے، کہ وُہ ختم ہو چکے، اور آئیندہ کوشش کی جائیگی، کہ آپس میں ہر ایک گروہ متحد ہو جائے ؛

اِس معاہدہ کو کل اہل یثرب نے پسند کیا، بلکہ یہود بنی قریظہ، اور قینقاع تک بھی اِس معاہدہ پر اپنے اپنے دستخط ثبت کر کے شامل ہو گئے، اور اسی دن سے مسلمانوں نے یثرب کا نام مدینۃ الرسول قرار دیا ؛

حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے باوجود امّی ہونے کے یہ ایک ایسی نئی اچھوتی اور مہذب

قومیت قائم کی، جس کی نظیر نہ اس وقت تک دُنیا میں کہیں تھی، نہ اب ہے، لیکن تعصب کا بُرا ہو اس وقت بھی مخالفین اسلام یعنے اہل یہود نے اگرچہ کثرت رائے اور مسلمانوں کے خوف سے اس معاہدہ پر دستخط کر دیئے، لیکن تعصب کی وجہ سے وہ دل سے مسلمانوں کے شامل تو کیا، بلکہ درپئے آزار تھے ؛

یثرب کے یہود اگرچہ حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم سے معاہدہ قومیت کر چکے تھے، لیکن اُنھوں نے اپنی بدباطنی کے باعث مشرکین مکہ کو اطلاع دی کہ تُم سب لوگ یثرب پر حملہ کردو، ہم لوگ اگرچہ بظاہر اسی پیغمبر کے موافق ہیں، اور ان سے معاہدہ کر چکے ہیں، مگر تمہارے آتے ہی اس کے گروہ کو چھوڑ کر تمہارے ساتھی ہوجائینگے، بلکہ ہم تم مل کر مسلمانوں کو یہاں سے نکال دیں گے ؛

مشرکین مکہ یثرب کے یہود کا یہ خیال سُنکر نہایت خوش ہوئے، اور ان کے سردار ابوجہل نے مہاجرین مکہ کو کہلا بھیجا، کہ اب ہم سے مقابلہ کیلئے تیار ہو جاؤ، اوس خزرج کے بھروسہ پر نہ رہنا، ہمارا لشکر یثرب میں گھُستے ہی تمہارا خاتمہ کر دے گا ؛

مشرکین مکہ کے اس اعلان جنگ اور یہود کی بدباطنی سے مسلمانوں کو نہایت تردد ہوا لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم ... خُدا پر بھروسہ کر کے اپنے جان نثاروں کو صبر کی تلقین کر کے انکی جان بچانے کی تدبیریں سوچنے لگے، اور سب سے پہلے یہ خیال ہوا، کہ مکہ والوں کی فوج یثرب کی طرف اگر روانہ ہوگی، تو درمیان میں جتنے قبائل ملینگے ان کو برانگیختہ کر کے وہ اپنے موافق بنالینگے، اس طرح یہاں تک آتے آتے دشمنوں کی تعداد بڑھ جائیگی، اس لئے مشرکین مکہ کے آنے سے پہلے ہی ان درمیانی قبائل کو یا تو اپنا دوست بنالینا چاہیئے، اگر وہ دوست نہ بنیں تاہم کم از کم غیر جانبدار (نیوٹرل) بنا دیئے جائیں، تاکہ دیگر قبائل نہ ہمارا ساتھ دیں نہ ہمارے دشمنوں کا، اسی خیال سے ؛

سنہ ۲ھ | مدینہ شریف میں پہنچنے کے ایک سال بعد حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے چند

رفقاء کو ہمراہ لیکر مقام ودان میں تشریف لے گئے، ودان مکّہ کے راستہ پر ابوا کی آبادی سے آٹھ میل پرے ہے، وہاں اپنے ہم نسب قبیلہ بنی حمزہ بن بکر بن عبد مناف سے مل کر اس بات کا معاہدہ کیا، کہ وہ لوگ لڑائی میں غیر جانبدار رہیں گے قریش کو مدد نہ دینگے، اپنے علاقہ میں امن وامان قائم رکھیں گے، آئندہ جھگڑوں میں نہ مسلمانوں کا ساتھ دیں گے، نہ اہلِ مکّہ کا ؛

اس کام سے فراغت پا کر آپ تبلیغ اسلام کے لئے مدینہ سے نکلکر کوہسار جہینہ تک گئے، تاکہ اس سفر میں تبلیغ اسلام کے علاوہ اہلِ مکّہ کے حالات اور ان کے ارادوں سے بھی واقف ہوں، حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم اس سفر سے مدینہ میں واپس آئے ہی تھے کہ ان دنوں یہ واقعہ ہوا، کہ قریش کا ایک شخص کرز بن جابر کفار کے ایک گروہ کے ساتھ چوروں کی طرح یثرب میں آیا، اور اہلِ یثرب کے مویشی جو کہ باہر چر رہے تھے، پکڑ لے گیا، اہلِ یثرب کو جب اس بات کی خبر ہوئی، تو انہوں نے اس کا تعاقب کیا، لیکن کرز اتنی دیر میں بہت دُور نکل گیا ؛

اس واقعہ کے دو ماہ بعد حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے یثرب سے پھر سفر کیا، تاکہ قبائل بنی کنانہ سے معاہدہ کیا جائے، چنانچہ مقام ذی العشیرہ میں جو مکّہ اور یثرب کے درمیان ساحل ینبع کے قریب واقع ہے، کنانی قبیلوں میں سے بنی مدلج کے ساتھ یہ معاہدہ کیا، کہ وہ غیر جانبدار رہینگے، اہل یثرب اور مکّہ والوں میں سے کسی کا ساتھ نہ دینگے ؛

انہی دنوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چند مسلمانوں کو مقام رابع (جو ابوار کے قریب ہے) بھیجا ہوا تھا، ان لوگوں کو راستہ میں اہلِ مکّہ کا ایک قافلہ ملا، جس میں دو مسلمان مقداد اور عتبہ نامی بھی تھے، اور ان کو مشرکین مکّہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں باریاب ہونے کا موقعہ نہ دیتے تھے، مقداد اور عتبہ نے جب مسلمانوں کو دیکھا، تو فوراً وہ قافلہ کا ساتھ چھوڑ کر ان مسلمانوں میں آملے، اور ان کے ساتھ مدینۃ الرسولؐ میں پہنچ کر حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں باریاب ہوئے ؛

اِن لوگوں کے آنے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن جحش کو چند مسلمانوں کے ساتھ مقام نخلہ پر روانہ کیا، نخلہ ایک سرسبز مقام ہے، جہاں سے مکہ ایک منزل ہے، چونکہ عبداللہ ابن جحش اور اِن کے ساتھی دشمنوں کے بالکل قریب جا رہے تھے، اِس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اِن کو یہ ہدایت فرمائی تھی، کہ آپ لوگ جب نخلہ میں پہنچیں، تو اہلِ قریش کے ارادوں سے ہمیں اطلاع دینا، اگر مکہ کے قافلہ کا کوئی شخص اپنی خوشی سے آپ لوگوں کے ہمراہ آئے تو اسے ساتھ لے آنا، ورنہ کسی پر جبر نہ کرنا ؛.

چنانچہ عبداللہ ابن جحش اور ان کے ہمراہیوں نے نخلہ میں پہنچکر قیام کیا، تو اتفاقاً وہاں انکو اہل مکہ کا ایک قافلہ ملا، جو طائف سے میوہ جات وغیرہ لا رہا تھا، اس قافلہ کو دیکھتے ہی کرز بن جابر نے جو مویشی چرائے تھے، اس کے جوشِ انتقام سے اس قافلہ پر جا پڑے اور تمام مال واسباب لوٹ کر قافلہ کے سردار عمر ابن الحضرمی کو تیر کا نشانہ بنایا، اور ان کے دو بہادر رفیقوں کو گرفتار کر کے یہ لوگ مدینہ میں پلٹ آئے، جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کی اطلاع ہوئی، تو آپؐ نے ان مسلمانوں پر ناراض ہو کر فرمایا یعنے تم کو لڑنے اور لوٹ مار کیلئے نہیں بھیجا تھا، آخر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی گرہ سے قریشی قافلہ کے مقتول سردار عمرو بن الحضرمی کا خون بہا ادا کیا، اور ان دونوں اسیروں کو رہا کر دیا، لیکن بجائے اس کے کہ مشرکین مکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اس حسنِ سلوک کے شکر گذار ہوتے، وہ اور برافروختہ ہو گئے ؛.

چنانچہ اسی طیش میں اہل قریش نے مسلمانوں سے بدلہ لینے کیلئے سب قبائل کو اکسانا شروع کیا، اور سوائے قبیلہ عدی کے (جو حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے باعث آمادہ نہ ہوئے) تقریباً سب قبائل کو مسلمانوں کی دشمنی کیلئے راضی کر لیا ؛.

غزوات وسرّیات[۱]

غزوۂ بدر — ۲ھ ماہ شعبان میں غزوہ بدر ہوا، اور اس وجہ سے ہوا، کہ ان دنوں ایک قافلہ ملک شام سے واپس ہو کر مکہ کی طرف آرہا تھا، اس قافلہ کے سردار ابوسفیان تھے، ان کو کسی نے کہدیا، کہ مسلمان تمہاری فکر میں ہیں، ان سے بچے رہنا، کہیں تمہارا قافلہ نہ لٹ جائے ابوسفیان نے اس خبر کو سچ سمجھ کر ایک قاصد کی زبانی اہل مکہ کو اپنی مدد کیلئے بلایا ؛

ابوجہل کو اس خبر کے سنتے ہی حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے رفقاء سے بدلہ لینے کا موقعہ مل گیا چنانچہ وہ نو سو پچاس ۹۵۰ ہزار آزما اہل قریش اور ایک سو گھوڑوں کے ساتھ مکہ سے مدینہ منورہ کی طرف بڑھا ؛

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مشرکین مکہ کے اس زبردست لشکر کی چڑھائی کا حال سنا تو اپنی قلیل اور بے سروسامان جماعت پر نظر کرتے ہوئے بارگاہ ایزدی میں عرض کی ؛

اَللّٰھُمَّ اِنْ نَّھْلِكَ ھٰذِہِ الْعَصَابَۃَ لَا تَعْبُدُ فِی الْاَرْضِ ۔	ترجمہ :- اے اللہ پاک اگر یہ مختصر سا گروہ ہلاک ہو گیا تو روئے زمین پر تیری عبادت کرنیوالا کوئی باقی نہ رہے گا ؛

اس کے بعد آپ نے مسلمانوں سے فرمایا، اُٹھو تیار ہو جاؤ دشمنوں کو روکنے کیلئے سینہ سپر ہو جاؤ، اس ارشاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کچھ لوگ تو مستعدی کے ساتھ اُٹھ کھڑے ہوئے کچھ سستی میں پڑے، بعض لوگوں نے چاہا کہ قافلے کو پہلے لوٹ لیا جائے لیکن آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کو پسند نہ فرمایا، بلکہ یہی مناسب خیال کیا، کہ مدینہ سے باہر نکل کر ایک دو منزل آگے جا کے دشمنوں کا مقابلہ کر کے ان کو روک دیا جائے، چنانچہ خداوند کریم نے بھی اس کا تذکرہ فرمایا ہے، جو قرآن مجید میں اس طرح ہے ؛

---

۱ غزوات غزوہ کی جمع ہے، غزوہ یعنی جنگ لڑائی، جن لڑائیوں میں حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنفس نفیس شریک ہوئے ان کو غزوہ اور جن میں آپ شریک ہو سکے اور بجائے اپنے کسی صحابی کو سردار جنگ بنا کر بھیجا، ان لڑائیوں کو سریہ کہتے ہیں

كَمَا أَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ وَإِنَّ فَرِيقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ لَكَارِهُونَ ۝ يُجَادِلُونَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَمَا تَبَيَّنَ كَأَنَّمَا يُسَاقُونَ إِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنظُرُونَ ۝ وَإِذْ يَعِدُكُمُ اللَّهُ إِحْدَى الطَّائِفَتَيْنِ أَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّونَ أَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُونُ لَكُمْ وَيُرِيدُ اللَّهُ أَن يُحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكَافِرِينَ ۝

انفال ع

ترجمہ:۔ تمہارے پروردگار نے لڑائی کے دو پہلوؤں میں سے (صحیح پہلو اختیار کر کے تم کو گھر سے نکلنے پر آمادہ کیا) اور مسلمانوں کا ایک گروہ (تمہارے نکل کھڑے ہونے سے اس وقت بھی) ناخوش تھا، کہ وہ لوگ (حق بات کے ظاہر ہوئے پیچھے ساتھ حق بات میں لگے جھگڑا کرنے) اور مارے ڈر کے پیچھے ہٹے گویا ان کو زبردستی موت کی طرف دھکیلا جاتا ہے، اور وہ موت کو آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں، اور مسلمانوں یہ وہ وقت تھا جب خدا تم مسلمانوں سے وعدہ فرماتا تھا، کہ (مشرکین مکہ) کی ان دو جماعتوں میں (کوئی سی ایک بھی تم لڑائی کیلئے اختیار کرو گے تو وہ تمہارے ہاتھ آجائیگی، اور تم چاہتے تھے، کہ جس میں (لڑنے کا) پونہ نہیں، وہ تمہارے ہاتھ آجائے، اور اللہ کی مرضی یہ تھی کہ اپنے حکم سے (دین) حق کو قائم کرے، اور کافروں کی جڑ بنیاد کاٹ ڈالے۔

چنانچہ تیسری ماہ رمضان سنہ ۲ھ کو حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف تین سو تیرہ (۳۱۳) آدمیوں سے اس مہم کی تیاری کی ان میں ستر مہاجر اور باقی انصار تھے، مقداد اور زبیر ابن العوام بس یہی دو گھوڑوں پر سوار تھے، چونکہ اونٹ ساٹھ سے زیادہ نہ تھے اس لئے نوبت بہ نوبت ان پر سوار ہوتے تھے، یہ عجیب بات تھی، کہ جس زمانہ میں طالوت نے جالوت کا مقابلہ کیا تھا، اس وقت طالوت کے لشکر کی جتنی تعداد تھی، اسوقت اہل بدر کی بھی اتنی ہی تعداد تھی۔ حضور پرنور آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و حضرت علیؓ اور زیدؓ کے درمیان صرف ایک اونٹ تھا، اسی طرح حضرت ابوبکر صدیقؓ اور عمرؓ و عبدالرحمٰن ابن عوفؓ کے پاس بھی ایک ہی اونٹ تھا، اور یہی اوروں کا بھی حال تھا۔

لوا[1] کو مصعب بن عمیرؓ تھامے ہوئے تھے، اور رایت حضرت علیؓ ابن ابی طالب کے

[1] لوا اور رایت فوجی نشان کو کہتے ہیں، ان دو نشانوں میں رایت امیر عسکر کے ہاتھ میں رہتا تھا۔

دست مبارک میں تھا ؛

قریش کو اپنی طاقت پر پورا بھروسہ تھا کیونکہ اِن کے حریف اِن سے پاسنگ بھی نہیں تھے، ان کی فوج میں، عتبہ، شبیہ، ولید، ابوجہل، عمر ابن عبدونہ، جیسا ایک ایک پہلوان ہزار ہزار سوار پر بھاری سمجھا جاتا تھا، عرب کے تمام جنگجو قبائل ان کے شریک تھے، علاوہ ان کے مدینہ کے یہودیوں اور باا ثر منافقوں کی غداری ان کے لئے موجب تقویت تھی ؛

غنیم کی ایک ہزار فوج جو ہر طرح سے مسلح اور سامان جنگ سے آراستہ تھی (جس میں سو سواروں کا ایک رسالہ بھی شامل تھا) اس کے مقابل صرف تین سو تیرہ جان نثار اسلام تھے، جن کے ساز و سامان کی یہ کیفیت تھی، کہ اتنے بڑے معرکے کیلئے فقط دو گھوڑے بہم پہنچا سکے تھے، اکثر کے پاس تو پورے ہتھیار بھی نہ تھے، اگر کسی کے پاس نیزہ تھا، تو تلوار نہ تھی، تلوار تھی تو ڈھال نہ تھی ؛

حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم محض خدا کے بھروسہ پر اس بے سروسامانی کی حالت میں مٹھی بھر جان نثاران اسلام کے ساتھ غنیم کو روکنے کیلئے مدینہ سے نکلے، اصحاب کبار ہمرکاب تھے، لیکن حضرت عثمانؓ اپنی نیک طینت بیوی نورچشمی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت رقیہؓ کی بیماری کے باعث حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے اس جنگ میں شامل نہ ہو سکے ؛

جب یہ اسلامی لشکر مقام قلیب پر پہنچا، تو وہاں مشرکین کے اونٹوں کو پانی پیتے دیکھا اِن کے ساتھ اونٹوں کے سقے بھی تھے، اسلامی لشکر کو دیکھ کر اکثر سقے بھاگ نکلے لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بعض سقوں کو گرفتار کر لیا، جن میں عبید کا غلام ابولیا ر اور منبہ بن الحجاج کا غلام اسلم اور امیہ بن خلف کا غلام ابورافع وغیرہ تھے، جو سقے بھاگ کر قریش مکہ کے پاس پہنچے، اِن میں سے ایک سقہ عجیر نامی نے قریش کو مخاطب کر کے کہا کہ اے آل غالب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) معہ اپنے رفقار کے پہنچ گئے ہیں، اور ان کے ہمراہیوں نے ہمارے

بعض سقّے بھی گرفتار کر لئے ہیں ؛

اِس بات کو سنتے ہی مشرکین کے لشکر میں ہل چل مچ گئی، اور ان پر اسقدر خوف طاری ہوُا، کہ وُہ آپس میں مشورے کرنے لگے ؛

چنانچہ عقبہ بن ربیعہ نے حکیم حزام سے کہا، "اے ابو خالد! اب تو بڑا غضب ہو گیا، کیونکہ ہم تو دشمنوں کے مُلک میں بے سوچے سمجھے لڑنے کیلئے پہنچ گئے" اِس کے جواب میں حکیم حزام نے عتبہ سے کہا، "خیر یہ تو ایک تقدیری بات تھی، مگر جب کبھی اس شوم مرد ابن حنظ (یعنی ابو جہل) کی رائے پر کوئی ایک کام کیا جاتا ہے، اِس میں بجز ذلت و ناکامی اور کچھ حاصل نہیں ہوتا، میری رائے میں اب تمام رات ہم سب لوگوں کو اپنی حفاظت کیلئے بیدار رہنا چاہیئے، کیونکہ دشمنوں کی طرف سے شب خون کا اندیشہ ہے" عتبہ نے تو حکیم کی اس رائے کو بہت پسند کیا، لیکن ابو جہل نے لوگوں سے کہا، "عتبہ میں بزدلی پائی جاتی ہے، اگر تم لوگ شب خون کے خوف سے ڈرتے ہو تو میں تم سے الگ ہو جاتا ہوں، کیونکہ میں ڈرنے والوں میں سے نہیں ہوں ؛

ہادیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم اور جان نثارانِ اسلام کا "مُٹھی بھر لشکر" رات کے وقت مقام ذخران میدان بدؔر[1] کے قریب پہنچا، رات ہو چکی تھی، اسلئے اسلامی فوج نے اسی مقام پر پڑاؤ ڈال دیا، حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم کے رفقاء نے اپنے ہادی کیلئے ایک عرش (کھجور کے پتّوں کا بنا ہوُا چھپر) تیار کیا، جس کے نیچے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہوئے، اور جنگ سے ایک روز پہلے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میدان جنگ کا ملاحظہ فرمایا، اور زبان گوہر فشاں سے ارشاد فرمایا، کہ انشاء اللہ تعالیٰ الکل ابو جہل اس جگہ اور فلاں فلاں دشمن اس جگہ قتل ہونگے

دونوں فوجیں آمنے سامنے تھیں، رات کا سیاہ پردہ درمیان تھا، افواج کا ہر ایک

---

[1] بدر کا مقام مکّہ اور مدینہ کے درمیان ہے، چونکہ اس مقام پر چند کنویں ہیں، اس لئے مُلک شام کے آنے جانیوالے قافلے یہیں ٹھہرا کرتے تھے، اسی مقام کا نام بدر ہے ؛

شخص محو خواب تھا لیکن ہادیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم فتح اسلام کیلئے بے چین تھے، اور خداوند کریم سے نصرت کیلئے رات بھر دعائیں مانگ رہے تھے ؛

۱۷ رمضان بروز جمعہ طلوع صبح ہوتے ہی حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی فوج کو آراستہ کرتے ہوئے اصحاب سے فرمایا ؛

"مکّہ نے اپنے جگر گوشوں کو تمہارے سامنے ڈال دیا ہے، اب کیا رائے ہے" ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہم نے خدمت اسلام میں پرجوش تقریر کی اسکے بعد مقداد رضی اللہ عنہ نے کہا، یا رسول اللہ آپ وہی بات کریں، جس کا آپ کو خدا نے حکم دیا ہے، ہم آپ کے ساتھ ہیں، قسم اللہ کی ہم ایسا نہیں کہینگے، جیسا بنی اسرائیل[1] نے موسےٰ سے یہ کہا تھا کہ "جاؤ اور تیرا خدا دونوں لڑو، ہم تو یہیں بیٹھے ہیں" قسم اللہ کی اگر آپ ہم کو برک الغماد (یعنی شہر حبش) میں بھی آپ لے جائیں گے، تو ہم آپ کے ساتھ ہو کر لڑینگے

اس کے بعد حضور پُر نور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے جمعیت انصار تم بھی مشورہ دو، اس پر سعد ابن معاذ اٹھے، اور عرض کیا، شاید آپ ہم سے مشورہ چاہتے ہیں، ہم آپ پر ایمان لے آئے ہیں، اُٹھئے خُدا کی قسم جس نے آپ کو بھیجا ہے، اگر آپ ہمیں دریا میں بھی لے جائیں گے، تو ہم اس میں بھی گھس جائینگے ؛

حضور پر نور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اگرچہ جان نثاران اسلام کی ان تقریروں سے کچھ اطمینان حاصل ہو چکا تھا، لیکن پھر بھی آپ درگاہ ایزدی میں خضوع وخشوع سے فریاد کر رہے تھے ؛

آخر یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ پکارتے ہوئے، دشمنوں کی طرف بڑھے، جب دونوں جماعتیں مقابلہ میں آئیں تو مشرکین مکّہ کی طرف سے عتبہ، شیبہ، پسران ربیعہ اور ولید ابن عتبہ مسلمانوں

[1] بنی اسرائیل مصر کی ایک مشہور قوم تھی، جو حضرت یعقوب کی نسل سے تھی، جس کا ذکر جابجا کلام مجید میں موجود ہے حضرت موسےٰ علیہ السلام اس قوم کی ہدایت کیلئے مبعوث ہوئے تھے ؛

میں سے عوف، معوذ رضی اللہ تعالیٰ عنہم پسرانِ عفرا اور عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ میدانِ کارزار میں آئے، چنانچہ مشرکین نے اِن سے دریافت کیا، تم کون لوگ ہو، اُنہوں نے جواب دیا، کہ ہم انصار ہیں، اس پر مشرکین نے کہا، ہم کو تم سے کچھ غرض نہیں، سردارانِ عرب جو کہ ہمارے ہم پلہ ہوں، وہ ہمارے سامنے آئیں ۔

حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سنا تو مہاجرین کو مخاطب کر کے فرمایا، اے حمزہ رضی اللہ عنہ اُٹھو، اے عبیدہ رضی اللہ عنہ بن الحرث بن عبدالمطلب اُٹھو، اے علی رضی اللہ عنہ اُٹھو ۔

اس ارشادِ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سنتے ہی، سب سے پہلے حمزہ رضی اللہ عنہ میدان میں آئے اور آتے ہی مشرکین مکہ کے پہلوان شیبہ کو مار ڈالا، اسی طرح حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ولید کو خاک پر گرا دیا، عبیدہ اور عتبہ دونوں نے ایک دوسرے پر خوب وار کئے، اور ہر ایک نے اپنے مقابل کو زخمی کیا، آخر عبیدہ رضی اللہ عنہ گر گئے، مگر حمزہ اور علی رضی اللہ عنہم عتبہ کو قتل کر کے عبیدہ رضی اللہ عنہ کو اپنی فوج میں اُٹھا لائے، عبیدہ جب حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش ہوئے، تو پوچھا یا رسول اللہ کیا میں شہید نہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ہاں تم نے شہادت حاصل کی اس خوشخبری کو سنتے ہی عبیدہ رضی اللہ عنہ نے کہا، اگر آج ابوطالب زندہ ہوتے، تو دیکھتے کہ ان سے زیادہ میرا حق تھا، یعنی میں ان کا یہ شعر پڑھتا ؎

ونسلمہ حتیٰ نصرع حولہ ✤ ونذھل من ابناءنا والحلائل

ہم اسکو اسوقت دشمنوں کے حوالہ کریں گے، جب خود اسکے گرد ڈھیر ہو جائیں گے، اور اپنی بیبیوں اور بچوں کو بھی فراموش کر دینگے

قریش کو اپنے ان تینوں شجاعوں کے مارے جانے کا بڑا صدمہ ہوا، اس طیش میں آ کے سب نے ایک ساتھ حملہ کر دیا، مسلمانوں نے بھی بڑے استقلال سے اس حملہ کو روکا اور نہایت ہی خونریز لڑائی ہونے لگی، علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ جن کی عمر اکیس سال سے زیادہ نہ تھی، دشمنوں کے لشکر میں اس طرح گھسے پڑتے تھے، جس طرح شیر بھیڑوں کے گلے میں گھستا ہے اُنہوں

لہ ان دنوں اہل عرب کا یہی دستور تھا، کہ میدان جنگ میں ہر دو طرف سے دو دو تین تین جوان بر سرِ پیکار ہوا کرتے تھے

نے دشمنوں کی صفیں درہم برہم کر دیں، اور قریش کے نامی اور تجربہ کار شجاعوں کو چن چن کے قتل کر ڈالا، اسی طرح حمزہؓ زبیرؓ اور ابو دجانہ رضؓ نے اپنی شجاعت دکھائی، ابو جہل نے اپنے قبیلے والوں کے ساتھ مسلمانوں پر ایک آخری نہایت ہی سخت حملہ کیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو جہل کی یہ یورش دیکھی تو درگاہ ایزدی میں سر جھکا کر دعا کی اور جب سجدے سے سر اُٹھایا، تو مارے خوشی کے چہرہ چمک رہا تھا، اور زبان پر یہ الفاظ جاری تھے :-

سَیُھْزَمُ الْجَمْعُ وَیُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ ؕ سورہ قمر	سو کوئی دن جاتا ہے۔ کلاں کا گروہ شکست کھائے گا۔ اور پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے ؛

اس کے ساتھ ہی حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خاک کی مٹھی اٹھا کر دشمنان اسلام کی طرف پھینکی، جسے بادلوں سے لدی ہوئی ہوا کا ایک تند جھونکا اڑا کر قریش کی آنکھوں میں لے گیا، ساتھ ہی امداد ربانی کا کرشمہ دیکھ کر مسلمان دشمنوں پر ٹوٹ پڑے، معاذ اور معوذ دونوں بھائی، ابو جہل پر جھپٹے، معاذ کی تلوار نے ابو جہل کی پنڈلی کاٹ کر جدا کر دی، مگر ابو جہل کے بیٹے عکرمہ نے والد کے جوش انتقام میں معاذ کے شانے پر تلوار کا ایسا بھرپور ہاتھ مارا، کہ ہاتھ کٹ کے جھولنے لگا، جسے اس بہادر نے اپنے پاؤں سے دبا کے الگ پھینک دیا، اور پھر اسی شجاعت سے لڑنے لگا، اتنے میں معوذ نے اپنی تلوار سے ابو جہل کا کام تمام کر کے اس فتنہ گر کو ہمیشہ کیلئے دنیا سے رخصت کر دیا ؛

اب قریش مکہ میں ہل چل پڑ گئی، وہ آگے بڑھنا چاہتے تھے، مگر ان کا قدم پیچھے پڑتا تھا ان کے تمام نامور اور دعویٰ کے مرد میدان مارے جا چکے تھے، آخر بدحواس ہو کر بھاگے اور مسلمانوں نے انہیں بڑھ بڑھ کے مارنا اور اسیر کرنا شروع کیا، اہل قریش کے ستر نامی سردار مارے گئے، اور ستر اسیر ہوئے، جو کچھ مال و اسباب اور سامان جنگ لائے تھے مسلمانوں کے ہاتھ لگا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عہد کے اصول جنگ کیخلاف مسلمانوں کو حکم دیا، کہ اسیران جنگ کے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا جائے، اور ان کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہو ؛

چنانچہ جان نثارانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دشمنوں سے ایسا سلوک کیا، کہ کوئی سگے بھائی کے ساتھ ایسا سلوک مشکل کریگا، چنانچہ انہیں اسیروں میں سے ایک اسیر نے اپنے زمانہ اسیری کا ان الفاظ میں ذکر کیا ہے، خدا مدینے والوں کا بھلا کرے ان جوانمردوں نے ہمیں اپنے اونٹوں پر سوار کیا، اور خود پیدل چلے، ہمیں گیہوں کی روٹی کھلائی، اور خود خالی خرمے کھا کر گذارہ کیا۔

جنگ سے فراغت پا کر تین روز فاتح مسلمانوں کا گروہ میدان بدر میں رہا، تاکہ شہدائے اسلام اور مقتول مشرکین کی لاشیں وغیرہ دفن کی جائیں، مسلمانوں میں سے صرف چھ مہاجر اور آٹھ انصار شہید ہوئے تھے، جو وہیں دفن کر دیئے گئے، ابوجہل سردار مکہ و دیگر مشرکین مقتولین کفار کی لاشیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چاہ بدر میں ڈلوا دیں، اور اس کنوئیں کے پاس آپ نے کھڑے ہو کر ایک ایک کا نام پکارتے ہوئے فرمایا، جو کچھ خدا تعالےٰ نے ہم سے وعدہ کیا تھا، وہ ہم نے تو ٹھیک پایا، اور تم نے بھی وہی پایا، جو کچھ خدائے تعالیٰ نے وعدہ کیا تھا، اس پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ تو ایسے جسموں سے کلام کرتے ہیں، جن میں روح نہیں، آپ نے فرمایا کہ وہ تم سے زیادہ سنتے ہیں، چنانچہ اس واقعہ کی نسبت قرآن مجید سورہ آل عمران ع۱۳ میں خداوند تعالیٰ نے ان الفاظ میں ارشاد فرمایا ہے:۔

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّ اَنْتُمْ اَذِلَّةٌ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝	ترجمہ:۔ اور البتہ تحقیق مدد دی تمکو اللہ نے بیچ بدر کی لڑائی میں اور تم تھے ذلیل یعنی قلیل، پس ڈرو اللہ سے تاکہ تم شکر کرو۔

الغرض تیسرے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے جان نثاروں کے ساتھ سفر کیا، اور وادئ صفرا میں پہنچکر وہاں مال غنیمت تقسیم کیا، اس کے بعد اسیروں کو لے کر مدینہ شریف میں مراجعت فرما ہوئے، اسیروں میں سے سہیل ابن عمر کو ام المؤمنین حضرت سودہ رضی اللہ عنہ نے دیکھ کر فرمایا، تو نے عورتوں کی مانند اپنے آپ کو دشمنوں کے سپرد کیا، مردونکی

طرح کیوں نہ جاندیدی حضرت سودہؓ کے اِن الفاظ سے اندازہ ہوتا ہے، کہ عرب کے مرد تو مرد عورتیں تک جذبات قومی میں کس طرح ڈوبی ہوئی تھیں حضرت سودہؓ باوجودیکہ اسلام لاچکی تھیں، لیکن میدان جنگ میں زندہ رہکر گرفتاری کو ننگ و عار جانتی تھیں، اسلیئے اِن کی زبان سے یہ کلمات اسی جذبہ سے بیساختہ زبان پر آگئے تھے، جن کو سُنکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے سودہؓ خدا اور رسولؐ کے ساتھ خبردار رہو، اس پر حضرت سودہؓ نے نہایت ادب سے کہا، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب میں نے اِس کو اس حال میں دیکھا، تو مجھ سے ضبط نہ ہوسکا ؛

آخر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مشورہ سے تمام اسیروں کو اہل قریش سے فدیہ لیکر چھوڑدیا گیا، اہلِ مشرکین مکہ کا تمام غرور مٹ چکا تھا، اُنہوں نے اپنے مقتولوں پر گریہ زاری کی لیکن پھراس خیال سے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اصحاب ہم پر نہ ہنسیں خاموش ہو گئے ؛

چنانچہ اسود ابن یغوث کے بیٹے زمعہ اور عقیل اور حارث قتل ہو گئے تھے، وہ اِن پر گریہ زاری کرنا چاہتا تھا لیکن غیرت مانع ہوئی ناگاہ قریب ہی ماتم کی آواز سنی خود نابینا تھا، دریافت حال نہ کرسکا، کہ کون ماتم کررہا ہے، اِس لیئے اس نے اپنے غلام سے کہا کہ مجھے معلوم ہوتا ہے، کہ شاید سرداران قریش نے ماتم کی اجازت دیدی ہے، تو جا کر دریافت کر کے مجھ سے جلدی خبر دے، تا کہ اگر اجازت مِل گئی ہو تو میں بھی زمعہ کے ماتم سے اپنے دل کی بھڑاس نکال سکوں، غلام واپس آیا، تو اس نے یہ خبر دی ایک عورت کا اونٹ گم ہوگیا ہے، اِس لئے وہ اپنے اونٹ کے کھوجانے پر گریہ زاری کررہی ہے، اِس بات کو سُنکر اسود نے یہ شعر پڑھے :- ~~

اتبکی ان یضل لہا بعیر ویمنعہا من النوم السہود

کیا وہ اونٹ کے گم ہوجانے پر روتی ہے اور اسے راتوں کو نیند نہیں آتی ؛

ولا تبکی علے بکرٍ ولکن	علیٰ بدرٍ تقاصرت الجدود
اونٹ پر کیا روتی ہے	واقعہ بدر پر رو جس میں تقدیر نے کمی کی
تبکّی ان بکیت علیٰ عقیل	وبکّی حارثاً اللہ الاسود
اگر روتی ہے تو عقیل پر رو	اور نیز حارث پر جو شیر دلکا شیر تھا

اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ شریف میں اقامت کئے صرف ڈیڑھ سال گذر چکا تھا، اس تھوڑی سی مدت میں اسلام میں حیرت انگیز ترقی ہوئی، ہر ایک مسلمان ارکانِ اسلام کا پابند تھا، نماز اگرچہ مکہ میں ہی مسلمانوں پر فرض ہو گئی تھی، اور پہلے پہل حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت المقدس کی طرف نماز ادا کرنے کا حکم دیا تھا، لیکن ۲ھ ماہ شعبان کے نصف مہینے میں مسجد حرام کی طرف منہ کر کے نماز ادا کرنے کا حکم نازل ہوا، گویا حضور صلے اللہ علیہ وسلم اور انکے اصحاب نے مدینہ پہنچنے کے بعد کل اٹھارہ مہینے بیت المقدس کے رخ پر نماز پڑھی، اسی سال بلکہ قبلہ کی تحویل کے حکم سے پندرہ روز بعد ماہ رمضان کے روزے بھی فرض ہوئے ؀

مدینہ پہنچنے پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغ اسلام کا کام نہایت اطمینان سے شروع کر دیا تھا، اور اس سال مشرکین مکہ کی ہزیمت نے مسلمانوں کے حوصلے بڑھا دیئے تھے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اگرچہ یہود کی بدباطنی کا حال معلوم تھا، لیکن شہری حقوق اور معاہدہ کے لحاظ سے خاموش تھے ؀

بدباطنوں کی دلی کدورت رنگ لائے بغیر نہیں رہتی، چنانچہ جن دنوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کے ساتھ جنگ بدر میں تھے، انہی دنوں میں یہودیوں نے اپنی خباثت کا ثبوت دیا، وہ اس طرح کہ مدینے کی ایک گلی میں کوئی مسلمان بیوی جا رہی تھی کسی یہود نے اس پر دست درازی کی اس پر طیش کھا کے ایک مسلمان نے اس یہودی کو مار ڈالا، جب یہ خبر یہود نے سنی، تو انہوں نے اس مسلمان کو گھیر کے قتل کر ڈالا، اس واقعہ کی وجہ سے مسلمانوں اور یہودیوں میں برہمی پیدا ہو رہی تھی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ بدر سے آنکر یہ حال

سُنا تو یہود بنی قینقاع سے جواب طلب کیا، کہ معاہدہ ہو جانے کے بعد پھر تم نے یہ زیادتی اور چھیڑ کیوں کی، لیکن مغرور اور سیہ دل بنی قینقاع نے بجائے نادم اور معذرت خواہی کے یہ جواب دیا، بدر کی کامیابی پر گھمنڈ نہ کرو ہم سے مقابلہ ہوا، تو ساری قدر و عافیت معلوم ہو جائے گی، اور اس جواب کے ساتھ ہی عہد نامہ کی جو نقل ان کے پاس تھی وہ واپس کر دی، گویا یہودیوں نے عہد نامہ خود ہی توڑ دیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں کا یہ رنگ دیکھا تو اس خیال سے کہ مدینہ میں امن و امان رکھنا ضروری ہے، ان شورہ پشت یہود بنی قینقاع کا محلہ گھیر لینے کا حکم دیا، اس پر یہود کے ہوش حواس درست ہو گئے، اور کوشش کرنے لگے، کہ کوئی بیچ پڑ کے صلح کرا دے، آخر عبد اللہ ابن ابی بن سلول نے جو منافقوں کا سرغنہ تھا، اس شرط پر صلح کرا دی، کہ یہود بنی قینقاع اپنے اہل و عیال اور مال و اسباب کو لے کر امن و امان کے ساتھ مدینے سے نکل جائیں، چنانچہ یہود بنی قینقاع اس شرط کے بموجب مقام خیبر میں چلے گئے، اور بعض ان میں سے شام کو بھاگ گئے۔

قریش کا تیسرا حملہ غزوۃ السویق اور قرقرۃ الکدر

ادھر مشرکین مکہ کا سردار ابو سفیان جو زخمی ہو کر ہزیمت خوردہ اہل قریش کے ساتھ مکہ میں پہنچا تھا، اور اس نے تمام لوگوں کو تاکیداً اپنے مقتول عزیزوں پر رونے اور ان کا سوگ کرنے سے اس لئے روک دیا تھا، تاکہ وہ اس شکست کا بدلہ لے سکے، ایسا نہ ہو کہ رونے اور آنسو بہانے سے اہل قریش کا جوش ٹھنڈا پڑ جاوے، اور اس کے ساتھ ہی اس نے یہ ظاہر کیا، کہ جب تک میں اپنے نامور بہادروں کے خون کا انتقام نہ لونگا، اس وقت تک عیش عشرت اور زیب زینت مجھ پر حرام ہے، چنانچہ ابو سفیان چند ہی روز بعد دو سو سواروں کو لے کے اچانک مقام عریض (جہاں سے مدینہ شریف تین میل کے قریب ہے) پر جا پہنچا، اور دو ایک مسلمانوں کو شہید کر کے وہاں کے باغ جلا ڈالے۔

حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس بات کی خبر پہنچی، تو آپ بھی دو سو جان نثاروں کو لیکر ابو سفیان کے مقابلے کو نکلے، غازیانِ اسلام کی آمد سنتے ہی وہ ایسا گھبرایا، کہ اپنے جنگی

سواروں کی غذا کیلئے ستو کے بورے جو ساتھ لایا تھا، ان کو چھوڑ کر سر پر پاؤں رکھ کر بھاگا حضور صلی اللہ علیہ وسلم و جان نثارانِ اسلام جب وہاں پہنچے، تو انہوں نے دشمنوں کی بجائے ستو کے بورے دیکھے، جن کو انہوں نے اپنے قبضے میں کر لیا، اس وجہ سے اس جنگ کا نام **غزوۃ السویق** رکھا گیا ہے، اور یہ ذی الحجہ کے مہینے کا واقعہ ہے ؛

چند دن بعد یعنی ماہ محرم میں بنی سلیم کے یہودیوں نے طیش میں آ کے مدینہ پر حملہ کرنا چاہا، جب اہل یہود ایک بڑے گروہ کے ساتھ مدینہ کے قریب پہنچے تو حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم یہ خبر سنکر ان کی سرکوبی کیلئے مقام قرقرۃ الکدر تک (جو مدینہ سے آٹھ میل کی مسافت پر ہے) تشریف لائے، اہل یہود کو مسلمانوں کی آمد سنتے ہی اپنے مقام سے بڑھنے کی جرأت نہ ہوئی، اور ان پر اسلامی جان نثاروں کا اس قدر رعب چھایا، کہ تین دن تک وہیں پڑے رہے، آخر سب لوگوں نے اپنے گھر کی راہ لی ؛

اس کے بعد ماہ ربیع الاوّل کے مہینے میں نواح نجد کے قبیلہ بنی ثعلبہ والوں نے ہنگامہ مچایا، اور انہوں نے یہ ارادہ کیا، کہ مدینۃ الرسول میں لوٹ مار مچاویں، اس شورہ سے ایوب نام بنی قینقاع کا ایک یہودی دعثور کا لقب اختیار کر کے بنی ثعلب کا سرغنہ بنا اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کیلئے ہر قسم کی کوشش کرنے لگا، حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس ہنگامہ کا حال معلوم ہوا، تو ساڑھے چار سو جان نثارانِ توحید کو اپنے ہمراہ لیکر ان کی سرکوبی کیلئے روانہ ہوئے، لیکن مسلمانوں کے پہنچتے ہی بنی ثعلب پر ایسی ہیبت چھائی کہ اپنے مقرر کردہ سردار دعثور کو چھوڑ کر پہاڑوں میں بھاگ گئے، جسدن کا یہ واقعہ ہے اس دن بہ وجہ بارش تمام مسلمانوں کے کپڑے بھیگ گئے تھے، چنانچہ سب لوگوں کی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنے کپڑے سوکھنے کیلئے پھیلا دیئے، اور خود کپڑوں کے خشک ہو جانے کے انتظار میں ایک درخت کے سائے میں آرام فرمانے کیلئے لیٹ گئے، دعثور ابھی وہیں کہیں تھا، وہ آپ کو تنہائی میں دیکھ کر دبے پاؤں تلوار سونت کر حضور صلی اللہ علیہ

وسلم کے سر پر پہنچ گیا، لیکن اتنی جرأت نہ ہوئی، کہ وہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم پر وار کرے اتنے میں حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں کھل گئیں، اور دعثور نے اپنی شمشیر آبدار علم کر کے کہا، محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اب بتاؤ اس وقت تمہیں میری تلوار سے یہاں کون بچا سکتا ہے؟ آپ نے اس کے جواب میں بلا تامل فرمایا، اللہ، خدائے واحد کے پرجلال نام کو سنتے ہی دعثور کے دل پر ایسا اثر پڑا کہ مارے رعب کے ہاتھ پاؤں لرزنے لگے، اتنے وقفہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعثور کے ہاتھ سے تلوار چھین کر فرمایا، بتا اب تجھے میرے ہاتھ سے کون بچانیوالا ہے؟ اس نے عجب یاس حسرت سے کہا، افسوس کوئی نہیں، دعثور کے خوف وہراس اور بے کسانہ الفاظ سنکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تلوار اس کے سامنے پھینک دی، اور فرمایا، رحم کرنا مجھ سے سیکھ! آخر دعثور اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کر کے اپنی جان بچا کر وہاں سے بھاگ گیا، اور حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کے ہمراہ مدینہ میں لوٹ آئے ؛

اسی سال یعنی ۲ سنہ ہجری میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا عقد مبارک نور چشمی حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ ہوا ؛

چونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے والد یعنے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مشفق چچا ابو طالب تا زندگی عیالداری میں مبتلا رہے، ان کے پاس اثاثہ ہی کیا ہوتا، جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حصہ میں آتا، اس پر قبول اسلام اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کی وجہ سے بزرگوں سے بھی حضرت علی رض کو کسی طرح کی امداد نہ ملی، البتہ ایک اونٹ، ایک تلوار اور ایک زرہ آپ کے پاس یہ تین چیزیں تھیں، اور یہی کچھ آپ کا اثاثہ تھا، ایسی حالت اور ایسے وقت میں حضرت علی رض اپنے نکاح کی از خود سعی کیا فرماتے، لیکن حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا بالغ ہو چکی تھیں اور ان کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں بہت سے پیغام بھی آ چکے تھے جنہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرمان ایزدی کے مطابق حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہوتے ہوئے منظور کرنے سے مجبور تھے اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنی مفلسی کے خیال سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں

اپنا پیغام نکاح دینے کی جرأت نہ ہوتی تھی ؛
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کبار کو بھی چونکہ نور چشمی فاطمۃ الزہرا کی شادی کا فکر تھا، چنانچہ ایک دن اُنہوں نے آپس میں مشورہ کرکے حضرت علیؓ سے کہا، کہ آپ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں نکاح کا پیغام بھیجیں، جس پر ابوبکرؓ نے زر امداد دینے کا بھی وعدہ فرمایا ؛
چنانچہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشورہ کے مطابق حضرت علیؓ پیغمبر خدا حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، لیکن اظہارِ عرض کیلئے حیا مانع تھی، اس لئے سر جھکائے خاموش بیٹھ گئے ؛
آخر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی آپ کو مخاطب کرکے فرمایا، کیوں اے علیؓ! کیا کہنا چاہتے ہو، کس لئے شرم دامنگیر ہے، جو چاہتے ہو کہو، تمہاری خواہش حتی الوسع پوری کردی جائیگی، حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس تسلّی آمیز سوال سے آپنے نہایت شرمساری سے اپنا ارادہ ظاہر فرمایا، جس کو سنکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خوش ہو کر ارشاد فرمایا نکاح کی ضروریات پوری کرنے کیلئے تمہارے پاس کچھ ہے بھی ؛
اس پر حضرت علی مرتضٰے نے عرض کیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے میرا حال پوشیدہ نہیں ایک اونٹ، ایک تلوار، اور ایک زرہ کے سوا میرے پاس کچھ نہیں ہے ؛
حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غور کرکے فرمایا، اچھا ان تینوں چیزوں میں سے صرف ایک چیز یعنے زرہ کو فروخت کرکے اس کی نقدی لے آؤ ؛
چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ارشاد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق حضرت عثمانؓ کے پاس ۴۸ درہم میں اپنی زرہ فروخت کی (جو بعد میں حضرت عثمانؓ نے بطور ہدیہ حضرت علیؓ کو واپس کردی)، اور وہ چالیس درہم لیکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیخدمت میں حاضر ہوئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نقدی سے آپ کے نکاح کی ضروریات پوری کرکے نور چشمی

فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے ساتھ ہم دینار (چاندی) کا مہر باندھ کر مسجد نبوی میں خطبہ نکاح پڑھ دیا ؛

۳ سنہ ھ | جنگ بدر میں شکست کھانے کے بعد اہلِ قریش کا جوش انتقام ابھی کم نہ ہوا تھا، برابر ایک سال وہ اسی تگ و دو میں رہے، کہ کسی نہ کسی طرح مسلمانوں سے بدلہ لیا جائے چنانچہ ۳ سنہ ھ میں قریش کے چند سردار ابوسفیان کے پاس آئے، اس سے اور اس کے تجارت پیشہ احباب سے اُنہوں نے مسلمانوں کے خلاف امداد چاہی، ابوسفیان تو پہلے سے ہی مسلمانوں سے انتقام لینے پر تُلا ہوا تھا، اس نے تمام اہل قریش کو اپنا ہم خیال دیکھ کر تمام قبائل عرب میں مسلمانوں کے خلاف آمادہ جنگ کرنے کی تحریک کرنے کیلئے، عمرو ابن العاص وغیرہ چار آدمیوں کو بھیجا جنہوں نے ثقیف اور کنانہ جیسے زبردست قبائل کو اپنا ہم خیال بنا لیا، اس طرح اہل قریش کے ساتھ دیگر قبائل عرب نیز اہل حبش وغیرہ کے تین ہزار افراد بہادران اسلام کے ساتھ جنگ کرنے پر آمادہ ہو گئے

غزوہ اُحد | ابوسفیان اس زبردست لشکر کا سردار مقرر ہوا جس نے تمام فوج میں اعلان کر دیا، کہ جو سپاہی (ہادیٔ اسلام) آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو (نعوذ باللہ) قتل کریگا اس کو بہت سا انعام و اکرام دیا جائیگا، جبیر بن مطعم نے اپنے حبشی غلام سے (جس کا نام وحشی تھا، اور لڑائی کے فن سے خوب واقف تھا) وعدہ کیا، کہ اگر تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر دیگا، تو انعام و اکرام حاصل کرنے کے علاوہ تو آزاد بھی کر دیا جاویگا ؛

ابوسفیان کی بیوی ہندہ نے قریشی عورتوں کو بھی میدان جنگ میں جانے کی تحریک کی، تاکہ پچھلے سال جو لوگ بدر میں مارے گئے تھے، ان کے مقتل پر کھڑی ہو کر ماتم کریں اور لڑنے والوں کو جوش اور غیرت دلائیں، اور وہ میدان جنگ سے نام و ننگ کے خوف سے بھاگ نہ سکیں ؛

یہ سب عورتیں بند محملوں میں مشرکین فوج کے ہمراہ تھیں، اور تین ہزار جنگجو مردوں کا زبردست گروہ جن میں سات سَو زرہ پوش اور دو سَو سوار بھی شامل تھے، جوش

غضب میں مکہ سے روانہ ہوکر ۳ سنہ ھ ماہ شوال کی چوتھی تاریخ بدھ کے دن مقام ذوالحلیفہ میں جا پہنچے، اور وہیں اُنہوں نے اپنا جنگی پڑاؤ ڈال دیا :-

حضور پُرنور آنحضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو جب اہلِ قریش کے اس زبردست لشکر کا حال معلوم ہوا، تو اپنے اصحاب جان نثارانِ اسلام سے مشورہ فرماتے ہوئے یہ رائے ظاہر فرمائی، کہ ہم لوگ مدینہ شریف میں ہی قلعہ بند ہوکر لڑیں تو مناسب ہے لیکن بعض اصحابہ کی یہ رائے ہوئی، کہ مدینہ منورہ سے باہر نکل کر دشمنوں کا مقابلہ کیا جائے، آخر یہی رائے قرار پائی اور ابن کلثوم رضی اللہ عنہ کو مدینہ کا والی مقرر کرکے صرف ایکہزار مسلمانوں کے ہمراہ جن میں صرف ایک سو زرہ پوش اور دو سو سوار تھے، ان کے ہمراہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ شریف سے نکلکر مقام اُحد ؎ کے وسط میں پہنچے، تو عبداللہ بن ابی بن سلول جو بظاہر مسلمان تھا، مگر دل میں نفاق رکھتا تھا، اپنی زیر اثر تین سو نفر کی جماعت کو اپنے ساتھ لیکر لوٹ گیا، لیکن حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان منافق لوگوں کی پرواہ نہ کی اور برابر بڑھتے چلے گئے، جب یہ اسلامی لشکر عدوۃ الوادی میں پہنچا، تو وہیں سب نے قیام کیا، اسلامی لشکر کی پشت احد پہاڑ کی جانب تھی ؛

اگرچہ ایک طرف مشرکین کے تین ہزار آدمیوں کا لشکر جرار اور ان کے مقابل صرف سات سو مسلمان تھے، اس پر بھی ابو سفیان نے انصار کو کہلا بھیجا، کہ تم لوگ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ساتھ چھوڑ دو، ہمیں تم سے کچھ سروکار نہیں ہے، مگر انصار نے اس کے جواب میں مشرکین کو ایسے الفاظ کہے، جن سے ان کی آتش عداوت بھڑک اُٹھی، چنانچہ ابوسفیان سپہ سالار مشرکین نے اپنی فوج کو اس طرح ترتیب دیا، یعنی خالد بن ولید کے سپرد میمنہ (دایاں حصہ) کیا اور عکرمہ بن ابی جہل کے سپرد میسرہ (بایاں حصہ) ؛

جان نثارانِ اسلام کی فوج کے کمانڈر پچاس تھے، جن کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی

؎ ۔ جو مدینہ شریف کے نزدیک ایک پہاڑ ہے ؛

فوج کے پیچھے کھڑا کیا، مصعب بن عمیر کے سپرد فوجی علم تھا، اور زبیر گھوڑوں پر مقرر تھے ؛
چنانچہ جان نثارانِ اسلام کے کمانداروں میں سے حمزہ رضی اللہ عنہ نے اپنے لشکر اسلامی کو دشمن کی طرف حرکت دی، جب دونوں گروہ مل گئے، تو قریش کا علمبردار طلحہ صف سے نکلکر پکارا کیوں مسلمانو تم میں کون ہے، کہ یا مجھ کو جلد دوزخ میں پہنچادے، یا خود میرے ہاتھوں بہشت میں پہنچ جائے ؛
علی مرتضےٰ رضؓ نے صف سے آگے بڑھ کر کہا میں ہوں، یہ کہہ کر تلوار ماری اور طلحہ کی لاش زمین پر تھی، طلحہ کے بعد اس کا بھائی عثمان میدان میں نکلا، جس کے پیچھے پیچھے عورتیں اشعار پڑھتی آتی تھیں، علم ہات میں لیا۔ اور رجز پڑھتا ہوا حملہ آور ہوا ؛

إِنَّ عَلٰی أَهْلِ اللِّوَاءِ حَقًّا		أَنْ تَخْضِبَ الصَّعْدَةَ أَوْ تَنْدَقَّا

علم بردار کا یہ فرض ہے، کہ نیزے کو خون میں رنگ دے، یا وہ ٹکرا کر ٹوٹ جائے ؛
حضرت حمزہؓ مقابلے کو نکلے اور اس کے شانہ پر ایسی تلوار ماری، کہ کمر تک اتر آئی اب عام جنگ شروع ہو گئی، جان نثارانِ اسلام بڑھ بڑھ کر دشمنوں پر برس رہے تھے، مشرکین بھی پیچھے ہٹتے ہوئے وار پر وار کئے جاتے تھے ؛
اہل قریش کی بعض عورتیں بدر کے مقتولین پر مرثیہ پڑھتی تھیں، بعض رجز دلاتی تھیں بعض دف بجاتی تھیں، تاکہ مشرکین کا خون جوش میں آئے، ہندہ اس وقت یہ اشعار گا رہی تھیں

نحن نبات طارق		نمشی علی النمارق
ہم آسمان کے ستاروں کی بیٹیاں ہیں		اور قالینوں پر چلنے والیاں ہیں
مشی القطا البوارق		المسك فی المفارق
جس طرح قطاؓ چلتا ہے		اور مشک ہماری مانگوں میں بھرا ہوا ہے
والدر فی المخانق		ان تقبلوا الغانق

ؓ قطا ایک قسم کا چھوٹا سا پرندہ ہے ؛

سوتی ہمارے ڈپٹوں میں ٹکے ہوئے ہیں — اگر میدان میں تم لوگ آگے بڑھ کر لڑو گے تو ہم تمکو گلے لگائیں گی

الٰہ بر و انفار ق

لیکن اگر تیچھے ہٹے تو ہم تم سے قطع تعلق کریں گی۔

مسلمانوں کے لشکر نے نہایت استقلال سے مشرکین کا مقابلہ کیا، حضرت حمزہؓ اور حضرت علیؓ تو دشمنوں کو تہ تیغ کرتے ہوئے مشرکین کے ہجوم میں گھس گھس کر غائب ہو جاتے تھے، آخر مسلمانوں کے حملہ کی تاب نہ لاکر مشرکین کے پاؤں اکھڑ گئے، اور میدان جنگ سے بھاگے، مسلمانوں نے ان کا تعاقب کیا، لیکن کمانداروں کو غنیمت کے مال کا لالچ ہوا، اور وہ اسلامی لشکر کی پشت سے ہٹ آئے، حالانکہ ان کو حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم تھا، کہ یہاں سے ہرگز نہ ہٹنا، پھر اس پر طرہ ہوا، کہ عبداللہ بن جبیر کے ساتھ پچاس تیر انداز جو درۂ عنین میں ٹھہرا دیئے گئے تھے، کہ ادھر سے کسی دشمن کو نہ آنے دیں، مسلمانوں کو مال غنیمت لوٹتے دیکھ کر وہ بھی لپکے تاکہ لوٹ مار میں شریک ہوں ابن جبیر نے ہزار روکا اور لاکھ سمجھایا، مگر انہوں نے ایک نہ سُنی، گھاٹی کو خالی چھوڑ کر تمام مسلمانوں کے ساتھ لوٹ میں شریک ہو گئے، فقط دو چار آدمی اپنے سردار کے ساتھ وہاں جمے رہے، خالد بن ولید مخزومی نے جو موقعہ خالی پایا، تو دشمنوں کے ایک زبردست اور ہشیار دستے کے ساتھ اس طرف سے مسلمانوں پر حملہ کر دیا، چند گنتی کے مسلمان جو وہاں باقی تھے، انہوں نے مقابلہ کیا، مگر وہ بھلا کیا روک سکتے، دم بھر میں اپنے سردار کے ساتھ شہید ہو گئے، اتنے میں دیگر مشرکین نے بھی درۂ عنین سے نکل کر لوٹ میں غافل مسلمانوں پر حملہ کر دیا ؛

اور مشرکین نے اپنے مفرورین کو بھی بلا لیا، اور خالد کو لڑتے دیکھ کر ان میں سے عمرہ بنت علقمہ نے کفار کا علم اٹھا کے بلند کیا، اور سب مشرکین اپنے علم کو بلند دیکھتے ہی پلٹ پڑے ؛

مسلمانوں نے جو یہ آفت ناگہانی سر پر دیکھی، تو گھبرا کر مقابلہ پر آمادہ ہوئے، مگر یکجا جمع ہو کے اپنی صفیں مرتب کرنے کی ان کو مہلت نہ ملی، اس لئے بدحواسی کے ساتھ آپس میں اس طرح گتھ گئے، کہ اپنے پرائے کا امتیاز نہ رہا، جو سامنے آیا، اس پر وار کرنے لگے نتیجہ یہ ہوا، کہ ابو بردہ اور اسید بن حضیر جیسے بہادران اسلام مسلمانوں کے ہاتھ سے ہی زخمی ہو گئے، بلکہ حذیفہ انصاری کے والد یمانؓ خود اپنے احباب کی تلواروں سے شہید ہو گئے ؛

مسلمانوں پر یہ بہت ہی نازک وقت تھا، سب لوگ حواس باختہ اور مضطرب الحال تھے، اور مشرکین تابڑ توڑ حملے اور ریغے کر کے کسی طرح انہیں سنبھلنے ہی نہ دیتے تھے ؛

یہ حالت دیکھ کر حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حمزہؓ کو جوش آگیا، جوانمردی سے بڑھے اور بڑھتے ہی مشرکین کے ایک بہادر سباع بن عبد العزیٰ کو قتل کر ڈالا، اس کے بعد دوسری طرف سے دشمنوں پر پلٹ پڑے، اسی اثناء میں جبیر بن مطعم کا غلام حبشی جو نیزہ بازی میں بڑا مشاق تھا، اور ان کی راہ میں ایک پتھر کی آڑ میں چھپ رہا تھا چنانچہ جیسے ہی حضرت حمزہؓ اس کے قریب سے گذرے، جبیر نے بلائے ناگہانی کی طرح نمودار ہو کر حضرت حمزہؓ پر تیرے کا ایک ایسا بھرپور ہاتھ مارا کہ حضرت حمزہؓ کو ناف سے چھیدتا ہوا، اس کا نیزہ پار نکل گیا، زخم کھاتے ہی حضرت حمزہؓ جبیر پر جھپٹے، مگر وہ بھاگ کر مشرکین کے گروہ میں غائب ہو گیا، لیکن حضرت حمزہؓ اس مہلک زخم سے جانبر نہ ہو سکے اور اسی وقت زمین پر گر کر درجہ شہادت حاصل کیا ؛

حضرت امیر حمزہؓ کے شہید ہونے سے مسلمانوں کو بہت ضعف پہنچا، اور مشرکین کے حوصلے بڑھ گئے، سب سے زیادہ خوشی ابوسفیان کی بیوی ہندہ کو ہوئی، جبیر نے دراصل ہندہ کے امید دلانے پر ہی یہ حرکت کی تھی، کیونکہ ہندہ نے اس سے وعدہ کیا تھا، کہ اگر تو میرے باپ عتبہ کے قاتل حمزہؓ کو کسی تدبیر سے مار ڈالے، تو میں تجھے آزاد کرا دونگی، اسلئے

جبیر کا حبشی غلام حضرت حمزہ رضی اللہ تعالے عنہ کے تاک میں لگا ہوا تھا، موقعہ پا کر وہ اپنی چال میں کامیاب ہو گیا، جب اسے اپنی کامیابی کا علم ہوا یعنے حضرت حمزہؓ کی روح قفس عنصری سے پرواز ہو گئی، تو اس نے امیر حمزہؓ مرحوم کا پیٹ چاک کر کے کلیجہ نکال لیا، کیونکہ ہندہ سے اس کا یہی وعدہ تھا، خونخوار ہندہ نے نہایت سنگدلی سے اپنے باپ کے انتقام میں امیر حمزہؓ کے کلیجے کو دانتوں سے چبا کر اپنا کلیجہ ٹھنڈا کیا، پھر اپنا تمام زیور اُتار کر جبیر حبشی کو اس کے ناپاک فعل کا معاوضہ دیا ؎

اب مشرکین کے تابڑ توڑ حملوں سے مسلمان منتشر ہو چکے تھے، چنانچہ جی چھوڑ کر بھاگے فقط تیس جان بازانِ توحید علم نبوت کے نیچے رہ گئے تھے، یہ حالت دیکھ کر مشرکین کے حوصلے اور بھی بڑھ گئے، اور وہ ہر طرف سے یورش کرنے لگے، قریب تھا، کہ دشمن ان تھوڑے سے مسلمانوں میں حضرت محمد صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر حملہ کر کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک زندگی کا چراغ گل کر دیں، لیکن حضرت علی مرتضےٰ رضی اللہ تعالے عنہ نے کمال شجاعت اور جانبازی سے دشمنوں پر حملہ کیا، جو ان کے سامنے آیا اسے تہ تیغ کیا، اسی طرح تین حملے حضرت علی رضی اللہ تعالے عنہ نے کئے، اور باقی اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے حلقے میں لئے رہے، اور ان تیس جان نثارانِ اسلام میں سے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اردگرد اپنی جانیں سر بکف لئے کھڑے تھے، ایک بیوی ام عمارہ لبینہؓ بنت کعب یا زینہ نامی بھی تھیں، جو لڑائی کے وقت پانی کا مشکیزہ پیٹھ پر لادے مجاہدین اسلام کو پانی پلاتی تھیں، اس نے مسلمانوں کو مشرکین کے نرغے میں دیکھا تو پانی کا مشکیزہ پھینک کر تلوار اور ڈھال لے کر دشمنوں سے مقابلہ کرنے لگیں، حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت میں لبینہؓ نے تیرہ زخم کھائے لیکن رفاقت سے منہ نہ موڑا ؎

مصعب بن عمیر ایک ہاتھ سے علم اُٹھائے ہوئے تھے، دوسرے ہاتھ سے مشرکین سے لڑ رہے تھے، لیکن ابن قمیہ نام ایک مشرک نے یکایک ان کے ہاتھ پر تلوار کا ایک

ایسا ہاتھ مارا، کہ مصعبؓ کا داہنا ہاتھ کٹ کے الگ جا گرا، مگر انہوں نے فوراً علم کو دوسرے ہاتھ میں پکڑ لیا، گرنے نہ دیا، اتنے میں ابن قمیہ نے ان کا دوسرا ہاتھ بھی کاٹ ڈالا، اور ساتھ ہی ایک نیزہ کا وار کر کے انہیں گرا دیا، مصعبؓ کے گرتے ہی علم اسلام سرنگون ہو گیا، مگر مصعبؓ علم بردار اسلام نے نہایت جوش کے ساتھ چلا کر کہا، محمد صلی اللہ علیہ وسلم فقط اللہ کے رسولؐ ہیں، اگر آپ شہید بھی ہو جائیں جب بھی خدا کا دین اسلام نہیں مٹ سکتا۔

اب تیس دلدادگانِ توحید میں بھی فقط چودہ نفوس باقی تھے، جو سر بکف دشمنوں کے رنغے کو روک رہے تھے۔

سعد بن ابی وقاص اور عاصم اپنی بے نظیر تیر افگنی سے حضرت علیؓ زبیر بن عوام اور ابو دجانہؓ اپنے جانباز حملوں سے ابوبکر صدیقؓ اور سعد ابن ابی معاذ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت وحمایت سے طلحہؓ اپنی یادگار جان نثاری سے کوشش کر رہے تھے کہ آنحضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کوئی صدمہ نہ پہنچے، یہ سب جانباز بہادرانِ اسلام اگرچہ مجروح وخستہ ہو رہے تھے، لیکن حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی جان بچانے کی سب کو فکر تھی، تاہم سینکڑوں مشرکین کے رنغوں کو کہاں تک روکتے، آخر یہ سب اصحاب کبارؓ زخم کھاتے کھاتے کمزور پڑ گئے، اور دشمن حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے بالکل قریب پہنچ گئے، مشرکین کے ایک نامور بہادر مالک بن نہیر نے حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ایک تیر پھینکا، جس کو طلحہ رضی اللہ عنہ نے اپنے ہاتھ پر روکا، اتنے میں مشرکین نے پتھروں کی بوچھاڑ شروع کر دی، اور ابن قمیہ کا ایک پتھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لب مبارک پر لگا، جس کے لگتے ہی حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے نیچے کے چار دانتوں میں ایک دانت شہید ہو گیا، رخسار مبارک اور پیشانی مبارک پر بھی زخم پہنچے۔

جن چند جان نثاروں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حلقہ میں لے لیا تھا، ان میں سے انصار

میں سے پانچ آدمی اور شہید ہو گئے، اور ساتھ ہی حضورپرنور صلی اللہ علیہ وسلم پر عبداللہ بن شہاب کا دوسرا پتھر پڑا، جس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کہنی مبارک زخمی ہو گئی، تیسرا پتھر عتبہ بن ابی وقاص کے چہرہ اقدس پر پڑا، جس کے صدمہ سے نیچے کے چار دانت شہید ہو گئے، اور دہن مبارک سے خون جاری ہو گیا ؛

لیکن حضورپرنور صلی اللہ علیہ وسلم ہراساں نہ ہوئے، اپنی چادر مبارک سے خون پونچھتے ہوئے فرما رہے تھے، وہ لوگ کیسے پنپ سکتے ہیں، جو اپنے پیغمبر کے ساتھ یہ سلوک کریں، جس پر اللہ تعالےٰ کی طرف سے یہ وحی نازل ہوئی، لَیْسَ لَکَ مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ[1] اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم، تم کو اس امر میں کچھ دخل نہیں چاہیئے، ہم ان پر متوجہ ہوں خواہ ان پر عذاب نازل کریں اس پر آپ نے دعا کے لئے ہاتھ اُٹھائے، اور عرض کیا، خداوندا میری قوم والوں کا قصور معاف کر یہ ناداں ہیں ؛

اتنے وقفہ میں مشرکین بالکل قریب آ گئے تھے، اگرچہ جان نثارانِ اسلام زخموں سے چور ہو رہے تھے، لیکن انہوں نے اپنے ہادی کو نہ چھوڑا، فدائے رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت طلحہؓ نے اپنے ہاتھ سے سپر کا کام لیا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب آنے والے تیر ہاتھ پر روکے یہ ہاتھ ہمیشہ کیلئے بالکل بیکار رہ گیا، دوسرا وار ابن قمیہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر کیا اور آپ سنبھلتے ہوئے پیچھے ایک گڑھے میں جا گرے، اور آپ کا کاسۂ زانوی مبارک (گھٹنا) چھل گیا، ابودجانہؓ نے کود کر آپ کو اپنے آغوش میں لے لیا ؛

ابن قمیہ یہ سمجھ کر کہ میرے وار سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے، مشرکین کی طرف پلٹا، اور اس نے نہایت خوشی سے پکار کر کہا، اَلَا اِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ قُتِلَ یعنے محمد صلی اللہ علیہ وسلم مارے گئے، اس آواز کے سنتے ہی رہے سہے مسلمانوں کے حواس بھی جاتے رہے، جو لوگ ابھی اِدھر اُدھر پہاڑ کی کھوہ میں چھپے ہوئے تھے، وہ بھی نکل کر بھاگے

---

[1] جنگ احد کے موقعہ پر علاوہ اس آیت کے قرآن شریف کی کئی آیتیں نازل ہوئی ہیں، سیرۃ المرسلین مؤلفہ ملاحظہ فرمادیں ؛

اور اس پریشانی میں حالت دگرگوں ہوگئی، لیکن جان نثارانِ اسلام جن میں حضرت علیؓ حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ حضرت طلحہؓ وغیرہ تھے، اپنی جگہ پر قائم رہے، اُدھر مدینہ شریف میں جب حضور پر نور علیہ السلام والصلوٰۃ کے شہید ہونیکی افواہ پہنچی تو اس وحشت خیز خبر کے سُنتے ہی گھروں کی محترم خواتین بھی اپنے اپنے گھروں سے نکلکر افتان خیزاں میدان جنگ میں پہنچیں، ان محترم خواتین میں خاتون جنت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا اور ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا، وام سلیم جیسی قابل ادب خواتین تھیں، چنانچہ فاطمۃ الزہراؓ نے تشریف لاتے ہی اپنے محترم والد یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی کے زخم کو چٹائی جلا کر بھرا، حضرت علی کرم اللہ وجہہ اپنی ڈھال میں پانی بھر کر لاتے، اور فاطمۃ الزہراؓ حضور پُر نور کے زخموں کا خون صاف کرتیں، حضرت عائشہ صدیقہ وام سلیم رضی اللہ تعالےٰ عنہا مشکیزے کندھوں پر اُٹھائے زخمی بہادرانِ اسلام کو پانی پلاتی تھیں ؛

اِدھر انسؓ ابن بصیر نے جب مہاجرین کے چند آدمیوں کو دیکھا، کہ وہ لڑائی سے ہاتھ کھینچ رہے ہیں، تو بڑھ کر دریافت کیا، کیوں کس لئے ہراساں ہو رہے ہو؟ بہادرانِ اسلام نے جواب دیا، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو شہید ہو گئے، اب کیا رکھا ہے، انسؓ نے کہا، اگر ایسا ہی ہے، جیسا کہ تم نے سُنا ہے، تو ان کے بعد ہماری زندگی کیا کام آئیگی، بلکہ ہمیں بھی اب اس جگہ ہی شہید ہو جانا چاہیئے، اتنی بات سُنکر جان نثارانِ اسلام کے قدم پھر جم گئے، اور سب نے نہایت ثابت قدمی کے ساتھ پھر لڑائی شروع کر دی یہاں تک کہ خود بھی مشرکین سے لڑتے ہوئے شہید ہو گئے ؛

مسلمان اب بہت کم رہ گئے تھے، جب اُنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زندہ ہونے کی خوشخبری سُنی، تو سب لوگ میدانِ جنگ سے پلٹ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اردگرد جمع ہو گئے مشرکین نے میدان جنگ خالی دیکھ کر خوشیاں منانا شروع کیں، ہندہ نے دیگر قریشہ

عورتوں کو ساتھ لے کر میدان جنگ میں شہدا کے ناک کان کاٹ لئے! ابوسفیان اپنے آدمیوں کے ساتھ پہاڑ پر چڑھ کر بلند آواز سے کہنے لگا، الحرب سجال یوم بیوم اعل ھبل یعنے لڑائی ہمارے درمیان ایک گردش کرنیوالی چیز ہے، اس دن (بدر) کا بدلا آج (یوم احد) ہو گیا! ہبل اپنے دین کی تائید کر، چنانچہ ابوسفیان یہ آواز دیتے ہی پہاڑ سے اُتر کر لوٹنے کو تھا، کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے جان نثاروں کو لیکر احد کی گھاٹی کی طرف رُخ کیا، جہاں پہنچنے کے بعد امید تھی، کہ مسلمان دشمن سے اپنی حفاظت کر سکیں گے، ابوسفیان کو جب اس بات کی خبر ہوئی، تو وہ بہت سے لوگوں کو ہمراہ لے کر اسی طرف بڑھا تا کہ گھاٹی کا راستہ روک دے، لیکن جان نثاران اسلام اب تازہ دم ہو چکے تھے، وہ دشمنوں کی صفیں چیرتے ہوئے حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گھاٹی میں داخل ہو گئے ؛

ابوسفیان نے اگرچہ بظاہر اطوار پوری فتح حاصل کر لی تھی، مگر اسے اس بات کی جرأت نہ ہوئی، کہ مدینے شریف پر جا کر حملہ کرے یا اس گھاٹی کی طرف بڑھے، جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے رفقاء جان دینے پر تلے ہوئے تھے، چنانچہ ابوسفیان جب اتنی ہی کامیابی کو غنیمت سمجھ کر آئندہ سال پھر جنگ کیلئے تیار رہنے کی آواز دیکر پلٹ گیا، تو حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی سے فرمایا، کہ شہدا کو دیکھو، چنانچہ اصحاب نے میدان جنگ میں نکلکر دیکھنا شروع کیا ؛

سعدؓ انصاری کے بدن میں ابھی تک رمق جان باقی تھی، اس نے اصحاب سے کہا، کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں میرا اسلام پہنچا کر کہنا، کہ خدا آپ کو بہتر جزا دے اس جزا سے جو کسی نبی کو اس کی اُمّت کی طرف سے دیجاتی ہے، اور ہماری قوم سے کہنا کہ جب تک تمہاری آنکھ کی پتلی حرکت کرتی ہے، اگر پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی تکلیف پہنچی، تو خدا کے آگے تمہارا کوئی عذر نہ چلے گا! بس اسقدر کہنے کے بعد سعدؓ اس دنیا سے جنّت کو سدھارے ؛

عمار بن زیاد کے شہید ہونے کا حال بھی جب حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا، تو فرمایا، کہ اُس کی لاش میرے پاس لاؤ، لیکن عمار کو حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری قدمبوسی کا شرف حاصل ہونا چونکہ ابھی باقی تھا، لہٰذا اِس کا آخری دم بھی ابھی لبوں پر تھا، اصحاب نے جیسے ہی عمار بن زیاد کا لاشہ روبرو لاکر رکھا، عمار نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں پر اپنا مُنہ رکھدیا، اور اپنے رخساروں سے حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے تلوؤں کو سہلاتے ہوئے شہید ہو گئے، اللہ اللہ کیسا جذبہ عقیدت تھا، اور وُہ مسلمان کسقدر شیدائے شہادت تھے، عمار بن زیاد کی اس نیازمندی کے متعلق اِس تاریخی واقعہ پر کسی نے کیا خوب لکھا ہے ؎

به چه ناز رفته باشد زجهان نیازمندے　　که به وقت جان سپردن بسرش رسیده باشی

حضرت حمزہؓ کی شہادت کا واقعہ سُنکر مدینہ شریف سے حمزہؓ کی بہن صفیہ آئیں، تاکہ اپنے بھائی کی لاش دیکھیں، لیکن حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حمزہؓ مرحوم کے بیٹے سے فرمایا کہ ان کو روک دو، کہیں اپنے بھائی کے اس حال کو نہ دیکھ لیں، جناب زبیرؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق ان کو روک دیا ۔

لیکن حضرت حمزہؓ کی بہن نے کہا، کہ میں نے سُنا ہے، کہ میرے بھائی کا مثلہ کیا ہے (یعنی ناک اور کان کاٹ ڈالے ہیں) مگر کوئی بات نہیں خُدا کی راہ میں یہ ادنےٰ بات ہے اسی طرح انصار میں سے ایک عورت بھی وہاں پہنچی جس کا باپ اور شوہر اور بھائی تینوں شہید ہو چکے تھے، مگر اس نے آتے ہی پوچھا، کہ سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حال بیان کرو، کہ وہ کیسے ہیں، لوگوں نے کہا، کہ وہ اسی حال میں ہیں جس میں تم چاہتی ہو، اس نے کہا، میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنا چاہتی ہوں، چنانچہ اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے ہی خوش ہو کر کہا، جب آپ موجود ہیں، تو سب غم ہیچ ہیں ؎

میں بھی اور باپ بھی شوہر بھی برادر بھی فدا　　اے شہِ دین تیرے ہوتے ہوئے کیا چیز ہیں ہم

اِس جنگ احد میں جان نثاران اسلام کے ستر جلیل القدر صحابی شہید ہوئے جن میں اکثر انصار تھے، اور بڑے بڑے عالی مرتبت اور شیدایان ملت تھے لیکن ملت کے اس واقعہ خونچکاں کے علاوہ غریب اور تہیدست مسلمانوں کو اپنی غربت اور تہیدستی کے باعث جن الم ناک مشکلات اور جن لرزہ خیز مصائب سے سامنا کرنا پڑا، اس کے حالات اور واقعات نہایت دلخراش ہیں حتیٰ کہ شہدائے اسلام کے کفن دفن کے انتظام میں بھی مشکل درپیش تھی مصعب بن عمیر جیسے جلیل القدر صحابی اور جان نثار اسلام تک کو پورا کفن میسر نہ ہوا، یعنی کفن اسقدر چھوٹا تھا، کہ اگر پاؤں ڈھانکے جاتے تھے، تو سر کھل جاتا تھا، اور اگر سر کو ڈھانکا جاتا، تو پاؤں کھل جاتے، مجبوراً ایسے جلیل القدر صحابی کے پاؤں گھاس سے چھپا کر ان کو دفن کیا گیا، اسی طرح دیگر شہدا خون آلودہ ہی ایک ایک کی بجائے دو دو کر کے دفنائے گئے، البتہ جن شہدا کو قرآن مجید زیادہ یاد تھا انکو قبلہ رو مقدم دفن کر دیا گیا ؛

چنانچہ جنگ احد تمام مسلموں کیلئے خداوند کریم کی ایسی سخت آزمائش تھی، جنکی یاد کئی برس تک مسلمانوں کے دل میں رہی اور جب کبھی ان واقعات کا اصحاب میں ذکر آجاتا، تو فرط الم سے سب اصحاب کی آنکھیں تر ہو جایا کرتی تھیں ؛

الغرض دوسرے روز شنبہ کے دن حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے جان نثاروں کیساتھ احد سے مدینہ شریف کی طرف لوٹے اور جیسے ہی مسجد نبوی میں آپ رونق افروز ہوئے سینکڑوں عقیدت مندوں نے آپ کو زندہ دیکھ کر جوش مسرت میں آپ کے قدم مبارک چومنا چاہے، لیکن آپ نے انہیں منع فرماتے ہوئے سب کو پاس بٹھایا، اور خدا کا شکریہ ادا کیا ؛

غزوہ حمراء الاسد اتنے میں ایک مسلمان بدوی نے آکر خبر دی کہ مشرکین احد سے نکل کر تھوڑی دور جا کر ٹھہر گئے ہیں، اور وہاں سب نے مشورہ کیا، تو ابوسفیان اور عتبہ ابن ابی جہل

کی یہ رائے ہوئی، کہ ہمیں مدینے پر ضرور حملہ کرنا چاہیئے تھا، کیونکہ مسلمانوں کو پوری ہزیمت تو جبھی ہوتی، جب تک ان کے مرکز کو غارت نہ کیا جاتا، عتبہ نے اس بات پر زور دیا، کہ یہ ہم نے سخت غلطی کی ہے، اس لئے ہمیں یہیں سے پلٹ کر مدینہ شریف پر حملہ کرنا چاہیئے ،،

اس پر صفوان ابن امیہ نے کہا، میری رائے میں یہ سراسر غلطی ہے، مدینے پر حملہ کرنا کوئی آسان کام نہیں، شہر کے تمام لوگ طیش کھا کر ہمارے برخلاف اُٹھ کھڑے ہونگے اور ہمیں وہاں سے بھاگنا مشکل ہو جائے گا، لیکن عتبہ نے صفوان کی اس رائے کو نہ مانا اس لئے، ابوسفیان اپنی فوج کو مدینہ پر حملہ کرنے کیلئے ترتیب دے رہا ہے،

حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ خبر سُنی تو اُسی وقت سب لوگوں کو اطلاع کرادی، کہ جو لوگ کل اُحد میں ہمارے ساتھ تھے، مشرکین کے مقابلہ کیلئے پھر تیار ہو جائیں، اگرچہ تمام لوگ زخمی اور خستہ حال تھے، ابھی وہ اپنے اپنے زخموں کی مرہم پٹی بھی نہ کرنے پائے تھے، مگر ارشاد رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سنتے ہی سب مسلح ہو کر جمع ہو گئے اور حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے جان نثاروں کے ہمراہ مدینہ شریف سے باہر کوچ فرمایا، تاکہ مشرکین مکہ مسلمانوں کی بہادرانہ شان و شوکت کو دیکھیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ سے نکل کر بہادران اسلام کے ساتھ سات میل کی مسافت پر حمراء الاسد مقام پر قیام فرمایا ادھر سے ابوسفیان مشرکین کی جماعت کو لئے مدینہ پر حملہ آور ہونے کیلئے آ رہا تھا، راستہ میں معبد الخزاعی سے ملاقات ہوئی، ابوسفیان نے اس سے پوچھا بتاؤ اب تمہاری حالت کیا ہے، معبد نے کہا، محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنی جماعت کے ساتھ مدینہ سے کئی میل باہر مقابلہ کیلئے نکل آئے ہیں، اور ان جیسی شان بہادری میں نے کہیں نہیں دیکھی ،،

ابوسفیان اور اسکے ہمراہی مشرکین نے جب یہ حال سنا کہ وہی لوگ جن کو ہم ابھی شکست دیتے چلے آتے ہیں، ہمارا تعاقب کرنے آئے ہیں، نہ ان کو اپنی مصیبت یاد ہے، نہ اپنے

زخموں کی پرواہ ہے اُف کسقدر جیالے لوگ ہیں ایسی حالت میں گھر سے اتنی دور نکلکر ہم سے مقابلہ کرنے آرہے ہیں، یہ حال سُنکر سب مشرکین کے ہوش حواس جاتے رہے ؛

ساتھ ہی اس کے مسلمانوں کے جوشِ انتقام کا خیال آیا، اور ابوسفیان سمجھ گیا اب کے اگر مقابلہ ہوا، تو خیر نظر نہیں آتی، کیونکہ وہ جانبازانِ اسلام اور دلدادگانِ توحید کی شجاعت دیکھ چکا تھا، اور اسے یہ بھی معلوم تھا، کہ کل کی فتح فقط ایک اتفاقیہ بات تھی، اگر مسلمان غفلت نہ کرتے تو احد کا میدان بھی انہیں کے ہاتھ رہتا، یہ سب باتیں سوچکر تمام مشرکین وہیں سے سر پر پاؤں رکھ کر بھاگے ؛

اتنے میں بہادرانِ اسلام بھی مشرکین کی بزدلی کا حال بھانپ کر وہاں پہنچ گئے اور اس بھاگڑ میں دو مشرکین مسلمانوں کے ہاتھ آ گئے، جن میں ایک تو ابوعزی شاعر تھا، اور دوسرا معاویہ ابن المغیرہ چنانچہ ان دونوں اسیروں کو لے کر حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رفقاء کے ساتھ پلٹ آئے ؛

یہ واقعات ۲۴ھ کے ہیں، حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ سے مدینہ میں رونق افروز ہوئے، تین سال کے قریب ہو چکے تھے، آپ کے اور آپ کے اصحاب کا زمانہ مصائب اب ختم ہو چکا تھا، تیرگی عرب کو آفتابِ اسلام کی شعاعوں نے جسقدر منور کیا تھا، وہ سر ولیم میور صاحب کی اس تحریر سے معلوم ہو سکتا ہے ؛

اسلام کیا ہے ایک زمانہ نامعلوم سے مکہ اور تمام جزیرہ عرب کی روحانی کیفیت بالکل بےحس ہو گئی تھی، گو ایک خفیف اور ناپائدار سا اثر یہودیت نصرانیت یا فلسفہ کا عرب پر ضرور تھا، جیسے کہ ایک دریا کا غیر رواں سطح کا ادھر اُدھر لہرانا، مگر تہہ میں محض بےحس و حرکت رہنا، چنانچہ تمام عرب توہمات و ظلم و بدکاریوں میں غرق ہو رہے تھے، یہ عام رسم تھی، کہ بڑا بیٹا اپنے باپ کی بیبیوں کو جو کہ اور جائداد کی مانند میراث میں آتیں بیاہ لیتا ان کے غرور اور افلاس سے رسم دخترکشی بھی نمین جاری ہو گئی تھی، جیسے ہندوؤں میں

اِن کا مذہب حد درجہ کی بت پرستی تھا، اور اِن کا ایمان ایک مسبب الاسباب مالک علی الاطلاق پر نہ تھا، بلکہ غیر مرئی ارواح کے توہم باطل کی سی ہیئت انکا ایمان تھا، انہیں کی رضامندی مناتے تھے، اور انہیں کی ناراضگی سے احتراز کرتے تھے قیامت جزا و سزا حشر و نشر وغیرہ کی انہیں خبر ہی نہ تھی ؛

ہجرت سے ۱۳ برس پیشتر تو مکہ اِس طرح سے ایسی ذلیل حالت میں بیجان پڑا ہوا تھا مگر اِن تیرہ برسوں نے ایسا اثر عظیم پیدا کیا، کہ سینکڑوں آدمیوں کی جماعت نے بت پرستی چھوڑ کر خدائے واحد کی پرستش اختیار کی اور اپنے اعتقاد کے موافق وحی الٰہی کی ہدایت کے مطیع و منقاد ہو گئے، اُسی قادر مطلق سے بکثرت و بشدت دعا مانگتے اسی کی رحمت پر مغفرت کی امید رکھتے اور حسنات و خیرات و پرہیزگاری اور انصاف کرنے میں بڑی کوشش کرتے تھے، اب انہیں شب و روز اسی قادر مطلق کی قدرت کا خیال تھا، کہ وہی رزاق ہے، وہی ہماری ادنےٰ حوائج تک کا خبر گیراں ہے، ہر ایک قدرتی یا طبعی کیفیت میں ہر ایک امور متعلقات زندگانی میں اور ان کی خلوت اور جلوت کے ہر ایک حادثہ یا تغیرات میں وہ اسی کے ید قدرت کو دیکھتے تھے، وہ لوگ اسی نئی روحانی حالت کو جس میں وہ خوشحال اور حمد کناں رہتے تھے، خدا کے فضل خاص و رحمت با اختصاص کی علامت سمجھتے تھے، اور اپنے کافر اہل شہر کے کفر کو خدا کی تقدیر کئے ہوئے خذلان کی نشانی جانتے تھے، محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو وہ اپنا حیات تازہ بخشنے والا سمجھتے تھے، جو کہ ان کی ساری امیدوں کے واسطے ماخذ تھے، اور انہیں کی تماسب اور کامل اطاعت کرتے تھے ؛

ایسے تھوڑے ہی زمانہ میں مکہ اس عجیب تاثیر سے دو حصوں میں منقسم ہو گیا تھا، جو بلا لحاظ قبیلہ و قوم ایک دوسرے کے درپے مخالفت و ہلاکت تھے، مسلمانوں نے مصیبتوں کو عمل اور شکیبائی سے برداشت کیا، اور گو ایسا کرنا ان کی ایک مصلحت تھی،

مگر پھر بھی ایسی عالی ہمتی اور بردباری کیلئے وہ لوگ تعریف کے مستحق ہیں، ایک سو مرد اور عورتوں نے اپنے ایمان عزیز سے انکار نہ کر کے اپنا گھر بار چھوڑ کر جب تک کہ یہ طوفان مصیبت فرو ہو، حبش کو ہجرت کر چکے تھے، اور اب پھر اس تعداد سے بھی زیادہ آدمی اور ان میں نبی بھی اپنے عزیز شہر اور مقدس کعبہ کو (جو اُن کی نظر میں تمام روئے زمین پر سب سے زیادہ مقدس تھا) چھوڑ کر مدینہ کو ہجرت کر آئے، اور یہاں بھی اسی عجیب تاثیر نے تین برس کے عرصہ میں ان لوگوں کے واسطے ایک ایسی برادری پیدا کر دی جو مسلمانوں کی حمایت میں جان دینے کو مستعد ہو گئی۔

اہل مدینہ کے کانوں میں اگرچہ حقانی باتیں عرصہ سے گوشگذار ہو چکی تھیں، مگر وہ بھی اس وقت تک خواب خرگوش سے نہ چونکے، جب تک کہ روح کو کپکپا دینے والی یہی باتیں محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی نہیں سنیں، تب البتہ دفعتہً ایک نئی اور سرگرم زندگانی میں دم بھرنے لگے۔ (سر ولیم میور مصنف) ج ۲ ص ۲۶۹ - ۲۷۱۔

وہ باتیں کیا تھیں؟ وہی تبلیغ اسلام، خدائے واحد کا پیغام، جسے حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی زبان سے ادا فرماتے، اور جو شخص ان کو سنتا تھا، ایمان لے آتا تھا، اس میں نہ کوئی جبر تھا، نہ ذاتی مفاد۔

خدائے پاک کی تعلیم خدا کے بندوں اور خدا کی ہی خوشنودی کیلئے دی جاتی تھی، پیغمبر خدا آنحضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اسی کام کیلئے خدا نے مبعوث کیا تھا، سچی اور بے لوث تعلیم بغیر کسی ریا بغیر کسی ذاتی منفعت کے جو شخص اس ظاہری حالت اور باطنی خیالات پر غور کرتا تھا، اسے اسلام قبول کرنا پڑتا تھا۔

حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم اگرچہ مدینہ شریف کے حقیقی فرمانروا تھے، لیکن ان میں کسی قسم کی ظاہری شانِ امارت نہ تھی، نہ کوئی محل تعمیر کرایا، نہ کوئی دربار، صرف ایک مسجد نبوی تھی، اس کے ساتھ ہی آپ کا ایک معمولی سا حجرہ وہی آپ کا دولت کدہ تھا، اور

اسی مسجد میں دربار منعقد ہوتا تھا لیکن جو اس دربار رسالت کی شان تھی، وُہ اس وقت بڑے بڑے شاہی درباروں یعنی فارس، شام، روم، یونان میں بھی نہ پائی جاتی تھی، فقیر و امیر سب برابر تھے، ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو حقیقی بھائی سے زیادہ چاہتا تھا، حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم دِن رات توحید کی اشاعت میں منہمک رہتے جو شخص آتا تھا، اُسے سیدھی سادھی توحید بتاتے تھے، خُدائے واحد کا ڈر اس کی پرستش، بُری باتوں سے دُور رہنے اور نیک کام کرنے کی تلقین فرماتے تھے، جو آتا تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق، صبر، قناعت، محبّت کو دیکھ کر وہیں کا ہو جاتا تھا، مدینہ شریف کی تمام آمدنی فتوحات کا تمام مال غنیمت بیکس اور درماندہ رعایا میں آپ صرف کر دیتے تھے، خود فاقے کرتے بھوک کی تکلیف دُور کرنے کیلئے پیٹ پر پتھر باندھ کر سو جاتے تھے، نہ تاج تھا نہ تخت فقط ایک بوریائے بے ریا تھا، اسی پر بیٹھتے اِس پر شب کو آرام فرماتے تھے،

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی مسلمانوں کیلئے ایک نمونہ تھی، اور ہر ایک مسلمان انسانی مساوات کا نمونہ تھا، ہر طرف یکسانیت اور یکرنگی نظر آتی تھی، عالم و جاہل میں امتیاز نہ تھا، نہ رہبانیت اور دنیا داری میں، نہ دولت اور افلاس میں اور نہ حاکم اور محکوم میں اس روحانی انقلاب نے بادشاہ کا لفظ ہر ایک کے دِل سے محو کر دیا تھا، حضورِ پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر ایک لکھے پڑھے کو حکم دیدیا تھا، کہ وُہ اَن پڑھ لوگوں کو تعلیم اسلام دیں، اور اَن پڑھ لوگوں کو یہ ارشاد تھا، کہ وہ تعلیم حاصل کریں، اس حکم سے ہر مسلمان معلّم بھی تھا، اور متعلم بھی کسی میں کوئی خصوصیت نہ تھی، جو شخص اسلام میں داخل ہوتا تھا خواہ وُہ ادنےٰ ہو یا اعلیٰ، شریف ہو یا رذیل، مسلمان ہوتے ہی سب مسلمان اُسے اپنا بھائی سمجھتے تھے، اسلام یہ تھا، کہ سب کا پیدا کرنے والا، سب کو زندہ رکھنے والا، سب کو رزق دینے والا ایک خُدا وحدہٗ لا شریک ہے، اس کی خدائی میں کوئی شریک نہیں، کسی انسان جن، دیو، پری، عورت، آگ، ہوا، چاند، سورج، غرضیکہ کسی چیز کو اس کا شریک سمجھنا شرک

ہے، جو کچھ خُدا نے فرمایا ہے، اس پر چلو، جن باتوں سے خُدا نے منع فرمایا ہے، ان کو نہ کرو سوائے خدا کے کسی کے آگے نہ جھکو، جو کچھ مانگنا ہو اسی سے مانگو اس کے رسولوں نبیوں کو برحق سمجھو، مرنے کے بعد پرسش اعمال ہو گی، نیکیوں کے عوض جنّت اور برائیوں کے بدلے دوزخ کا عذاب ہو گا، وغیرہ وغیرہ ؛

اسی توحید کا نام اسلام ہے، اِس بے لوث وحدانیت نے ہر ایک ادنیٰ و اعلیٰ مسلمان میں عجیب و غریب آزادی اور بہادری اور خودداری پیدا کر دی تھی، وہ فقط خُدا سے ڈرتے تھے، اور اسی کی رحمت و تائید کے امیدوار رہتے تھے ؛

انہی وجوہات سے اسلام دن بدن ترقی کرتا چلا گیا، اور اس تھوڑے سی مدّت میں چند نفوس سے ہزاروں تک مسلمانوں کی تعداد کو دیکھ کر متعصب مشرکوں کے سینے آتش حسد سے جلنے لگے، اگرچہ اب مسلمانوں سے آمنے سامنے مقابلہ کرنا بڑے دل گردہ کا کام تھا، تاہم منافق لوگ اپنی منافقت سے باز نہ آتے تھے ؛

سنہ ۴ھ چنانچہ جنگ اُحد کے چار ماہ بعد ماہ صفر کے مہینے عضل اور قارہ کے لوگوں نے آنحضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا، کہ ہمارا گروہ اگرچہ اسلام لا چکا ہے، تاہم وہ لوگ ابھی اسلامی احکامات سے ناواقف ہیں، اس لئے عرض ہے، کہ ہمارے ساتھ کسی واقف دین کو آپ روانہ کر دیجئے، کہ جو ہم لوگوں کو دین کی باتیں سکھلایا کرے، اور ہم لوگ شریعت کے احکام سیکھ لیں، لہٰذا ان لوگوں کے کہنے کے مطابق حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دس اصحاب کو جن کے سردار عاصمؓ بن ثابتؓ تھے، ان کے ہمراہ روانہ کر دیا، لیکن جب عضل اور قارہ کے لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارسال کردہ دس اصحاب کو ساتھ لیکر مقام رجیع پر پہنچے تو ان

سریہ رجیع[1]

[1] ہم پہلے عرض کر چکے ہیں، کہ جس مہم میں حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بذاتِ خود شریک نہیں ہوئے بلکہ کسی صحابی کو سردار بنا کر بھیجا، اِن کو سریہ کہتے ہیں ؛

[2] رجیع بنی ہذیل کے پانی کا مقام تھا، جو عسفان اور مکّہ کے وسط میں ہے ؛

غدّاروں نے مسلمانوں کے ساتھ بدعہدی کی اور قبیلہ بنولحیان کو اشارہ کیا، کہ ان کا کام تمام کردیں، بنولحیان دو سو آدمی لیکر جن میں ایک سو تیر انداز تھے، ان لوگوں کے تعاقب میں چلے، اور اُن کے قریب آگئے، اِن بزرگوار صحابہ نے بڑھ کر ایک ٹیلے پر پناہ لی کفار نے ان سے کہا، کہ اتر آؤ ہم تم کو امن دیتے ہیں، عاصم نے کہا میں کافر کی پناہ میں نہیں آتا یہ کہہ کر دعا کی:-

اَللّٰھُمَّ اَخْبِرْ رَسُوْلَکَ فَاسْتَجَابَ اللّٰہُ تَعَالٰی لِعَاصِمٍ فَاَخْبَرَ رَسُوْلَہٗ خَبَرَھُمْ یَوْمَ	اے اللہ ہماری خبر اپنے حبیب پاک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچادے:-

سو اللہ تعالےٰ نے یہ دعا اُنکی قبول کی، اور اُنکے حال کی اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر کردی:-

اور عاصم نے پہلے کفار کو تیر مارے، جب تیر ختم ہوگئے، تو نیزے سے لڑے جب نیزہ بھی ٹوٹ گیا، تب تلوار لی، یہاں تک لڑے، کہ یہ دعا کرتے ہوئے شہید ہوئے:-

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ حَمَیْتُ دِیْنَکَ صَدْرَ النَّھَارِ فَاحْمِ لَحْمِیْ :-	الٰہی تیرے دین کی حمایت کیلئے جان دی تو میرے بدن کو بچا کہ کفار کے ہاتھ نہ لگے:-

غرض وہ معہ سات ہمراہیوں کے لڑکر کفار کے تیر اندازوں کے ہاتھ سے شہید ہوئے:-

دراصل یہ غدّار عاصم بن ثابتؓ کو مدینہ منورہ سے لینے گئے تھے، وہ اس لئے کہ وہ احد کی لڑائی میں مشرکین مکّہ میں سے سلاقہ بنت سعد کا بیٹا مارا گیا تھا، اس کی ماں نے ممتا کی آنچ سے مجبور ہوکر مکّہ میں اعلان کردیا تھا، کہ جو کوئی میرے بیٹے کے قاتلوں میں سے جس کسی کا بالخصوص عاصم بن ثابت کا سر کاٹ لائیگا، اسے میں اعلیٰ درجہ کے سو اونٹ دونگی، اور عاصم بن ثابت جو تھے تو وہ گروہ انصار یعنے اہالیان مدینہ میں سے تھے، اور حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے بڑے جان نثار صحابی تھے جبکہ عاصمؓ بن ثابت شہید ہوگئے، قریش نے چند آدمیوں کو بھیجا، کہ عاصمؓ کا سر کاٹ

لائیں، تاکہ سلافہ کے پاس لیجا کر انعام حاصل کریں ؛

مگر اللہ جل جلالہٗ نے عاصم کی دعا قبول فرمائی، اور شہید مسلم کی یہ تحقیر گوارا نہ کی لہٰذا ایک شہد کی مکھیوں کا لشکر بھیجا، اُنہوں نے لاش پر پردا ڈالدیا، کسی کافر کو پاس پھٹکنے نہ دیا، جب رات ہوئی، خداوند تعالےٰ نے ایک سیلاب ایسا بھیجا، کہ بدن حضرتِ عاصم کو بہالے گیا، کافر خائف خاسر ناکام پھر گئے ؛

جب سلافہ سے جاکر انعام طلب کیا، تو اُس نے جواب دیا کہ میری شرط یہ تھی، کہ عاصم کا سر کاٹ کر لاؤ، تم نے یہ شرط پوری نہیں کی، میں انعام ہرگز نہ دونگی ؛

لیکن دو بزرگواروں نے جن کے نام جنیب بن عدی و زید بن دثنہ تھے، کافروں کے وعدہ پر اعتماد کیا، اور ٹیلے سے اُتر آئے، کافروں نے بدعہدی کرکے گرفتار کرلیا، اور ان کی مشکیں کس لیں ؛

سفیان ہرنی نے انہیں مکہ میں لیجا کر قریش کے پاس فروخت کردیا، جنیب نے جنگ اُحد میں حارث بن عامر کو قتل کیا تھا، اسلیئے اِن کو حارث کے لڑکوں نے خریدا کہ باپ کے بدلہ میں قتل کریں گے، چند روز انہیں اپنے گھر میں بھوکا پیاسا قید رکھا ایک دن حارث کا بچہ تیز چھری سے کھیلتا ہوا جنیب رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچ گیا، اُنہوں نے بچہ کو زانو پر بٹھلایا، چھری لیکر رکھدی، اور بچہ کو کھلا رہے تھے، جب اسکی ماں نے یکایک دیکھا، کہ اس کا بچہ چھری لیکر اُس قیدی کے پاس ہے جسے چند روز سے اُنہوں نے بے آب و دانہ رکھا تھا، تو وہ کانپ اُٹھی، اور بے اختیار چیخ ماری، جنیب نے کہا، کیا تو یہ سمجھی کہ میں اسے قتل کردونگا، کیا نہیں جانتی کہ مسلمانوں کا کام غدر کرنا نہیں،

خاندانِ حارث نے چند روز کے بعد جنیبؓ اور دثنہ دونوں بزرگواروں کو حرم کی حد کے باہر لیجا کر بارادہ قتل صلیب کے نیچے کھڑا کردیا، اور کہا اگر اسلام چھوڑ دو، تو تمہاری جان بخشی ہوسکتی ہے، دونوں بزرگواروں نے جواب دیا، کہ جب اسلام ہی نہ

باقی رہا، تو جان رکھ کر کیا کرینگے ؟۔

قریش نے پوچھا، کہ کوئی تمنا ہو، تو بیان کرو، جنیب رضی اللہ عنہ نے دو رکعت نماز پڑھنے کی اجازت مانگی، قاتلوں نے مہلت دیدی، اُنھوں نے نماز ادا کی حضرت جنیب نے نماز پڑھ کر کہا، دیر تک نماز پڑھنے کو جی چاہتا تھا، لیکن سوچا کہ دشمن یہ نہ کہیں کہ موت سے ڈر گیا ہے، چنانچہ مقتولانِ بیگناہ کیلئے یہ نماز سنت قائم کردی گئی ، اسی زمانہ سے دستور ہے کہ کسی کو قتل کرتے ہیں، تو مقتول پہلے دو رکعت نماز ادا کر لیتا ہے ؛

دوسرے صاحب زید تھے، اِن کو صفوان بن امیہ نے قتل کے ارادہ سے خریدا تھا۔ اُن کے قتل کے وقت قریش کے معزز سردار تماشا دیکھنے آئے، جن میں ابوسفیان بھی تھا جب قاتل نے تلوار ہاتھ میں لی، تو ابوسفیان نے کہا سچ کہنا، اِس وقت تمہارے بدلے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) قتل کئے جاتے تو کیا تم اِس کو اپنی خوش قسمتی نہ سمجھتے، بولے خُدا کی قسم میں تو اپنی جان کو اِس کے برابر بھی عزیز نہیں رکھتا، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تلووں میں کانٹا چبھ جائے اللہ اکبر اُنکے دل محبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسقدر مملو تھے، اُن کا دل اسلام پر کتنا قائم تھا، اِن کو دین حق پر کیسی استقامت تھی، اِن کو خُدا کی خوشنودی اور ہمیشہ کی نجات کا کتنا یقین تھا، کہ اِن تمام تکلیفوں اور زخموں کو برداشت کرتے ہوئے ذرا اُف تک نہیں کی، قتل اور تماشائیوں کے ہجوم میں صلیب کے نیچے کھڑے ہو کر بزرگوار خُدا کے برگزیدہ بندہ جوان مرد ترین جوان مرد نے جو فی البدیہ اشعار کہے ہیں، اِس سے اِس منظر کی پوری کیفیت اور اُس بڑے بزرگوار کی صداقت اسلام اور محبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پاکیزہ صورت بخوبی نظر آتی ہے ؛

لقد جمع الاحزاب حولی والبوا ۔ قبائلھم واستجمعوا کل مجمع

انبوہ در انبوہ لوگ میرے گردا گرد کھڑے ہو رہے ہیں ۔ اور بڑے بڑے قبیلوں کو اُنھوں نے بلا لیا ہے

وکلھم مبدی العداوۃ جاھد ۔ علی لانی وثاق بمضیع

اور یہ سب کے سب عداوت نکال رہے ہیں اور میرے برخلاف جوش دکھلا رہے ہیں — اور میں اس ہلاکت گاہ میں بندھا ہوا ہوں

وقد جمعوا ابناءھم ونساءھم — وقربت من جزع طویل ممنع

اور ان قبائل نے اپنی عورتوں اور بچوں کو بھی بلا رکھا ہے — اور مجھے ایک بلند لکڑی یعنی سولی کے پاس لائے ہیں

وقد خیرونی الکفر والموت دونہ — وقد ھملت عینائی من غیر مجزع

اور اُنہوں نے مجھے کہدیا ہے، کہ کفر اختیار کرنے سے آزادی مل سکتی ہے، مگر اس کفر اختیار کرنے سے تو مجھے موت بہت سہل ہے، اور میری آنکھوں سے آنسو لگاتار جاری ہیں مگر کچھ بیقراری نہیں۔

فلست بمبد للعد و تخشعا — ولا جزعا انی الی اللہ مرجعی

میں دشمن کے سامنے ہرگز ہرگز عاجزی نہ کرونگا۔ اور نہ روؤں گا، اور نہ چلاؤنگا میں جانتا ہوں کہ میں خدا کی طرف جا رہا ہوں

ومالی حذار الموت انی لمیت — ولکن حذاری حجم نار ملفع

اور موت سے مجھے اسلئے ڈر نہیں کہ میں مر جاؤنگا، — لیکن میں تو لپٹ والی آگ کے خوف سے ڈرتا ہوں

فذ والعرش صبرلن علی مایراد بی — فقد بصفرالحمی وقد یاس مطمعی

اُس عرش عظیم کے مالک نے مجھ سے کوئی خدمت لینی چاہی اور مجھے صبر کرنے کا حکم فرمایا ہے، اب اُنہوں نے زد و کوب سے میرا تمام گوشت کوٹ کوٹ دیا ہے، اور میری امید جاتی رہی ہے

الی اللہ اشکی غربتی ثم کربتی — وما ارصد الاحزاب لی عند مصرعی

خداوند تعالےٰ فریاد کرتا ہوں، اپنی بیوطنی اور بیکسی اور درماندگی کی، اور ان ارادوں کی جو میری جان توڑنے کے بعد یہ لوگ رکھتے ہیں

فواللہ ما ارجوا ذرمت مسلما — علےٰ ای جنب کان للہ مصرعی

خدا کی قسم جب میں اسلام کے لئے قتل کیا جا رہا ہوں — تو مجھ کو اس کی پرواہ نہیں کہ کس پہلو پر قتل کیا جاؤنگا

وذالک فی ذات الالٰہ وان یشاء — یبارک علےٰ اوصال شلو ممزع

یہ جو کچھ ہے خالصتاً خدا کیلئے ہے، اگر وہ چاہے گا، تو — جسم کے ان پارہ پارہ ٹکڑوں پر برکت نازل کریگا

سب سے آخر میں یہ دعا مانگی :-

اللھم بلغنا رسالتہ رسولک فبلغہ — ترجمہ :- اے خدا ہم نے تیرے رسول کے احکام ان لوگوں کو

ما یصنع بنا ؛	پہنچا دیئے، اب تو اپنے رسول کو ہمارے حال کی اور ان کرتوتوں کی خبر فرمائے ؛

سعید بن عامر رضی اللہ عنہ جو حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کے عمال میں سے تھے۔ اُن کا یہ حال تھا، کہ کبھی کبھی یکبارگی بیہوش ہو جایا کرتے حضرت عمر فاروقؓ نے ان سے وجہ دریافت فرمائی، وہ بولے مجھے نہ کوئی مرض ہے، نہ کچھ شکایت ہے، جب جنیب رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو صلیب پر چڑھایا گیا، تو میں اس مجمع میں موجود تھا، مجھے جس وقت جنیب رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی باتیں یاد آجاتی ہیں، میں کانپ کر بیہوش ہو جاتا ہوں؛

سریہ بیر معونہ

اسی سال صفرہی کے مہینہ میں ایک اور واقعہ پیش آیا وہ یہ کہ ابو براء عامری جو اگرچہ مسلمان نہیں ہوا تھا، لیکن مسلمانوں کے خلاف بھی نہ تھا، مدینۃ الرسول میں آیا، اور حضور پر نور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں باریاب ہو کر اس نے عرض کیا، کہ اہل نجد میں تبلیغ اسلام کے لئے آپ چند اصحابیوں کو بھیجیں، آپ نے فرمایا، اہل نجد نہایت جنگ جو اور فتنہ انگیز ہیں، مجھے خوف ہے، کہ میرے اصحاب کے ساتھ وہ سختی سے پیش آئیں، اس پر ابو براء نے کہا، اس کا میں ضامن ہوں ان کو کسی طرح کی آنچ نہ آنے دونگا ؛

چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے منذر انصاریؓ کو مع چالیسؓ برگزیدہ مسلمانوں کے بھیجدیا، لیکن جب ابو براء ان اصحاب کبار رضی اللہ تعالےٰ عنہما کو لیکر مقام بیر معونہ پر (جو مدینہ شریف سے چار مرحلہ دُور ہے) پہنچا، تو اس نے نامۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو (جو حاکم نجد عامر بن طفیل کے نام تھا) ایک قاصد کے ہاتھ روانہ کر دیا، اور خود مقام بیر معونہ پر قیام کیا، حاکم نجد عامر بن طفیل کے پاس جب نامۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پہنچا تو اس نے قاصد کو تو شہید کر دیا، اور ایک بڑے بھاری گروہ کے ساتھ خود مقام بیر معونہ پر چڑھ دوڑا، اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس منافقت سے لاعلم تھے، عامر بن طفیل بلائے ناگہانی کی

طرح مسلمانوں پر آپڑا اور سوائے کعبؓ ابن زید (جو زخموں سے جانبر ہوسکے) باقی تمام اصحاب شہید ہوگئے، کعبؓ ابن زید چونکہ دیگر لاشوں میں پڑے ہوئے تھے، دشمنوں نے یہ خیال کر کے کہ یہ بھی شہید ہوگئے، ان کی طرف خیال نہ کیا، ورنہ وہ بھی زندہ نہ بچتے آخران چالیس جان نثاران اسلام میں سے صرف کعبؓ ہی حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے، جس نے اہلِ نجد کی بدباطنی کا حال حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا۔

غزوہ بدر ثانی اسی اثنا میں یعنی ۳ھ ہجری ماہ شعبان میں جنگ بدر ثانی ہوا، جس کی وجہ یہ ہوئی کہ حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک مشہور شخص نعیم بن مسعود حاضر ہوا، اور اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کی اطلاع دی کہ ابو سفیان نے جنگ اُحد سے جاتے وقت پکار کر کہدیا تھا کہ آئندہ سال مقام بدر میں مسلمانوں سے ہمارا پھر مقابلہ ہوگا، اس وعدہ کے مطابق اہلِ قریش نے جنگ کرنے کیلئے بڑی تیاریاں کی ہیں، دُور دُور کے قبائل کو دوست بنا کے ان سے رفاقت کے وعدے لئے ہیں، چنانچہ بہت سے قبائل اسی شوق میں مکہ کے گرد جمع ہونا شروع ہو رہے ہیں، مشہور مقامات سے اچھے اچھے اسلحہ منگوائے گئے ہیں، خصوصاً یمنی قافلوں سے بہت سی ہندی تلواریں خریدی گئی ہیں، اور شام سے برچھے اور نیزے منگوائے گئے ہیں، غلہ اور رسد کا بھی کافی سامان فراہم کیا گیا ہے، اور سب نے قسمیں کھائی ہیں، کہ مر جائینگے، مگر میدان جنگ سے قدم نہ ہٹائیں گے، غرضیکہ کئی ہزار سواروں اور پیادوں کا لشکر لیکر ابو سفیان عنقریب مکہ سے کوچ کرنیوالا ہے، اب تک تو وہ چل پڑے ہوتے لیکن ابو سفیان کو ایک قافلہ کا خیال ہے، جو شام کو جانیوالا ہے، وہ قافلہ مقام ینبوع سے آگے نکل جائے تو مشرکین روانہ ہوں گے۔

اس خبر نے مسلمانوں کو بہت پریشان کر دیا، اور اہلِ مدینہ کے بعض منافق جن میں

عبداللہ بن اُبی بن سلول منافق بھی تھا، خوف زدہ ہوکر کہنے لگے، کہ ایسے زبردست لشکر کے مقابلے کیلئے ہمیں مقام بدر کیلئے کھلے میدان میں نہ جانا چاہیئے، بلکہ مدینہ میں رہکر دشمن کا انتظار کرنا چاہیئے، تاکہ شہر میں محصور رہوکر دشمن کا مقابلہ کیا جائے ؛

لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کبار رضؓ نے اس کی اس رائے سے اتفاق نہ کرتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا، جبکہ اہل قریش ہمیں مقابلہ کیلئے میدانِ بدر میں بُلا چکے ہیں، تو یہاں گھر میں بیٹھ کر دشمنوں کا انتظار کرنا، ہماری کمزوری سے منسوب ہوگا، اور مشرکین کے حلیف و دیگر تمام قبائل بھی ہمیں بزدل تصور کرکے یہ بات مشہور کرینگے، کہ ہم ڈر کے مارے گھر میں چھپ گئے ؛

حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس رائے سے مہاجرین و انصار کے معززین اور صاحب رائے لوگوں نے بھی جب اتفاق کیا، تو سب مسلمانوں کو یہ رائے ماننا پڑی ؛

چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کے بھروسہ پر اپنے جان نثاروں کے ساتھ مدینہ سے کوچ کیا، اور مقام بدر پر جاکر ٹھہر گئے ؛

اِدھر سے مشرکین مکّہ کا سردار ابوسفیان بھی اپنا لشکر لے کے چلا، لیکن ابھی مقام بدر سے کئی منزل پرے تھا، جونہی، اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مع لشکر اسلام مقابلہ کیلئے بدر میں قیام فرما ہونے کا حال سُنا، تو اس کے حواس باختہ ہوگئے، کیونکہ ابوسفیان کو یہ پورا بھروسہ تھا، کہ مسلمان مقابلہ نہ کرسکیں گے، اگر اسے اس بات کی خبر نہ تھی، کہ میدانِ بدر میں ہی مسلمانوں سے مقابلہ کرنا پڑیگا، ابوسفیان مرتا کیا نہ کرتا، واپس ہونے پر اسے یہ خیال آتا تھا، کہ تمام قبائل عرب میں بدنامی ہوگی، اور پھر کسی کو لڑائی پر آمادہ کرنیکی جرأت نہ ہوگی، علاوہ اس کے اسے اس بات سے بھی ندامت ہورہی تھی، کہ اس نے دعوے کے ساتھ مسلمانوں کو لڑائی کا اعلان دیا تھا، لیکن باوجود ان دونوں باتوں کی شرم کے بہادرانِ اسلام کا اس پر ایسا رعب چھایا، کہ اسے اپنے ہمراہیوں کو یہ فقرہ دینا پڑا، کہ یہ

قحط کا سال ہے، اسلئے اس سال جنگ کرنا اچھا نہیں، چنانچہ وہ اپنے لشکر کو واپس لے کر مکّہ کو بھاگا۔

حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم آٹھ دن غنیم کے انتظار میں میدانِ بدر میں پڑاؤ ڈالے منتظر رہے، آخر مکّہ کے تاجروں سے جب یہ بات معلوم ہوئی، کہ ابوسفیان مکّے کو واپس لوٹ گیا ہے، تو مجبوراً حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی اپنے جان نثاروں کے ساتھ مدینہ شریف کو لوٹنا پڑا، مدینہ شریف میں پہنچکر اسی سال حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے زید ابن ثابت کو کتابت سیکھنے کا حکم دیا[1]۔

اسلام اور احسانِ عام

یہ ۶۲۵ء کا زمانہ مذہب اسلام کی ترقی کا زمانہ تھا، لوگ جوق درجوق مدینہ میں آکر مسلمان ہوتے تھے، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم دین اسلام کی ظاہری و باطنی خوبیوں سے انہیں بہرہ اندوز فرماتے تھے، اسلام کی تعلیم مساوات اور احسان عام کا بدیہی نمونہ تھی۔ اپنے ہم جنسوں سے شفقت اور نرمی برتنی تمام بنی نوع سے خیر اندیشی کرنا، ان کا بھلا چاہنا، بلکہ اپنی منفعت پر غیر کی منفعت کو مقدم رکھنا، اپنے دشمنوں مخالفوں اور بدخواہوں سے احسان و مروت اور بالعموم دوستی کرنا، ان کی خطاؤں سے درگذر کرنا برائی کے عوض ہمیشہ بھلائی کرنا یہ عمدہ اور افضل اخلاقِ اسلام کی تعلیم تھی۔

چونکہ عرصہ دراز سے کوئی ایسا حکیم دنیا میں نہ آیا تھا، جو یہ عمدہ مکارم اخلاق کی باتیں سکھلاتا، اور جن حکماء اور فلاسفروں نے زمانہ کا رنگ دیکھ کر محاسن اخلاق بیان کئے بھی تھے، چونکہ وہ انسانی خیالات تھے اس لئے انکے خیالات افراط و تفریط سے خالی نہ تھے، لہٰذا ان پر وثوق اور اعتماد کلی بغیر وحی و انکشاف کے ممکن نہ تھا، چنانچہ وہ وحی الٰہی جس کا انکشاف

[1] بعض مفسرین اور قابل مورخین کا قول ہے، کہ اسی سال میں حضرت امام حسینؓ ابن علی کرم اللہ وجہہ پیدا ہوئے۔

قرآن مجید کے ذریعہ ہوتا تھا، وہی صحیح نمونہ اخلاق کا تھا، اور یہی اسلام تھا ؛
چنانچہ اسلام مسلمانوں کو سکھلاتا تھا، کہ بدی کے عوض نیکی کریں، یعنی :-

(۱) وَيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ أُولٰٓئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ ٥ رعد ۳	جو لوگ برائی کے عوض میں بھلائی کرتے ہیں، انہی لوگوں کے لئے دار آخرت ہے ؛
(۲) أُولٰٓئِكَ يُؤْتَوْنَ أَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوْا وَيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ قصص ۶	ان لوگوں کو دوہرا اجر ملیگا، اس لئے کہ انہوں نے صبر کیا اور بھلائی کرتے ہیں برائی کے بدلے ؛
(۳) اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ أَحْسَنُ السَّيِّئَةَ مومنون ۶	بری بات کا جواب وہ کہ جو کہ بہتر ہے ؛
(۴) وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ ٥ وَمَا يُلَقّٰهَا إِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَمَا يُلَقّٰهَا إِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ٥ حٰمٓ السجدة ۵	برابر نہیں نیکی اور نہ بدی جواب میں تو کہہ جو بہتر ہے پھر تو دیکھے جسمیں تجھ میں دشمنی تھی جیسے دوستدار ناطے والا، اور یہ بات ملتی ہے، انہیں کو جو صبر کرتے ہیں، اور یہ بات ملتی ہے اس کو جس کی بڑی قسمت ہے ؛
(۵) وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا فَمَنْ عَفَا وَأَصْلَحَ فَأَجْرُهُ عَلَى اللّٰهِ ٥ شوریٰ ۴	برائی کا بدلہ برائی ویسی ہے، پھر جو کوئی معاف کرے اور سولے تو اس کا ثواب ہے ؛
(۶) وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ ٥ نحل ۱۶	اگر بدلہ تو بدلہ دو اسی قدر جتنی تم کو تکلیف پہنچے، اور اگر صبر کرو تو یہ بہتر ہے، صبر کرنے والوں کیلئے ؛

بس اس لئے اسلام ہر شخص کے دل میں گھر کر جاتا تھا، باوجود ان الہامی احکامات پر کاربند ہونے کے ہادی اسلام حضور پُرنور حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو مشرکین نے جو جو تکلیفیں پہنچائیں، اور انھوں نے مسلمانوں کیلئے اپنے مکارم اخلاق کا جو نمونہ پیش کیا، اسے آئندہ صفحات پر دکھایا جائے گا، یہاں اس کی نسبت خداوند کریم کا یہ ارشاد بتایا جاتا ہے جس سے حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے صبر کا موازنہ ہوسکتا ہے ؛

(۷) فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ	یہ کچھ خدا ہی کی مہر سے ہے، کہ تو ان کو نرم دل ملا، اگر تو

فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ	سخت اور سنگدل ہوتا تو وہ تیرے پاس سے بھاگ جاتے
فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ ۔ آل عمران آیت ۱۲	سو تو ان کو معاف کر اور ان کیلئے دعائے مغفرت کر:
(۸) وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِلْعَالَمِينَ ۝	اور نہیں بھیجا ہم نے تجھ کو مگر رحمت تمام جہان والوں کیلئے

پھر عام محبّت کیلئے ہادیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کو خداوند کریم کا یہ ارشاد ہوتا ہے:۔

(۹) لَا يَنْهَاكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِينَ لَمْ يُقَاتِلُوا	اللہ تعالیٰ تم کو اس بات سے منع نہیں کرتا کہ جو لوگ تم سے
كُمْ فِي الدِّينِ وَلَمْ يُخْرِجُوكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ	دین کے معاملہ میں نہیں لڑے، اور جنہوں نے تم کو تمہارے
أَنْ تَبَرُّوهُمْ وَتُقْسِطُوا إِلَيْهِمْ إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ	گھروں سے نہیں نکالا، ان کے ساتھ تم احسان اور انصاف
الْمُقْسِطِينَ ۝ إِنَّمَا يَنْهَاكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِينَ	کرو، بے شک اللہ تعالیٰ انصاف والوں کو دوست
قَاتَلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَأَخْرَجُوكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ	رکھتا ہے:۔ اور اللہ جس بات سے تم کو منع کرتا ہے، وہ یہ ہے
وَظَاهَرُوا عَلَىٰ إِخْرَاجِكُمْ أَنْ تَوَلَّوْهُمْ	کہ جو لوگ دین میں تم سے لڑے تمہارے گھروں سے نکالا تم کو
وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ فَأُولٰئِكَ هُمُ	تمہارے گھروں سے نکالنے میں اوروں کی مدد کی ان سے
الظَّالِمُونَ ۝ الممتحنۃ	دوستی کرو، اور جو لوگ ان سے دوستی کریں گے، وہ ظالم ہیں

اسلامی تمدن معاشرت

جس اسلامی تعلیم نے مسلمانوں کو اخلاق اور خصائل سے آراستہ اور مہذب بنا دیا، نیز دینی اور دنیوی برکتوں سے معمور ہو گئے، وہ ارشادات ایزدی یہ ہیں:۔

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِينَ يَمْشُونَ عَلَى الْأَرْضِ	اور بندے رحمٰن کے وہ لوگ ہیں جو چلتے ہیں زمین پر آہستہ اور
هَوْنًا وَإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُونَ قَالُوا سَلَامًا	جب بات کرتے ہیں ان سے بے سمجھ لوگ تو کہتے ہیں کہ سلام ہے
(۱) وَالَّذِينَ يَبِيتُونَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَقِيَامًا	اور وہ رات کاٹتے ہیں، اپنے رب کے آگے سجدہ کرتے ہوئے اور کھڑے
(۲) وَالَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ	اور وہ لوگ جو کہتے ہیں، اے رب ہٹا ہم سے دوزخ کا
جَهَنَّمَ إِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ۝	عذاب بیشک اس کا عذاب ہے لازم ہو جانے والا ۔
(۳) إِنَّهَا سَاءَتْ مُسْتَقَرًّا وَمُقَامًا ۔	وہ بری جگہ ہے، ٹھہراؤ کی اور بری جگہ رہنے کی:۔
(۴) وَالَّذِينَ إِذَا أَنْفَقُوا لَمْ يُسْرِفُوا وَلَمْ	اور وہ لوگ کہ جب خرچ کرنے لگیں تو نہ اڑا دیں اور نہ تنگی کریں اور

يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ط

ہے اس کے بیچ ایک سیدھی گذران :-

(۵) وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا ۝

اور وہ لوگ جو نہیں پکارتے اللہ کے سوا کسی حاکم کو اور نہیں خون کرتے جان کا جو منع کیا اللہ نے مگر جہاں چاہیے اور بدکاری نہیں کرتے اور جو کوئی کرے یہ کام ملیگا ٹکراؤ بال

(۶) يُضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيْهٖ مُهَانًا ۔

دونا ہو اس کو عذاب دن قیامت کے اور پڑا رہے اس میں خوار ہو کر ؛

(۷) اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۔

مگر جس نے توبہ کی اور یقین لایا اور کیا کچھ کام نیک سو ان کو بدل دیگا، اللہ برائیوں کی جگہ بھلائیاں اور ہے اللہ بخشنے والا مہربان ؛

(۸) وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاِنَّهٗ يَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ مَتَابًا ط

اور جو کوئی توبہ کرے اور کرے کام نیک سو وہ پھرتا ہے اس کی طرف پھر آنا ؛

(۹) وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا ۔

اور وہ لوگ جو کہتے ہیں اے رب ہمارے دے ہم کو ہماری عورتوں کی طرف سے اور اولاد کی طرف سے آنکھ کی ٹھنڈک اور کر ہم کو پرہیزگاروں کے آگے ؛

(۱۰) اُولٰٓئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوْا وَيُلَقَّوْنَ فِيْهَا تَحِيَّةً وَّسَلٰمًا ۔

ان کو بدلہ ملیگا، بالاخانوں کے جھروکے اس پر کہ ٹھہرے رہے اور لینے آوینگے ان کو وہاں دعا اور سلام کہتے ؛

(۱۱) وَالَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا ۔

اور وہ جو شامل نہیں ہوتے جھوٹے کام میں اور جب ہو نکلیں کھیل کی باتوں پر تو نکل جائیں بزرگی رکھ کر۔

(۱۲) وَالَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَّعُمْيَانًا ۝

اور وہ لوگ جب ان کو نصیحت دی جاتی ہیں، ساتھ نشانیوں رب اپنے کے نہیں گر پڑے ان پر بہرے اور اندھے ہو کر

(۱۳) قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ هُمْ

کام نکال گئے ایمان والے جو اپنی نماز میں جھکے ہیں ؛

فِیْ صَلَاتِہِمْ خَاشِعُوْنَ ۝ وَالَّذِیْنَ ھُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ۝ وَالَّذِیْنَ ھُمْ لِلزَّکٰوۃِ فَاعِلُوْنَ ۝ وَالَّذِیْنَ ھُمْ لِفُرُوْجِہِمْ حٰفِظُوْنَ ۝ اِلَّا عَلٰۤی اَزْوَاجِہِمْ اَوْ مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُہُمْ فَاِنَّہُمْ غَیْرُ مَلُوْمِیْنَ ۝ فَمَنِ ابْتَغٰی وَرَآءَ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْعٰدُوْنَ ۝ وَالَّذِیْنَ ھُمْ لِاَمٰنٰتِہِمْ وَعَہْدِہِمْ رَاعُوْنَ ۝ وَالَّذِیْنَ ھُمْ عَلٰی صَلَوٰتِہِمْ یُحَافِظُوْنَ ۝ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْوٰرِثُوْنَ ۝ الَّذِیْنَ یَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ ھُمْ فِیْہَا خٰلِدُوْنَ ۝ پارہ ۱۸ شروع	اور جو نکمی بات پر دھیان نہیں کرتے اور جو زکوٰۃ دیا کرتے ہیں، اور جو اپنی شہوت کی جگہ تھامتے ہیں مگر اپنی عورتوں پر یا اپنے ہاتھ کے مال پر سو ان پر نہیں الزام پھر جو کوئی ڈھونڈھے اس کے سوا وہی ہیں حد سے بڑھنے والے اور جو اپنی امانتوں سے اور اپنے اقرار سے خبردار ہیں اور جو اپنی نماز سے خبردار ہیں، وہی ہیں میراث لینے والے، جو میراث پاویں گے، باغ ٹھنڈی چھاؤں کے، اور اسمیں سدا رہیں گے ؎
(۱۴) اَلَّذِیْنَ یُوْفُوْنَ بِعَہْدِ اللّٰہِ وَلَا یَنْقُضُوْنَ الْمِیْثَاقَ ۔	اور وہ جو پورا کرتے ہیں، اقرار اللہ کا نہیں توڑتے اقرار
(۱۵) وَالَّذِیْنَ یَصِلُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰہُ بِہٖۤ اَنْ یُّوْصَلَ وَیَخْشَوْنَ رَبَّہُمْ وَیَخَافُوْنَ سُوْٓءَ الْحِسَابِ ۝	اور وہ جو جوڑتے ہیں، جو اللہ نے فرمایا ہے، جوڑنا اور ڈرتے ہیں اپنے رب سے اور اندیشہ رکھتے ہیں برے حساب کا ؎
(۱۶) وَالَّذِیْنَ صَبَرُوا ابْتِغَآءَ وَجْہِ رَبِّہِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰہُمْ سِرًّا وَّعَلَانِیَۃً وَّیَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَۃِ السَّیِّئَۃَ اُولٰٓئِکَ لَہُمْ عُقْبَی الدَّارِ ۝ رعد رکوع ۵	اور وہ جو ثابت رہے چاہتے توجہ اپنے رب کی اور کھڑی رکھی نماز اور خرچ کیا ہمارے دیئے میں سے کھلے اور چھپے کرتے ہیں برائی کے مقابل بھلائی ان لوگوں کا ہے پچھلا گھر ؎
(۱۷) یُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ وَیَخَافُوْنَ یَوْمًا کَانَ شَرُّہٗ مُسْتَطِیْرًا ۝ سورۂ دھر	پورا کرتے ہیں منت اور ڈرتے ہیں، اس دن سے کہ اس کی برائی پھیل پڑے گی ؎
(۱۸) وَیُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰی حُبِّہٖ	اور کھلاتے ہیں، کھانا، اس کی محبت پر محتاج کو اور

مَسٰكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا ۝

بے باپ کے لڑکے اور قیدی کو ۔

(۱۹) اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا ۝

ہم جو تم کو کھلاتے ہیں نرا اللہ کا منہ چاہئے کہ تم سے ہم چاہیں، بدلہ نہ چاہیں شکر گذاری کا ۔

(۲۰) اِنَّا نَخَافُ مِنْ رَّبِّنَا يَوْمًا عَبُوْسًا قَمْطَرِيْرًا ۝

ہم ڈرتے ہیں رب اپنے سے ایک دن اور اس کی سختی سے ۔

(۲۱) كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ۝

تم ہو تو بہتر سب لوگوں سے جو پیدا کئے گئے ہو واسطے لوگوں کے حکم کرتے ہو، اچھی بات کا اور منع کرتے ہو بری بات سے اور ایمان لاتے ہو اللہ پر ۔

(۲۲) وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۝

اور محکم پکڑو رسی اللہ کی، اور پھوٹ نہ ڈالو، اور یاد کرو احسان اللہ کا اپنے اوپر جب تھے، تم آپس میں دشمن پھر الفت دی تمہارے دلوں میں، اب ہو گئے ہو، اس کے فضل سے بھائی ۔

(۲۳) وَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ ۝

اور ان کے دل میں الفت ڈالی اگر تو خرچ کرتا جو سارے ملک میں ہے تمام نہ الفت دے سکتا ان کے دل میں لیکن اللہ نے الفت ڈالی ان میں ۔

اس اسلامی تعلیم نے نہ فقط تمدنی معاشرتی حالت کو درست کیا، بلکہ دینوی برکات سے بھی فیض یاب کیا اس پر ہادیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے چند عملی نمونے ملاحظہ فرمایئے ۔

ایک غزوہ میں آپ کے صحابی حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے ایک مشرک پر تلوار اٹھائی تو مشرک نے نعرۂ تکبیر بلند کیا، لیکن حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے مشرک کے اس نعرۂ تکبیر کو حفاظت جان کا بہانہ سمجھ کر تلوار کا وار کر کے اسے قتل کر دیا ۔

جب حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعہ کی خبر ہوئی، تو حضرت اسامہؓ پر سخت ناراض ہوئے

جس پر اسامہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس نے اپنی جان بچانے کیلئے صرف زبان سے یہ کلمہ پڑھ دیا تھا، حضور نے فرمایا، ھل شقت اقبلہ تم نے اس کا دِل چیر کر کیوں نہیں دیکھ لیا ؛

اسی طرح مقداد نے حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، اگر لڑائی میں کسی کافر سے مقابلہ آپڑے اور وُہ اپنی تلوار سے میرا ایک ہاتھ اڑا دے، اور جب وُہ میری زد میں آئے تو کہہ اُٹھے کہ میں اسلام لایا، تو کیا اس کے بعد میں اس کو قتل کر سکتا ہوں ؟ آپ نے فرمایا نہیں، اب قتل نہیں کر سکتے، کیونکہ تمہارے قتل کرنے سے پہلے وُہ تمہارے درجہ کے برابر ہو گیا، اب اگر تم اس کو قتل کرو گے، تو تم اس درجہ میں ہو گے، جس میں وُہ اس کلمہ کہنے سے پہلے تھا ؛

وُہ منافق لوگ جو اپنے آپ کو مسلمان کہتے تھے، اور دِل سے مسلمانوں کے درپئے آزار رہتے تھے، اگرچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان لوگوں میں سے اکثر کو جانتے تھے، جن سے مسلمانوں کو تکلیفیں پہنچی تھیں، لڑائیوں میں اِن سے خطرہ رہتا تھا، جان نثارانِ اسلام ان کی اِن حرکاتِ بد کی وجہ سے ایسے لوگوں کے قتل کی اجازت حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے چاہتے تھے لیکن آپ انکار فرماتے تھے ؛

چنانچہ ایک دفعہ ایک صحابی نے کسی سے پوچھا، کہ مالک بن دخشم کہاں ہے ؟ دوسرے نے جواب دیا، کہ وُہ منافق ہے، خُدا اور اُس کے رسولؐ سے محبت نہیں رکھتا، یہ بات کہیں حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے سُن لی، اور فرمایا، ایسا نہ کہو، تم نہیں جانتے، کہ وُہ خلوص کے ساتھ، لا الٰہ الا اللہ کہتا ہے، صحابیٔ مذکور نے کہا، کیوں نہیں، آپ نے فرمایا کوئی بندہ اس کو لیکر قیامت میں نہیں آئیگا، لیکن خُدا اس پر دوزخ کی آگ حرام کر دیگا ؛

مکہ شریف میں کفار کے شب وستم پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جس قدر صبر، بردباری، مروت، مہربانی، دلیری، متانت کا جو ثبوت دیا ہے ؛

وُہ جوہر نہ کسی میں تھا، اور نہ ہوگا، چنانچہ ایک روز ایک اعرابی نے آپ کی پشت مُبارک سے چادر کو اِس طرح کھینچا، کہ اس کے حاشیہ کا نشان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی گردن مُبارک پر پڑ گیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس اعرابی کے سینہ کی طرف مڑ گئے، اعرابی نے عرض کیا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جو مال تم کو تمہارے خُدا نے دیا ہے، اس میں سے کچھ مجھ کو بھی دو۔ آپ اس کی طرف متوجہ ہوئے اور اپنے اصحاب سے مسکرا کر اس کو کچھ دینے کا اشارہ فرمایا ؛

اہلِ مدینہ کی کنیزوں میں سے ایک کنیز ضعیف العمر تھی، اکثر آپ اس کے بازار کا کام کر دیتے تھے، اور وُہ آپ کو جہاں چاہتی لے جاتی تھی ؛

تنعیم والوں نے آپ کے قتل پر کمر باندھی تھی جب وُہ گرفتار ہو کر آئے، تو ان کو رہا کر دیا گیا ؛

ایک روز آپ اپنے دوستوں کے ساتھ تشریف لیگئے، سب تعظیم کیلئے کھڑے ہو گئے آپ نے فرمایا، عجمیوں کی طرح میری تعظیم کو کھڑا نہ ہونا چاہیئے ؛

اسی طرح جب کوئی شخص آپ کی زیادہ تعظیم کرتا، تو اکثر فرمایا کرتے، میری حیثیت سے زیادہ میری تعریف و تعظیم نہ کیا کرو ؛

غرضیکہ گذشتہ صفحات پر کلام خُدا کے جو چند نمونے آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں، ایسے ہی ارشادات الٰہی (جو قرآن مجید میں موجود ہیں) پر عمل کرنے کا نام اسلام تھا، اور حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کا اخلاق یہی قرآن پاک تھا، اس لئے جو لوگ سر میں دماغ اور دماغ میں عقل رکھتے تھے، وُہ ہادیٔ اسلام حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھتے ہی اسلام قبول کر لیتے تھے ؛

لیکن ایسے لوگ بہت کم تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جن لوگوں سے واسطہ پڑا ہے اس کتاب کے شروع میں ان لوگوں کی حالت سے آپ واقف ہو چکے ہیں، چنانچہ ایسے

ہی لوگوں میں سے حارث بن ابی ضرار نے قریش کی دوستی کے باعث بہت سے لوگوں کو اسلام سے منحرف کر دیا، بلکہ اُنہوں نے اپنی جماعت کو فراہم کر کے مسلمانوں کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا ؛

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب اِس بات کی خبر ہوئی، تو آپ اپنے جان نثارانِ اسلام کو لے کر مدینہ شریف سے چل نکلے ؛

۵ھ ہجری | ماہ شعبان ۵ھ میں آپ قریہ کی جانب مقام مریسیع میں فروکش ہوئے وہاں بنی المصطلق کی جماعت سے مقابلہ ہوا ؛

لیکن قبل از جنگ حضورِ پرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں میں پکروا دیا، اگر خدائے واحد پر ایمان لا کر فتنہ و فساد سے باز آؤ، تو تمہارے جان و مال سے کسی قسم کا تعرض نہ کیا جائیگا لیکن اِن سرکشوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد قبول نہ کیا، بلکہ اُنہوں نے لڑائی چھیڑ دی، مجبوراً مسلمانوں کو بھی میدان کارزار گرم کرنا پڑا، جان نثارانِ اسلام نے جان پر کھیل کر ایسا زبردست حملہ کیا، کہ پہلے ہی حملہ میں دشمنوں کے پاؤں اُکھڑ گئے، بنی مصطلق مال و اسباب کے تھا اپنے اہل و عیال کو بھی چھوڑ کر میدانِ جنگ سے جان بچا کر بھاگے، مسلمانوں نے مالِ غنیمت پر قبضہ کر لیا، اور سب چیزیں بہادرانِ اسلام میں اُسی وقت تقسیم ہو گئیں ؛

بنی مصطلق کے سردار حارث ابی ضرار کی بیٹی برّہ ثابت بن قیس صحابی کے حصّہ میں آئی، تو برّہ نے حضورِ پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں بنی المصطلق کے سردار کی بیٹی ہوں، مگر قسمت میں اسیری تھی، پھر لونڈی بننا لکھا تھا میرے پاس زرِ فدیہ کی رقم بھی نہیں ہے، جس کو ادا کر کے میں آزادی حاصل کر سکوں ایسی حالت میں آپ سے امداد کی طالب ہوں، اُمید ہے کہ مجھے آپ اس ذلت سے بچائیں گے ؛

برّہ کی اس بیکسانہ التجا نے حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے رحمدل پر اثر کیا، اور خود برّہ کی قیمت کا روپیہ ادا کر کے اسے آزاد کر دیا، آخر اسی برّہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات میں شامل ہونے کا شرف حاصل ہوا،

اس واقعہ کے تین چار ماہ بعد مسلمانوں کو ایک اور مصیبت کا سامنا کرنا پڑا یہود بنی نضیر جن کو بغاوت کے جرم میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ازراہ ترحم معہ ان کے مال و اسباب کے صرف مدینے کو چھوڑ دینے کی سزا دی تھی، اور وہ لوگ مقام خیبر میں مقیم ہو گئے تھے،

مسلمانوں سے ان کو بیر تو تھا ہی جب انہوں نے اہل مکہ کو سب سے زیادہ مسلمانوں کا دشمن خیال کیا، تو اس سال انہوں نے اپنے بیس آدمی مکہ میں بھیجے اور سردار مکہ ابو سفیان کو کہلا بھیجا، کہ جب تک ہم سب مل کے اور اپنے جانب دار قبائل کو ساتھ لے کر مدینے پر حملہ نہ کریں گے، اس نئے دین کا زور نہ ٹوٹے گا،

ابو سفیان تو ایسے مواقع ڈھونڈا ہی کرتا تھا، بنی نضیر کو اپنا ہم خیال دیکھ کر نہایت خوشی سے مدینہ پر چڑھائی کرنے کیلئے آمادہ ہو گیا،

غزوہ خندق | بنی نضیر کے سفیر ابو سفیان کو راضی کر کے بنی غطفان میں پہنچے اور انہیں بھی اپنا ہم خیال بنا لیا، چنانچہ مکہ کے اہل قریش کے قبائل کو تو ابو سفیان نے جمع کیا، اور بنی غطفان کی فوج کو عتبہ نے ترتیب دیا، اور چند ہی روز میں ان تمام قبائل کے چوبیس ہزار جانبازوں کا لشکر مدینہ شریف کی یورش کیلئے تیار ہو گیا، اور یہ لشکر تین مستقل فوجوں میں تقسیم کیا گیا، غطفان کی فوجیں عینیہ بن حصن فیروزی کی کمان میں تھیں، جو کہ عرب کا مشہور سردار تھا، بنو اسد طلحہ کی افسری میں تھے، اور ابو سفیان ان افواج کا سپہ سالار تھا

حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب اس طوفان بے تمیزی کا حال معلوم ہوا تو آپ نے اپنے جان نثاران اسلام و اصحاب کبار سے مشورہ کیا، سب کی یہی رائے قرار

پائی، کہ اب کے مدینہ شریف میں ٹھہر کر ہی غنیم کا انتظار کیا جاوے ؛

لیکن سلمان فارسی رضؓ نے حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ رائے دی کہ یہ بہتر ہوگا، کہ مدینہ شریف کے اردگرد خندق کھودی جائے، تاکہ غنیم یک بیک شہر کے اندر داخل نہ ہوسکے سلمان کی یہ رائے حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند آئی، بلکہ اور بھی تمام مسلمانوں نے اس رائے سے اتفاق کیا، اور خندق کھودنے کے آلات مہیا کیے گئے ؛

شہر مدینہ کی تین جانب تو مکانات اور نخلستان کا سلسلہ تھا، جو شہر پناہ کا کام دیتا تھا صرف شامی رُخ کھلا ہوا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تین ہزار صحابہؓ کے ساتھ شہر سے باہر نکلکر اسی مقام میں خندق کھودنے کی تیاریاں شروع کیں، ذویقعد ۵ھ کی ۸ تاریخ کا واقعہ ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حدود خود قائم کیے، اور داغ بیل ڈال کر دس دس آدمیوں پر دس دس گز زمین تقسیم کی، خندق کا عمق پانچ گز رکھا گیا۔ جو کہ بیس دن میں تین ہزار متبرک ہاتھوں سے انجام پایا ؛

چنانچہ جب مسجد نبوی بن رہی تھی، اُس وقت بھی سردار دو جہاں مزدوروں کی صورت میں تھے، اور آج بھی وہی عبرت انگیز منظر تھا، جاڑے کی راتیں، تین تین دن کے فاقوں میں مہاجرین اور انصار اپنی پیٹھوں پر مٹی لاد لاد کر پھینکتے وقت جوش محبت میں یک زبان ہوکر کہتے تھے :-

نحن الذی جایعوا محمداً — علی الجهاد ما بقینا ابداً

ہم وہ ہیں جنہوں نے ہمیشہ کے لئے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ہاتھ پر بیعت جہاد کی ہے

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم خود بھی بہ نفس نفیس خندق کھودتے، پتھر توڑتے، مٹی ہٹانے میں صحابہ کو مدد دیتے تھے، اللہ اللہ عجیب رقت خیز منظر تھا، آپ مٹی پھینک رہے ہیں، شکم مبارک گرد سے اٹ گئی ہے، سینہ مبارک کے بال مٹی میں چھپ گئے ہیں اسی حالت میں ابن رواحہ کے اشعار ذیل با آواز بلند پڑھتے تھے :-

اللّٰھم لولا انت ما اھتدینا   ولا تصدقنا ولا صلینا

تھی ہدایت اے اللہ تیرے سوا ہم کو کہاں   کیسے پڑھتے ہم نمازیں کیسے دیتے ہم زکواۃ

فانزلنا سکینۃ علینا   وثبت الاقدام ان لاقینا

اے خدا ہم پر سکینہ کا تو فرما دے نزول   دشمن آجائے تو ہم کو کر عطا یارب ثبات

ان العدا قد بغوا علینا   اذا ارادوا فتنۃً ابینا

بے سبب ہم پر یہ دشمن ظلم سے چڑھ آئے ہیں   فتنہ گر ہیں وہ ہمیں بھاتی نہیں فتنہ کی بات

ابینا کا لفظ جب آتا تھا، تو آواز بلند ہو جاتی تھی، اور مکرر کہتے تھے، اس کے ساتھ انصار کے حق میں دعا بھی دیتے جاتے تھے، اور یہ موزوں الفاظ زبان مبارک پر آتے تھے:

اللّٰھم لاخیر الاخیر الاٰخرۃ فبارک فی الانصار والمھاجرہ:

پتھر کھودتے کھودتے اتفاقاً ایک سخت چٹان آگئی، کسی کی ضرب کام نہیں دیتی تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے، تین دن کا فاقہ تھا، اور پیٹ پر بھوک کے مارے پتھر بندھا تھا، آپ نے دست مبارک سے پھاوڑا مارا تو چٹان ایک تودہ ہو کر رہ گئی؛

خندق کی تکمیل کے بعد مستورات اور بچوں کو شہر کے محفوظ قلعہ میں بھیجد یا گیا اور سلع پہاڑی کو پشت پر رکھ کر صف آرائی کی گئی، اور چونکہ بنو قریظہ کے حملہ کا اندیشہ تھا، اسلئے سلمہ بن اسلم دو سو نفر کے ساتھ متعین کئے گئے، کہ ادھر سے حملہ نہ ہونے پائے، اور خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم تین ہزار بہادران اسلام کے ہمراہ مقابلہ کیلئے تیار ہو گئے مشرکین مکہ قریش و دیگر قبائل نے آتے ہی مدینہ کا محاصرہ کر لیا تھا، بنی غطفان کے لوگوں نے کوہ احد کے پہلو پر قیام کیا تھا، جس سے مسلمانوں کیلئے باہر کی آمد و رفت کا راستہ رک گیا، اور مشکل یہ ہوئی کہ یہودی بنی قریظہ جو اب تک مدینے میں باقی تھے، مسلمانوں کو مصائب میں دیکھ کر اور مشرکین کے اکسانے سے وہ معاہدہ جو انہوں نے آنحضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم سے کر رکھا تھا، توڑ کر دشمنوں کے ساتھ مل گئے، چونکہ بنی قریظہ مدینے میں

ہی تھے، اس لئے حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی دغابازی کا سخت افسوس ہوا اور اہل مدینہ کے سردار سعد بن معاذ کو چند اصحابیوں کے ساتھ ان کے پاس بھیجا، کہ ان کے معاہدے کو یاد دلا کر سمجھائیں، لیکن ان دغابازوں نے نہ مانا، بلکہ صاف کہدیا، کہ مسلمانوں سے اب ہمارا کوئی معاہدہ نہیں ہے، علاوہ ان دغابازوں کے وُہ منافقین جو ظاہر طور مسلمانوں میں ملے ہوئے تھے، وُہ بھی یہ کہہ کر مسلمانوں سے جُدا ہونے لگے، کہ خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح اور کامیابی کے وعدے تو بہت کئے تھے، مگر اب ہمیں معلوم ہو گیا، کہ سب دھوکا ہی دھوکا تھا، منافقین کی اِن فتنہ پردازیوں سے بعض سچے مسلمان بھی ہراساں ہونے لگے، الغرض مسلمانوں کی یہ حالت تھی، کہ اندر باہر ہر طرف اِن کے دشمن ہی دشمن نظر آتے تھے، پھر ان کے ساتھ غذا کی تنگی، پانی کی کمی، اس پر بھوک اور پیاس میں گرمی کی تکلیف دشمنوں میں گھرے ہوئے، مگر بہادرانِ اسلام پیٹ پر پتھر باندھے ہوئے مقابلہ کیلئے تیار تھے، آگے پیچھے ہر طرف سے تیر اور پتھر جان نثارانِ اسلام پر برس رہے ہیں، سامنے دشمنوں کا طوفانِ عظیم ہے، پیچھے دغاباز یہودی ہیں، اور درمیان میں بدخواہ اور کمینہ خو منافق ہیں، لیکن خُدا تعالےٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ماننے والے اسی کے بھروسہ پر ان سب مصائب میں ہمت نہیں ہارتے ؛

حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف تین سو مسلمان گھروں کی حفاظت پر مامور کر دیئے تھے، باقی سب مہاجرین اور انصار حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ دشمنوں کے مقابلہ میں سینہ سپر تھے ؛

مشرکین نے خندق کے گرد بیس روز تک محاصرہ رکھا، ان دنوں میں کئی دن تک صرف تیراندازی ہوتی رہی، دشمنوں نے کئی دفعہ کوشش کی کہ کسی طرح خندق پھاند کر اندر گھس آئیں، مگر بہادرانِ اسلام کے آگے ان کے ایک نہ چلی، ایک روز ابوسفیان اپنے بہادروں کو لے کر خندق کے اندر اُتر گیا، لیکن شکست کھا کر واپس لوٹ گیا ؛

کئی دن کے بعد قریش کا ایک نامور پہلوان عمر بن عبدو (جو مشرکین کے زعم میں اکیلا ایک ہزار دلیروں کا مقابل سمجھا جاتا تھا) چند سرداران مکّہ کے ساتھ خندق پھاند کر اندر آ گیا، اور اس نے مسلمانوں سے خطاب کرکے پکار کر کہا، کوئی ہے، جو میرے مقابلہ میں آئے، حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اجازت حاصل کر کے اپنی تلوار ذوالفقار لئے ہوئے عمر بن عبدو کے سامنے آئے ؛۔

اور ان دونوں بہادروں کی لڑائی دیکھنے کیلئے دونوں طرف کے جنگجو لڑائی سے رُک گئے، چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے سامنے ہوتے ہی پہلے اتمام حجت کیلئے اسے تبلیغ اسلام کی، لیکن وہ بھلا اسلام کو کیا قبول کرتا، مجبوراً حضرت علی کرم اللہ وجہہ مقابلہ کیلئے بڑھے، ابن عبدو اپنی قوّت و شجاعت کے غرور میں آپ پر جھپٹا ؛۔

لیکن حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ایک ہی ضرب میں دشمن کو قتل کر دیا، اور باقی اس کے ہمراہیوں کو ہنکا کے خندق کے باہر نکال دیا، ابن عبدو کا انجام دیکھ کر ابوسفیان اور تمام دشمنوں کے حواس جاتے رہے، اور پھر کسی کو خندق کے قریب آنے کی جرأت نہ ہوئی ؛۔

مشرکین کو اپنی ناکامی میں جب کئی دن گذر گئے، تو اُن کے حوصلے پست ہو گئے نیز وہ وہ قبائل عرب جو قریش کی امداد کو ابوسفیان کے ساتھ اس لئے آئے تھے کہ دو تین روز میں ہی لڑائی کا فیصلہ ہو جائیگا، اُنہوں نے جب مسلمانوں کی ہمّت و شجاعت دیکھی، اور اتنے دنوں کے بعد بھی کچھ کامیابی نظر نہ آئی، تو وہ بھی گھبرا اُٹھے اور اہل قریش کا ساتھ چھوڑنے پر آمادہ ہو گئے ؛۔

ادھر قریش اور بنی قریظہ میں بگڑ گئی، ساتھ ہی دشمنوں کے تمام لشکر میں نااتفاقی پھیل گئی، اس پر خُدا کی قدرت سے ایک رات کو ایسی زبردست آندھی چلی جس نے دشمنوں کے سب خیمے پلٹ دیئے، پانی کی دیگیں اُلٹ دیں، جیسا کہ قرآن شریف میں

خداوند کریم کا ارشاد ہے :۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ جَاءَتْكُمْ جُنُودٌ فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا وَجُنُودًا لَمْ تَرَوْهَا ط

ترجمہ:۔ اے ایمان والو یاد کرو، اللہ کے احسان کو اپنے اوپر جب آئیں تم پر فوجیں ہم نے بھیجی ان پر ہوا اور وہ فوجیں جن کو تم نے نہیں دیکھا :۔

جس سے لشکر اعدا میں تہلکہ پڑ گیا، اور راتوں رات سب کے سب بھاگ کھڑے ہوئے بنی غطفان جو احد کے قریب پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے، وہ بھی یہ خبر سُنکر واپس چل دیئے جان نثارانِ اسلام نے صبح کو دیکھا تو مطلع صاف تھا، اور آفتاب رسالت آب و تاب سے چمک رہا تھا :۔

غزوہ بنو قریظہ اسی سال غزوہ بنی قریظہ وقوع میں آیا، یہود بنی قریظہ سے آنحضرت محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہجرت کے ابتدائی زمانہ میں امن کا عہد کر لیا تھا، لیکن جب جنگ بدر کے وقت بھی اُنہوں نے عہد شکنی کی تھی، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اُن کی طرف تشریف لے گئے، اور ان کو سمجھایا، کہ تم اس روزِ بد سے جو قریش کو پیش آچکا ہے خوف کرو، لیکن انہوں نے یہ جواب دیا تھا، کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس فتح پر کیا ناز کرتے ہو، وہ قوم لڑائی سے ناواقف تھی، اگر ہمارا سامنا ہوا، تو یاد کرو گے، اتنا کہہ کر وہ عہد نامہ آپ کے سامنے پھاڑ دیا، اس بد عہدی پر وسط شوال ۲ھ میں مسلمانوں نے ان کو دس روز تک محاصرہ میں رکھا، بعد ازاں اُنہوں نے اپنے آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حوالے کر دیا، اور عبداللہ بن ابی ابن سلول نے ان کی سفارش کی اور بنی قریظہ کو چھوڑ دیا گیا، لیکن اس رحم وکرم کا بھی ان پر کچھ اثر نہ ہوا جنگ خندق کے وقت اُنہوں نے عہد توڑ دیا :۔

چنانچہ جنگ خندق سے فارغ ہوتے ہی ان مجبوریوں کے باعث اور امن امان بحال رکھنے کیلئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی قریظہ کا محاصرہ کیا اور وہ لوگ قلعہ بند ہو کے بیٹھ رہے، آخر بہادرانِ اسلام سے عاجز آکے کہلا بھیجا، ہم بھی بنی نضیر کی طرح مدینے سے

جلا وطن ہونے کو تیار ہیں، مسلمانوں کی طرف سے جواب ملا کہ بغیر کسی شرط کے ہتھیار رکھدو، حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو فیصلہ چاہینگے، کریں گے :۔

لیکن اِن کے دلوں میں چور تھا، اور جانتے تھے، کہ ہمارے جرم کی سزا قتل کے سوا کچھ نہیں ہو سکتی اسلیئے جان بچانے کیلیئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی۔ کہ مسلمانوں میں ابولبابہ موجود ہیں، جنکا قبیلہ ہمارا حلیف ہے، انہیں ہمارے پاس بھیجا جائے :۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انکی یہ درخواست منظور کر کے ابولبابہ کو بنی قریظہ کے پاس بھیجا، اور یہودیوں نے ان سے پوچھا کیا ہم اپنے آپ کو مسلمانوں کے سپرد کر دیں، ابولبابہ نے جواب دیا، بے شک سپرد کر دو، مگر سب قتل کئے جاؤ گے، اس بات کو سنکر یہودیوں نے ہتھیار رکھنے سے انکار کر دیا، اور کوئی بات طے نہ ہوئی، آخر جب محاصرے کو طول ہوا، تو بنی اوس نے جو انصار میں سے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا، کہ ان کو بھی بنی قینقاع کی طرح جلا وطن کر دیا جائے، حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اچھا اگر تم اس پر راضی ہو، تو ان کا فیصلہ تمہارے سردار سعد بن معاذ پر منحصر کر دیا جاتا ہے، اس فرمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب نے قبول کیا :۔

چنانچہ سعد بن معاذ بلائے گئے، اور اِن سے کہا گیا، کہ بنی قریظہ کے بارے میں تم جو فیصلہ کرو گے، اس پر عمل کیا جائیگا، تو سعد بن معاذ نے یہ فیصلہ کیا، کہ ان دغا بازوں کے مرد قتل کئے جائیں، ان کی عورتیں اور بچے لونڈی غلام بنائے جائیں، ان کا مال و اسباب مسلمانوں میں تقسیم کر دیا جائے :۔

سردار ابن معاذ کا یہ فیصلہ سنکر بنی قریظہ کو نہ عذر و معذرت کی مجال تھی، نہ لڑنے کی تاب، جبراً و قہراً انہوں نے ہتھیار رکھدیئے، اور اسی فیصلہ پر عمل ہوا، جو سعد بن معاذ نے کیا تھا :۔

کاش وہ لوگ اگر حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی پر اپنے آپ کو چھوڑ دیتے، تو حضور

صلی اللہ علیہ وسلم کے خُلق اور رحم وکرم سے ان کو جان کی امان ضرور مل جاتی لیکن بنی قریظہ نے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے رحم وکرم پر بھروسا نہ کیا جس کا یہ خمیازہ ان بھگتنا پڑا ؛

حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وآلہ کو مدینہ میں تشریف لائے، اب پانچواں برس تھا، اس تھوڑی سی مدت میں آپ نے مذہبی، ملکی، تمدنی، حالت کو جسقدر درست کیا مخالفین اسلام اور مشاہرین مُلک میں سے سر ولیم میور لکھتے ہیں "اسلام کے صلح اور عفو کے احکام کو اس کے نتیجہ میں ملاحظہ کرو عرب کی مذہبی اصلاح رسوم کی تہذیب اور موافقت عام ملکی اتحاد اور قومی یگانگت گویا، از سرِ نو ایک طبقہ جدید پیدا ہوگیا، وہ خلقت بدل گئی، وہ جہالت ہی جاتی رہی ؛

اڈوارڈ گبن جو ایک مشہور انگریز مورخ ہیں، وہ اپنی مرتبہ تاریخ جلد ۶ باب ۵۰ میں لکھتے ہیں "محمد صلے اللہ علیہ وسلم ہی صرف ایسے صاحب ہیں، جنہوں نے خیرات کا ٹھیک ٹھیک اندازہ کیا ہے اس کی مقدار معین کی جائداد کی نوعیت مقدار پر بدلتی ہے، در حقیقت فیاضی بنیاد ہے عدالت کی، اور جن لوگوں کی رعایت ہم کو لازم ہے، ان کو ضرر پہنچانا ممنوع ہے، کوئی نبی عالم لاہوت اور برزخ کے اسرار بیان کرے، مگر احسانیات کے احکام میں اس کو ہمارے ہی دل کے احکام بیان کرنے ہونگے ؛

غرضیکہ حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم کے باعث اگرچہ مدینہ منورہ میں امن ہوگیا تھا، لیکن مسلمانوں کو ابھی چین سے بیٹھنا نصیب نہ ہوا، چنانچہ جو بدوی قبائل قریش کے ساتھ جنگ خندق سے ناکام ہو کر واپس گئے تھے، اب وہ بھی مسلمانوں کے دشمن ہو گئے تھے اور آئے دن فتنہ و فساد برپا رکھتے تھے، ان شورشوں کے انسداد کے لئے اس سال مختلف کئی چھوٹی چھوٹی لڑائیوں میں مسلمانوں کو شامل ہونا پڑا ؛

سنہ ۶ھ | بنی قریظہ کا فساد فرو کرنے کے پانچ ماہ بعد ماہ ربیع الاول میں ان شہدائے رجیع کا انتقام لینے کیلئے جنہیں عضل اور قارہ کے لوگ احکام اسلام سیکھنے کے بہانے مدینے

سے اپنے ہمراہ لائے تھے، اور ان چھ اصحابؓ میں سے تین کو مقام رجیع پر شہید کر ڈالا تھا، اور باقی تین کو مشرکین مکہ کے ہاتھ شہید ہونے کیلئے فروخت کر دیا تھا، چنانچہ حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جان نثارانِ اسلام کے ساتھ بنی لحیان کی طرف تشریف لے گئے، لیکن

غزوہ بنی لحیان | وہ لوگ بہادرانِ اسلام کی آمد سنتے ہی پہاڑوں میں چھپ گئے، مجبوراً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو واپس آنا پڑا اور یہ غزوہ بنی لحیان بغیر کسی مقابلہ کے کامیاب رہا۔

ماہ ربیع الثانی ۶ھ میں بنی غطفان کے چند سواروں کے ہمراہ عتیبہ بن حصن انفرادی نہ فقط مسلمانوں کے اونٹ ہنکا لے گیا، بلکہ بنی غفار کے ایک مسلمان کو قتل کر کے اس کی بیوہ کو پکڑ لے گیا، مگر سلمہ بن عمرو بن الاکوع نے تن تنہا ان لوگوں کا تعاقب کیا اور اپنے تیروں سے اُنہیں ایسا عاجز کیا، کہ وُہ لوگ اونٹ چھوڑ کر بھاگ گئے۔

جب یہ خبر مدینہ شریف میں پہنچی تو حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے تو سعد بن زید کو چند سواروں کے ساتھ روانہ کیا، اس کے بعد خود بھی تشریف لے گئے، راستہ میں ان لٹیروں سے خفیف سی لڑائی ہوئی، آخر وُہ لوگ بھاگ گئے، آپ کا یہ سفر غزوہ غابہ سے مشہور ہے۔

غزوہ غابہ | اسی مہینہ میں حضور پُر نور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شورش پسندوں کی اصلاح و تادیب کیلئے بہادرانِ اسلام کی جُدا جُدا مہمیں مقامات عکاشہ، بنی ثعلبہ ذی القصہ حموم کی طرف روانہ کیں، جو کہ فتنہ پردازوں کو سیدھا کر کے واپس آئیں۔

غزوہ بنی المصطلق | جمادی الاول ۶ھ میں بنی المصطلق نے مسلمانوں کی مخالفت میں ایک گروہ جمع کیا، اور حارث کو اس گروہ کا سپہ سالار بنایا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس بات کی خبر ہوئی، تو آپ بھی جان نثارانِ اسلام کو ساتھ لے کر دشمنوں کی سرکوبی کے لئے اُن کے پڑاؤ کی طرف بڑھے، اور مشرکین کے مقام پر ہی مقام کیا، پہلے تو ان لوگوں نے کچھ مقابلہ کیا، لیکن پھر فرار ہو گئے، یہ غزوہ بنی المصطلق کے نام سے مشہور ہوا۔

صلح حدیبیہ و بیعت رضوان	حدیبیہ ایک کنوئیں کا نام ہے، جو مکہ معظمہ سے ایک منزل کے فاصلہ پر ہے اور یہ قصبہ اسی کنوئیں کے نام سے ہی مشہور ہے، چونکہ معاہدہ صلح اِسی مقام

پر تحریر ہوا تھا، اسی لئے اِس واقعہ کو صلح حدیبیہ کے نام سے تعبیر کیا گیا ہے ؛۔

اِس واقعہ صلح کو اللہ تعالےٰ نے اپنے کلام پاک میں فتح کا لقب بخشا ہے، جو کہ دراصل اسلام کی تمام آئندہ فتوحات اور ہر قسم کی کامیابیوں کا دیباچہ ہے، جس طرح قوّت اسلام کا یہ پہلا کارنامہ بظاہر معاہدہ صلح پر مبنی تھا، اسی طرح کعبہ شریف بھی اسلام کا صحیح معنوں میں اصلی مرکز تھا جس کی بنیاد حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے مبارک ہاتھوں سے بحکم الٰہی قائم ہو چکی تھی، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ہی اسلام کا لقب مسلمانوں کو عطا کیا تھا، جیسے کہ اس ارشاد رب العٰلمین، یعنی

هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ۔ | ترجمہ:- ابراہیمؑ ہی ہے جس نے تمہارا نام مسلمان رکھا

سے ظاہر ہوتا ہے ؛۔

بلکہ ہادیٔ اسلام حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اللہ جل شانہٗ کی طرف سے جو شریعت عطا فرمائی گئی تھی، وُہ شریعت بھی ابراہیمی ہی تھی، اِس ملّت کی نسبت بھی باری تعالےٰ نے یہ فرمایا ہے،

مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ | ترجمہ:- تمہارے باپ ابراہیمؑ کی ملت و مذہب ؛

لیکن حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے بعد امتداد زمانہ سے انکی اولاد اگرچہ اِس ملتِ اسلامیہ سے منحرف ہو کر بُت پرستی میں مبتلا ہو گئی تھی، تاہم حضرت ابراہیم علیہ السّلام کی یہ مقدس یادگار یعنی کعبہ شریف اس وقت بھی تمام اہل عرب کا متبرک و مقدس مرکزی مقام تھا، جس میں وُہ ہر قسم کی رسومات ادا کرنا باعث نجات سمجھتے تھے، اور اس کعبہ کو تمام اہلِ عرب اپنا مشترکہ ورثہ آبائی خیال کرتے تھے ؛۔

اس میں صرف حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے خاندان کی ہی خصوصیت نہ تھی، بلکہ اس

خاندان سے اور بھی جن اقوام کا سلسلہ نسب ملتا تھا جیسے کہ قحطانی وغیرہ وُہ سب بھی اپنے آپ کو اسی کعبہ مقدس کے خدمتگاروں میں تصوّر کرتے تھے،

لیکن جیسے کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے، عرب کے یہ تمام قبائل آپس میں دست وگریبان رہتے ہوئے لڑنے مرنے کو تیار رہتے تھے، اور یہ دن رات کی لڑائیاں ہی انکی بقائے زندگی کا ذریعہ تھیں، بلکہ اُنکی معاش بھی انہی خونریز لڑائیوں پر منحصر تھی، البتہ اشہر الحرام کے چار مہینے جو کہ سال بھر میں قابل احترام سمجھے جاتے تھے، ان میں یہ تمام باہمی خصومتیں اور خونریز لڑائیاں بند کر دی جاتی تھیں اور انہی ایام میں دُور و دراز مقامات سے قبائل عرب مکہ شریف میں آتے اور اس مقدس کعبہ میں اپنی عقیدت کے مطابق رسومات بجالاتے تھے :-

چنانچہ جن نومسلموں کو اپنے عزیز وطن اور اس مقدس کعبہ سے مشرکین مکّہ کے مظالم وجبر سے مفارقت اختیار کرنا پڑی تھی، فی الواقعہ اس مقدس کعبہ کی نسبت انکو بھی وہی حق پہنچتا تھا، جو کہ کعبہ شریف کے متعلق دیگر قبائل عرب کا حق تھا۔ علاوہ ازیں مکہ شریف مسلم مہاجرین کا محبوب وطن بھی تھا، لہذا اپنے وطن اور کعبہ کی یاد ایک ایسی پھانس تھی، جس کی خلش سے ہر ایک مسلمان کا دل مضطرب رہتا تھا چنانچہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ باوجود اپنے اہل وطن کے رُوح فرسا مظالم اُٹھانے کے بھی بعض وقت یاد وطن میں زار زار رویا کرتے اور بیتابانہ یہ شعر پڑھا کرتے تھے :-

اَلَا لَیْتَ شِعْرِیْ هَلْ اَبِیْتَنَّ لَیْلَۃً	بِوَادٍ وَّحَوْلِیْ اِذْخِرٌ وَّ جَلِیْلُ
آہ کیا پھر کبھی وُہ دن آسکتا ہے کہ میں مکہ کی وادی	میں ایک رات بسر کروں اور میرے پاس اذخر اور جلیل ہوں
وَهَلْ اَرِدَنْ یَوْمًا مِیَاہَ مَجَنَّۃٍ	وَهَلْ یَبْدُوَنْ لِیْ شَامَۃٌ وَّ طَفِیْلُ
اور کیا وُہ دن بھی ہوگا، کہ میں مجنۃ کے چشم پر اتروں	اور شامہ اور طفیل مجھ کو دکھائی دیں :-:

اس یاد وطن کے علاوہ اکثر مہاجرین اپنا اپنا اہل وعیال، اعزہ واقارب، مال و

اسباب، وغیرہ سب کچھ چھوڑ کر مدینہ شریف میں چلے آئے تھے اپنے بیوی بچوں عزیز و اقارب کی مفارقت بھی اُن کے لئے سوہانِ روح تھی، ایسے وقت میں یعنی ماہ ذیقعد ۶ھ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول مقبول ہادیٔ اسلام صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم پر یہ آیت نازل فرمائی:

وَأَذِّن فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوكَ رِجَالًا وَعَلَىٰ كُلِّ ضَامِرٍ يَأْتِينَ مِن كُلِّ فَجٍّ عَمِيقٍ	ترجمہ:۔ لوگوں میں حج کیلئے پکار دو، تاکہ وہ تیرے پاس پا پیادہ سوار ہو کر دُور دراز سے چلے آئیں

اِس حکم الٰہی کے نازل ہوتے ہی مندرجہ بالا سب بنیادی باتوں سے مقدم یہ فریضہ حج بھی چونکہ کعبہ شریف سے ہی وابستہ تھا، اِس لئے ہادیٔ اسلام حضور پُر نور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے جاں نثارانِ اسلام کے ساتھ مدینہ شریف سے مکہ معظمہ میں جانے کا ارادہ فرمایا اور اِسی غرض کو مدنظر رکھتے ہوئے کہ قریش کو کوئی اور احتمال نہ ہو عمرہ کا احرام باندھا اور قربانی کیلئے اونٹ ساتھ لئے نیز مہاجرین و انصار کو یہ حکم بھی دیا کہ کوئی شخص سوائے تلوار کے جو عرب میں زادِ سفر کا ایک ضروری آلہ سمجھی جاتی تھی، اور کوئی ہتھیار باندھ کر نہ آئے، اور تلوار بھی اس شرط پر کہ نیام میں بند ہو۔

چونکہ مہاجرین عموماً، اور اکثر انصار اس سعادت کے منتظر تھے، ایک ہزار چہار صد (۱۴۰۰) شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب ہوئے، اور مقام ذوالحلیفہ پہنچکر قربانی کی ابتدائی رسوم ادا کی گئیں (یعنی قربانی کے اونٹوں کی گردنوں میں لوہے کے نعل لگا دیئے گئے یہ قربانی کرنے کی ایک علامت ہے) قبیلہ خزاعہ کا ایک شخص جس کے مسلمان ہونے سے قریش بیخبر تھے، قریش کے ارادہ کی خبر لانے کیلئے روانہ کر دیا گیا، جب قافلہ مقام عسفان کے قریب پہنچا اُس نے آن کر خبر دی کہ قریش نے تمام قبائل کو (حابیش) میں یکجا جمع کر کے کہہ دیا ہے، کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں کبھی نہیں آسکتے۔

اُدھر قریش نے قبائل متحدہ کے پاس پیغام بھیجا، کہ ہر ایک قبیلہ لشکر عظیم لیکر آئے غرضیکہ قریش نے بڑے زور و شور سے متحد ہو کر مقابلہ کی تیاری کی، اور جمعیت عظیم لیکر

مکّہ سے باہر آئے، اور بلاج جو ایک مقام کا نام ہے، وہاں فوجیں جمع ہوئیں، خالد ابن ولید اور عکرمہ ابو جہل کا بیٹا (ابھی تک یہ مسلمان نہیں ہوئے تھے) "دو سو سوار ہمراہ لیکر بطور مقدمۃ الجیش آگے بڑھے اور مقام غمیم تک جو رابغ اور جحفہ کے درمیان ہے، پہنچ گئے

ادھر سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے جان نثاروں کو فرمایا، کہ خالد کو قریش نے طلیعہ بنا کر بھیجا ہے، اور وہ مقام غمیم تک آ گئے ہیں، اسلئے کترا کر داہنے طرف کو چلو ؛

قافلہ اسلام جب غمیم کے قریب پہنچ گیا، تو خالد کے گھوڑوں کی گرد اڑتی نظر آئی، وہ فوراً گھوڑا دوڑاتے ہوئے گئے، اور قریش کو خبر کی کہ لشکر اسلام مقام غمیم تک آ گیا ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آگے بڑھے اور حدیبیہ پہنچ کر مقام کیا ؛

قبیلہ خزاعہ نے ابھی تک اگرچہ اسلام قبول نہیں کیا تھا، لیکن اسلام کے حلیف اور رازدار تھے، اہل قریش اور دیگر مشرکین اسلام اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے برخلاف جو منصوبے تجویز کیا کرتے تھے، وہ اُن سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مطلع کر دیا کرتے تھے، اور اِس قبیلے کے رئیس اعظم کا نام بدیل بن ورقا تھا (یہ فتح مکّہ میں اسلام لے آئے تھے) بدیل کو جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا تشریف لانا معلوم ہوا، تو اپنی قوم کے چند آدمی ہمراہ لیکر بارگاہ نبوی میں حاضر ہو کر عرض کی، کہ قریش اور دیگر مشرکین اور اُنکی حلیف فوجوں کا سیلاب آ رہا ہے، اور اُنہوں نے پلنگینہ[1] پہنا ہے، اور سبھوں نے قسم کھائی ہے، کہ آپ کو کعبہ میں جانے نہیں دینگے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ قریش سے جا کر کہدو، کہ ہم صرف عمرہ کی غرض سے آئے ہیں، لڑائی کرنا ہمارا مقصود نہیں ہے،

چونکہ قبل ازیں مسلمانوں سے اہل قریش کو سخت نقصان پہنچ چکا ہے، اور جنگ نے اُنکی حالت زار کر دی ہے اسلئے بہتر یہ ہے، کہ وہ ایک مدت معین کیلئے معاہدہ صلح کر لیں اور مجھ کو عرب کے ہاتھوں میں چھوڑ دیں، اگر وہ اسی پر راضی ہو جائیں، تو فبہا، ورنہ اُس

---

[1] پلنگینہ ایک قسم کا کپڑا ہوتا ہے، جسمیں چیتے کی کھال جیسے گل ہوتے ہیں، اس کا پہننا اسوقت علامت جنگ تصور کیا جاتا تھا ؛

خدا کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، میں یہاں تک لڑونگا، کہ میری گردن تن سے الگ ہو جائے، اور خدا تعالیٰ کچھ جو فیصلہ منظور ہو کرے ؛

بدیل نے جاکر قریش سے کہا، کہ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس سے پیغام لے کر آیا ہوں، اجازت دو تو وہ پیغام کہدوں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم شریف سنتے ہی چند شریر لوگوں نے کہا، کہ ہم کو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا پیغام سننے کی ضرورت نہیں، لیکن قریش کے سنجیدہ لوگوں نے اجازت دیدی، بدیل نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شرطیں پیش کیں، عروہ بن مسعود ثقفی نے اٹھکر تمام اہل قریش سے مخاطب ہوکر کہا، میری نسبت تم کو کوئی بدگمانی تو نہیں، سب نے کہا کہ نہیں، عروہ نے کہا، اچھا تو آپ مجھ کو اجازت دو کہ میں خود جاکر معاملہ طے کر لوں، کیونکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جو شرطیں پیش کی ہیں، وہ معقول ہیں ؛

غرض بارگاہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوکر عروہ نے قریش کا پیغام سنایا، اور کہا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرض کرو، کہ تم نے قریش کا استیصال کردیا، تو کیا اسکی کوئی اور بھی مثال ہے، کہ کسی نے اپنی قوم کو خود برباد کردیا ہو، اس کے سوا اگر لڑائی کا رُخ بدلا تو تمہارے ساتھ جو یہ بھیڑ ہے گرد کی طرح اُڑجائیگی، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اس بدگمانی پر اسقدر غصہ آیا، کہ امصص بظر اللات (یہ ایک عرب کی گالی ہے) دیکر کہا، کیا ہم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اکیلے چھوڑکر بھاگ جائینگے ؛ عروہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یہ کون ہیں، آپ نے فرمایا، ابوبکر (رضی اللہ عنہ) عروہ نے کہا، میں ان کو سخت کلامی کا جواب تو دیتا، لیکن انکا ایک احسان میری گردن پر ہے، جس کا بدلہ میں ابھی تک ادا نہیں کر سکا ؛

عروہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بے تکلفانہ طریقہ سے گفتگو کررہا تھا، اور جیسا کہ عرب کا قاعدہ ہے کہ بات کرتے کرتے مخاطب کی داڑھی کو چھوتے ہیں ؛

چنانچہ عروہ جس وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ریش مبارک کو بار بار چھوتا تھا، اُس وقت مغیرہ بن شعبہ حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت مبارک کی طرف ہتھیار لگائے کھڑے تھے، اُنہوں نے عروہ کی اس جرأت کو بے ادبی پر محمول کرتے ہوئے آگے بڑھ کر عروہ کا ہاتھ جھٹک کر اُس سے کہا، خبردار اپنا ہاتھ پیچھے ہٹالے ورنہ یہ ہاتھ اگر پھر بڑھا تو قلم کردیا جائیگا عروہ نے کہا، تو عجیب کج خلق ہے، لیکن عروہ کے دل پر مسلمانوں کی اس عزت و توقیر کا جو وہ اپنے ہادیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی کرتے تھے بڑا گہرا اثر پڑا چنانچہ اس نے دیکھا، کہ جس وقت حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم وضو فرماتے ہیں، تو جان نثاران اسلام اپنے ہادیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کے گرتے پانی پر گر کر اسے زمین پر گرنے نہیں دیتے، بلکہ اگر بلغم یا تھوک گرتا ہے، تو عقیدت کیش ہاتوں ہات لیتے ہیں، اور تبرکاً اُس کو چہرہ اور ہاتوں پر مل لیتے ہیں، اگر حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی بال گرتا ہے، تو اسی وقت اٹھا لیتے ہیں، اور تبرکاً اِس کو حفاظت سے رکھ لیتے ہیں، جب محمد صلے اللہ علیہ وسلم بات کرتے ہیں تو سناٹا چھا جاتا ہے، کوئی شخص انکی طرف نظر بھر کر نہیں دیکھ سکتا، چنانچہ عروہ جب اہلِ قریش کے پاس آیا، تو اُس نے یہ واقعات بیان کرتے ہوئے مشرکین سے کہا، کہ میں خسرو اور قیصر کے دربار میں بھی گیا ہوں، مگر خدا کی قسم میں نے کوئی بادشاہ اس قوم میں ایسا محترم نہیں دیکھا جیسا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے اصحاب میں دیکھا ؛۔

عروہ کے جانے بعد مشرکین مکہ کی طرف سے کوئی جواب نہ آنے پر چونکہ معاملہ ناتمام رہ گیا اس لئے مجبوراً حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو مکہ میں اسلئے بھیجا، کیونکہ معززین قریش سے اِن کی قرابت تھی، شاید وہ لوگ اُن کا خیال کریں، چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مکہ میں پہنچکر سرداران قریش کے پاس گئے، اور گفتگو کی، لیکن اُنہوں نے کہا، تم اکیلے کعبہ شریف کی زیارت کر سکتے ہو، سوائے آپ کے ہم کسی اور کو نہ آنے دینگے، مگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اس پر راضی نہ ہوئے، اُنہوں نے صاف کہدیا، کہ میں بغیر ہادیٔ اسلام

حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے زیارت کعبہ سے مشرف نہیں ہو سکتا، اس جواب نے مشرکین مکہ کو اور مشتعل کر دیا، اور انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قید کر لیا ۔

ادھر حضرت عثمان رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو دشمنوں نے مقید کر لیا، اُدھر مسلمانوں میں مشہور ہو گیا، کہ اہل قریش نے داماد رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کر ڈالا ہے، یہ خبر وحشت اثر سنکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بڑا صدمہ پہنچا، اور آپ نے فرمایا کہ میں یہاں سے اسوقت تک نہ پلٹونگا جب تک مشرکین مکہ سے حضرت عثمانؓ کا قصاص نہ لونگا، چنانچہ آپ نے مسلمانوں سے مشورہ کیا، اور سب سے ایک درخت ببول کے نیچے بیٹھ کر جان نثاری کی بیعت لی، حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام صحابہ نے جن میں زن و مرد دونوں شامل تھے، ولولہ انگیز جوش کے ساتھ اُنکے دست مبارک پر اور حضرت عثمانؓ کی طرف سے نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے بائیں ہاتھ کو حضرت عثمانؓ کا داہنا ہاتھ قرار دیکر انکی طرف سے بیعت کی، اور سب نے اس بات کا وعدہ کیا، کہ ہم مشرکین مکہ کے مقابلہ میں ثابت قدم رہینگے، چاہے ہم ہلاک ہو جائیں، لیکن لڑنے سے منہ نہ موڑینگے، دلدادگان توحید کا پیغمبر خدا کی متابعت میں دشمنوں سے مارنے مرنے پر دل سے تیار ہو جانا، خداوند کریم کو اسقدر پسند آیا، کہ اسی وقت اللہ تعالےٰ نے اپنے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل فرما کر مسلمانوں کو یہ مژدہ جانفزا دیا،

بیعت الرضوان

لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَکَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ

ترجمہ:- خدا مومنوں سے راضی ہوا، جبکہ وہ درخت کے نیچے تمہارے ہاتھ پر بیعت کر رہے تھے ۔

یہ تاریخ اسلام کا ایک اہتمم بالشان واقعہ ہے، اور اس بیعت کو بیعت الرضوان کہتے ہیں، لیکن بعد کو معلوم ہوا کہ عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر غلط تھی ۔

اہل قریش کو جب یہ حال معلوم ہوا، کہ بہادران اسلام ہمہ تن آمادہ جنگ ہیں تو انہوں نے گھبرا کر سہیل بن عمرو نامی ایک شخص کو صلح کیلئے بھیجا، مگر اس شرط کے ساتھ کہ اس سال مسلمان حج و زیارت کعبہ کا قصد نہ کریں، آئندہ سال کیلئے ان کو البتہ اجازت ہو گی، مگر

اس میں بھی یہ شرط ہے، کہ تین دن سے زیادہ مکہ میں نہ ٹھہریں، اور ایک تلوار کے سوا کسی کے پاس کوئی ہتھیار نہ ہو ؛

حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے مصلحت وقت کے لحاظ سے مشرکین مکہ کی ان شرائط کو منظور فرما کر باہمی معاہدہ لکھنے کیلئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فرمایا، لکھو، بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، اس پر سہیل نے کہا میں اس کو نہیں جانتا، باسمک اللّٰھم لکھو، چنانچہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی لکھایا، اس کے بعد آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا، کہ لکھو اس شرط پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سہیل کے ساتھ صلح کی۔ سہیل نے لفظ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لکھتے وقت بھی ٹوک کر کہا، اگر ہم جانتے کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں تو تمہارے ساتھ ہرگز جنگ نہ کرتے، اس لئے اپنا نام اور اپنے باپ کا نام یعنی محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ابن عبداللہ لکھواؤ، سہیل کے اس اعتراض پر بھی حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ نہ کہا، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو سہیل کے ہی الفاظ لکھائے، الغرض ان شرائط پر صلح کا معاہدہ مرتب ہوا۔ (۱) دس برس تک ہم جنگ نہیں کرینگے۔ (۲) ہمارا کوئی آدمی جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس جائے اس کو واپس کرنا ہوگا (۳) ہر شخص کو اختیار ہے کہ چاہے، محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے اور چاہے اہل قریش سے عہد کرے اس میں فریقین مزاحم نہ ہوں (۴) اس سال مسلمان لوٹ جائیں، اور دوسرے سال اہل قریش تین روز کیلئے باہر جائیں اور مسلمان مکہ میں آئیں، مگر تین روز سے زیادہ نہ رہیں، اور بجز اسباب مسافرت اور میان کی ہوئی تلواروں کے اپنے ساتھ کسی قسم کا سامان جنگ نہ لائیں، (۵) اور اگر کوئی مسلمان قریش کے پاس آجائے تو وہ اسے واپس نہ کریں گے ؛

یہ آخری شرط اگرچہ اصحاب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم منظور نہ کرتے تھے لیکن اپنے ہادی برحق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد میں انہیں کس طرح عذر ہو سکتا، چنانچہ حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو سمجھایا، کہ جو ہمارے مسلمان بھائی قریش کے پنجے میں

پھنسے ہوئے ہیں، خُداوندکریم ان کو اِس مصیبت سے عنقریب نجات دیگا، باقی رہے وہ جو ہمارے یہاں سے بھاگ کر ان سے جاملیں، تو وہ مسلمان نہیں ہو سکتے، بلکہ منافق ہونگے ایسے منافقوں کو لے کے ہم کیا کرینگے، ابھی معاہدہ لکھا جارہا تھا، کہ ابوجندل پسر سہیل بیڑیاں پہنے ہوئے آنحضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش ہوا، سہیل نے اپنے بیٹے کو دیکھ کر کہا، اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اِس کے آنے سے پہلے ہمارے اور تمہارے درمیان شرائط صلح طے ہوچکی ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، سچ ہے، اور اپنے اصحابؓ کو حکم دیا، کہ ابوجندل کو لوٹا دو۔ اس نے فریاد کی، اے مسلمانو! مجھ کو مشرکین میں لوٹاتے ہو، وُہ مجھ کو ایذا دینگے، ابوجندل کو کافروں نے اسقدر مارا تھا، کہ اُن کے جسم پر زخموں کے نشان تھے، مجمع کے سامنے تمام زخم دکھائے اور کہا، برادرانِ اسلام کیا پھر مجھ کو کافروں کے ہاتھ میں دیتے ہو، تمام مسلمان تڑپ اُٹھے

ایک طرف تو اِس حالت کا گوارا کرنا صحابہ کرام کی اطاعت شعاری کا سخت خطرناک امتحان تھا، دوسری طرف بظاہر اسلام کی توہین تھی، اِدھر ابوجندل بیڑیاں پہنے ہم اسعہ جان نثارانِ اسلام سے استغاثہ کررہے تھے، سب کے دل جوش سے لبریز تھے اور اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذرہ سا ایما ہوجائے، تو ہزاروں تلواریں فیصلہ کرنے کیلئے بیتاب تھیں، اُدھر معاہدہ پر دستخط ہوچکے تھے، اور ایفائے عہد کی ذمہ داری کا احساس تھا، اِن واقعات کے ہوتے ہوئے ہر شخص جو سر میں دماغ اور دماغ میں فہم کا مادہ رکھتا ہے، سمجھ سکتا ہے، کہ اسلام کی صداقت کس طاقت الٰہی کے ساتھ پھیل رہی تھی، اور کس طرح طالبانِ حق کے دل پر قبضہ کررہی تھی، کہ وطن کی دُوری، اقارب کی جدائی قید، ذلت، بھوک، پیاس، خوف، طمع، موت، غرض دُنیا کی کوئی چیز اور کوئی جذبہ انکو اسلام سے روک نہ سکتا تھا۔

چنانچہ ان واقعات اور جذبات سے متاثر ہوکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوجندل کی

کی طرف دیکھا اور فرمایا "صبر کرو، خدا تمہارے لئے اور مظلوموں کے لئے کوئی راہ نکالے گا اب ہم نے معاہدہ کرلیا ہے، اس کو ہم نہیں توڑ سکتے:۔

صلح حدیبیہ | بہر حال صلح ہوگئی اور آپ کو اس معاہدہ صلح کے مطابق اس سال حج کا ارادہ ملتوی کردینا پڑا، اور اسی مقام حدیبیہ میں ہی قربانی کرکے آپ مدینہ شریف کو لوٹ آئے۔ اور راستے میں سورہ فتح :۔

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا۔ | ہم نے تجھ کو کھلی ہوئی فتح عنایت کی

نازل ہوئی۔ خداوند تعالیٰ نے اس صلح کو فتح مبین کا لقب دیا ؛

اگرچہ صلح حدیبیہ اکثر مسلمانوں کو شاق گذری تھی، کیونکہ وہ ظاہر میں دیکھتے تھے کہ قریش کو ہم نے مغلوب کرلیا ہے، تو پھر ان سے دیکر ایسی صلح کیوں کی جاتی ہے لیکن اس میں خدا اور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی مصلحت یہ تھی، کہ اس صلح کے بعد قریش اور دیگر قبائل عرب مدینہ شریف میں آ کر کثرت سے خود بخود مسلمان ہوئے ؛

امام زہری رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ نے اس معاہدہ کے فوائد میں بیان فرمایا ہے، کہ اب تک مسلمان اور کفار آپس میں ملتے جلتے نہ تھے، اب اس صلح کی وجہ سے روک ٹوک اُٹھ گئی، اور آمد رفت شروع ہوئی، خاندانی اور تجارتی تعلقات کی وجہ سے کفار مدینہ میں آتے مہینوں قیام کرتے اور مسلمانوں سے ملنے جلنے لگے، اور باتوں باتوں میں اسلامی مسائل کا تذکرہ آتا رہتا تھا، اس کے ساتھ ہر مسلمان، اخلاص، حسن، عمل نیکوکاری، پاکیزہ اخلاقی کی ایک زندہ تصویر تھا، جو مسلمان مکہ جاتے تھے، انکی صورتیں بھی مناظر پیش کرتی تھیں، اس سے خود بخود کفار کے دل اسلام کی طرف کھچے آتے تھے، مورخین کا بیان ہے، کہ اس معاہدہ صلح سے لیکر فتح مکہ تک اس قدر کثرت سے لوگ اسلام لائے کہ کبھی نہیں لائے تھے ؛

یہ ۶۲۸ء کا زمانہ تھا، اس وقت نہ فقط تبلیغ رسالت کی آواز سارے عرب میں گونج

اٹھی اور ہر طرف سے گروہ کے گروہ مدینہ شریف کی طرف سرچشمہ اسلام سے فیضیاب ہونے کیلئے کھنچے چلے آتے تھے، بلکہ خدا کا وعدہ جو اس نے اپنے رسول برحق حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے رسالت کے دسویں سال یعنے ۶۱۹ء میں جب مشرکین مکہ نے مٹھی بھر مسلمانوں کو شعب طالب میں محصور کر رکھا تھا، بذریعہ وحی فرمایا تھا۔

الٓمّٓ ۚ غُلِبَتِ الرُّوْمُ ۙ فِیْ اَدْنَی الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ ۙ فِیْ بِضْعِ سِنِيْنَ ۗ لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْۢ بَعْدُ ۚ وَيَوْمَئِذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ ۙ بِنَصْرِ اللّٰهِ ۚ يَنْصُرُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۙ وَعْدَ اللّٰهِ ۚ لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ وَعْدَهٗ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝

سورۃ الروم

ترجمہ:- الم، روم اگرچہ مشرق ادنیٰ میں مغلوب ہو چکا ہے لیکن عنقریب چند ہی سال میں پھر غالب آجائے گا، فتح و شکست کا اختیار اس سے پہلے بھی اللہ کو تھا اور اسکے بعد بھی اسی کو حاصل ہے اور جس دن روم کو پھر غلبہ ہوگا اسی دن مسلمانوں کو بھی خدا کی طرف سے مدد پاکر خوشی حاصل ہوگی، خدا جس کو چاہتا ہے نصرت دیتا ہے اسلئے کہ وہ توانا اور رحیم ہے یہ خدا کا وعدہ ہے، اور خدا کبھی اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا، اگرچہ بہت سے لوگ ایسے ہیں جو اس حقیقت کو نہیں سمجھتے

چنانچہ خدا کے ان ہر دو وعید کو جب آنحضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں پر ظاہر فرمایا، تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی صداقت میں کفار سے صاف کہدیا تھا، کہ ہمارے ہادیٔ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے نبی ہیں، خدا نے بذریعہ وحی جو ان سے یہ دو وعدے فرمائے ہیں، یہ ضرور پورے ہو کر رہیں گے، لیکن خسرو پرویز کی تابڑ توڑ فتوحات اور ہرقل کی عیش پسندی اور ابتری کو دیکھتے ہوئے کفار نے ان ہر دو وعدوں کو ان ہونی باتیں سمجھ کر اڑا دیا تھا، لیکن اس وقت خدا کے ان ہر دو وعدوں میں سے ایک وعدہ حرف بحرف پورا ہو چکا تھا؛

اس میں کچھ شک نہیں کہ جس وقت خدا کی طرف سے پیغمبر خدا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان ہر دو وعدوں کے متعلق یہ آیتیں نازل ہوئی ہیں، اس وقت خسرو پرویز کے اقتدار سے دولت مشرقیہ کے مفتوحہ علاقوں میں مجوسیت کے اقتدار نے مسیحیت کو مٹا

دیا تھا۔ لیکن اس کے بعد ہرقل قیصر روم نے مٹھی بھر فوج کی کمان ہاتھ میں لی خسرو کے ان گنت لشکر کے مقابلہ میں جس کی کوئی ہستی نہ تھی، لیکن خدا کی رحمت و نصرت ہرقل کے شامل حال تھی، اس کے شجاعانہ کرشموں نے ایک دنیا کو محوِ حیرت کر دیا، یعنی ہرقل نے متعدد معرکوں میں خسرو پرویز کو نیچا دکھایا، اور اس نے اس عرصہ سات آٹھ سال کی مدت میں اپنا کھویا ہوا اقتدار حاصل کر لیا، یہ پیشگوئی تھی، اور خدا نے اپنا وعدہ پورا کرنا تھا، ورنہ کسے امید تھی، کہ خسرو پرویز جیسے جلیل القدر شاہنشاہ پر ہرقل جیسا عیش پسند اور خستہ حال ایسی عظیم الشان فتح حاصل کر سکے گا۔

ہمیں ان قابل قدر انگریزی مؤرخین پر افسوس ہے جنہوں نے محض مذہبی تعصب کے باعث ایسے صریح اور صاف واقعہ کے ہوتے ہوئے بھی اسلام کی صداقت پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی ہے، چنانچہ اس واقعہ پر مسٹر گبن مشہور انگریزی مؤرخ نے یوں خامہ فرسائی کی ہے، ہرقل نے بارہ سال تک جو اس کے عہد حکومت کا دور اوّل ہے سوتے سے کروٹ نہ لی، اور پھر جب وہ یک بیک بیدار ہوا، تو اس نے اپنے آپ کو ایک فاتح اعظم کی حیثیت میں پیش کیا، اس بات کی توقع کسی کو نہ ہو سکتی تھی۔

اس تعجب کو گبن نے یہ الفاظ لکھ کر رفع کرنا چاہا ہے۔

"ہرقل مدبرانہ عزیمت سے بہرہ ور نہ تھا، مارٹینا کے عشق میں وہ سرشار تھا۔

عیش پسند وزرا اسے میدان جنگ میں جانے سے روکتے تھے۔

آخرکار کسریٰ کے آخری مطالبہ کی ذلت نے ہرقل کو بیدار کیا، اور ہمت نے اس کا ساتھ دیا، یہ بحث طولانی ہے، ہم تاریخ اسلام لکھتے ہوئے، اس بحث میں نہیں پڑنا چاہتے قابل قدر اسلامی مؤرخ ابن خلدون کا مقولہ ہے انسانی جماعتوں کی طرح سلطنتیں بھی دست روزگار کا مقابلہ اس قوت قاعدہ سے کیا کرتی ہیں، جس کا دوسرا نام عصبیت ہے اور اگر عصبیت موجود نہ ہو، تو پھر اس کی بہترین قائم مقام مذہب کی زبردست طاقت ہے

جو محال کو ممکن کر دکھاتی ہے ⁂

لہٰذا خداوند کریم نے اپنے پیغمبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جو دو وعدے کئے تھے، ان میں سے ایک تو پورا ہو چکا تھا، اور دوسرا پورا ہونے والا تھا، یعنی اسلام کی روشنی چار دانگ عالم میں پھیلنے والی تھی، جو ہونے والا ہوتا ہے، اسکے اسباب پہلے سے ہی نظر آجاتے ہیں، ہادیٔ اسلام حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی خدا کے دین پر کامل یقین تھا، کہ ایک روز مشرق سے مغرب اور جنوب سے شمال تک اسلام ہی اسلام نظر آئیگا، چنانچہ اس سال حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دُنیا کے تمام نامور بادشاہوں اور فرمانرواؤں کو تبلیغ رسالت کے طریق پر خطوط بھیجنے کا ارادہ کیا، تاکہ رسالت محمدی کی دعوت ساری دُنیا میں پہنچا دی جائے، لہٰذا آپ نے شاہان ارض کے نام اپنی جانب سے خطوط لکھوائے، اور اپنے صحابہ میں سے قاصد منتخب کر کے وہ سب خطوط اس طرح روانہ فرمائے ⁂

بادشاہوں کے نام مراسلات اسلام

قیصر روم ہرقل کی طرف دحیہ کلبی کو روانہ فرمایا، مقوقس فرمانروائے مصر کی طرف حاطبؓ بن ثابت کو، بنی غسان بادشاہ حارث کی جانب شجاع بن وہب اسدی کو بھیجا، نجاشی حکمران حبشہ کے پاس عمرو بن اُمیّۃ الخضری کو، یمامہ کے حاکم ہودہ بن علی الحنفی کی طرف سلیط بن عمرو عامری کو، بحرین کے حاکم منذر بن ساوی کے پاس علاء بن الحضری کو۔ اور ایرانی تاجدار آل ساسان خسرو پرویز کے دربار میں عبداللہ بن حذافہ کو روانہ کیا ⁂

یہ خطوط بہت مختصر اور نہایت ہی واضح اور صاف تھے، مسیحی بادشاہوں خصوصاً ہرقل کو جو اس وقت دُنیا کا سب سے بڑا بادشاہ تھا، صرف قرآن شریف کی ایک آیت لکھی گئی جس کا مضمون یہ تھا اے اہل کتاب اس کلمہ کو قبول کرو جس پر ہمارا تمہارا دونوں کا اتفاق ہے، وہ یہ کہ خدا کے سوا کسی کو نہ پوجیں اور نہ اس کی خدائی میں کسی کو شریک کریں، ہم میں کسی کو خدا کے سوا اپنا رب نہ بنائے، اگر مانتے ہو، تو فبہا، اگر نہیں مانتے تو جان لو

اور گواہ رہو کہ ہم مسلمان ہیں (یعنی ہم نے توحید کے سوا شرک کی تمام باتوں کو چھوڑ دیا ہے)۔
کسریٰ عجم کو جو مجوسی اور آتش پرست تھا اُسے یہ الفاظ تحریر کئے گئے تھے (بسم اللہ الرحمٰن الرحیم) از جانب رسول خدا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بنام کسریٰ جو فارس کا بڑا آدمی ہے سلام کی (جو راہ ہدایت ہے) پیروی کرے، اللہ اور اُس کے رسول پر ایمان لائے، اور اس بات کا اعتراف کرے کہ خدائے واحد کے سوا کوئی معبود نہیں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کے بندے اور پیغمبر ہیں، تاکہ جو لوگ زندہ ہوں، انہیں عذاب الٰہی سے ڈرائیں، اور کافروں کے مقابلے میں اتمام حجت ہو جائے، لہٰذا اسلام قبول کرو، تو اچھا ہے نہ مانا تو سارے مجوسیوں کی گمراہی کا گناہ بھی تمہارے ہی سر رہیگا، اسی مضمون کی مراسلات بادشاہوں کے نام قاصدان رسول صلی اللہ علیہ وسلم دربار رسالت سے لیکر روانہ ہوئے۔

چنانچہ شاہ ہرقل کے پاس جیسے ہی نامہ رسالت پہنچا، اس نے نہایت مسرت کا اظہار کیا، قاصد رسول صلی اللہ علیہ وسلم دحیہ کلبی کو اپنا مہمان بنایا، اور اس کی نہایت عزت کی اس کے بعد رومۃ الکبریٰ کے ایک بڑے عالم سے جو کتب آسمانی سے بخوبی ماہر تھا دریافت کیا کہ اِس عربی مدعی نبوت کی نسبت تمہارا کیا خیال ہے؟ اس نے جواب دیا بیشک یہ وہی پیغمبر ہیں، جن کے ظہور کا ہمیں انتظار تھا۔

یہ جواب ملنے پر ہرقل نے ایک دن بڑے بڑے سرداران روم کو اپنے دربار میں جمع کیا، پھر قصر کے تمام دروازے بند کروا دیئے، اور ان کے سامنے ایک بلند مقام پر جہاں تک کوئی نہ پہنچ سکتا تھا، نمودار ہوا، اور ان لوگوں سے کہا میرے پاس پیغمبر عرب کا نامہ آیا ہے، جس میں وہ مجھے اپنے دین کی طرف بلاتا ہے، خدا کی قسم وہی پیغمبر آخر الزمان ہے، جس کا ذکر ہماری کتاب آسمانی (انجیل) میں موجود ہے، لہٰذا آؤ ہم سب اُن کی پیروی اختیار کریں، اور اس کی رسالت کی تصدیق کریں، تاکہ ہماری عاقبت درست ہو، اور ہماری دُنیاوی دولت بھی برقرار رہے۔

بادشاہ کی یہ تقریر سنتے ہی سب حاضرین دربار دہشت کھا کر ادھر اُدھر بھاگنے لگے مگر دروازوں سے ٹکرا ٹکرا کر رہ گئے، اسلئے کہ وہ پہلے ہی بند کروا دیئے گئے تھے ۔

بادشاہ ہرقل نے انہیں پھر بلا کے بٹھلایا، اور کہا، میں نے تم کو آزمایا تھا، اور یہ دیکھنا چاہا تھا، کہ تم لوگ اپنے عقیدوں میں کس قدر مضبوط ہو، تمہاری یہ حالت دیکھ کر میں بہت خوش ہوں، یہ سنتے ہی سب درباری اسکے سامنے سجدہ میں گر پڑے، پھر ہرقل نے سب امرائے دربار کو رخصت کر کے دحیہ کلبی (نامہ بر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کو بلایا، اور ان سے کہا میں بخوبی جانتا ہوں، کہ تمہارے نبی سچے پیغمبر ہیں، مگر میں رومیوں سے ڈرتا ہوں، کہ

ہرقل اور اسلام

میرے دشمن نہ ہو جائیں، اگر مجھے ان کا خوف نہ ہوتا تو میں فوراً مسلمان ہو جاتا، لہٰذا تم ایک کام کرو، روم کے سب سے بڑے اسقف ضغاطر کے پاس جاؤ، جو رومۃ الکبریٰ میں رہتا ہے، ان سے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا حال بیان کر کے ان کا دلی خیال دریافت کرو ۔

ہرقل کے اس مشورہ کے مطابق دحیہ کلبی رومۃ الکبریٰ میں گئے، اور ضغاطر اسقف اعلیٰ کے پاس پہنچے اس سے حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات بیان کئے، ضغاطر نے یہ حالات سنتے ہی کہا خدا کی قسم وہ رسول برحق ہیں، ان کے صفات و حالات ہماری کتابوں میں موجود ہیں، جن سے ہم نے ان کو پہچان لیا ہے، اس کے بعد ضغاطر اسقف اعلیٰ گرجے میں آیا، اور اس نے تمام حاضرین کی طرف خطاب کر کے کہا ۔

اے اہل روم ہمارے پاس محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا پیغام پہنچا ہے، جو ہمیں خدائے واحد کے دین کی طرف بلاتے ہیں، اور میں اقرار کرتا ہوں، کہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ یہ سنتے ہی تمام متعصب عیسائی غصہ میں آ کر اس پر جھپٹ پڑے، اور ضغاطر نو مسلم کو ان بیدینوں نے شہید کر ڈالا ۔

دحیہ کلبی یہ حال دیکھ کر پھر ہرقل کے پاس آئے، جو انطاکیہ میں تھا، اس نے جب

اپنی آنکھوں دیکھا حال بیان کیا، تو ہرقل نے کہا میں نے پہلے ہی کہدیا تھا، کہ ہمیں ان لوگوں سے اندیشہ ہے، اس کے بعد قیصر نے رومیوں سے کہا، کیا تم لوگ یہ بھی مناسب نہیں سمجھتے، کہ ہم اس پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو جزیہ دینا قبول کریں، لیکن جب سب نے اس بات سے بھی انکار کیا، تو ہرقل نے کہا، اگر تم لوگ میری رائے مانو، تو مسلمانوں کو ارض شام دیدو، تاکہ وہ اسی پر قناعت کر کے ہمارے ملک میں بڑھنے کا ارادہ نہ کریں، مگر رومیوں نے ہرقل کی اس تجویز سے بھی اتفاق نہ کیا۔

حالانکہ قیصر روم ہرقل یہ خوب جانتا تھا، کہ اگر وہ رعایا کے خلاف کچھ بھی کریگا، تو اس کی رعایا اسے بھی صغاطر کی طرح قتل کر ڈالیگی، تاہم وہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے نامہ مبارک کا ایسا جواب دینا چاہتا تھا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ناگوار ہو، ہرقل کے دل میں اس بات کا پورا اعتقاد تھا، کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے سچے پیغمبر ہیں، اور اسلام ہی ایک آسمانی طاقت ہے، جس پر زمین کی کوئی طاقت غالب نہیں آسکتی اسی خیال سے وہ نامہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا دلشکن جواب دینا چاہتا تھا، وہ حیران تھا، کہ کیا کرے اور کیا نہ کرے، آخر سوچتے سوچتے اس نے اپنے امراء دربار سے کہا، جس سرزمین پر یہ پیغمبر ظاہر ہوئے ہیں، وہاں کا رہنے والا کوئی شخص یہاں انطاکیہ میں یا ہماری سلطنت کے کسی اور شہر میں جو کوئی موجود ہو، اسے میرے سامنے حاضر کیا جائے۔

اتفاقاً ان دنوں دشمن حضور صلی اللہ علیہ وسلم یعنی کفار مکہ کا سرغنہ ابوسفیان بغرض تجارت شام میں آیا ہوا تھا، رومی سردار اپنے بادشاہ ہرقل کے فرمان کے مطابق پتہ لگاتے لگاتے ابوسفیان کے پاس پہنچے، رومی سرداروں کو جب معلوم ہوا، کہ ابوسفیان خاص مکہ کا ہی رہنے والا ہے، تو اسے معہ اس کے دیگر ساتھیوں کے دربار ہرقل میں لائے، ہرقل نے ابوسفیان کے دیگر ساتھیوں کو اپنے تخت کے پیچھے بٹھا کر یہ کہدیا، کہ میں تمہارے سردار ابوسفیان سے چند باتیں دریافت کرنا چاہتا ہوں، اگر وہ کوئی غلط بات کہے، تو تم نے جھٹ ٹوک دینا، اس کے

بعد ابوسفیان کو اپنے سامنے بُلا کر دریافت کیا:۔

تمہارے شہر میں جو پیغمبر پیدا ہوئے ہیں، اُن کا حال بیان کرو۔

ابوسفیان تو حضورؐ صلی اللہ علیہ وسلم کا جانی دشمن ہی تھا، مگر ساتھ ہی اُسے یہ خیال بھی تھا، کہ اگر میں ازراہ دشمنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نسبت غلط واقعات بتاؤنگا تو میرے ساتھی مجھے جھوٹا بتائینگے تاہم جہاں تک اس سے بنا ایسے الفاظ میں جواب دیا جس سے حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی وقعت ظاہر نہ ہو، مگر ہرقل پر ابوسفیان کی باتوں کا کچھ اثر نہ ہُوا، اس کے بعد ہرقل نے یہ چند سوالات ابوسفیان سے کئے:۔

تم لوگوں میں اس نئے پیغمبر کا حسب و نسب کیسا ہے؟ ابوسفیان نے جواب دیا۔

"نسب میں شریف و عظیم ہے"

اُس کے خاندان کے کسی اَور شخص نے بھی کبھی اس طرح کا دعوےٰ نبوت کیا تھا؟

"نہیں"

"کیا اس کے خاندان میں اس سے پہلے کبھی حکومت یا بادشاہت تھی جس کو تم لوگوں میں سے کسی نے چھین لیا ہو؟

"نہیں ایسا بھی نہیں ہوا ہے"

جو لوگ اس نئے پیغمبر پر ایمان لائے ہیں، وہ کس قوم کے لوگ ہیں؟

"غریب و محتاج، کم حیثیت، ناتجربہ کار لڑکے، اکثر اس کے فریب میں آ گئے ہیں"

"جو لوگ اس پر ایمان لاتے ہیں، اُن کی کیا حالت رہتی ہے کبھی ایسا بھی ہوا ہے۔ کہ کسی نے مسلمان ہونے کے وقت اس کی رفاقت و اطاعت چھوڑ دی ہو؟

"نہیں آج تک تو ایسا نہیں ہوا"۔

اچھا یہ بتاؤ، کہ آج تک مسلمانوں میں اور تم لوگوں میں جو لڑائیاں ہوئیں، ان میں دونوں میں سے کس کا پلہ بھاری رہا؟

"کبھی ہمارا، کبھی اُن کا۔"

اُس نے کبھی عہد شکنی یا غدّاری کی؟

"نہیں، لیکن اس سال ہمارا معاہدہ اس سے ہوا ہے، دیکھئے کیا انجام ہو۔"

اس سوال وجواب کے بعد ہرقل نے ابوسفیان سے کہا۔

"میں نے اِس نئے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) کا نسب پوچھا، تو تم نے انہیں خاندانی شخص بتلایا، لہٰذا نبی اپنی قوم کے ایسے ہی خاندان میں پیدا ہوتا ہے، اس کے بعد میں نے دریافت کیا، کہ ان کے اجداد میں اور کسی نے نبوت کا دعویٰ کیا؟ اس سوال سے میرا یہ مطلب تھا، کہ شاید اپنے خاندان کے کسی اگلے شخص کی وہ نقل کرتے ہوں، مگر تم نے صاف کہدیا، کہ ان کے خاندان میں کبھی کسی شخص نے نبوت کا دعویٰ ہی نہیں کیا، پھر مجھے خیال ہوا، کہ شاید اس کا خاندان کبھی یہاں کا بادشاہ ہوا، مگر تم نے اس کا بھی انکار کرتے ہوئے کہا، کہ ان کے یہاں کوئی حاکم اور فرمانروا نہیں ہوا، اس کے بعد پھر دریافت کرنے پر تم نے بتایا، کہ اس پر ایمان لانے والے ادنیٰ درجہ کے غریب لوگ ہیں، میرے خیال میں ایسے ہی لوگ پیغمبر خدا پر ایمان لاتے ہیں، اس کے بعد میں نے یہ پوچھا، کہ جب ایمان لانے والے اس کے گرویدہ ہو جاتے ہیں، تو کبھی کوئی اس سے بگڑ کر اپنے پرانے دین میں واپس تو نہیں ہوا؟ اس کا جواب بھی تم نے یہی دیا، کہ جو اس کا ہو گیا، وہ اُسی کا ہو رہتا ہے یہ نشانی بھی اس کی صداقت کی ہے، اس کے بعد میں نے یہ دریافت کیا، کہ انہوں نے کبھی غداری و عہد شکنی تو نہیں کی، جس کا جواب تمہاری طرف سے نفی میں ملا، یہ بھی سچے لوگوں کی شان ہے۔"

لہٰذا اب میرے خیالات سنو۔ اور یقین رکھو، کہ اس زمین پر جس پر ہم اور تم کھڑے ہیں۔ ایک دن یہ زمین بھی اسی کے قبضہ میں ہوگی، تمام دنیا میں اس کا سچا دین پھیلے گا کاش میں ان کی خدمت میں حاضر ہوتا، اور ان کے قدموں میں ہی رہتا، خیر مجھے جو کچھ

دریافت کرنا تھا، کرچکا، اب تم لوگ جاؤ، اپنا کام کرو ۔
ابوسفیان اور ان کے ہمراہیوں کو رخصت کرکے ہرقل نے قاصد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی مجبوری و معذوری ظاہر کرکے رخصت کردیا ۔

اسی طرح حاطب بن بلتعہ مصر میں مقوقس کے پاس جب نامہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم لیکر حاضر ہوئے، تو مقوقس بادشاہ مصر نے بھی نامہ رسالت کو نہایت ادب و تعظیم سے لیا، وہ بھی اگرچہ ہرقل کی طرح دین اسلام کو قبول نہیں کرسکا لیکن اس کے برتاؤ سے بھی معلوم ہوتا تھا کہ مقوقس کے دل میں حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑی عظمت تھی اور وہ آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کا سچا نبی جانتا تھا لیکن رعایا کی بغاوت اور ملک میں بدامنی پھیل جانے کے ڈر سے اس نے دین اسلام تو قبول نہیں کیا مگر نامہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب میں بہت سے قیمتی ہدایہ کے ساتھ چار لونڈیاں آنحضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں روانہ کردیں ۔

بنی غسان یعنی شاہ حارث کے پاس شجاع بن وہب اسدی جس وقت نامہ رسالت لیکر پہنچے تو اس نے یہ جواب دیا کہ میں خود وہاں پہنچکر آپ کے ہادی کو جواب دونگا
نجاشی حکمران حبشہ ان سب بادشاہوں میں خوش قسمت تھا جس نے نامہ رسالت کو دیکھتے ہی آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچازاد بھائی جعفر ابن ابی طالب کو بلوا کر جو مکے سے ہجرت کر گئے تھے، اور اب تک وہیں موجود تھے، ان کے سامنے کلمہ توحید پڑھا اور مسلمان ہوگیا ۔

یمامہ کے حاکم ہودہ بن علی الحنفی کے پاس جب سلیط بن عمر عامری قاصد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہنچے تو انہوں نے مسلمان ہونے کیلئے یہ شرط پیش کی، اگر آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بعد مجھے اپنا جانشین بنالیں تو میں مسلمان ہوجاؤنگا ورنہ اس کا فیصلہ تلوار سے ہوگا چنانچہ اس نے حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں

میں ایک سفارت بھیجی جس میں مجاعہ بن مرارہ وغیرہ لوگ شامل تھے؛

بحرین کے حاکم منذر بن ساوی بھی نہایت خوش قسمت تھا، اگرچہ وُہ خود دولت فارس کے ماتحت تھا، لیکن نامہ رسالت دیکھتے اس ہی نے معہ اپنے رفقاء و اہلِ دربار کے دینِ اسلام قبول کر لیا، بلکہ بحرین میں جتنے عرب تھے، وُہ سب بھی اپنے بادشاہ کے اثر سے مسلمان ہو گئے؛

خسرو پرویز سب میں بدقسمت تھا، جس نے نخوت و رعونت سے نامۂ رسالت کو دیکھتے ہی چاک کر ڈالا، اور جوشِ غضب میں اپنے ماتحت صوبہ یمن کے حاکم باذان کو حکم لکھا، کہ اس شخص کو جو حجاز میں دعوئ نبوت کر رہا ہے، اپنے دو بہادر افسروں کو حکم دیکر بھیجو، تاکہ اُس شخص کو گرفتار کر کے میرے پاس حاضر کریں۔

چنانچہ قاصدانِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب دربار رسالت میں پہنچے تو انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو اپنا اپنا بیان اس طرح دیا:-

دحیہ کلبی نے عرض کیا، قیصر روم اگرچہ دل سے چاہتا تھا کہ دینِ اسلام قبول کرے لیکن رومیوں نے اپنے نیک دِل بادشاہ کی رائے سے اتفاق نہیں کیا، محض اسی خیال سے کہ رعایا کی بغاوت سے مُلک میں بدامنی نہ پھیلے، ہرقل نے دینِ اسلام قبول نہیں کیا، لیکن حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی مجبوری و معذوری ظاہر کر دی ہے اور دل میں دینِ اسلام کا شیدا ہے، حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم ہرقل کی اس مجبوری کو سُنکر خاموش ہو گئے؛

پھر حاطب ابن ملتبعہ نے کہا، مقوقس فرمانروائے مصر بھی اپنی رعایا کی ناراضگی کے باعث اگرچہ اسلام قبول نہیں کر سکا لیکن اس کے دل میں آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بڑی قدر و منزلت ہے، چنانچہ علاوہ قیمتی تحائف کے اس نے چند لونڈیاں[1] حضور پُر نور

[1] مقوقس شاہ مصر نے تحائف کیساتھ جو کنیزیں بھیجی تھیں انکی تعداد میں اختلاف ہے، کسی مؤرخ نے چار اور کسی نے بارہ لکھی ہیں بہر حال انہیں کنیزوں میں ماریہ بھی تھیں جن سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عقد کیا، اور اُنکے بطن ہی سے حضرت ابراہیم پیدا ہوئے تھے؛

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں روانہ کی ہیں ؛

اِس کے بعد شجاع بن وہب اسدی نے غسان کے شاہ حارث کی نسبت عرض کیا، شاہ حارث نے نامہ مبارک پڑھتے ہی یہ کہا، کہ میں خود وہاں پہنچکر حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کو جواب دونگا، اس کے جواب سے بدنیتی معلوم ہوتی ہے حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سنتے ہی فرمایا، اس کی سلطنت غارت ہوگی، چنانچہ ایسا ہی ہوا ؛

پھر عمرو بن امیۃ الضمری نے نجاشی حکمران حبشہ کی نسبت عرض کیا، الحمد للہ شاہ حبشہ مسلمان ہوگیا ہے، لیکن ابوسفیان کی بیٹی ام حبیبہ جو مسلمان ہوتے ہی اپنے شوہر عبداللہ ابن حجش کے ساتھ حبشہ میں ہجرت کر گئی تھیں، وہاں ان کے شوہر نے عیسائی ہوکے انہیں چھوڑ دیا ہے، اور وُہ پریشان اور لاوارث پڑی ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات سنتے ہی شاہ نجاشی کو لکھا، اگر ام حبیبہ منظور کریں، تو ان سے میرا عقد کر دیجیئے، نجاشی نے ان سے دریافت کیا، تو انہوں نے خوشی سے اس بات کو منظور کر لیا، چنانچہ اپنے پاس سے چار سو دینار مہر ادا کرکے حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم سے انکا نکاح کر دیا، ابوسفیان یہ خبر سنکر پہلے تو بہت نادم ہوا، لیکن بعد میں یہی نکاح اس کے دل میں حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور دین اسلام کی رغبت پیدا ہونے کا باعث ہوا ؛

اس کے بعد سلیط بن عمرو عامری نے یمامہ کے حاکم ہوذہ بن علی الحنفی کی نسبت عرض کیا، کہ اس نے دین اسلام قبول کرنے میں یہ شرط پیش کی، کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بعد اسے اپنا جانشین تسلیم کریں، اسی لئے اُس نے اپنی ایک سفارت بھی روانہ کی ہے، حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سنتے ہی فرمایا، ایسا نہیں ہوسکتا، پھر بارگاہ الٰہی میں یہ دعا کی، "خداوندا مجھے اس کے شر سے بچانا، چنانچہ چند روز کے بعد ہی حاکم یمامہ مر گیا اور اس کے سفیروں یعنے مجاعۃ وغیرہ نے دین اسلام قبول کیا ؛

پھر علاء بن الحضرمی نے بحرین کے حاکم منذر کی نسبت عرض کیا، کہ نہ فقط حاکم منذر

ہی مسلمان ہو گیا ہے، بلکہ اس کے اہلِ دربار و دیگر عرب بھی جو کہ بحرین میں تھے، سب مسلمان ہو گئے ہیں، البتہ دوسرے مقامات میں جو یہودی، نصرانی مجوسی آباد ہیں اُنہوں نے جزیہ دینا قبول کر لیا ہے" حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خُدا کا شکر کرتے ہوئے فرمایا الحمد للہ بحرین میں بغیر جنگ و جدل اسلام کی حکومت قائم ہو گئی، ؛

سب کے بعد عبداللہ بن حذافہ نے خسرو پرویز شاہ ایران کی نسبت افسوس کرتے ہوئے عرض کیا، کہ خسرو پرویز نے نہایت برہم ہو کر نامہ رسالت چاک کر دیا ہے، اور اپنے صوبہ یمن کے والی باذان کو حکم لکھا ہے، کہ وُہ اپنے دو سرداروں کو حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت میں روانہ کرے، تاکہ آپ خسرو پرویز کے سامنے پیش کئے جاویں ؛

چنانچہ چند روز بعد خسرو پرویز کے حکم مطابق وُہ دونوں افسر تاآبوہ اور خسر خسرہ نام حاکم یمن کا خط لے کر دربار رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں پہنچے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے والئی یمن کا خط پڑھایا، تو اس میں لکھا تھا، کہ ان دونوں افسروں کے ساتھ آپ دربار خسروی عجم میں حاضر ہو جائیں، اور ساتھ ہی ان دونوں ایرانی قاصدوں نے کہا" اگر آپ نے اس شہنشاہی فرمان خسروی کی تعمیل کی تو ہمارے حاکم باذان حضور کسریٰ کی خدمت میں آپ کی سفارش کر دینگے اور اگر اس حکم کے بجالانے میں تامل کیا، تو حضور شہنشاہ آپ کو اور آپ کے تمام ساتھیوں کو قتل کر ڈالینگے" اس پر حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا، کہ اس وقت جاؤ، کل آنا، تم کو جواب دیا جائیگا، چنانچہ جب دونوں ایرانی قاصد دربار رسالت سے چلے گئے، تو خداوند کریم نے اپنے رسول صادق آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو جبرائیل علیہ السلام کی معرفت آگاہ کر دیا، کہ کسریٰ پرویز کو اس کے بیٹے شیرویہ نے قتل کر ڈالا ہے اب کسرے پرویز کی بجائے اس کا بیٹا شیرویہ شہنشاہ ایران ہے ؛

خدا کے اس حکم سے باخبر ہوتے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں ایرانی قاصدوں کو بلا کر فرمایا، پرویز تو اپنے بیٹے شیرویہ کے ہاتھ سے قتل ہو چکا ہے، لہٰذا اب نہ وہ رہا

اور نہ اس کا حکم باقی ہے، مگر تم سن لو، کہ دین اسلام اور اسلامی حکومت کسریٰ کے ملک میں پہنچ جائیگی، بلکہ جہاں تک انسان کے قدم اور گھوڑوں کے سُم جاتے ہیں، وہاں تک کلمۂ توحید کا نعرہ بھی پہنچ جائیگا، تم یہاں سے واپس جا کے اپنے حاکم باذان کو میرا یہ پیغام پہنچا دو، کہ وہ بھی دین اسلام قبول کرے :۔

چنانچہ حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم کا پیام لیکر دونوں قاصدین یمن واپس پہنچے، تو اُنہوں نے حاکم یمن باذان کو تمام حالات سے مطلع کر کے آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیام سنایا جس پر باذان نے کہا " اگر پرویز کے متعلق یہ کہنا سچ نکلا، تو اُنکی نبوت میں کوئی شک نہیں، اور اگر یہ خبر غلط نکلی، تو پھر جو مناسب ہوگا کیا جائے گا :۔

اِس کے چند روز بعد ہی باذان کو شیرویہ کا فرمان وصول ہوا، جس میں خسرو پرویز کے قتل کی اطلاع اور اپنی اطاعت کی تاکید تھی، اور ساتھ ہی یہ بھی حکم تھا، کہ پیغمبر حجاز سے کسی قسم کی مزاحمت نہ کی جائے، یہ حکم سنتے ہی نہ فقط باذان اور اس کے ساتھ بہت سے وہ ایرانی جو یمن میں موجود تھے مسلمان ہو گئے، بلکہ سارا یمن قلمرو اسلام میں شامل ہو گیا :۔

<u>۷ھ</u> وہ اہل یہود جو اپنی شرارتوں کے باعث مدینہ شریف سے خارج کر دیئے گئے تھے، اُنہوں نے مدینے کے جانب شمال و مشرق آٹھ منزل کی مسافت پر وادی القریٰ ہی کے سلسلے میں اپنے دس مضبوط قلعے تعمیر کر لئے تھے، اور وہ لوگ وہیں سکونت پذیر تھے، اُنکا یہ سبز و شاداب علاقہ خیبر کہلاتا تھا، اس شاداب قطعہ زمین پر دیگر یہودی قبائل بنی نضیر اور بنی قینقاع بھی آباد ہو گئے تھے، اور اس طرح اہل یہود کی وہاں کافی جمعیت تھی، یہ تمام قبائل یہود مسلمانوں کے دشمن تو تھے ہی، اگرچہ پچھلے ہی سال غزوہ خندق میں اپنے ساتھ اہل قریش کو بھی ذلیل کرا چکے تھے، لیکن چند ہی ماہ بعد اُنہوں نے پھر مسلمانوں کے خلاف قبائل عرب بنی غطفان اور بنی اسد کو اپنا حلیف

بنا کر اپنے شریک حال کر کے مسلمانوں سے جنگ کرنے کیلئے دس ہزار کا گروہ جمع کر لیا،

غزوہ خیبر

چنانچہ صلح حدیبیہ کے تقریباً دو ماہ بعد ہی ماہ محرم میں حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کو خیبر کے یہودیوں کی سرکشی کا حال معلوم ہوا، تو اس خیال سے کہ کہیں یہ طوفان عظیم مدینے میں نہ پہنچ جائے، آپ نے خدا پر بھروسہ کر کے صرف چودہ سو صحابیوں کو علم توحید کے نیچے جمع کیا، اور خود اس فساد کو مٹانے کے لئے بہادران اسلام کو لے کر مدینہ شریف سے خیبر کی طرف چلے،

بعض منافقوں نے اہل یہود کو مسلمانوں کی روانگی سے اگرچہ مطلع کر دیا تھا، اور اہل یہود یہ مشکر چاہتے تھے، کہ ہم بھی پیش قدمی کر کے مسلمانوں سے کھلے میدان میں مقابلہ کریں، مگر جان نثاران اسلام کا لشکر اتنی جلدی خیبر کے علاقہ میں پہنچ گیا، کہ ابھی تک دیگر قبائل عرب اہل یہود کی مدد کے لئے خیبر میں نہ پہنچے تھے،

لہٰذا بہادران اسلام نے راتوں رات خیبر میں پہنچتے ہی یہود کے سب قلعوں کو محصور کر لیا، صبح کو جب یہود نے اپنے آپ کو قلعوں میں محصور پایا، تو مجبور ہو کر قلعوں کے اندر بیٹھ کر ہی مدافعت کرنے لگے،

اہل یہود کو اپنے مضبوط قلعوں پر بڑا ناز تھا، اُن کو اس بات کا پورا یقین تھا، کہ مسلمان ہمارے قلعوں کا کچھ نہ بگاڑ سکینگے، اور آخر عاجز آ کے خود ہی پلٹ جائیں گے، لیکن بہادران اسلام نے جب دیکھا کہ یہود قلعوں سے باہر نہیں نکلتے، بلکہ اندر سے ہی پتھر اور تیر برسا رہے ہیں، تو جان نثاران اسلام نے تیروں اور پتھروں کی زد میں ہی آگے بڑھ کر قلعہ ناعم کے ساتھ اور بھی دو ایک قلعے فتح کر لئے، پھر قلعہ قموص پر دھاوا کیا، چنانچہ یہ قلعہ بھی دو تین روز میں فتح ہو گیا، اور اسی طرح مصعب و طلیح اور سلالم نام قلعے بھی فتح ہو گئے، اب قلعہ خیبر کی باری تھی، یہ قلعہ سب سے زیادہ مضبوط تھا، حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے روز تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو علم اسلام دیکر روانہ کیا، چنانچہ

ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ قلعہ خیبر کیلئے خوب لڑے، آخر لوٹ آئے، دوسری مرتبہ عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ کو حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے روانہ کیا، اُنہوں نے بھی سخت جنگ کی آخر لوٹ آئے، اسی طرح اس قلعہ کو سر کرنے میں جب کئی روز لگے تو آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قسم خُدا کی کل میں ایسے شخص کو علم اسلام دونگا جو اپنی قوّتِ خُداداد کے ساتھ قلعہ کو فتح کرے گا۔

چنانچہ دوسرے دِن حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کرم اللہ تعالےٰ وجہہ کو اس قلعہ کی مہم پر مامور فرمایا، حضرت علی رضی اللہ عنہ خیبر کی طرف جس وقت بڑھے ہیں، اس وقت وُہ سُرخ لباس میں ملبوس تھے، جب خیبر میں پہنچے، تو مرحب جو قلعہ کا مالک تھا یمانی خود پہنے ہوئے تھا، وُہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مقابلہ کیلئے آیا، تو اُس نے یہ شعر پڑھا :۔

قد علمت خیبر انی مرحب	شاکی السلاح بطل مجرب
تمام خیبر کو معلوم ہے کہ میں مرحب ہوں	کون مرحب جو مسلح اور تجربہ کار بہادر ہے

اِس کے جواب میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا :۔

انا الذی سمتنی امی حیدرۃ	کلیث غابات کریہ المنظرۃ
میں وُہ ہوں جس کا نام میری ماں نے شیر رکھا ہے	جو جنگل کے شیروں کی طرح مہیب ہے

اکلیھم بالسیف کیل السندرۃ

میں ان کو تلواروں پر سندرہ[۱] کی طرح تولوں گا

اِس کے بعد پھر ایک نے دوسرے پر وار کیا، آخر حضرت علی رضؓ کی تلوار مرحب کی سپر کو کاٹتی ہوئی اس کے سر پہ پہنچی، اور مرحب خاک پر لوٹنے لگا، مرحب کو اس حالت میں دیکھ کر اس کے ساتھیوں نے قلعہ سے نکل کر مسلمانوں پر حملہ کر دیا، لیکن بہادرانِ

[۱] سندرہ عرب کی ایک مشہور عورت تھی، جس کے صحیح ناپنے اور ٹھیک تولنے کی شہرت عام و خاص تھی۔

اسلام نے جان پر کھیل کر ایسا دھاوا کیا، کہ یہودی ہمت ہار کے بھاگے اور مسلمانوں نے ان کا تعاقب کیا ؛

عین اس وقت جبکہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ دشمنوں کو تہ تیغ کرتے ہوئے جوش خروش میں بڑھتے چلے جاتے تھے، اور یہودی بھاگ بھاگ کر قلعے میں پناہ لے رہے تھے، کسی یہودی نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ پر وار کیا جسے آپ نے ڈھال پر لیا، مگر اس ضرب کے صدمے سے آپ کے ہاتھ مبارک سے ڈھال چھوٹ کر گر گئی، اور ایک یہودی جو پاس ہی کھڑا تھا، اس ڈھال کو اُٹھا کر بھاگا، یہ دیکھ کر آپ کو اور بھی جوش آگیا، حملہ کر کے قلعے کے پھاٹک پر پہنچے، اور اس کے ایک پٹ کو پکڑ کر اس زور سے کھینچا کہ اکھاڑ کے الگ پھینکدیا، اور قلعہ کے اندر گھس پڑے، ساتھ ہی دیگر بہادران اسلام بھی قلعہ کے اندر داخل ہو گئے، اور قلعہ فتح ہو گیا، اور اب یہود کیلئے پناہ مانگنے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا

آخر ان شرطوں پر صلح ہو گئی، (۱) تمام اہلِ خیبر کو جان کی امان دی جائے (۲) وہ اپنا سارا مال بہادرانِ اسلام کو بطور تاوانِ جنگ دیدیں ؛ (۳) خیبر کی ساری زمین مسلمانوں کی ملکیت ہو گی، اور اہلِ یہود اپنے گھروں میں رعایا کی حیثیت سے آباد رہیں گے (۴) اپنی پیداوار کا نصف حصہ بطور خراج مسلمانوں کو دیا کرینگے۔ (۵) اس معاہدہ کے بعد اگر وہ پھر بدعہدی کریں، تو آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار ہو گا، کہ ان کو یہاں سے جلاوطن کر دیں ؛

اس لڑائی میں یہود کا سردار حی بن اخطب لڑائی میں مارا گیا، اور اس کے داماد کنانہ بن ربیع نے خلاف معاہدہ بہت سا مال و دولت چھپا رکھا تھا، اسی جرم میں وہ بھی قتل کر دیا گیا ؛

حی بن اخطب کی بیٹی صفیہ لونڈیوں میں اسیر ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے حاضر ہوئی، تو آپ نے ان کی عزت کے خیال سے اور نیز دشمنوں پر اپنے اخلاق کا اثر

ڈالنے کے لئے آزاد فرما کر صفیہ کو اپنے عقد نکاح میں لے لیا، چنانچہ اس فعل کا یہود پر بہت اچھا اثر پڑا ؛

لکھا ہے، کہ حضرت صفیہ نے عقد کے چند روز قبل خواب میں دیکھا تھا، کہ ماہتاب ان کے آغوش میں گر پڑا ہے، اِس خواب کو اُنہوں نے اپنے شوہر کنانہ سے بیان کیا تو اِس نے برہم ہو کر اِن کے رخسار مبارک پر ایسے زور کا تھپڑ مارتے ہوئے کہا معلوم ہوتا ہے، کہ تمہیں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے ملنے کی تمنّا ہے، چنانچہ جب آپ نکاح کے بعد حضور پر نور (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت میں آئیں، تو صفیہ کے گال پر ابھی تک اس تھپڑ کا نشان موجود تھا ؛

معجزہ پیغمبر عالم صلی اللہ علیہ وسلم

حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم ابھی خیبر میں ہی تھے، کہ مقتول مرحب کے بھائی حارث کی بیٹی زینب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کی، اور نہایت خوشامد و عاجزی سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا، کہ آپ دعوت قبول کریں حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی عادت کے موافق زینب کی دعوت قبول کر لی، اور اپنے ساتھ بشر بن براء کو کھانے میں شامل کیا، زینب نے بکری کا بھنا ہوا گوشت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے رکھا، چنانچہ آپ نے ایک ہی لقمہ لیا تھا، اور وہ لقمہ ابھی حلق میں نہیں اترا تھا، کہ آپ نے اُسی وقت فرمایا، یہ بکری (جس کا یہ گوشت ہے) مجھ سے کہتی ہے، کہ مجھ میں زہر ملا ہوا ہے، چونکہ بشر دو چار لقمے کھا گئے تھے، اسلئے وہ جانبر نہ ہو سکے، اِس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے زینب کو بلوا کے پوچھا، تو اِس نے اقرار کرتے ہوئے کہا میں نے اسلئے اِس گوشت میں زہر ملایا تھا، کہ میری قوم کے ساتھ آپ کے ہاتھوں جو کچھ ہوا ہے، وہ ظاہر ہی ہے، میں نے خیال کیا کہ اگر آپ سچے پیغمبر ہیں، تو آپ کو خود ہی معلوم ہوئیگا کہ اِس کھانے میں زہر ملا ہے، اگر آپ سچے پیغمبر نہیں بادشاہ ہیں، ہمارا آپ سے پیچھا چھوٹ جائے گا، یہ سُنکر حضور صلی اللہ علیہ

وسلم نے اس کا قصور معاف کر دیا ؛

کچھ دن بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم علاقہ خیبر کو فتح کر کے واپس ہوئے، اور واپسی کے وقت محیصہ میں مسعود کو فدک کے یہودیوں کے پاس تبلیغ اسلام کیلئے روانہ کیا، لیکن اُنہوں نے دین اسلام تو قبول نہیں کیا، مگر خراج گذار بن کے اطاعت قبول کی اور یہ اقرار کیا، کہ ہماری آدھی زمین باغ فدک آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ہوگی، اسی شرط کے مطابق فدک[1] کا نصف حصہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قبضہ میں آ گیا ؛

اسی سال یعنی ۷ھ ہجری میں غزوہ خیبر سے واپس آ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی چھوٹی چھوٹی مہمیں ہر طرف روانہ کیں، جن میں ایک دفعہ حضرت عمرؓ کو بھی سردار بنا کر بھیجا، لیکن جہاں جہاں یہ سریے بھیجے جاتے تھے، وہاں کے لوگ بہادران اسلام کی آمد سنتے ہی بھاگ جاتے تھے، اور مسلمان کامیاب ہو کر آتے تھے، انہی دنوں میں ذی الحج کا مہینہ آ گیا، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے تمام رفقاء کو جو حدیبیہ میں ہمراہ رکاب تھے اپنے ساتھ لیکر عمرے اور زیارت کعبہ کیلئے سفر کیا ؛

عمرے اور زیارت کعبہ — قربانی کیلئے ستر اونٹ ساتھ تھے، اور سب احرام باندھے ہوئے تھے، چونکہ مشرکین مکہ سے معاہدہ ہو چکا تھا، کہ اِس سال وہ زیارت کعبہ سے مانع نہ ہونگے، چنانچہ اُنہوں نے جیسے ہی سنا کہ مسلمان زیارت کعبہ شریف کیلئے آ رہے ہیں، تو سب اہل مکہ اپنے گھروں سے نکل کر جبل ابو قبیس پر چڑھ گئے، یہ وہ پہاڑ ہے، جہاں سے سارا مکہ ایک تصویر کی طرح نظر کے سامنے ہو جاتا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب مہاجرین اور

---

[1] فدک چونکہ بہادران اسلام کی کوشش کے بغیر اسلام کے قبضہ میں آ گیا تھا، لہٰذا مسلمانوں کی منظوری سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جائداد خاص قرار دیا گیا، آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اسی فدک کے نصف حصے سے ازواج مطہرات کی خبر گیری فرماتے تھے، اور جو کچھ اس سے بچتا تھا، غریبوں اور محتاجوں کی کفالت میں خرچ ہوتا تھا، خلفائے راشدین کے عہد میں بھی فدک کی آمدنی کا یہی مصرف رہا، جس کے متولی خاندان رسالت کے محترم ارکان مقرر ہوتے رہے، بلکہ حضرت عمرؓ نے اپنے عہد خلافت میں حسب وصیت حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب یہود کو ارض عرب سے جلا وطن کر دیا تھا، تو یہود کے باقی ماندہ ارض فدک کی قیمت کا صحیح تخمینہ جانچ کر کے بیت المال سے وہ تشخیص شدہ رقم یہود کو ادا کر دی تھی، اسوقت سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے زمانہ تک فدک کی ساری زمین کا یہی مصرف رہا ؛

انصار کے ساتھ بڑی خوشی سے مکّہ میں داخل ہوئے، اور نہایت آرام و اطمینان سے حج خانہ کعبہ ادا فرمایا:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لبیک کہتے ہوئے حرم کی طرف بڑھے، عبداللہ بن رواحہ اونٹ کی مہار تھامے ہوئے آگے آگے یہ رجز پڑھتے جاتے تھے :۔

خلوا بنی الکفار عن سبیلہ ۔ الیوم نضربکم علی تنزیلہ

کافرو! سامنے سے ہٹ جاؤ ۔ آج جو تم نے اترنے سے روکا تو ہم تلوار کا وار کرینگے

ضربا یزیل الھام عن مقیلہ ۔ ویذھل الخلیل عن خلیلہ

وہ وار جو سر کو خواب گاہ سر سے الگ کردے ۔ اور دوست کے دل سے دوست کی یاد بھلا دے

صحابہ کا جم غفیر ساتھ ساتھ تھا، اور برسوں کی دیرینہ تمنّا اور فرض مذہبی بڑے جوش کے ساتھ ادا کر رہا تھا:

مشرکین اہل مکّہ پہاڑ پر سے کھڑے دیکھ رہے تھے، کہ شاید مسلمان خلاف معاہدہ شہر میں لوٹ نہ مچادیں، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم معاہدہ کا پاس کر کے تین روز کے بعد مکّہ سے پلٹ آئے:

اکثر مشرکین مکّہ پر مسلمانوں کے سچّے جوش سادہ اور مؤثر طریق عبادت کا اور انکی اعلےٰ دیانت و امانت کا (کہ خالی شدہ شہر میں کسی کا ایک پائی کا بھی نقصان نہ ہوا تھا) عجیب اثر پڑا، جس نے سینکڑوں کو اسلام کی طرف مائل کر دیا:

۸ھ

خالد بن ولید اور عمر بن عاص کا اسلام قبول کرنا

اکثر معززین قریش کے دلوں پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس پاس وفا کا گہرا اثر پڑا چنانچہ خالد بن ولید عثمان بن ابی طلحہ عمرو بن عاص جیسے ذی عزت اور بہادر شخصوں نے ۸ھ میں

مدینہ منورہ میں حاضر ہو کر خود بخود دین اسلام قبول کر لیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم، ان شجاعان عرب کے مسلمان ہونے پر بہت خوش ہوئے ؛

چند روز بعد حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو بن عاص کو ارض بلی اور قبیلہ بنی عذرہ کی طرف تبلیغ اسلام کیلئے روانہ کیا، عمرو بن عاص اور بنی عذرہ سے اگرچہ ننھیالی تعلق تھا، لیکن اُنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے انحراف نہیں کیا، عمرو بن عاص بنی جذام کی سرزمین میں سلاسل تالاب پر پہنچے ہی تھے، کہ وہاں اُنہوں نے دشمنوں کی کثرت دیکھ کر آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کمک کیلئے ایک اصحاب کو بھیجا

چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوعبیدہ بن الجراحؓ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ و حضرت عمرؓ کو مع مہاجرین کی ایک جماعت کے عمرو بن عاص کی مدد کے لئے روانہ فرمایا ؛

حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ عمرو بن عاص کے مزاج سے واقف تھے، اس لئے ابوعبیدہ کو جاتے وقت آپ نے تاکید کر دی تھی، کہ عمرو بن عاص سے کسی قسم کا جھگڑا نہ ہونے پائے، عمرو بن عاص نے ابوعبیدہ کو دیگر اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دیکھتے ہی پوچھا، کہ میری مدد کرنے آئے ہو یا مجھ پر سردار مقرر ہو کر؟ ابوعبیدہ نے جواب دیا مجھے آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے تاکید کر دی ہے، کہ اختلاف نہ کروں، اس لئے اگر تم میرے خلاف بھی کرو گے تو میں پھر بھی تمہاری اطاعت کرونگا، اس مہم کی کامیابی کے چند روز بعد عمرو بن عاص کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عمان کے حکام یعنے جلندی کے بیٹوں جیفر اور عیاذ کے مقابلے میں بھیجا، اور اُنہوں نے عمرو بن عاص کے پہنچتے ہی دین اسلام قبول کر لیا، بلکہ اپنی مجوسی رعایا سے جزیہ وصول کیا ؛

اُنہیں دنوں میں ابوعبیدہ بن الجراح بحکم آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تین سو مہاجرین وانصار کی معیت میں سمندر کے کنارے تبلیغ اسلام کیلئے روانہ ہوئے، اور یہ سریہ محض بطور گرد آوری تھے، تاکہ قبائل عرب پر دین اسلام کی تبلیغ کی جائے ؛

اسی اثنا میں مدینہ شریف میں خبر پہنچی، کہ رفاعہ بن قیس عداوتِ اسلام پر آمادہ ہے اور ایک شبستان میں اس نے فوج جمع کی ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خبر سنتے ہی ابوقتادہ کے ساتھ دو آدمی اور دیکر دریافت حال کیلئے روانہ کیا ؛

چنانچہ غروبِ آفتاب کے وقت یہ تینوں مخبر منزلِ مقصود پر پہنچ کر ادھر اُدھر منتشر ہو کے چھپ رہے، ان تینوں مخبروں میں ایک عبد اللہ بن ابی حدرد بھی تھے، انہوں نے اپنی کمین گاہ سے دیکھا، کہ رفاعہ بن قیس مسلح ہو کر کسی کو تلاش کر رہا ہے، عبد اللہ بن بن ابی حدرد نے وہیں سے تاک کر تیر کا ایسا نشانہ مارا، جو رفاعہ بن قیس کے قلب پر پڑا، بغیر اس کے کہ اُس کے منہ سے آواز نکلے، وہ وہیں گر کے ٹھنڈا ہو گیا، عبد اللہ اور ابوقتادہ وغیرہ نے چپکے سے جا کے اس کا سر کاٹ لیا، پھر تینوں رفیقوں نے زور شور سے نعرہ بلند کیا، رفاعہ کے ساتھی اپنے سردار کو یک بیک یوں قتل ہوتے دیکھ کر ایسے گھبرائے کہ بدحواس ہو کر سب کے سب اپنی اپنی عورتوں اور بچوں کو لے کر وہاں سے بھاگ کھڑے ہوئے، پھر تینوں صحابیوں نے میدان صاف دیکھ کر ان کے اونٹوں اور دیگر اس سامان پر جو وہ اپنے ساتھ نہ لے جا سکے، قبضہ کر لیا، اور سب اسباب کو اونٹوں پر لاد کر مدینہ شریف میں پہنچے، وہاں رفاعہ کا سر حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کر کے ساری سرگذشت بیان کی ؛

سریہ موتہ اسی سال سریہ موتہ واقع ہوئی، اور اس وجہ سے ہوئی، کہ آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے حارث بن عمر کی معرفت ایک خط فرمانروائے بصرہ کے پاس بھیجا، لیکن جب وہ مقام موتہ میں پہنچے، تو عمرو بن شرحبیل نے ان کو قتل کر دیا، اس لئے حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے ماہ جمادی الاول ۸ھ میں بہادرانِ اسلام کا ایک لشکر ترتیب دیا، جس میں تخمیناً تین ہزار جان نثارانِ اسلام شامل تھے، اور زید بن حارث کو اس لشکر کا علم بردار مقرر فرما کر، ارشاد فرمایا، کہ اگر زید بن حارث شہید ہو جائیں، تو ان کے بعد جعفر بن

ابی طالب رضؓ کو اپنا سردار بنانا، اگر جعفر بن ابی طالب بھی شہید ہو جائیں، تو پھر عبداللہ (رضی اللہ عنہ) بن رواحہ کو علمدار بنانا ۔

چنانچہ یہ لشکر اسلام مدینہ شریف سے نکل کر جب مقام معان پر پہنچا، تو وہاں معلوم ہوا کہ ہرقل شاہ روم نے ایک لاکھ رومیوں اور ایک لاکھ عربوں کے ساتھ فوج کشی کی ہے اور یہ دونوں لشکر سرزمین بلقا میں پڑاؤ ڈالے پڑے ہیں، صرف تین ہزار جان نثاران اسلام اپنے مقابل دو لاکھ بہادروں کا گروہ سنکر دو راتیں معان میں ہی مقیم رہے، اور سوچتے تھے، کہ اب کیا کرنا چاہیئے، آخر سب میں یہ رائے قرار پائی کہ ایک خط کے ذریعے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کی اطلاع دی جائے، اور دربار رسالت سے جو حکم پہنچے اس پر عمل کیا جائے، لیکن عبداللہ ابن رواحہ نے کہا، اس انتظار میں بہت دن لگ جائیں گے، دل کو مضبوط کر کے سب اٹھ کھڑے ہو جاؤ، جس چیز سے ڈرتے ہو، خدا کی قسم، وہ وہی چیز ہے، جسکے ذوق شہادت میں ہم سب گھر سے نکلے ہیں، اگرچہ ہمارے مقابل جماعت کثیر ہے، لیکن ہم جمعیت کے لحاظ سے دشمن سے نہیں لڑتے ہمارا لشکر اور ہماری قوت ہمارا اسلام ہے، اللہ تعالےٰ نے ہم کو اسی اسلام کی بدولت ہی آج تک فتحمند کیا ہے، عبداللہ بن رواحہ کی اس ہمت افزا تقریر کے جواب میں سب جان نثاران اسلام نے یک زبان ہو کر کہا بے شک تم سچ کہتے ہو، اور یہ کہتے ہی سب مسلمان اسی وقت عمان سے روانہ ہوئے، اور وضع شارف کے نواح میں جا ٹھہرے، وہاں ان کو ہرقل کا لشکر ملا، مگر مسلمانوں نے قریہ موتہ کیطرف حملہ کیا، اسی جگہ دونوں لشکروں کا مقابلہ ہوا، اور آپس میں لڑائی ٹھن گئی ۔

زید بن حارث کے ہاتھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا علم تھا، اور بڑے جوش و شجاعت کے ساتھ لڑ رہے تھے، یہاں تک کہ مخالفین کے لشکر میں جا گھسے اور شہید ہو گئے، زید بن حارث کے شہید ہوتے ہی جعفر بن ابی طالب رضؓ نے علم لیا، آپ جز خوانی کرتے ہوئے دشمنوں کی صفوں کا صفایا کرنے لگے، جب ان کا گھوڑا زخمی ہو گیا،

توپھر بھی پا پیادہ لڑنے لگے، اور اپنے بازوؤں سے لڑتے لڑتے شہید ہوگئے ؏

ان کے بعد عبداللہ بن رواحہ نے علم اسلام کو اُٹھایا، اور گھوڑے سے اتر کر پیادہ پا جنگ میں شریک ہوئے، اور خوب لڑے، یہاں تک کہ وُہ بھی شہید ہوگئے ؏

عبداللہ بن رواحہ کی شہادت کے بعد مسلمان پریشان ہونے لگے، مگر ثابت بن ارقم انصاری نے علم کو ہاتھ میں لے کر کہا، اے گروہ مسلماناں تم اپنے میں سے ایک شخص کی سرداری قبول کرلو، سب نے کہا، تمہارے سردار ہونے پر ہم سب راضی ہیں، لیکن ثابت نے کہا، میں اس کام کے قابل نہیں ہوں، میرے خیال میں خالد بن ولید سرداری کے لئے موزوں ہیں، چنانچہ جب سب نے اس بات پر اتفاق کیا، تو خالد بن ولید آگے بڑھے، اور مسلمانوں کو للکار کر بڑے جوش وخروش میں دشمنوں پر حملہ کردیا حضرت خالدؓ جس پر اپنی تلوار کا وار کرتے تھے، وُہ ایک ہی وار میں ٹھنڈا ہوجاتا تھا، اور یہاں تک آپ لڑے کہ آپ کی نوتلواریں لڑتے لڑتے ٹوٹ گئیں، ہر تلوار کے ٹوٹتے ہی وُہ دوسری تلوار لے کر دشمنوں پر شیر کی طرح جھپٹتے تھے، خالدؓ کی اس شجاعت کا دشمنوں پر ایسا رعب چھایا، کہ مخالفین کے پاؤں ڈگمگانے لگے ؏

چونکہ رات ہوگئی تھی، اس لئے دونوں لشکروں میں لڑائی بند ہوگئی، صبح کو جب مقابلے کیلئے پھر دونوں لشکر صف آرا ہوئے، تو بہادر اسلام خالد بن ولید نے ان مسلمانوں کو جو گذشتہ دن پیچھے تھے، آگے کردیا، اور اگلی صفوں کے مسلمانوں کو پیچھے کردیا، اس صف آرائی سے دشمنوں کو یقین ہوگیا، کہ مسلمانوں کی نئی کمک آگئی ہے، ساتھ ہی سکے جب حضرت

لہ اس لڑائی میں جب حضرت جعفرؓ پر ہر طرف سے دشمنوں نے وار کرنا شروع کئے، تو پہلے ان کا ایک بازو کٹ گیا، لیکن آپ نے دوسرے بازو سے علم کو تھام لیا، اور اسی طرح لڑتے رہے، جب دشمنوں نے دوسرا بازو بھی جُدا کردیا، تب آپ نے دونوں کٹے ہوئے بازوؤں کو جوڑ کر علم اسلام کو سینے سے لگا لیا، لیکن علم کو گرنے نہ دیا، آخر اسی حالت میں آپ نے درجہ شہادت حاصل کیا، آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی شہادت کا بہت رنج ہوا، حتیٰ کہ بے اختیار آنسو نکل آئے، اور فرمایا کہ اللہ تعالےٰ نے اُن کو دو بازو عطا کئے ہیں، جن سے وُہ جنت میں اڑتے پھرتے ہیں، اس لئے حضرت جعفرؓ کو ذوالجناحین (دو بازوؤں والا) کہتے ہیں ؏

خالدؓ نے جوش و خروش سے حملہ کر دیا، ان کے ساتھ اگلی صفوں کے مسلمانوں نے بھی تازہ جوش دکھایا، تو دشمنوں نے منہ پھیر لیا، اور سر پر پاؤں رکھ کر بھاگے، لیکن خالدؓ نے مصلحت وقت سے ان کا تعاقب نہیں کیا، جو کچھ مالِ غنیمت ہاتھ آیا، اسے لیکر باقی مسلمانوں کے ساتھ مدینہ شریف کو لوٹ آئے ؛

یہ ۶۲۹ء کا زمانہ تھا، خدا کے مقرب رسول نبی برحق ہادی اسلام آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خداوند کریم نے (اس وقت جب کہ آپ مکہ شریف اور شعب ابی طالب میں محصور تھے) جو بذریعہ وحی دو وعدے فرمائے تھے، اور ان میں سے ایک وعدہ یعنی روم کی کامیابی کا تو پورا ہو چکا تھا، اب دوسرا وعدہ یعنی "اسلام ایران و روم میں پھیلیگا" پورا ہونے کو تھا، کیونکہ ترقی اسلام کے سب سے بڑے مزاحم "مکے" کے مشرک اور نامورانِ قریش تھے، اور انہیں کے زیر اثر تمام عرب کے دیگر بُت پرست و یہود وغیرہ بھی تھے، یہی وجہ تھی، کہ جو لوگ مسلمان ہوتے تھے، تمام مشرکین عرب اِن دلدادگانِ توحید کے دشمن ہو جاتے تھے اور کہیں بھی انہیں چین سے بیٹھنا نصیب نہ ہوتا تھا ؛

صلح حدیبہ کے وقت جو اسی وجہ سے معاہدہ میں اِن لوگوں نے ایسی شرطیں مسلمانوں سے لکھوائی تھیں، جن سے ان کا غلبہ ظاہر ہوتا تھا، اور مسلمانوں کو ایسی شرطوں پر صلح ہونے کا واقعی رنج تھا ؛

لیکن اب وُہ وقت نہ تھا، بلکہ یہ حالت تھی، کہ وہی دشمنانِ اسلام اور سرغنایان مشرکین جو مسلمانوں کے خون کے پیاسے تھے، اپنی اپنی جانیں بچانے کیلئے خوشامدیں کر رہے تھے، صلح حدیبہ کے معاہدہ سے اگرچہ مشرکین مکہ کو دس سال کا موقع مل گیا تھا، تاکہ وُہ لوگ امن و اطمینان سے اپنی تجارت اور اپنے اپنے کاروبار میں مصروف رہیں، لیکن فتنہ و سرکشی اِن کی گھٹی میں داخل تھی، اس لئے مشرکین مکہ نے صلح حدیبہ کے معاہدہ کا کچھ لحاظ نہیں رکھا ؛

اس معاہدے میں ایک شرط یہ بھی تھی، کہ قبائل عرب میں سے جو قبیلے چاہیں آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے شریک ہو جائیں۔ اور جو چاہیں قریش مکہ کے طرفدار بن جائیں چنانچہ بنی خزاعہ اس شرط کی رو سے حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے شریک ہو گئے، اور بنی بکر قریش مکّہ کے ساتھ ؛

ان دونوں قبیلوں یعنی بنی خزاعہ اور بنی بکر میں پرانی عداوت اور رقابت چلی آتی تھی، اس لئے بنی بکر نے اپنے حریفوں یعنی بنی خزاعہ پر تاخت کرنی چاہی، اور قریش مکہ نے مخفی طور اسلحہ وغیرہ سے بنی بکر کو فقط مدد ہی نہیں دی، بلکہ مشرکین مکہ کے سرغنہ سردار عکرمہ بن ابی جہل اور صفوان بن امیہ وغیرہ رات کے وقت اپنے چہروں پر نقاب ڈالے بنی خزاعہ پر شب خون مارنے میں شریک ہوئے، اور ان دونوں سرداران قریش نے ان کے بہت سے آدمی مار ڈالے، بنی خزاعہ کو اپنی جانیں بچانے کا اور کوئی طریقہ نہ سوجھا تو ان لوگوں نے حرم کعبہ میں پناہ لی، کیونکہ مشرکین مکہ بھی حرم کعبہ میں کشت و خون کرنا نہ چاہتے تھے، مگر نوفل سردار بنی بکر بنی خزاعہ کو قتل کرنے کیلئے وہاں جا پہنچا، اور اس نے صاف کہدیا، آج خُدا کوئی چیز نہیں، ہمیں اپنا بدلہ لینا ہے ؛

بنی خزاعہ کو جب حرم میں بھی امان نہ ملی، تو انہوں نے بدیل ابن ورقاء کی کفالت میں پناہ لی، لیکن بنی بکر نے وہاں بھی ان کو چین نہ لینے دیا، مجبوراً عمرو بن سالم خزاعی مدینہ شریف میں پہنچے، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر تمام حالات عرض کر کے مسلمانوں کی امداد کا خواستگار ہوا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو بن سالم کی درخواست منظور کرتے ہوئے امداد کا وعدہ فرمایا ؛

ادہر قریش مکّہ کو اپنی بدعہدی کا خوف تھا، وُہ اسی سوچ میں تھے، کہ اگر مسلمانوں نے صلح حدیبیہ کی بدعہدی پہ جواب طلب کیا، تو کیا عذر پیش کیا جائیگا، اسی فکر و اندوہ سے بچنے کیلئے، قریش مکہ کا سردار ابوسفیان عذر خواہی اور تجدید معاہدہ کرنے جب مکّہ

سے مدینہ کی جانب روانہ ہوا، تو راستے میں بدیل سے ابو سفیان کی ملاقات ہوئی، اور بدیل
سے دریافت کیا، تم مدینے میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تو نہیں گئے تھے؟ بدیل نے
جواب دیا، نہیں تو، میں تو ان خزاعیوں کے پاس گیا تھا، جو ساحل پر سکونت پذیر ہیں، لیکن
اس جواب سے ابو سفیان کو اطمینان نہ ہوا، اور وہ مدینہ میں پہنچکر اپنی بیٹی ام المومنین ام حبیبہ رضہ
کے گھر میں گیا، وہاں رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے بچھونے پر بیٹھنے ہی لگا تھا، کہ حضرت
ام حبیبہ رضہ نے جھپٹ کر وہ بچھونا لپیٹ کے الگ رکھدیا، ابو سفیان نے اس حرکت پر ششدر
ہو کر پوچھا، بیٹی یہ کیا، کیا تو بھی میرے خلاف ہے؟ انہوں نے فرمایا۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کا بچھونا ہے، اور آپ ابھی مشرک و نجس ہیں، اس لئے مجھ سے یہ گوارا نہیں ہوسکا
کہ آپ اس بچھونے پر بیٹھ کر اسے ناپاک کریں، اس پر ابو سفیان نے کہا ام حبیبہ مجھ سے
چھوٹ کر تم بھی غارت ہو گئیں، آپ نے فرمایا، غلط کہتے ہو، غارت نہیں ہوئی، بلکہ
اللہ پاک کی عنایت سے شرک و نجس کے ناپاک اور تاریک گڑھے سے نکل کر چشمۂ اسلام
سے پاک و صاف ہو گئی ہوں۔

ام حبیبہ کی اس گفتگو نے ابو سفیان کو مایوس کر دیا، اور وہ اسی وقت وہاں سے
اٹھ کر دربار رسالت یعنی مسجد نبوی میں حاضر ہوا، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنے
آنے کی غرض و غایت بیان کی، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو سفیان کو کچھ جواب نہ دیا
جب یہاں بھی کچھ شنوائی نہ ہوئی، تو حضرت ابو بکر صدیق رضہ سے ملا، اور ان سے سفارش چاہی
لیکن حضرت ابو بکر صدیق رضہ نے صاف جواب دے دیا، کہ میں اس بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم
سے ایک لفظ بھی عرض نہیں کر سکتا، اسی طرح عمر بن الخطاب رضہ کے پاس جب پہنچا، تو انہوں
نے بھی یہی فرمایا، ناممکن ہے، کہ میں تمہاری سفارش کروں، اس کے بعد حضرت علی رضہ اور
حضرت فاطمۃ الزہرا رضہ سے التجا کی، انہوں نے بھی صاف کہدیا، کہ چونکہ تم نے خود ہی معاہدہ
توڑا ہے، اسلئے حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کوئی شخص بھی تمہاری اس

سرکشی کی سفارش نہیں کرسکتا، لہٰذا ابوسفیان ناکام ہو کر مدینہ شریف سے مکہ میں واپس چلا آیا،،

کچھ دن بعد بہادرانِ اسلام کا لشکر ہادیٔ اسلام حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے سفر جہاد کیلئے تیار ہوگیا، مسلمانوں کا یہ خیال تھا، کہ جب تک ہمارا لشکر سرزمین قریش میں پہنچ جائے، دشمنوں کو ہماری روانگی کی اطلاع نہ ہو، لیکن حاطب بن بلتعہ نے مدینہ عورت کے ہاتھ ایک خط لکھ کر اہل قریش کو اپنے لشکر کی روانگی کی اطلاع دیدی تھی، جب اس بات کی خبر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوئی، تو آپ نے اُسی وقت حضرت علیؓ اور حضرت زبیرؓ کو اس نامہ بر عورت کے تعاقب میں روانہ کیا، چنانچہ دونوں جان نثارانِ اسلام نے بہت جلد اس عورت کو راستے میں ہی گرفتار کرکے اُسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر کیا۔ جب حاطب کا خط اس عورت سے برآمد ہوا، تو حاطب نے عرض کی" خدا کی قسم میں مسلمان ہوں میرے عقائد اور نیت میں کسی قسم کا فرق نہیں ہے، بات یہ تھی، کہ میرے اہل وعیال مکہ میں ہیں، ان کا وہاں کوئی پرسانِ حال نہیں، بدیں خیال کہ میں اپنے مشرکین اقارب کو اس اطلاع سے راضی کرکے اپنے اہل وعیال کو بچالوں، یہ خط لکھا گیا تھا، اس کے سوا اور کوئی بات نہ تھی،،

حاطب کا یہ جواب سنتے ہی حضرت عمرؓ نے جوش میں آکر کہا، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اجازت دیں، تاکہ اس منافق کا سر قلم کردوں، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، عمرؓ تمہیں کیا خبر، کیا تعجب ہے، کہ خداوند کریم اہل بدر پر مہربان ہو، یہ فرماکر حاطب کا قصور معاف کردیا،

فتح مکہ شریف تھوڑے ہی دنوں بعد حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابورہم کلثوم بن حصین غفاری کو مدینے میں اپنا نائب بناکر خود دسویں ماہ رمضان شنبہ کو دس ہزار جان نثارانِ توحید کے ہمراہ مدینہ شریف سے مکہ کی مہم کیلئے روانہ ہوئے، جب مقام ذی الحلیفہ تک پہنچے، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عم مکرم حضرت عباس رضی اللہ عنہ وہاں ملے جو مکہ سے ہجرت کرکے مدینہ شریف

کی طرف آرہے تھے، چنانچہ آپ نے اِن کے متعلقین کو (مع سامان کے) تو مدینے میں بھجوادیا اور حضرت عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو لے کر آگے بڑھے، آخر مرّ الظہران کے لق ودق میدان میں بہادرانِ اسلام کے لشکر نے پڑاؤ ڈالا، یہاں سے مکّہ قریب تھا، رات کے وقت روشنی کیلئے تمام لشکر میں جا بجا الاؤ روشن تھے، اتنے میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے دل میں خیال آیا، کہ اگر مسلمانوں کے لشکر نے اہل مکّہ کی بیخبری میں مکّہ پر دھاوا بول دیا، تو تمام اہل قریش پر آفت آجائیگی، اس لئے کسی طرح مشرکین مکّہ کو لشکر اسلام کی اطلاع ہوجانی چاہیے تاکہ وہ لوگ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر معافی مانگ لیں، حضرت عباس رض پیلو کے جنگل میں اسی تگ و دو میں پھر رہے تھے، کہ اُنہیں رات کے وقت چند شناسا لوگوں کی یہ باتیں سنائی دیں، وہ شناسا لوگ ابوسفیان حکیم بن حزام بدیل بن ورقاء خزاعی تھے اور ابوسفیان ان سے کہہ رہا تھا، کہ میں نے اس سے زیادہ الاؤ روشن ہوتے کبھی نہیں دیکھے بدیل کہہ رہا تھا، یہ شاید بنی خزاعہ کا پڑاؤ ہوگا، ابوسفیان نے جب اس کے جواب میں یہ کہا کہ بنی خزاعہ کی اتنی حیثیت نہیں، تو حضرت عباس رض نے ان کا یہ سوال سنتے ہی پکار کر کہا، کیا ابوحنظلہ ہیں؟ (یعنی ابوسفیان ہیں) ابوحنظلہ ابوسفیان کی کنیت تھی حضرت عباس رض کی آواز پہچان کر جب ابوسفیان قریب آیا، تو اس نے حضرت عباس رض سے دریافت کیا، کہ یہ کن لوگوں کا پڑاؤ ہے؟ تو اُنہوں نے کہا، آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی فوج ظفر موج ہے جو مکّہ پر چڑھائی کرنی آئی ہے، ابوسفیان یہ سنتے ہی گھبرا کر کہنے لگا، پھر اب ہمیں کیا کرنا چاہیئے حضرت عباس رض نے کہا، کچھ فکر نہ کرو، میرے ساتھ آؤ، میں تمہارے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے امان چاہونگا، چنانچہ حضرت عباس رض نے ابوسفیان کو اپنی سواری کے پیچھے بٹھالیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر حضرت عباس رض نے ابوسفیان کے حق میں سفارش کی جس پر آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوسفیان کو مخاطب کر کے فرمایا، "ابوسفیان کیا ابھی تک تو یہ بھی نہیں سمجھا، کہ خدا کے سوا کوئی دوسرا خدا نہیں ہے"؟ ابوسفیان نے جواب میں

عرض کیا، اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، ہاں جانتا ہوں، اگر خدا کے ساتھ دوسرا خدا شریک ہوتا، تو ہمارے کام آتا، اِس پر حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تو کیا ابھی تک تو نے یہ نہ جانا، کہ میں اسی خدا کا رسول ہوں، جواب دیا، ہاں، اس کے بعد ابوسفیان نے اسلام قبول کر کے کلمہ شہادت پڑھا، اور مسلمان ہو گیا، ابوسفیان کے مسلمان ہوتے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمایا، جو کوئی ابوسفیان[۱] کے گھر اور خانہ کعبہ میں داخل ہوگا، وہ پناہ پائے گا، اور جو لوگ اپنے گھروں کا دروازہ بند رکھیں گے وہ بھی امن میں رہیں گے ؛

پھر حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا، ابوسفیان کو دامن کوہ میں کہیں بٹھا دو، جہاں سے بہادرانِ اسلام کا لشکر اس کے سامنے سے گذرے حضرت عباسؓ نے مطابق ارشاد حضور صلی اللہ علیہ وسلم ابوسفیان کو ایسی ہی جگہ بٹھا دیا، اور جب اس کے سامنے سے بنی غفار کے چار سو اور قبیلہ مزینہ کے چار سو بہادرانِ اسلام کا گروہ اور اسی طرح قبیلہ تمیم اور قیس و اسد کا ایک گروہ اپنے اپنے علم اٹھائے اور بلند آواز سے تکبیر و تہلیل کرتے ہوئے اور ان کے درمیان ہادیٔ اسلام آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری، از ان بعد ہزار ہا زرہ پوش جان نثارانِ مہاجرین و انصار ابوسفیان نے دیکھے تو حضرت عباسؓ سے پوچھا، کہ یہ کون لوگ ہیں، حضرت عباسؓ نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مہاجرین و انصار ہیں، اس پر ابوسفیان نے کہا، تمہارا بھتیجا تو اب بہت بڑا بادشاہ ہو گیا ہے، عباسؓ نے فرمایا، یہ بادشاہی نہیں ہے، بلکہ جلال پیغمبری اور نزول رحمت الٰہی ہے

سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زبیر اور سعد بن عبادہ کو بھیجا، تاکہ مکہ میں داخل ہوں، جوش میں سعد رضی اللہ عنہ کے منہ سے کہیں یہ کلمہ نکل گیا، کہ آج ہم کعبہ کو حرم[۲]

---

[۱] چونکہ ابوسفیان مکہ کا بڑا سردار تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سفارش پر ابوسفیان کی عزت و توقیر کو برقرار رکھا، اور اس کو اتنی بڑی عزت بخشی کہ اس کے گھر کو جائے پناہ قرار دیا ؛

[۲] مقصد تو یہ تھا کہ اگر کوئی دشمن کعبہ میں امان کی غرض سے چھپیگا، تو وہ بھی ہمارے ہاتھ سے نہیں چھپ سکتا ؛

نہیں رکھیں گے، سعدؓ کا یہ کلمہ مہاجرین میں سے کسی نے سنکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا، جس پر حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ ابن ابی طالب سے فرمایا، کہ جاکر تم سعدؓ سے علم اسلام لے لو، اور مکّہ میں بجائے سعدؓ کے پہلے تم داخل ہو۔ اور خالدؓ بن ولید کو حکم دیا، کہ مکّہ کے نشیب سے داخل ہوں۔ اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ذی طوی تشریف لے گئے۔ اور وہاں قیام فرمایا۔ اس وقت سُرخ چادر آپ کے سر مبارک پر بندھی ہوئی تھی۔ وہاں سجدہ شکر ادا کرکے حضور صلی اللہ علیہ وسلم آگے بڑھے۔ اور نشیب سے مکّہ کے بلند حصّہ پر تشریف لے گئے۔ جہاں آپ کے قیام کے لئے ایک راوٹی نصب کی گئی تھی +

مشرکین مکّہ میں سے عکرمہ بن ابی جہل وغیرہ نے موضع خندمہ میں مشرکین کی جماعت مقابلہ کیلئے اکٹھی کر لی تھی جس میں کچھ تو اوباش لوگ تھے۔ اور کچھ بنی بکر اور بنی حارث کے آدمی، اُنہوں نے خالد رضی اللہ عنہ کے زیر کمان بہادران اسلام پر خوب تیر برسائے، اور ان جان نثاران اسلام کو مکّہ میں داخل ہونے سے ہر طرح روکا، لیکن بہادر خالد رضی اللہ عنہ بھلا کب رُکنے والے تھے، وہ تلوار کھینچ کر مشرکین میں گھس گئے، اور ایک ہی حملہ میں ۲۸ مشرکین تہ تیغ کئے، لیکن ادھر صرف تین مسلمانوں نے جام شہادت نوش کیا۔ اتنے میں مشرکین بھاگے، آخرکار اس معمولی چھپٹ سے نپٹ کر جب تمام مسلمان مکّہ میں داخل ہو گئے تو مشرک عورتیں اپنے اپنے بال کھول کر لشکر اسلام کا راستہ روک کر کھڑی ہو گئیں۔ اور اپنی اپنی چادریں عساکر اسلامی کے گھوڑوں کے منہ پر مارنے لگیں۔ تاکہ گھوڑے بھڑک اُٹھیں۔ آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حالت دیکھ کر تبسم فرمایا، اور اپنے جان نثاروں کے ساتھ جب کعبہ کی طرف بڑھے، اس وقت آپ کے سر مبارک پر سیاہ عمامہ تھا، آپ نے کعبہ کے دروازے پر کھڑے ہو کر فرمایا +

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ اَلَا اَنَّ کُلَّ دَمٍ اَوْ مَاثِرَۃٍ اَوْ مَالٍ یُدْعٰی فِی الْجَاهِلِیَّۃِ	ترجمہ: نہیں ہے کوئی معبود سوائے اللہ کے اکیلا ہے وہ کوئی اُس کا شریک نہیں آگاہ رہو، جو طرز عمل یا مال یا خون جو کہ زمانہ جاہلیت

فھو تحت قدمی ھاتین الا سدانۃ الکعبۃ وسقایۃ الحاج	میں مطالبہ کیا جاتا تھا میرے ان دونوں قدموں کے نیچے ہے لیکن مجاورت کعبہ اور زائرین کو آب زمزم پلانے کا انتظام ؛

اِس کے بعد آپ نے فرمایا، اے گروہ قریش تم جانتے ہو کہ ہم تمہارے ساتھ کیا برتاؤ کریں گے، اُنہوں نے کہا، کہ نیکی کے سوا کچھ نہیں، کیونکہ آپ مہربان اور مہربان بھائی کے بیٹے ہو، اِس پر حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جاؤ میں نے تم کو آزاد کیا۔ پھر خانہ کعبہ کا سات مرتبہ طواف کر کے خانہ کعبہ کے اندر تشریف لیگئے، جہاں تین سو ساٹھ ۳۶۰ بُت رکھے ہوئے تھے، جو پیغمبروں اور بزرگوں کے نام پر تراشے گئے تھے، آپ کے حُکم سے وُہ تمام بت خانہ کعبہ سے باہر پھینک دیئے گئے، اور آپ نے اِن بتوں کی طرف اشارہ کر کے فرمایا :۔

جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا ۔	ترجمہ ۔ کہدو کہ (دین) حق آیا، اور (دین) باطل نیست ونابود ہوا، اور (دین) باطل تو نیست و نابود ہونے والا ہی تھا ؛

اِس کے بعد کعبہ شریف میں دو رکعت نماز ادا کر کے آپ کوہ صفا پر بیعت کیلئے تشریف لائے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ ابن الخطاب ہمراہ تھے، لیکن بلحاظ ادب کسی قدر پیچھے بیٹھے تھے وہاں اس بات پر لوگوں سے بیعت لی گئی، کہ خُدا اور رسول کا حکم سنو! اور اُسے قبول کر کے اُس پر عمل کرو ٭

جب مردوں کی بیعت ختم ہوئی، تو عورتوں کی بیعت کی نوبت آئی، عورتوں میں جب ہندہ بن عتبہ زوجہ ابوسفیان آگے بڑھی، تو اِس سے حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس بات پر بیعت کرو، کہ خُدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ جانینگے، ہندہ نے کہا، ہمارے اوپر مردوں سے ایک چیز زیادہ کرتے ہو، پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، بدکاری سے بچو، ہندہ نے کہا، کیا کوئی شریف عورت ایسا کر سکتی ہے، پھر آپ نے فرمایا، اپنی اولاد کو قتل نہ کیا کرو۔ ہندہ نے اِس کے جواب میں کہا، زمانہ شیر خواری میں تو ہم نے اپنے

بچّوں کو پالا پوسا۔ اور جب وہ بڑے ہوئے، تو بدر کبریٰ کے دن آپ نے اُنہیں مار ڈالا پس آپ جانیں اور وہ جانیں۔ پھر آپ نے فرمایا، کسی پر تہمت مت باندھا کرو۔ ہندہ نے کہا، خدا کی قسم یہ بُری عادت ہے، اور آپ اچھی عادت اور اچھے کاموں کے سوا ہم کو کچھ نہیں سکھاتے، پھر آپ نے فرمایا، نیک کاموں میں ہمارے حکم سے مت پھرو۔ ہندہ نے کہا، اگر آپ کی نافرمانی منظور ہوتی، تو ہم اس جگہ نہ آتے ✦

اِس کے بعد آپ نے عمر ابن الخطاب کو حکم دیا، اور انہوں نے آپ کے حکم کے مطابق عورتوں سے بیعت لی، اور بُرے کاموں سے توبہ کرائی ✦

جب ظہر کی نماز کا وقت آیا، تو آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال سے فرمایا، کہ کعبہ شریف کی چھت پر چڑھ کر اذان دو، اُس وقت اہلِ قریش پہاڑ کی چوٹی پر تھے جن میں کچھ لوگ اسلام لے آئے تھے، اور کچھ پناہ چاہتے تھے ✦

مطابق ارشاد رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم جب حضرت بلالؓ نے اذان میں اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدً رَّسُوْلُ اللّٰہِ کہا، تو جویریہ دختر ابوجہل نے کہا، خُدا نے میرے باپ پر یہ احسان کیا، کہ آج یہ آواز جو کعبہ کی چھت سے سُنی گئی ہے، اس کے کانوں میں نہیں پہنچی اسی طرح مشرکین میں اور لوگوں نے بھی ایسی باتیں کیں، کچھ وقت گذرنے پر اِن قبائل کے ایمان لانے کا بھی وقت آگیا، جو مکّے کے قرب وجوار میں آباد تھے، اور قریش کے حلیف تھے، یا قریش کے دینِ اسلام قبول کرنے کے منتظر تھے، اہلِ قریش جب تعلیم اسلام کے پابند ہو گئے۔ تو خود ہی وہ اِن قبائل کو دینِ اسلام کا شوق دلانے لگے، اور چند ہی روز میں یہ حالت ہو گئی، کہ تمام گرد ونواح کے تمام قبائل بوڑھے اور زن مرد مکّے میں کھینچے چلے آتے تھے، اور کعبہ کے دروازے پر اِن دنوں یہ معلوم ہوتا تھا، کہ جام توحید کی سبیل لگی ہوئی ہے، تشنہ لبانِ ظلمت کفر دُور دُور سے گرتے پڑتے چلے آتے ہیں۔ اور جام توحید سے سرشار ہو کر دلدادہ حق اور شمع نبوت کے پروانے بن جاتے ہیں ✦

غرضیکہ فتح مکّہ کے بعد مکّہ میں عجیب جوش و خروش تھا، اور یہ حیرت انگیز ذوق و شوق دیکھنے والے حیرت زدہ ہو رہے تھے، کہ وہی لوگ جو کفر و شرک کی نجاستوں میں آلودہ اور طرح طرح کے اخلاقی و دینی جرائم اور گناہوں میں مبتلا تھے، آن واحد میں کلمہ توحید پڑھتے ہی کیسے پاک و صاف متقی پرہیزگار عابد زاہد پاکباز پاک طینت اور حق کے حامی اور جانباز بن جاتے ہیں، معلوم ہوتا تھا، کہ حق کے غلبے نے قانون فطرت کو توڑ دیا، سحر و طلسم بالائے طاق رہ گئے اور معجزہ رسالت ساری دُنیا بلکہ سارے نظام قدرت پر حکومت اور تصرف کر رہا ہے

سریہ بنی خذیمہ

لیکن اسی فتح اور غلبہ اسلام کے زمانے میں ایک ایسا واقعہ پیش آیا، جو حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم کو نہایت ناگوار گذرا۔ وہ یہ کہ فتح مکّہ کو ابھی پورا ایک مہینہ بھی گذرنے نہ پایا تھا، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خالدؓ بن ولید سپہ سالار اسلام کو مسلمانوں کی ایک چھوٹی سی جماعت کا سردار بنا کے قبیلہ بنی خذیمہ والوں کو تبلیغ اسلام کرنے کے لئے روانہ فرمایا۔

اس قبیلے کے لوگوں سے یہ غلطی ہوئی، اگرچہ ان میں اسلام قبول کرنے کا شوق تھا مگر اُنہوں نے خود ہی دربار رسالت میں حاضر ہو کے اس بات کا اظہار نہیں کیا، بلکہ ان میں سے ایک گروہ نے ان کو اسلام لانے سے باز رکھا، اور اسی غلطی کے باعث حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ان کے حال پر چھوڑ دینا مناسب نہ سمجھا، اور اسی لئے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اس مہم پر بھیجے گئے۔

خالد بن ولید رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے ماتحت جان نثاران اسلام کو آتے دیکھ کر بنی خذیمہ کے لوگوں کو یہ خیال ہوا، کہ کسی دشمن قبیلے نے ہم پر حملہ کر دیا ہے، اس لئے وہ سب مسلح ہو گئے، اور اپنے گروہ کے ساتھ مقابلہ کیلئے بڑھے لیکن جب بہادران اسلام ان کے قریب پہنچے، تو وہ مسلمانوں کا لشکر دیکھ کر لڑائی سے رُک گئے، اس پر خالد رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے کہا، تم لڑائی کیلئے تیار ہو کے جب آئے تھے، تو اب مقابلہ

کیوں نہیں کرتے؟ اس کے جواب میں بجائے اس کے "سلمنا" (ہم نے اسلام قبول کیا) گھبراہٹ میں ان کے منہ سے کہیں یہ کلمہ نکل گیا۔ عصبانا (ہم صابئی ہو گئے) حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل میں چونکہ جوش دینی ابھی تازہ تھا، اس لئے انہوں نے یہ کلمہ سنتے ہی حکم دیا، کہ بنی خذیمہ کے سب لوگ گرفتار کئے جائیں۔

چنانچہ دوسرے دن صبح کو ان کے قتل کا حکم بھی دیدیا، مگر خالد رضی اللہ عنہ کے ہمراہ جو مہاجرین و انصار تھے، انہوں نے تو اس حکم کی پرواہ نہ کی، بلکہ جو قیدی انکی حراست میں تھے، ان کو چھوڑ دیا، مگر بنی سلیم نے جو نئے مسلمان ہوئے تھے، خالد رضی اللہ عنہ کا حکم سنتے ہی اپنے زیر حراست قیدیوں کو قتل کر ڈالا، اور جب خالد بن ولید مدینہ شریف میں واپس آئے اور حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ واقعہ سنا، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خالدؓ پر بہت ناراض ہوئے، اور بارگاہ الٰہی میں عرض کیا۔

خداوندا! خالدؓ نے جو کچھ کیا، اس سے میں بالکل بری ہوں" یہ فرماتے ہی آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بنی خذیمہ کے پاس بھیجا جنہوں نے تشریف لے جا کے پہلے تو ان کے مقتولین کی بابت رقم فدیہ ادا کی، پھر ان کی تسلّی و تشفی کر کے واپس آئے

غزوہ حنین اسی سال اور اسی شوال کے مہینے حنین (جو کہ مکّہ اور طائف کے درمیان ایک جنگل ہے) قبیلہ ہوازن کے ساتھ جنگ ہوئی، اور اس وجہ سے ہوئی، کہ جب گروہ ہوازن کو یہ خبر ہوئی، کہ مکّہ شریف میں آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خدائے عظیم الشان نے فتح عطا کی ہے، تو ان کو خوف ہوا، کہ اب مسلمان کہیں ہماری طرف قصد نہ کریں۔ اس

لہ اس وقت قدیم مذہب بابل یعنی کواکب پرستی کے بہت سے پیرو کار عرب میں جابجا موجود تھے، اور وہ لوگ بمقابل اور مذہب والوں کے ذرا ٹھکانے کی بات کہتے تھے، اور اکثر معقول خیالات ظاہر کیا کرتے تھے، اسی تناسب سے مشرکین مکّہ کا معمول ہو گیا تھا، کہ وہ مسلمانوں کو صابئی کہنے لگ گئے تھے، اور جہاں کوئی شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آتا تھا، مشرکین اس کی نسبت یہی کہتے تھے، کہ فلاں صابئی ہو گیا، بلکہ مکّہ سے باہر رہنے والے تو حقیقتاً اسلام کو مذہب صابئی ہی تصوّر کرتے تھے، لہذا ممکن ہے کہ اسی غلطی میں مبتلا ہوتے ہوئے ہی بنی خذیمہ نے خالدؓ سے کہدیا ہو کہ ہم صابئی ہو چکے ہیں

لئے اُنہوں نے خود پیش قدمی کر دی چنانچہ مالک بن عوف کی سرداری میں تمام ہوازن جمع ہوئے۔ اور ثقیف کے لوگ بھی ان کے شریک ہو گئے، جن کا سردار خارب بن الاسود تھا ؛

گروہ ہوازن کے سردار مالک بن عوف نے جب تجسس کیلئے اپنے آدمیوں کو بھیجا، تو آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اس بات کی خبر ہو گئی، چنانچہ آپ نے علاوہ ان دو ہزار آدمیوں کے جو فتح مکہ میں مسلمان ہوئے تھے، علاوہ اُنکے دس ہزار اصحاب کے ساتھ مکہ سے روانہ ہوئے، لیکن مسلمانوں نے اپنی اتنی بڑی جمعیت کو دیکھ کر کہا، آج ہم لوگ مغلوب نہیں ہو سکتے، اسی کے متعلق قرآن شریف میں یہ آیت نازل ہوئی ہے

وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْــًٔا وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ؛

سورہ توبہ ع ۴

ترجمہ:- اور (خاصکر حنین کی لڑائی) کے دن جبکہ تمہاری کثرت نے تم کو مغرور کر دیا تھا (کہ ہم بہت ہیں) تو وہ (کثرت) تمہارے کچھ بھی کام نہ آئی اور (اتنی بڑی) زمین باوجود جمعیت کے تم پر تنگی کرنے ؛

لہٰذا مسلمان جب حنین کے قریب پہنچے، تو ایسے جنگل میں اترے جو پیچ در پیچ تھا، اور اس میں کثرت سے گڑھے تھے، لشکر اسلام صبح کی تاریکی میں وہاں پہنچا تھا، مگر دشمن پہلے سے ہی آ کر تنگ اور پوشیدہ مقامات میں گھات لگائے بیٹھے تھے، جو مسلمانوں کے پہنچتے ہی اچانک جھپٹے اور یکبارگی دشمنوں نے مسلمانوں پر ایسا حملہ کر دیا، کہ مسلمانوں کو ایک دوسرے کی خبر نہ رہی۔ اور وہ گھبرا کر بھاگے ؛

مگر آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدھی طرف رخ کیا، اور مہاجرین و انصار کے کچھ لوگ جن میں حضرت علی رضی اللہ عنہ و حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ بھی تھے، یہ سب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ رکاب تھے، اس موقعہ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں سے فرمایا ؛

اے لوگو! یہاں آؤ، میں پیغمبر خدا ابن عبداللہ ہوں، حضرت عباس رضی اللہ عنہ حضورؐ کی سواری کی لگام تھامے ہوئے تھے، پھر آپ نے اِن سے فرمایا، تم آواز دو، چنانچہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے پکار کر کہا، اے گروہ انصار! اے اصحاب سمرہ (یعنی بیعت رضوان والو) سب نے لبیک لبیک کہکر اپنے اپنے اونٹوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹایا، اور جس کسی کو اپنا اونٹ لوٹانے میں دقت ہوئی، تو وہ اپنے اسلحہ لیکر اونٹ سے کود پڑا، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بھاگا، یہاں تک کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک سو جان نثاران اسلام جمع ہو گئے، تو آپ اِن بہادران اسلام کو ساتھ لیکر دشمنوں کی طرف بڑھے، اور جب لڑائی زور شور سے ٹھن گئی، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا؛

اَنَا النبیُّ لاکذِب انا ابن عبدالمطلب الاَرجمنی ابوطیس"۔	ترجمہ: میں نبی ہوں جھوٹا نہیں ہوں میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں ہوشیار ہو جاؤ، کہ اب (لڑائی کا) تنور گرم ہو گیا؛

اس کے بعد آپ نے ایک مٹھی خاک کی اُٹھائی، اور مشرکین کی طرف پھینکی، جس کے پڑتے ہی دشمنوں کو شکست ہو گئی، چنانچہ اس کے متعلق خداوند کریم نے اپنے کلام پاک میں یہ ارشاد فرمایا ہے؛

وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى"	ترجمہ: اور نہیں پھینکا تو نے، بلکہ اللہ نے پھینکا[1]؛

جس کے پڑتے ہی دشمن بھاگے، اور کچھ قتل ہوئے، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کا شکر ادا کر کے مقتولین کی دیکھ بھال شروع کی، تو ایک عورت کے لاشے پر آپ کا گذر ہوا، پوچھا کہ اس کو کس نے مارا ہے، لوگوں نے عرض کیا "خالدؓ بن ولید نے"؛ یہ سنتے ہی حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قریب کے ایک شخص سے کہا "خالدؓ سے جاکر کہدو، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں، بچوں، اور ضعیفوں کے قتل

---

[1] اصل میں یہ واقعہ ایک معجزہ تھا، جس میں مسلمانوں کو ان کی لغزش پر تنبیہ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مؤید من اللہ ہونے کی تصدیق مقصود تھی، یعنی مسلمانوں کو اپنی کثرت فوج پر بھروسہ تھا، جس کا نتیجہ شکست کی صورت میں نکلا، اور پھر ایک مٹھی بھر خاک سے اسی قوی جماعت کو جو بارہ ہزار مسلمانوں پر غالب تھی، پراگندہ کر دیا۔

کرنے کو منع فرما دیا ہے، اِس جنگ میں مسلمانوں کو غنیمت کا مال اور قیدیوں کی کثیر تعداد ہاتھ آئی ؛

قیدیوں میں شماء، حارث اور حلیمہ سعدیہ کی بیٹی (جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی بہن تھی) جب حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آئی، اور اپنا پتہ بیان کیا، تو حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چادر اِس کے لئے زمین پر بچھا دی، اور دیر تک نہایت شفقت سے اِس کے ماں باپ کا حال دریافت فرماتے رہے، اور پھر جو اس نے طلب کیا، وہ عطا فرمایا، اور اس کے گھر پہنچا دیا ؛

اسیرانِ جنگ کے بعد ہوازن کے ایلچی حاضر ہوئے اور عرض کیا، اے رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) جو کچھ ہم پر گذرا، وہ آپ پر ظاہر ہے، آپ ہمارے اوپر مہربانی فرمائیے خدا آپ پر مہربانی فرمائے گا، اسی طرح قبیلہ بنی سعد والوں کی طرف سے (جو حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رضاعت کا رشتہ رکھتے تھے) زہیر نے حاضر خدمت ہوکر عرض کیا، اے پیغمبر خدا (صلی اللہ علیہ وسلم) اِن قیدیوں میں سے آپ کی رضاعی پھوپھی اور خالہ اور وہ عورتیں بھی موجود ہیں جن کی گود میں آپ نے پرورش پائی ہے، اور وہ کہتی ہیں، اگر نعمان بن المنذر کی ہم ایسی خدمت کرتے تو ان سے ہم کو مہربانی کی امید ہوتی، مگر آپ تو اِن سے بھی بہتر ہیں ؛

اِس پر حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو عورتیں ہمارے اور عبدالمطلب کی اولاد کے حصّہ میں آدیں وہ ہم نے تم کو بخشیں، اس لیے جس وقت ہم نماز ادا کرنے کیلئے جمع ہوں، اِس وقت تم نے یوں کہنا، کہ ہم عورتوں اور بچوں کے، حق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کے پاس اور مسلمانوں کو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس شفاعت کیلئے لائے ہیں ؛

چنانچہ زہیر نے ایسا ہی کیا، اور اُس وقت حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایسا

ہی فرمایا، جو کچھ ہمارا اور عبدالمطلب کی اولاد کا ہے، وہ ہم نے تم کو بخشا۔
رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک سے یہ کلمہ سنتے ہی مہاجرین اور انصار نے بھی اس کی تقلید کرتے ہوئے کہا، کہ جو ہمارے حصہ میں آویں ان کو ہم نے رسولِ خدا (صلی اللہ علیہ وسلم) کے حوالہ کیا۔

غرض اسی طریق سے تمام اسیرانِ جنگ نے (جن کی تعداد تقریباً چھ ہزار تھی) رہائی پائی۔

اس کے بعد مال غنیمت سب خاندانوں میں تقسیم ہوا، لیکن جب آنحضرت محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) نے قریش اور دیگر قبائل میں سب مال غنیمت تقسیم کر دیا، اور اس میں سے انصار کو کچھ نہ پہنچا، تو انصار دل میں بہت ملول ہوئے، یہاں تک کہ ان میں سے ایک آدمی نے صاف کہدیا، اب تو پیغمبر خدا (صلے اللہ علیہ وسلم) مال غنیمت اپنے ہی لوگوں میں تقسیم کرنے لگے ہیں۔

اس پر آنحضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم نے سعدؓ بن عبادہ کو حکم دیا، کہ وہ اپنی قوم کو حاضر کرے، جب وہ لوگ آئے تو حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو کچھ تم نے کہا مجھے معلوم ہو گیا ہے، لیکن خدا نے تم کو گمراہی سے ہدایت پر، افلاس سے دولتمندی پر اور دشمنی سے محبت کے درجہ پر میرے ذریعہ سے کیا نہیں پہنچایا؟ سب نے کہا۔ آپ سچ فرماتے ہیں، حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر دریافت فرمایا، کہ صاف جواب دو، ان میں چند لوگوں نے جب دبی ہوئی زبان سے کہا، ہم کیا عرض کریں، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اگر تم چاہو، تو یہ کہہ سکتے ہو، اور اس بات کی میں بھی تصدیق کرونگا، سب نے مجھے جھوٹا سمجھا، لیکن تم لوگوں نے میری تصدیق کی، سب نے مجھے تکلیفیں پہنچائیں، اور تم نے میری امداد کی مسلمان محتاج و بے نوا آئے تھے، تم نے ان کو ساز و سامان سے آراستہ کیا، اے گروہ انصار! کیا تم اس بات پر رنجیدہ ہو گئے ہو کہ میں نے مٹھی بھر سونا

ایک قوم کی تالیفِ قلوب کیلئے دے دیا، کیا تم میرے اِس فعل پر خوش نہیں ہو، کہ وہ لوگ جو تمہارے مہمان اور اسلامی بھائی بن کر تہی دست آئے تھے، وہ لوگ یہاں سے اونٹ اور بکریاں ساتھ لے کر اپنے اپنے گھروں کو خوش ہو کر جائیں، اور تم لوگ صرف خدا کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ اپنے اپنے گھروں کو جاؤ، خدا کی قسم اگر سب لوگ ایک راستہ پر چلیں، اور انصار دوسرے راستہ پر تو میں انصار کی راہ پسند کرونگا؛

اِس تقریر پُر تاثیر کو سُنکر تمام انصار بے قرار ہو گئے، اور اِس قدر روئے کہ اُن کی داڑھیاں آنسوؤں سے تر ہو گئیں، اس کے بعد سب نے ایک زبان ہو کر عرض کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مال غنیمت کی جو تقسیم کی ہے، اِس پر ہم سب دل سے راضی ہیں؛

مؤلفۃ القلوب جب سب کے دِل صاف ہو گئے، تو آپؐ نے فرمایا، اب یہ بھی سن لو، کہ میں نے ایسا کیوں کیا، تمہیں معلوم ہے، کہ قریش اور ان کے قریب کے قبائل اپنی بدبختی کی بدولت سخت مصائب اور بے حد مخالفتوں کے بعد اسلام میں داخل ہوئے ہیں، اِن لوگوں نے اپنی بیوقوفی سے خود اپنے ہاتھوں تباہی خریدی، اور آخر مغلوب و عاجز ہو کر اسلام قبول کیا، چونکہ ابھی اِن کے دلوں کا اعتبار نہیں ہے، لہٰذا محض تالیفِ قلوب کیلئے میں نے اِن کے ساتھ یہ رعایت کی ہے، تاکہ اِن کے سخت دل ہمیشہ کیلئے نرم پڑ جائیں، اور سچے دِل سے حامیِ اسلام رہیں؛ اِس لحاظ سے حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اِن شرفائے مکّہ کا جو فتحِ مکّہ کے بعد ایمان لائے تھے، مُولفہ یا مؤلفۃ القلوب نام رکھا تھا، اِس امر سے یہ اشارہ تھا، کہ اِن کو خوش رکھ کر انہیں اپنے ساتھ ملا لیا جائے اور ان کی قوم سے میل ملاپ کے ذریعہ اسلام میں عزت اور قوت پیدا ہو؛

چنانچہ سیرۃ حلبیہ میں لکھا ہے، کہ مؤلفۃ القلوب کی تین قسمیں تھیں، ایک قسم تو وہ تھی جن کو حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے محض اسلام میں داخل کرنے کی غرض سے خوش کیا تھا، جیسے صفوان بن اُمیہ وغیرہ، دوسری قسم میں وہ لوگ تھے جنہیں اسلام پر ثابت

قدم رکھنے کیلئے اِن کی تالیف قلوب کی گئی تھی، جن میں ابوسفیان وغیرہ تھے ؛۔
تیسری قسم میں ایسے لوگ تھے، جن کی شرارتیں دُور کرنے کی غرض سے اُنکی خاطر مدارات کی جاتی تھی، اسی وجہ سے مالِ غنیمت میں ایسے لوگوں کو خاص حصّہ دیا گیا تھا، اس حکمت عملی میں حسنِ انتظام تحمل کشادہ دلی کا جو راز مضمر تھا، اسے اہلِ نظر خود سمجھ سکتے ہیں ؛۔

سنہ ۹ھ

اسلام کا اثر

ہجری کے نویں سال آفتابِ اسلام نے اُفق حجاز سے طلوع ہو کر اپنی مقدس شعاعوں سے دُنیا کے ہر گوشہ کو جگمگا دیا تھا، اور ہر قسم کی تاریکیوں اور گمراہیوں کو فنا و معدوم کر دیا تھا ؛۔
ریگستان حجاز میں اسلام کا ظہور ہوا جبل ابو قبیس کی گھاٹیوں سے توحید کی صدائے دلنواز اُٹھی، جو مشرق سے مغرب اور شمال سے جنوب تک خدائے واحد القہار کی وحدانیت سناتی چلی گئی، جو شخص اس صدائے دلنواز میں اخوت اتحاد، کا نشر و اعلان سنتا تھا، وہ سب کچھ بھول کر اس چشمۂ اسلام سے سیراب ہونے کیلئے بیتاب ہو جاتا تھا، اور ایک دوسرے انسانی بھائی سے رنج و راحت میں شریک ہو جاتا تھا ؛۔

وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاءُ بَعْضٍ"

یہی وہ مبارک رشتہ ہے، جو چین کے ایک مسلمان کو افریقہ کے مسلمان سے اور ایک بدوی عرب کے مقابل افغانستان کے تاجدار سے ایک ہندوستان کے نومسلم کو مکہ معظمہ کے صحیح النسب قریشی سے وابستہ کر دیتا ہے، دُنیا میں کوئی طاقت نہیں، جو اس رشتہ کو توڑ سکے، اور اس رسی کو کاٹ سکے جس میں خدا کے ہاتھوں پرستارانِ توحید کے دلوں کو نہایت مضبوطی کے ساتھ جکڑ دیا گیا ہے ؛۔

چنانچہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان فیض ترجمان سے اس رشتہ کے متعلق یہ ارشاد فرمایا ہے:-

مثل المؤمنین فی توادھم وتراحمھم مثل الجسد اذا اشتکی لہٗ عضو، تداعی لہ سائر الجسد بالسھر والحمّٰی۔

ترجمہ: مسلمانوں کی مثال باہمی عزت، و رحمت اور محبت و ہمدردی میں ایسی ہے، جیسے ایک جسم کی، اگر اس کے عضو میں کوئی شکایت پیدا ہوتی ہے، تو سارا جسم اس تکلیف میں شریک ہو جاتا ہے۔

اسی طرح یہ بھی ارشاد فرمایا ہے:

المؤمن للمؤمن کالبنیان، لشید بعضہٗ بعضاً۔

ترجمہ: ایک مومن دوسرے مومن کیلئے ایسا ہے، جیسے کسی دیوار کی اینٹیں کہ ایک اینٹ دوسری اینٹ کو سہارا دیتی ہے۔

یہی صفت مذہب اسلام میں بھی ہے، یعنی اسلام کی دعوت اس آفتاب ہادی کی طرح ایک روحانی آفتاب کی مانند ہے، کہ جب آفتاب نکلتا ہے، تو اس کی روشنی اور حرارت میں نزدیک اور اعلےٰ و ادنےٰ، سیاہ و سفید، امیر و غریب، دوست دشمن کی تمیز نہیں ہوتی آفتاب کی روشنی بلا کسی قسم کی خصوصیت اور بغیر کسی تمیز کے ہر مقام ہر مکان اور ہر شے پر جلوہ فگن ہوتی ہے، بعینہ یہی حال آفتاب اسلام کا ہے، جو کوہ سعیر سے نکلا، اور فاران کی چوٹی پر نمودار ہوا، جس کی کرنوں میں دہنی جانب شریعت الٰہی کا نور کتاب قرآن مبین تھی، اور بائیں جانب قیام عدل و میزان کی شمشیر آبدار چمک رہی تھی، طلوع نے کائنات کی ظلمت کو شکست دی اور اسلام کی روشنی سے آسمان دنیا کے گرد آلود سینکڑوں ستارے ماند پڑ گئے۔

وَاللَّیْلِ اِذَا یَغْشٰی وَالنَّھَارِ اِذَا تَجَلّٰی وَمَا خَلَقَ الذَّکَرَ وَالْاُنْثٰی۔

ترجمہ: رات کی قسم جبکہ اس کی تاریکی کائنات کی تمام اشیاء کو چھپا دیتی ہے، اور روز روشن کی قسم جبکہ آفتاب تجلی تمام کائنات کو روشن کر دیتی ہے۔

دراصل خالق اکبر نے تخلیق عالم کیلئے نر اور مادہ کا وسیلہ پیدا کیا، اس آفتاب

توحید کے طلوع ہوتے ہی تفریق و انشقاق کی تمام تاریکیاں ہٹ گئیں، اس کی فیض بخش روشنی نے اسود الیقین عرب و عجم میں کوئی تمیز نہ رکھی، خداوند کریم کی ربوبیت کی طرح اس کی رحمت بھی عام تھی، وُہ رب العالمین تھا، اس لئے ضروری تھا، کہ اس کی راہ کی طرف دعوت دینے والا، ہادی اسلام بھی رحمتہ للعالمین (صلے اللہ علیہ وسلم) ہو، وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ، یہ خُداوند کریم کا ارشاد ہے (یعنی) اے پیغمبر! ہم نے آپ کو نہیں بھیجا، مگر تمام عالموں کیلئے رحمت قرار دے کر ۔

لہذا اس رحمت للعٰلمین حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سرزمین عرب سے جلوہ افروز ہو کر اپنی رحمت و شفقت سے ساری دُنیا کو ہر قسم کی ضلالتوں اور خباثتوں سے جب پاک و صاف کر دیا، تو خداوند کریم کی طرف سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ سند عطا ہوئی

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا۔ مائدہ ع

ترجمہ :- آج ہم نے تمہارے دین کو تمہارے لئے کامل کر دیا، اپنی نعمتوں کو تم پر پورا کیا، اور دین اسلام کو تمہارے لئے پسند فرمایا ۔

گویا اب شریعت اسلامیہ کی تکمیل ہو گئی، کیونکہ اسلام نے انسان کیلئے ہر قسم کی تعلیم دی ہے، طرز تمدن اخلاق تہذیب باہمی میل جول سے لیکر میدان جنگ تک وُہ تمام ہدایات دی گئی ہیں، ان ہدایات کی کتاب مکمل خُدا پاک کا کلام قرآن شریف ہے، جس کا دعوے ہے :-

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ۝ سورۃ نحل ع ۱۲

ترجمہ :- ہم نے تم پر ایسی کتاب اُتاری، جو ہر بات کو اچھی طرح بیان کرتی ہے، اور مسلموں کیلئے ہدایت رحمت اور خوشخبریوں سے لبریز ہے ۔

اسی لئے خداوند کریم نے حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا، کہ تمہارے دین کو کامل کر دیا، یعنی اس کے بعد کسی دوسری شریعت کی ضرورت نہیں رہی، اب کوئی اور رسول

نہیں آنے کا یعنی پیغمبر اسلام کو تمام عالم کیلئے مبعوث فرمایا گیا۔ لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا

اسلام کی دینی تعلیم

اسلامی عقائد کا پہلا اصول یہ ہے، کہ اپنے اعمال معاش و معاد کی اصلاح کی جائے اور اس کیلئے یہ نہایت عمدہ طریقہ سمجھا دیا گیا ہے، کہ گذشتہ اور موجودہ انسانوں کے طرز روش اور ان کی سرگذشتوں سے اس بات کا پتہ لگایا جاوے، کہ انہوں نے قانونِ قدرت پر کس طرح عمل کیا ہے، اس کے متعلق قرآن شریف کے یہ احکامات ہیں :-

قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ فَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ ۝ سورہ آل عمران ع ۱۴

ترجمہ :- بے شک تم سے پہلے بھی بہت سے دستور گذر چکے ہیں اس لئے تم زمین پر پھرو اور دیکھو، کہ جھٹلانے والوں کا انجام کیسا ہوا ؟

سُنَّةَ مَنْ قَدْ أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ رُسُلِنَا وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيلًا ۝ سورہ بنی اسرائیل

ترجمہ :- دستور پڑا ہوا ہے، ان رسولوں کا جو ہم نے تجھ سے پہلے بھیجے، اور نہ پائیگا، تو ہمارے دستور میں تفاوت یا تغیر ؟

فَهَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا سُنَّتَ الْأَوَّلِينَ فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللَّهِ تَبْدِيلًا ۝ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللَّهِ تَحْوِيلًا ۝ أَوَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۝ سورہ فاطر ع ۵

ترجمہ :- پھر اب یہی راہ دیکھتے ہیں اگلوں کے دستور کی سو تو نہ پائیگا اللہ کے دستور میں تبدیلی اور نہ پائیگا اللہ کا دستور ٹلتا کیا پھر نہیں ملک میں کہ دیکھیں کیسا ہوا انجام ان لوگوں کا جو ان سے پہلے تھے اور وہ ان سے بھی زیادہ طاقتور تھے ؟

قرآن شریف نے ان آیات بینات میں اس بات کی تصریح کر دی ہے، کہ قوموں اور موجودات میں خدا کی چند غیر متبدل سنتیں ان مقررہ طریقوں کو کہتے ہیں، جن پر عالم کا کاروبار چلتا رہتا ہے، اور جن کے مطابق ہر ایک امر کا نتیجہ ظاہر ہوتا ہے، انہیں سنتوں کو شرایع اور نوامیس بھی کہتے ہیں، اور بعض لوگوں نے اسی کا نام قانون قدرت رکھا ہے، بہرحال ہم لفظی نزاع سے قطع نظر کرتے ہوئے عرض کرتے ہیں، کہ قرآن کریم

پکار پکار کر جتا رہا ہے، کہ جمعیت بشری اور اس میں حادث ہونے والے حالات کا نظام سر تا سر یکساں اور ناقابل تغیر و تبدل ہے، اس لیے جو شخص اس اجتماع میں سعادت کا طالب ہو اُسے مذکورہ بالا نظام کے اصول پر نظر کرنا ضروری ہے، تاکہ وہ اپنے اعمال اور طرز و انداز کو اسی کے مطابق پر کھ سکے، اور جو کام کرے، اسی نظام کے اعتبار سے اور اسی کے اصول پر کاربند ہو کر۔ جو لوگ ایسا کرتے ہیں، یعنی دین اسلام کے طریق عمل پر کاربند ہوتے ہیں، وہ کسی طرح بھی خسارہ میں نہیں رہتے :۔

اسلام کا دوسرا قابل قدر اصول یہ ہے، کہ اس نے دینوی اقتدار اور حکومت کو جڑھ سے اکھاڑ ڈالا جمہور اہل اسلام کیلئے دینوی حکومت کوئی چیز نہیں :۔

اسلام نے خدا اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بعد کسی شخص کو دوسرے شخص کے عقیدہ اور ایمان پر کوئی اختیار ہی نہیں دیا، مزید براں، رسول کریم (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کو بھی تبلیغ اسلام کے درجے سے آگے بڑھا کر زبردستی اور زور و قوت سے اپنی بات منوا لینے کے مرتبہ پر نہیں پہنچایا، چنانچہ اس کی نسبت خداوند کریم کا ارشاد ہے :۔

فَذَكِّرْ إِنَّمَا أَنْتَ مُذَكِّرٌ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ سورہ غاشیہ	ترجمہ :۔ بس تو سمجھا دے۔ کیونکہ تیرا کام بھی محض سمجھانا ہے، تو ان پر داروغہ نہیں :۔

اسی طرح اسلام نے اپنے پیروکاروں میں سے کسی کو بھی اس بات کا حق نہیں دیا، کہ وہ زمین یا آسمان میں صاحب حل و عقد ہے، بلکہ ایمان ایک ایسی چیز ہے، جو بندہ مومن کو ماسوی اللہ سے آزاد کر دیتا، اور خدا کی بندگی کے سوا ہر ایک بندگی کے طوق سے نجات عطا کر دیتا ہے، اسی لئے ایک مسلمان جو پابندی مذہب اور علم و فضیلت میں بہت بڑا مرتبہ رکھتا ہو، دوسرے مسلمان پر جو اس سے درجہ پابندی مذہب اور علم و کمال میں بہت کچھ گرا ہوا ہے، اس کے سوا کوئی حق نہیں رکھتا، کہ اسے راہ راست دکھائے

اور نصیحت و پند کرے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا نجات پانے والوں کی صفت میں ارشاد ہے:۔

وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۝ سورۃ العصر	ترجمہ:۔ اور ایک دوسرے کو نصیحت کرتے ساتھ حق کے اور ایک دوسرے کو نصیحت کرتے ساتھ صبر کے ؛

پھر ارشاد فرمایا :۔

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ أُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ سورہ آل عمران ع ۱۱	ترجمہ:۔ اور چاہیئے کہ ہو تم میں سے ایک جماعت جو بلاتی رہے نیکی کی طرف اور حکم دے اچھے کاموں کا اور منع کرے بری باتوں سے، یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں ؛
فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوْٓا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ ۝ سورۃ التوبہ ع ۱۵	ترجمہ:۔ پھر کیوں نہ نکلے ہر فرقے میں ان کے ایک حصہ تاکہ سمجھ پیدا کریں دین میں اور تاکہ خبر پہنچا دیں اپنی قوم کو جب پھر آویں ان کی طرف شاید وہ بچتے رہیں (برائیوں سے)

بہر حال مسلمانوں کو ایک دوسرے پر حق نصیحت حاصل ہے، جس کے بعد ان پر یہ واجب ہے، کہ ایک گروہ نیکی کی طرف بلانے والا تیار کریں، مگر اس طرح کہ وہ جماعت عام مسلمانوں کی زیر نگرانی کام کرے، اور جہاں اس نے ذرا بھی کجروی اختیار کی جمہور اسلام اسے سیدھا بنا کر پھر راہ راست پر لے آئینگے اب اس جماعت کا فرض ہوگا؛ صرف اس قدر کہ وعظ و نصیحت اور تبلیغ احکام الٰہی کرتی رہے، اس کو یا اس کے علاوہ اور آدمی کو اس بات کا بالکل حق نہیں دیا گیا، کہ کسی کی راز جوئی کرے، یا کسی کے مخفی عقیدہ کی ٹوہ لگائے، نہ کسی طاقتور کو کمزور کے مخالف عقیدہ پر دباؤ ڈالنے کی اجازت ہے، ایک مسلمان کو اپنا صحیح عقیدہ اور اصول عمل معلوم کرنے کیلئے کتاب الٰہی اور حدیث نبوی کو اپنا استاد اور ہادی بنانا واجب ہے، نہ یہ کہ وہ کسی اپنے ہی جیسے دوسرے

ہر مسلمان کے قول پر عمل کرنا ضروری تصوّر کرے، غرضیکہ ہر ایک مسلمان کو یہ حق حاصل ہے، کہ وہ احکام الٰہی کو کتاب خداوندی سے اور ارشادات نبوی کو حدیث رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم سے بلا توسط کسی سلف، خلف کے سمجھنے کی کوشش کرے، وہاں اس کے ساتھ ہی اس پر یہ بھی واجب ہے، کہ اس فہم کے ایسے وسائل مہیّا کرے، جو اس کو سمجھنے کے لایق بنا سکیں ؛

اسلام اور جہاد مخالفین اسلام ہمیشہ کہا کرتے ہیں، کہ اسلام جہاد کا مذہب ہے اور اس کی اشاعت جنگ اور تلوار کے ذریعے سے ہوئی ہے، زیادہ تر عیسائی لوگ اپنے مذہب کے متعلق کہا کرتے ہیں، کہ مذہب عیسوی میں جنگ ممنوع ہے، بلکہ عیسائیت نرمی اور آشتی کے ساتھ اپنے مذہب کی طرف بلاتی ہے، اس دعوٰی کی تصدیق میں وہ عیسوی شریعت کی یہ چند مثالیں پیش کرتے ہیں، مثلاً جو تیرے داہنے گال پر ایک تھپڑ مارے تو بایاں گال بھی اُس کے سامنے کر دے، اسی طرح جو شخص تجھ کو بیگار میں پکڑ کے ایک میل لے چلے تو اُس کے ساتھ دو میل چلا جا، ایسی ہی بہت سی مثالیں جو دشمنوں کے ساتھ بھی محبت کرنے کی تاکید میں ہیں، عیسائی لوگ پیش کرتے ہیں ؛

اگرچہ دشمن کے ساتھ محبت کرنا اختیاری امر نہیں، بلکہ بعض اوقات دوستوں سے بھی محبت نہیں کی جا سکتی، لیکن ہاں جو امر انسان کے بس میں ہے، وہ یہ ہے کہ دشمنوں اور دوستوں کے درمیان عدل کے مسلک پر چلے۔

خدا کی ملک میں ہر چیز ممکن ہے، وہاں کوئی بات محال نہیں پائی جاتی، لیکن ہم کہتے ہیں، اور یہ امر قابل غور ہے، کہ آیا قابو پانے کی حالت میں شر کو شر کے ذریعے دُور کرنا صرف مذہب اسلام ہی کی طبیعت میں داخل ہے، یا یہ کہ ہر وہ شخص جو اپنے دشمن پر غالب آئے کیا ایسا ہی عمل کرتا ہے ؟

اگر اسلام کی اصلیت کا حال معلوم کرنا چاہو تو ہم کہتے ہیں کہ اسلام کو قتل و خونریزی

سے کچھ بھی لگاؤ نہیں رہے، بلکہ وہ تو برائی کرنے والوں کے ساتھ درگذر کرنے اور خطاکاروں کو بھی معاف کر دینے کا حکم دیتا ہے، چنانچہ اس امر کی نسبت قرآن شریف یہ ہدایت کرتا ہے :-

خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِیْنَ ۰ سورہ الاعراف ع ۲۴

ترجمہ :- معافی کو اختیار کرو، اور نیک باتوں کا حکم دو، اور نادانوں سے چشم پوشی کرو۔

لیکن جہاد کا حکم اس لئے دیا گیا، کہ حق اور اہل حق کے سر چڑھنے والے دشمنوں کو اُن کی عداوت اور شرارت کا معاوضہ دیا جا سکے، تاکہ پھر وہ لوگ خدا کے بندوں کو ستانے اور حق کو دنیا سے محو کرنے کے درپے نہ ہوں ؛

اسلام نے قتال کا حکم اس غرض سے ہرگز نہیں دیا، کہ اس کے ذریعے لوگوں کو زبردستی مسلمان بنایا جائے، یا مخالفین اسلام کے انتقام کیلئے اِن کو خاک و خون میں ملایا جائے، فتوحات اسلام کی ہر ایک تاریخ کا ایک ایک حرف دیکھو، آپ کو کہیں بھی ایسا ایک حرف نظر نہ آئیگا، جو ذاتیات انسانی سے وابستہ ہو، خلاف اس کے مسیحی، مجوسی، یہودی، آرین لڑائیوں کے حالات پڑھو، آپ کو معلوم ہو جائیگا کہ اِن مذاہب کے پیرو کاروں نے اپنی اپنی ذاتیات میں بڈھے آدمیوں، عورتوں اور بچوں کے قتل کرنے سے بھی دریغ نہیں کیا، مگر مسلمانوں نے کبھی کسی موقعہ پر اس ارادہ سے کوئی جنگ نہیں کی، کہ کسی قوم یا ملک کو اپنی ذاتیات و منفعت کیلئے ایک سرے سے تباہ و فنا کر ڈالیں ؛

ہمیں یہ اچھا معلوم نہیں ہوتا، کہ ہم دیگر مذاہب کے وہ مظالم خونچکان جو ان سے ایک یا دو بار نہیں بلکہ سینکڑوں بار سرزد ہوئے ہیں، تاریخ اسلام لکھتے ہوئے تحریر کریں۔ ورنہ کون نہیں جانتا کہ آریہ یا عیسائی وغیرہ اقوام نے اپنی قومی، ملکی، ذاتی عناد کے لئے دنیا میں کیا کچھ نہیں کیا، اور اب بھی کس بات کی کسر اٹھا رکھتے ہیں ؛

اِس پر بھی اگر مخالفین اسلام مسلمانوں کو جنگجو اور اپنے آپ کو امن پسند سمجھتے ہیں تو یہ پرلے درجے کی ہٹ دھرمی ہے ؛

زمانہ سابق میں جب کہ تمام دنیا اسلام کی دشمن تھی، اور ہر طرف سے مسلمانوں پر یورش ہو رہی تھی، اس وقت بھی اسلام نے بحالت جنگ صرف اسی امر پر اکتفا کیا ہے کہ مفتوحہ سرزمین کو اپنے زیر اثر لاکر وہاں کے اصلی باشندوں کو ان کے اپنے سابقہ دین و اعتقاد پر باقی رہنے دیا، تاکہ وہ جس طرح چاہیں، بلا روک ٹوک اپنے مذہبی فرائض بجالائیں ؟

جزیہ

ہاں صرف حفاظت جان و مال اور قیام امن کی ذمہ داری کیلئے جو مسلمانوں کو مفتوحہ اقوام کے واسطے برداشت کرنا پڑتی تھی اُن پر ایک خفیف ٹیکس (جزیہ) کے نام سے لگایا جاتا تھا، اور وہ بھی صرف اُن لوگوں سے وصول کیا جاتا تھا جو صاحب استطاعت تندرست اور کاروبار کرنے کے قابل ہوتے تھے، اس خفیف سی رقم کے بالمقابل مسلمانوں کے فرائض یہ ہوتے تھے، کہ ذمی رعایا کو ہر طرح امن و آزادی سے بہرہ ور کریں، اور اپنے سایۂ عاطفت میں ان کو پابندیٔ عقاید، آبادیٔ معابد، پیروی رسم و رواج اور ایسے ہی ہر ایک معاملہ میں بلا مزاحمت مصروف ہونے کا موقع دیں، اور ان پر کسی طرح کا ظلم و ستم نہ ہو ؛

چنانچہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بوقت جنگ اپنے سپہ سالاروں کو یہ نصیحت کر دیتے تھے، کہ گوشہ نشین، عبادت گذاروں اور تارک الدنیا فقیروں کی پوری طرح عزت کرنا، بچوں، عورتوں، بوڑھوں کو جو شریک جنگ ہونے سے معذور ہیں، یا ایسے وہ لوگ جن کو جنگ سے کوئی تعلق نہیں ان کو ہرگز قتل نہ کرنا، ذمی رعایا کو تکلیف نہ پہنچانے اور ان کے حقوق کا خیال رکھنے کے متعلق حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہمیشہ یہ ارشاد ہوا کرتا تھا :-

لَهُمْ مَا لَنَا وَعَلَيْهِمْ مَا عَلَيْنَا ـ

ترجمہ :- ان پر ہمارے حقوق ادا کرنے واجب ہیں اور ہم پر ان کے حقوق کا خیال رکھنا لازم ہے۔

من اذٰی ذمیًّا فلیس منّا ۔ ترجمہ: جس شخص نے کسی ذمّی کو ستایا وُہ ہماری جماعت سے خارج ہے

مگر اس کے بالمقابل مسیحیت کی امن پسندی دیکھئے، وُہ ہر ایک مذہب پر جو اس کے ماتحت آئے نگرانی قائم کرنے کیلئے اپنے آپ کو مستحق سمجھتی، غیر مذہب والوں کے اعمال پر سخت نگرانی قائم کرتی، اور مسیحی مذہب کے پیروؤں کے علاوہ اور لوگوں پر ایسے ناقابل برداشت بار ڈال دیتی، جس کے اُٹھانے سے وہ عاجز آجاتے، یہاں تک کہ جب اُسے ان لوگوں کو ان کے دین سے منحرف کرنے میں ناکامیابی ہوتی، تو ان کو اپنے مقبوضہ ممالک سے نکالنے پر کمر باندھ کر مقدس سرزمین عیسوی کو غیر مذہب والوں کے ناپاک وجود سے پاک کر دیتی، چنانچہ اب سے پہلے بھی اس کی مثالیں گذر چکی ہیں اور زمانہ حاضر میں جدھر دیکھو یہی تماشا نظر آتا ہے :۔

چنانچہ ہالینڈ کے زیر حکومت مسلمانوں پر صدہا ظلم وستم ہوئے، فرانس نے الجیریا کے مسلمانوں پر نہایت ناقابل بیان بدسلوکیاں کیں، یہ کس لئے؟ کیا اس لئے کہ مذہب عیسوی امن پھیلانے کے لئے ہے؟

اسی طرح سری کرشن جی مہاراج کے زمانہ میں کورو پانڈوں میں جو کشت و خون ہوا جو جو جھگڑے پھیلے وہ کرشن جی نے خود بیان فرمائے ہیں، بلکہ میدان جنگ میں خود شامل ہوئے ہیں اگر یہ کہا جائے کہ دشمنوں کو میدان جنگ میں پامال کرتے وقت قتل وخون کرنا جائز ہے، تو پھر اسلامی معرکوں میں مشرکین کے قتل پر کیوں اعتراض کیا جاتا ہے، اور اگر مہابھارت کی جنگ کو اُمور متنازعہ فیہ سے وابستہ کیا جائے، تو موجودہ حالت میں ہی دیکھ لیجئے، کہ آج آریہ عیسائی، و دیگر قومیں تبلیغ مذہب کیلئے کیا کچھ نہیں کرتیں :۔

عیسائیت اور اسلام | غور کرو، انصاف کی نظر سے دیکھو، اسلام نے تبلیغ مذہب کیلئے کیا حکم دیا ہے :۔

وَإِنْ جَاهَدَاكَ عَلَىٰٓ أَنْ تُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا ۖ وَّاتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ۔ سورہ لقمان ع ۲

ترجمہ: اور اگر تیرے ماں باپ اس بات کی کوشش کریں، کہ تو انجانی چیز کو میرے ساتھ شریک بنائے تو ان کی بات ہرگز نہ مان اور دُنیا میں ان کے ساتھ اچھا سلوک کر اور اس شخص کی راہ پر چل جو میری طرف واپس آیا :-

مذہب اسلام باوجود اپنے پیروؤں کو ان کے دھمکی دینے والوں پر سختی کا حکم دینے کو باپ کو بیٹے سے اور ماں کو بیٹی سے جدا نہیں کرتا، بلکہ ایماندار اولاد کو حکم دیتا ہے، کہ اپنے دین کی حفاظت کرتے ہوئے دُنیا میں مشرک الدین کا ساتھ دو، اور ان کے ساتھ احسان کرو

اس کے بمقابل عیسائیت کی یہ تعلیم ہے، دیکھو لوقا کی انجیل باب ۱۴ - ۲۵ و ۲۶ ان سے یسوع نے کہا، اگر کوئی میرے پاس آئے، اور وہ اپنے باپ، ماں، بیوی، اولاد، بہنوں اور بھائیوں یہاں تک کہ خود اپنے نفس سے بھی عداوت نہ رکھتا ہو تو وہ کبھی میرا شاگرد نہیں بن سکتا ؛

اسی طرح لوقا کی انجیل باب ۱۹ آیت ۲۷ میں ہے "بہرحال میرے دشمن وہ لوگ ہیں جنہوں نے مجھے اپنا مالک نہیں بنانا چاہا، ان کو یہاں لاکر میرے سامنے ذبح کردو ؛

اسی طرح اسفار توریت میں بھی مخالف لوگوں پر سختی کرنے اور تمام جنگ آوروں کو برباد کردینے کا جابجا صریح حکم موجود ہے ؛

مثلاً مثنیۃ الاشتراع باب ۱۳ : ۹ میں لکھا ہے، جبکہ در پردہ تیرا ماں جایا بھائی یا تیرا بیٹا، یا بیٹی، یا تیری ہمنشین عورت یا تیرا دلی دوست تجھے اغوا کرکے کہے، کہ آؤ ہم اور تم سب چل کر ان دوسرے معبودوں کی پرستش کریں، جن کو نہ تم جانتے ہو، اور نہ تمہارے ماں باپ جانتے تھے، اور وہ معبود دُنیا کی قوم سے تمام دُور و نزدیک رہنے والی قوموں کے بھی معبود نہیں ہیں، تو تم کبھی ان کے کہنے پر راضی نہ ہونا نہ ان کی بات

سنتا، اور نہ ان پر رحم کی نظر ڈالنا، نہ ان کو چھپاتا، بلکہ فوراً قتل کر ڈالنا ؛

غرضیکہ ایسے ہی بہت سے احکامات ہیں، آخر کہاں تک درج کئے جائیں ؛

اسلام کی دنیوی تعلیم

اسلام کا یہ دعویٰ صداقت پر مبنی ہے، کہ دین اسلام آسان ہے، اور اس میں ہر ایک بات کی نسبت خدا کی طرف سے مکمل ہدایات دی گئی ہیں، مندرجہ بالا نہایت مختصر دلائل تو دین کے متعلق عرض کر دیئے گئے ہیں، اب دنیوی تعلیم کی نسبت اسلام کے چند احکامات عرض کئے جاتے ہیں، اسلام نے اپنے پیرؤوں کو ان کی بساط، وسعت سے بڑھ کر کوئی حکم نہیں دیا، فرائض الٰہی کی بجا آوری کے بعد ضروریات زندگی کیلئے تجارت صنعت و حرفت کرنا دنیا کے جائز مدارج حاصل کرنا اور ان تمام دنیوی نعمتوں سے جائز فائدہ حاصل کرتے ہوئے اپنی بیوی بچوں اپنے عزیز اقارب متعلقین اور ملک و ملت کے فرائض بجالانا، بے کسوں، یتیموں، غریبوں کی مدد کرنا بھی خدا کی خوشنودی میں داخل ہیں ہادیٔ اسلام حضور پُر نور آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم دین اسلام کے فرائض سے فارغ ہو کر دنیاوی کاروبار میں بھی مصروف ہوتے تھے، غربا و مساکین کی خبر گیری فرماتے، آپ خود بازار میں تشریف لے جا کر نہ فقط اپنی ضروریات کی چیزیں خرید لایا کرتے تھے، بلکہ مسکین اور بے وارث بوڑھی عورتوں کا سودا بھی بازار سے لا دیتے تھے ؛

جس طرح مذہب اسلام کو تمام دنیا کے مذاہب سے برتر غالب و افضل ہونے کا دعویٰ ہے اسی طرح وہ ہر ایک مسلمان کو دنیاوی عزت و برتری میں سب سے انسب بنانے کا دعویٰ کرتا ہے ؛ ایک مسلمان کی شان سے یہ بعید ہے، کہ وہ دنیا میں دیگر اقوام کے بالمقابل ذلت و رسوائی کی زندگی بسر کرے، اس پر ارشاد ہے، کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّةٍ، تمام اُمتوں سے بہتر و افضل ہے ؛

چنانچہ خداوند کریم نے اپنے کلام پاک میں دین اسلام کی صداقت کے متعلق یہ ارشاد فرمایا ہے:-

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا ؕ

(ترجمہ:- وہ خدا ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق (اسلام) دیکر بھیجا ہے تاکہ اس کو تمام دینوں پر غالب رکھے، اور اس معاملہ میں خدا کی گواہی کافی ہے)

اسی طرح دنیوی جائز ترقی کرنے کیلئے خداوند کریم نے یہ ارشاد فرمایا:-

وَجَعَلْنَا اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ آيَتَيْنِ فَمَحَوْنَا آيَةَ اللَّيْلِ وَجَعَلْنَا آيَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً لِتَبْتَغُوا فَضْلًا مِنْ رَبِّكُمْ وَلِتَعْلَمُوا عَدَدَ السِّنِينَ وَالْحِسَابَ ۚ وَكُلَّ شَيْءٍ فَصَّلْنَاهُ تَفْصِيلًا ۝ سورہ بنی اسرائیل ع ۲

ترجمہ:- اور ہم نے رات اور دن کو دو نشانیاں قرار دیا ہے، پھر رات کی نشانی کو ہم نے مٹا دیا، اور دن کی نشانی کو ہم نے روشن بنایا، تاکہ تم اپنے پروردگار کے فضل (تجارت وکسب معاش) کی تلاش کرو، اور برسوں کی گنتی اور حساب کو جانو، اور ہم نے سب باتیں تفصیل کے ساتھ بیان کردی ہیں:-

غزوہ تبوک

الغرض غزوہ حنین کے تمام اسیران جنگ آزاد کئے جانے پر مخالفین قبائل عرب پر بہت اچھا اثر پڑا، چنانچہ بنی ثقیف وہوازن کے سردار مالک بن عوف وغیرہ بارگاہ رسالت میں کلمہ شہادت پڑھ کر اسلام لائے، بلکہ مالک نے حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں اسی وقت فی البدیہہ چند اشعار بھی کہے جن کا مفہوم یہ تھا کہ دنیا کے تمام انسانوں میں میں نے، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا سا آدمی نہ سنا تھا، نہ دیکھا تھا:-

فتح مکہ کے بعد غزوہ حنین ماہ شوال میں ہوا، اور اب ذی قعد کے بعد اگلا مہینہ اگرچہ ذی الحجہ، حج کا تھا، لیکن حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے امسال حج نہیں کیا، بلکہ آخری ذیقعد میں ہی مکہ، حنین اور طائف میں نور وحدت کی شمعیں روشن کرکے دو مہینے سولہ دن کا سفر کرنے کے بعد حضور پرنور ہادی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ شریف میں واپس رونق افروز ہوئے قصبہ طائف میں جبکہ بنی ثقیف کے لوگ جو شکست کھا کر مغلوب ہوگئے تھے، اور

اُنہوں نے ابھی تک اسلام قبول نہیں کیا تھا، لیکن ان کے ایک معزز سردار عروہ بن مسعود ثقفی کے دل پر نور ایمان کی شعاعیں پڑ چکی تھیں، اس لئے وہ تن تنہا حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اُس وقت ملے، جب کہ آپ طائف سے واپس آرہے تھے عروہ نے اسلام قبول کر کے عرض کیا، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے اجازت دیجئے کہ میں اپنے قبیلے میں واپس جا کے دین اسلام کی تبلیغ کردوں ؛

آپ نے ارشاد فرمایا، کہ وہ لوگ سخت جاہل اور متعصب ہیں، تم کو مار ڈالیں گے عروہ نے عرض کیا، نہیں وہ لوگ میرا بڑا ادب کرتے ہیں، وُہ میرا کہنا ضرور مان لیں گے ؛

آخر حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہوگئے، اور عروہ نے بنی ثقیف میں پہنچکر ایک ٹیلے پر کھڑے ہو کے اپنی قوم کو پکار کے کہا، میں نے اسلام قبول کرلیا ہے، اب تم بھی دین اسلام قبول کرو، یہ سنتے ہی کسی نے اس زور سے ایک تیر مارا کہ عروہ کاری زخم کھا کے گرے، اور دم توڑنے لگے، اسی حالت میں کسی نے پوچھا، اب تمہارا کیا خیال ہے، عروہ نے دم توڑتے ہوئے فرمایا، میرے حال پر یہ خدا کا فضل وکرم ہے، اور یہ شہادت کا درجہ ہے، جو اللہ تعالےٰ نے مجھے عطا کیا ہے، مجھ میں اور ان مومنوں میں کوئی فرق نہیں ہے، جو ہادئ اسلام آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ رکاب آنکر اسی جگہ شہید ہوئے ہیں، لہٰذا مجھے بھی انہیں شہدائے اسلام کے ساتھ دفن کرنا، یہ کہتے ہی جام شہادت پی لیا، چنانچہ ان کے عزیز اقارب نے عروہ کو شہیدوں کے قبرستان ہی میں دفن کردیا ؛

حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس واقعہ کی خبر ملی، تو اپنے اصحاب میں عروہ کی فضیلت بیان کرتے ہوئے اس کیلئے دعائے مغفرت فرمائی ؛

انہی دنوں میں مدینہ شریف کی طرف سے شام کا ایک قافلہ گذرا۔ اور اہل قافلہ سے مسلمانوں کو معلوم ہوا، کہ شمالی عرب کے مسیحی قبائل بنی غسّان اور بنی لخم مسلمانوں کے

ساتھ پھر کوئی شرارت کرنے پر آمادہ ہیں، اور انکی مدد کیلئے ہرقل بادشاہ نے مع عرب متنصرہ[1] بہت بڑا اور بھی لشکر جمع کیا ہے، اور یہ سب لوگ اس بات پر آمادہ ہیں، کہ مدینہ شریف پر حملہ کر کے نورِ حق کی شمع کو ٹھنڈا کر دیں ؛

حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس واقعہ کی خبر ہوئی، تو آپ کو یہ خیال ہوا، کہ خود سبقت کر کے دشمنوں کو شمالی عرب ہی میں روکنا چاہیئے، کیونکہ یہ بڑی اہم ہے، اور زبردست دشمنوں سے مقابلہ ہے ؛

اگرچہ ان دنوں عرب میں قحط پڑا ہوا تھا، اور نخلستانوں کی فصل بھی ناکافی تھی، قطع نظر اس کے یہ موسم ایسی سخت گرمی کا تھا، جب کہ اہل عرب اس موسم میں سفر نہیں کرتے، چونکہ ایسے موسم میں ہی عرب میں کھجور کی فصل بھی تیار ہوتی ہے، اس لئے وہ لوگ اپنے اپنے گھروں میں ٹھہر کر اپنی فصلوں کی حفاظت کرتے ہیں، بلکہ نخلستانوں میں قیام کر کے بقدر ضرورت کھجوروں کو اپنے استعمال کیلئے رکھ کر باقی کو فروخت کرتے ہیں، اور وہیں عزیزوں دوستوں کی دعوتیں کرتے اور باہم لطفِ صحبت اٹھاتے ہیں ؛

غرضیکہ یہ ایسا موسم تھا، اگر خدا اور اس کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم کا حکم نہ ہوتا تو وہ لوگ مدینہ منورہ کو چھوڑ کر اس وقت کبھی سفر نہ کرتے، پھر یہ لڑائی معمولی دشمنانِ عرب سے نہ تھی، بلکہ روم کی ایسی زبردست سلطنت کا مقابلہ تھا جن کے پاس ہر قسم کے اعلیٰ درجے کا سامان جنگ موجود تھا، ہرقل کی لاکھوں مسلح وزرہ پوش اور باقاعدہ فوج مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے تیار تھی، اس لئے حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے زبردست لشکر سے سامنا کرتے ہوئے سامانِ خورد و نوش و زادِ راہ کی ضروریات کیلئے روپیہ کی بھی ضرورت تھی، چنانچہ آپ نے اپنے جانثار اصحاب سے فرمایا، خدا کی راہ میں جس شخص سے جس قدر ممکن ہو، وہ اس قدر زر امداد پیش کرے، اس فرمان

[1] متنصرہ، یعنی وہ اہل عرب جو نصرانی ہو گئے تھے ؛

رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے گھر میں جو کچھ اثاثہ تھا، وہ سب کا سب مع لونڈیوں کے حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیا، اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے تین سو اونٹ اور ہزار دینار پیش کئے، اِس طرح اور لوگوں نے بھی اپنا اپنا ہدیہ پیش کیا، ہر ایک صحابہ نے اُس وقت کسی نے اپنے کل اثاثہ کا نصف کسی نے تیسرا کسی نے چوتھا حصہ پیش کیا تھا، مگر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سب سے بڑھ گئے، کیوں کہ جب اِن سے حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا "باقی گھر میں کیا رکھا ہے" تو آپ نے فرمایا: اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سوا اور کچھ نہیں، اسی طریق سے سامان سفر درست ہوا، اور حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم تیس ہزار بہادران اسلام کا لشکر لے کر مدینے شریف سے روانہ ہوئے، اور مقام تبوک پر قیام فرمایا، کئی دن دشمنوں کے انتظار میں گذر گئے، اس کے بعد معلوم ہوا، کہ رومی لشکر کو آگے بڑھنے کا حوصلہ نہ پڑا، اس لئے وُہ سرحد شام سے ہی پلٹ گئے۔ حضور پرنور صلے اللہ علیہ وسلم نے یہاں اس طرح خالی پڑے رہنا مناسب نہ سمجھا، چنانچہ آپ نے وہاں تبلیغ اسلام[1] کا کام شروع کر دیا، پہلے وہاں ایک مسجد تعمیر کرائی، اور اُسی مسجد میں آپ اپنے صحابہ کے ساتھ نماز ادا فرماتے اور قرب و جوار کے قبائل کو راہ ہدایت دکھانے میں مصروف رہتے، جس کا یہ نتیجہ ہوا، کہ یوحنا والئے ایلہ[2] نے خود حاضر خدمت ہو کر اظہار اطاعت کیا، اور جزیہ دینے کا وعدہ کر کے علم اسلام کے زیر سایہ آگیا ؛

ایسے ہی جربا والوں نے بھی کیا، اور اذرح والوں نے بھی سو دینار سالانہ جزیہ دینے پر مسلمانوں کے آگے سر اطاعت خم کر دیا ؛

---

[1] انہی دنوں میں تبلیغ اسلام کیلئے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ، دمشق سے سات منزل کے فاصلے پر دومۃ الجندل (جو عربی النسل تھا، مگر نصرانی مذہب کا پیرو اور خاندان کندہ میں سے تھا) کے پاس گئے، جب اس نے مقابلہ کیا، تو خالد نے دومۃ الجندل کو تو زندہ گرفتار کر لیا، لیکن اس کا بھائی قتل ہو گیا ؛

[2] ایلہ خلیج عقبہ کے سرے پر ملک شام کے قریب ساحل قلزم پر ایک شہر ہے ؛

حضورِ پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے دس روز تک تبوک میں قیام فرمایا، مگر رومی لشکر مقابلہ میں نہ آیا، مجبوراً بہادرانِ اسلام کا لشکر اپنے ہادی صادق حضورِ پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب وہاں سے واپس روانہ ہوا، راستے میں جاں نثارانِ اسلام پانی نہ ملنے کے باعث پیاس کے مارے نڈھال ہو رہے تھے، جب وادی مشقق نام ایک گھاٹی میں پہنچے تو اس خشک وادی کی چٹانوں کے درمیان پانی کا ایک سوتا دیکھا، جس سے فقط اتنا پانی نکلتا تھا، کہ مشکل سے ایک یا دو آدمی سیراب ہو سکیں، حضورِ پرنور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اس سوتے کا حال پہلے سے معلوم تھا، آپ نے تمام ہمراہیوں سے فرمایا جو شخص اس سوتے پر پہلے پہنچے اس وقت تک پانی نہ پیئے، جب تک ہم وہاں نہ پہنچ جائیں لیکن لشکرِ اسلام میں بعض منافق بھی تھے، چنانچہ ایسے چند لوگ وہاں سب سے پہلے پہنچ گئے اور ان کو جتنا پانی ملا بلا تامل پی لیا، جب حضورِ پرنور صلی اللہ علیہ وسلم اس چشمے پر پہنچے تو آپ کو اِن لوگوں کی یہ نافرمانی سخت ناگوار گذری، تاہم حضورِ پرنور صلی اللہ علیہ وسلم اس چشمے کے پاس بیٹھ گئے، سوتے سے پانی رِس رِس کے ٹپک رہا تھا، اس پانی کو اپنے دست

معجزہ پیغمبر عالم صلے اللہ علیہ وسلم

مبارک میں لے کر کثرت آب کیلئے بارگاہ الٰہی میں دعا کی پھر اس پانی کو سوتے کے منہ پر مارا، جس کے پڑتے ہی پتھر پھٹا سوتے کا منہ پھیلا، اور بڑے زور سے پانی جاری ہو گیا، جس سے سارا لشکر معہ سواریوں کے سیراب ہو گیا ؁

یہاں کچھ دیر آرام فرمانے کے بعد آپ معہ جاں نثارانِ اسلام مدینہ شریف کی طرف لوٹے اور جس وقت مدینہ شریف میں داخل ہوئے، رمضان شریف کا مہینہ تھا، سب مسلمانوں نے روزے رکھنا شروع کئے ؁

انہی دنوں میں بنی ثقیف کے چند سردار اپنے قبیلے کے نائب بن کر دربار رسالت میں حاضر ہوئے، اور اس وجہ سے حاضر ہوئے، کہ وہ لوگ اگرچہ ابھی تک مشرک تھے، مگر ان کے گرد و پیش کے تمام دیگر قبائل مسلمان ہو چکے تھے، جب ان لوگوں نے عروہ بن مسعود

کو بے گناہ شہید کر ڈالا، تو مسلمان قبائل نے بنی ثقیف کے مشرکین کو ستانا شروع کر دیا، آخر جب کوئی تدبیر نہ بن پڑی تو مجبوراً ان کے سردار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پناہ حاصل کرنے حاضر ہوئے ؛

آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ان بنی ثقیف کے سرداروں کیلئے خاص مسجد نبوی میں ایک خیمہ کھڑا کروا کے ان کو اُتارا، اور ان کے کھانے پینے کا انتظام فرمایا صحابیوں میں سے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ ان مہمانوں کی خدمت پر مامور ہوئے، مگر سرداران بنی ثقیف پر اس مہمانوازی کی حالت میں بھی اس قدر وحشت طاری تھی اور مسلمانوں سے وہ اس قدر مشکوک تھے، کہ ہر کھانے میں سے جب تک ایک دو لقمے خالد رضی اللہ عنہ کو نہ کھلا لیتے وہ کھانا نہ کھاتے تھے ؛

اسی طرح اُن لوگوں کی درخواستیں بھی عجیب وغریب تھیں، یعنی (۱) مالات جو ان کا بڑا دیوتا تھا، اس کا بت تین سال تک نہ توڑا جائے، (۲) نماز کا بار ہم پر نہ ڈالا جائے، وغیرہ وغیرہ جس پر حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، یہ دونوں باتیں منظور نہیں کی جاسکتیں، اسلام میں شرک کو دخل نہیں، اور جس دین میں نماز نہیں، اس میں بھلائی نہیں ؛

آخرکار صحبت نبوی کی برکت اور مسجد نبوی کی اقامت سے سرداران بنی ثقیف کے دل خود بخود روشن ہو گئے، چند روز بعد انہوں نے گناہ سے توبہ کی، اور صدق دل سے مسلمان ہوئے، جب وہ اپنے گھروں کو واپس جانے لگے، تو حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے مغیرہ بن شعبہ اور ابوسفیان بن حرب کو ان کے ہمراہ روانہ کر کے تاکید کر دی کہ وہ اِن لوگوں کے سابقہ دیوتا لات کے بت کو توڑ دیں ؛

اس وقت سنہ ۹ھ ذیقعد کا مہینہ تھا، اور اگلا مہینہ حج کا تھا، مکہ میں اسلامی حکومت قائم ہو چکی تھی، لیکن حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سال بہ نفس نفیس

حج نہیں کیا، بلکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امیر حج یعنی تمام مسلمان حاجیوں کا سردار مقرر فرمایا ؛

چنانچہ جتنے مسلمان مدینے شریف سے حج کو جانے والے تھے، امیر حج ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ساتھ گئے، اس کے بعد حضور پر نور صلے اللہ علیہ وسلم، نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو حج کے موقعہ پر تمام حاجیوں کو قرآن مجید کی سورہ براۃ سنانے کیلئے روانہ کیا، تاکہ حج کے متعلق خداوند کریم نے جو خاص خاص احکام نازل فرمائے ہیں، تمام مسلمانوں کو ان سے مطلع کر دیا جائے ؛

قبل از اسلام طریق حج کا آخری نمونہ

امیر حج حضرت ابوبکر صدیق اکبرؓ قافلہ جاں نثارانِ توحید کے ساتھ ابھی مقام ذی الحلیفہ تک پہنچے تھے، کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی ان سے جا ملے یہ دونوں اصحاب کبار جاں نثاران اسلام کو لے کر مکہ شریف میں پہنچے، مکہ شریف میں دیگر مشرکین زائرین بھی دُور و دراز کا سفر کر کے حج کیلئے آئے تھے، چنانچہ مشرکوں نے اسی رواج سابق کے مطابق حج ادا کیا، جیسے کہ قدیم الایام سے رواج چلا آتا تھا، یعنی باہر کے قبائل میں سے جو لوگ حج کو آئے، وہ اپنے کپڑوں سے طواف کعبہ نہ کر سکتے تھے، ان کیلئے ضروری تھا، کہ وہی کپڑا پہن کے طواف کریں، جو مکہ کے رہنے والوں یعنی قریش سے ملا ہو، کیونکہ یہ امر قریش کی آمدنی کا بڑا بھاری ذریعہ تھا، کہ وہ حاجیوں سے حسب دلخواہ معاوضہ لے کر طواف اور حج کیلئے باہر کے لوگوں کو کوئی لباس دیتے تھے جسے حج کے بعد ان سے واپس لے لیتے تھے، اور جو لوگ اتنی استطاعت نہ رکھتے کہ وہ اہل قریش سے ان کے حسب دلخواہ زر معاوضہ دیکر ان سے لباس لیں، مجبوراً وہ لوگ اپنے کپڑے اُتار کر بالکل برہنہ اپنے ستر کے آگے پیچھے ہاتھ رکھ کر طواف کعبہ کیا کرتے تھے، ان میں عورتیں بھی ہوتی تھیں، وہ بھی ننگی مادر زاد خانہ کعبہ کے گرد اسی طرح طواف کیا کرتی تھیں ؛

غرضیکہ مشرکین نے اسی قدیم رواج کے مطابق حج ادا کیا، لیکن مسلمانوں نے اپنے ہادیٔ اسلام حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے مطابق، اس کے بعد حسب ارشاد رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی کرم اللہ تعالےٰ وجہہ نے عید الضحیٰ کے دن مجمع عام میں خدائے واحد کا کلام پاک یعنی سورہ براۃ سنائی، ساتھ ہی اِن باتوں کا بھی اعلان فرمایا کہ مشرکین کیلئے حج کا یہ آخری برس ہے، سال آئندہ نہ کوئی مشرک حج کرنے پائیگا، اور نہ کوئی ننگا شخص خانہ کعبہ کے گرد طواف کر سکے گا، جن لوگوں سے آنحضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم سے کوئی معاہدہ ہے، وہ اسی مدت تک قائم رہے گا، جو میعاد اس معاہدہ میں رکھی گئی ہے، اس مدت کے گذرتے ہی وہ معاہدہ ختم سمجھا جائے گا ؛

چنانچہ بعد فریضۂ حج وغیرہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ و حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سب مسلمانوں کے ساتھ مدینے شریف میں واپس آ گئے، اس کے بعد حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کبار رضی اللہ تعالےٰ عنہا کو اسلام کے ماتحت سلاطین سے خراج اور جزیہ کی رقوم وصول کرنے کیلئے روانہ فرمایا ؛

خلق محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک نمونہ

اُنہی دنوں میں یہ واقعہ ہوا، کہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز مسجد نبوی میں بیٹھے تھے، کہ ایک شخص نے حاضر خدمت ہو کر عرض کیا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، میرے والد عبداللہ بن ابی بن سلول مر گئے ہیں، آپ اپنا کوئی کرتا مرحمت فرمایئے تاکہ میں اپنے باپ کو اس میں لپیٹ کر دفن کر دوں، حضور پرنور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ سنتے ہی فوراً اپنا کرتا اُتار کر اس شخص کو دے دیا، بلکہ عبداللہ بن ابی بن سلول کی تجہیز و تکفین میں شامل ہونے کیلئے خود تشریف لے گئے ؛

عبداللہ بن ابی بن سلول چونکہ پرلے درجے کا منافق تھا، زندگی میں اس کی کئی کھلی شرارتیں ظاہر ہو چکی تھیں، ہر نازک موقع پر وہ مسلمانوں سے دغابازی کرتا تھا، اسے جب موقعہ ملتا مسلمانوں کو بہکاتا، کوئی فتنہ ایسا نہ ہوتا تھا، جس میں وہ شامل نہ ہو، مرتے

دم تک اس کی یہی عادت رہی کہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے تو آپ کی تعریف کرتا اور جب مشرکین میں جاتا تو حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی غیبت میں آپ کو بھلا بُرا کہتا، اس وجہ سے تمام اصحاب رضی اللہ عنہا کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فعل پر یعنی منافق عبداللہ بن ابی بن سلول کی رسم تجہیز تکفین میں شامل ہونے کے متعلق تعجب ہوا، مجبوراً صحابہ کرام بھی شامل ہوئے، راستے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کرنے کی کسی کو جرأت نہ ہوئی، مگر جس وقت آنحضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم نماز جنازہ پڑھانے کیلئے آگے بڑھے، تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے راستہ روک کر عرض کیا، یارسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم آپ اس شخص کے حالات کا اندازہ نہیں کرتے، پھر اس کی زندگی بھر کی شقاوتیں ایک ایک کر کے یاد دلائیں مگر حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم سنتے جاتے تھے، اور مسکراتے جاتے تھے، جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ سب کچھ کہہ چکے، تو فرمایا، عمر رضی اللہ عنہ اب سامنے سے ہٹو، مجھے اس بارے میں اختیار ہے، اور مجھے یہ بھی بتادیا گیا ہے، کہ میں اس شخص کے لئے خواہ استغفار کروں، یا نہ کروں، اسے نفع نہیں پہنچ سکتا، اگر میں ستّر بار بھی استغفار اس کیلئے کروں تو بھی خدا اس کی مغفرت نہ کریگا، لیکن اگر مجھے معلوم ہوتا، کہ ستّر بار سے زیادہ دعائے مغفرت کرنے سے اِس کی نجات ہو جائیگی، تو میں اس میں بھی تامل نہ کرتا، بلکہ جتنی بار استغفار کی ضرورت ہوتی، کرتا، اللہ اللہ یہ ہے حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے خلق عظیم کا ایک نمونہ !

چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سُنکر حضرت عمرؓ سامنے سے ہٹ گئے !

یہ ۶۳ھ کا زمانہ تھا، اگرچہ والئ روم ہرقل کے دل میں اسلام کی عظمت اور مسلمانوں کا خوف تھا، اور اس نے اپنی مسیحی رعایا کی بغاوت کے ڈر سے اب تک اسلام قبول نہ کیا تھا، تاہم آفتاب اسلام کی روشنی روم میں پہنچ چکی تھی، چنانچہ شہر معان (جو جنوب کی طرف بصریٰ کے قریب اور حدود عرب میں تھا لیکن سلطنت روم کے

زیر فرمان تھا) قبیلہ بنی جذام کا سردار فروہ بن عمرو نے اسلام قبول کر لیا تھا، بلکہ اس نے اپنا ایک قاصد حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں روانہ کر کے اپنی عقیدت کا اظہار کیا، اور ایک عمدہ سفید خچر بھی بطریق تحفہ پیش کی، مگر جب رومی سلطنت کو فروہ سردار بنی جذام کے مسلمان ہونے کی خبر ہوئی، تو انہوں نے ایک لشکر بھیج کے اُسے گرفتار کر کے قید کر دیا۔

غریب مسلمان فروہ کو اپنی اس مصیبت کا خیال نہ ہوا، لیکن اسے دو باتوں کی حسرت چین نہ لینے دیتی تھی، ایک تو حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی قدمبوسی اور دربار رسالت میں حاضر ہو کر پیروی اسلام کا شوق، دوسرے اپنی بیوی سلمیٰ (جس کا وہ عاشق زار تھا) کی صحبت، چنانچہ انہیں بے چینیوں میں اس نے قید خانے کے اندر یہ تین شعر کہے ہیں ؎

طرقت سُلیمی موھنا خشحانی ✧ ولروم بین الباب والقربان

میں نے آدھی رات کو سلمیٰ کا دروازہ کھٹکھٹایا ✧ جبکہ رومی دروازہ پر تھے، اور قریب آ چکے تھے

صد الخیال وساءہ ماقد رائے ✧ وھممت ان اعفی وقد ابکانی

خیال اُدھر متوجہ ہوا اور جو کچھ دیکھا ناگوار گذرا ✧ اور چاہا کہ ذرا نیند لے لوں مگر اس کے عوض رونا آیا

لا تکحلن العین بعدی اثمدًا ✧ سلمی ولا تدن من للانسان

اے سلمیٰ میرے بعد نہ تم آنکھوں میں سرمہ لگانا ✧ اور نہ کسی انسان کے پاس جانا

یہ شعر دو چار روز میں ہی تمام لوگوں کی زبان پر جاری ہو گئے: بجائے اس کے کہ ان اشعار پر رومیوں کو ترس آتا، بلکہ طیش میں آ کر انہوں نے فروہ کو جان سے مار ڈالنے کا تہیہ کر لیا، چنانچہ اس بیچارے نومسلم کو قید خانے سے نکال کر ارض فلسطین میں لیگئے اور عضری ندی کے کنارے اس کو سولی پر چڑھایا گیا، اُس وقت بھی فروہ نے ان لوگوں کو مخاطب کر کے یہ تین شعر کہے۔

الا ھل اتے سلمی بان خلیلھا ✧ علی ماعضری فوق احدی الرواحل

سلمی کو بھی خبر ہو گئی، کہ اس کا دوست اب	عضری کے کنارے ایک اونٹنی پر سوار ہے۔ جو
علیٰ ناقۃٍ لم یلقح الفحل امّھا	مشذّبۃ اطرافھا بالمناجل
حاملہ نہیں ہوئی اور اس کے اعضا پھنسیوں	سے جا بجا زخمی ہیں۔ سرداران اسلام کو
بلغ سراۃ المسلمین بامنّنی	سلم لربی اعظمی ومقامی
خبر کر دو کہ میری ہڈیاں اور میرا وطن	میرے پروردگار کے سپرد ہیں۔

لیکن ظالم رومیوں کو اس پر بھی ترس نہ آیا، اُنھوں نے فروہ کو سولی پر لٹکا ہی دیا ؛

سنہ ۱۰ھ

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰہِ وَالْفَتْحُ وَرَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا ۔

ترجمہ:۔ جب آئی مدد اللہ کی اور فتح اور دیکھا تو نے لوگوں کو کہ داخل ہوتے ہیں بیچ دین اللہ کے ؛

قرآن شریف کی اس آیت کے مطابق سنہ ۱۰ھ میں چاروں طرف کے لوگ جوق در جوق دربار رسالت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کر رہے تھے ؛

سرچشمۂ اسلام مدینہ شریف کی اس وقت عجیب شان تھی، یہی معلوم ہوتا تھا کہ اس دربار کی فقیری میں بادشاہی اور بادشاہی میں فقیری ہے، زمین تخت ہے، اور آسمان چھتر، ملائکہ کی فوجیں ہیں، اور جلال الٰہی کا رعب و آداب ؛

اطاعت گذار مسلمانوں میں خلوص اور سچی عقیدت تھی، جس کی وجہ سے ہر حال میں ایک ہی حالت رہتی تھی، ہر ایک کیلئے قرآن کا فرمان اور احکام ربّانی کا قانون تھا، جسکی تعمیل امیر و غریب ادنےٰ و اعلےٰ مرد و عورت سب پر یکساں واجب تھی ؛

زمانہ سابق کی تمام بداخلاقیاں دور ہو گئی تھیں، سب ظالم فنا ہو گئے تھے، سب ایک رنگ میں رنگے ہوئے نظر آتے تھے، ہر طرف اخلاص و محبت شفقت و رحمت کا جلوہ نمایاں تھا یہی وجہ تھی، کہ ان دنوں ہر طرف سے قافلے کے قافلے مدینۃ الرسول میں چشمۂ اسلام سے

فیضیاب ہونے کیلئے کھنچے چلے آتے تھے، دور دراز کے قبائل اپنے ایلچیوں اور وکیلوں کو بھیج کر اظہار اسلام و اقرار اطاعت کر رہے تھے ؛

وفود عرب | اسلام کی جو شمع مدینے اور مکے میں روشن ہو چکی تھی، اس سے سرزمین عرب کی ہزاروں شمعیں اس وقت خود بخود روشن ہوتی چلی جاتی تھیں، اور ایسا معلوم ہوتا تھا، کہ ساری سرزمین عرب اس وقت ہادیٔ اسلام آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے قدموں کے نیچے اور تمام سرکش و تندخو قبائل نے علم توحید کے آگے سر اطاعت جھکا دیا ہے ؛

اسی اثنا میں بنی اسد کے چند وکلا دربار رسالت میں حاضر ہوئے، جو کہ ابھی تمدن اسلام سے بے بہرہ تھے، اس لئے وہ آتے ہی یوں گویا ہوئے، اے پیغمبر! قبل اس کے کہ تو کسی کو ہمارے پاس بھیجے، ہم خود ہی تیرے پاس آگئے، حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم ایسے خلیق تھے، کہ آپ کو ان کی بے تمیزی ناگوار نہ ہوئی، بلکہ آپ نے نہایت متانت سے انہیں تعلیم اسلام سے فیضیاب کر کے رخصت فرمایا، انہی دنوں میں قبائل، بلی، بھرار، بکا، بنی فرازہ وغیرہ اور زرابین اور تعلبہ بن منعقد کے لوگ حاضر ہوئے اور دولت ایمان سے مشرف ہوئے ؛

پھر بنی تمیم کے وکلا آئے یہ بڑے مغرور اور سرکش قبیلہ کے لوگ تھے، جو اپنے آگے کسی کی کچھ ہستی ہی نہ سمجھتے تھے، ان لوگوں کے ساتھ ایک فصیح البیان خطیب عطارد تھا، اور دوسرا شاعر زبرقان، یہ لوگ بلائے ناگہانی کی طرح مسجد نبوی میں گھس آئے اور آتے ہی چلا چلا کے یوں پکارنا شروع کیا، محمد صلے اللہ علیہ وسلم نکلو، حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت حجرے میں تھے، یہ چیخ پکار سنکر آپ باہر تشریف لائے، تو ان لوگوں نے کہا، محمد صلے اللہ علیہ وسلم آؤ ہم میں تم میں فخر و مباہات میں مقابلہ ہو جائے، دیکھیں کون بڑھتا ہے اسی لئے ہم اپنے خطیب اور شاعر کو ساتھ لائے ہیں، اجازت دو کہ یہ دونوں کچھ کہیں، آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو ان کی یہ باتیں بھی ناگوار نہ گذریں، بلکہ ارشاد فرمایا، کہ ہاں یہ جو کچھ کہنا چاہیں

کہہ سکتے ہیں، اِس پر ان لوگوں کے خطیب عطارد نے کھڑے ہو کر یہ تقریر کی ؛

اس خُدا کی حمد وثنا جو ہم پر فضیلت رکھتا ہے، جس نے ہمیں بادشاہ بنایا، ہمیں بہت سی دولت دی، جس سے ہم اچھے اچھے کام کرتے ہیں اور ہمیں تمام اہل مشرق سے فضل اور تعداد میں سب سے زیادہ کا افتخار بخشا، لہٰذا جو کوئی ہمارے سامنے اپنے قبیلے پر فخر کرتا ہو، وہ ہمارے برابر آدمی گنوا لائے ؛

عطارد کی یہ تقریر سُنکر حضور پُر نُور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ ثابت بن قیس کو حکم دیا کہ وہ اِس تقریر کا جواب ان لوگوں کو دیں، چنانچہ ثابت رضی اللہ عنہ نے مطابق ارشاد رسولِ مقبول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ تقریر فرمائی :-

اس خُدا کی حمد وثنا جس کے یہ آسمان وزمین ہیں، جس نے اِن کو پیدا کیا، اور ان میں اپنا حکم جاری کیا، اور اس کی کُرسی نے اس کے علم کو وسیع کیا، اور کبھی کوئی چیز بغیر اُسکے فضل کے پیدا نہیں ہوئی، اس کی یہ قدرت تھی، کہ ہم میں بادشاہ بنائے، اور اپنی بہترین مخلوقات میں سے ایک پیغمبر کو برگزیدہ کیا، جو نسب میں سب سے اچھا، گفتگو میں سب سے سچا حسب ونسب میں سب سے بہتر ہے، اس پر اپنی کتاب نازل کی، اور اسے اپنے بندوں کا امین بنایا، لہٰذا وہ پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم، وہ شخص ہے جسے خُدا نے اپنے تمام بندوں میں سے منتخب کیا ہے، وہ لوگوں کو ایمان کی طرف بلانے لگا، جس پر اِس کی قوم اور اسکے قرابت داروں میں سے مہاجرین ایمان لائے، جو نسب میں سب سے اچھے، عزت میں سب سے بڑے اور نیکوکار ہیں، پھر ان کے بعد جن لوگوں نے سب کے پہلے دین کی دعوت قبول کی وہ ہم ہیں، جو خُدا کے انصار اور اس کے پیغمبر کے وزیر و مشیر ہیں، ہم تمام اُن لوگوں سے برابر لڑتے رہیں گے، یہاں تک کہ وہ ایمان لانا قبول کریں، اگر جو کوئی خُدا اور رسول پر ایمان لائے گا، اس کے جان ومال محفوظ ہیں، اور جو کفر وسرتابی کرے گا، اُس کے مقابل ہم خُدا کے لئے ہمیشہ جہاد کرتے رہیں گے، اور اس کا قتل کرنا ہمارے لئے

آسان ہو گا، بس السلام علیکم ؛

اِس کے بعد ان لوگوں نے اپنے شاعر زبرقان کو کھڑا کیا، اور اس نے آٹھ شعر پڑھے جن میں بغیر اپنے فخر و ناز اور خوبیوں فیاضیوں کی تعریف کے سوا اور کچھ نہ تھا جس کے جواب میں حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے حسان بن ثابت کو بُلا بھیجا، اور اس نے حاضر ہو کر مطابق ارشاد رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اسی بحر و قافیہ میں برجستہ اور فی البدیہہ تیرہ[۱۳] شعر کہے جن کا ماحصل یہ تھا :-

"اصل شرافت و فضیلت کا مستحق آل فہر کا وہ گروہ ہے، جو دشمنوں کو ضرر اور دوستوں کو نفع پہنچاتا ہے، خدا پرست اور نکوکار اس سے خوش ہیں، وہ گناہوں سے بچا ہوا ہے طمع سے پاک ہے، پڑوس والوں پر مہربان ہے، ان کا ہر شخص مہربانی کے وقت نرم اور لڑائی میں شیر ہے، اور سب سے مکرم وہی قوم ہو سکتی ہے، جس کا سردار خدا کا رسول ہو، اور تمام خواہشات نفسانی، اس سے دُور ہو گئی ہوں، لہذا سب سے افضل و اشراف وہی قبیلہ ہے" ؛

حسان رضی اللہ عنہ کی یہ نظم سننے کے بعد بنی تمیم کے سردار اقراع بن جالس نے کہا یہ شخص (یعنی حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم) تو موید من اللہ معلوم ہوتا ہے، اس کا خطیب بھی ہمارے خطیب سے فصیح ہے، اور شاعر بھی ہمارے شاعر سے بلیغ ہے، اس کے بعد وہ سب دین اسلام قبول کر کے واپس چلے گئے ؛

کچھ دن بعد شاہ ضمیر کا خط یمن سے آیا، جس میں اُنہوں نے اسلام قبول کرنے کا اقرار کیا تھا، حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو احکام اسلام لکھوا کے بھیج دیئے، اور اس نامہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کو معلوم ہو گیا، کہ خدا پرستی و توحید اختیار کرنے بعد انہیں کون سے کام کرنے اور کون سے نہ کرنے چاہیں ؛

اس کے بعد قبیلہ سعدؓ بن بکر کا ایک گروہ آیا، جن کا سردار ضمام بن ثعلبہ تھا اس نے

حاضر ہوتے ہی شریعت اسلام کو دریافت کیا، آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جب احکام شرع توحید ارشاد فرمائے، تو ضمام نے اُسی وقت اسلام قبول کرکے ان احکام کی پابندی کا اقرار کیا ؛

اس کے جانے بعد آپ نے فرمایا، یہ شخص اگر اپنے وعدے پر قائم رہا تو اِسکی نجات ہوگئی، تقریبًا ایک مہینے بعد معلوم ہوا، کہ ضمام جب اپنے قبیلہ سعد میں پہنچا، تو تمام لوگوں نے جمع ہوکر اس سے دربارِ رسالت کا حال پوچھا، اس کے جواب میں ضمام کی زبان سے جو پہلے الفاظ ادا ہوئے وُہ یہ تھے :-

بُرے ہیں لات و عزیٰ (بت پرستوں کا یہ عقیدہ تھا کہ جو شخص ان بتوں کو بُرا کہے وہ کوڑھی اور دیوانہ ہو جاتا ہے) اسی لئے سب نے ضمام سے کہا، کیا غضب کرتے ہو، کوڑھی اور دیوانے ہو جاؤ گے، اس پر ضمام نے کہا، بے وقوفو! یہ بُت نہ کسی قسم کا فائدہ پہنچا سکتے ہیں نہ نقصان، خُدائے واحد نے اپنا ایک پیغمبر مبعوث کیا، اس پر اپنی ایک کتاب نازل کی اسی نے سب جہان کو اس ضلالت و جہالت سے نجات دِلائی ؛

اس کے بعد ضمام نے بتایا کہ میں تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر ایمان لا چکا اور مسلمانوں میں شامل ہوگیا، یہ سنتے ہی سارا قبیلہ بنی سعد مسلمان ہوگیا ؛

اسی سال یعنی ۱۰ھ کے آغاز میں حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے علاقہ نجران میں بنی حارث بن کعب کے پاس خالد بن ولید کو یہ حکم دے کر روانہ کیا تھا، کہ تین بار بآواز بلند تبلیغ اسلام کرنا، اگر قبول کریں، تو اُنہیں شریعت اسلامیہ کی تعلیم دینا، اگر نہ مانیں، تو مقابلہ کرنا ؛

لیکن خالد کی زبان سے تبلیغ اسلام کی آواز سنتے ہی اِن لوگوں نے اسلام قبول کرلیا، اور حضرت خالد رضی اللہ عنہ چند دن اِن کو شریعت اسلامیہ کی تعلیم دیتے رہے پھر مدینے شریف میں تشریف لے آئے ؛

اِس کے بعد حضُورِ پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو بن خرام کو اِن لوگوں میں بھیجا، کہ وہ وہاں قیام کر کے اِن کو تعلیم اسلام سکھلائیں، اَور اِن سے رقم زکوٰۃ وصول کر کے بھیجا کریں۔

اِس علاقہ نجران میں بہت سے مسیحی بھی رہتے تھے، جن میں بڑے بڑے مرتاض راہب اور اسقف بھی تھے، اِن لوگوں نے اپنے زہد و تقویٰ کے باعث کچھ دنوں تک تو صدائے توحید کو نہ سُنا، مگر جب اُنہوں نے دیکھا، کہ چاروں طرف کے قبائل جوش اور صدق دِل سے مسلمان ہوتے چلے جاتے ہیں، تو ضبط کی تاب نہ رہی اور اپنے مذہبی سرگروہوں میں سے عاقب اور سعید نام دو راہبوں کو چند دیگر رفقاء کے ساتھ مدینے میں بھیجا جنہوں نے دربارِ رسالت میں حاضر ہو کر حضور نبی محترم سے عرض کیا، آپ اپنے پیغمبر برحق ہونے کا دعویٰ کر رہے ہیں، اگر ہم آپ کے دعویٰ نبوت کو نہیں جانتے، یوں تو بحث مباحثے اور دلیلوں سے فیصلہ غیر ممکن ہے، آیئے ہم سے مباہلہ[1] کر لو ؛

حضُور صلی اللہ علیہ وسلم فوراً مباہلہ کیلئے تیار ہو گئے، اور اُسی وقت حضرت علی مرتضیٰ رض اور اپنی صاحبزادی فاطمۃ الزہرا رض نیز اپنے دونوں نواسوں یعنی حضرت حسن رض اور حضرت حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہما کو لیکر چل کھڑے ہوئے ؛

عاقب سعید دونوں راہبوں نے جب پنجتن پاک کی نورانی صورتیں دیکھیں، تو حقانیت کا اثر اِن کے دِلوں پر اثر کر گیا، اور ایک دوسرے سے کہنے لگے، کہ یہ تو وہ صورتیں ہیں "کہ اگر یہ خُدا کو بھی خدا کی قسم دلائینگے، تو وہ پہاڑوں تک کو بھی اِن کی جگہ سے ہٹا دیگا"

اِنہیں خیالات میں دونوں راہب مباہلہ نہ کر سکے، بلکہ اُنہوں نے حضُور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم سے صلح کی درخواست کی، آپ نے اس کو بھی منظور فرمالیا، اور اِس قرار پر صلح ہوئی کہ نجران کے نصاریٰ سالانہ دو ہزار قبائیں جن میں سے ہر ایک قبا کی قیمت چالیس دینار سے

[1] مباہلے کے لفظی معنی باہمی لعنت بھیجنے کے ہیں، جن کا طریقہ یہ تھا کہ دو مدعی سب سے الگ ہو کے آمنے سامنے کھڑے ہوتے اور خُداوند کریم سے دعا کرتے، کہ "اگر ہم اپنے دعویٰ میں جھوٹے ہیں تو ہم پر لعنت کر اور ہمیں غارت کر دے" دونو فریقوں کے ہر دو اشخاص کے دل میں یہ یقین ہوتا تھا، کہ اِس طریق سے خُداوند کریم حق کو ظاہر کر دیتا ہے، اور جھوٹے شخص پر تباہی و لعنت ہوتی ہے ؛

کم نہ ہوا کیا کریں گے (۲) مسلمانوں کی طرف سے جو قاصد ان کے پاس جائیگا، وہ اس کی مہمان نوازی کریں گے (۳) نہ سود لینگے اور نہ سود کا کاروبار کیا کرینگے، (۴) مسلمان ان کے دین اور ان کی آزادی کے نگران رہینگے ؛

چند روز بعد قبائل بنی عثیان، بنی عامر، بنی زبید، بنی عبد القیس، بنی کندہ، بنی معادب، بنی عبس، بنی صدف، بنی خولان کے وفود دربار رسالت میں حاضر ہو کر دولت ایمان سے مشرف ہوئے، غرضیکہ قبائل عرب کے یہ وفود ہزاروں آدمیوں کی طرف سے آئے، اور لاکھوں آدمی کفر و ضلالت سے نکل کر صراط مستقیم پر آ گئے ؛

اسی سال یمامہ اور بحرین یعنے مشرقی عرب سے بنی حنیفہ کا وفد مدینۃ الرسول (صلی اللہ علیہ وسلم) میں حاضر ہوا، بنی حنیفہ کا قبیلہ بڑا زبردست اور کثیر التعداد قبیلہ تھا، یہ لوگ ایک انصاریہ خاتون کے پاس آ کے ٹھہرے، اور وہاں سے دربار رسالت میں حاضر ہوئے اراکین وفد میں ایک شخص مسیلمہ نام عجیب ہوس پرست اور بیہودہ شخص تھا، جب بنی حنیفہ

مسیلمہ کذاب

کا یہ وفد حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو پیروی دین اسلام کا وعدہ کر کے واپس گیا، تو مسیلمہ نے گھر پہنچتے ہی اپنے نبی ہونے کا دعوے کر دیا، اور اپنے قبیلہ سے کہنے لگا :-

میں بھی خدا کا نبی ہوں، مجھ پر بھی وحی نازل ہوتی ہے، چنانچہ وہ طرح طرح کی عبارتیں جوڑ جوڑ کے لوگوں کو سنا کر اس کو خدا کا کلام بتانے لگا، قبیلہ بنی حنیفہ کے بعض بیوقوف لوگ بھی جب اس فقروں میں آ گئے تو مسیلمہ کذاب اپنی اس کامیابی پر اسقدر مغرور ہو گیا کہ اس نے حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مبارک میں اس مضمون کا ایک خط لکھا ؛

(از جانب رسول خدا مسیلمہ بنام محمد رسول اللہ)

بعد اس کے لکھا جاتا ہے کہ میں آپ کے ساتھ رسالت میں شریک کیا گیا ہوں، اور یہ

قرار پایا ہے، کہ آدھی زمین ہمارے قبضہ میں رہے، اور آدھی قریش کے قبضہ میں لیکن قریش ایک ایسی قوم ہے، جو اپنی حد کے اندر نہیں رہتی ؛

اِس خط کے جواب میں حضور پرنور حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم نے مسیلمہ کذاب کو یہ لکھ بھیجا :-

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ۔ از جانب رسول خدا احمد صلے اللہ علیہ وسلم، بنام مسیلمہ جو بڑا جھوٹا ہے، اِس کے بعد لکھا جاتا ہے، کہ اسلام اس پر جو ہدایت کا پیرو ہو، ساری زمین اللہ تعالےٰ کی ہے، اور وہ اپنے بندوں میں جسے چاہتا ہے اُس کا وارث بناتا ہے اور انجام فقط ان لوگوں کا اچھا ہے، جو پرہیزگار ہیں،

حجتہ الوداع | حج مذہب اسلام کا پانچواں رکن ہے، اور اسلام وہ پیغامِ محبّت ہے، جو بچھڑے ہوؤں کا ملاتا ہے، بیگانوں کو یگانا، اور آشناؤں کو محسنِ صادق بناتا ہے، احکامِ اسلام کا منشا یہی ہے، کہ افراد مختلفہ کو ملّت واحدہ بنا کر ایک مرکز پر جمع کر دیا جائے، یہی وجہ ہے، کہ شارحِ اسلام نے :-

(۱) مسلمانوں میں باہمی محبّت و اتحاد قائم رکھنے کیلئے نماز پنجگانہ کی ادائیگی کیلئے اپنے ہی محلہ کی مسجد میں جمع ہونا واجب کیا ؛

(۲) اور جملہ مسلمانان شہر میں محبّت و تعلقات بڑھانے کیلئے ہفتہ میں ایکبار جامع مسجد میں جمع ہو کر احکام الٰہیہ یعنی خطبہ کا سننا اور نماز جمعہ کا ادا کرنا ضروری قرار دیا ہے ؛

(۳) اسی طرح مسلمانانِ اہلِ شہر و مضافات شہر کے مسلمانوں میں تعارف و تعلق و رشتہ اخوت مستحکم رکھنے کیلئے سال میں دو بار عیدین کی نماز کو سنن ہدیٰ میں واجب ٹھہرایا ہے ؛

(۴) اُسی طریق وحدت کے مطابق مسلمانانِ عالم میں رابطہ دین کے مضبوط کرنے، مختلف قوموں، مختلف نسلوں، مختلف زبانوں، مختلف رنگتوں اور مختلف ملکوں کے افراد کو دین واحد کی وحدت میں شامل ہونے کیلئے عمر بھر میں ایک دفعہ ان سب مسلمانوں کو

(جو کعبۃ اللہ شریف تک جانیکی استطاعت رکھتے ہوں) حج فرض کیا گیا ہے ؛

فریضہ حج کی ترتیب و طریقِ عبادت نہایت سادہ اور اتحاد آموز ہے، یعنی ادائیگی حج میں سب کیلئے (خواہ وہ شہنشاہ ہو یا درویش) سادہ اور بغیر سِلا لباس جو نسل انسانی کے جد اعظم حضرت آدم علیہ السلام کا تھا، تجویز کیا گیا ہے، تاکہ ایک ہی معبود حقیقی ایک ہی رسول صادق (صلی اللہ علیہ وسلم) ایک ہی قرآن پاک، ایک ہی کعبہ متبرک پر ایمان رکھنے والے ایک ہی صورت اور ایک ہی لباس اور ایک ہی رنگ اور ایک ہی سطح پر ظاہری اور معنوی حالت میں اپنے خدائے واحد کے سامنے حاضر ہوں ؛

حج کا مقام مقدس بھی وہی قرار دیا گیا ہے، جسے صابی، یہودی، عیسائی، اور مسلم افراد کے جد اعظم حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دنیا کی سب سے پہلی عبادت گاہ تعمیر فرمایا چونکہ اقوام عالم میں متذکرۃ الصدر اقوام کی کثرت ہے، اور وہ سب اس مقام کو مقدس خیال کرتے ہیں، اس وجہ سے اسلام نے بھی ادائیگی حج کیلئے اسی متبرک مقام کو اسکی قدامت و تقدیس کے لحاظ سے قرار دیا ہے، فریضہ حج کا ظاہری مقصد اگرچہ شوکت اسلام اظہار سے وابستہ ہے، تاہم اس مقدس مقام تک پہنچنے میں برّی و بحری سفر کے جو تجربات اور فوائد حجاج کو حاصل ہوتے ہیں، وہ بھی اس فریضہ کے فوائد سے وابستہ ہیں، اسی طرح تمدنی و سیاسی حالت کو بھی فریضہ حج میں نظر انداز نہیں کیا گیا، چنانچہ ایک بادشاہ کو دربار منعقد کرنے میں اور ایک سپہ سالار کو اپنی فوجوں کے نظم و نسق سے کسی قومی اجتماع کو اپنی قوم کے طریق تمدن معاشرت کی تجدید و تنسیخ میں جو فوائد حاصل ہو سکتے ہیں، وہ سب فریضہ حج سے وابستہ ہیں ؛

علاوہ ازیں جو لوگ آثار قدیمہ کے شائق، صنادید عالم کے متلاشی، علم طبقات الارض کے جویا، جغرافیہ عالم کے متعلم، علم السنہ و تاریخ اقوام کے محقق ہیں، ان سب کے فوائد بھی فریضہ حج سے وابستہ ہیں ؛

چنانچہ ماہ ذیقعدہ کے آخری دنوں میں حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم اسی فریضہ حج کی ادائیگی کیلئے مدینہ شریف سے مکہ شریف کی طرف روانہ ہوئے، اس حج میں آپ کے ساتھ بیشمار مسلمانوں کا ہجوم تھا، اور ساتھ ہی ازواج مطہرات بھی تھیں، جو محملوں میں سوار تھیں:

شہر مدینہ کے انتظام کیلئے ابو دجانہ ساعدی مقرر کئے گئے، ظہر کی نماز ادا کر کے ہادی اسلام نے معہ جاں نثاران اسلام مدینہ شریف سے کوچ کیا، اور مقام ذی الحلیفہ میں پہنچکر عصر کی نماز ادا کی، اور وہیں مقام کیا، دوسرے دن آگے بڑھے، آپ کے ارد گرد ایک لاکھ چوالیس ہزار وحدت کے پروانے تھے، اور ہر ایک اپنی جان نثار کرنے کو تیار تھا:

مسلسل آٹھ روز کے سفر کے بعد حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم معہ پرستاران وحدت اتوار کے دن ۴ ذالحجہ کو مکہ معظمہ میں پہنچ گئے، قربانی کیلئے بہت سے اونٹ ہمراہ تھے، مقام سرف میں پہنچکر سب لوگوں سے آپ نے فرمایا، کہ جو لوگ قربانی کے جانور ساتھ لائے ہیں وہ بدستور احرام باندھے رہیں، اور حج سے فارغ ہو کر کھولیں، لیکن جو لوگ قربانی کے جانور نہیں لائے، وہ فقط عمرے کے لئے آئے ہیں، لہذا وہ اسی مقام پر احرام کھول ڈالیں:

چنانچہ اسی حکم کے مطابق وہ لوگ جو قربانی کے جانور ساتھ نہ لائے تھے، اور تمام امہات المؤمنین و جناب فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا نے احرام کھول ڈالے:

حضرت علی کرم اللہ وجہہ ارض نجران میں یمن کی طرف گئے ہوئے تھے، وہ بھی اس موقعہ پر مکہ معظمہ میں پہنچ گئے، مگر آپ احرام باندھے ہوئے تھے، جب جناب فاطمۃ الزہرا کو احرام کھولے دیکھا، تو پوچھا یہ کیا؟ انہوں نے فرمایا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی حکم دیا ہے، کہ جو لوگ صرف عمرے کی نیت سے آئے ہیں وہ احرام کھول ڈالیں:

حضرت علی کرم اللہ وجہہ یہ سنکر حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ

نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیکھتے ہی فرمایا، "تم بھی طواف کر کے احرام کھول ڈالو، اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا، "میں تو یہ نیت کر کے آیا ہوں، کہ جو نیت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے، وہی میری ؛

آپ نے فرمایا، "کیا تم قربانی کیلئے جانور لائے ہو؟"

عرض کیا، "نہیں" حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم، یہ سنکر خاموش ہو رہے، اور اپنی قربانی میں حضرت علیؓ کو بھی شریک کر لیا، ماسوا اس کے آپ نے اگرچہ ازواج مطہرات سے احرام کھلوا دیئے تھے، مگر ان کی طرف سے بھی قربانی کی ؛

اس کے بعد حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم ارکان حج بجالانے میں مصروف ہوئے، تمام مناسک یعنی افعال حج میں سے ہر ایک کی جدا جدا تعلیم فرمائی، اور مسلمانوں کو بتادیا، کہ مروّجہ رسوم حج میں سے کتنی باتیں اصلی سنت ابراہیمی و اسمٰعیلی ہیں، اور کتنی باتیں زمانہ مابعد میں مشرکین نے ایجاد کر لی ہیں، اس موقعہ پر عام خلقت کے سامنے آپ نے ایک مفصل اور مشرح یہ تقریر کی، بعد حمد و ثنائے رب العزت خدائے وحدہٗ لاشریک ؛

خطبہ حجۃ البلاغ | لوگو! میں جو کہوں، سن لو، گو مجھے معلوم نہیں، لیکن ممکن ہے، کہ اس حج کے بعد پھر میں یہاں تم سے نہ مل سکوں، لوگو! جس طرح یہ دن اور یہ مہینہ محترم ہے اسی طرح آج سے جب تک تم زندہ رہو، تمہاری جانیں اور تمہاری عزتیں تمہارے مال بھی باہم ایک دوسرے پر حرام ہیں، عنقریب تم اپنے پروردگار کے سامنے دربار میں حاضر ہوگے، اور وہ تمہارے اعمال کی بابت تم سے بازپرس کریگا، خبردار میرے بعد گمراہ نہ بن جانا، کہ ایک دوسرے کی گردنیں کاٹنے لگو، لوگو! جاہلیت کی ہر ایک بات کو میں اپنے قدموں کے نیچے پامال کرتا ہوں، غرض میں نے حق تبلیغ ادا کر دیا، اور اس ذمہ داری کی بنا پر کہتا ہوں، کہ تم میں سے جس کسی کے پاس کسی کی امانت ہو اسے وہ اس کے پاس پہنچادے، سارا سود متروک ہے، بس جسقدر راس المال یعنی اصل سرمایہ ہے،

وُہ البتہ تمہارا حق ہے، نہ تم ظلم کرو، اَور نہ تم پر ظلم ہو، اللہ جلّ شانُہٗ نے فرمایا ہے، کہ اَب ربوا (سود) روا نہیں ہے، اَور عباس بن عبد المطلب کا سارا سود متروک ہے، لوگو! جاہلیت کے جتنے خون باقی رہ گئے ہیں ان سب کا انتقام موقوف ہے، اَور سب سے پہلا خون جس کو میں اپنی طرف سے ترک کرتا ہوں، وُہ عبد المطلب کے پوتے ربیعہ بن حارث کا خون ہے جن کی رضاعت بنی لیث میں ہوئی تھی، اَور وہیں بنی ہذیل نے اِن کو قتل کر ڈالا، اسی طرح اب جاہلیت کے تمام خون چھوڑ دیئے جائیں ؛۔

لوگو! شیطان اِس سے مایوس ہے، کہ پھر اِس کے بعد کبھی وُہ تمہاری اِس سرزمین (عرب) میں پوجا جائے، یہاں کے سوا اَور مقامات پر اِس کی پرستش ممکن ہے ؛۔

لوگو! نسی[1] زمانہ کفر کی زیادتی ہے، جس سے کفار اَور زیادہ گمراہ ہوتے ہیں کسی سال کسی مہینے کو حلال کرتے اَور کسی سال اُسے حرام بتاتے ہیں، تاکہ جو کام اس محترم و متبرک مہینے میں ان پر حرام ہو جاتے ہیں، ان کو بھی حرام رکھیں، اور کبھی حلال کریں تخلیق زمین و آسمان سے آج تک زمانہ اپنے معمولی حساب سے چلا جاتا ہے، خُدا کے نزدیک مہینوں کا شمار بارہ[۱۲] ہے، جنمیں سے فقط چار حرام ہیں، ان میں سے تین، (یعنی ذیقعد، ذی الحجہ، محرم) تو متواتر ایک دوسرے کے بعد آتے ہیں، اَور ایک ان تینوں سے الگ ہے، جو جمادی (ثانی) اَور شعبان کے درمیان میں آتا ہے ؛۔

لوگو! تمہاری عورتوں پر تمہارے حقوق ہیں، اَور اسی طرح تم پر ان کے حقوق ہیں، ان پر تمہارا یہ حق ہے، کہ تمہارے بچھونے پر کسی کو شریک نہ کریں، اور فحش کام نہ کریں، اَور اگر اِن سے ایسا قصور سرزد ہو تو خُدا نے تم کو اجازت دی ہے، کہ اِن کو بستروں میں چھوڑ دو، اَور اَیسی مار مارو، جو شدید نہ ہو، اَور جب اَیسے گناہوں سے باز رہیں، تو تم پر ان کا روٹی کپڑا فرض ہے،

[1] زمانہ جاہلیت میں آوند کا مہینہ بڑھانے کے خیال سے کبھی سال میں ایک مہینہ بڑھا دیا جاتا تھا، اَور جو چار مہینے حرام یعنے محترم سمجھے جاتے تھے، ان میں تغیر ہوتا رہتا تھا، یہ بڑھوتی نسئی سے منسوب تھی، جس کو حضور پُر نور صلے اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے منع فرمایا ؛۔

لوگو! میں تمہیں وصیت کرتا ہوں، کہ عورتوں کے ساتھ اچھا سلوک کرو، وہ ایک انیس زندگی کی حیثیت سے تمہارے پاس تمہارے ساتھ ہیں، اور اپنی ذات سے تمہارے گھر کی کسی چیز کی مالک نہیں، تم نے کلمات الٰہی کے ذریعے سے اِن کو اپنے اوپر حلال کیا ہے، اسلئے میری بات کو سمجھو، اور گواہ رہو، کہ میں نے تبلیغ کا حق ادا کر دیا :۔

لوگو! میں نے تم میں دو چیزیں چھوڑی ہیں، جب تک اِن کو پکڑے رہو گے، ہرگز گمراہ نہ ہو گے، وہ چیزیں کتاب اللہ اور اُس کے رسولؐ کی سنت ہیں :۔

لوگو! نہ تو میرے بعد کوئی اور پیغمبر ہے، اور نہ کوئی جدید اُمت پیدا ہونے والی ہے، خوب سُن لو، کہ اپنے پروردگار کی عبادت کرو، اور نماز پنجگانہ ادا کرو، سال بھر میں ایک مہینہ رمضان کے روزے رکھو، اپنے مالوں کی زکوٰۃ نہایت خوشی کے ساتھ دیا کرو، خانۂ خُدا کا حج بجالاؤ، اور اپنے اولیائے اُمور و حکام کی اطاعت کرو، جس کی جزا یہ ہے کہ تُم پروردگار کے فردوس بریں میں داخل ہو گے :۔

لوگو! جو کچھ میں کہتا ہوں، اِس کو سنو اور خوب سمجھ لو، یاد رکھو کہ ہر ایک مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، لہٰذا ہر شخص کو دوسرے سے وہی چیز لینے کا حق ہے، جسے وہ بہ طیبِ خاطر دے، کسی پر ظلم و جور ہرگز نہ کرو :۔

خُداوندا! میں نے تیرا پیغام اِن لوگوں کو پہنچا دیا، اِس پر اکثر لوگوں نے بہ آوازِ بلند کہا، خُدا گواہ ہے، کہ آپ نے پہنچا دیا، یہ سُنکر آپ نے پھر فرمایا خداوندا! تو گواہ رہنا کہ میں نے پہنچا دیا :۔

اِس حج میں آپ اپنے شُترِ مبارک پر سوار تھے، اور اسی خطبے کے الفاظ بار بار لوگوں کی طرف مخاطب ہو کے فرماتے تھے، ربیعہ بن امیہ بن خلف ہمراہ رکاب تھے، وہ آپ کے حکم سے حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ مبارک کو یوں پکار پکار کے لوگوں سے کہتے اور کوشش کرتے کہ تمام حاضرین پیام نبوت کو سُن لیں :۔

بھائیو! جو لوگ موجود ہیں، وہ اُن لوگوں کو جو اس وقت موجود نہیں، ان احکام کی تبلیغ کرتے رہیں، ممکن ہے، کہ بعض سامعین سے وہ لوگ زیادہ تر اِس کلام کو یاد رکھنے اور حفاظت کرنے والے ہوں، جن پر تبلیغ کی جاوے ؛

ناظرین! اس خطبہ نبوی کو غور سے پڑھیں، اور تفکر و تدبر سے پڑھیں، کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے الوداعی خطبہ میں قرآن مجید پر عمل کرنے کی کس قدر تاکید فرمائی ہے، اور قرآن مجید پر عمل کرنے والے سے یہ حتمی وعدہ کیا ہے، کہ وہ کبھی گمراہ نہ ہوگا اسی طرح حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے (۲) مسلمانوں کے باہمی حقوق، جان و مال و عزت کو بھی محفوظ فرما کر (۳) اپنی اپنی بیویوں کے حقوق پر نہایت مستحکم الفاظ میں توجہ دلائی ہے (۴) مختصر یہ کہ اپنے طریق عمل اور اپنی سوانح حیات کے کارناموں کے متعلق ہمارے باپ دادوں سے گویا ان بات کی مہریں ثبت کرالی ہیں، (۵) کہ ہر ایک مسلمان تبلیغ اور اشاعت اسلام کا ذمہ دار ہے، یہی وہ اصول و احکام ہیں، جن پر عمل کرنا مسلمانوں کی فلاح دین و دنیا، اور جن کا ترک عمل خسر الدنیا والآخرۃ کا باعث ہے

بعض اقوال سے ثابت ہے، کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم جب خطبہ سے فارغ ہوئے تو اسی جگہ اس آیہ مبارکہ کا نزول ہوا :-

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ؕ	ترجمہ :- یعنی آج میں نے تمہارے دین کو تمہارے لئے کامل کر دیا، اور تم پر اپنی عظمت کو پورا کر دیا اور میں نے تمہارے لئے اسلام کا دین ہونا پسند فرمایا ہے ؛

اس خطبہ کے بعد میدان عرفات میں حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اونٹ پر بیٹھے ہی بیٹھے فرمایا، لوگو! خدا نے ہر ایک حقدار کو اس کا حق پہنچا دیا، لھذا اب وارث کو بذریعہ وصیت اس کے حصے سے زیادہ دینا جائز نہیں، یاد رکھو، کہ بچہ اس کا ہے، کہ جس کے بستر پر پیدا ہوا ہو، زانی اولاد زنا کے پانی سے محروم ہے، اور جو کوئی اپنے باپ کے

سوا دوسرے کو اپنا باپ بنائے، اس پر خُدا اور ملائکہ نیز سب لوگوں کی لعنت ہے ⁂

غرضیکہ ہادیٔ اسلام حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے عام مسلمانوں کو اپنے طرزِ عمل اور فرمان سے ہر ایک احکام دین سے مطلع کر دیا، کہ فرض حج کس طرح ادا کیا جائے، حج میں کہاں کہاں ٹھہرنا، اور کیا کیا کرنا چاہیئے ⁂

عرفات و مزدلفہ کو اقامت گاہ اور منیٰ کو قربان گاہ فرمایا، اسی طرح تمام ارکانِ حج صاف طور پر سب لوگوں کو معلوم ہو گئے، اور ہر شخص بخوبی سمجھ گیا، کہ فریضہ حج میں کونسی باتیں جائز ہیں، اور کونسی ناجائز ہیں ⁂

حج کے ان احکامات کو واضح کرنے کا مقصود (۱) شعایر اللہ کی تعظیم (۲) حضرت ابراہیم و حضرت اسماعیل علیہما السّلام کے سنن ہدیٰ کا احیا (۳) کفار کی مشرکانہ رسومات کا بطلان، توحید خاص کا اعلان، تعلیم اسلام کی اشاعت وغیرہ سے وابستہ تھا، چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اُمّت کو یہ آخری تبلیغ فرمائی تھی، اس لئے اس حج کا نام حجۃ البلاغ بھی ہے، اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حج میں چونکہ اُمّت کو اپنے آخری کلمات و حج کی دیگر تعلیمات سے سرفراز فرمایا، اسلئے اس کا نام حجۃ الوداع بھی ہے ⁂

الغرض حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لاکھ چوالیس ہزار برگزیدہ بندوں کے سامنے توحید کی تعلیم و تلقین کی اس تقریر البلاغ والوداع کے بعد سرور شاداں مدینہ شریف کی طرف لوٹے، اور جو لوگ دیگر اطراف سے آئے تھے، وہ بھی اپنے اپنے گھروں اور قبیلوں میں چلے گئے ⁂

سنہ ۱۱ھ

اِذا جَآءَ نَصۡرُ اللّٰہِ وَالۡفَتۡحُ ۙ وَرَاَیۡتَ النَّاسَ
یَدۡخُلُوۡنَ فِیۡ دِیۡنِ اللّٰہِ اَفۡوَاجًا ۙ فَسَبِّحۡ بِحَمۡدِ
رَبِّکَ وَاسۡتَغۡفِرۡہُ ؕ اِنَّہٗ کَانَ تَوَّابًا ۝

ترجمہ:- جب پہنچ چکی مدد اللہ کی اور فیصلہ اور تو نے
دیکھے لوگ پیٹھتے اللہ کے دین میں فوج فوج اب پاکی بول اپنے
رب کی خوبیاں اور گناہ بخشوا اس سے بیشک وہ معاف کرنیوالا ہے

یہ سنہ ۶۳۲ء کا زمانہ تھا، آج سے چند سال پیشتر مسلمانوں کی تعداد چند دہائیوں سے زیادہ نہ تھی، صحابہ کبار رضی اللہ عنہما کے علاوہ ہر شخص ہادئی اسلام حضور پُر نور حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا جانی دشمن تھا، اسلامیت سنہ ۱ ہجری میں مدینہ شریف کی شہر پناہ تک محدود تھی، اِس اسلامی سلطنت کا نہ کوئی قصر تھا، نہ محل، دار الامارۃ، دار القضاء، دربارِ رسالت صرف مسجد نبوی تھی، اور اسی کے ساتھ ہی حجرۂ نبوی قصر خلافت تھا؛

سنہ ۳ ہجری تک تو یہی حالت رہی، البتہ سنہ ۴ ہجری میں، خدا کی رحمت سے مسلمانوں نے بنی نضیر کی سرزمین کو حاصل کیا، سنہ ۷ھ میں خیبر کی سرزمین قلمروئے اسلامی میں داخل ہوئی، اسی سال فدک وادی القریٰ تیما و مملکت شام علم اسلام کے سائے میں آئے؛

سنہ ۸ھ میں مکہ فتح ہوا، ساتھ ہی طائف تبال اور جرش پر بھی قبضہ ہو گیا، سنہ ۹ھ میں، بتوک، ایلہ، ازرخ، مقنا، جربا، اور رومتہ الجندل فتح ہوئے؛

غرضیکہ سنہ ۱۰ھ کے اخیر میں اسلام کی سطوت تمام جزیرہ عرب پر سایہ ڈال چکی تھی، یعنی شمالی سمت، بتوک، ایلہ، بطرف جنوب نجران، یمن، عمان، بحرین، اور یمامہ، مشرق کی طرف خلیج فارس سے شروع ہو کر مغربی سمت بحر قلزم تک اسلامی حدود میں آ چکے تھے؛

سنہ ۱۱ھ کے شروع ہوتے ہی حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارادہ فرمایا، کہ مجاہدین اسلام کا ایک زبردست لشکر ارض فلسطین و شام کی طرف روانہ ہو جائے اس مہم کی سپہ سالاری کیلئے حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسامہ بن زید کو منتخب فرمایا، اور ساتھ ہی مہاجرین اول

نیز حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو بھی اس زبردست مہم کے ساتھ جانے کی تاکید فرمائی ؛

یہ حکم ماہ صفر کے آغاز میں دیا گیا تھا، اس ارشادِ رسول ؐ کی تعمیل میں ہر اطراف سے بہادرانِ اسلام جمع ہونا شروع ہوئے، سامانِ سفر درست ہو رہا تھا، جان نثارانِ اسلام دولتِ روم کے مقابلہ میں بڑے جوش و خروش سے اپنے اپنے اسلحہ درست کر رہے تھے لیکن ماہ صفر کے آخری دنوں میں حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن جبکہ اپنی زوجہ مطہرہ اُم المومنین جناب زینب بنت جحش کے گھر میں رونق افروز تھے، وہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت کچھ ناساز ہو گئی ؛

ابتدا تو آپ کی بیماری کا کسی کو کچھ خیال نہ ہوا، اگرچہ آپ مختلف مواقع پر اشاروں ہی اشاروں میں اپنی سفر آخرت کی تیاری کا اظہار فرما چکے تھے، لیکن جان نثارانِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اس طرف خیال نہ ہوا، اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام بھی حسب معمول ازواج مطہرات میں باری باری آتے جاتے رہے ؛

انہی دنوں جس رات آپ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے گھر میں تھے، آپ نے رات کو اُٹھ کر اپنے غلام ابو موہیبہ کو جگا کر فرمایا، "مجھے درگاہِ ایزدی سے حکم ہوا ہے کہ اہل بقیع (مدینہ کے اہل قبور) کیلئے دعائے مغفرت کروں، تم میرے ساتھ چلو ؛

ابو موہیبہ ساتھ ہوئے، اور آپ جنت البقیع میں پہنچے، مدفونانِ بقیع کی طرف خطاب کر کے ان کو بعد سلام فرمایا، "تمہاری حالت پر میں تم کو مبارکباد دیتا ہوں اسلئے کہ فتنوں کا زمانہ شب تاریک کی طرح سر پر آ گیا، زمین کے تمام خزانوں کی کنجیاں مجھے عطا ہوئیں اور ہمیشہ یہاں زندہ رہنے کا مجھ کو اختیار دیا گیا، اور کہا گیا کہ ان دو باتوں یعنی یہاں رہنے اور پروردگار کی خدمت میں حاضر ہونے میں سے جس چیز کو چاہو اختیار کر لو، مگر میں نے بارگاہ الٰہی میں حاضر ہونے کو قبول کر لیا ؛

یہ ارشاد فرما کر اہل قبور کیلئے دعائے مغفرت کی اور جب وہاں سے واپس ہوئے اسی وقت سے مرض بڑھنا شروع ہوا گھر میں تشریف لائے تو شدت سے درد سر ہو رہا تھا ؛

ایسی حالت میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی ازواج مطہرات کے حقوق کا خیال تھا اور اسی بیماری میں باری باری ہر ایک کے گھر میں تشریف رکھتے تھے، چنانچہ جس روز آپ ام المؤمنین حضرت میمونہؓ کے ہاں فروکش تھے، اس روز مرض کی اتنی شدت ہوئی کہ آنے جانے کی طاقت نہ رہی، ایسی صورت میں آپ نے سب ازواج مطہرات کو جمع کر کے ان سے اس بات کی اجازت لی، کہ یہ دورہ موقوف کر دیا جائے، اور آپ جناب ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے ہاں ٹھہر کر علاج کریں، جب سب بیویوں نے اجازت دی تو آپ حضرت عائشہ صدیقہؓ کے گھر میں مقیم ہو گئے ؛

اس اثنا میں یہ خبر سُنی گئی، کہ یمن میں اسود عنسی یمامہ میں مسیلمہ کذاب اور بنی اسد میں طلیحہ نبوت کے دعویدار بیٹھے ہیں، بلکہ بہت سے لوگ اُن کے پیرو ہو کے اسلام سے منحرف ہو کر مرتد ہو گئے ہیں ؛

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ خبر سنتے ہی باوجود ناتوانی اور شدت درد سر مبارک پر پٹی باندھے ہوئے مسجد نبوی میں تشریف لائے ؛

صحابہ اپنے ہادیٔ اسلام پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جمال جہاں آرا دیکھ کر نہایت خوش ہوئے، اور آپ نے ان سے فرمایا، میں نے خواب میں دیکھا، کہ میرے دونوں ہاتھوں پر سونے کے دو بازو بند ہیں، اور اُنکی طرف دیکھ کر میں نے پھونکا، اور وہ میری پھونک سے اُڑ گئے، اس خواب کی تعبیر میرے خیال میں یہی دونوں کذاب یمامہ اور صنعا ہیں ؛

حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری اور ان ارتداد کی وحشتناک خبروں کے باعث اُسامہ بہادران اسلام کا لشکر لے کر روم کی مہم کو روانہ نہ ہو سکے تھے، لہٰذا اس موقعہ پر حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا، جیش اسامہ کی روانگی ملتوی نہ کی جائے، فوراً

کوچ کر دینا چاہیئے، اس کے بعد ارشاد فرمایا "خدا لعنت کرے اِن لوگوں پر جنہوں نے اپنے پیغمبروں کی قبروں کو عبادت خانہ بنا لیا ہے۔"

اِن ارشادات کے بعد آپ حضرت عائشہ صدیقہؓ کے حجرہ میں واپس تشریف لیگئے اسامہ نے ارشادِ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق اپنے لشکر کے ساتھ مدینے سے کوچ کر کے مقام حرف میں پڑاؤ ڈال دیا اور تمام جان نثاران اسلام کو حکم دیا کہ سب لوگ اسی مقام پر جمع ہو جائیں، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت ساعت بساعت نازک ہوتی جاتی تھی، اس لئے مسلمانوں کے قدم نہ اُٹھتے تھے۔

انہی دنوں میں جب حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کو شدّت مرض کے باعث باہر نکلنے کی طاقت نہ رہی، ایک روز حضرت بلال مؤذن نے اذان دی تو آپ نے اذان سنتے ہی فرمایا "ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہو کہ نماز پڑھائیں" اس پر حضرت عائشہ صدیقہؓ نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے باپ نہایت رقیق القلب ہیں، وہ آپ کی جگہ پر کھڑے ہونے کی تاب نہ لا سکیں گے، لیکن آپ نے پھر یہی فرمایا، ابوبکرؓ سے کہو کہ نماز پڑھائیں، حضرت عائشہ نے دوبارہ وہی پہلا عذر کیا، تو آپ نے ناراضگی میں فرمایا:۔

"تم وہی یوسف والی عورت ہو، ابوبکر صدیقؓ سے کہو، نماز پڑھائیں"۔

چنانچہ حسبِ ارشاد رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نماز پڑھانے میں جب مصروف ہوئے، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم بستر علالت سے اُٹھے، اور دو شخصوں پر سہارا دیکر مسجد میں تشریف لائے، جب ابوبکرؓ کے قریب پہنچے تو وہ امامت کی جگہ چھوڑ کیلئے پیچھے ہٹنے ہی لگے تھے، لیکن آپ نے اشارہ سے منع کر دیا، اور اُن کے برابر آپ نے بھی نیت باندھ لی، اب فریضہ نماز کی ادائیگی کی یہ صورت تھی، کہ ابوبکر صدیقؓ آپ کی اقتدا کرتے تھے، اور تمام مقتدی حضرت ابوبکر صدیقؓ کی اقتدا کر رہے تھے، اس نماز کے بعد آپ کی جگہ حضرت ابوبکر صدیقؓ ہی دیگر نمازیں پڑھاتے رہے۔

انہی بیماری کے دنوں میں ایک روز پھر حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ اور اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے فرزند فضل پر سہارا دیئے ہوئے مسجد میں تشریف لائے اور آتے ہی ممبر شریف پر بیٹھ گئے، جان نثاران پیغمبر کی یہ حالت تھی، کہ مارے خوشی کے پھولے نہ سماتے تھے، حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے سب حاضرین کی طرف خطاب فرما کے ایک تقریر پُرتاثیر فرمائی :-

چنانچہ آپ نے پہلے خُدائے عزوجل کی حمد وثنا کی اس کے بعد دیر تک اصحاب اُحد کیلئے دعائے مغفرت فرماتے رہے، پھر فرمایا، لوگو! شاید مجھ پر تم لوگوں کے کچھ حقوق ہوں ان کا تصفیہ ہو جانا چاہیئے، شاید میں نے کسی کی پیٹھ پر کوڑا مارا ہو، تو اُس کے سامنے میری پیٹھ حاضر ہے، وُہ اپنا بدلہ مجھ سے لے لے، شاید میں نے کسی کو بُرا کہا ہو وُہ مجھے بُرا کہہ لے، شاید میں نے کسی سے کوئی چیز لی ہو، وُہ مجھ سے اس چیز کی وصولی کر لے، تم کسی بات کا اندیشہ نہ کرو میں ہرگز بُرا نہ مانونگا، مجھے سب سے زیادہ پیارا وہی شخص ہوگا، جو مجھ سے اپنا حق وصول کر لے، یا مجھے معاف کر دے، تاکہ میں سبکسار اور خوش ہو کر خُدا کے پاس جاؤں ؛

اس کے بعد ممبر سے اتر کر ظہر کی نماز پڑھی، اور پھر ممبر پر جا بیٹھے، اور وہی پہلی درخواست لوگوں کے سامنے پیش کی، اس وقت ایک شخص نے تین درہموں کا دعویٰ کیا، آپ نے فوراً دیدیئے، پھر ارشاد فرمایا، لوگو! مجھ پر جس کسی کا کوئی حق باقی ہو، وصول کر لے، کوئی شخص یہ خیال نہ کرے، کہ دُنیا میں اس سے میری رسوائی ہو گی، سن لو! دُنیا کی رسوائی عاقبت کی رسوائی سے بہت آسان ہے ؛

اس کے بعد پھر اصحابؓ کیلئے دعائے مغفرت فرمائی، اور ارشاد فرمایا، ”ایک بندے کو خُدا نے اختیار دیا تھا، کہ چاہے دُنیا اختیار کرے، اور چاہے آخرت کو اختیار کرے اس نے آخرت کو قبول کر لیا ؛

یہ سنتے ہی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بے اختیار رونے لگے، اور بے ساختہ اُن کی

زبان سے نکلا، ہائے ہم اور ہمارے ماں باپ آپ پر فدا ہو جائیں یہ سُن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا، آئندہ مسجد میں ابوبکرؓ کے مکان کے دروازے کے سوا کسی کا دروازہ باقی نہ رہے، اپنی صحبت میں مجھے ان سے بڑھ کر کوئی نہیں نظر آیا، اور اگر کسی کو میں اپنا خلیل یعنی دوست بناتا تو ابوبکر صدیقؓ کو بناتا ۔

اِس کے بعد فرمایا، انصار کے ساتھ اچھا سلوک کرنا، اُے گروہ مہاجرین تمہاری تعداد بڑھتی جاتی ہے، مگر انصار کی تعداد نہیں بڑھتی، انصار میرے واسطے جائے پناہ ہیں، لہٰذا ان میں جو معزز شخص ہو اس کی عزت کرنا، اور اگر ان میں کوئی ملزم ٹھہرے تو اس سے درگذر کرنا، اتنے ارشادات فرما کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تشریف لے گئے ۔

ایک روز آپ نے اکثر لوگوں کو اپنے مکان یعنی حجرہ حضرت عائشہ صدیقہؓ میں بلوا کر جمع کیا، جب سب لوگ جمع ہو گئے، تو سب کی طرف دیکھ کر آنکھوں میں آنسو بھر لائے، جوشِ گریہ کو روک کر فرمایا، مرحبا تمہیں اللہ تعالےٰ بخیریت سے رکھے، تم پر اپنی رحمت نازل کرے، تم کو اپنی امان اور پناہ میں لے، تمہیں اپنے آغوش رحمت میں لے، تمہارا مرتبہ بلند کرے، تمہیں توفیق خیر دے، تمہیں سلامت رکھے، تم کو اللہ قبول کرے تمہیں میری بڑی وصیت یہ ہے، کہ خدا سے ڈرتے رہو، میں تم کو خدا ہی کے سپرد کرتا ہوں، اسی کے سہارے اپنی جگہ پر چھوڑتا ہوں، اور تم کو اسی کے حوالے کرتا ہوں، خدا کے بندوں اور اس کے شہروں پر دست درازی نہ کرنا، اس نے مجھ سے اور تم سے دار آخرت کا وعدہ کیا ہے، اور فرمایا ہے، کہ عاقبت کی فلاح ان لوگوں کیلئے ہے، جو زمین پر سرکشی نہیں کرتے فساد نہیں کرتے، اور انجام خیر پرہیزگاروں کیلئے ہے ۔

جب یہ نصیحتیں اور بدایتیں فرما کے حضور پُرنور حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم خاموش ہو گئے، تو بعض اصحابؓ نے دریافت فرمایا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا وقت کب آئیگا ۔

فرمایا، فراق کا زمانہ آپہنچا، اور یہاں سے جانے کی جگہ سدرۃ المنتہیٰ رفیق اعلےٰ اور جنت الماویٰ ہیں ؛

پوچھا گیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو غسل کون دیگا؟ فرمایا، میرے خاندان والے، حضور کو کفن کس چیز کا دیا جائے؟ ارشاد ہوا، میرے کپڑوں جیسا، کوئی سفید کپڑا، اس کے بعد اصحابؓ میں سے کسی نے پوچھا، حضورؐ کی نماز جنازہ کون پڑھاوے، ارشاد ہوا، اسے جانے دو، خدا تمہاری مغفرت کرے، اور اپنے نبی سے تم کو جزائے خیر دے، ان دعائیہ کلمات کو سُنکر جب سب لوگ زار زار قطار رونے لگے تو آپ بھی روئے اور پھر فرمایا، مجھے میرے بستر پر (پلنگ) پر لٹا کے میری قبر کے کنارے رکھ دینا، اور تھوڑی دیر کیلئے چھوڑ کر چلے جانا، تاکہ حضرت جبرائیل، اسرافیل، میکائیل، عزرائیل اور سب فرشتے نماز جنازہ پڑھ لیں، اس کے بعد گروہ گروہ آنا، اور نماز جنازہ پڑھنا، اور مجھے گریہ زاری سے تکلیف نہ دینا، بس اب میرا سلام قبول کرو، اور میرے اصحاب سے جو لوگ یہاں موجود نہیں ہیں، اُن کو بھی میرا سلام پہنچا دینا، اور اُن لوگوں کو بھی جو دین اسلام قبول کرنے میں اس وقت کے بعد تمہاری پیروی کریں ؛

وفات پیغمبر عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

وفات حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم سے پانچ روز قبل جمعرات کے دن آپ کی حالت بہت ہی نازک ہو گئی، مرض کی شدّت تھی، ایسی حالت میں آپ نے ارشاد فرمایا، دوات اور سفید کاغذ لاؤ، میں تمہیں ایک ایسی تحریر لکھدوں، کہ میرے بعد کبھی گمراہ نہ ہو، یہ ارشاد سُنکر لوگوں میں اختلاف ہوا، کہ لکھنے کا سامان پیش کیا جائے یا نہیں، کیونکہ باوجود اُمّی ہونے کے آپ لکھنے کو فرماتے ہیں، یہ ہوش کی بات سمجھی جائے، یا بیہوشی کی، اسی اختلاف کے باعث لوگوں میں جھگڑا ہونے لگا، بعض اصحاب نے کہا، یہ بیہوشی

کی باتیں ہیں، بعض بار بار حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھنے لگے، کہ حضور کا کیا حکم ہے؟
اس پر آپ نے فرمایا، بس مجھے میرے حال پر پڑا رہنے دو، جس حالت میں ہوں، اسی میں اچھا ہوں
جو تم چاہتے ہو، اس کے بعد آپ نے وصیت فرمائی "کہ جزیرۃ العرب کو مشرکوں سے خالی کرا
لینا اور قبائل عرب کے جو وفود آئیں، اُن کے ساتھ وہی سلوک ہو جیسا کہ ہوتا رہا ہے"۔

ایک دن حضرت ابوبکر صدیقؓ کی بیوی اسماء بنت عمیس نے آپ کی حالت دیکھ کر کہا، کہ آپ
کو ذات الجنب کا مرض ہے، اور اس کیلئے ضرورت ہے، کہ منہ میں دوائی ڈالی جائے، چنانچہ
جب اسماء کی تجویز کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دہن مبارک میں دوا ڈالی گئی، اور اس سے
جب کسی قدر مرض میں افاقہ ہوا، تو آپ نے ناگواری سے دریافت فرمایا، میرے منہ میں دوا
کیوں ڈالی گئی، عرض کیا گیا، خیال تھا، کہ حضور کو ذات الجنب کا مرض ہے، اسی کا یہ علاج کیا
گیا تھا، اس پر ارشاد ہوا خدا ذات الجنب کو مجھ پر حاوی نہ کریگا، پھر فرمایا، کہ میرے منہ میں دوا دینے
کی سزا یہی ہے، کہ گھر بھر میں جتنے لوگ ہیں، سب کے منہ میں دوا ڈالی جائے، چنانچہ
ارشاد رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی تعمیل میں حضرت عباس رضی اللہ تعالے تک اس
سزا سے نہ بچ سکے۔

اسامہؓ نے جب ہادی اسلام حضور پر نور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ
حالت سنی تو کوچ کرنا کیسا؟ مقام جرف میں ہی لشکر کا ساز و سامان چھوڑ کر مدینہ شریف
میں پلٹ آئے، اور آپ کے بستر علالت پر حاضر ہوئے، لیکن حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم اس
وقت بات نہ کر سکتے تھے، زبان مبارک گویا نہ ہوئی، مگر اپنے دست مبارک کو آسمان کی طرف
اٹھاتے، اور پھر اسامہؓ پر رکھ دیتے تھے، اسامہؓ نے سمجھ لیا، کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم میرے
لئے دعائے خیر فرما رہے ہیں۔

اپنی مبارک عمر کے آخری روز صبح سویرے ہی مرض میں سفید سکون معلوم ہوتا تھا، کہ
آپ نے حجرۂ عائشہ صدیقہؓ سے باہر نکلنے کی خواہش کی، اور عین اُس وقت جبکہ صبح کی نماز ادا ہو رہی

تھی، آپ کو اصحاب سہارا دیئے باہر لائے، تو آپ نے مسلمانوں کے نماز پڑھنے کی شان دیکھی، اور خوش ہو کر مسکرائے، ادھر مسلمانوں کی یہ حالت تھی، کہ قریب تھا کہ فرطِ جوش سے اُنکی نماز ٹوٹ جائے، مگر تھوڑی دیر کے بعد آپ شاداں و فرحاں گھر میں تشریف لے گئے ؛

یہ حالت دیکھ کر جاں نثارانِ پیغمبر کو بھی اطمینان ہو گیا، نہ فقط سب مسلمان خوش خوش اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے، بلکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی مطمئن ہو کر اپنے مکان محلہ سنخ میں تشریف لے گئے ؛

لیکن دراصل یہ سنبھالے کا عالم تھا، تھوڑی ہی دیر کے بعد آپ کی طبیعت ایسی بگڑی کہ عالم نزع شروع ہو گیا، اس وقت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا آپ کے پیچھے بیٹھی تھیں، اور حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے سینے پر تکیہ لگائے ہوئے تھے، ایک پیالے میں پانی بھر کے پاس رکھ لیا تھا، بار بار اس میں ہاتھ ڈالتے، اور پھر اس گیلے ہاتھ کو روئے مبارک پر ملتے ہوئے فرماتے "بار الٰہا سکراتِ موت کے برداشت کرنے میں میری مدد کر ؛

اسی حالت میں ایک دفعہ زبان مبارک سے نکلا ہائے تکلیف، حضور کی صاحبزادی جناب فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا بھی پاس بیٹھی تھیں، یہ سُنکر فرمانے لگیں، ہائے ابّا جان مجھے تو جو کچھ تکلیف ہے، آپ کی تکلیف سے ہے، فرمایا بیٹی اب اس کے بعد تمہارے باپ کو پھر کبھی تکلیف نہ ہو گی ؛

اس کے بعد جب آپ نے جناب سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا اندوہ ملال بڑھتے دیکھا، تو حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو قریب بُلا کر کان میں کچھ فرمایا جس کے سنتے ہی وہ زار و قطار رونے لگیں، اس کے بعد آپ نے پھر ان کے کان میں کچھ کہا، تو جناب سیدہ بے اختیار ہنس پڑیں[1]

[1] وفات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دو چار روز بعد جناب سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا نے فرمایا تھا کہ پہلی بار حضور نے مجھے اپنی وفات کی خبر سنائی تو میں روئی، دوسری بار جب فرمایا کہ سب سے پہلے اس عالم میں تم ہی مجھ سے آ کے ملو گی، تو میں خوش ہوئی، غالباً اس موقعہ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب سیدہ سے یہ بھی فرمایا تھا، کہ جنت میں تم ساری عورتوں کی سردار ہو گی ؛

اتنے میں ابوبکر صدیق رضؓ کے فرزند حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو آئے، اُن کے ہاتھ میں مسواک تھی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس مسواک کو شوق کی نظر سے دیکھا، تو حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ نے وُہ مسواک لے کر اپنے دانتوں سے کُچل کر نرم کر کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دی، آپ مسواک کرنے لگے، تھوڑی دیر کے بعد جب مسواک کو رکھدیا، تو حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم مبارک بھاری معلوم ہوُا، گھبرا کر جب چہرہ مبارک پر نظر ڈالی، تو آنکھوں کی پُتلیاں بدل چکی تھیں، اور زبان مبارک پر یہ آخری کلمہ تھا، اَللّٰھُمَّ الرَّفِیق الاَعلیٰ ؂

حضرت عائشہ رضؓ نے آپ کو اکثر یہ فرماتے سنا تھا، کہ کسی پیغمبر کی روح اُس وقت تک قبض نہیں ہوتی، جب تک خُداوند کریم اس کی زندگی و موت کا اختیار نہ دے، اور وُہ خُدا کے پاس جانے کو اختیار نہ کرے ؂

چنانچہ جب حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زبان مبارک سے یہ آخری کلمہ سنا تو بے اختیار ہو کر فرمانے لگیں "تو آپ نے ہمیں چھوڑ کر خُدا کو اختیار کر لیا"۔ اتنے ہی وقفہ میں حضور پُر نور آنحضرت محمد مصطفٰے صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی روح پر فتوح نے جسم اطہر سے پرواز کیا ؂

پیغمبر آخر الزمان شاہ ہر دوسرا محبوب خُدا حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی وفات حسرت آیات ۱۲ ربیع الاوّل ۱۱ سنہ ہجری بروز دوشنبہ (پیروار) مطابق ۸ جون ۶۳۲ سنہ ء بوقت چاشت واقع ہوئی ؂

اِس وقت آپ کی عمر مبارک ترےسٹھ ۶۳ برس اور پانچ یوم کی تھی[1]،

اِس حادثہ جانکاہ پر جناب فاطمۃ الزہرا و حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہما کے جو

[1] قاضی محمد سلیمان صاحب مؤلف رحمت اللعالمین نے حضور پر نور صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی دُنیاوی مدت العمر و زمانہ تبلیغ رسالت کی مدت معینہ کا اندازہ لگانے میں بڑی محنت کی ہے، چنانچہ اُنہوں نے حضور پر نور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مدت قیام در دُنیا بائیس ہزار تین سو تیس دن چھ گھنٹے (۲۲۳۳۰ دن ۶ گھنٹے) اور مدت تبلیغ کے آٹھ ہزار ایک سو پچپن دن (۸۱۵۵ دن) نکالے ہیں ؂

جو نوحۂ غم و نامۂ اندوہ بیان فرمائے ہیں، اُن کا مختصر ترجمہ یہ ہے :-

از جناب فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا

یا ابتاہ اجاب ربا دعاہ	ترجمہ :- پیارے باپ دعوت حق کو آپ نے قبول کیا!
یا ابتاہ من جنت الفردوس ماواہ	پیارے باپ آپ نے جنت الفردوس میں نزول فرمایا!
یا ابتاہ الی جبریل ننعاہ	آہ آپکے انتقال کی خبر جبرائیل کو کون پہنچا سکتا ہے!

الٰہی فاطمہ (رض) کی روح محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کی روح کے پاس پہنچا دے !

الٰہی مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار سے مشرف مسرور بنا دے !

الٰہی مجھے اِس مصیبت کے ثواب سے تو محروم نہ کر، اور محشر کے دِن مجھ کو شفاعت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بے نصیب نہ رکھ !

از جناب عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰے عنہا

آہ وُہ نبی (صلے اللہ علیہ وسلم) جس نے فقر کو غنا پر اختیار کیا، اور درویشی کو تونگری پر اختیار فرمایا !

حیف وُہ دین پرور، جو گنہ گار اُمّت کے فکر میں کبھی پوری رات آرام سے نہ سویا

آہ! جس نے ہمیشہ بڑے استقامت و استقلال سے نفس کے ساتھ محاربہ کیا !

آہ! جس نے منہیات کو ذرا بھی نگاہِ التفات سے نہ دیکھا !

جس کے ضمیر منیر کے دامن پر مخالفین کے ایذا و اضرار کا ذرہ بھی غبار نہ بیٹھا !

جس نے احسان کے دروازے ارباب فقر و احتیاج پر کبھی بند نہ کئے !

جس کے موتیوں سے چمکیلے دانت پتھر سے توڑے گئے !

افسوس، جسنے کبھی دو دن برابر نانِ جویں سیر ہو کر نہ کھایا، آج دُنیا سے رخصت ہو گیا ! (مدارج النبوت)

غرضیکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پاک سے مدینہ طیبہ میں کہرام مچ گیا ہر شخص بیتاب و مضطرب تھا، کہ کیا کرے اور کیا نہ کرے ؛

کچھ صحابہ کرام (رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین) تو حیران و پریشان ہو کر جنگلوں میں چلدیئے اور کچھ سراسیمہ و ششدر جہاں کھڑے تھے وہیں کھڑے کے کھڑے رہ گئے کسی کی سمجھ میں نہ آتا تھا، کہ اب کیا ہوگا ؛

اسی اثنا میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بھی اسی متحیر اور مضطربانہ حالت میں تشریف لائے اور جب لوگوں کو آپ نے یہ کہتے سنا، کہ جناب رسالتمآب دُنیا سے رخصت ہو گئے، تو نہایت طیش کے ساتھ تلوار کھینچ کر مسجد نبوی میں کھڑے ہو گئے، اور چلا چلا کر فرمانے لگے "یہ منافقوں کا خیال ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مر گئے" خدا کی قسم آپ نہیں مرے بلکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح آپ خداوند تعالےٰ کے پاس تشریف لے گئے ہیں، تھوڑی دیر میں واپس آئینگے، اور جو لوگ آپ کے مرنے کی خبر اڑا رہے ہیں اُن کو سزا دیں گے ؛

اتنے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ یہ سانحہ روح فرسا سنکر اپنے گھر سے تشریف لائے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ دعوے کرتے دیکھا، لیکن سوائے کچھ کہے حجرہ عائشہ صدیقہ رضی میں تشریف لے گئے ؛

وہاں دیکھا، کہ جسم مبارک چادر میں لپٹا بچھونے پر رکھا ہے، سرہانے کی طرف سے چادر الٹ کے چہرہ انور دیکھا، تو جُھک کے بوسہ دیکر فرمایا "میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں، آپ زندگی میں بھی اچھے تھے، اور مرنے پر بھی اچھے ہیں، اللہ تعالےٰ نے جو موت آپ کے حق میں لکھدی تھی، پوری ہوئی" پھر اسی طرح چادر روئے مبارک پر ڈالدی اور مسجد میں آئے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو وہی کچھ فرماتے دیکھا، تو فرمایا چپ رہیئے، مگر حضرت عمر نہایت جوش میں تھے، اُنہوں نے جیسے سنا ہی نہیں، اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سب لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے، اور بعد حمد و نعت فرمایا :-

لوگو! جو کوئی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پوجتا ہو، وہ سُن لے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو گئے اور جو خُدا کو پوجتا ہو، وہ جان لے کہ وہ زندہ ہے اور کبھی نہ مرے گا ؛

اِس کے بعد قرآن شریف کی یہ آیت پڑھی "

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۗ اَفَاۡئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ۗ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْئًا ۗ وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ٥

سورہ آل عمران ع ۱۵

ترجمہ:۔ نہیں ہیں محمد مگر رسول ان سے پہلے بھی پیغمبر گذر چکے ہیں، اگر وہ مرجائیں، یا مارڈالے جائیں تو کیا تم اُلٹے پاؤں واپس ہو گے، اور جو کوئی اُلٹے پاؤں واپس جائیگا وہ اللہ کو کچھ بھی نقصان نہ پہنچائیگا، اور عنقریب اللہ شکر کرنیوالوں کو جزائے خیر دیگا ؛

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی یہ تقریر سنتے ہی سب کے حواس ٹھکانے ہوئے، اور ایسا معلوم ہوا، کہ جیسے کسی نے پہلے یہ آیت سنی ہی نہ تھی[1] ؛

اِس کے بعد لوگوں میں یہ چہ میگوئیاں ہوئیں، کہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کہاں دفن کئے جائیں، انصار چاہتے تھے، کہ آپ مدینہ شریف میں ہی دفن ہوں، اکثر مہاجرین کا تقاضا تھا کہ آپ مکہ معظمہ میں لے جاکر دفن کئے جائیں، ایک گروہ نو مسلم یہ کہتا تھا، کہ آپ کو بیت المقدس میں دفن کرنا چاہیئے، جہاں سے آپ کو معراج ہوئی، اور جو سرزمین تمام انبیاے سلف کی خوابگاہ ہے ؛

لیکن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے خود حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے، کہ تمام پیغمبر اسی جگہ دفن ہوئے ہیں، جہاں اُنکی روح قبض ہوئی تھی ؛

آخر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی رائے سے سب نے اتفاق کیا، کہ آپ کو حجرہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا میں جس جگہ کہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کا بچھونا تھا

---

[1] خود حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا قول ہے، کہ آیت سنتے ہی جیسے میرے پاؤں کٹ گئے، میں زمین پر گر پڑا، اور لاکھ کوشش کرتا تھا، مگر پاؤں میں اُٹھنے کی طاقت نہ تھی، اس گھڑی مجھے معلوم ہوا، کہ واقعی رسول اللہ نے دنیا سے انتقال فرمایا ؛

اسی جگہ دفن فرمایا جائے، چنانچہ اسی رائے کے مطابق ابو طلحہ انصاریؓ نے بچھونا ہٹا کر قبر کھودنا شروع کر دی ؛

اب اس بات میں اختلاف ہوا، کہ غسل میت کیلئے آپ کے بدن مبارک سے کپڑے جدا کیے جائیں، یا نہیں، اس اختلاف پر کسی طرح اتفاق ہی نہ ہوتا تھا، ناگہاں تمام حاضرین پر ایک غنودگی سی طاری ہوگئی، اور اس غنودگی کے عالم میں کسی کو بلند آواز میں یہ کہتے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کپڑے پہنے ہوئے ہی غسل دو، اس آواز کو ندائے غیبی سمجھ کر اسی پر عمل کیا گیا ؛

چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وصیت فرمائی تھی، کہ میرے قرابت دار اور میرے گھر والے مجھے غسل دیں، اس ارشاد کے مطابق دیگر سب اصحاب اس وقت علیحدہ ہو گئے ؛

صرف حضرت علی کرم اللہ وجہہ حضرت عباسؓ اور اُن کے دونوں فرزند فضل اور قثم اور آپ کے غلام اسامہ بن زید اور شقران غسل میت میں شریک ہوئے ؛

انصار میں سے فقط ایک صاحب اوس بن خولی اس موقعہ پر البتہ موجود تھے، ان کا شمار غزوہ بدر میں تھا ؛

غسل یوں ہوا، کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ جسم اطہر مل مل کر دھوتے تھے، حضرت عباسؓ اور ان کے دونوں فرزند آپ کے جسم مبارک کو ادھر اُدھر پلٹاتے، اور کروٹیں دلاتے تھے، اسامہ اور شقران پانی ڈالتے تھے، اسی اثنا میں حضرت علیؓ آپ کی صفائی و پاکیزگی دیکھ دیکھ کر بار بار فرماتے تھے، میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں، آپ زندگی میں کیسے پاک صاف تھے، اور مرنے پر بھی کیسے پاک صاف ہیں ؛

اس کے بعد آپ کو کفن پہنایا گیا، پہلے دو کپڑے خاکستری رنگ کے پہنائے گئے اور ان کے اوپر ایک لمبی چادر لپیٹی گئی، جس کے کئی پیچ دیدیئے گئے، یوں نہلا دھلا کر اور کفنا کے جنازہ قبر مبارک کے برابر رکھدیا گیا، آپ کی وصیت کے مطابق تھوڑی

دیر کیلئے جنازہ تنہا چھوڑ دیا گیا، پھر اس کے بعد مرد و زن اور بوڑھے بچے گروہ کے گروہ آ کر نماز جنازہ پڑھنے لگے۔

جب نماز جنازہ سے فراغت ہو چکی تو قبر میں اتارنے کیلئے حضرت علیؓ و فضلؓ و قثمؓ اور شقران قبر میں اترے، اس موقعہ پر اوس بن خولی انصاری نے اپنے اور حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلقات کا واسطہ دلا کر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے قبر میں اترنے کی اجازت مانگی اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی اجازت حاصل کر کے اوس بھی قبر میں اترے اور حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک کو ان سب نے احتیاط سے اتارا، اس کے بعد لحد کا پہلو بند کر کے یہ سب اصحاب اوپر نکل آئے اور مٹی دی جانے لگی، تھوڑی دیر میں آفتاب رسالت خاک میں پنہاں ہو گئے۔

تدفین مبارک شب چہار شنبہ کو قریباً ۳۲ گھنٹے بعد از انتقال عمل میں آئی۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۝

شمائل پیغمبر عالم صلی اللہ علیہ وسلم حضور پر نور صلے اللہ علیہ وسلم ظاہر باطن میں سب لوگوں سے بہتر تھے آپ میں صبر، بردباری، درگزر، فروتنی، شرم، مروّت، مہربانی، متانت، حسن ادب، جوانمردی دلیری، اور دیگر صفات حسنہ اسقدر جمع تھیں، کہ کسی ایک شخص میں نہ جمع ہوئیں، اور نہ ہونگی۔

آپ کا بدن مبارک ہمیشہ پاک و صاف رہتا تھا، اور آپ صاف ستھرے کپڑے پہنا کرتے تھے، فصیح زبان و نیز ہوش میانہ اور خوش خو تھے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، کہ میں نے آنحضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دس برس خدمت کی، مگر آپ نے مجھ سے کبھی اُف تک نہ فرمایا، اور نہ یہ فرمایا، کہ فلاں کام کیوں کیا، اور فلاں کام کیوں نہ کیا۔

ایک روز ایک اعرابی نے حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت مبارک سے چادر کو اس طرح کھینچا، کہ چادر کے حاشیہ کا نشان گردن پر پڑ گیا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اعرابی

کے سینہ کی طرف مڑ گئے، اس نے عرض کیا، اے محمدؐ جو مال تم کو تمہارے خدا نے دیا ہے اس میں سے کچھ مجھ کو بھی عطا کرو، آپ اس کی طرف متوجہ ہوئے، اور مسکرا کر اس کو کچھ دینے کا اشارہ فرمایا ؎

اہل مدینہ کی کنیزوں میں سے ایک کنیز تھی (جو ضعیف العمر تھی) اکثر اس کے بازار کے کام کر دیتے تھے، اور وہ جہاں چاہتی آپ کو لے جاتی، جنگ اُحد میں جب آپ زخمی ہو گئے تو لوگوں نے عرض کیا کہ مشرکین کیلئے بد دعا کیجیے، اس پر آپ نے فرمایا، خدا نے مجھ کو بد دعا کرنے کیلئے نہیں بھیجا، پھر فرمایا اے خدا میری قوم واقف نہیں ہے، اس کو راہ راست پر لا ؎

آپ نے اپنے ہاتھ سے کسی کو نہیں مارا حتیٰ کہ خادم تک کو اپنی زبان مبارک سے رنج نہیں پہنچایا، اور جو تکلیف آپ کو پہنچتی اس کا عوض کبھی نہ لیتے، جہاد کے سوا کسی وقت آپ نے کسی پر ہاتھ نہیں اٹھایا، ایک یہودی عورت نے بکری کے گوشت میں زہر ملا کر آپ کو دیا باوجود اس جرم کا اقرار کرنے پر بھی آپ نے اس عورت کو معاف کر دیا ؎

تنعم والوں نے آپ کے قتل پر کمر باندھی تھی، جب وہ گرفتار ہو کر آئے، تو ان کو رہا کر دیا ؎

آپ جب کسی سے مصافحہ کرتے تو اس وقت تک اپنا ہاتھ نہیں کھینچتے تھے، جب تک کہ وہ خود نہ کھینچتا، اور کبھی کسی نے آپ کو نہیں دیکھا، کہ آپ اپنے ہم جلیس سے پہلے اُٹھتے ہوں ؎

آپ اکثر خاموش رہتے تھے، آپ میں کنواری لڑکیوں میں سے بھی زیادہ شرم وحیا تھی ؎

جب کسی چیز کو آپ پسند کرتے تو لوگ آپ کے چہرہ مبارک سے جان لیتے، کثرت شرم سے آپ کسی کے چہرے پر نظر جما کر نہیں دیکھتے تھے، اور کسی کو ایسے الفاظ کے ساتھ مخاطب نہ کرتے، جو اس کو پسند نہ ہوں، بدی کا بدی کے ساتھ بدلہ نہ کرتے، بلکہ درگذر اور معاف کر دیتے، ان سخت موقعوں میں کہ جن میں بہادروں کے قدم اُکھڑ جاتے ہیں آپ اپنی

جگہ پر قائم اور ثابت قدم رہے ؎

آپ نرم گفتار، نیک عادت، خلیق اور دلجو تھے، لوگوں کے ساتھ تالیف قلوب کے ساتھ پیش آتے تھے، اور ہر قوم کے بزرگوں کی تعظیم کرتے، اور سب کے ساتھ بیٹھتے، جو جس کے لائق ہوتا، اُس کے موافق برتاؤ کرتے، مانگنے والوں کی حاجت پوری کرتے، اور اگر پوری نہ کرتے تو شیریں کلامی سے دریغ نہ فرماتے، جو کوئی آپ کو پکارتا، آپ لبیک (حاضر) فرماتے، اپنے دوستوں سے ملتے، اور ہمکلام ہوتے، ان کے بچوں کو کھلاتے، اور اپنی گود میں ان کو بٹھاتے، ہر آزاد و غلام اور کنیز و مسکین کی دعوت قبول فرمالیتے، اپنے نوکر کے ساتھ طعام تناول فرماتے، عیادت کیلئے مدینہ میں بہت دُور دُور تک تشریف لیجاتے، عذر کرنے والوں کا عذر قبول فرماتے، اور اپنے دوستوں کے ساتھ سلام اور مصافحہ کرنے میں سبقت کرتے تھے جو کوئی آپ کے پاس آتا، اس کی عزت کرتے، اور کبھی اس کیلئے چادر بچھاتے، اور اپنا تکیہ اس کیلئے بڑھا دیتے، دوستوں کو بہترین نام اور کنیت کے ساتھ یاد فرماتے، اور کسی کی بات کو قطع نہ کرتے، آپ سب لوگوں سے زیادہ خوش خلق اور ہنس مکھ تھے، جب آپ کی رضاعی بہن شیما کو لوگ لائے، تو آپ نے اس کیلئے چادر بچھائی، اور جب آپ کا رضاعی بھائی آیا، تو اس کی تعظیم کیلئے اُٹھے، اور اس کو اپنے پاس بٹھایا، ابولہب کی لونڈی ثوبیہ کو جس نے سب سے پہلے آپ کو دودھ پلایا تھا، ہمیشہ زرنقد اور کپڑا بھیجتے تھے، جب وُہ مرگئی، تو اُسکے اقربا کا حال دریافت فرمایا، مگر اِن میں کوئی باقی نہ رہا تھا ؎

آپ ہر شخص کے ساتھ تواضع سے پیش آنے کو پسند فرماتے تھے، ایک روز اپنے دوستوں کے ساتھ تشریف لے گئے، سب تعظیم کیلئے کھڑے ہوئے، تو آپ نے فرمایا، عجمیوں کی طرح کھڑا نہ ہونا چاہیئے، آپ فرمایا کرتے تھے، کہ میری حیثیت سے زیادہ میری تعریف نہ کرو، جیسے نصاریٰ مریم کے بیٹے کی تعریف کیا کرتے ہیں، میں ایک بندہ ہوں، اسلئے مجھ کو عبداللہ اور رسول اللہ کہا کرو، اور فرماتے تھے، کہ مجھ کو دوسرے پیغمبروں کے اوپر فضیلت مت دو ؎

ایک روز آپ بازار میں تشریف لیگئے، اور ایک پیرہن خرید کیا، بیچنے والے نے اپنی جگہ سے اُٹھ کر آپ کے ہاتھ کو بوسہ دیا، تو آپ نے ہاتھ کھینچ کر فرمایا، عجم والے اپنے بادشاہوں کے ساتھ ایسا ہی کیا کرتے ہیں، میں تم ہی جیسا ایک آدمی ہوں، یعنے تمہارا ہم جنس ہوں ؛

جب بنی عامر کے وفد نے کہا، کہ آپ ہمارے سیّد ہیں، تو فرمایا، سیّد خُدا ہے ؛

آپ کی مجلس نہایت مہذب ہوتی تھی، نہ کوئی چلا کر بات کرتا تھا، نہ کوئی کسی کی بُرائی کرتا تھا، جب آپ کلام کرتے تو تمام اہل مجلس ادب کے ساتھ اپنے اپنے سر نیچے کیئے ہوئے سنتے، اور جب کسی قوم کے ہاں آپ تشریف لے جاتے، تو مجلس کے اخیر میں بیٹھتے، اور ہر وقت نظر نیچی رکھتے، کسی طرف آپ کا دیکھنا، اس سے زیادہ نہ تھا، کہ ایک نظر دیکھ لیتے ؛

اکثر خاموش رہتے، اور جب کلام کرتے تو ایک ایک بات جدا ہوتی، کوتاہی فضول گوئی نہ ہوتی تھی، آپ ایسی سہولیت اور آہستگی سے باتیں کرتے کہ اگر کوئی چاہتا تو اِن کے حروف بھی شمار کر لیا کرتا، خوشبو کو آپ پسند فرماتے تھے، اور اکثر استعمال میں لاتے ؛

آپ سامان معشیت زیادہ نہیں رکھتے تھے، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ فرماتی ہیں، کہ کبھی آپ نے تین روز تک متواتر سیر ہو کر گیہوں کی روٹی نہیں کھائی، زیادہ تر آپ کی غذا کھجوریں اور پانی تھی، آپ کا بستر چمڑے کا تھا، اور اس میں کھجور کی چھال بھری رہتی تھی ؛

جود و ایثار بہت پسند تھا، اگلے دن کیلئے آپ کچھ باقی نہیں رکھتے تھے، ایک دفعہ نوّے ہزار درہم آپ کے پاس آئے، آپ نے ان کو چٹائی پر رکھ کر سب میں تقسیم کر دیئے ؛

ایک شخص آپ کی خدمت میں آیا، اور اُس نے کچھ مانگا، آپ نے فرمایا، کہ اس وقت تو نہیں ہے، لیکن جب میرے پاس آئیگا میں تجھ کو دونگا، حضرت عمرؓ نے عرض کیا، جس چیز کو

آپ نہیں کرسکتے، اس کی تکلیف آپ کو خدا نے نہیں دی، یہ بات آپ کو ناگوار معلوم ہوئی، تو ایک انصاری نے کہا، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ خوب دیجئے، اور اس کا خوف نہ کیجئے کہ اللہ روزی تنگ کریگا، یہ سنکر آپ نے تبسم فرمایا، اور آپ کے چہرہ انور پر خوشی کے آثار ظاہر ہوئے ؛

جوامع الکلم[1] آپ کا کلام جوامع الکلام تھا، چند اقوال بطور تبرک یہاں نقل کئے جاتے ہیں :-

(۱) اَلْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ	اعمال کا مدار نیت پر ہے ؛
(۲) النَّاس مَعَادِن	انسان کانیں ہیں، یعنی جس طرح ایک کان میں سے ایک ہی قسم کے جواہر نکلتے ہیں، اسی طرح ایک گروہ اور قبیلہ میں خاص خاص مذاق اور طبع کے لوگ ہوتے ہیں ؛
(۳) ماھلک امرء عرف قدرہٗ	جس نے اپنی قدر پہچانی، نجات پائی ؛
(۴) المستشار مؤتمن	مشورے کیلئے معتمد آدمی چاہیئے ؛
(۵) المرء مخیار مالم یتکلم	مرد نہ کہی ہوئی بات پر اختیار رکھتا ہے ؛
(۶) لاخیرا فی صحبۃ لایری لک ماتری لہٗ	ایسے شخص سے ملنا بیکار ہے، کہ جو کچھ تو اسکے واسطے چاہے، وہ تیرے واسطے نہ چاہے ؛
(۷) رحم اللہ عبدا قال خیرا فغنم اوسکت فسلم	نیک آدمی وہ ہے جس نے اچھا کام کیا اور فائدہ پہنچایا، چپ رہا اور رہائی پائی ؛
(۸) ذوالوجہین لایکون عنداللہ وجہا	منافق کی خدا کے سامنے کچھ عزت نہیں ہے ؛
(۹) الناس کاسنان المشط	لوگ کنگھی کے دندانوں کی مانند ہیں ؛

[1] جوامع الکلم ان کلموں کو کہتے ہیں جو الفاظ میں کم ہوں، اور معنے و مطلب کے لحاظ سے وسیع ہوں ؛

(۱۰) المرءُ مع من أحبّ ،	مرد اپنے دوست کے ساتھ ہے ؛
(۱۱) المسلمون تتکافؤ دماءهم ،	مسلمانوں کا خون باہم برابر ہے ؛
(۱۲) الید العلیا خیر من الید السفلیٰ ،	اونچا ہاتھ نیچے ہاتھ سے بہتر ہے ؛
(۱۳) خیر الامور اوساطها ،	اوسط کام سب کاموں سے بہتر ہے ؛
(۱۴) لا یلدغ المؤمن من جحر مرتین	مومن ایک سوراخ سے دو مرتبہ نہیں کاٹا جائیگا ؛
(۱۵) السّعید من وعظ لغیرہٖ	نیکبخت دوسرے سے نصیحت پکڑتا ہے ؛
(۱۶) الوحدۃ خیر من جلیس السّوء ،	بُرے ہمنشینوں سے تنہائی بہتر ہے ؛
(۱۷) ایاك کثرۃ الضحك فانہ یمیت القلوب	زیادہ نہ ہنسو کہ زیادہ ہنسنا دل کو مردہ کردیتا ہے
(۱۸) قل الحق وان کان مرًا	سچی بات کہو اگرچہ کڑوی ہو ؛
(۱۹) غضوا ابصارکم وکفّوا ایدیکم	آنکھ زمین پر اور ہاتھ آستین میں رکھ ؛
(۲۰) اکرمهم عند اللہ اتقاهم ،	خُدا کے نزدیک وہ زیادہ شریف ہے ، جو پرہیزگار زیادہ ہے ؛
(۲۱) حبك الشیٔ یعمی ویصم	صحبت تجھ کو اندھا اور بہرا کرتی ہے ؛
(۲۲) لا یرحم اللہ من لا یرحم النّاس	جو شخص آدمیوں پر مہربانی نہیں کرتا ، خُدا اس پر مہربان نہیں ہوتا ،
(۲۳) المؤمن للمؤمن کالبنیان یشد بعضہ بعضًا ،	مسلمان لوگ مثل ایک بنیاد کے ہیں ، کہ اجزا ان کے ایک دوسرے سے قوّت پکڑے ہوئے ہیں ؛
(۲۴) خیر العمل ما قل دوام ؛	اعمال میں سے بہتر عمل وہ ہے ، کہ جو اگرچہ تھوڑا ہو لیکن ہمیشہ ہونے والا ہو ؛
(۲۵) اذلم تستحی فاصنع ما شئت	اگر تجھے شرم نہیں ہے ، تو جو چاہے کر ؛
(۲۶) انزلوا الناس منازلهم	ہر شخص کی قدر و منزلت کا لحاظ رکھ ؛

(۲۷) المؤمن مرآۃ المؤمن،	مسلمان ایک دوسرے کیلئے آئینہ ہے ؛
(۲۸) کبرت خیانۃ ان تحدث اخاک حدیث هولك مصدق به وانت کاذب به	یہ بڑی خیانت ہے کہ اپنے بھائی سے جھوٹی بات کو اس طرح بیان کرے کہ وہ اس کو سچ سمجھے ؛

ازواج مطہرات سب سے پہلے حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہؓ بنت خویلد سے نکاح کیا، اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک پچیس برس کی تھی، اور حضرت ام المؤمنین خدیجۃ الکبریٰؓ کا سن شریف چالیس سال کے قریب تھا ؛

حضرت خدیجہؓ کے بعد حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے سودہؓ[۲] بنت زمعہ بن قیس سے نکاح کیا، اس کے بعد حضرت عائشہؓ[۳] صدیقہ بنت حضرت ابوبکر صدیقؓ سے، پھر حفصہؓ[۴] بنت حضرت عمر فاروقؓ ابن خطاب سے ؛

حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی پانچویں بیوی کا نام زینبؓ[۵] بنت خزیمۃ المحارث تھا، چھٹی بیوی کا نام ام سلمہؓ[۶] بنت ابی امیہ مخزومی، ساتویں کا زینبؓ[۷] بنت حجش آٹھویں بیوی کا نام جویریہؓ[۸] بنت الحارث، نویں بیوی کا نام ام حبیبہؓ[۹] بنت ابی سفیان تھا، دسویں بی بی کا نام حنیفہؓ[۱۰] بنت حجی، گیارہویں بیوی کا نام میمونہ تھا، بارہویں کا نام ماریہ[۱] بنت شمعون ؛

اولاد رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے پانچ صاحبزادے اور چار صاحبزادیاں ہوئیں؛ صرف ایک صاحبزادہ حضرت ابراہیم ماریہ بنت شمعون سے ہوا، باقی سب اولاد حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کے بطن سے ہوئی صاحبزادوں کے نام یہ تھے :-

حضرت قاسم، طیب، طاہر، عبداللہ، ابراہیم ؛

صاحبزادیوں کے نام: حضرت زینبؓ، رقیہؓ، ام کلثومؓ، فاطمہؓ ؛

صاحبزادے تو صغر سنی میں ہی وفات پا گئے، مگر صاحبزادیاں جوان ہو کر بیاہی گئیں ؛

---

[۱] ماریہ اور میمونہ میں اختلاف ہے کہ یہ دو تو نہیں، یا دونوں میں سے ایک ؛

سوانح ہادیٔ اسلام کو ختم کرنے سے پہلے یہ عرض کرنا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے۔ کہ حضور پرنور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے اس کثرت ازدواج پر بعض معترضین نے جو شرمناک الزام تراشے ہیں۔ وہ سراسر تعصب پر مبنی ہیں۔ حالانکہ حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جتنے نکاح کئے ان میں کوئی نہ کوئی مصلحت مضمر تھی۔

جن لوگوں نے حضور پرنور صلعم کی سیرت کا بہ نظر غائر مطالعہ کیا ہے۔ ان کو اس اقتضائے مصلحت کے تمام اسباب معلوم ہیں۔

لیکن جو لوگ سطحی نظر میں حضور پُرنور صلعم کی سنّت یعنی کثرت ازدواج پر معترض ہیں۔ ان کو آج سے تین ۳ برس پہلے اپنی مشرقی سوشیل حالت پر عموماً اور اس مغربی تہذیب و تمدن پر خصوصاً ایک نظر ڈال لینی چاہیئے۔ جن کی آج وہ تقلید کر رہے ہیں۔ یعنی نہ صرف مغرب میں کثرت ازدواج کا قانون نہ ہونے سے کتنی بدکاریوں اور سیہ کاریوں کے واقعات رونما ہو چکے اور ہو رہے ہیں۔ بلکہ مشرق میں نکاح بیوگاں کو قابل ندامت سمجھتے ہوئے ہندوستان کی کتنی نوخیز لڑکیاں تباہی کے غار میں گر چکی ہیں۔ ہم دعوے سے کہہ سکتے ہیں کہ ہندوؤں میں آریہ سماج کے بانی دیانندجی مہاراج نے ہادی اسلام خیر الانام علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے اسی قانون کثرت ازدواج سے ہی سبق حاصل کر کے نکاح بیوگاں کا قانون رائج کیا ہے اور یورپ میں بھی نکاح ثانی کے قانون کو بہتر تسلیم کیا جا چکا ہے۔

لہٰذا جوں جوں زمانہ بدلے گا۔ اور جس قدر سائینس آرٹ و دیگر علوم منازل ترقی کریں گے۔ اُسی قدر ہادیٔ اسلام خیر الانام کی متبرک زندگی اور ان کے اسوۂ حسنہ کی بہتری و برتری دنیا میں روز روشن کی طرح چمکتی رہے گی ؀

جلد اوّل ختم

وعد اللہ الذین آمنوا منکم و عملوا الصالحات لیستخلفنہم فی الارض

تاریخ اسلام

حصہ دوم

۱۱ھ تا ۴۰ھ

مطابق

۶۳۲ء تا ۶۶۲ء

مع

مکمل تاریخ خلفاء راشدین

مؤلفہ

(عبدالرحمن صاحب شوق امرتسری)

جسے باخذ حقوق

بنام ملک دین محمد اینڈ سنز پبلشرز و تاجران کتب لاہور کشمیری بازار

باہتمام ملک محمد عارف پرنٹر دین محمدی پریس سرکلر روڈ لاہور نے اپنے مطبع

سے طبع کرا کر کشمیری بازار لاہور سے شائع کیا :-

منصب خلافت کے متعلق

بعض ضروری معروضات

مقدس مذہب اسلام کے نکتۂ نظر میں خلافت اُس قوّت کا نام ہے۔ جو انسانی حقوق کی نگہداشت اور جماعتی نظام کی حفاظت کرتے ہوئے شرفِ انسانیت کو قائم رکھ سکے۔

مگر یہ قوّت بہت سے افراد میں بطور کونسل یا جماعت کے نہ ہونی چاہیئے بلکہ اس قوّت کو ایک ہی قابل ترین شخص کے قابو میں ہونا چاہیئے۔ جو اپنی زندگی کے پاکیزہ اقوال و افعال کے مطابق اس قوّت کا اہل ہو۔

خلفاء راشدین کا دورِ خلافت ایسی ہی چند پاکیزہ شخصیتوں سے وابستہ رہا ہے۔ جنہوں نے سلطنت و خلافت کو ایک ہی ہستی نے انجام دیا۔

لہذا تمام مسلمانان عالم اس دعوے میں حق بجانب ہیں۔ کہ ہمارے خلفاء راشدین کے زرّیں عہد خلافت کی مثال دنیا بھر میں کسی قوم کی تاریخ پیش نہیں کر سکتی جس قوم کے عہد سلطنت میں حکومت اور قوّت (خلافت) ایک ساتھ ایک ہی شخص نے انجام دی ہو۔

افسوس کہ موجودہ وقت میں اس جنگ یورپ میں تنگیٔ کاغذ کے باعث اس محدود صفحہ میں مفصل معروضات پیشِ نظر نہیں کی جا سکتیں۔

البتہ آئندہ صفحات میں خلافت کی تاریخ اور منصب و مسئلہ خلافت پر مفصل بحث کی گئی مطالعہ فرمائیے۔

شوق امرتسری

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تاریخ اسلام

جلد دوم

خلفائے راشدین

سنہ ۱۱ھ سے سنہ ۴۰ھ تک

مطابق

سنہ ۶۳۲ء تا سنہ ۶۶۲ء

بحث خلافت

آجکل مسئلہ خلافت میں بہت کچھ اختلاف پیدا ہو گیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ بعض مدبرین سیاسیات نے اس مسئلہ میں اپنے اپنے استدلال کے مطابق کھینچ تان کی ہے۔ لیکن بعض غیر مذاہب مصنفین نے تو اپنے عقائد کی تائید میں اس قدر متعصبانہ رائیں قائم کی ہیں جس کو پڑھ کر ایسے متعصب مصنفین کی مؤرخانہ قابلیت اور صداقت پر ماتم کرنا پڑتا ہے ؛

اسی اثناء میں حکومت کے محکمہ اشاعت کی طرف سے جو رسالہ الموسوم "مسئلہ خلافت پر دیانتدارانہ گفتگو" شائع ہوا ہے۔ اس نے بھی فن تاریخ کے ہر ایک متعلم کو حیرت میں ڈال دیا ہے۔ چنانچہ رسالہ مذکور میں لکھا ہے ؛

"مسلمانانِ ہند کا سلطان ٹرکی کو خلیفہ ماننا ایک نئی چیز ہے۔ اور یہ گذشتہ نصف صدی کی ایک جدت ہے یہ سیاسی پان اسلامی تحریک کی ترقی کا نتیجہ ہے

اور اس دعویٰ کی کوئی تاریخی شہادت نہیں ہے۔ کہ مسلمان ہند کیلئے خلافت میں سلطان ٹرکی کی دینوی اطاعت کا مفہوم پوشیدہ ہے؟

یہ فقرات ایک مشہور پروفیسر کے قلم سے نکلے ہیں۔ اور ہمیں افسوس ہے کہ فاضل پروفیسر نے مذہبی تعصب سے تاریخی واقعات پر پردہ ڈالنے کی ناکام کوشش کی ہے ؛

خلافت کا مسئلہ مسلمانوں کے لئے ایک ضروری مسئلہ ہے۔ اس لئے عقل سلیم رکھنے والے۔ ہر شخص کی توجہ نہایت سنجیدگی سے اس مسئلہ کے متعلق منعطف ہونی چاہیئے ؛

کیونکہ یہ ایک ایسا جذبہ ہے۔ جو مسلمانوں کے روحانی تعلقات سے وابستہ ہے ؛

خلافت کا حقیقی آغاز شامی النسل قوموں کے خصائل و قوانین سے معلوم ہوسکتا ہے۔ جو مذہبی تقدس اور حکمرانی کو لازم و ملزوم سمجھتے تھے انفرادیت کا غلبہ شامی النسل قوموں میں بہت زیادہ ہے۔ لیکن حسیات مذہبی کے سامنے انفرادیت ہمیشہ سر تسلیم خم کرتی رہی ہے۔ شامی النسل قوموں کے درمیان اصول انتخاب کسی نہ کسی صورت میں ہمیشہ موجود رہا ہے۔ اور جبکہ یہ انتخاب خلافت اور اس انتخاب کے ساتھ ہمیشہ ایک قسم کا مذہبی اقتدار بھی شامل رہا ہے ؛

قدیم ایام میں بھی اس منصب خلافت کا پتہ چلتا ہے۔ اہالی فنیقیا جن میں اہل قرطاجنہ بھی شامل ہیں۔ ان میں بھی ضوابط سیاسیہ کے کثیر اقسام موجود تھے جن کو دیکھ کر قدیم یونان کی یاد تازہ ہوتی ہے۔ ان لوگوں میں حب الوطنی کا خاص جذبہ اپنے ملکی معنی میں غالباً اتنی قوت کے ساتھ موجود نہ تھا۔ لیکن رومتہ الکبریٰ

کے خلاف اہل تقیشیا کی جنگ (جس میں قرطاجنہ تباہ ہوا) اور اسکندر کا عہد خلافت ٹاٹر کی ہلاکت آمیز کشمکش سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ اُن کو اس بات کا پورا احساس تھا

زاں بعد اسلام نے عربوں کے عادات و خصائل میں بہت بڑے تغیرات پیدا کئے اور ساتھ ہی جوش مذہبی کی قومی خصوصیت کا بھی اُن میں کافی احساس ہوا۔

اسلام سے پیشتر عربوں کا کوئی قومی مذہب نہ تھا حضور پرنور آنحضرت محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مذہب اسلام کے ساتھ تمام عرب کو ایک ایسے سیاسی رشتہ اتحاد میں جکڑ دیا جس کی یکجہتی اور مضبوطی کو کسی وقت بھی کم کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے ؛

مذہب اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جس نے عربوں کے معاشرتی اخلاقی اور سیاسی حالات کو بہترین بنا دیا حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرقہ بندی اور قبیلہ کی طرفداری کے حامی نہ تھے۔ بلکہ آپ نے عام انسانوں کو مرکز اتحاد پر لانے کی عملی کوشش کی ہے۔ جہاں وہ اپنے خاندان اہل قریش کو نیک طینت نیک کردار اور ذی عزت دیکھنا چاہتے تھے اُسی صف میں حضرت سلمان رضی اللہ عنہ اور حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ کو بھی حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جگہ دی ہے ؛

مذہب اسلام ایک دین اور آئین شریعت ہے اسلام نے جرائم کی سزائیں اور لوگوں کے حقوق و فرائض قائم کر دیئے ہیں لیکن ہر ایک معتقد اپنے ظاہری معاملات میں خود ہی حکم نہیں بن سکتا۔ یہ اس لئے کہ بعض اوقات نفسانی خواہشات اور برے ارادے انسانی طبیعت پر غالب آکر اُسے امر حق کی جانب سے چشم پوشی کرنے اور حد اعتدال سے بڑھ جانے کی ترغیب دیتے ہیں اس لیے جب تک کوئی ایسی قوت نہ پائی جائے جو حدود شرعی کو قائم کر سکے اُس وقت تک تشریح احکام کی حکمت مکمل نہیں ہوسکتی اور وہ قوت ایسی ہونی چاہیئے۔ جو

نظام جماعت کی محافظت اور حق و واجبی احکام کا اجرا کر سکے، پھر یہ قوت بہت سے افراد میں بطور طوائف الملوکی نہ ہونی چاہیئے۔ بلکہ ایک ہی شخص کے قابو میں رہنی ضروری ہے۔ جو سلطان یا خلیفہ کہلاتا ہے ۔

مسلمانوں کے یہاں خلیفہ کو معصوم نہیں مانا جاتا، نہ اُسے مہبط وحی تسلیم کیا جاتا ہے، اور نہ اُسے اسلام نے یہ حق دیا ہے، کہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تفسیر میں اوروں کی نسبت زیادہ اختیارات اور امتیاز و شرف رکھنے کی آرزو کرے ۔

البتہ خلیفہ کیلئے عالم ہونا شرط ہے، یعنی اُس کو زبان عربی اور اس کے متعلقات کا ایسا علم ہو، جس کے ذریعے سے وُہ استنباط احکام کے وقت حسب ضرورت قرآن شریف وسنت کے مطالب بآسانی سمجھ سکے، تاکہ بذاتِ خاص حق و باطل اور صحیح و فاسد میں امتیاز کر سکے، اور سہولت کے ساتھ اُس عدل کو قائم کر سکے، جو دین اور قوم دونوں اُس سے طلب کرتے ہیں، دین اسلام نے خلیفہ کو کتاب اللہ کے سمجھنے اور احکام استنباط کرسکنے میں کوئی مزید خصوصیت اور امتیازی درجہ عطا نہیں کیا، بلکہ اس کے متعلق جیسے اور لوگ سمجھنے کی کوشش کرتے ہوں، ویسا ہی ایک فرد وُہ بھی ہے، پھر وُہ خلیفہ یا مسلمان حکمران اُسی وقت تک قابل اطاعت ہے۔ جب تک کتاب اللہ اور سنت کی مقرر کی ہوئی شاہ راہ سے انحراف نہ کرے، بلکہ اعتدال کے مسلک پر عمل کرے، خلاف اس کے اگر وُہ ذرا بھی صراط مستقیم سے الگ ہو، تو عام مسلمانوں کو اختیار رہے، کہ وُہ اُسے فوراً سیدھا کر دیں، احکام اسلام سے خلاف ورزی کرنے کی صورت میں مسلمانوں پر اُس کی اطاعت واجب نہیں ہے، بلکہ اُن پر واجب ہے کہ ایسے خلیفہ یا حاکم کو معزول کر کے اُس کی جگہ دوسرا لائق اور صالح خلیفہ مقرر کر دیں، مگر اس انتخاب میں اس بات کی احتیاط رکھنا ضروری ہے، کہ آیا اُس خلیفہ کے عزل

اور دوسرے خلیفہ کے نصب کرنے میں کوئی ایسا فساد تو نہ پیدا ہوگا، جو اُس کے علیحدہ کرنے کی مصلحت پر بھی فوق لے جائے[1]؛

ہر ایک صحیح النظر شخص کبھی مسلمان خلیفہ کو اُس عہدہ کی سطح پر نہیں لا سکتا، جس کو اہل یورپ "تھیوکراٹیک" یعنی سلطان الٰہی کے نام سے موسوم کرتے ہیں، اہل یورپ کے خیال میں "تھیوکراٹیک" ایسا مرد واحد ہوتا ہے، جو بلا واسطہ خُداوند پاک سے اصول مذہبی کی تعلیم حاصل کرنے اور مذہبی قوانین نافذ اور وضع کرنے کا اختیار کامل رکھتا ہے، لوگوں پر اُس کی اطاعت جزو ایمان قرار دی گئی ہے، نہ یہ کہ محض بیعت کر لینے اور طلب عدل و داد کی غرض سے اُسکی فرمانبرداری کرنی واجب ہو، اسلئے ایک مومن شخص کسی طرح بھی اس دینی فرمانروا کی مخالفت نہیں کر سکتا؛

اگرچہ اُس پر یہ بھی ثابت ہو جائے، کہ مقدس پیشوا دین الٰہی کا دشمن اور اُسکے احکام و شرائع کا تارک اور ایسا گمراہ ہے، کہ اُس کے اعمال و اقوال کو اصول شریعت سے کوئی مناسبت ہی نہیں، کیونکہ مسیحی مذہب میں دینی فرمانروا کا قول اور فعل دونوں خواہ کسی صورت میں ظاہر ہوں دراصل وہی دین و شرع سمجھے جاتے ہیں؛

قرونِ وسطےٰ میں کنیسہ کی فرمانروائی ایسی ہی مانی جاتی تھی، اور آج تک رومن کیتھلک چرچ اُسی غلبہ اور قوت کا مدعی ہے؛

تمدّن جدید نے یہ کارگذاری کی ہے، کہ دینی اور دنیاوی حکومتوں کو ایک دوسرے سے الگ الگ کر دیا؛

کنیسہ کو صرف انہی عقاید اور اعمال پر حق حکومت دیا گیا، جو بندہ اور خُدا کے مابین قابل عملدرآمد ہیں اور جن کی پابندی از روئے مذہب اس پر واجب ہے، اب

[1] حضور پُرنور صلے اللہ علیہ وسلم کی حدیث لاطاعۃ المخلوق فی معصیۃ الخالق - بروایت بخاری مسلم شریف یعنی اگر اس حاکم یا خلیفہ کا کنبہ اور قبیلہ اس قدر زبردست ہے، کہ بحالت برہمی وہ قوم کو بالکل تباہ کر ڈالیگا، تو اس خوف سے اس کو چھیڑنا مصلحت نہیں؛

کنیسہ کو اختیار ہے، کہ وہ اِن اُمور میں جس امر کو چاہے منسوخ کرے، اور جو چاہے اضافہ کرے، اور جیسی اُس کی مرضی ہو اُسی طرح کی نگرانی اور محاسبہ قائم کرے۔ جسے چاہے کچھ دے، اور جس کو چاہے، محروم کر دے، اسی طرح دنیاوی حکومت کو انسانوں کے باہمی معاملات اور اُن اُمور کی بابت قانون بنانے کا اختیار دیا گیا ہے۔ جو اُن کے نظام اجتماعی کو خرابی سے محفوظ رکھ کر اُن کے امور معاش کو درست طریقہ پر چلا سکے، دنیاوی سلطنت کو امور معاش اور دینی معاملات میں ذرا بھی مداخلت کرنے کا حق نہیں، اور اس طرح دینی یا کنیسہ کی حکومت دنیاوی کاروبار کے تعلقات اور امور معاش میں کوئی دخل نہیں دے سکتی "۔

اہلِ یورپ نے حکومتوں کے اس فیصلہ کو اپنے خیال میں بہت ہی خیر و برکت کا موجب سمجھا ہے، حتّٰی کہ اُن کے نزدیک یورپ کی ترقی اور تمدّن کا منبع یہی اَمر ہے، اور اسی بناء پر وہ اسلام کے سر پر یہ الزام تھوپنے کی کوشش کرتے ہیں، کہ اُس نے ایک ہی شخص میں دونوں حکومتوں کو جمع کرنا ضروری قرار دیا ہے، جس کے معنی وہ اپنے زعم باطل میں یہ سمجھتے ہیں، کہ ایک مسلمان کی رائے میں سلطان ہی دین کو مقرّر کرنے والا اُس کے احکام کا واضع اور پھر خود ہی اُن احکام کو نافذ کرنے والا بھی ہے، اِن اُمور کو انجام دینے کیلئے عام مسلمانوں کی دلی اطاعت حاصل کرنیکا جو آلہ اُس کے ہاتھ میں موجود ہے، وہ قوّت ایمان ہے، جس کے وسیلہ سے وہ ان کو اپنے شکنجہ حکومت میں جکڑ لیتا ہے، اور عقل و فہم کو سر اُٹھانے کا موقع نہیں دیتا غرضیکہ عقل اور ضمیر اُس کے نزدیک ناقابل التفات چیزیں ہیں، یہ کلیہ قائم کر کے وہ لوگ مسلمانوں کو اپنے دینی فرمانروا کا غلام قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں، کہ مسلمانوں کا دینی حکمران علم و ہنر کا دشمن ہے، وہ ہمیشہ اُس کے نابود کرنے کے درپے رہا اور جہالت و نادانی کا جذبہ دار بنا رہا، لہٰذا جس وقت تک اسلام کا یہ اصول قائم رہیگا

اُس وقت تک یہ مذہب کبھی علم وہنر کے ساتھ آسانی اور سہولت کا برتاؤ نہیں کرسکتا؛

لیکن یہ خیال اور وہم سراسر غلط اور بے بنیاد ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کی اصل کے معنے مخالفین سمجھ ہی نہیں سکے ؛

اسلام میں بجز نیک نصیحت کرنے، نیکی کی طرف بلانے اور بدی سے دُور رہنے کی ہدایت کرنے کے، اور کسی قسم کی دینی حکومت رکھی ہی نہیں گئی، بلکہ اپنی حکومت کا اقتدار تو خداوند کریم نے ایک ادنیٰ درجہ کے مسلمان کو بھی اُسی درجہ تک عطا کیا ہے، جیسا کہ ایک عالی مرتبت مسلمان کو دیا گیا ہے ؛

مخالفین یہ بھی اعتراض کرتے ہیں، کہ خلیفہ کو اگر ایسا دینی اقتدار حاصل نہیں ہے تو قاضی، مفتی یا شیخ الاسلام کو تو ضرور ایسے مذہبی اختیارات حاصل ہیں؟ اُسکا جواب یہ ہے، کہ اسلام نے اِن لوگوں کو بھی عقائد اور تقرر احکام پر کوئی اختیار تصرف نہیں دیا، اور یہ عہدہ دار جس قسم کے اختیارات رکھتے ہیں، وُہ سب ایسے تمدّنی اختیارات ہیں، جو اسلامی شریعت نے حفاظت نظام تمدّن کی غرض سے اُن کو عطا کئے ہیں، قاضی، مفتی، یا شیخ الاسلام کو ہرگز اس بات کا حق حاصل نہیں ہے، کہ وُہ کسی شخص کے ایمان، طریق عبادت اور اصول فہم دین میں کوئی مداخلت کرسکیں، چنانچہ قرآن شریف کا ارشاد ہے :-

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ ؕ سورۃ الحجرات	ترجمہ:- ایمان والے آپس میں بھائی ہیں اسلئے اپنے دو بھائیوں کے درمیان صلح و آشتی قائم کردو ؛

دوسری جگہ ارشاد ہے :-

اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ۔	ترجمہ:- خدا کی نظر میں تم میں سب سے زیادہ شریف وُہ ہے، جو سب سے زیادہ خدا سے ڈرتا ہے ؛

اسی کی نسبت حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث شریف ہے :-

لا فضل عربی علی عجمی ولا لعجمی علی عربی انکم ابناء آدم	ترجمہ: رے انسان! خدا نے تجھ سے ایام بت پرستی کا تکبر اور قدیم نسلی غرور چھین لیا ہے، ایک عرب کو کسی غیر عرب پر سوائے خوف خدا کی صفت کے اور کوئی دوسری وجہ امتیاز حاصل نہیں، تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم خود خاک کا بنا ہوا تھا،

حضور پر نور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس وقت سے مدینہ شریف میں ایک آزاد سیاسی جماعت کے سردار کی حیثیت سے استقامت اختیار کی، اسی وقت سے اسلام ایک سیاسی جماعت کا مذہب قرار پایا، چنانچہ جب آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مومنوں کو اپنے مذہبی احکامات قبول کرنے کیلئے بلایا، تو ساتھ ہی ساتھ آپ نے ایک خلیفہ کی حیثیت سے انہیں قوانین بھی عطا کئے ؎

پروفیسر تولدیکے کا قول ہے، کہ وہی انکے امام تھے "نماز کے وقت انکی امامت کرتے تھے، اور وہی ان کے امیر تھے، اور وہی قاضی اور وہی حاکم تھے" ؎

اسی طرح مادی و روحانی ہر دو اقتدارات ایک ذات میں متحد ہو گئے ؎

اسلام میں صرف مذہب کی ہی حیثیت نہ تھی، بلکہ اس میں قومیت کی صلاحیت بھی تھی، مسلمانوں کو بتلایا گیا، کہ وہ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کریں، اور ان لوگوں کی جو ان کے حاکم ہیں، اس حکم سے پتہ چلتا ہے، کہ دنیوی حکومت کے دائرے میں اور لوگ بھی شامل تھے، اس وقت یہ بات خیال میں بھی نہ آسکتی تھی، کہ عرب جیسے مختلف النسل لوگ ایک سردار کی رہبری میں کام کر سکیں گے، آنحضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو حامل وحی تسلیم کرنے کے بعد فطرتاً اس بات کی ضرورت پڑی کہ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک خلیفہ یعنی نائب رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہونا چاہیئے، جو سب باتوں میں سوائے منصب رسالت کے آپ کی قائم مقامی کر سکے ؎

لہٰذا آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد یہ ضرورت پیش آئی، کہ آپ

کا جانشین منتخب کیا جائے، جو آپ کی جگہ پر مسلمانوں کی امامت کرے، یہ بات نہ تھی، کہ خلافت کے مسئلہ کا خیال حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذہن مبارک میں نہ آیا ہو، بلکہ آپ نے صرف اس خیال سے کہ مسلمان خود اپنا امام منتخب کریں، کسی شخص کو خود نامزد نہیں فرمایا، لیکن مسلمانوں میں خلیفہ انتخاب کرنے میں اختلاف پیدا ہو گیا ؛

انتخاب خلافت میں اختلاف رائے

مہاجرین کا تو یہ خیال تھا، کہ خلافت کے حقدار ہم ہیں، کیونکہ ہم حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابتدار اور اُن کے ساتھی ہونے کے علاوہ اُنکے ساتھ مدینہ شریف میں اپنے وطن اور گھر بار چھوڑ کر اور اپنے عزیزوں سے بے تعلق ہو کر رہے ہیں ؛

اور انصار یہ کہتے تھے، کہ ہم اس لئے خلافت کے زیادہ مستحق ہیں، کہ ہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے شہر میں پناہ دی اور اُنکی ہر قسم کی مدد کی ؛

چنانچہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات حسرت آیات کے بعد انصار بنی سعد کے جتھے میں جمع ہوئے اور ان میں یہ تجویز ہونے لگی، کہ سردار بنی خزرج سعد بن عبادہؓ کو جانشین رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بنایا جائے ؛

سعد بن عبادہ کی تحریک

لہٰذا انصار میں یہ بات طے ہونے کے قریب تھی، کہ سعد بن عبادہؓ نے باوجود بیماری کے اپنی قوم کے اس انتخاب پر خدائے تعالےٰ کی حمد و ثنا کرنیکے بعد یہ تقریر کی ؛

اُے گروہ انصار جو فضیلت جو شرف اور جو فوقیت تم کو حاصل ہے، عرب کی کسی قوم کو نصیب نہیں، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دس سال سے زیادہ مدت تک اپنی قوم میں تبلیغ اسلام فرماتے رہے، مگر بغیر چند لوگوں کے کسی نے اُن کی آواز پر کان نہیں دھرا، چند وہ لوگ جو حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے، وہ نہ تو ہادیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی قوم کے دشمنوں سے بچا سکتے تھے، اور نہ اُن سے دین اسلام کو یہ قوت و عزت حاصل ہو سکتی تھی، جیسے کہ آج ہے، لیکن خدا کو یہی منظور تھا، کہ تم

کو فضیلت دی، اور تمہیں یہ شرف حاصل ہو گیا، اور یہ نعمتیں اور بزرگیاں نصیب ہوئیں، کہ تم خدا اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاؤ، ہادی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم اور اُس کے رفقا، کو اعدا کے زغنے سے بچاؤ، دین اسلام کو معزز بناؤ، اور دشمنانِ دین پر جہاد کرو، چنانچہ آنحضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں کے حق میں تم نے سب سے زیادہ سختی سے مقابلہ کیا، اور تمہاری شجاعت سے نہ فقط سارا عرب احکام ربانی کا پابند ہو گیا، بلکہ دُور دُور کے مغرور و سرکش قبائل بھی کمزور پڑ گئے ۔

اب حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات فرمائی، اور اپنی زندگی کی آخری گھڑی تک تم سے راضی تھے، لہٰذا حکومت کو تم ہی لوگ اپنے قبضے میں کرو، اور کوشش کرو کہ اَوروں کے ہاتھ میں نہ جانے پائے، اِس لئے کہ حکومت اسلام کسی اور کا نہیں، بلکہ خاص تمہارا حق ہے ۔

سعد کی اس تقریر نے انصار پر بڑا اثر کیا، اور سب نے یہ تجویز قبول کرتے ہوئے یہ جواب دیا "آپ نے جو رائے دی ہے، یہ صحیح ہے، لہٰذا ہم سب آپ ہی کو اپنا حاکم اور جانشین حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بنائینگے، آپ قناعت کیش ہیں، اور تمام مسلمان آپ سے خوش ہیں" ۔

یہ تو انصار کی رائے تھی، لیکن اس موقعہ پر بعض مہاجرین بھی موجود تھے، اُنہوں نے اس تجویز کی تردید کرتے ہوئے کہا :-

"ہم نے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور دین کی الفت میں وطن چھوڑا ہے، ہم جناب ہادی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے قبیلے والے ہیں، اُن کے عزیز ہیں، اِس لئے ہم سے زیادہ شریف اور افضل کون ہو سکتا ہے؟ لہٰذا ہم سے کسی غیر کی اطاعت نہیں ہو سکتی" ۔

اس اختلاف پر انصار میں سے کسی نے بہ آواز بلند کہا :-

"اچھا تم لوگ یہ نہیں مانتے تو ایک کام کرو، ایک امیر تم میں سے منتخب ہو، اور ایک ہم میں سے اس سے اچھا فیصلہ اور کیا ہو سکتا ہے، اگر تم اس سے بھی زیادہ دباؤ گے تو ہم ہرگز نہیں دبنے کے"۔

سعد نے یہ الفاظ سنتے ہی جواب دیا "یہ تمہاری پہلی کمزوری ہے"۔

اس مشورہ کی اطلاع جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ہوئی، تو وہ اسی وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ساتھ لیکر بنی سعد کے جتھے کی طرف آئے، جہاں انصار یہ مشورہ کر رہے تھے یعنے سقیفہ بنی ساعدہ میں، راستہ میں ابو عبیدہ بن الجراح بھی ساتھ ہو لئے۔

چنانچہ انصار کے اس مجمع میں پہنچتے ہی حضرت عمرؓ نے کچھ کہنے کا ارادہ کیا، مگر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اُن کو روک کر خداوند تعالیٰ کی حمد و ثنا کرنے کے بعد کہا :-

تقریر صدیقؓ لوگو! اللہ جل شانہ نے ہم میں ایک رسول مبعوث فرمایا، جو اس بات میں اپنی اُمت کا گواہ ہے، کہ وہ خدا کی عبادت و توحید کریں، حالانکہ اس کے پیشتر وہ مختلف دیوتاؤں اور پتھروں یا لکڑی کے بتوں کی پرستش کرتے تھے، اہل عرب کو اپنے آباؤ اجداد کے دین کا چھوڑنا ناگوار گزرا اس موقع پر خداوند تعالیٰ نے انہیں کی قوم میں سے بعض لوگوں کو اس شرف کیلئے مخصوص کیا کہ رسالت محمدی کی تصدیق کریں، اُنکے دوست بنیں اور جسقدر اُن کی قوم اذیتیں پہنچاتی اور سختیاں کرتی تھی انکو آنحضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت میں برداشت کریں، ساری دُنیا اُنکے خلاف تھی، تمام قوم والے اُن کے دُشمن تھے، لہذا ہم وہی لوگ ہیں، جنہوں نے سب سے پہلے روئے زمین پر خدائے واحد کی پرستش کی اسی پر اور اُس کے رسول پر ایمان لائے وہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دوست ہیں، اور انکی قوم کے لوگ ہیں، اور وہی اُنکے جانشینی اور عنانِ حکمرانی سنبھالنے کے مستحق ہیں، اور یہ ایسا حق ہے، جس میں بجز ظالم کے کوئی منصف

مزاج اُن سے نہیں جھگڑ سکتا، تم اے گروہ انصار! وُہ لوگ ہو جو کہ تمہارے دین قبول کرنے اور اسلام کی طرف سبقت کرنیکی فضیلت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا، خُدا کی مرضی میں تھا، کہ تم کو اپنے دین اور اپنے رسولؐ کے انصار یعنی معین و مددگار بنائے اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت تم میں ہو، لہٰذا ہمارے نزدیک مہاجرین اولین کے بعد تم سے زیادہ رُتبہ کسی کا نہیں ہے، اور اسی خیال سے میں کہتا ہوں، کہ ہم میں سے اُمرا ہوں، اور تم میں سے وزرا اور بغیر تمہارے مشورے کے معاملات کا فیصلہ نہ ہو"

حباب بن منذر کی مخالفت

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ کی یہ تقریر سُنکر انصار کے گروہ میں سے حباب بن منذر بن جموح نے اُٹھ کر کہا "اے گروہ انصار! تم لوگ اپنا امیر آپ منتخب کر لو یہ لوگ تمہارے زیر پناہ اور تمہارے سایہ حمایت میں ہیں اور یاد رکھو کہ کوئی شخص تمہارے خلاف کسی قسم کی کارروائی کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا، بغیر تمہاری رائے کے یہ لوگ کچھ نہیں کر سکتے تم عزت و شوکت والے ہو تمہاری تعداد زیادہ ہے، تمہاری قوت بڑھی ہوئی ہے، بلکہ تمام دنیا میں تمہاری تعداد زیادہ ہے، تمہاری قومی قوت بڑھی ہوئی ہے اور ہر جگہ تمہاری دھاک بیٹھی ہے، لوگوں کی نظریں تمہاری طرف لگی ہوئی کہ اس موقعہ پر تم کیا کرتے ہو، مگر ہاں تم میں پھوٹ نہ پڑے ورنہ سارا بنا بنایا کھیل بگڑ جائیگا تم نے سُن لیا، کہ ان لوگوں کو اس سے بھی انکار ہے، کہ ایک امیر ان میں سے منتخب ہو اور ایک تم میں سے"

حباب بن منذر کی یہ سخت تقریر سُنکر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ خاموش نہ رہ سکے چنانچہ آپ نے کہا "افسوس! تم لوگ اتنا نہیں سمجھتے کہ اگر دو امیر ہوئے تو ان میں کبھی اتفاق نہ رہے گا، اور خُدا کی قسم اہل عرب اس بات کو ہرگز نہ مانیں گے، کہ تم حکمران ہو، خصوصاً اس وقت جبکہ ہمارے پیغمبر عالم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہارے سوا دوسری قوم میں سے تھے، برخلاف اس کے سارے عربوں کو اس میں مطلق عذر نہ ہوگا، کہ

اُسی قوم میں کا ایک شخص آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا جانشین بنایا جائے جس میں نبوت تھی، ہم لوگوں کیلئے یہ نمایاں حجت ہے، اس لئے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حکومت و جانشینی میں یہ معلوم ہونے کے بعد کہ ہم لوگ انہیں کے قرابت داروں اور اُن کے گروہ میں سے ہیں، ہم سے کون شخص جھگڑا کر سکتا ہے ؟

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اس تقریر پر حباب بن منذر نے یہ جواب دیا :-

"اے گروہ انصار، حکومت کو اپنے ہی ہاتھ میں رکھو ان کا اور اُن کے ساتھیوں کا کہنا نہ سنو ورنہ حکومت میں یہ لوگ تمہارا حق چھین لیں گے، اور اگر ان کو تمہاری حکومت تسلیم کرنے میں انکار ہو تو ان لوگوں کو اپنے شہر اور گرد و نواح کی بستیوں سے نکال دو، خدا کی قسم تم ان سے زیادہ خلافت کے مستحق ہو تمہاری تلواروں نے ان لوگوں کو مطیع اسلام بنایا، ہم حکومت کی وہ اصلی بنیاد ہیں، جو سب کا مرجع و ماویٰ ہے، اور وہ خوشہ ہیں، جو سب طرف سے محفوظ ہے، ہم کچھار ہیں شیر ہیں، اور خدا کی قسم اگر تم چاہو، تو آج حکومت و جبروت کو توڑ کے پھر لوگوں کو ویسا ہی منتشر کر سکتے ہو جیسے کہ پہلے تھے ؟

یہ سُنکر حضرت عمر رضی اللہ عنہ ضبط نہ کر سکے، لیکن ابو عبیدہ بن الجراح نے مصالحت کے طور کہا۔ "اے انصار، تم وہ لوگ ہو کہ تم نے سب سے پہلے دین اسلام کی مدد کی، اب ایسا نہ کرو، کہ تمہیں سب سے پہلے بدل لینے والے بن جاؤ اس بات کا انصار پر بہت اچھا اثر پڑا چنانچہ انصار ہیں سے بشیر بن سعد نے اُٹھ کر یہ تقریر کی ؟

بشیر بن سعد کا اظہار حق

"اے گروہ انصار، مشرکین پر جہاد کرنے اور ایمان لانے میں سبقت کرنے کے اعتبار سے اگرچہ ہم افضل ہیں، مگر اس سے خدا کو راضی کرنے اور خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و فرمانبرداری اور اعلاء کلمۃ اللہ میں دل و جان سے کوشش کرنے کے سوا ہماری اور کچھ غرض نہ تھی، اس لئے اب یہ کچھ اچھا نہیں معلوم ہوتا، کہ

حکومت کی ہوس میں ہم اُن لوگوں سے زیادہ الجھیں، ہم کو دُنیا نہیں چاہیئے اس کا خیال کرو، کہ آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم قریش میں سے تھے، لہذا اُن کے معاملوں میں انہیں کی قوم زیادہ استحقاق رکھتی ہے، اور میں اپنے متعلق تو قسم کھا کے کہتا ہوں کہ اس بارے میں اُن سے نہ جھگڑوں گا، لوگو! خُداوند تعالےٰ سے ڈرو اور ان لوگوں سے مخالفت نہ کرو"؛

اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اُٹھ کر فرمایا، تو پھر کیا ہے، یہ عمرؓ اور ابو عبیدہؓ موجود ہیں، ان دونوں میں سے جس کے ہاتھ پر چاہو، بیعت کر لو؛

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی یہ بات سنکر حضرت عمرؓ و حضرت عبیدہؓ نے فرمایا "ہم خُدا کی قسم آپ کے ہوتے ہوئے اس خدمت کو اپنے ذمے نہیں لے سکتے، تمام مہاجرین میں افضل آپ ہیں، امامت نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قائم مقام آپ ہیں، جو مسلمانوں کی سب سے بڑی سرداری ہے، لائیے ہاتھ لائیے"؛

خلافت صدیقی کا انتخاب

یہ کہتے ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنا ہاتھ بڑھا کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کر لی، ساتھ ہی ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ اور دیگر اُن مہاجرین نے جو اس وقت موجود تھے، بیعت کر لی، اور اسی سلسلے میں انصار میں سے جب بشیر بن سعد نے بھی بیعت کی، تو حباب بن منذر نے شور مچاتے ہوئے بشیر سے کہا "تم نے اپنی قوم کو چھوڑ دیا اور اپنے ابن عم کا ساتھ چھوڑ کر غیروں سے مل گئے"؛

بشیر نے اس کا جواب یہ دیا "خُدا کی قسم ایسا نہیں ہے، مگر ہاں مجھے یہ اچھا نہ معلوم ہوا، کہ ان لوگوں سے ان کے حق میں جھگڑا کروں"؛

ناظرین کو ہم بتا چکے ہیں، کہ ہجرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پیشتر مدینہ شریف میں انصار کے دو گروہ تھے، بنی خزرج اور بنی اوس، اور ان ہر دو قبائل میں مدت کی عداوت چلی آتی تھی، لیکن حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں قبائل کو شیر و شکر کر دیا تھا چنانچہ

حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات حسرت آیات کے بعد اِن ہر دو قبائل میں اُنکی یہ دبی ہوئی کاوش پھر نمودار ہونے کا خوف پیدا ہو گیا تھا، چونکہ سعد بن عبادہ بنی خزرج کے سردار تھے، انصار میں سے بشیر نے جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کر لی، تو قبیلہ اوس والوں نے ایک دوسرے کو کہا "بنی خزرج اپنے سردار کو حاکم بنانا چاہتے ہیں یاد رکھو اگر ایک بار بھی بنی خزرج کو حکومت مِل گئی، تو پھر خدا کی قسم انہیں میں رہے گی، ہم کبھی سر نہ اُٹھا سکیں گے، لہٰذا ہم لوگوں کیلئے یہی مناسب ہے، کہ ہم بھی ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کریں ۔

اسی خیال کی بنا پر انصار میں سے تمام قبیلہ بنی اوس نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت کر کے اُنکی خلافت تسلیم کر لی ۔

جب بنی اوس نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت تسلیم کر لی، تو پھر کیا تھا، بنی خزرج اور سعد بن عبادہ کا سارا زور ٹوٹ گیا، سب لوگ چاروں طرف سے دوڑ دوڑ کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کرنے لگے، جس کا انجام یہ ہوُا کہ بہت سے خزرجیوں نے بھی بیعت کی، آخر سعد بن عبادہ بادل ناخواستہ اس مجمع میں اُٹھ کر اپنے گھر چلے گئے ۔

خلیفہ اوّل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ
عہد خلافت ۲ سال تین ماہ ۱۰ یوم تاریخ وفات
۲۲ جمادی الآخر ۱۳ھ سن مبارک ۶۳ سال

دوسرے دن ۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ خلیفہ اوّل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مسجد نبوی میں ممبر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم پر بیٹھے پہلے تمام لوگوں نے بیعت کی، اور آپ نے خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حمد و تعریف کے بعد مسلمانوں سے کہا "مسلمانو! میں تمہارا حاکم بنایا گیا ہوں، اگرچہ تم پر میں کوئی فوقیت رکھتا ہوں، اور نہ تم میں سب سے اچھا ہوں، اگر میں اچھا کام کروں، تو تم سب میری مدد کرو، بُرائی کروں، تو میری اصلاح کرو، سنو! سچائی امانتداری ہے، اور جھوٹ خیانت انشاء اللہ تعالیٰ تم میں جو کمزور ہو جب تک اُس کی دادرسی نہ ہو جائے وہ میرے

نزدیک سب سے زیادہ قوی ہوگا، اور تم میں جو بڑا زبردست ہوگا، اُس سے جب تک وہ سروں کا حق ادا نہ کرا لیا جائے، میری نگاہ میں سب سے زیادہ کمزور ہوگا، تم لوگ جہاد فی سبیل اللہ سے ہاتھ نہ روکو اس لئے کہ جس قوم نے جہاد کو چھوڑ دیا اُس کو اللہ جل شانہٗ ذلیل و خوار کر دیتا ہے اور جس قوم میں بدکاری پھیل گئی، اللہ تعالےٰ جل شانہٗ اُن کو بلا میں گرفتار کرتا ہے ؎

لوگو! جب تک میں خدا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مطیع ہوں تم بھی میری اطاعت کرو، اور جب میں خدا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کروں، (العیاذ باللہ) تب میری اطاعت تم پر فرض نہیں ہے، لو اب اٹھ کر نماز پڑھو خدا تم سب پر رحمت کرے" ؎

اگرچہ مدینہ شریف اور گرد و جوار کے عام لوگ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ تسلیم کر کے اُن سے بیعت کر چکے تھے، لیکن ابھی بہت لوگوں کو اس انتخاب خلافت میں اختلاف تھا، جن میں حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہٗ اور اُن کے ساتھ تمام بنی ہاشم حضرت زبیرؓ حضرت طلحہؓ حضرت ابوسفیانؓ، وغیرہ بھی تھے، اِن لوگوں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت نہ کی اور اپنے گھروں میں خاموش ہو بیٹھے اس پر حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا ارشاد یہ تھا، کہ جن لوگوں نے ابھی تک بیعت نہیں کی اُن سے بیعت کرائی جائے، لیکن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا یہ خیال تھا، کہ خود ہی سب لوگ بیعت کر لینگے، ناظرین کو یاد ہوگا، کہ حضور پرنور آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مرض میں ہی بغاوت کے آثار شروع ہو گئے تھے ؎

اسود عنسی مسیلمہ کذاب اور طلحہ نے پیغمبری کا دعویٰ کر کے اور طرح طرح کے فریب سے ملک عرب میں ایک آگ سی لگا دی تھی، بنی مدلج میں سے اکثر لوگ اسود کے معتقد ہو گئے تھے، اور اُس نے یہ قوت حاصل کر کے نجران پر حملہ کیا، نیز اس کے سپہ سالار قیس بن عبد یغوث نے فروہ پر جو بنی مراد پر حاکم تھا، حملہ کر کے اُنہیں بھگا دیا، بنی اسود کی یہ طاقت دیکھ کر بنی مدلج میں سے جو لوگ مسلمان رہ گئے تھے، وہ بھی فروہ

کی فوج میں جا ملے، اس طرح سارا ملک یمن اسود کا معتقد ہو گیا، اگرچہ حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے بہادرانِ اسلام نے اِس جھوٹے نبی کا سارا غرور خاک میں ملا دیا تھا، یعنی اسود قتل کر دیا گیا تھا، اور تمام مُلک یمن پھر زیر قلم اسلام ہو گیا تھا، تاہم حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اسود کی لگائی ہوئی آگ میں ابھی کچھ چنگاریاں باقی تھیں، اور ہر طرف سے ارتداد و بغاوت کی خبریں آ رہی تھیں، مگر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلے حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق اُسامہ کو اُن کی مقررہ مہم پر روانہ ہونے کا حکم دیا، اور تاکید فرما دی، کہ جتنے لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مہم کیلئے نامزد فرمائے تھے، وہ سب اُسامہ کے ساتھ جائیں ؛

چنانچہ اِس مہم کیلئے بہادرانِ اسلام مقام جرف میں جمع ہوئے تھے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالے عنہ و عمر فاروق رضی اللہ عنہ بھی وہاں تشریف لے گئے تاکہ اس لشکر اسلام کو اپنے سامنے روانہ کر دیا جاوے ؛

جیش اسلام جرف میں

خلیفہ اوّل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ جب مقام جرف میں پہنچے، اس وقت سپہ سالار لشکر اسلام حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ گھوڑے پر سوار تھے، لشکر کوچ کرنے کو تھا، اُسامہؓ نے خلیفہ اوّل کو پیدل دیکھ کے کہا ؛

"اے خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ بھی گھوڑے پر سوار ہوں یا مجھے گھوڑے سے اُترنے کی اجازت دیں" اس پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا" ؛

"اِس کی ضرورت نہیں، نہ میں سوار ہونگا، اور نہ تم کو اُترنے دونگا، خُدا کی راہ میں ایک گھڑی بھر کیلئے میرے پاؤں اگر گرد آلود ہو جائینگے تو کیا بگڑ جائیگا ؛

غازی کیلئے ہر قدم کے عوض سات سو نیکیاں لکھی جاتی ہیں، سات سو درجے اس کی ترقی ہوتی ہے، اور اُس کے سات سو گناہ معاف ہوتے ہیں ؛

اُس کے بعد آپ نے ایک فصیح تقریر میں مجاہدین کو یہ نصیحتیں اور ہدایتیں فرمائیں ؛

فلسطین و شام کی طرف لشکر اسلام کی روانگی ⁂

خیانت و بد عہدی نہ کرنا، دلوں میں کینہ و بغض نہ رکھنا، مقتولین کے اعضاء جوارح یعنی ناک کان، نہ کاٹنا، بچوں، بوڑھوں، اور عورتوں کو قتل نہ کرنا درختوں کو نہ اُکھاڑنا نہ جلانا، میوہ دار درختوں کو نہ کاٹنا، رعایا کے مویشی اور اونٹ نہ ذبح کرنا، راستے میں تمہیں ایسے لوگ ملیں گے، جو خانقاہوں میں بیٹھ رہے ہیں، اُن سے تعرض نہ کرنا، اور اُن کے اطمینان میں خلل نہ ڈالنا، تمہیں ایسے لوگوں سے بھی سابقہ پڑیگا، جو درمیان میں چندیا منڈاتے اور گرد کے بال بڑھاتے ہیں، (یہ غالباً روم کے فوجی لوگوں اور سرداروں کی وضع تھی) ان کو اپنی تلواروں کا ہدف بنانا" ⁂

بس میں کہہ چکا، اب تم خدا کا نام لے کے روانہ ہو جاؤ ⁂

جب لشکر اسلام روانہ ہو گیا، تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ مدینے شریف میں واپس چلے آئے ⁂

اس میں کچھ شک نہیں، کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے زمام خلافت ایسے وقت میں سنبھالی تھی، جبکہ اہل اسلام نہایت بےچینی اور خطرہ کی حالت میں مبتلا تھے، اس اضطراب کی وجہ وہی تھی، جس کا ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں، اس ارتداد کے اسباب میں یہ امر بھی شامل تھا، کہ بعض قبیلے بظاہر اسلام کے مطیع تو ہو چکے تھے، لیکن اسلام نے اُن کے دلوں اور خیالات پر پورا قابو نہیں پایا تھا ⁂

جب حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے رحلت فرمائی، تو بعض لوگوں کے دماغوں میں یہ ہوا سمائی تھی، کہ اب نبوت کا دعویٰ کر لینا آسان ہے، چنانچہ بنی اسد میں طلحہ بن خویلد الاسدی بنی تمیم میں سجاح اور یمامہ کے باشندوں بنی حنیفہ میں مسیلمہ کذاب وغیرہ نے اپنی نبوت کو چمکایا، اور ہر شخص نے اپنے قبیلہ اور مددگاروں سے امداد حاصل کی، اس وجہ سے تمام عرب کے تمام قبائل میں ان دنوں بہت کچھ کھلبلی پڑ گئی تھی، بعض قبائل تو ان مدعیان نبوت کے پیرو بن گئے تھے اور کچھ ایسے تھے جو صرف

زکوٰۃ دینے سے باز رہے *

فتنہ ارتداد اور اس کا انسداد | زکوٰۃ اسلام کے ابتدائی ارکان میں شامل ہے، اور اس کی حالت بعینہ ایسی ہے، جیسے دیگر سلطنتوں کا صیغہ مال، ہر شخص سمجھ سکتا ہے، کہ ہر وقت اور ہر جگہ سلطنتوں کے قیام کیلئے مال کا ہونا ضروری ہے، لیکن بعض قبائل نے زکوٰۃ ادا کرنے سے اسلئے انکار کر دیا تھا، کہ انہوں نے اسے تاوان کی قسم سے سمجھا، جو وہ جاہلیت کے زمانہ میں ادا کیا کرتے تھے *

اگرچہ بنی ہاشم حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ، حضرت زبیر، حضرت طلحہؓ، حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہم وغیرہ کو حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خلافت میں چند روز اختلاف رہا لیکن دین اسلام میں کسی قسم کا اختلاف نہ تھا، چنانچہ دین کے اس فتنہ ارتداد کے انسداد کے لئے سب اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم متفق و متحد ہو گئے، سب سے بڑا فتنہ طلیحہ کی شورش کا تھا، طلیحہ نے حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہی نبوت کا دعویٰ کیا تھا، لیکن جب آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی اسد میں ضرار بن ازور کو اس کی سرکوبی کیلئے روانہ فرمایا، تو اس وقت طلیحہ کا زور ٹوٹ گیا تھا، چنانچہ ضرار اور ان کے ہمراہی بہادران اسلام نے طلیحہ کو پکڑ لیا تھا، اور جب ضرار نے تلوار کا وار کیا، تو وہ اوچھا پڑا اور طلیحہ نے بھاگ کر شور کر دیا، کہ مجھ پر تلوار اثر ہی نہیں کر سکتی، اتنے میں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر آخرت اختیار فرمایا، تو طلیحہ کی نبوت اور بھی چمک اٹھی، قومی حمیت کے باعث بہت سے لوگ اس کے طرفدار ہو گئے، جس میں زیادہ تر بنی اسد بنی غطفان، بنی فزادہ، اور بنی طے تھے چنانچہ ان تینوں بنی فزادہ وغطفان تو طیبہ کے جنوب کی طرف بڑھ گئے تھے، بنی طے اپنے ہی حدود پر ٹھہرے ہوئے تھے، اور بنی اسد سمیرا میں پہنچے، بنی عبس، بنی ثعلبہ، بنی سعد اور بنی مرہ حلاقہ ربذہ کے مقام ابرق میں فروکش ہو گئے، بہت سے بنی کنانہ بھی ان میں جا ملے تھے، جب طلیحہ کے پیرووں کی تعداد بڑھی، تو چونکہ ابرق میں گنجائش

نہ تھی، اسلئے اُن کے دو گروہ ہو گئے، ایک تو ابرق میں ٹھہرا دوسرا مقام ذی القصہ میں پہنچ گیا، جو مدینے کے قریب تھا طلیحہ نے ان لوگوں پر اپنے بھائی حبال کو سردار مقرر کیا، ابھی یہ لوگ مدینے شریف پر حملہ کرنے کی تیاریاں ہی کر رہے تھے، کہ اُن کے علم کے نیچے دُئل بنی لیث اور بنی مدلج کے بہت سے لوگ بھی آ گئے ؛

چنانچہ ان لوگوں نے خلیفہ اوّل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس پیغام بھیجا کہ ہم نماز تو پڑھینگے، مگر زکوٰۃ نہ دینگے ؛

اس پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہلا بھیجا، زکوٰۃ کا چھوڑنا در کنار جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں اگر تم کوئی تسمہ بھی دیتے تھے، اور آج اگر نہ دو گے تو اس انحراف کیلئے بھی میں جہاد کرونگا ؛

قاصدوں نے جا کر اپنے لوگوں میں یہ جواب پہنچاتے ہوئے کہا، مدینہ شریف میں تھوڑے ہی لوگ ہیں، ابھی اگر حملہ کیا گیا، تو آسانی سے قبضہ ہو جائیگا ؛

لیکن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی غافل نہ تھے، اُنہوں نے بھی ان قاصدوں کے جاتے ہی فوراً مقابلہ کیلئے انصار کا ایک لشکر مرتب کر کے اُس پر حضرت علی مرتضیٰؓ طلحہؓ، زبیرؓ اور عبداللہؓ ابن مسعودؓ کو افسر مقرر کر کے شہر کی حفاظت پر مامور کیا، پھر تمام اہل مدینہ کو حکم دیدیا، کہ مسجد نبوی میں حاضر رہا کریں، تاکہ حسب ضرورت مقابلہ کیلئے بہادرانِ اسلام تیار رہیں ؛

اس انتظام کو تین ہی دن ہوئے تھے، کہ دشمن ایک رات کو آ ہی پہنچے، اور ایک گروہ مقام ذی حسی میں ٹھہرا رہا کہ ان لوگوں کے بعد وہ بھی آ پڑے، مدینے کی حفاظت پر جو فوج مامور تھی، اُس نے اُن کو باہر روکا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو جب اس بات کی خبر ہوئی تو آپ بھی اہل مسجد کو ساتھ لے کر آئے اور ایسا دلیرانہ حملہ کیا، کہ دشمن شکست کھا کر بھاگے، اور ذی حسی پر جا کے دم لیا، اس مقام کے ٹیلوں

پر جو دشمن جمع تھے، اُنہوں نے یہ عجیب حرکت کی، کہ وہی جمانے کے مشکیزے پھونک کر اُن کو رسیوں میں باندھ کے ٹیلوں سے نیچے لڑھکا دیا، اُن کی اس حرکت سے اہلِ مدینہ کے اونٹ ایسے بھڑکے کہ بے تحاشا پلٹ کر بھاگے، اُس وقت موقع پاکر ذی القصہ کے گروہ والے بھی اُن مرتدوں سے آملے، حضرت ابوبکر صدیق رضؓ رات بھر فوج کی ترتیب اور لڑائی کا بندوبست کرتے رہے، صبح ہوتے ہی آپ نے بہادرانِ اسلام کے ساتھ دشمنوں پر حملہ کر دیا، اور طلوع آفتاب سے پہلے ہی مسلمان اُس ٹیلے پر پہنچ گئے، جس پر دشمنوں کا جماؤ تھا، قبل اس کے کہ اُنہیں خبر ہو دشمنوں پر مسلمانوں کی تلواریں پڑنے لگیں اور صحابہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کام کو ایسی خوبی اور ایسی بہادری سے انجام دیا، کہ سورج پورا نکلنے نہیں پایا تھا کہ مرتدین بھاگے ؛

جنگ ذی القصہ

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے تعاقب کیا، اور مقام ذی القصہ تک اُنکا پیچھا نہ چھوڑا ذی القصہ میں پہنچ کر مسلمانوں نے پڑاؤ ڈال دیا، حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات حسرت آیات کے بعد مسلمانوں کی یہ پہلی فتح تھی، اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے نعمان بن مقرن کو چند مسلمانوں پر سردار مقرر فرما کے وہیں چھوڑا اور خود مدینہ شریف میں واپس تشریف لے آئے ؛

مگر مشرکین نے بنی عبس اور بنی ذبیان کو ان مسلمانوں کی مخالفت میں اُبھار دیا جنہوں نے نرغہ کر کے اُن سب کو شہید کر ڈالا، جب ابوبکر صدیق رضؓ کو یہ خبر پہنچی، تو اُنہیں بڑا صدمہ ہوا ؛

اس فتح سے مسلمانوں کا اثر بڑھ گیا، اور جا بجا سے صدقات کی رقمیں مدینے میں آنے لگیں، چند روز بعد جب حضرت عمرو بن العاص عمان[1] سے واپس آئے تو اُن سے یہ

[1] حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع سے آتے ہی عمرو بن العاص کو فرمانروائے عمان جیفر کے پاس روانہ فرمایا تھا، عمرو بن العاص وہیں تھے، کہ آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے رحلت فرمائی، یہ خبر سنکر عمرو بحرین گئے، وہاں پہنچکر سُنا کہ حاکم منذر بن ساوی مر گیا ہے، اس لئے وہاں سے بھی کوچ کیا، اور بنی عامر میں پہنچے انکا سردار قرہ بن ہبیرہ نہایت اخلاق سے ملا، اور جب عمرو بن عاص رخصت ہونے لگے، تو قرہ نے کہا، اہل عرب میں کوئی شخص بھی آپکو زکوٰۃ وغیرہ دینے پر راضی نہیں ہے، مناسب یہی ہے کہ آپ لوگ زکوٰۃ معاف کرا دو، اس پر عمرو بن العاص نے قرہ سے کہا، کیا تو مرتد ہوگیا ہے، اور ہمیں اہل عرب کا خوف دلاتا ہے، یاد رکھو ہمارے گھوڑے تمہارے کسی کام نہ آئینگے ؛

سُنکر کہ راستے میں ہر ایک جگہ بغاوت پھیلی ہوئی ہے مسلمان پریشان ہوئے ؀
یمن میں اسود عنسی کے مارے جانے کے بعد اُس کے گروہ والوں نے شہر صنعا اور نجران کے درمیان لوٹ مار کا بازار گرم کر دیا تھا، اگرچہ سارا یمن مسلمانوں کے زیر اقتدار آچکا تھا لیکن وہاں اسود کے فتنے کی جڑ ابھی تک باقی تھی ؀
ادھر حضرموت میں بھی لوگوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا، اور یہ سب باغی لوگ اپنے حصاروں میں جا کے جمع ہوئے، اُن کے ساتھ چار سرغنے صمار، شرح، مخصوص الفیفہ (جو ملوک کہلاتے تھے) اور اُن کی بہن عمروہ بھی اُن کے ہمراہ تھی، یہ چاروں ایسے طاغی و سرکش ملوک کندہ تھے، کہ حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن پر لعنت بھیجی تھی چنانچہ اِن چار سرکشوں کے ساتھ بہت سے لوگ شریک ہو گئے، اِس طرح اسلام کے خلاف یہ ایک خوفناک جمعیت قائم ہو گئی ؀
ان لوگوں میں صرف شرحبیل بن سمط اور اُس کا بیٹا مع اپنے چند ہم قوم رفقاء کے مسلمانوں کے ساتھ تھے، باقی سب لوگ علم بغاوت بلند کر رہے تھے ؀
امراالقیس بن عابس سے جو شرحبیل کے ساتھ تھا، سکاسک اور سکون کے اُن چند لوگوں نے جو دین اسلام پر قائم تھے کہا، دشمنوں پر جس قدر جلد ہو سکے شب خون مارنا چاہیئے، ورنہ اُن کی قوت اور بڑھ جائے گی ؀
امراالقیس نے اس بات کو منظور کیا اور سب کے سب راتوں رات چل کھڑے ہوئے حصاروں میں پہنچے تو دیکھا کہ وہ لوگ اطمینان کے ساتھ الاؤ کے گرد بیٹھے تاپ رہے ہیں ان لوگوں کی شوکت و حشمت اگرچہ بڑھی ہوئی تھی، مگر مسلمان رات کے وقت پانچ طرف سے اُن پر یک بیک جا پڑے تو سب کے ہاتھ پاؤں پھول گئے، اور اُن کے ہمراہی بھاگنے میں بکثرت مارے گئے ؀
یہ مغرور لوگ یہاں سے بھاگ کر اشعب نام اپنے ایک دوست اور سردار کے

پاس گئے اُس نے جب اُن کو غیرت دلائی، تو اُن میں جوش بغاوت بڑھا اور مسلمانوں کے مقابلے کیلئے از سرِ نو فوج اُنھوں نے جمع کی یہ حال دیکھ کر زیاد بن لبید نے مہاجر کو لکھا، مگر وُہ مدینے سے روانہ ہو چکے تھے، راستے میں اُن کو زیاد کا خط ملا، تو فوراً عجلت سے کوچ کرتے ہوئے پہنچے، اور اُس کے بعد ہی سرکش بنی کندہ کے مقابلہ پر روانہ ہو گئے، حصار زبرقان میں دونوں لشکروں کا سامنا ہوا، اور لڑائی ٹھن گئی، آخر بنی کندہ شکست کھا کر بھاگے، بہت سے بھاگنے میں مارے گئے اور جو بچ گئے، اُنھوں نے قلعہ بحیر میں جا کے پناہ لی ؛

اتنے میں حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ سرحد شام تک راستے میں سرکش قبائل بنی قضاعہ وغیرہ کی بخوبی گوشمالی کرتے ہوئے چالیس دن کے اندر ہی مدینہ شریف میں واپس آ گئے ؛

اُن کے آتے ہی ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے اُن کو تو آرام لینے اور ستانے کیلئے مدینہ شریف میں چھوڑ دیا، اور خود بہادرانِ اسلام کو لے کے مقام ذی حسی اور ذی قصہ ہوتے ہوئے ابرق میں پہنچے، جہاں دشمنوں کا لشکر عظیم جمع تھا ؛

جنگ ابرق یہاں پہنچتے ہی خلیفہ اوّل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے بہادرانِ اسلام کے ساتھ مشرکوں پر حملہ کر دیا، تھوڑی دیر تک دشمنوں نے پامردی دکھائی مگر آخر حق پرستوں کی جانبازی سے حق غالب آیا، مرتد شکست کھا کر بھاگے دشمنوں کا سردار خطیہ گرفتار ہوا، تو تمام بنی عبس اور بنی بکر میدان چھوڑ کر بھاگے ؛

اس فتح کے بعد ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ چند روز وہیں فروکش رہے، بنی ذبیان اور ان کی بستیوں پر قبضہ کر کے اُن کو مسلمانوں کے مویشیوں کیلئے

محفوظ کر دیا ؛

ادھر ہزیمت خوردہ بنی ذبیان بنی عبس مقام بزاختہ میں سردار طلیحہ کے پاس پہنچے، اور اس کو اپنی ناکامی کی خبر سنائی، طلیحہ یہ حال سنتے ہی اپنے تمام رفقاء کے ساتھ سمیرا میں پہنچا، اور اسی مقام پر ٹھہر کر مسلمانوں سے مقابلہ کی تیاریاں کرنے لگا ؛

لیکن خلیفہ اوّل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰے عنہ بجائے اِس کے کہ ان سرکشوں کا مقابلہ کریں، مصلحت وقت کے لحاظ سے مدینہ شریف میں واپس چلے آئے، مدینہ شریف میں اسامہ کا لشکر آرام لے چکا تھا، جابجا سے صدقات وزکوٰۃ کی رقمیں معتد بہ مقدار میں آگئی تھیں، اور حمایت دین اسلام کیلئے مدینہ شریف میں کافی فوج موجود تھی، لہذا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰے عنہ نے پوری قوت کے ساتھ تمام مرتدین کے استیصال کا انتظام شروع کیا ؛

مرتدین کی سرکوبی کیلئے بہادران اسلام کے گیارہ دستے

چنانچہ خلیفہ اوّل نے بہادرانِ اسلام کے گیارہ دستے بنائے، اور یہ گیارہ جھنڈے گیارہ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد کئے گئے، ایک دستہ کا جھنڈا خالد بن ولید رضی اللہ تعالٰے عنہ کو سپرد کر کے طلیحہ کی سرکوبی کے لئے روانہ فرمایا ؛

دوسرا جھنڈا عکرمہ رضی اللہ تعالٰے عنہ بن ابوجہل کو دیا، اور اُن کو مسیلمہ کذاب کے مقابلہ پر بھیجا، تیسرا جھنڈا مہاجر بن ابی اُمیہ کو دے کر فرمایا، کہ تم یمن کی طرف جاکر اسود عنسی کے سرکش لشکر کا استیصال کرو، اور اس سے فراغت حاصل کر کے حضرموت میں جاکر بنی کندہ کی سرکوبی کرو ؛

چوتھا جھنڈا خالد بن سعید کے سپرد کرتے ہوئے فرمایا، کہ تم شام کے سرحدی علاقے پر جاؤ اور وہاں جو سرکش و مرتد قبائل نظر آئیں اُن کو سزا دے کر راہ راست پر لاؤ ؛

پانچواں جھنڈا عمرو بن عاص کو دیا، اور اُن کو بنی قضاعہ کی طرف بھیجا جو شمالی و مغربی

عرب میں تھے، اور اُن قضاعیوں سے الگ تھے جنہوں نے شام کے قریب سکونت اختیار کر لی تھی ۔

چھٹا جھنڈا حذیفہ بن محصن الغطفانی کو دیا، اور ان کو اہل دبا کے مقابل بھیجا ۔

ساتواں علم عرفجہ بن ہرثمہ کو دیا، اور انہیں قبائل مہرہ کی طرف روانہ کیا، اور یہ بھی حکم دیا، کہ آگے بڑھ کر تم اور حذیفہ ایک دوسرے سے ملجانا ۔

آٹھواں جھنڈا شرجیل بن حسنہ کے سپرد کرتے ہوئے فرمایا، کہ تم عکرمہ بن ابوجہل کے پیچھے پیچھے روانہ ہو، اور جب مسیلمہ کذاب سے فراغت ہو جائے تو بنی قضاعہ کی طرف بڑھ جاؤ ۔

نواں جھنڈا معن بن حاجز کو دیا، اور اُن کو بنی سلیم اور اُن کے ہم آہنگ رفیقوں بنی ہوازن کی طرف روانہ کیا ۔

دسواں علم سوید بن مقرن کو دیکر فرمایا، کہ تم یمن کے علاقہ تہامہ میں جاؤ ۔

گیارھواں جھنڈا علاء بن الحضرمی کو دیا، اور بحرین کی طرف روانہ فرمایا ۔

ان سب مقامات اور قبائل میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پہلے اپنے قاصدوں کے ہاتھ اس مضمون کے خط روانہ کئے کہ دین اسلام کو قبول کرو، اور راہ راست پر آؤ، ورنہ ارتداد کے انجام سے ڈرتے رہو ۔

چنانچہ یہ گیارہ عساکر اسلامیہ کے سب سردار اپنے اپنے لشکروں کے ساتھ پہلے مقام ذی القصہ میں جمع ہوئے، اور وہاں سے سب نے اپنے اپنے مجوزہ مقامات کی راہ لی ۔

مرتد طلیحہ کی شورش

ان سب سرکش قبائل سے زیادہ طلیحہ کی شورش تھی، جس نے بنی طے کے اندرونی قبائل جدیلہ و غوث کو بھی اپنے لشکر میں لا کر جمع کر لیا تھا جس میں سے کچھ تو فوراً اُس کے پاس چلے گئے اور بعض نے وعدہ کیا کہ ہم بعد کو آئینگے ۔

خلیفہ اوّل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے مرتدین کی سرکوبی کا یہ انسداد فرما کر سب سے پہلے عدی بن حاتم کو (جو ابھی ابھی رقم زکوٰۃ لے کر دارالخلافت مدینہ شریف میں آئے تھے) یہ فرمایا، کہ تم فوراً جا کے اپنی قوم کی اصلاح کرو ؛

چنانچہ عدی بن حاتم نے جاتے ہی حسب الارشاد اپنی قوم بنی طے کو سمجھایا انجام سے ڈرایا، اور اسلام کی دعوت کی، عدی بن حاتم کے کہنے کا اسقدر اثر ہؤا، کہ جتنے لوگ اُن کے سامنے آئے وُہ سب مسلمان ہوگئے، اس پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یہ بھی کہلا بھیجا، کہ آپ لوگ لشکر اسلام کو اتنی مدد دیں، کہ ہمارے قبیلے کے جو لوگ طلیحہ کے فریب میں آکر اُس کے لشکر میں چلے گئے ہیں، اُن کو واپس بلالیں ؛

چنانچہ دو چار روز میں سارے بنی طے طلیحہ کا ساتھ چھوڑ کر واپس چلے آئے ؛

خالد بن ولید اور طلیحہ

بنی طے کی طرف سے اطمینان ہو جانے کے بعد خالد بن ولید نے ارادہ کیا کہ بنی جدیلہ کی طرف بڑھیں، مگر عدی نے ان کو روک کر کہا، کہ پہلے مجھے وہاں جانے دیجئے، چنانچہ عدی نے تنہا جا کر قبیلہ جدیلہ کو سمجھایا، مخالفت اسلام کے انتقام سے ڈرایا، چنانچہ عدی کے سمجھانے پر ان لوگوں نے بغیر مقابلہ دین اسلام کے آگے سر اطاعت خم کر دیا، اب خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اپنے لشکر کو لے کر طلیحہ کی طرف چلے، اور پہلے دو انصاری بہادروں کو عکاشہ بن محصن اور ثابت بن اقرن کو اپنی فوج کا سردار بنا کے آگے بڑھایا، طلیحہ کا بھائی حبال اسلام کے لشکر پر آپڑا، مگر ان دونوں انصاری بہادروں نے ثابت قدمی سے مقابلہ کرکے دشمنوں کو شکست دی حبال مارا گیا، اور اُس کے رفقاء اپنے سردار کو میدان جنگ میں مردہ چھوڑ کر بھاگ گئے ؛

بھائی کے مارے جانے کا حال سُنکر طلیحہ بیتاب ہو گیا، اور نہایت غیظ و

غضب میں اپنے بھائی سلمہ کے ساتھ لشکر اسلام پر آپڑا طلیحہ کے ساتھ اس قدر کثیر التعداد فوج تھی کہ خالد بن ولید رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے سپاہی طلیحہ والوں کے نرغے کو نہ روک سکے ۔

عکاشہ اور ثابت دونوں بہادرانِ اسلام اسی لڑائی میں شہید ہوئے، اور خالد بن ولید رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے پہنچتے پہنچتے طلیحہ لشکر اسلام کو نقصان پہنچا کر واپس ہو گیا ۔

جب خالد رضی اللہ عنہ پہنچے تو انہیں ان دونوں بہادرانِ انصار کی لاشوں کو خاک و خون میں پڑا ہوا دیکھ کر نہایت رنج ہوا، اور اس واقعہ سے خالد رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے سمجھ لیا کہ طلیحہ کے ہمراہ بہت زیادہ لشکر ہے، اور اس کے جھنڈے کے نیچے بڑے بڑے کار آزمودہ پہلوان ہیں، اس لئے خالد بن ولید رضی مصلحت وقت کے لحاظ سے بجائے آگے بڑھنے کے بنی طے کی طرف واپس ہوئے اور اُن سے جب مدد مانگی تو اُنہوں نے کہا، بنی قیس کے مقابلے میں تو ہم آپ کو کافی مدد دے سکتے ہیں، مگر بنی اسد سے ہم نہ لڑیں گے، وہ اس لئے کہ اگرچہ وہ مرتدوں اور مشرکین کے ساتھ ہیں، مگر ہمارے حلیف ہیں، اس پر خالد رضی اللہ عنہ نے کہا، تم جس سے چاہو لڑو، اگر ہمارا ساتھ دو، ہم اس پر اصرار نہ کرینگے، کہ فلاں قبیلہ سے ضرور لڑو عدی جو دینداری کے جوش میں تمام دنیوی تعلقات بھول گئے تھے، اس موقعہ پر بولے "مجھے کسی کا حلیف ہونے کی پرواہ نہیں، جب بنی اسد نے دشمنانِ اسلام کا ساتھ دیا، تو ہمارے حلیف بھی وہ نہیں رہے ہیں تو بلا تامل اُن سے لڑوں گا ۔

اس پر خالد رضی اللہ عنہ نے کہا، جیسا کہ بنی اسد سے جہاد کرنا ہے، ویسا ہی بنی قیس سے مقابلہ کرنا ہے، اس میں اصرار نہ کرو، وہی کرو جس میں تمہارے قبیلہ

کے لوگ خوش ہوں، ؛

آخر حضرت خالدؓ نے بنی طے کو ساتھ لیکر اپنا لشکر مرتب کیا، طلیحہ کے مقابلے کیلئے بڑھے، اور بزاخہ میں جا پہنچے، بنی عامر یہاں سے قریب ہی تھے، مگر اُنہوں نے کسی کا ساتھ نہ دیا ؛

جنگ بزاخہ طلیحہ بزاخہ میں مُوجود ہی تھا، اُس نے اپنے لشکر کی صفیں درست کیں، اور میدانِ جنگ گرم ہو گیا، نامور شجاع عرب عیینہ بن حصن طلیحہ کے ساتھ تھا، اور اُس کے جھنڈے کے نیچے سات سو فزاری تھے، جو نہایت ہی ثابت قدمی و پامردی سے لڑ رہے تھے، خود طلیحہ ایک چادر اوڑھے پیمبر بنا لشکر کے پیچھے کھڑا تھا، دیر تک اِس جدال و قتال میں جب کوئی نتیجہ نہ ظاہر ہوا، تو عیینہ نے طلیحہ کے پاس آن کر پوچھا، فرمایئے آپ پر جبرائیل آئے، اور کوئی خبر لائے؟ اُس نے کہا کہ ابھی نہیں ادھر مسلمان زیادہ جوش و خروش سے حملہ کر رہے تھے، اور طلیحہ کے ہمراہی بدحواس ہوتے جاتے تھے، آخر عیینہ پھر گھبرایا ہوا طلیحہ کے پاس آیا، اور اُس نے پھر یہی دریافت کیا کہ اب بھی جبرائیل آئے یا نہیں، ہمارا تو کام تمام ہوا جاتا ہے، اِس پر طلیحہ نے کہا ہاں آئے ہیں، اور یہ وحی لائے ہیں، کہ :-

اَنَّ لَکَ رحی کرحاہ وحدیثًا لاتنساہ ؛	ترجمہ :- یعنی تمہارے پاس ویسی ہی چکی ہے، جیسی اُسکے پاس ہے[1]، اور تیرا ذکر بھی ایسا ہے، جس کو تو کبھی نہ بھولے گا ؛

طلیحہ کی زبان سے وحی کے یہ الفاظ سُنکر عیینہ مایوس ہو گیا، اور اپنے قبیلے کے لوگوں یعنی بنی فزارہ سے چلّا کر کہنے لگا، بیشک خدا کو معلوم ہے، کہ عنقریب ایسا معاملہ پیش آنے والا ہے، جس کو ہم زندگی بھر نہ بھولیں گے اے بنی فزارہ!

[1] اہل عرب لڑائی کو چکی سے تعبیر کرتے تھے، وُہ اس لئے کہ جس طرح جنگ آدمیوں کو پیستی ہے، ویسے ہی چکی دانوں کو، مطلب یہ کہ تمہیں بھی ویسی ہی جنگ پیش ہے، جیسی تمہارے دشمنوں کو، اور اپنے اس میدان کے واقعات کبھی تم کو نہ بھولیں گے ؛

بس ہو چکا، اب واپس چلو، یہ پیغمبر نہیں ہے، بلکہ جھوٹا مکار شخص ہے۔

بنی فزارہ اپنے سردار کا اشارہ پاتے ہی بھاگے، اور ساتھ ہی طلیحہ کے لشکر نے بھی شکست کھائی۔

طلیحہ نے پہلے سے ہی اپنی بیوی نوار کیلئے گھوڑا اور زادِ راہ مہیا کر رکھا تھا، وُہ فوراً اُس گھوڑے پر سوار ہوا، نوار کو اپنے پیچھے بٹھا کر بھاگتے بھاگتے اپنے لشکر سے یہ کہتا گیا، لوگو! جس کسی سے بن پڑے میری طرح اپنی اپنی جورو کو لے بھاگے، طلیحہ نے یہاں سے اس طرح فرار ہو کر سرحد شام پر جا کے دم لیا اور بنی کلب میں اُترا۔

| ام زبل کا واقعہ |

اسی سلسلے میں یہ واقعہ بھی پیش آیا، کہ بنی غطفان بنی طے بنی سلیم اور بنی ہوازن کے چند لوگ ام زبل سلمیٰ بنت مالک بن خدیفہ نام ایک عورت کے پاس جا کر جمع ہوئے، یہ عورت ام زبل اپنی ماں ام قرفہ کی زندگی میں گرفتار ہو کر بارگاہ نبوت میں آئی تھی، اور عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کی لونڈی بنی تھی، مگر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے چند روز بعد اُس کو آزاد کر دیا تھا، اُس نے مدینہ شریف سے واپس جا کے پھر ارتداد اختیار کر لیا، بلکہ اسلام کے خلاف علم بغاوت بلند کر کے اپنے ساتھ بہت سے لوگ جمع کئے۔

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے جب اس سرکش عورت کا حال سُنا، تو اپنے لشکر کے ساتھ اُس کی طرف بڑھے، قریب پہنچے تو ام زبل کو مقابلے کیلئے تیار پایا۔

دونوں جانب جنگ کی صفیں مرتب ہوئیں، اور بڑی سخت لڑائی ہونے لگی، ام زبل ایک ناقے پر سوار میدان جنگ کے درمیان تھی، اور لوگ اُس کے اونٹ کے نیچے عجیب جانبازی سے لڑتے اور کٹتے مرتے تھے، مسلمانوں کو یقین ہو گیا کہ جب تک یہ اونٹنی کھڑی ہے، دشمنوں کو شکست نہیں ہو سکتی، اس خیال سے

بہادرانِ اسلام نے اُم زبل پر حملہ کیا، اور اُن تمام لوگوں کو مار مار کر گرایا، اور ہٹایا جو کہ اُم زبل کے ناقہ کو جھرمٹ میں لئے تھے، آخر جان نثارانِ اسلام نے اِس مرتد عورت کے ناقہ کی کوچین کاٹ کر اُسے گرادیا، اونٹ کی محمل سے گرتے ہی ام زبل کسی مسلمان کے ہاتھ سے ماری گئی، اور اُس کے تمام رفقاء سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ گئے ؛

حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالےٰ عنہا کی وفات

ابھی جھگڑوں میں خلافت کے چھ مہینے گذرنے پر جگر گوشۂ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم معصومۂ بتول جناب سیدۃ النساء حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا نے سفر آخرت فرمایا، اور تمام مسلمانوں کے دلوں کو داغ دے گئیں آپ کے ننھے ننھے معصوم بچے جو آغوش رسالت میں کھیلا کرتے تھے، اپنی مادر مہربان کی وفات پر بلک بلک کے روتے تھے، اور جو شخص اِن شہزادوں کو دیکھتا تھا، اُس کا کلیجہ پاش پاش ہو جاتا تھا ؛

حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کو اپنی بیوی کے مرنے کا سخت رنج ہوا آپ درویشانہ زندگی بسر کرنے کے عادی تھے، دنیاوی جھگڑوں سے ہمیشہ الگ رہتے تھے، لیکن حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا، کی وفات کے بعد آپ نے فوراً ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کر لی بلکہ اُس وقت تک جو لوگ انتخاب خلافت کے اختلاف میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیعت سے رُکے ہوئے تھے، اُن سب لوگوں نے بھی بیعت کر لی، اور خلافت کا اختلاف مٹ گیا، ساتھ ہی مرتدین کا زور بھی بہت کچھ ٹوٹ چکا تھا، بڑے بڑے زبردست دشمن خالد بن ولید رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی شمشیر آبدار سے خاک وخون میں مل چکے تھے، اب صرف ایک دشمن مسیلمہ کذاب اور اُس کے ساتھ چند منتشر قبائل باقی رہ گئے تھے، جن کا قلع وقمع کرنا باقی تھا ؛

چنانچہ خلیفہ اوّل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو حکم دیا، کہ اب تم یمامہ میں حجر کی طرف جاؤ اور مسیلمہ کذاب کے فتنہ کو دُور کرو، اس سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسیلمہ کذاب کے مقابلے پر عکرمہؓ بن ابوجہل کو اور اُن کے پیچھے شرجیل بن حسنہ کو روانہ کیا تھا، عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جلدی جلدی کوچ کر کے مسیلمہ کذاب کے مقابلے پر پہنچ گئے تھے، اور فوراً لڑائی شروع کردی تھی، لیکن عکرمہ کو شکست ہوئی، شرجیل یہ حال سنکر راستے میں ہی ٹھہر گئے تھے، عکرمہؓ نے دربار خلافت میں جب اس شکست کا حال لکھا، تو ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فوراً جواب میں لکھا، "خبردار وہاں سے واپس نہ چلے آنا، تم مسیلمہ کو چھوڑ کر حذیفہ اور عرفجہ کی طرف کوچ کر کے یمن و حضرموت میں مہاجر سے جا ملو"۔ اور شرجیل کو لکھا "کہ خالد بن ولید تمہارے پاس آ رہے ہیں، جب تک تمہارے پاس نہ پہنچیں، تم جہاں ہو وہیں مقیم رہو، اور جب مسیلمہ کذاب کی مہم سے فراغت ہو جائے، تو تم عمرو بن عاص سے جا ملنا، جو بنی قضاعہ کے مقابلہ پر گئے ہوئے ہیں" ؀

جنگ یمامہ، مسیلمہ کذاب کی سرکوبی،

غرضیکہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے حکم کے مطابق مسیلمہ کذاب کی سرکوبی کیلئے مہاجرین و انصار کے ہمراہ روانہ ہوئے گروہ انصار کے سردار ثابت بن قیس بن شماس تھے، اور مہاجرین کے سردار ابو حذیفہ اور زید بن الخطاب یعنی عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے بھائی ؀

مسیلمہ کذاب کے ہمراہیاں یعنی بنی حنیفہ کی تعداد بہت زیادہ تھی، اُن میں چالیس ہزار نبرد آزما موجود تھے، شرجیل نے خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روانگی کا حال سنا تو ان سے پہلے ہی کوچ کر کے حملہ کر دیا، اور مسیلمہ کذاب کے لشکر سے مڈبھیڑ شروع کر دی ؀

جب خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے یہ سنا تو اس پر شرجیل کو سرزنش کی، ادھر ابوبکر صدیق

نے یہ انتظام کیا، کہ خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد اُن کی کمک کیلئے سلیطہ کو بھی ایک لشکر کے ساتھ روانہ کر دیا، تاکہ کسی کو اس کا موقع نہ ملے، کہ خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پشت کی طرف سے اُن پر حملہ آور ہو۔ سیلمہ کذاب نے دعویٰ نبوت کر کے اپنی چالاکیوں اور کرشمہ سازیوں سے عجب آفت مچار کھی تھی، اُس نے موذن اور تکبیر کہنے والے سب مقرر کر رکھے تھے، عبداللہ بن نواحہ موذن تھا، حجیر بن عمیر یہ تکبیر کہا کرتا تھا۔

اشھد ان مسیلمۃ یزعم انہ رسول اللہ (ترجمہ: میں اقرار کرتا ہوں کہ مسیلمہ کے خیال میں ہے کہ وہ خدا کا رسول ہے)

مسیلمہ حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم کے جو واقعات سنتا تھا، خود بھی اُن کی نقل کرنے لگتا، مگر اکثر اس کا انجام الٹا ہوا کرتا تھا۔

مسیلمہ کے ہمراہیوں میں سب سے زیادہ مفسد و منفنی نہار الرجال بن غنوہ نام ایک شخص تھا، جو پہلے حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم کے رفقاء میں تھا، اس شخص نے بھی ہجرت کی تھی، قرآن شریف کی تعلیم پائی تھی، اسے دین اسلام میں بھی بصیرت حاصل تھی اس لئے حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات میں اُس کو معلم دین مقرر فرما کے اہل یمامہ کی ہدایت کیلئے بھیجا تھا، لیکن یہ مسیلمہ کے فریب میں شریک ہو گیا تھا۔

بہرحال خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسیلمہ کذاب کے علاقہ میں مقام عقربا میں پڑاؤ ڈالا، جب مسیلمہ کو لشکر اسلام کے آنے کی خبر ہوئی، تو اُس نے اپنے ایک شریف و نامور سردار مجاعہ بن مرارہ کو تھوڑی سی فوج دیکر مقابلہ کیلئے بھیجا، لیکن بہادران اسلام نے اُس کو اور اُس کے تمام ہمراہیوں کو گرفتار کر لیا۔

اس کے بعد مسیلمہ نے خود مقابلے کا انتظام کیا، مال و اسباب کو لشکر کے پیچھے رکھا اور اُس کے بیٹے شرحبیل بن مسیلمہ نے بنی حنیفہ کے مجمع میں کھڑے ہو کر غیرت و جوش دلانے والی یہ تقریر کی، "کہ لوگو لڑو، دشمنوں سے خوب لڑو، آج غیرت کا دن ہے، اگر شکست ہوئی تو تمہاری بیویاں اور بیٹیاں لونڈیاں بنیں گی، اور جن کے

نکاح میں ہیں، اُن کے پہلو سے نکل کر دوسروں کی حریمیں ہو جائیں گی، لہٰذا اپنے نسب کو یاد کرو، اور اپنی عورتوں کو بچاؤ، اس تقریر سے بنی حنیفہ جوش وخروش سے آ گئے، اور لڑائی چھڑ گئی ؛

لڑائی نہایت جوش وخروش سے ہو رہی تھی، حق و باطل پوری قوت سے لڑ رہے تھے، اور کوئی ہٹنے کا نام نہ لیتا تھا، بنی حنیفہ کی طرف سے سب سے پہلا حملہ نہار الرّجال نے کیا اور کمال پامردی سے مسلمانوں کی صفوں میں گھس پڑا، مگر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بھائی زید بن الخطاب نے مقابل ہو کے اس کا کام تمام کر دیا ؛ نہا الرجال کے مارے جانے کے بعد مسیلمہ کے لوگ بھڑک اُٹھے، اور سر بکف ہو کر لڑنے لگے، دونوں فوجیں مل گئیں، کشتوں کے پشتے لگنے لگے، اتنے میں بنی حنیفہ نے اس زور سے حملہ کیا، کہ مسلمانوں کے قدم اکھڑ گئے، سرداروں نے ہزار کو سنبھالا، مگر کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی، مہاجرین کے علم بردار، عبداللہ بن حفص شہید ہو گئے، تو ابو حذیفہ کے غلام سالم نے بڑھ کے جھنڈا سنبھال لیا ؛

مگر باوجود جاں نثارانِ اسلام کی اِن جاں بازیوں کے مسلمان برابر پیچھے ہٹتے اور بھاگتے چلے جاتے تھے، اس وقت بنی حنیفہ نے موقعہ پا کر خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خیمے پر حملہ کر دیا، تاکہ وہ اپنے سردار مجاعہ کو چھڑا لیں، دشمنوں کی یہ یورش دیکھ کر خود خالدؓ کو خیمہ چھوڑ کر ہٹ جانا پڑا، اور وہ لوگ مجاعہ کے پاس پہنچ گئے ؛

اتنے میں مسلمانوں نے از سرِ نو مرتب ہو کر پھر حملے شروع کئے، خالد نے تو اس زور وشور سے حملہ کیا کہ بنی حنیفہ مجاعہ کو اسی طرح پا بزنجیر چھوڑ کر بد حواسی سے کے ساتھ پیچھے ہٹے ؛

ادھر بنی حنیفہ نے بھی اپنے قدم جما لئے تھے، اب پھر قیامت خیز لڑائی ہونے لگی، کسی وقت تو یہ معلوم ہوتا تھا، کہ مسلمان شکست کھا کے بھاگا ہی چاہتے ہیں،

اور کسی وقت یہ نظر آتا تھا، کہ بنی حنیفہ میں اب دم نہیں رہا پیٹھ دکھانے کو ہیں، اسی مضطربانہ حالت میں لشکر مہاجرین کے دونوں سردار ابو حذیفہ اور زید بن الخطاب شہید ہوگئے، اور ابو حذیفہ کے غلام سالم نے بھی فردوس بریں کی راہ لی ؛

بلکہ انصار کے سردار اور علم بردار ثابت بھی واصل بحق ہوئے ؛

غرضیکہ دونوں جانب کے لوگ بکثرت مارے گئے، کوئی نہ کہہ سکتا تھا، کہ کون زیادہ خسارے میں ہے، لڑائی کا یہ رنگ دیکھ کر خالد رضی اللہ عنہ نے دل میں کہا :-

"جب تک مسیلمہ زندہ موجود ہے، ان لوگوں کو شکست نہ ہوگی" یہ سوچتے ہی انہوں نے اپنے چند رفقا کے ساتھ سربکف ہو کر حملہ کیا، اور یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نعرے لگاتے ہوئے یہ جاں نثاران اسلام دشمنوں میں گھس پڑے، جو سامنے آیا، اسے مار کے گرادیا، اور اسی شجاعت سے جب مسیلمہ کے قریب پہنچ گئے، تو اس کا نام لے کے پکارا، اس نے جواب دیا، کہ کیا کہتے ہو، میں موجود ہوں، خالد رضی اللہ تعالٰی عنہ اور قریب پہنچے، تو اپنی طرف سے چند ایسی شرائط صلح پیش کیں، جو دشمنوں کے موافق تھیں خالد رضی اللہ تعالٰی عنہ ہر شرط کو پیش کرتے اور وہ ایک جانب منہ پھیر کے یعنی اپنے مشیر فرشتے سے پوچھ کے ہاں یا نہیں جواب دیتا، ایک شرط پر جیسے ہی اس نے فرشتے سے مشورہ کرنے کیلئے منہ پھیرا تو خالد رضی اللہ تعالٰی عنہ اس پر جھپٹ پڑے، اور وہ پیٹھ پھیر کے بھاگا، مسیلمہ کے بھاگتے ہی ساتھ والوں کو بھی شکست ہوگئی، تو خالد رضی اللہ عنہ نے پکار کر کہا، "اجی صلح کی شرطیں تو طے ہو جانے دو، مگر بد حواسی میں کون سنتا تھا، بنی حنیفہ میں محکم نام ان کے ایک سردار نے غل مچا مچا کے اپنے مفرور لوگوں سے کہا، "باغ میں باغ میں" چنانچہ فوراً سب لوگ ایک ایک کر کے اس باغ میں گھس گئے، جو وہاں سے قریب تھا، اور باغ کے اندر داخل ہوتے ہی دشمنوں نے جب پھاٹک بند کر لیا، تو اسد نے چلا چلا کے لوگوں سے کہنا شروع کیا، "کہ مجھے کسی طرح اچھال کے باغ کے

اندر ڈال دو، لوگوں نے کہا یہ تو ہم سے نہ ہوگا، اُنہوں نے کہا نہیں تم سے ہوگا یہ کہتے ہی اسد نے ایک جست کی اور ایک ہی جست میں دیوار کے اوپر تھے، قبل اس کے کہ باغ والے ان کی طرف رُخ کریں، وہ اندر پھاند پڑے ؛

بنی حنیفہ نے اسد کو اکیلا پاکے چاروں طرف سے نرغہ کیا، مگر وہ سب سے لڑتے بھڑتے پھاٹک کے پاس پہنچے اور اُسے کھولدیا ؛

پھاٹک کھلتے ہی سارے مسلمان اندر گھس پڑے اور بنی حنیفہ پر مسلمانوں کی تلواریں قہر الٰہی کی بجلیاں گرانے لگیں ؛

مسیلمہ کذاب کا قتل

اب پھر زور شور سے لڑائی شروع ہوگئی، اتنے میں یکایک ایک شخص نے مسیلمہ کذاب پر ایک ایسا نیزہ مارا کہ وہ گر پڑا ساتھ ہی ایک انصاری بزرگ نے جو قریب ہی تھے، جوش کے ساتھ اُس پر ایک ایسی بھرپور تلوار ماری کہ مسیلمہ کذاب کا خاتمہ ہوگیا ؛

مسیلمہ کے مرتے ہی بنی حنیفہ اپنے پیغمبر کو خاک و خون میں غلطاں چھوڑ کے بھاگے اب خالد رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو جستجو ہوئی، کہ مسیلمہ کا اصلی قاتل کون ہے، تفتیش کے بعد معلوم ہوا، کہ یہ کارنمایاں جبیر بن مطعم کے اسی حبشی غلام وحشی سے ظاہر ہوا ہے، جس نے غزوہ احد میں سید الشہدا عم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کو دغا بازی سے شہید کیا تھا، اُسی نے اِس موقعہ پر مسیلمہ کی جان لی، اور محض حسبۃً للہ وہ بھی اس اُمید پر کہ شاید یہ کام اُس کے گذشتہ جرم کا کفارہ ہو سکے؛

لڑائی اب ختم ہوچکی تھی، بنی حنیفہ چاروں طرف بھاگ رہے تھے، اور مسلمان اُن کو رگید رگید کے قتل کر رہے تھے، اِس وقت خالد رضی اللہ عنہ نے پابزنجیر مجاعہ کو اپنے ساتھ لیا، اور میدان جنگ میں گشت لگانے لگے، جہاں چاروں طرف لاشیں بچھی ہوئی تھیں، محکم یمامہ کی لاش دیکھ کر خالد رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے مجاعہ سے پوچھا، کیا

تمہارا پیغمبر یہی ہے؟ محکم خوش رو اور وجیہہ تھا، اس وجہ سے خالدؓ کو اس پر مسیلمہ کا شبہ ہوا مجاعہ نے کہا، یہ نہیں ہے، یہ تو اُس سے اچھا اور زیادہ معزز شخص تھا، یہ محکم ہے" اس کے بعد خالد بن ولید رضی اللہ تعالےٰ عنہ باغ کے اندر داخل ہوئے، وہاں ایک شاندار لاش نظر آئی، جس کے بال کچھ کھلے تھے، اور کچھ بندھے تھے، چہرا زرد تھا، یہ لاش سب سے الگ پڑی تھی، اُس کو دیکھتے ہی مجاعہ نے کہا یہ ہے وہ شخص جس کیلئے آپ لوگ یہاں آئے ہیں، اور اب آپ کو اس کے ہاتھ سے نجات مل گئی ہے ؛

اس پر خالد رضی اللہ عنہ نے فرمایا "اسی نے تم کو خراب کیا" ؛

محکم اسی لڑائی میں خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بہادر فرزند اور ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے سگے بھائی عبد الرحمٰن کے ہاتھ سے مارے گئے جب لڑائی اور قتل و غارت کے جھگڑے ختم ہو چکے، اور انتظام کا وقت آیا، تو مجاعہ نے کہا "مسیلمہ کذاب کی مدد پر جلدی میں جو لوگ پہنچ سکے، وہی اس لڑائی میں شریک ہوئے تھے، ورنہ قلعوں میں ابھی کافی فوج بھری پڑی ہے، چنانچہ اس بیان کو سچ خیال کر کے خالدؓ نے ان شرائط پر اہل یمامہ کی جان بخشی کی، کہ سب لوگ چھوڑ دیئے جائیں، ان کے پاس جو کچھ سونا چاندی ہو اور جتنے اسلحہ ہوں، سب لے لئے جائیں ؛

لیکن دوسرے دن معلوم ہوا، کہ یہ مجاعہ کا فریب تھا، اُس نے بنی حنیفہ کو اشارہ کر دیا، کہ تمام زن و مرد ہتھیار لگا کے اوپچی بن جائیں، اور عورتیں مردوں کی وضع سے بال کھول کر قلعہ کے برجوں اور بلندیوں پر چڑھ جائیں، تاکہ دُور سے قلعہ سپاہیوں سے بھرا نظر آئے ؛

خالد رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو جب یہ حال معلوم ہوا، تو اُنہوں نے مجاعہ سے کہا، کہ تو نے مجھے فریب دیا۔ مجاعہ نے جواب دیا "یہ میری قوم کا معاملہ تھا، فریب ہی سے اُن کی جان بچ گئی، میرے لئے یہی غنیمت ہے" خالد رضی اللہ عنہ نے اس کا یہ عذر تسلیم

کرکے صلح کی وہی شرطیں برقرار رکھیں، اس محشر خیز لڑائی میں اگرچہ خُدا نے مسلمانوں کو کامیاب کیا، لیکن مسلمانوں کو بھی بہت نقصان پہنچا ؛

مدینہ شریف کے مہاجرین والنصار میں سے ۳۶۰ بزرگانِ اُمت واصلِ بہ حق ہوئے اور مہاجرین غیر مدینہ یعنی مکہ شریف کے رہنے والوں میں سے ۳۰۰ صحابیوں نے شربت شہادت نوش کیا، جن میں بڑے بڑے نامی گرامی صحابہ نے سفرِ آخرت اختیار فرمایا ان میں بہت سے بدری تھے، بعض آغاز عہد نبوت کے رفقائے رسالت تھے، خود خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چچازاد بھائی زبیر بن عوام کے سگے بھائی جیسے اصحاب کبار اس دُنیا سے رخصت ہو گئے ؛

بنی حنیفہ کے سات ہزار آدمی عقربا کے میدان میں سات ہزار باغ کے اندر اور اتنے ہی بھاگتے میں کُل ۲۱ ہزار آدمی مارے گئے ؛

سنہ ۱۲ھ

مسیلمہ کذاب کے مارے جانے پر جب بنی حنیفہ وغیرہ کی شورش کا خاتمہ ہو گیا، تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت زید بن ثابت کو بلا کر کہا، کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجھے مشورہ دیا ہے، کہ جنگ یمامہ میں بہت سے مسلمان سفر آخرت کو سدھارے ہیں، اندیشہ ہے، کہ کہیں اس جدال و قتال میں حافظانِ قرآن کے ساتھ ہی قرآن شریف دُنیا سے نہ اُٹھ جائے، اسلئے قرآن شریف کو جمع کر لینا چاہیئے ؛ لہٰذا میں بھی اس رائے کو پسند کرتا ہوں، کہ قرآن شریف جمع کر لیا جائے، تم جوان وعاقل شخص ہو، پھر حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ حیات میں تم کاتب وحی بھی رہ چکے ہو، اس لئے یہ کام تمہارے ہی سپرد کیا جاتا ہے، کوشش کرکے قرآن شریف جمع کرو ؛

امام بخاری علیہ الرحمہ نے لکھا ہے، کہ زید بن ثابت نے فرمایا، اگر مجھ پر پہاڑ بھی

لادویا، جاتا تو میں اُس کا بار اُٹھا لیتا، لیکن میرے لئے یہ بار سخت تر تھا، اسلئے میں نے عرض کیا، آپ دونوں صاحب اس امر کی کس طرح جرأت کر رہے ہیں جس کو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہیں کیا" ؛

اِس پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا، کہ اس میں کچھ مضائقہ نہیں ہے، یہ نیک کام ہے ؛

حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق و حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے اصرار کرنے پر میں نے اس بار عظیم کو اُٹھایا، اور میں نے کاغذ کے پرچوں ہڈیوں درختوں کے پتّوں پر لوگوں کے دلوں سے قرآن شریف کی آیات شریف کو لکھنا شروع کیا، آخر میں نے تمام قرآن شریف اسی طرح لکھ لیا[1] ؛

بحرین وعمان کے مرتدین کی سرکوبی

یہ واقعہ ۱۲ سنہ ہجری مطابق ۶۳۲ سنہ ء کا ہے، اسی سال حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے علاء بن الحضرمی کو اہل بحرین وعمان کے مرتدین کی سرکوبی کیلئے روانہ فرمایا ؛

اِس سرزمین کے ممتاز و معزز لوگوں میں سے جارود بن معد عبدی حضور پُرنور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد میمنت عہد میں حاضر مدینہ ہو کر ایمان لائے اور عقاید دین کی تعلیم حاصل کی، حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو بنی عبد القیس کا سردار مقرر فرما کے واپس بھیجا، کہ اپنے اِس قبیلے کے لوگوں کو بھی پیرو حق بنائیں چنانچہ وہ بنی عبد القیس میں تلقین اسلام کر رہے تھے، کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سفر آخرت فرمایا ؛

ابان بن منذر کا فتنہ ارتداد

اِن دنوں بحرین کا حکم منذر بن ساوی تھا اور وہ مسلمان تھا حضور پُرنور صلی اللہ

[1] حضرت زید بن ثابت کا لکھا ہوا قرآن شریف حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات تک آپ کے پاس رہا، پھر آپ کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس رہا، اور اس کے بعد حفصہ بنت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس (قرآن شریف کے متعلق ہم آئندہ صفحات میں (یعنی حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت کے تحت) تبصرہ کرینگے ؛ خاکسار مؤلف شوق امرتسری

علیہ وآلہٖ وسلم کی وفات حسرت آیات کے چند روز بعد منذر بھی اس دُنیا سے چل بسا اور اُس کے مرتے ہی اہل بحرین میں ایک اضطراب پیدا ہو گیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا، کہ سب اہل بحرین مرتد ہو گئے ؛

مگر جارود نے یہ کارروائی کی یعنی وفات سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر سنتے ہی اپنی قوم بنی عبد القیس کو جمع کر لیا، اور اُن کے درمیان کھڑے ہو کر سب سے سوال کیا "تم جانتے ہو، کہ قرون ماضیہ میں خدا کے بہت سے پیغمبر گذرے ہیں"، سب نے کہا "ہاں جانتے ہیں"۔ اِس پر پوچھا تو پھر اُن سب کا خاتمہ کیا ہوا، وہ بولے "ہم یہ بھی جانتے ہیں، یعنی وہ سب مر گئے"، اِس کے بعد جارود نے کہا، "تو پھر سنو! اسی طرح ہمارے پیغمبر و رسول آخر زماں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی سفر آخرت فرمایا، اور میں گواہی دیتا ہوں، کہ "اشھد ان لا الٰہ الا اللہ و اشھد ان محمداً رسول اللہ"۔

جارود کی اس تقریر کا یہ اثر ہوا، کہ وہ سب لوگ دین اسلام پر قائم رہے، اور قبیلہ بنی عبد القیس ارتداد کی ضلالت سے بچ گیا ؛

لیکن بنی ربیعہ کے وہ تمام لوگ جو ارض بحرین میں پھیلے ہوئے تھے، سب مرتد ہو گئے، اور اُنہوں نے یہ کہنا شروع کیا، کہ اِس مُلک میں ہم منذر بن نعمان بن منذر کی حکومت پھر قائم کرینگے، منذر بن نعمان بن منذر اگرچہ مسلمان ہو چکا تھا، لیکن وہ خود بھی مرتد ہو گیا، حُطم بن ضبیعہ اور قبیلہ بکر بن وائل کا ایک گروہ اُس کے ساتھ ہوا، جب اُس کے پاس بحرین کے تمام لوگ جمع ہو گئے، تو اُس نے علم بغاوت بلند کر دیا، یہ سرکش گروہ آگے بڑھکر قطیف اور ہجر میں ٹھہرا، اور اطراف و جوانب کے تمام لوگوں کو بہکا کے اپنے ساتھ کر لیا، یہاں سے اُس نے دو لشکر مرتب کئے، ایک تو شہر دارین میں بھیجا اور دوسرے کو مقام جواثا کی طرف ؛

جواثا میں جارود اور اُن کے ہمراہی مسلمان تھے، جن کو اِن مرتدوں نے محصور

کرلیا، اور باہر کی رسد بالکل بند کردی ان تھوڑے سے بکیس و بے دست پا مسلمانوں کے حق میں یہ محاصرہ نہایت ہی سخت تھا، چنانچہ انہیں محصورین میں ایک بزرگ عبد اللہ بن غذف تھے، جو شاعر تھے، انہوں نے اپنی مصیبت کے اظہار میں چند شعر کہے، جو تمام مسلمانوں میں پھیل گئے، ان اشعار کا مضمون یہ تھا، کہ :-

"ابوبکرؓ اور جملہ جوانان مدینہ کو کوئی ہمارے حال کی خبر پہنچادے، اور پوچھے کہ کیا تمہیں ان چند شریف لوگوں سے ہمدردی ہے، جو جواثا میں محصور بیٹھے ہیں؟ ان کے خون ہر راستے میں گویا آفتاب کی شعاعیں ہیں، جن سے آنکھیں چکاچوند ہو جاتی ہیں، ہم نے خدا پر بھروسہ کیا، اور دیکھ لیا، کہ خدا پر بھروسا کرنے والوں کو خدا کی مدد پہنچ جاتی ہے"

علاء بن حضرمی کا جوش اسلام

آخر علاء بن حضرمی حسب ارشاد خلیفہ اوّل مدینے شریف سے چل کے یمامہ کے پہاڑوں میں پہنچے، یہاں ثمامہ بن آثال حنفی مسلمانان بنی حنیفہ کے ایک گروہ کے ساتھ ان سے آملے، پھر قیس بن عاصم سنقری بھی اپنے گروہ کے ساتھ آ گئے اور اس رقم زکوٰۃ کا معاوضہ لا کے پیش کیا، جو انہوں نے حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد لوگوں میں تقسیم کردی تھی، علاوہ ان کے اور بہت سے سردار اپنی اپنی جمعیت کے ساتھ اس لشکر اسلام کے ساتھ آنکر مل گئے، چنانچہ علاء رضی اللہ عنہ اس لشکر عظیم کو لے کر آگے بڑھے رات ہو جانے کے باعث شہر دینار کے اطراف میں پڑاؤ ڈال دیا، اتفاقاً یہاں ایک ایسا اتفاق پیش آیا، کہ تمام اونٹ جو اسباب سے لدے ہوئے تھے، بھڑک کر بھاگ گئے، اور سارا اسباب و پانی بھی لے گئے۔

اب جاں نثاران اسلام کے پاس نہ کھانے کو کھانا تھا نہ پینے کو پانی، ہر شخص مضطرو بدحواس اور زندگی سے مایوس ہو رہا تھا۔

اسی حالت میں صبح ہوئی سب نے نماز فجر ادا کی، نماز سے فارغ ہوتے ہی علاء بن

حضرمی نے بارگاہ الٰہی میں دعا کیلئے ہاتھ اٹھائے، سب مسلمانوں نے رقت قلب اور بکمال خضوع وخشوع سے آمین کہنا شروع کی، دعا مانگتے ہی کیا دیکھتے ہیں، کہ تھوڑے فاصلے پر ایک تالاب ہے، جس کا پانی لہریں لیتا نظر آرہا ہے، فوراً سب لوگ وہاں پہنچے، خوب سیر ہوکے پانی پیا، نہائے دھوئے کپڑے دھوئے اور دن بھر اسی رحمت ایزدی سے لطف اٹھاتے رہے، ابھی سب جاں نثاران اسلام وہیں تھے، سورج غروب نہ ہوا تھا، کہ کیا دیکھتے ہیں، کہ چاروں طرف سے اُن کے مفرور اونٹ اسی طرح سامان سے لدے پھندے آپ ہی آپ واپس چلے آرہے ہیں، کسی نے انکے پکڑنے کی کوشش نہ کی، حتٰی کہ وہ سب قریب آکے اطمینان سے بیٹھ گئے آخر سب نے اپنے اپنے اونٹ کو تالاب میں پانی پلایا، اور خدا کا شکر ادا کیا ؎

یہاں سے کوچ کرکے یہ لشکر اسلام خاص شہر ہجر میں اترا اور وہاں سے اُن مسلمانوں کو جو جواثا میں گھرے ہوئے تھے، اُن کو محاصرے کے عذاب سے نجات دلائی اور جارود کے پاس کہلا بھیجا کہ تم اپنے قبیلے بنی عبد القیس کے سپاہیوں کے ساتھ حطم کے مقابلے پر جاکے ٹھہرو، جو دشمنوں کا ایک نامور سردار تھا، ؎

اس کے بعد مسلمانوں نے اپنی فوج کے گرد خندق کھودی، اُدھر مرتدین نے بھی اپنے پڑاؤ کے گرد خندق کھودی ؎

بہادران اسلام روز شام کو خندق کے پار ہوکر دشمنوں پر حملہ کرتے، اور لڑبھڑ کر واپس چلے آتے تھے، کامل ایک مہینے تک یہی ہوتا رہا ؎

ایک رات کو دشمنوں میں کچھ شور وغل سنا گیا، تو علاء نے کہا ؛ کون خبر لائے گا کہ یہ کیسا غل ہے ؟ عبداللہ بن حذف نے جن کے اشعار کے مضمون سے ناظرین کو آگاہ کردیا گیا ہے، وہ اگرچہ محصوری کی سخت تکلیفیں اٹھا چکے تھے، کھڑے ہوکر

کہا، میں اس کی خبر لاؤں گا ؛

علا نے اجازت دی، اور وہ دشمنوں کے خندق کے پاس کھڑے ہو کے دیکھنے لگے، کہ لوگ کیا کر رہے ہیں، اتفاقاً کسی دشمن کی نظر ان پر پڑ گئی، اور بہت سے دشمنوں نے نرغہ کر کے انہیں پکڑ لیا ؛

عبداللہ موصوف کی ماں بنی عجلان میں سے تھیں، جس سے مقابلہ تھا، اور ان کے ماموں انہیں لوگوں میں محصور تھے، جنہوں نے عبداللہ کو اسیر کیا تھا، چنانچہ اسیر ہوتے ہی قرابت کی امید پر انہوں نے نعرہ لگایا، یا ابجیرا ابجیرا فوراً سامنے آیا، اور ان کو پہچان کر حال پوچھا، تو عبداللہ نے کہا :-

کیا حال بتاؤں بنی عجلاں اور بنی تیم کے ہاتھوں اسیر ہوں، ابجیر نے فوراً اپنی قوم والوں کے پنجے سے ان کو نجات دلائی، اور انہیں اپنے ساتھ لیجا کر کہا :-

تم میرے بڑے بھانجے ہو، اور اپنے ماموں کے پاس اس وقت رات کو اور اس شان سے آئے ہو!

اس پر عبداللہ نے کہا، ملامت و سرزنش تو بعد میں کیجئے گا، اس وقت بھوکا ہوں کچھ کھانا کھلوائیے، اور زاد راہ دیکر مجھ کو یہاں سے نکلوائیے ؛

ابجیر کو یہ مشکل معلوم ہوتا تھا، جب سپہ سالار فوج اور سارے لشکری شراب کے نشے میں مست اور غافل پڑے تھے، اس وقت اس نے عبداللہ کو اونٹ کی سواری اور سامان سفر دے کر اپنے لشکر سے نکال دیا ؛

چنانچہ عبداللہ بن حذف یہاں سے چھوٹتے ہی سیدھے علا بن حضرمی کے پاس آئے، اور سارا واقعہ بیان کر کے کہا، کہ وہ دشمن شراب کی بدمستی میں غل مچاتے تھے ؛

یہ حال سنتے ہی علا نے اسی وقت رات کے اندھیرے میں دشمنوں پر حملہ کر دیا، اور

قبل اس کے کہ کافروں کو خبر ہو مسلمان اُن کے خندق میں داخل ہو ہو کر تکبیر کے نعرے لگاتے ہوئے دشمنوں کو قتل کرنے لگے ؛

بہادرانِ اسلام کے مقابلے کا کس کو ہوش تھا، سب لوگ بدحواسی کے ساتھ اُٹھ اُٹھ کر بھاگنے لگے، اور مسلمانوں نے اُن کو بے دریغ تہہ تیغ کرنا شروع کیا جس کا انجام یہ ہوا، کہ بہت سے بھاگ گئے، اور بہت سے بھاگنے میں مارے گئے، اکثر گرفتار کر لئے گئے ؛

صبح کے وقت مسلمان اُن کی لشکرگاہ پر قابض تھے، اس کے بعد لشکر اسلام کے سپہ سالار علاء بن حضرمی نے یہ کارروائی کی، کہ پہلے تو بنی بکر بن وائل کے امداد کو حیلہ اور حق پرست سرداروں کو جن میں عتیبہ بن نہاس اور مثنیٰ بن حارثہ وغیرہ تھے، لکھا کہ ہر طرف مرتدوں اور بھاگنے والوں کی ناکہ بندی کریں، جب یہ انتظام حسب دلخواہ ہو گیا، تو سمندر کے کنارے پہنچے، اور مسلمانوں سے کہا، میرے پیچھے پیچھے چلے آؤ، جب دیکھا، کہ لوگ صدق دل سے ساتھ دینے پر تیار ہیں، تو کہا، اللہ جل شانہٗ نے خشکی میں تم کو اپنی ایک نشانی اور قدرت دکھا دی، جس کا مقصد یہ تھا، کہ سمندر کا بھی اندیشہ نہ کرو، اور اُسے بلا تامل طے کر جاؤ"، یہ کہتے ہی وہ پانی میں چل کھڑے ہوئے زبان سے یہ کہتے جاتے تھے، "یا ارحم الرّٰحمین - یا کریم، یا حلیم، یا احد یا صمد یا حی یا محی الموتیٰ یا حی یا قیوم لا الٰہ الا انت یا ربنا"۔ اور جو دشمن سمندر کے پار تھے، اُن پر جا پڑے ؛

ناظرین کو یاد ہو گا، کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے عکرمہ بن ابو جہل کو مسیلمہ کذاب کی سرکوبی کیلئے روانہ کرنے کے بعد لکھا تھا، کہ "خبردار تم یہاں واپس نہ آنا، بلکہ اُدھر ہی سے مع اپنی فوج کے عمان چلے جانا، اور حذیفہ اور عرفجہ کی مدد کرنا"، اور جب اُس مہم سے فراغت ہو جائے، تو جنوب کی طرف بڑھتے ہوئے یمن

پچلے جانا ؛

چنانچہ اس فرمان خلافت کے مطابق عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عمان کی طرف بڑھے ادھر عساکر اسلام کے آنے کا حال سنتے ہی جیفر اور عیاد نے بھی اپنے گروہوں کے ساتھ اس کے شہر صحار میں پڑاؤ ڈالا، اور سرداران عساکر اسلام کو اپنے آنے کی خبر کی ؛

چنانچہ تینوں سردار عکرمہ حذیفہ اور عرفجہ بھی وہاں جا پہنچے، ادھر لقیط ذوالتاج جلبندی اپنے لشکر کے ساتھ بڑھ کر شہر دبا میں خیمہ زن ہو گیا ؛

جیفر و عیاد نے اُن معززین عمان سے مراسلت کی جو جلبندی کے ساتھ تھے اور اُن کو توڑنا چاہا، مگر اس کا کوئی نتیجہ نہیں ظاہر ہونے پایا تھا، کہ لشکر اسلام بھی بڑھ کر دبا میں جا پہنچا، اور جلبندی کے مقابل صفیں مرتب کیں، آخر لڑائی شروع ہو گئی، اور بڑی سخت لڑائی ہوئی ؛

تھوڑی دیر کی میدان آرائی میں جلبندی کا غلبہ ہوا، اس کے ساتھیوں نے جان پر کھیل کے مسلمانوں کو ہر طرف دبانا اور پسپا کرنا شروع کیا، یہاں تک کہ مسلمانوں کو اپنی حالت بہت ہی نازک اور خطرناک نظر آنے لگی ؛

عین اسی نازک حالت میں خریت بن راشد سردار بنی ناجیہ مسلمانوں کی مدد پر آگیا، ساتھ ہی سیحان بن صوحان سردار بنی عبد القیس بھی حق کی تائید پر آپہنچا، اُن کے ماسوا اور بھی کئی فوجیں مسلمانوں کی کمک پر آگئیں، تو یک بیک میدان کا رنگ بدل گیا ؛

بحرین و عمان کی فتح

یا تو مسلمان پسپا ہونے کو تھے یا اب مرتد پیچھے ہٹنے اور بدحواس ہونے لگے یہ دیکھ کر سرداران لشکر اسلام نے تکبیر کے نعرے لگا لگا کے ایسے زور و شور سے حملے کئے کہ کافروں کے قدم اکھڑ گئے، بدحواسی کے ساتھ بھاگے اور فتحیابوں نے تعاقب میں اُن کا قلع و قمع کرنا شروع کیا ؛

دس ہزار مرتد مارے گئے، اور کثیر التعداد مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا، جس کا پانچواں حصہ خلافت کا حق تھا، اس کو لیکر خود عرفجہ بارگاہ خلافت پناہ میں حاضر ہوئے اور باقی سب مال غنیمت بہادران اسلام میں تقسیم ہو گیا ؛

جب، بحرین اور عمان فتح ہو گئے، تو حسب فرمان خلافت عکرمہ بن ابو جہل یمن کی طرف روانہ ہوئے، اُن کے ہمراہ اُن کا زبردست لشکر تھا، اسلام کی یہ قوت دیکھ کر بنی نخع اور بنی حمیر نے کفر و ارتداد سے توبہ کر کے معافی مانگی اودھر عمرو بن

فتح یمن

معدی کرب بھی بھاگ کر روپوش ہو گیا، اور آخر بغیر امان کا اقرار لئے مہاجر کے پاس حاضر ہو گیا، انہوں نے اس کو اور اس کے بعد قیس بن عبد یغوث کو بھی اسیر کر لیا، جو سارے فسادوں اور ہنگاموں کی جڑ تھا، یہ دونوں سرکش سرغنے گرفتار ہوتے ہی دربار خلافت میں بھیجے گئے، چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قیس کی صورت دیکھتے ہی فرمایا :-

"تم نے بندگان خدا کو قتل کیا، اور مسلمانوں کو چھوڑ کر مرتدوں میں پناہ لی" ؛

قیس نے کہا "یہ مجھ پر اتہام ہے" ؛

اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ عمرو بن معدی کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا "تم کو شرم نہیں آتی، کہ روز شکست کھاتے اور اسیر ہوتے ہو، اگر دین الٰہی کی مدد کرتے، تو خدا تمہارا مرتبہ بھی بلند کرتا ؛

عمرو بن معدی کرب نے اس کا یہ جواب دیا "کہ اب کی جو میں دین اسلام کو قبول کروں گا تو پھر کبھی میرے قدم کو لغزش نہ ہو گی" آخر ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دونوں کی جان بخشدی اور یہ دونوں مسلمان ہو کر اپنے اپنے گروہوں میں واپس آ گئے ؛

ادھر مہاجر نے ان لوگوں کو گرفتار کر لینے کے بعد اسود عنسی کے بقایا پیروؤں کا بالکل استیصال کر دیا، اور اپنی کارگذاریوں کی اطلاع دربار خلافت میں بھیجدی یمن

کو کلیتہً مفتوح اور مرتدوں سے پاک کر کے عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ علاقہ حضر موت میں پہنچے، جہاں قلعہ نجیر میں بنی کندہ مع اپنے سردار اشعث کے محصور تھے، عکرمہؓ کے پہنچتے ہی محاصرے میں سختی ہوئی، اور عکرمہؓ نے اپنے لشکر کے بہت سے سپاہیوں کو چاروں طرف کے گاؤں میں پھیلا دیا، تاکہ سرکش بنی کندہ جہاں ملیں تہ تیغ کر دیئے جائیں، یہ حالات سنکر وہ لوگ قلعہ نجیر سے نکل کر صف آرا ہوئے، بہادران اسلام نے فوراً حملہ کر دیا، اور اس لڑائی میں دشمن اس کثرت سے مارے گئے

فتح حضر موت

کہ گھبرا کر بھاگے اور قلعہ میں گھس کر سب پھاٹک بند کر لئے، لیکن اب وہ اگرچہ قلعہ کے اندر تھے، مگر سب کو زندگی سے یاس تھی، اور ان کے عمائد و رؤسا پر اضطراب کا عالم طاری تھا، یہ دیکھ کر اشعث اپنے رفیقوں کے ساتھ قلعہ سے نکل کر مسلمانوں میں آیا، اور امیر الجیش اسلام زیاد سے امان مانگی، زیاد نے امان دیدی اور باہم یہ امور طے پائے کہ مسلمان ان کو اور ان کے اہل و عیال کو امان دینگے، اور وہ لوگ قلعے کے پھاٹک کھول کے اس قلعہ پر مسلمانوں کا قبضہ کرا دینگے، ان شرائط کے زبانی طے ہو جانے کے بعد زیاد نے کہا :۔

"تم معاہدے کو لکھ لاؤ میں اس پر دستخط کر دونگا، چنانچہ وہ معاہدہ کا مسودہ تیار کر رہا تھا، کہ جحدم اس پر چھری لے کر جھپٹا اور کہا، کہ یہ معاہدہ لکھ کر مجھے جلدی دیدو ورنہ زندہ نہ چھوڑونگا، چنانچہ اس نے گھبراہٹ اور جلدی میں معاہدہ لکھا، تو امان پانے والوں کی فہرست میں اپنے تمام رفقائ کے نام لکھدیئے، مگر خود اپنا نام لکھنا بھول گیا، اس کے بعد اس نے چپکے سے قلعے کا پھاٹک کھولدیا، مسلمان اندر گھس پڑے، اور مرتدوں کو قتل کرنا شروع کر دیا، ان چند لوگوں کے سوا جن کو امان دی گئی تھی، جتنے لوگ مسلح اور مخالف ملے قتل کر ڈالے گئے، بچے اور عورتیں گرفتار کر لی گئیں،

قلعہ کے فتح ہو جانے اور بخوبی امن قائم ہونے کے بعد اشعث نے اپنے موعودہ حقوق

حاصل کرنے کیلئے جب معاہدہ پیش کیا، تو وہ خود اور تمام لوگ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے، کہ معاہدہ میں خود اُس کا نام نہیں ہے، یہ دیکھ کر سپہ سالار اسلام مہاجر نے کہا، الحمد للہ خدا نے دشمن خدا کا نام یعنی تجھے بھلا دیا، میری جیسی تمنا تھی، کہ تو ذلیل و خوار ہو، خداوند کریم نے ایسا ہی کیا، اس کے بعد سردار لشکر نے اُن تمام باتوں کی تعمیل کی، جو معاہدے میں درج تھیں، مگر خود اشعث کی مشکیں بندھوالیں ؛

الغرض بہادرانِ اسلام تمام اسیروں اور مال غنیمت کے ساتھ اشعث کو بھی ساتھ لیکر دربار خلافت کی طرف لوٹے مگر اشعث کی اس دغابازی کی حرکت سے اُس کے سب اپنے پرائے اسقدر ناراض تھے، کہ راستے بھر میں تمام زن و مرد قیدی اور وُہ مسلمان جن کی حراست میں جارہے تھے، سب اشعث کو لعنت ملامت کر رہے تھے، حتیٰ کہ اس کی قوم کی عورتوں نے اس کا نام غدار رکھ دیا ؛

مدینہ شریف میں پہنچکر اشعث جب ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے پیش ہوا، تو انہوں نے اُس سے پوچھا :-

"تو کیا سمجھتا ہے کہ، میں تیرے ساتھ کیا سلوک کرونگا؟" اشعث نے کہا "مجھے کیا معلوم!" فرمایا، ارادہ ہے، کہ تجھے قتل کر دیا جائے، بولا، مگر یہ انصاف نہ ہوگا میں وہ شخص ہوں، جس نے اپنی قوم کو آپ کے ہاتھ بیچ ڈالا، میرا خون آپ پر حلال نہیں ہو سکتا اس پر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا، وُہ تحریر مہر ہوتے ہی مکمل ہو گئی، لیکن فقط ان لوگوں کیلئے جن کے نام اس تحریر میں درج ہیں تو اس سے پہلے بھی نالائق تھا، اب موت جو سامنے کھڑی نظر آئی، تو باتیں بناتا ہے" ؛

اس کے جواب میں اشعث کہنے لگا، سنئے آپ کو مجھ میں اگر کسی نیکی کا بھی خیال ہو تو مجھے چھوڑ دیجئے، اور میرے ساتھ وہی سلوک کیجئے، جو میرے لوگوں کے ساتھ کیا ہو، اور میری بیوی کو بھی میرے سپرد کیجئے، اگر میرے ساتھ ایسا سلوک ہوا تو

دینداری میں آپ مجھے میرے ہموطنوں سے اچھا پائینگے" ؛

اُس نے اس وقت جو اپنی بیوی کو مانگا، اُس کا واقعہ یہ ہے، کہ خود ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہمشیرام فروہ اشعث کے ساتھ بیاہی ہوئی تھیں، جب حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں اشعث اپنی بیوی کو لینے آیا، تو آپ نے اُسے اس خیال سے تنہا واپس کر دیا تھا، کہ وُہ بیوی کو لینے پھر آئے گا، اُس میں حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی پیغمبرانہ عاقبت اندیشی تھی، کہ ایک دیندار مومنہ اُس کے ہاتھ میں پڑنے سے بچ گئی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی خبر سنتے ہی اشعث مرتد ہو گیا، لیکن اس وقت اُس کے وعدے پر بھروسا کر کے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُس کی منکوحہ کو اُس کے حوالے کر دیا، اور اشعث ایک مومن عبادت گذار بن کے مدینے ہی میں اقامت گزین ہو گیا ؛

فتوحات ارض عراق ایلہ، بصریٰ لیس وغیرہ

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے سیف اللہ یعنی شمشیر الٰہی کا خطاب فرمایا تھا یہ اُسی خطاب کی برکت تھی کہ حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ جس طرف جاتے تھے فتح اُن کے ہمرکاب ہوتی تھی؛

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حکم سے خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ یمامہ سے روانہ ہونے کے بعد پہلے عراق کے سرحدی شہروں فالقیا بار و سما اور لیس میں فروکش ہوئے، اور وہاں کے لوگوں نے فوراً حاضر ہو کر سر اطاعت جھکا کر صلح کی درخواست کی، حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُن کی اطاعت اپنی مہم کا دیباچہ خیر تصور کر کے وہاں کے حاکم ابن سلوبہ سے دس ہزار دینار نذرانہ پر صلح کر لی، اُن لوگوں سے یہ جزیہ وصول کر کے خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ آگے بڑھے اور خاص شہر حیرہ میں فروکش ہوئے جو تاجدارانِ آل نعمان بن منذر کا مرکز حکومت رہ چکا تھا اور فی الحال ایک طائی سردار ایاس بن قبیصہ خسروان عجم کے والی کی حیثیت سے اس پر

حکومت کر رہا تھا، ایاس حیرہ کے عمائد اور تمام معزز سر برآوردہ لوگوں کے ساتھ
خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا، خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مختصر
الفاظ میں یہ شرطیں پیش کیں، کہ یا تو ایمان لاؤ، اور دین اسلام قبول کر و یا جزیہ دو،
ان دونوں شرطوں میں سے اگر کوئی ایک منظور نہیں، تو مقابلہ کرو، تلوار خود بخود فیصلہ کر دیگی
اور انجام میں ہتھیار اٹھانے والے واجب القتل قرار پائیں گے، چنانچہ ایاس نے جزیہ
دینا قبول کر لیا، اور نوّے ہزار درم سالانہ جزیے پر صلح کر کے حیرہ اور اس کا
علاقہ اسلام کی حمایت اور حفاظت میں لے لیا گیا ؛

اہل حیرہ کے مطیع ہوتے ہی اطراف و جوانب کے تمام گاؤں اور قصبات کے
لوگوں نے سر اطاعت خم کر کے جزیے دینے قبول کر لئے، اور آل نعمان کی
ساری قلمرو صدیوں کے بعد دولت ساسانی کی غلامی سے آزاد ہو کر ملک عرب
میں شامل ہو گئی ؛

فارس کی اس تبلیغی مہم کا خاکہ خود حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بنا کر
خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا تھا، کہ تم شہر ابلہ کی طرف سے (جو حیرہ سے قریب تھا)
حملہ شروع کرنا، اور عیاض بن غنم کو یہ لکھا تھا، کہ تمہارا حملہ شہر مضیح کی طرف سے شروع
ہو جو سرحد عراق کے زیادہ شمالی حصے میں ہے، اُدھر سے قلمرو عراق میں داخل ہو کر
برابر بڑھتے چلے جاؤ، یہاں تک کہ خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جا ملو ؛

مثنیٰ بن حارثہ کو فارس پر حملہ کرنے کی پہلے اجازت مل گئی تھی، اور وہ لڑائی
چھیڑ چکے تھے، کہ خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی پہنچ گئے ؛

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے دونوں فاتح عجم سپہ سالاروں
کو اس بات کی بھی تاکید کر دی تھی، کہ اس لڑائی میں انہیں لوگوں سے کام لیا جاوے
جو مرتدوں سے لڑ رہے تھے، اور جو لوگ مرتد ہو گئے تھے، اور مغلوب ہو کر پھر مسلمان

ہوئے ہیں، اُن میں سے کوئی شخص تمہاری فوج میں نہ رہنے پائے" ؂

چنانچہ دونوں سپہ سالار عساکر اسلامی نے اِن احکام خلافت کی پابندی کی اور خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی زبردست مہم کیلئے بارگاہ خلافت سے مدد مانگی، تو ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قعقاع بن عمرو تمیمی کو تن تنہا حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کمک پر روانہ کیا، یہ جب جا چکے، تو بعض لوگوں نے جناب خلافت مآب سے حیرت کے لہجہ میں عرض کیا، "خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تو مدد مانگی اور آپ نے اکیلے ایک متنفس کو روانہ کیا، فرمایا، "اس پر تعجب نہ کرو، قعقاع وہ شخص ہے، کہ جس لشکر میں اُن کا سا ایک جانباز ہو، اُس کو شکست نہیں ہو سکتی،" اسی طرح عیاض کی مدد پر ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عبداللہ بن غوث حمیری کو بھیجا، پھر سرحدی عرب سرداران مثنی حرملہ، مواد راور سلمی کو حکم بھیجا، کہ تم سب مقام ابلہ میں خالد رضی اللہ عنہ کے لشکر سے جا ملو، خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے ہمراہ دس ہزار جنگجو بہادران عرب پہلے سے تھے اب مثنی وغیرہ کے ہمراہ آٹھ ہزار سپاہی اور پہنچ گئے، اور کُل اٹھارہ ہزار فوج اُن کے علم توحید کے نیچے جمع ہو گئی ؂

چنانچہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اپنے لشکر کو تین حصوں پر تقسیم کر دیا، اور ان تینوں کو جدا جدا راستوں سے بڑھایا، سب سے پہلے جو حصہ روانہ ہوا، اُس کے سردار مثنی بن حارثہ تھے، اُس کے بعد دوسرے .. حصہ کے سردار عدی بن حاتم تیسرے حصہ فوج کو ساتھ لیکر خود خالد رضی اللہ عنہ روانہ ہوئے، اور باہم یہ قرار پایا، کہ تینوں لشکر جدا جدا راستوں سے روانہ ہو کر مقام حفیر میں مل جائیں ؂

حفیر پہاڑوں کی ایک گھاٹی ہے، جو فارس کی طرف جانیوالی گھاٹیوں سے زیادہ بڑی اور سب سے زیادہ سخت اور دشوار گذار ہے، یہاں کا حاکم ایک معزز و نامور فارسی سردار تھا جس کا نام ہرمز تھا، جو خشکی میں عربوں سے اور براہ دریا اہل ہند

سے برسرپیکار رہا کرتا تھا، اُسے جب سیف اللہ حضرت خالدؓ کے بڑھنے کی خبر ہوئی، تو اُس نے دارالسلطنت عجم کے سردار شیرویہ اردشیر کو اطلاع دی کہ مقابلے کیلئے سارا ملک تیار ہو جائے، کیونکہ عربی لشکر سرحد میں داخل ہو گیا ہے، اور یہ لوگ ہمارے تاج و تخت کے خواستگار ہیں ۔

ساتھ ہی اس کے اُس سے اس وقت جتنی فوج فراہم ہو سکی اُس کو اپنے پرچم کے نیچے جمع کر کے آگے بڑھا، اور درۂ حضر میں پہلے سے پہنچ کر ٹھہر گیا، تاکہ عربوں کو اس میں نہ گزرنے دے، اُسے اپنے جاسوسوں سے پتہ لگ گیا تھا، کہ عرب اسی گھاٹی میں یکجا ہو کے پوری قوت سے حملہ کرنے والے ہیں، اُس کے لشکر مقدمۃ الجیش کے سردار قباد اور انوش جان تھے جو فارسیوں میں نہایت معزز سمجھے جاتے تھے۔ اسلئے کہ خاص اردشیر بابکان بانی دولت ساسانیہ کی نسل سے تھے، بہادران عجم نے یہاں مجتمع ہو کر باہم معاہدے اور عہد و پیمان کئے کہ حمایت وطن میں جان دیدیں گے، مگر دشمنوں کو ایک قدم آگے نہ بڑھنے دینگے ۔

چنانچہ اس عہد و پیمان نے عملی صورت یہ پیدا کی، کہ دلاوران ایران نے باہم ایک دوسرے کو زنجیروں سے باندھ لیا، کہ اگر کوئی بھاگنا بھی چاہے، تو نہ بھاگ سکے۔

یہ تمام حالات جب حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو معلوم ہوئے، تو اُنہوں نے ارادہ کیا کہ عجمی لشکر جس گھاٹی میں جمع ہے، اُس کو چھوڑ کر اور سرداران ایران کو غافل رکھ کر کسی اور گھاٹی سے پار ہو جاویں، چنانچہ اسی خیال کے مطابق وہ اپنے لشکر کو ایک اور گھاٹی کی طرف لے چلے، مگر ہرمز کو بھی اُس کے جاسوس گھڑی گھڑی کی خبر دیتے رہتے تھے، ہرمز کے زبردست لشکر نے خالدؓ سے پہلے ہی اس گھاٹی پر پہنچ کر لشکر اسلام کا راستہ روک دیا، خالد رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے اس گھاٹی کو بھی بند پا کر ایک ایسے مقام میں جا کر قیام کیا، جہاں پانی میسر نہ آسکتا تھا، مگر بہادران اسلام نے

اسی حالت میں ایرانیوں سے لڑنا شروع کر دیا ؛

خدا کی قدرت دیکھئے کہ یکایک آسمان پر ایک ابر کا ٹکڑا نمودار ہوا، اور مسلمانوں کے لشکر کے پیچھے اُن کی خیمہ گاہ میں برسنے لگا، اور اُن کے آگے جدھر ایرانی تھے وُہ میدان خشک پڑا رہا ؛

خدا کی اس مہربانی سے مسلمانوں نے حسب ضرورت بارش کا پانی بھر لیا، اور اس تائید ایزدی سے اُن کے حوصلے بڑھ گئے ؛

اتنے میں ہرمز خود میدان کارزار میں آیا، اور اپنے لشکر کی صفوں سے نکل کر گھوڑے پر ادھر اُدھر تزک و احتشام سے چکر لگانے لگا اور خود خالد بن ولیدؓ کو اپنے مقابلے پر بلایا، مگر ہرمز نے اپنی فوج میں کہہ دیا تھا کہ تم لوگ موقع دیکھ کر فوراً آپہنچنا، اور غداری وغیرہ کا کچھ خیال نہ کرنا، ہمیں جس طرح ممکن ہو، فتح حاصل کرنی چاہیئے ؛

حضرت خالد بن ولیدؓ نے جو دیکھا کہ دشمنوں کا سپہ سالار مجھے بلا رہا ہے۔ تو پیدل دوڑتے ہوئے اُس کی طرف چلے، خالدؓ کو پا پیادہ دیکھ کر ہرمز بھی گھوڑے سے اتر پڑا، اور دونوں ایک دوسرے پر وار کرنے لگے ؛

خالدؓ کو حریف پر غالب دیکھ کر عجمی سپاہ کے لوگ گھوڑوں کو سرپٹ دوڑاتے ہوئے بڑھے، مگر ابھی وُہ پہنچنے نہ پائے تھے، کہ سیف اللہؓ ہرمز کا کام تمام کر چکے تھے، اور وُہ زمین پر پڑا تڑپ رہا تھا، اس کے ساتھ ہی قعقاع نے تکبیر کے نعرے بلند کر کے لشکر عجم پر حملہ کر دیا، اور اُن لوگوں کو مار مار کے ہٹا دیا، جو خالد بن ولیدؓ کی طرف آ رہے تھے، جان نثاران اسلام کے توحید کے نعروں نے عجمیوں کے دل ہلا دیئے سردار کے قتل ہو جانے نے اُن کے حوصلے پست کر دیئے تھے، اس پر قعقاع کا جو زبردست حملہ ہوا، تو اُن کے قدم اُکھڑ گئے اور سب ایرانی لشکر بدحواسی کے ساتھ بھاگا اُن کے ساتھ قباد اور انوشجان بھی اپنی اپنی جانیں بچا کے فرار ہو گئے ؛

اس لڑائی میں بہادرانِ اسلام کو بہت سا مالِ غنیمت ملا، ہرمز کے کپڑے اور اسلحہ حضرت خالدؓ کو ملے، جن میں فقط اُس کی ٹوپی ایک لاکھ درہم کی تھی، اور اِس کی وجہ یہ تھی، کہ ہرمز ایران میں سب سے زیادہ معزز طبقے کے اُمرا میں تھا، اور اس رُتبے کے اُمرا جو بہت بڑی عزت اور خطابوں سے سرفراز ہوتے تھے، عموماً ایک خاص قسم کی ٹوپی پہنا کرتے تھے، جو کم از کم ایک لاکھ درہم کی ہوا کرتی تھی ؛

الغرض مالِ غنیمت کا پانچواں حصہ مژدہ فتح کے ساتھ بارگاہِ خلافت میں بھیجا گیا اور باقی مال جان نثارانِ اسلام میں خالدؓ نے تقسیم کر دیا ؛

اس کے بعد حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالےٰ عنہ فاتح لشکرِ اسلام کے ساتھ آگے بڑھے، خود تو بصریٰ کے بڑے پل والے میدان میں فروکش ہوئے، اور مثنیٰ کو فارسیوں کے تعاقب میں روانہ کیا، جنہوں نے ایرانیوں کے پیچھے پیچھے جا کے ایک قلعہ پر قبضہ کر لیا، جس کی قلعہ دار اور مالکہ ایک عجمیہ خاتون تھی، یہ نیک خاتون مسلمانوں کے پہنچتے ہی ایمان لے آئی، اور مسلمانوں نے اُس کے قلعہ کا نام حصن المرأۃ یعنی عورت کا قلعہ رکھ دیا ؛

کاشتکاروں اور عام رعایا سے خالد رضی اللہ عنہ نے بالکل تعرض نہ کیا، نہ اُن کو لوٹا مارا نہ اُن کے کھیتوں کو پامال کیا، اور نہ اُن کے کام میں خلل انداز ہوئے، جس کی وجہ سے ملک میں بخوبی امن وامان قائم رہا ؛

ہرمز تو دُنیا سے رخصت ہو گیا تھا، مگر اُس کی تحریر خسروِ عجم اردشیر کے پاس جب پہنچی، تو اُس نے اپنے ایک نامی سردار قارن کو ایک زبردست لشکر کے ساتھ ہرمز کی مدد کیلئے روانہ کیا، قارن ابھی مقام مذار تک پہنچا تھا، کہ بقیۃ السیف مفرورین سپاہ عجم اُسے ملے، اور انہوں نے ہرمز کے مارے جانے کی اُسے پُردرد داستان سنائی، قارن نے اُن ہزیمت خوردہ سپاہ کو اپنے ساتھ لیا، آگے بڑھا تو قباذ اور انوش جان بھی اپنی اپنی جمعیتوں کے ساتھ اُس سے آملے، اور اِس زبردست لشکر نے جوئے ثنا

کے کنارے اپنا پڑاؤ ڈال دیا ؛

اس بات کی خبر جب حضرت خالد بن ولیدؓ کو ہوئی، تو فوراً ان لوگوں کے مقابلے کیلئے وہ بھی اس مقام پر پہنچے، اور دونوں لشکروں نے ایک دوسرے کے مقابل لڑائی کیلئے صفیں باندھیں، یکایک قارن گھوڑے کو کُداتا اپنی فوج سے نکلا، اور ھل من مبارز بلند کر کے کہا "کہ کوئی ہے، جو میرے مقابلے پر آئے"۔ بہادرانِ اسلام کی طرف سے معقل بن الاعشی اس کے مقابلے پر نکلے، اور دونوں نے کمال مشاقی و جانبازی سے ایک دوسرے پر وار کرنا شروع کئے، آخر قارن معقل کے ہاتھ سے مارا گیا؛

ادھر اس میدانِ کارزار میں عاصم کے ہاتھ سے انوش جان نذر اجل ہوا، اور عدی بن حاتم کی تلوار نے قباد کی زندگی کا خاتمہ کر دیا ؛

ایرانیوں کی شکست

قارن دولت عجم کا نہایت ہی معزز و ممتاز اور سب سے بہادر سردار تھا، لیکن ایسے سردار کی ماتحتی میں بھی ایرانیوں کو بہادرانِ اسلام نے شکست فاش دی، چنانچہ وہ اپنی تین ہزار لاشیں میدان میں چھوڑ کر بھاگے، اس کے علاوہ بہت سے عجمی بھاگتے وقت دریا میں ڈوب ڈوب کر مر گئے، چونکہ راستے میں دریا حائل تھا، اس وجہ سے بہادرانِ اسلام اُن کا تعاقب نہ کر سکے ؛

اس لڑائی میں بہت دولت مسلمانوں کے ہاتھ آئی، جس میں پانچواں حصہ جُدا کر کے مژدہ فتح کے ساتھ دربار خلافت میں روانہ کیا گیا، اور باقی مال جاں نثارانِ اسلام کے حصے میں آیا ؛

اس فتح کے بعد حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس علاقے کے بندوبست کی طرف توجہ کی رعایا، اور کاشتکاری کا انتظام کیا، اُن پر جزیہ تشخیص کیا گیا، تو سب ذمی قرار پائے، اور اُن کی حفاظت و اعانت کا کام دولت خلافت نے اپنے ذمہ لیا حفاظت ملک کیلئے جو فوج مقرر ہوئی، خالدؓ نے اس کا سردار سعید بن عثمان کو مقرر کیا ؛

سعید بن مقرن مزنی محصل جزیہ یعنی کلکٹر مقرر ہوئے، اور ان کو حکم دیا گیا، کہ پہاڑوں اور گھاٹیوں میں جا کے ٹھہریں ۔

ان تمام انتظامات کے بعد خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے مخبروں اور جاسوسوں کے ذریعے دشمنوں کی نقل و حرکت کا پتہ لگانا شروع کیا ۔

جب اس شکست کا حال اردشیر والی عجم نے سُنا، تو اُس کے پاؤں کے نیچے سے زمین نکل گئی، وہ نہایت حیران ہوا، اور آخر اندرزغر نام ایک عراقی سپہ سالار کو مسلمانوں کی روک تھام پر مامور کیا، اور اُس کو آگے بڑھاتے ہی اس کے پیچھے دوسرے عجمی سردار بہمن جاذویہ کو ایک بڑے بھاری لشکر کے ساتھ روانہ کیا، تاکہ اس کی مدد کرے اندرزغر نے کوشش کر کے علاقہ میں بڑا عظیم الشان لشکر جمع کیا، سرحدی علاقوں کے عرب جو ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے، اور مسلمانوں کے دشمن تھے، وہ بھی اس کے علم ساسانی کے نیچے جمع ہوئے، اور اس علاقے کے قریب قریب تمام زمیندار اور دہقان دمقدم، اس لشکر عجم میں شامل ہو گئے، اور آخر سب نے بڑے جوش و خروش سے مقام دلجہ میں آ کر پڑاؤ ڈال دیا ۔

حضرت خالدؓ نہر ثنی کے کنارے پر تھے، اس لشکر عجم کے آنے کا جب حال سُنا، تو فوراً کوچ کر کے دلجہ میں پہنچ گئے، اور دشمن کے مقابل صف آرا ہوئے، یہاں حضرت خالدؓ نے یہ کارروائی کی تھی، کہ دونوں جانب بہت سی فوج کمین گاہوں میں چھپا کے بٹھا دی تھی، اس کا انتظام مکمل ہوتے ہی حضرت خالدؓ نے دشمنوں پر حملہ کر دیا ۔

دونوں لشکروں میں سخت لڑائی ہوئی، دونوں جانب کے سپہ گروں کی لڑتے لڑتے یہ حالت ہو گئی، کہ سلاح جنگ چلاتے چلاتے ہاتھ شل ہو گئے، اور دل میں کہہ رہے تھے، کہ اب ہم میں صبر کی طاقت نہیں ہے، اور اس کی وجہ یہ تھی، کہ خالدؓ نے کمین گاہ والوں کو بہت دیر میں نکلنے کی اجازت دی، اس کے بعد یک بیک جو

دونوں پہلوؤں پر کمین گاہوں سے بہادرانِ اسلام تکبیروں کے نعرے لگاتے ہوئے نکلے تو عجمیوں کے حواس جاتے رہے، اور ان تازہ دل شہسواروں نے جیسے ہی حملہ کیا فارسیوں کے قدم اُکھڑ گئے، اور آخر منتشر اور بدحواس ہو کے بھاگے ؛

حضرت خالدؓ کے تدبر سے اس لڑائی کے میدان کا نقشہ کچھ ایسا واقع ہوا تھا، کہ مسلمانوں کی جو فوج کمین گاہ سے نکل کر ایرانیوں کی پشت پر آ کے پڑی حضرت خالد رضی اللہ عنہ اُن کے سامنے تھے، لہذا اُنکے لئے بھاگنے کا راستہ بند تھا، گھبرا گھبرا کر چاروں طرف دیکھتے اور کسی طرف مفر نہ نظر آتا، اندرزغر اس شکست کے وقت اگرچہ کسی تدبیر سے نکل بھاگا مگر بھاگنے سے فائدہ نہ ہوا، وہ اس لئے کہ ایسے صحرائے لق ودق اور دشت ناپیدا کنار میں جا پڑا کہ بھوکا پیاسا پیوندِ زمین ہو گیا، مفرور عربوں میں سے بجیر کے بیٹے جابر نیز عبد الاسود کے بیٹے کو جو بنی بکر بن وائل میں سے تھا حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے گرفتار کر لیا ؛

مسلمانوں کی یہ فتح عظیم جو ایرانیوں اور عربوں دونوں پر تھی، حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی وفات حسرت آیات کے گیارہ مہینے بعد صفر کے مہینے میں حاصل ہوئی ؛

غرضیکہ اس فتح کے ساتھ ہی رعایا، اور کاشتکاروں کو امان دیدی گئی اور سارے عراق میں تائید الٰہی اور حقانیت نبوت کی ہیبت چھا گئی ؛

لیکن وہ ایرانی قبائل عرب جو فارسیوں کی مدد پر آئے تھے خصوصاً بنی بکر بن وائل اس شکست پر نہایت برافروختہ ہوئے، اور انہوں نے ایرانیوں سے مراسلت کر کے پھر مدد طلب کی آخر اپنا پورا گروہ جمع کر کے شہر لیس میں پڑاؤ ڈال دیا، تاکہ مسلمانوں سے ایک فیصلہ کُن لڑائی لڑیں ؛

عبد الاسود عجلی جو اپنے بیٹے کی گرفتاری کے غم میں خون کے آنسو رو رہا تھا

اس لشکر کا سردار مقرر ہوا، اور نامورانِ بنی عجلان عتبہ بن نہاس بن فرۃ، فرات بن میان نادر عود بن عدی اور مثنیٰ بن لاحق اس کی مدد میں ساتھ ہو لئے ؛

ادھر خسرو عجم آردشیر نے اُن کی درخواست پر اپنے نامور سپہ سالار بہمن جاذویہ کو جو شہر مثنیٰ تا نارمیں تھا، حکم بھیجا، کہ عجمیوں کا ایک زبردست لشکر جمع کرکے اُن کو خوب مسلح و آراستہ کرو، اور کوشش کرو، کہ وہ پوری شجاعت اور حُسن تدبیر کے ساتھ... مقام لیس پر پہنچکر نصاریٰ عرب کی مدد کرے ؛

چنانچہ بہمن نے اپنے بادشاہ کے حکم کے مطابق ایک لشکر جرار خوب آراستہ کرکے جابان نام ایک ایرانی سردار کی ماتحتی میں عربوں کی کمک کیلئے بھیجدیا، اور اُن کو سمجھا دیا، کہ تم اپنی طرف سے لڑائی نہ چھیڑنا نصاریٰ عرب جب لڑائی شروع کردیں، تو موقع دیکھ کر اُن کی مدد کرنا ؛

بہمن جاذویہ ارشاد خسروی کو انجام دیکر خود تاجدار عجم کے دربار میں حاضر ہوا تاکہ بادشاہ سے مشورہ کرے، کہ حملہ آور عربوں کی روک تھام کیلئے کیا تدبیر اختیار کی جائے، مگر دربار میں پہنچ کر اسے معلوم ہوا، کہ جانشین ولیعہد خسروی بیمار ہے لہذا اُس کی صحت کے انتظار میں وہ وہیں ٹھہر گیا ؛

ادھر جابان جب اپنی فوج کے ساتھ مقام لیس پر پہنچا تو وہاں اُس نے تمام نصرانی قبائل عرب بنی عجلان بنی تیم الدسدی بنی ضبیعہ وغیرہ جمع دیکھے حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس مادہ فاسد کے مجتمع ہونے کا جب حال سنا، تو اُن کی طرف بڑھے، مگر اُنہیں یہ معلوم نہ تھا، کہ اُن کی مدد پر عجمی سپہ سالار جابان بھی آیا ہوا ہے ؛

بہرحال خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے میدان میں پہنچتے ہی لڑائی شروع کردی دونوں طرف کے نامور جوہر شجاعت دکھانے لگے، میدان کارزار کو گرم دیکھ کر ایرانیوں نے

اپنے سپہ سالار جابان سے پوچھا اب آپ کا کیا حکم ہے ؛

"ہم لڑائی میں شریک ہوں، یا ابھی انتظار کریں" ؟

جابان نے کہا "جہاں تک بنے تم لڑائی میں تامل کرو" ؛

چنانچہ یہ لوگ دسترخوان بچھا کے کھانا کھانے لگے، ادھر میدانِ جنگ میں یہ ہوا کہ صفوف جنگ کے مرتب ہوتے ہی حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے میدان میں آکر عبدالاسود بجیر ابن ابجیر اور مالک بن قیس کو اپنے مقابلے پر بلایا، سب کے پہلے مالک نکل کے آیا، اور تھوڑی ہی دیر کی لڑائی میں حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ سے مارا گیا، مالک کے قتل ہونے سے سارے دشمنوں کے دل دھڑکنے لگے کیونکہ وہ بڑا نامی گرامی شہسوار تھا ؛

جب جابان کو اس بات کی خبر ہوئی تو ہمراہیوں سے کہا، لڑائی کے آغاز ہی میں ایسا واقعہ پیش آیا جس سے میرا دل گھبرا رہا ہے، اب تم لوگ ایک کام کرو، جتنا کھانا تمہارے پاس ہے، اس میں زہر ملا کر چھوڑ دو، اگر تم کو فتح ہوئی، تو مضائقہ نہیں اس کو پھینک دینا، لیکن اگر مسلمان غالب آئے تو آتے ہی یہ پکا پکایا تیار کھانا کھانے لگیں گے، جس کے کھاتے ہی ہلاک ہو جائیں گے، مگر عجمیوں نے اس تجویز کو نہ مانا، اور نہ اس پر عمل کیا ؛

ادھر لڑائی نہایت ہی زور و شور سے ہو رہی تھی، سرکش قبائل عرب اس لئے استقلال سے قدم جمائے ہوئے تھے، کہ جابان کی ایرانی فوج ہماری کمک کیلئے تیار کھڑی ہے، لیکن بہادرانِ اسلام بھی نہایت استقلال سے بے خوف ہو کر حملے پر حملے کر رہے تھے ؛

حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب دیکھا، کہ دشمنوں کے پائے ثبات کو کسی طرح لغزش ہی نہیں ہوتی، تو درگاہ ایزدی میں اسلام کی فتح و نصرت کیلئے دعا

کے لئے ہاتھ اُٹھائے ؛

چنانچہ حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابھی یہ دعا ہی کر رہے تھے، کہ ایرانیوں کو شکست ہو گئی، میدان کا یہ رنگ دیکھتے ہی خالدؓ نے اپنے بہادروں کو پکار پکار کر یہ کہنا شروع کیا، قید کرو، قید کرو، اور اگر قید نہ ہو سکیں تو قتل کر دو ؛

یہ حکم سنتے ہی بہادرانِ اسلام نے مفرور دشمنوں کو اسیر کرنا شروع کیا، اور ہزاروں دشمن قید ہو کر تہہ تیغ ہو گئے ؛

اس لڑائی میں ستر ہزار عرب و عجم مارے گئے، اس کے بعد حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے لشکر کے ساتھ مقام معیشیا میں پہنچے، اس شہر میں جس قدر مال و اسباب مسلمانوں کے ہاتھ آیا اسقدر کہیں نہ ملا تھا جس کی وجہ یہ تھی کہ مسلمانوں نے جس شہر والے سے کہا، کہ سامان و دولت لاکر پیش کرو، اس سے فوراً جو کچھ دستیاب ہوا، خود ہی لا کے حاضر کر دیا ؛

بہر حال اس مال غنیمت میں سے بھی پانچواں حصہ مژدہ فتح کے ساتھ بارگاہ خلافت میں بھیجا گیا، ان فتوحات عراق و عجم میں خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کارنامے سنکر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بے انتہا خوش ہوئے اور اور بے اختیار اُن کی زبان مبارک سے نکلا، کہ عورتیں حضرت خالد رضی اللہ عنہ کا ثانی پیدا کرنے سے عاجز ہیں ؛

اسی اثنا میں یہ معلوم ہوا، کہ اہل حیرہ نے عہد شکنی کر کے پھر بغاوت و سرکشی اختیار کر لی ہے، یہ سنتے ہی حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے بہادر لشکر کے ساتھ امغیشیا سے کوچ کر کے حیرہ کی طرف روانہ ہوئے، بار برداری

اہل حیرہ کی سرکوبی

کے سامان کو کشتیوں پر لاد کے دریا کے راستے سے سفر اختیار کیا، عجمی سردار آزادبہ مسلمانوں کے مقابلے کے لئے حیرہ میں موجود تھا

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی روانگی کا حال سنتے ہی اُس نے اپنے بیٹے کو روانہ کیا، اُس نے دریا کو کاٹ کر اس کا پانی دوسری طرف بہا دیا، جس کی وجہ سے یکایک دریا پایاب ہو گیا، اور مسلمانوں کی کشتیاں دلدل میں پھنس کے رہ گئیں ؛

حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب یہ مصیبت پیش آئی، تو فوراً اپنے بہادروں کے ساتھ گھوڑوں پر سوار ہو کر مقام فرات بادقلی میں جا پہنچے جہاں آزادیہ کا بیٹا اپنے لشکر کے ساتھ پڑاؤ ڈالے پڑا تھا، بہادرانِ اسلام ناگہاں اُس کے سر پر جا پہنچے، اُسے اور اُس کے تمام لوگوں کو گھیر کر موت کے گھاٹ اُتار دیا، آزادیہ نے تو یہ سُنا تھا، کہ اُس کے بیٹے نے اپنا کام پورا کر دیا، اور مسلمانوں کی کشتیاں دلدل میں پھنس گئیں، وُہ یہ سُنکر نہایت خوش اور مطمئن بیٹھا تھا، یکایک اُسے یہ خبر پہنچی، کہ خود اُس کا بیٹا اور اُس کے تمام رفقاء کا کام تمام ہو گیا اِس غمناک خبر کے سنتے ہی ابھی وُہ خون کے آنسو بہا رہا تھا، کہ اُسی وقت دارالسلطنت عجم سے ایک شاہی قاصد نے آ کے یہ خبر دی، کہ خسرو اردشیر نے دُنیا سے رخصت ہو کے تاج و تخت ساسانی کو خالی کر دیا، اور جانشینی میں جھگڑا پڑا ہوا ہے، اِس خبر کے سنتے ہی اُس کے باقی رہے سہے حواس بھی جاتے رہے اور بغیر اِس کے کہ بہادرانِ اسلام کا مقابلہ کرے، وُہ دُم دبا کر حیرہ سے بھاگ گیا ؛

آزادیہ کے بھاگ جانے کے بعد جاں نثارانِ اسلام کو لے کر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہاں پہنچے اور شہر حیرہ کے متصل قلعہ غربین کے قریب لشکر اسلام نے پڑاؤ ڈال دیا ؛

بہادرانِ اسلام کی آمد کی خبر سنتے ہی اہل حیرہ اپنے قلعوں میں گھس کر قلعہ میں بند ہو گئے، مگر حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے سب قلعوں کو چاروں طرف سے

محصور کر لیا، اور محاصرے کا یہ انتظام کیا گیا، کہ قصر ابیض کے محاصرے کا چارج ضرار بن ازور نے لیا، ایاس بن قبیصہ طائی جس نے پہلے معاہدہ کر کے غداری کی تھی، اسی قلعہ میں تھا، قصر عزبین کا محاصرہ ضرار بن خطاب کے سپرد ہوا ؛

عدی مقتول کا بیٹا عدی ثانی اس قلعہ میں تھا، قصر ابن مازن کو ضرار بن مقرن گھیرے ہوئے تھا، اس قلعہ کا حاکم اس میں عمرو بن عبد المسیح بن ثقیلہ بند تھا ؛

یہ تمام سرداران عساکر اسلام ایک شب و روز تک قلعوں کو گھیرے رہے اور لڑائی اس لئے نہیں چھیڑی، کہ شاید یہ لوگ راہ راست پر آجائیں، لیکن جب اُن کی طرف سے کسی قسم کی تحریک نہ ہوئی، تو حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے حملہ کر کے شہر کی آبادی اور اُس کے اندر کے دیروں اور کنیسوں پر قبضہ کر لیا ؛

اس کے بعد ایاس بن قبیصہ طائی اور عمرو بن عبد المسیح (جو کہ نہایت بوڑھا پیر فانی تھا) اپنے قلعوں سے نکل کے آئے، اور لوگوں نے ان کو حضرت خالدؓ کے سامنے پیش کیا، خالد رضی اللہ عنہ نے عمرو بن عبد المسیح کی طرف توجہ کی، اور دریافت کیا "تمہاری عمر کتنی ہے" ؟ عمرو نے کہا "سینکڑوں برس کی" ؛

خالد رضی اللہ عنہ نے خیال کیا، کہ اس کے ہوش و حواس شاید بجا نہ ہوں، اسلئے اُس سے بہت سے سوالات کئے لیکن عمرو نے خالد رضی اللہ عنہ کے سوالات کے نہایت معقول جوابات دیئے، اتفاقاً اُس کے ہمراہی خادم کے پاس ایک زہر کی پڑیا نکلی، اس پر حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے پوچھا "اسے کیوں ساتھ لائے ہو؟" اُس نے کہا، اس خیال سے کہ اگر تم نے میری قوم کے ساتھ اچھا سلوک نہ کیا، تو میں اُس کو کھا کے مر جاؤں، اور اپنی قوم کی ذلت و تباہی نہ دیکھوں ؛

خالد رضی اللہ عنہ نے اُس پڑیا سے زہر کو نکال کر اپنی ہتھیلی پر رکھا، اور اُس سے کہا "بے موت کوئی نہیں مرتا، اگر موت کا وقت نہ آیا ہو، تو زہر بھی اپنا کچھ اثر نہیں،

کر سکتا، یہ کہہ کر خالد رضی اللہ عنہ نے بسم اللہ خیر الاسماء رب الارض و السماء الذی لا یضر مع اسمہ داء الرحمٰن الرحیم، یہ کلمات ادا کر کے وہ زہر پھانک لیا، خالد کا یہ اعتقاد اور خدا پر اعتماد دیکھ کر وہ تمام لوگ ششدر رہ گئے، جو قلعوں سے نکل آئے تھے، اور عمرو بن عبد المسیح کی زبان سے تو یہ کلمہ بے اختیار نکل گیا، جب تک تمہاری شان کا ایک شخص بھی تم میں موجود ہے تم اپنے کسی مقصد میں ناکام نہیں رہ سکتے ؛

بہر حال دو لاکھ نوّے ہزار سالانہ جزیہ پر صلح ہو گئی، اور صلح ہو جانے کے بعد اہل حیرہ نے اس رقم جزیہ کے علاوہ اور بہت سے قیمتی ہدیے اور تحفے مسلمانوں کے پیش کئے، جن کو خالدؓ نے مژدہ فتح کے ساتھ بارگاہ خلافت میں بھیج دیا، اور دربار خلافت سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حکم بھیجا، کہ جتنی رقم کا معاہدہ ہوا ہے، اس سے زیادہ لینا جائز نہیں ہے، لہذا ان ہدیوں اور تحفوں کی قیمت رقم جزیہ میں محسوب کر لو، اور ان تحائف کی قیمت وضع کرنے کے بعد جتنی رقم باقی رہے اس کو اہل حیرہ سے وصول کرو ؛

اہل حیرہ سے یہ صلح کامرانی حضور پر نور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات حسرت آیات کے پورے ایک سال بعد ربیع الاوّل میں ہوئی ؛

اہل حیرہ اور بہادران اسلام کی جنگ پر ملک عراق کے تمام زمینداروں دہقانوں اور گاؤں کے سرداروں کی نظریں لگی ہوئی تھیں، ان کا خیال تھا، کہ اگر اہل حیرہ مغلوب ہوئے تو دیکھیں وہاں کے لوگوں کے ساتھ مسلمان کیسا سلوک کرتے ہیں ؛

چنانچہ حیرہ سے صلح کی خبر جیسے ہی مشہور ہوئی، اطراف و جوانب کے تمام معزز و ذی اثر لوگ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہونے لگے ؛

ایک شب کو خطونا اور نسطونا سرداران عراق کے ساتھ حرات کا بڑا دہقان ان سے

آکر ملا، اور وفاداری کا اقرار کر کے صلح کی درخواست کی، بیس لاکھ سالانہ خراج کے وعدے پر اُس سے صلح ہوگئی اور اس صلح کے ہوتے ہی وہ سارا علاقہ جو بلالیج اور ہرمز خرو کے درمیان واقع ہے، مسلمانوں کے قبضے میں آگیا، اِس کے متصل وہ علاقہ بھی تھا جو خاص خاندانِ کسریٰ کے صرفِ خاص یعنی شاہی جاگیر میں سمجھا جاتا تھا، حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے جابجا اپنے عاملوں کو مفتوح علاقے کے انتظام و حفاظت کیلئے روانہ کیا، اور اپنے بہادر سرداروں فرار بن ازور، فرار بن قطاب، قعقاع بن عمرو، مثنیٰ بن حارثہ عتیبہ بن نہاس وغیرہ کو آگے بڑھنے کا حکم دیا، جو سبقت کر کے مقام مسیب میں خیمہ زن ہوئے، اور خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حکم سے دشمنوں کی سرکوبی کرنے لگے ؛

ان کے حملوں نے لبِ دجلہ تک تمام علاقے میں ہلچل ڈال دی اور ساتھ ہی خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک عام اعلان شائع کر دیا، کہ اسلام قبول کر و یا جزیہ دو یا لڑائی کے لئے تیار ہو جاؤ ؛

ایرانیوں میں ان دنوں بڑی ہلچل پڑی ہوئی تھی، کسریٰ عجم اردشیر مر گیا تھا، اور سارے ملک میں اُس کی جانشینی کے متعلق اختلاف پھیلا ہوا تھا، لیکن آخر عمائدِ سلطنت نے تخت نشینی کا تصفیہ ہونے سے پہلے ہی ایک لشکر مرتب کر کے بہمن جاذویہ وبہرشیر کو اس کا سردار بنا کر روانہ کیا، تاکہ عربوں کی روک تھام کرے، مگر وہ کچھ نہ کر سکا، اور حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سارے علاقے سے برابر خراج وصول کرتے رہے ؛

حیرہ سے لبِ دجلہ تک اب کوئی شہر ایرانیوں کے قبضے میں نہ تھا، خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود حیرہ میں مقیم تھے، اُن کے افسران مع فوج بڑھتے جاتے تھے، اور شہروں پر بغیر لڑے قبضہ کرتے جاتے تھے ؛

ان دنوں اہل فارس کی ملکی حالت یہ تھی، کہ آج ایک شخص کو بادشاہ بناتے اور کل تخت سے اُتار دیتے، اردشیر سے پیشتر یہ ہوا تھا، کہ شیرویہ بن کسریٰ پرویز نے

اُن تمام شہزادوں کو قتل کر ڈالا تھا، جو نوشیرواں کی نسل سے تھے، پھر اُس کے بعد عام طور پر معززین عجم کو قتل کرنے لگا ؛

اور اب ان دنوں اردشیر کے مرنے پر بھی یہی ہوا، کہ اُس کے بیٹے نے شاہی نسل کے اُن تمام شاہزادوں کو قتل کر ڈالا، جن کا سلسلۂ نسب نوشیرواں کے اوپر بہرام گور تک کسی تاجدار آل ساسان سے ملتا تھا، جس کا نتیجہ یہ ہؤا، کہ شاہی خاندان میں سے کوئی باقی نہ رہا، اور کوئی ایسا شاہزادہ ملتا ہی نہ تھا، جس کو سب لوگ اتفاق کر کے بادشاہ بنائیں ؛

لہٰذا اُنہیں اسی حالت میں حضرت خالد رضی اللہ عنہ کا اعلان پہنچا، اور سب حواس باختہ ہو گئے، آخر نسل کسریٰ کی شاہزادیوں نے امرائے دولت کو بُلا کے کہا کہ اپنے مُلک اور اپنے دین کے کیوں دشمن ہو رہے ہو، معلوم ہوتا ہے، کہ تم کو اپنی قوم اور اپنے شاہی گھرانے کے کسی شخص سے اس وقت تک اطمینان نہ ہوگا، جب تک حملہ آوران عرب یہاں پہنچ کر تم کو اس بات کا اطمینان نہ دلائیں گے ؛

آخر حریم شہریاری کے اثر سے فرخ زاد سریر شہریاری پر بٹھایا گیا، مگر اس شرط پر کہ یہ اُسی وقت تک خسرو عجم تسلیم کیا جائیگا جب تک نسل نوشیرواں کا کوئی شہزادہ نہیں ملتا، جس کی تاجداری پر ہم سب کو اتفاق ہو گا ؛

جنگ فارس | اسی زمانہ میں جریر بن عبداللہ بجلی بھی اپنی جمعیت کے ساتھ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حکم سے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچ گئے اور حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ فوج کو مرتب کر کے شہر انبار کی طرف بڑھے، تاکہ غلّہ اور کھانے پینے کا سامان وہاں سے لے لیا جائے ؛

عساکر اسلام کے مقدمۃ الجیش کے سردار اقرع بن حابس تھے، یہ ایسے بہادر اور چلبلی طبیعت کے شخص تھے، کہ بغیر لڑائی کے اُن کو چین نہ آتا تھا، چنانچہ اُنہوں نے

وہاں پہنچتے ہی دشمنوں سے لڑائی چھیڑ دی، اَور جب دونوں فوجیں لڑ رہی تھیں، اقرع نے ایک ہزار تیر اندازوں کو آگے بڑھایا، اَور حکم دیا، کہ دشمنوں کی آنکھوں کا نشانہ باندھ کر ایک ساتھ تیر اندازی کریں ؛

چنانچہ ان لوگوں نے کمانوں میں تیر چڑھا کر نشانے باندھ کے ایک ہزار تیر ایسے طریق سے پھینکے، کہ کسی تیر نے بھی نشانہ خطا نہ کیا، اَور ایک چٹکی بجانے میں دشمنوں کے سپاہ کی ایک ہزار آنکھیں چھِد گئیں، اسی وجہ سے مسلمانوں نے اس دن کا نام ذات العیون یعنی آنکھوں والا دن رکھ دیا ؛

ایرانیوں کا سردار یہاں شیرازد نام ایک شخص تھا، جو نسا باطہ کا حاکم دوالی تھا اُس نے دم بھر میں اپنے ہمراہیوں کی ایک ہزار آنکھیں جو ضائع ہوتی دیکھیں، تو فوراً لڑائی سے رُک کر صلح کا پیام دیا، مگر اُس کی پیش کردہ شرائط کو خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منظور نہیں کیا، اس لئے پھر زور و شور سے لڑائی شروع ہوئی، ایرانیوں کو اُن کے خندق محفوظ کئے ہوئے تھے، انہیں خندقوں کے باعث مسلمانوں کو اُن کے لشکر تک پہنچنا دشوار تھا ؛

لیکن بہادرانِ اسلام نے یہ کارروائی کی، کہ اپنی فوج کے تمام کمزور اور مریض اونٹ ذبح کر کے خندق میں ڈال دیئے، اَور اُن اُونٹوں کی لاشوں سے خندق کا ایک حصہ پاٹ کے پُل سا بنا لیا، اَور اُسی پر سے ہو کر دشمن کی صفوں کی طرف بڑھے ایرانیوں نے بڑھ کے روکا اَور خندق کے کنارے پر ایک گھمسان معرکہ ہوا قریب تھا، کہ مسلمان دشمنوں کو پیچھے دھکیل کے اِن میں گھُس پڑیں، مگر شیرزاد نے پھر پیامِ صلح دیا، اَور خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو شرطیں پیش کیں، وُہ قبول کر لیں ؛

اِس صلح میں ایک شرط یہ بھی تھی، کہ دشمنوں کو بغیر کسی مال و اسباب کے ایسی جگہ پہنچا دیا جائے، جہاں سے وُہ اپنی حدود میں جا سکیں، چنانچہ مسلمانوں نے

یہی کیا، شیرزاد کو معہ اُس کی سپاہ کے سرحد عجم میں پہنچا دیا، اور شہر انبار معہ تمام ساز و سامان کے صحابہ رسالت کے قبضے میں آ گیا۔

شیرزاد یہاں سے جان بچا کر بہمن جاذویہ سے جا ملا، اور اس کے جانے کے بعد حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے انبار کے گرد و پیش کے گاؤں پر بھی قبضہ کر لیا۔

لیکن قریب کے ایک شہر کلواذی کے لوگوں نے آ کر صلح کر لی، اس کے بعد خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے زبرقان کو انبار کا حاکم مقرر کیا، اور خود آگے بڑھ کر عین التمر کی طرف چلے وہاں بہرام چوبین کا بیٹا مہران تھا، اور اُن کے زیر علم ایک بڑا بھاری لشکر موجود تھا، اس پر طرہ یہ کہ عقہ بن ابی عقہ بھی عربوں کے ایک لشکر کثیر کے ساتھ اس کے ہمراہ تھا، اس کے ہمراہی نمر تغلب اور ایاد عقہ بن عقہ مسلم قبائل عرب میں سے تھے۔

عین التمر میں جب خالد رضی اللہ عنہ کی روانگی کی خبر مشہور ہوئی، تو عقہ نے مہران سے مل کر کہا، "عربوں سے لڑنا عرب ہی خوب جانتے ہیں، آپ ہمیں اور حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو چھوڑ دیں، ہم آپس میں خود نپٹ لیں گے"۔

اس پر مہران نے کہا، "تم نے ٹھیک کہا، تم ہی عربوں سے خوب لڑ سکو گے اور تم وہ لوگ ہو، کہ اہل عرب و اہل فارس دونوں سے خوب لڑتے ہو"۔

مہران کا آخری فقرہ فقط عربوں کا دل بڑھانے کیلئے تھا، مگر ایرانی سپاہ کو یہ بات ناگوار ہوئی، کہ اس موقع پر ایرانیوں کا نام لے کے اُنکی کیوں تحقیر کی گئی۔

چنانچہ اپنی سپاہ کے اس خیال سے واقف ہو کر مہران نے ایرانیوں سے کہا تمہارے بادشاہوں کے مسلسل مارے جانے سے تمہاری سلطنت پر مصیبت نازل ہے، تمہاری قوت اور جماعت منتشر ہو رہی ہے، اب تمہارے بنائے کیا ہو سکتا ہے، ایسی حالت میں اتنا کہہ کر میں نے تمہاری جان بچا دی اسلئے تمہیں اس بات کا شکریہ ادا کرنا چاہیئے، نہ کہ شکایت، سنو! خالد پر اگر ان لوگوں کو فتح حاصل ہو گئی تو

وہ تمہاری ہی فتح ہوگی، اور اگر یہ لوگ کامیاب نہ ہوئے، تو تم کو مسلمانوں سے اس وقت مقابلہ پڑیگا جب وہ تھکے ماندے ہونگے، اور تم تازہ دم ہوگے، اور تم قوّت و پامردی کے ساتھ لڑسکوگے ؛

یہ سن کر تمام ایرانی خاموش ہو رہے، اور اس کے بعد مہران نے اپنے دوست عربوں سے کہا۔ "آپ لوگ مقابلہ کریں، اگر ہماری مدد کی ضرورت پیش آئی، تو آپ ہمیں لڑائی کیلئے تیار پائیں گے ؛

یہ بات طے پاتے ہی عقہ اپنے عربی لشکر کے ساتھ بڑھ کر بہادران اسلام کے مقابل صف آرا ہوا، ابھی وہ اپنی جماعت کے سامنے گھوڑا دوڑا دوڑا کے صفیں ہی برابر کر رہا تھا، کہ خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ بجلی کی طرح ناگہاں اس کے سر پر جا پہنچے، اور کمند میں پھانس کے اس کو اپنے لشکر میں گھسیٹ لائے ؛

اپنے سردار کو بہادران اسلام کے ہاتھ میں یوں آناً فاناً اسیر ہوجاتے دیکھ کر تمام بے دین عرب بھاگے، اور بھاگتے میں ان کے اور بہت سے آدمی مسلمانوں نے گرفتار کرلئے، عربوں کے بغیر لڑے اس طرح بھاگ کھڑے ہونے کی خبر جب مہران نے سُنی تو وہ اپنی ساری فوج کو لے کر دُم دبا کر بھاگا ؛

جب مفرور عرب عین التمر میں پہنچے، تو انھوں نے سوائے اس کے کوئی مفر... نہ دیکھا کہ سب قلعہ کے اندر گھس گئے، اور پھاٹک بند کر لئے ؛

مگر بہادران اسلام بھی ان کے تعاقب میں تھے، فوراً بڑھ کر قلعہ کا محاصرہ کرلیا آخر زندگی سے مایوس ہو کر محصورین نے امان مانگی، اس پر خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا، "تمہارے لئے امان نہیں ہے" مجبوراً بغیر کسی شرط کے سب بیدین عرب قلعہ سے باہر نکل آئے، اور ہتھیار پھینک کر کھڑے ہوگئے، مسلمانوں نے انکو باندھ لیا ؛

اس کے بعد عقہ اور اس کے سپاہی قتل ہوئے، پھر قلعہ عین التمر پر حملہ ہوا، اور

بہت سا مالِ غنیمت مسلمانوں کے قبضے میں آیا، ؛

اِس لڑائی میں کئی ایک معزز و ممتاز صحابی بھی شہید ہوئے جن میں سے ایک تو عمیر بن رباب سہمی تھے، جو مہاجرین حبشہ میں سے تھے، ایک بشیر بن سعد انصاری تھے، جنہوں نے سقیفہ بنی ساعدہ میں مہاجرین کی تائید میں تقریر کی تھی، اور ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے مؤید تھے ؛

بہر حال مژدہ فتح کے ساتھ مالِ غنیمت کا پانچواں حصّہ اور لونڈی غلام بارگاہ خلافت میں روانہ کر کے، حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی فوج ظفر موج سے آگے بڑھنے کو تھے، کہ اتنے میں اُن کو عیاض بن غنم کی ایک تحریر ملی، جس میں اُنہوں نے شہر دومۃ الجندل سے لکھا تھا، کہ میرے مقابل دشمنوں کی قوّت بہت زیادہ ہے، فوراً میری مدد کیجئے ؛

فتح دومۃ الجندل حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ خط پڑھتے ہی دومۃ الجندل کی طرف اپنے لشکر کو لے کر بڑھے ؛

عیاض کے مقابل اکثر سرکش و بے دین قبائل عرب تھے، جن میں زیادہ تر بنی بہر بنی کلب، بنی غسّان، بنی تنوخ اور بنی ضخیم کے مختلف خاندانوں کے گروہ تھے ؛

اوّل اکیدر بن عبد الملک اور دوسرا جودی بن ربیعہ، اکیدر کہتا تھا، کہ لڑنا خلاف مصلحت ہے، صلح کر لینی چاہیئے، جودی اور اکثر اہل شہر اس بات پر تلے ہوئے تھے، کہ ہم بے لڑے نہ رہیں گے، اکیدر نے جو یہ حال دیکھا، تو ان لوگوں کا ساتھ چھوڑ کر دومۃ الجندل سے نکل کر وُہ کسی طرف جانا چاہتا تھا، کہ بہادرانِ اسلام کے ہاتھوں گرفتار ہو گیا، چونکہ اُس نے اسلام قبول نہیں کیا، اور نہ اطاعت گذار بنا، اس لئے اس سرکشی کی سزا میں وُہ قتل کر دیا گیا ؛

اس کے بعد خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی فوج ظفر موج کے ساتھ شہر دومۃ الجندل

کی ہر کیطرف بڑھے، ایک رُخ پر عیاض تھے، اور حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ اُس کے بالمقابل دوسرے رُخ پر اُترے ؛

جودی ایک لشکر کے ساتھ اُن کے مقابلے کو نکلا، اور اسی وقت اُس کے دوسرے لشکر نے شہر سے نکل کر عیاض پر حملہ کیا، مگر دونوں جانب سے شہر والوں کو شکست ہوئی، اور حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بہادروں نے جودی کو گرفتار کر لیا، اُس کی فوج کے سپاہی بھاگ کے قلعہ میں گھسنے لگے تھے، کہ اندر والوں نے مسلمان بہادروں کے ڈر سے پھاٹک بند کر لئے، اتنے میں بہادرانِ اسلام نے پہنچکر سب کو رسیوں میں جکڑ لیا ؛

اِس کے بعد قلعہ پر دھاوا کر کے بزور شمشیر فتح کر لیا، قلعہ کے اندر جتنے لڑنے والے ملے مقتول ہوئے ؛

اِسی زمانے میں جبکہ خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ دومتہ الجندل میں تھے، اہل حیرہ کے عربوں نے اپنے نامی شہسوار عقہ کے قتل پر برہم ہو کے دارالسلطنت فارس میں لکھا، "کہ مسلمانوں کو روکئے اور پوری قوت سے انکا استیصال کیجئے" اِس تحریک کے مطابق وہاں سے دو سردار الاعجم زرمہر اور روزبہ لشکر گرانبار کی طرف بڑھے اور حصید اور خنافس کے قبائل عرب کو لکھا، کہ آپ لوگ بھی آکر ہمارے لشکر میں شامل ہو جائیں، اس کی خبر قعقاعؓ بن عمر کو بھی ہو گئی، جو حیرہ میں حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قائم مقام تھے ؛

اُنہوں نے فوراً عبد بن فدکی کو حصید کی طرف اور عروہ بن جور بارقی کو خنافس کی طرف روانہ کیا، تاکہ ان دونوں عرب گروہوں کو عجمی لشکر تک نہ پہنچنے دیں چنانچہ وُہ دونوں طرف سے راستے میں حائل ہو گئے، اتنے میں حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی حیرہ میں پہنچ گئے، اگرچہ وُہ دومتہ الجندل سے یہ ارادہ کر کے چلے تھے۔ کہ اب

دار السلطنت عجم مدائن پر فوج کشی کریں گے، مگر یہاں پہنچ کر جب یہ حالات سنے تو قعقاع کے مشورہ سے مدائن پر حملہ کرنے سے پہلے یہی مناسب سمجھا گیا کہ پہلے اس نئے لشکر عجم کو شکست دے دی جائے ؛

چنانچہ اس رائے کے مطابق قعقاع بن عمر اور ابو لیلی جلد جلد کوچ کرتے ہوئے روزبہ اور زرمہر کی طرف چلے ؛

اسی اثنار میں حضرت خالد رضی اللہ تعالی عنہ کو اطلاع ملی، کہ عقہ کے خون کا انتقام لینے کیلئے ہذیل بن عمران نے مقام مضیح میں لشکر جمع کیا ہے، اور دوسری طرف ربعیہ بن بجیر نے مقامات ثنی و بشر میں فوجیں جمع کی ہیں، اور دونوں اس کوشش میں ہیں، کہ زرمہر اور روزبہ کے لشکر سے جا ملیں ؛

یہ حالات سنکر خالد رضی اللہ تعالی عنہ بھی بہادران اسلام کو لے کر فوراً بڑھے، اور مقام التمر میں قعقاع اور ابو لیلی سے جا ملے، وہاں سے قعقاع کو تو حصید میں اور ابو لیلی کو خنافس میں بھیج دیا ؛

جنگ حصید قعقاع جب حصید میں پہنچے تو دیکھا، کہ وہاں روزبہ اور زرمہر کا لشکر پڑاؤ ڈالے پڑا ہے، اور مقابلے کی تیاریاں کر رہا ہے، چنانچہ قعقاع نے جاتے ہی حملہ کر دیا، اور بڑی بھاری لڑائی چھڑ گئی، جس سے عجمیوں میں سے ایک خلقت عظیم قتل ہوگئی، یہاں تک کہ قعقاع نے شیرانہ حملہ کرکے زرمہرہ کو بھی لقمۂ شمشیر بنا یا ؛

ادھر عصمتہ بن عبداللہ نام ایک نیک نفس اور پاک طینت بزرگ اور جان نثار اسلام نے روزبہ کو موت کے گھاٹ اتار دیا ؛

ان دونوں سرداروں کے مارے جاتے ہی ایرانیوں کو شکست ہوگئی، بدحواسی کے ساتھ بھاگے، اور مسلمانوں نے تعاقب میں ان کا قلع و قمع کرنا شروع کیا ؛

بقیتہ السیف ایرانی بھاگ کر خنافس میں پہنچے، مگر وہاں بھی دم نہ لینے پائے تھے

کہ ابو لیلیٰ اُن کے سر پر جا پہنچے، اور وہی حصید کی مصیبت اور تباہی اُنکی آنکھوں کے سامنے پھر گئی، گھبرا کر اُلٹے پاؤں بھاگے، جب سب کو بھاگتے دیکھا، تو فارسی سپہ سالار دہر بوذان بھی بھاگا، اور اُس نے مقام مضیح میں پہنچکر ہذیل بن عمران کے پاس پناہ لی، جس نے دشمن دین عربوں کا لشکر جمع کیا تھا ؛

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اہل حصید کی شکست اور اہل خنافس کے بھاگنے اور مضیح میں پناہ لینے کا حال سُنا تو نہایت رازداری کے ساتھ قعقاع ابو لیلیٰ عبد اور عروہ تمام سرداران جیوش اسلام کو خطوط بھیجے، کہ ایک رات کو جو کہ اُنہوں نے قرار دے لی تھی، سب کے سب بغیر کسی کو خبر کے مضیح میں پہنچ جائیں، اور خود بھی اسی تاریخ کو اس مقام سے روانہ ہو کے مضیح کی طرف چلے ؛

معرکہ مضیح تمام سرداران اور خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ معہ اپنی اپنی افواج کے اسی مقررہ رات کو جب مضیح میں پہنچ گئے، تو رات کے اندھیرے ہی میں چاروں طرف سے ایک ہی وقت ہذیل کے لشکر پر تکبیر کے نعرے بلند کرتے ہوئے جا پڑے ؛ وہ لوگ غافل سو رہے تھے آنکھ کھلی، تو ہنگامۂ محشر بپا دیکھا، سب کے ہاتھ پاؤں پھول گئے، سب مضطربانہ حرکتیں کرنے بدحواسی سے بھاگنے لگے، مسلمانوں نے اُن کو بے دریغ تہ تیغ کرنا شروع کیا، ان لوگوں کا غالب گروہ قتل ہو گیا فقط ہذیل کے گروہ کے چند نفوس البتہ بھاگ کے بچ گئے ؛

ہذیل کے ہمراہ عبد العزیٰ بن ابی اہم بھی تھا، اور اُس کے ساتھ اُس کے دو بھائی اوس بن مناۃ اور عبید بن جریر تھے، یہ دونوں بھائی مسلمان ہو چکے تھے اور اُن کے پاس خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تحریر موجود تھی جس سے اُن کے اسلام لانے کی بخوبی تصدیق ہوتی تھی، اس شب خون میں یہ دونوں بھائی بھی مسلمانوں کے ہاتھ سے مارے گئے، جب حضرت ابو بکر صدیق رضی

اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ حال معلوم ہوا، اور ساتھ ہی عبد العزیٰ کے دو شعر ان کے گوش گذار ہوئے، تو انہیں ان مسلمانوں کے مارے جانے کا نہایت افسوس ہوا، اسلئے آپ نے ان دونوں بھائیوں کا خون بہا ادا کر دیا ؛

اس لڑائی میں ایک نہایت دلچسپ واقعہ پیش آیا، کہ دشمن دین قبائل عرب میں نعمان بن عزیٰ کا بیٹا حرقوس بھی تھا، اور اس کی بیوی اور بیٹیاں بھی ہمراہ تھیں، اس نے ہذیل کو لڑائی سے بہت روکا، اور کہا تھا، کہ مسلمانوں سے صلح کر لینی چاہیئے مگر کسی نے سماعت نہ کی، اس رات کو وہ آپ ہی آپ زندگی سے مایوس تھا، بیوی اور بیٹیوں میں بیٹھ کر شراب پی رہا تھا، اور ان سے بار بار کہتا تھا، یہ الوداعی شراب ہے جی بھر کے پی لو، حضرت خالدؓ عین میں ہیں، اور ان کا لشکر حصید میں ہے، اس لئے اس نے یہ شعر پڑھا :-

الا ناسقیانی قبل خیل ابی بکر	لعل منایا قرب وما تدای
ابوبکر کے سواروں کے آنے سے پہلے مجھے پلا دو	شاید ہماری موت قریب ہو اور ہم نہ جانتے ہوں

اتنے میں کسی مسلمان کی تلوار اس کے سر پر پڑی، اور اس کا سر کٹ کے اسی جام لبریز میں جا پڑا جو اس کے ہاتھ میں تھا ؛

حضرت خالدؓ بن ولید کو یہ بھی معلوم تھا، کہ ربیعہ بن بجیر تغلبی کا بڑا اور بلا دثنی و بشر میں ہے، یہ دونوں شہر رصافہ سے جانب مشرق واقع ہیں، ربیعہ کو بھی عقہ کے مارے جانے کا صدمہ تھا، اور اس نے اپنا لشکر جمع کر کے روزبہ اور زرمہر اور ہذیل سے وعدہ کیا تھا، کہ میں بھی تمہارے ساتھ آکر لڑائی میں شریک ہونگا، مضیح کو فتح کرتے ہی حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مشورے سے قعقاع اور ابو یعلیٰ نے ایک رات ربیعہ پر حملہ کرنے کیلئے مقرر کی اور خود حضرت خالدؓ بھی اسی طرف چلے، اور رات ہی رات ثنی میں پہنچ کر تین طرف سے ربیعہ کے لشکر پر جا پڑے ؛

فتح ثنی و بشر | یک بیک اُن پر تلواروں کی بجلیاں گرنے لگیں، بدحواسی میں اُن لوگوں سے کچھ نہ ہو سکا، سارا لشکر رات کے اندھیرے ہی میں کٹ گیا، جو کچھ سازوسامان شہر میں رہا، بہادرانِ اسلام نے حاصل کیا، جس کا پانچواں حصہ حسب دستور معہ اسیرانِ جنگ کے مدینہ منورہ میں روانہ کیا گیا ⁂

اس لڑائی کے اسیروں میں ربیعہ بن بجیر کی بیٹی صہبا تغلبیہ بھی تھیں، جن کو حضرت علی مرتضیٰ رضی نے مول لے لیا، اور اُن کی محبوبہ بیوی بن گئیں، جن کے بطن سے عمر ابن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور رقیہ بنت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پیدا ہوئیں، اور عمر بن علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ پچاسی برس کے ہو کر دُنیا سے رخصت ہوئے ⁂

اِس کارزار کو انجام دیکر حضرت خالد رضی اللہ عنہ بشر سے روانہ ہو کر رضاب میں پہنچے شہر رضاب دریائے فرات کے کنارے ہے، یہاں عقہ کا بیٹا ہلال اپنے لشکر کے ساتھ موجود تھا، جب بہادرانِ اسلام کی آمد کی خبر سنتے ہی اُس کے ہمراہی اپنے سردار ہلال کا ساتھ چھوڑ چھوڑ کر بھاگنے لگے تو آخر مجبور ہو کر وہ بھی بھاگ کھڑا ہوا ⁂

رضاب میں بہادرانِ اسلام نے جب کسی حریف کو نہ پایا، تو خالد رضی اللہ عنہ شمال و مغرب میں شہر فراض کی طرف روانہ ہوئے، یہ شہر ممالک شام و عراق اور جزیرہ کی سرحد پر واقع ہے، اس طرف حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے اسلئے رُخ کیا، کہ مسلمانوں کی سرگرمی دیکھ کر رومیوں میں جوش پیدا ہو، اس لئے اُنہوں نے مملکت عجم کے اُن سرحدی مقامات سے ایرانی فوجیں بھی اپنی مدد پر بلا لیں ⁂

معرکہ فراض | رومیوں اور ایرانیوں کے علاوہ یہاں بہت سے دشمن دین قبائل عرب بھی جمع ہو گئے تھے، جن میں زیادہ تر بنی تغلب، بنی آیاد، اور بنی نمر کے لوگ تھے ان سبھوں سے لشکروں کا بہت بڑا جماؤ ہو گیا، اور یہ لوگ اپنی جمعیت کی زعم میں بہادرانِ اسلام کے ساتھ مقابلہ کرنے کیلئے خود ہی بڑھے ⁂

حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب یہ حال سُنا، تو خود بھی جلد جلد کوچ کرتے ہوئے اُن کے استیصال کو چلے، اگرچہ ماہ رمضان المبارک کا مہینہ تھا، لیکن سفر کی عجلت کے باعث روزے افطار کر ڈالے ؛

بہادرانِ اسلام کی فوج ظفر موج جیسے ہی دریائے فرات کے کنارے پر پہنچی تو معلوم ہوا، کہ دشمنوں کا لشکر اُس پار موجود ہے، ساتھ ہی دشمنوں کی طرف سے یہ پیغام ملا، کہ تم اِس پار آؤ یا ہمیں اُس پار آنے دو ؛

اِس پر حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہلا بھیجا، "تم ہی اِس پار آ جاؤ"۔

اس کے جواب میں اُنہوں نے یہ کہا۔ "تو پھر تم اپنی فوج کو سامنے سے ہٹا لو تاکہ ہم دریا کو عبور کریں" ؛

حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ جواب دیا "ہم اپنی جگہ سے تو ہٹنے کے نہیں تم دریا کے کنارے کنارے بہاؤ پر آگے بڑھ جانا، اور جہاں پر مناسب معلوم ہو، اُتر آؤ، اس بات کا اطمینان رکھو، کہ ہماری طرف سے تمہارے پار ہونے میں کسی طرح کی مزاحمت نہ ہوگی ؛

چنانچہ اسی تجویز کے مطابق یہ لوگ اوپر جا کے اُترے، اِن لوگوں کی کثرت اور رومیوں فارسیوں اور عربوں کے اتحاد نے حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تشویش میں ڈال دیا ؛

دشمنوں نے دریائے فرات عبور کرتے ہوئے رومیوں سے یہ مشورہ کیا "ہم اور عجمی الگ الگ رہیں، تاکہ یہ اندازہ ہو سکے، کہ لڑائی میں کون زیادہ بہادری استقلال اور پامردی دکھاتا ہے ؛

تھوڑی دیر میں لڑائی شروع ہو گئی، اور نہایت ہی خونریز لڑائی ہونے لگی بہادرانِ اسلام نے اپنی بہادری کے وہ جوہر دکھائے، کہ رومی تاب نہ لا سکے، اور

شکست کھا کر بھاگے، اُس کے ساتھ ہی عجمیوں اور عربوں کے بھی قدم اُکھڑ گئے، اور مسلمانوں نے اُن کا تعاقب کیا ۔

حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے جانباز مجاہدوں کو پکار کر کہدیا کہ جب تک میں حکم نہ دوں تلوار نہ روکی جائے، جس کا نتیجہ یہ ہوا، کہ مقتولین دشمنانِ اِسلام کی تعداد ایک لاکھ کے قریب ہو گئی ۔

اِس عظیم الشان فتح کے بعد دس روز تک سیف اللہ حضرت خالد بن ولیدؓ فراض میں مقیم رہے، اس کے بعد اپنی فوج ظفر موج کو حیرہ کی طرف واپسی کا حکم دے دیا، یہ ماہ ذی قعد ۱۲ھ کا واقعہ ہے ۔

واپسی کے وقت فوج کے دو حصے کئے گئے تھے، اور آخری حصہ فوج کا سردار شجر بن الامز کو مقرر کیا گیا تھا، سارے لشکر کو یہی معلوم تھا، کہ سپہ سالار اعظم حضرت خالدؓ بن ولید فوج کے پچھلے حصہ میں ہیں، لیکن حضرت خالدؓ واپسی کے وقت اِن جاں نثارانِ اسلام میں نہ تھے، بلکہ چند ہمراہیوں کے ساتھ معمولی مسافروں کے بھیس میں مکہ معظمہ کی طرف روانہ ہوئے تھے، وہ بھی ادائیگی حج کے خیال سے چنانچہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ چند منازل طے کر کے مکہ شریف میں پہنچے سب سے پوشیدہ رہ کر حج کیا، اور فوراً واپس آ کر پھر اپنے لشکر میں مل گئے، خلیفہ رسُولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اگرچہ حج میں موجود تھے، مگر اُن کو بھی حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آنے کا حال نہ معلوم ہوا خلیفۂ رسولؐ جب مدینے میں واپس آئے تو یہ واقعہ سُنکر اُن کو تعجب ہوا، اور خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اِس طرح آنے پر ناراض ہوئے ۔

۱۳ سنہ ھ

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جس وقت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو ایران کی طرف روانہ کیا تھا، اسی وقت خالد بن سعید بن عاص کو ارض شام کی طرف روانہ کرنے کا حکم دیا تھا، لیکن ابھی وہ روانہ نہ ہونے پائے تھے، کہ یکایک روک دیئے گئے اس کی وجہ یہ تھی، کہ خالد بن سعید کو بھی حضرت علیؓ حضرت زبیرؓ و حضرت طلحہؓ وغیرہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ انتخاب خلافت میں اختلاف تھا ؛

اگرچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس مخالفت کا کچھ خیال نہ تھا، لیکن حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی وجہ اختلاف کے باعث اُنکی روانگی شام کا حکم ملتوی کرا دیا تھا، چنانچہ . . . بجائے شام پر فوج کشی کرنیکے ان کو یہ حکم ملا تھا، کہ تم سرحد شام کے شہر تیماء میں جا کے ٹھہرو، اور وہاں کے مسلمانوں کے مدد و معاون رہو، اور اطراف جوانب کے مسلمان عربوں کو جہاد کیلئے اپنے پاس جمع کرو، مگر جب تک یہاں اجازت نہ دی جائے، آگے بڑھنے کا قصد نہ کرنا، مرتد عربوں سے بھی تم اپنی طرف سے چھیڑ چھاڑ نہ کرنا، ہاں اگر وہ خود تم پر یورش کریں، تو مقابلہ کرنے میں مضائقہ نہیں ؛

چنانچہ انہی ہدایات خلافت کے مطابق حضرت خالد بن سعید نے تیماء میں پہنچکر پڑاؤ ڈالدیا، اور بہت سے جان نثاران اسلام جمع کر کے کافی لشکر مرتب کر لیا ؛ خالدؓ ثانی کی اس کارروائی کا حال جب شام کے رومی سرداروں نے سُنا تو سرحد شام کے نصرانی قبائل عرب بنی بہر، بنی سلیح، بنی غسان، بنی کلب، بنی جذام میں اپنے ایلچی بھیج کر اُن کو مسلمانوں کی مخالفت پر اُبھارا، جب خالدؓ ثانی کو اس بات کی خبر ہوئی، تو اُنہوں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اطلاع دی بارگاہ

خلافت سے جواب گیا، کہ اب تم اُن لوگوں کی طرف بڑھو، مگر اس بات کا خیال رکھنا کہ ہماری طرف سے چھیڑ نہ ہو، یہ حکم پاتے ہی جانباز خالدؓ اُن کی طرف بڑھے، مگر قریب پہنچے، تو دشمن منتشر ہو گئے، مگر جہاں دشمنوں کا پڑاؤ تھا، اُسی جگہ آپ نے بھی اپنے لشکر کو ٹھہرنے کا حکم دیا، اور جو کچھ واقعات گذرے تھے، بارگاہ خلافت میں عرض کئے، اس پر حکم ہوا، کہ اور آگے بڑھو، مگر ہوشیاری اور احتیاط کے ساتھ ایسا نہ ہو، کہ دشمن تمہاری پشت پر آجائیں، اور لشکر اسلام کا راستہ بند کر دیں ؎

یہ حکم موصول ہوتے ہی حضرت خالد ثانی رضی اللہ عنہ اور آگے بڑھے، تھوڑی دور بڑھتے اور رک جاتے تھے، اسی طرح بڑھتے بڑھتے آخر اُن کے مقابلہ پر باہان نام ایک رومی سردار آیا، خالدؓ بن سعید نے بڑھ کر مقابلہ کیا، اور اُسے شکست دیدی اس فتح کی اطلاع دینے کے ساتھ ہی مدینہ شریف سے مدد مانگی ؎

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چند روز پہلے ہی سارے عرب میں جہاد کا اعلان کر دیا تھا، اور مسلمان قبائل عرب سے استدعا کی تھی، کہ خدا کی راہ میں جہاد کرنے کیلئے آئیں، اور ثواب آخرت کے ساتھ دنیاوی فائدہ بھی حاصل کریں ؎

اس استدعا کے مطابق تمام اطراف سے لوگ آآ کر مدینہ شریف میں جمع ہونا شروع ہو گئے ؎

جان نثاران اسلام جہاد فی سبیل اللہ کے شوق میں چاروں طرف سے جوق در جوق چلے آتے تھے، سب سے پہلے جو گروہ آیا، اس میں نامور شہسوار یمن زی الکلاع حمیری تھے، ان کے ساتھ ہی عکرمہ بن ابی جہل بھی اپنے زبردست لشکر کے ساتھ تہامہ عمان بحرین اور یمن کی مہمیں سر کر کے آگئے، ان لوگوں کو مدینہ شریف میں فروکش دیکھ کر ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے تمام امرائے محصلین زکوٰۃ اور والیوں کو لکھ بھیجا، کہ یہ لوگ یمن سے آگئے ہیں، جو کوئی ان سے

اپنی خدمت کا مبادلہ چاہتا ہے، کرا سکتا ہے ؛

اِس ارشاد کے مطابق قریب قریب اکثر والیوں نے اپنا مبادلہ کرا لیا، اور اِس لشکر میں سے کسی کو اپنی جگہ بلا کر جہاد کیلئے تیار ہو گئے، اور مدینہ شریف میں ایک ایسا لشکر تیار ہوا، جس میں اکثر وہی لوگ تھے، جو اپنی خدمتوں کا مبادلہ کرا کے آئے تھے، چنانچہ اس لشکر کا نام ہی جیش البدل ہو گیا ؛

چنانچہ اسی لشکر کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خالدؓ بن سعید کی خواہش کے مطابق شام کی طرف روانہ کیا، اور اسی گھڑی سے شام پر فوج کشی کرنیکی کارروائی کو اہمیت دی گئی ؛

عمرو بن عاص کو حضور پُر نور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی سعد ہذیم اور بنی غدیرہ وغیرہ قبائل میں تحصیل زکوٰۃ پر مقرر فرمایا تھا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اُن کو عمان کے مرتدوں کے مقابلے پر بھیجا تو یہ وعدہ کیا تھا، کہ جب اس مہم سے فراغت ہو گی، تو تم پھر اپنی پُرانی خدمت پر مامور کر دیئے جاؤ گے ؛

چنانچہ وہ جیسے ہی عمان سے واپس آئے، تو اپنی اُسی قدیم خدمت پر بھیج دیئے گئے تھے، اب اُنھوں نے بھی خواہش کی، کہ اپنی خدمت پر کسی اور کو مقرر کرا کے خود شام کی مہم پر جائیں، اور جہاد کریں، عمرو بن عاص کی اس تحریر پر ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو لکھا "تم کو حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس خدمت پر مامور کیا تھا، اُس سے میں اپنی طرف سے تبدیلی کرنا مناسب نہیں سمجھتا لیکن ہاں جس طرح پہلے تم کو عمان بھیجا تھا اسی طرح اب چاہتا ہوں، کہ تم کو ایسے کام پر مامور کر دوں، جو دین و دُنیا دونوں میں تمہارے لئے مفید ہے، بشرطیکہ تم بھی اُس کو پسند کرتے رہو، رہی تمہاری یہ خدمت جس پر تم مامور ہو، تمہارے لئے محفوظ رہے گی ؛

اِس حکم کے جواب میں عمرو بن عاص نے لکھا "میں اسلام کے تیروں میں ایک تیر ہوں، اور آپ تیرانداز اور اُن تیروں کو فراہم کرنے والے ہیں، لہٰذا ناوک اندازی کرتے وقت آپ دیکھ لیں، کہ کون تیر اچھا تیز باڑھ دار مضبوط اور کاری ہے" ؛

یہ خط دیکھ کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انکو بھی نیز ولید بن عتبہ کو بھی (جو بنی قضاعہ میں رقوم زکوٰۃ کے کلکٹر تھے) حکم دیا، کہ جہاد کے لیے عربوں کی فوج جمع کرو" ؛

چنانچہ دونوں نے بڑی مستعدی سے اس حکم کی تعمیل کی ؛

اِس اثنا میں جو اور مجاہدین اطراف عرب سے آکر مدینے میں جمع ہوئے اُن کو بھی اُنہوں نے عمرو بن عاص کے پاس بھیج دیا، اور ایک خاص راستہ بتا کے حکم دیا، کہ اِس راہ سے تم ارض فلسطین کی راہ لو ؛

اسی طرح کچھ مجاہدین ولید بن عتبہ کے پاس بھیجے اور اُن کو حکم دیا، کہ اپنی اپنی جماعت کے ساتھ تم شہر اردن کی طرف روانہ ہو، ؛

فتوحات شام و فلسطین اجنادین وغیرہ

اِس کے بعد اور بہت سے مجاہدین عرب مدینے میں جمع ہوئے تو ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مدینے شریف میں ہی ان لوگوں کا ایک باقاعدہ لشکر مرتب کیا، اور اِن پر ابوسفیان کے بیٹے یزید کو سردار مقرر کیا، اس لشکر میں سہل بن عمرو اور اُن کے سے نامور شجاعان مکہ بھی تھے ؛

جب اِن لوگوں کی روانگی کا وقت آیا تو ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ پاپیادہ اُن کے رخصت کرنے کو تشریف لے گئے، اور یزید بن ابی سفیان اور دیگر سرکردوں کو یہ ہدایات دیں۔ یزید بن ابی سفیان کو مخاطب کر کے فرمایا ؛

"تم کو امتحاناً سردار مقرر کرتا ہوں، تاکہ تمہاری آزمائش ہو، اور مجھے تمہارا تجربہ

ہو جائے، میں تم کو اس اہم خدمت پر روانہ کرتا ہوں، اگر تم نے اس کو خیر و خوبی سے انجام دیا، تو اپنی گذشتہ خدمت پر پھر مامور ہو گے، اگر اس کے خلاف ہوا، تو معزول کر دیئے جاؤ گے، خدا سے ڈرتے رہنا، وہ جیسا تمہارے ظاہر کو جانتا ہے ویسا تمہارے باطن کو بھی جانتا ہے، خدا کے نزدیک سب سے اچھا آدمی وہ ہے، جو اس کی محبت میں سب سے زیادہ مستقل ہے، اور سب سے زیادہ تقرب الٰہی اس کو حاصل ہو، جو لوگ اس کا تقرب حاصل کرتے ہیں، سب سے زیادہ مضبوط ہوتے ہیں، ہم نے تم کو خالد بن سعید کی جگہ سپہ سالار افواج شام مقرر کیا ہے، لہٰذا خبردار تم سے عہد جاہلیت کی سی ریاکاری و خودنمائی نہ ہو، کیونکہ خدائے تعالیٰ نمائش کو پسند نہیں کرتا، جب تم اپنے لشکر میں پہنچو، تو اپنی فوج والوں سے اخلاق کے ساتھ پیش آنا، ان کے ساتھ نیکی اور بھلائی سے ابتداء کرنا، اور اپنے طرز عمل سے ان کو شفقت و مرحمت کی امید دلانا، اور جب کبھی ان کو کسی امر میں فہمائش کرنا ہو، تو تقریر میں اختصار کا خیال رکھنا، طویل کلام میں اکثر یہ ہوتا ہے، کہ ایک بات دوسری بات کو بھلا دیتی ہے، اپنے نفس کو اچھا اور پاک رکھنا، تاکہ تم کو دیکھ کر سب لوگوں کے نفس اچھے اور پاک رہیں، نمازوں کو ان کے اوقات پر پورے رکوع و سجود کے ساتھ ادا کرتے رہنا، اور لڑائی میں خشوع و خضوع سے کام لینا، دشمن کے ایلچی جب تمہارے پاس آئیں تو ان کے ساتھ عزت سے پیش آنا، مگر ان کو اپنے یہاں دیر تک نہ ٹھہرانا، تاکہ واپس جائیں تو تمہاری فوج کی حالت سے ناواقف جائیں، انہیں اپنے لشکرگاہ کی سیر نہ کرانا، ورنہ وہ تمہارے نقصانات سے واقف ہو جائیں گے، اور جن باتوں کو تم جانتے ہو، وہ بھی جان جائیں گے، ان کو اپنے یہاں اتارنا تو فوج کے پرسطوت حصے میں اتارنا، ان سے تم خود گفتگو کرنا، کسی اور کو اجازت نہ دینا، کہ تمہاری طرح ان سے گفتگو کرے، یہ بھی خیال رکھنا، کہ جو

باتیں خلوت میں کرنے کی ہیں، اُن کو جلوت میں نہ کیا کرنا، ورنہ لوگوں کے دلوں میں تمہاری طرف سے شبہات اور شکوک پیدا ہونگے، جب کسی سے مشورہ لینا تو اُس سے سچ سچ واقعہ کہ دینا، تم کو اس سے سچّا مشورہ ملے گا، اپنے مشیروں سے خبروں کو پوشیدہ اور مخفی نہ رکھنا، تم کو اپنے دل سے مشورہ مِل جایا کرے گا، اپنے لوگوں میں بیٹھ کر رات کو باتیں کیا کرنا، اِس طریقے سے تمہیں بہت سے ضروری حالات معلوم ہو جایا کرینگے، اور تمہاری آنکھوں کے سامنے سے پردے اُٹھ جائینگے، اپنی فوج میں پہرہ دینے والوں کو کثرت سے رکھنا، اور اُن کو اپنی فوج میں اندر باہر ہر طرف پھیلا دینا، اور اکثر راتوں کو وقت بیوقت ناگہاں اُنکے سر پر جا پہنچنا بغیر اس کے کہ اُن کو تمہارے آنے کی پہلے خبر ہو ؀

اور اس طرح کی گشت میں جس کسی کو پہرے سے غافل پانا، اُسے مناسب سزا دینا، مگر سزا دینے میں حد سے نہ گذرنا، راتوں کو پہرے والوں کو بدلتے رہنا، اور پہرے کی پہلی باری پچھلی سے زیادہ لمبی مقرر کرنا، وہ اس لئے کہ پہلے حصّہ شب کا پہرہ آسان ہوتا ہے، مستوجب سزا کو سزا دینے میں خوف نہ کرنا، خود بھی کبھی گناہ کے مرتکب نہ ہونا، اور نہ بُرائی و معصیت کے ہٹانے کو آسان و حقیر متصوّر کرنا، اپنے سپاہیوں کی طرف سے کبھی غافل نہ ہونا، ان میں جو خرابیاں پیدا ہو جائیں، اور تمہیں خبر نہ ہو، لیکن ان کی جاسوسی بھی نہ کرنا، تاکہ وہ رسوا اور بدنام ہوں ؀

لوگوں کے رازوں کو نہ کھولنا، اور جو کچھ ظاہر میں نظر آتا ہو، اُسی پر کارروائی کرنا، اُن لوگوں کی صحبت نہ اختیار کرنا، جو دین کی باتوں پر تمسخر کیا کرتے ہیں میدانِ کارزار میں ہمیشہ سچے رہنا، اور اپنے حرکات سے بزدلی کو نہ ظاہر ہونے دینا تاکہ اور لوگ بھی بزدل نہ ہو جائیں، خیانت سے بچتے رہنا، اُس سے محتاجی و ہلاکت آتی ہے، عنقریب وہاں تم ایسے لوگوں کو پاؤ گے، جو خانقاہوں میں

بند ہو کر بیٹھ رہے ہیں، اُن کو اور اُن کے کلیسوں کو چھوڑ دینا اور اُن کے اطمینان میں خلل نہ ڈالنا، بچوں اور عورتوں بوڑھوں، اپاہجوں کو قتل نہ کرنا لوگوں کی کھیتیاں، باغ، درختوں کے پھلوں کا نقصان نہ کرنا ؛

اِن نصائح و ہدایات کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سپہ سالار شام یزید بن ابی سفیان کو روانہ کیا، اِس لشکر کے روانہ ہو جانے کے بعد جو اور مجاہدین مدینہ شریف میں آ کر جمع ہو گئے تھے، اُن پر ابو عبیدہؓ بن الجراح کو سردار مقرر کر کے حکم دیا، کہ تم شہر حمص کی طرف روانہ ہو جاؤ ؛

ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مدینہ شریف سے کوچ کیا، تو جب شہر بلقار کے قریب پہنچے، تو وہاں کے لوگوں نے شہر کے پھاٹک پر اُن کے لشکر کو روکا، اور مقابلہ شروع ہو گیا، مگر قبل اس کے کہ لڑائی کا کوئی فیصلہ ہو ان لوگوں نے خود ہی اظہار اطاعت کر کے صلح کر لی، اور یہی صلح ارض شام کی جانب مسلمانوں کی پہلی فتح تصور کی گئی ؛

اِس کے بعد بہادران اسلام کو یہ معلوم ہوا، کہ رومیوں کا لشکر ارض فلسطین کے شہر عربہ کے قریب جمع ہو رہا ہے، چنانچہ یزید بن ابو سفیان نے اُن کے مقابلہ پر تھوڑی سی فوج کے ساتھ ابو امامہ باہلی کو روانہ کیا، ابو امامہ نے وہاں پہنچتے ہی اُن لوگوں کو شکست دی، اور آگے بڑھے ؛

اِدھر خالد بن سعید نے جب سُنا کہ متعدد سرداران اسلام فوجوں کے ساتھ روانہ ہوئے ہیں، تو خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اجازت کے بغیر خود ہی بڑھ کے رومیوں پر حملہ کر دیا ؛

رومی سپہ سالار باہان بڑا چالاک اور ہوشیار سردار تھا، اُس نے اُن کو یہ فریب دیا، کہ اپنی شکست اور کمزوری ظاہر کر کے پیچھے ہٹنے لگا، بہادران اسلام اُس کا تعاقب کرتے ہوئے بڑھے، اِس لڑائی میں ذوالکلاع، عکرمہ اور ولید بھی خالدؓ ثانی

کے ساتھ تھے، رومی لشکر ہٹتے ہٹتے مرج حصر میں پہنچ کر ٹھہر گیا، اور اب خالد بن سعید نے جو دیکھا، تو ان کا سارا لشکر دشمنوں میں گھرا ہوا تھا، اور ساتھ ہی دشمنوں کی تعداد بھی زیادہ نظر آئی، کیونکہ دشمنوں کے بہت سے لشکر چاروں طرف سے یہاں آکر جمع ہوئے، اور بہادران اسلام کی واپسی کا راستہ بند تھا ؛

اس حالت میں لڑائی شروع ہوئی، تو رومیوں نے نہایت جوش وخروش سے حملے شروع کر دیئے، خود باہان نے یورش کر کے خالدؓ کے ایک فرزند کو شہید کر ڈالا ؛ خالدؓ نے بیٹے کے مارے جانے کا حال سُنا تو ایسی ہیبت چھائی کہ اُلٹے پاؤں بھاگے، اور بھاگتے ہوئے مدینہ شریف کے قریب مقام ذی المراۃ تک چلے آئے ؛ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو یہ حال سُنا تو فوراً آدمی دوڑائے اور اُن کو حکم بھیجا کہ خبردار مدینے میں نہ آنا، بلکہ اپنے ہمراہیوں کے ساتھ اسی جگہ یعنی مقام ذی المراۃ ہی میں ٹھہرے رہو ؛

اُدھر میدان مرج حصر میں عکرمہ بن ابی جہل دشمنوں سے مقابلہ کرتے، اور مسلمانوں کو بچاتے اور سنبھالتے رہے ؛

اسی اثناء میں سیف اللہ خالد بن ولیدؓ کے پاس سے شرحبیل بن حسنہ کسی ضرورت سے دار الخلافہ مدینہ میں حاضر ہوئے، تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُن کو حکم دیا کہ اب تم لوگ بجائے عراق کے شام میں جاؤ، اور ولید بن عتبہ کی جگہ پر میں تم کو وہاں کا سردار فوج مقرر کرتا ہوں ؛

شرحبیل نے فوراً اس حکم کی تعمیل کی، مگر شام کی طرف جاتے ہوئے جب وہ مقام ذی المراۃ میں پہنچے، تو خالد بن سعید کے ہمراہی جو یہاں پڑے ہوئے تھے، اُن میں سے اکثر شرحبیل کے لشکر میں مل کر شام کی طرف پلٹ گئے ؛

اس کے بعد مدینے شریف میں مجاہدین کا ایک اور گروہ جمع ہوا، تو حضرت

ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اِن کا لشکر مرتب کر کے معاویہ بن ابی سفیان کو اُن کا سردار مقرر کر کے حکم دیا، کہ تم بھی شام کی راہ لو ؛

معاویہ اس جیش کے ساتھ ذی المراۃ میں پہنچے، تو خالدؓ بن سعید کے پاس جو لوگ باقی رہ گئے تھے، وہ بھی اُن کو چھوڑ کر اس جیش مجاہدین کے ساتھ شام کی طرف روانہ ہوئے ؛

جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ سُنا کہ اب خالدؓ بن سعید کے پاس کوئی آدمی باقی نہیں، تو آپ نے اُنکو مدینہ شریف میں واپس بُلا لیا ؛

کچھ دنوں کے بعد یہ سب سردارانِ عرب شام میں پہنچ گئے، ابو عبیدہ نے تو جابیہ کے سامنے پڑاؤ ڈالا، یزید بن ابی سفیان اور اُن کے بھائی معاویہ بلقا میں ٹھہرے شرجیل بن حسنہ نے اُن کے گرد قیام کیا، اور عمرو بن عاص صرجہ میں جا کر اُترے

تاجدار روم ہرقل اِن دنوں جوش عقیدت سے بیت المقدس میں آیا تھا جب اُسے عساکر اسلامیہ کے آنے کی خبر ہوئی، تو اُس نے اپنے ارکان دولت اور مشیرانِ سلطنت کو جمع کر کے یہ کہا، "کہ میری یہ رائے ہے، کہ تم اُن لوگوں سے صلح کر لو، اگر تم محاصلِ مملکت شام کی آدھی رقم ادا کرنے کا وعدہ کر کے بھی مسلمانانِ عرب سے صلح کر لو گے، تو میرے نزدیک نفع میں رہو گے، ورنہ وہ سارے مُلک شام پر قبضہ کر لیں گے" مشیرانِ سلطنت اپنے بادشاہ ہرقل کی یہ رائے سُنکر نہایت متوحش ہوئے، بلکہ اُس سے ناراض ہو کر دربار سے اُٹھ کر چلے گئے ؛

مجبور ہو کر اُس نے پھر اپنے معززین ارکان دولت کو جمع کیا اور اُن کو لے کر شہر حمص میں پہنچا، وہاں قیام کر کے لشکر مرتب کیا، اور ارادہ کیا، کہ ہر ایک مسلمان سردار کے مقابل ایک نئی فوج بھیجی جائے ؛

ہرقل کے پاس فوج کی کیا کمی تھی، اُس کا خیال تھا، کہ مسلمان سرداروں کو جدا

جُدا جُدا میدانوں میں الجھا لینے سے اُن کی قوت کمزور پڑ جائے گی ؛
چنانچہ اپنے سگے بھائی تذارق کو نوّے ہزار فوج کے ساتھ عمرو بن عاص کے مقابلہ پر جرجہ کو ، اور لوذر کو یزید بن ابی سفیان کے مقابلہ پر، قبقلار بن فسطوس کو ساٹھ ہزار فوج کے ساتھ ابو عبیدہؓ کے مقابلے پر اور وراقص نام ایک رومی سردار کو شرجیل بن حسنہ کے مقابلے پر روانہ کر دیا ؛
ہرقل کے یہ انتظامات اور رومی فوجوں کی یہ کثرت دیکھ کر مسلمان گھبرائے اور سب سرداروں نے عمرو بن عاص کو خط لکھ کر دریافت کیا "کہ آپ کے نزدیک ایسی حالت میں کیا مناسب ہے" اس سوال کا اُنھوں نے یہ جواب دیا "ہمارے لئے مناسب تدبیر یہ ہے، کہ ہم سب ایک جگہ جمع ہو جائیں، اور اپنے منتشر لشکر کو یکجا کر لیں متفرق طور پر سب میں کمزوری رہے گی، مگر ایک جگہ اکٹھا ہو جانے سے ہم کو اپنی کمی محسوس نہ ہوگی، اور دشمن کی کثرت فوج کا اتنا اندیشہ نہ رہے گا" ؛
چنانچہ دربار خلافت سے اس تجویز پر عمل کرنے کی اجازت طلب کی گئی، تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عمرو بن عاص کی رائے سے اتفاق کر کے اس بات کی اجازت دیدی، کہ شام کے تمام عساکر اسلام اور کل سرداران مجاہدین جمع ہو جائیں ؛
چنانچہ اسی رائے کے مطابق سب سرداران اسلام اپنے اپنے لشکر لیکر ایک ہو گئے

جنگ اجنادین اُدھر سے رومی لشکر بھی جمع ہو گئے، رومی سردار کا سپہ سالار تذارق تھا اور مقدمۃ الجیش کی سرداری جرجہ کے سپرد تھی، باقی دونوں پہلوؤں میں سے ایک پہلو کی فوج کا سردار ہامان اور دوسرے پہلو کی فوج کا افسر قبقلار اور لوذر تھا ؛
بعض رومی سرداروں کا یہ خیال تھا، کہ بہادران اسلام سے لڑنے کی بجائے صلح پر راضی کر لینا چاہیئے، یا بعض کی یہ تجویز تھی، کہ بعض گروہوں کو توڑ لیں، اور اسی تاخیر تعویق سے مسلمانوں کو کمزور بنا دیا جائے، لیکن بہادران اسلام نے رومیوں کی اس

کوتہ اندیشی سے فائدہ اُٹھاکر اُن کے واپس جانے کا راستہ بڑھ کر اپنے قبضے میں کر لیا :۔

حضرت عمرو بن عاص نے جان نثارانِ اسلام کی اِس دُور اندیشی سے خوش ہوکر کہا "میں تم کو مبارکباد دیتا ہوں، کہ تم نے رومیوں کو اپنے حلقے میں کر کے قید کر لیا ہے" رومی جان بُوجھ کر لڑائی کو طول دے رہے تھے، اور اس ڈھیل میں اُنکی فوج دن بدن بڑھتی ہی جاتی تھی، اس طوالت اور رومی لشکر کی جمعیت بڑھنے کا حال عساکر اسلامی کے سرداروں نے جب دربار خلافت میں لکھا تو حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے حضرت خالدؓ بن ولید کو لکھا کہ "تم عراق سے شام میں جاکر مسلمانوں کی مدد کرو، اور اپنی شجاعت اور دلیری کا سچا جوہر دکھاؤ، جو فوج تمہارے ہمراہ ہے، اس میں سے نصف کو اپنے ساتھ لے جاؤ، اور نصف کو وہیں عراق میں مثنیٰ بن حارثہ شیبانی کی سرداری میں چھوڑ دو، جب شام میں خدا کے فضل و کرم سے مسلمانوں کو فتح حاصل ہو جائے، تو پھر تم عراق میں واپس چلے جانا :۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ حکم پہنچتے ہی حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی فوج کو دو حصّوں میں تقسیم کیا، اور خود نو ہزار بہادرانِ اسلام کا لشکر لیکر براہ رض شام عراق کی راہ لی :۔

راستے میں شہر حاذرہ آپڑا وہاں کے لوگوں نے مقابلہ کیا، اور خالدؓ بن ولید اُن کو پسپا کر کے مصیخ میں پہنچے اُس کے بعد بہت سی منزلیں قطع کر کے اور ہر جگہ فتح و نصرت کے پھریرے اُڑاتے ہوئے ثنیۃ العقاب (دمشق کے قریب ہے) میں جا پہنچے یہاں پہنچتے ہی حضرت خالدؓ نے اپنے اُس علم کا پرچم کھول دیا، جو حضور پُر نور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو مرحمت فرمایا تھا اس کا پھریرا سیاہ تھا، اور "رانیۃ العقاب" کہلاتا تھا، اِس کے بعد دمشق کو چھوڑ کر مرج راہطہ ہوتے ہوئے یرموک پہنچے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اپنے پہنچ جانے کی اطلاع دی :۔

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے پہنچتے ہی باہان نے برمقابلہ کیا، اس کے ساتھ ساتھ مسیحی اسقف اور راہب تھے، جو انجیل کی دعائیں پڑھتے اور لوبان کی دھونی دیتے جاتے تھے ؛

حضرت خالد بن ولید نے فوراً بڑھ کے مقابلہ کیا، اور تھوڑی دیر کی لڑائی کے بعد رومیوں سے بجز اس کے کہ اپنی خندق کے اس پار واپس جا کے پناہ لیں اور کوئی بات نہ بن پڑی ؛

حضرت خالد رضی اللہ عنہ اور ان کے ہمراہی جاں نثارانِ اسلام کے آنے سے پہلے اجنادین میں کل بہادرانِ اسلام کی تعداد ستائیس ۲۷ ہزار تھی، حضرت خالد بن ولید کے زیرِ علم نو ہزار دلیرانِ عرب کے آجانے سے چھتیس ہزار ہو گئی تھی ؛

عکرمہ بن ابی جہل کی جمعیت اس کے علاوہ تھی، جو مسلمانوں کے پیچھے اپنے لشکر کے ساتھ پڑے ہوئے تھے، تاکہ کسی دشمن کو مسلمانوں کے پیچھے نہ آنے دیں ؛

اور رومیوں کا لشکر نوے ۹۰ ہزار تھا، ان میں سے تیس ۳۰ ہزار زنجیر بند تھے یعنی زنجیروں سے گھوڑوں میں بندھے ہوئے تھے، کہ کسی طرح گھوڑے کی پیٹھ سے جدا نہ ہو سکیں، پچیس ہزار ایسے تھے، کہ اپنے گھوڑے کی پیٹھ سے ہی نہیں، بلکہ باہم ایک دوسرے سے بھی زنجیروں کے ساتھ بندھے ہوئے تھے، تاکہ میدان سے بھاگ نہ سکیں، ان کے علاوہ پینتیس ۳۵ ہزار پیدل سپاہی تھے، اور ان میں بھی بہت سے باہم زنجیروں میں بندھے تھے ؛

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے پہنچنے سے اجنادین میں لشکرِ مجاہدین کی یہ حالت تھی، کہ ہر سردار اگرچہ دوسروں کا ممد و معاون رہتا مگر کسی اور کا ماتحت نہ ہوتا تھا اور اپنی جمعیت پر پورا حکمران تھا ؛

اسی حالت میں مسیحی مقتدا اور راہب اپنے رومی سپاہیوں کو پورے ایک مہینہ

تک اُن کو اپنی ہمّت کا جوش دلا دلا کر مسلمانوں کے مقابل میدانِ جنگ میں لائے تھے ۔

مسلمانوں کو جب دشمنوں کی فوج کی اس جمعیّت کا حال معلوم ہوا، تو تمام سرداران عساکر اسلامیہ نے اپنی فوجوں کو اپنے اپنے جھنڈوں کے نیچے مرتب کر کے تائید ایزدی پر بھروسہ کر کے حملہ کرنے کا ارادہ کر لیا ۔

چنانچہ حضرتِ خالد بن ولیدؓ نے اپنا گھوڑا بڑھا کر بہادرانِ اسلام کی صفوں کے آگے چکّر لگایا، اور پھر سب کے درمیان بعد حمدِ الٰہی و ثنائے رسالت پناہی یہ تقریر کی:۔

بہادرو! آج کا دن خُدا کے مخصوص دنوں میں سے ہے، اس دن نہ تو اپنے اوپر فخر و ناز کرنا چاہیئے، اور نہ سرکشی کرنی چاہیئے، اِس جہاد کو خالصتہً لوجہ اللہ رکھو، اور اپنے عمل سے خُدا کو راضی کرنے کی کوشش کرو، اِس کے بعد اور دن بھی آئیگا، اگر تمہاری کارگذاری اسی دن کے ساتھ ختم ہو جائیگی، میں کہتا ہوں، کہ جو قوم مرتب و منضبط ہو کر باضابطہ طریقے سے لڑتی ہے، اس سے منتشر ہو کر نہ لڑو، یہ تفریق تمہارے لئے نہ جائز ہے اور نہ مناسب ہے، یاد رکھو کہ تمہارے پیچھے ایک شخص ہے (یعنی امام الامت حضرتِ ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ) انہیں اگر تمہاری یہ کیفیت معلوم ہو جائے، تو وہ اس بات کو دم بھر کیلیے بھی جائز نہ رکھیں گے ۔

لہٰذا اس بارے میں تم کو بارگاہ خلافت سے کوئی خاص حکم نہیں ملا ہے، انہیں اپنے اپنے سردار کے حکم کی تعمیل کرو ۔

اِس پر سب نے یہ آواز بلند کہا "فرمایئے آپ کا کیا حکم ہے" ۔

حضرتِ خالدؓ نے کہا، حضرتِ ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس خیال سے بھیجا ہے، کہ ہم آسانی سے اپنے مقصد کو حاصل کر لیں گے، وہ اگر یہ جانتے ہوتے، کہ یہاں کیا ہوا، اور کیا ہو رہا ہے، تو تم کو اس صورت و ترتیب سے نہ جمع کرتے، یہ تمہاری تفریق کی حالت اس مصیبت سے بھی زیادہ سخت و دشوار ہے، جس سے تم کو سابقہ پڑا ہے اور

مشرکین کے حق میں یہ کسی زبردست کمک کے آجانے سے بھی زیادہ سود مند ومفید ہے میں دیکھتا ہوں، کہ دُنیا کیلئے تم میں تقسیم کردی گئی ہے، تم میں سے ہر شخص جُدا جُدا شہروں میں ہے، لیکن اگر وُہ کسی دُوسرے امیر کا ماتحت ہوجائے، تو اس سے اُس کے حق میں کوئی کمی نہیں ہوجاتی، اور سب سوار اگر کسی ایک کے ماتحت ہوجائیں تو اُس کو اِس وجہ سے کچھ زیادہ نہ مِل جائیگا، کسی سردار کے ماتحت ہوجانے سے خُدا اور خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں کسی کی کوئی تحقیر یا سُبکی نہیں ہوجاتی، لہذا لڑائی کیلئے تُم بھی تیار ہوجاؤ، کیونکہ تمہارے دُشمن لڑائی کیلئے خوب تیار ہوگئے ہیں، یاد رکھو، کہ آج کے دن کے بعد وُہ دِن آئیگا، لیکن آج کا دن وُہ دن ہے، کہ اگر تُم نے دُشمنوں کو اُن کے خندقوں کے اندر بھگا دیا، تو اُن کو ہمیشہ بھگاتے اور پسپا کرتے رہوگے لیکن اگر اُنہوں نے ہم کو شکست دیدی، تو پھر اُس کے بعد ہم نہ سنبھل سکیں گے، لہذا آؤ اور سرداری وافسری کے نظام کو تُم اُنہیں دُشمنوں سے عاریتاً لے لو، مگر ہم میں سرداری و امارت فوج وار بدلتی رہے، یعنی ایک دن ایک شخص سردار ہو، دُوسرے دِن دُوسرا شخص اور تیسرے دِن تیسرا شخص یہاں تک کہ سب کو حکومت کرنے کا موقع مِل جائے، اگر تم مُناسب سمجھو، تو آج مجھ ہی کو اجازت دو، کہ میں تمہاری سرداری وافسری کروں گا۔

اِس تقریر اور استدعا کے مطابق عام معزز سرداروں اور کُل سپاہیوں نے اُس روز کی معرکہ آرائی کیلئے خالدؓ ہی کو اپنا سپہ سالار تسلیم کرلیا۔

اتنے میں رومیوں کا لشکر بڑھا اور ایسی ترتیب وانتظام سے کہ مسلمانوں نے آج تک کبھی ایسا بارونق منظر نہیں دیکھا تھا، مگر حضرت خالد بن ولیدؓ نے بھی اپنے لشکر کو اس شان سے مرتب کر کے بڑھایا، کہ اپنی یہ شان بھی مسلمانوں نے کبھی نہ دیکھی تھی۔

یعنی خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تمام بہادرانِ اسلام کو چالیس رسالوں اور پلٹنوں میں تقسیم کردیا، اور کہا دُشمنوں کی تعداد بہت زیادہ ہے، اگرچہ تم تعداد میں کم ہو مگر بہت سے

دستوں اور پلٹنوں میں تقسیم ہو جانے سے زیادہ نظر آنے لگو گے ۔

ان دستوں میں بہت سے قلب فوج میں تھے، اور اُن پر ابو عبیدہؓ کو سردار مقرر کیا گیا تھا، بہت سے دستے میمنہ پر تھے، اُن کی سرداری عمرو بن عاص اور شرجیل بن حسنہ کے سپرد تھی ۔

اسی طرح تمام دستوں پر ہر ایک سردار مقرر تھا، ابو درداء فوج کے قاضی تھے، اور ابو سفیان کے ذمے تمام بہادران اسلام کو رجز اور جوش حمیت دلانے کا کام سپرد تھا، اگلے حصہ فوج یعنی طیطلے کے سردار قباث بن اشیم اور سب سے پچھلے حصہ فوج کے سردار عبد اللہ بن مسعود تھے ۔

سب سے پہلے حضرت خالدؓ کے حکم سے قعقاع بن عمروؓ نے لڑائی چھیڑ دی، دم بھر میں لڑائی سب طرف پھیل گئی، اور نہایت ہی قیامت خیز لڑائی شروع ہوئی، میدان کارزار میں جس طرف نظر جاتی تھی، تلواروں کی بجلیاں گر رہی تھیں، اور خون کی ندیاں بہہ رہی تھیں عین اُس وقت جبکہ یہ حشر بپا تھا، اتنے میں رومی لشکر میں سے جرجہ نام جو اُن کا بڑا نامور اور روم کا نامی گرامی پہلوان تھا، گھوڑا بڑھا کر میدان میں آیا، اور اُس نے خالدؓ بن ولید کو اپنے مقابلے پر بلایا، خالدؓ فوراً اپنے لشکر سے نکل کر گئے، تو اُس نے کہا "میں آپ سے کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں، لہٰذا تھوڑی دیر کیلئے آپ مجھے امن و امان سے ملیں اور ہم ایک دوسرے پر حملہ نہ کریں" خالدؓ نے اُس کی درخواست قبول کی، اور جرجہ نے قریب آکے کہا "جو میں پوچھوں اُس کو آپ سچ سچ بتا دیں، کیونکہ آزاد اور بہادر لوگ جھوٹ نہیں بولا کرتے، اور امید ہے، کہ آپ مجھے دھوکا نہ دیں گے ۔

"آپ یہ بتایئے، کہ کیا خدا نے آپ کے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) پر کوئی تلوار آسمان سے اُتاری ہے، اور اُن سے وہ تلوار آپ کو مل گئی ہے، کہ جس قوم پر آپ اُس کو کھینچتے ہیں بغیر شکست دیئے وہ میان میں نہیں آتی، خالد رضی اللہ عنہ نے کہا "نہیں" پھر پوچھا تو پھر

آپ کو لوگ سیف اللہ کیوں کہتے ہیں، اِس پر خالدؓ نے کہا، سنیئے خُدا نے ہم میں اپنے پیغمبر مرسل کو مبعوث کیا، میں اُن لوگوں میں تھا جنہوں نے ابتداً اُن کی تکذیب کی اور اُن سے لڑے اُس کے بعد اللہ تعالیٰ نے مجھ کو ہدایت کی، اور میں نے اُنکی پیروی اختیار کی، اُس وقت اُنہوں نے مجھے فرمایا، کہ تُم مشرکین کے حق میں اللہ کی شمشیر برہنہ ہو۔ اور میرے لئے تائیدِ الٰہی کی دعار فرمائی، یہ سب اُسی دعار کی برکت ہے ؛

یہ سُنکر جرجہ نے کہا، اچھا یہ بتایئے، کہ آپ ہم سے کیا چاہتے ہیں ؟

خالدؓ نے کہا، فقط تین باتیں یا تو اسلام قبول کیجئے، یا اطاعت قبول کر کے ہمیں جزیہ دیجئے، اور اگر یہ تُم کو منظور نہیں تو لڑیئے اور مقابلہ کیجئے، اس پر جرجہ نے پوچھا اب یہ بتایئے، کہ جو کوئی اسلام قبول کرے، اور آپ کی جماعت میں شامل ہو جائے، تو اُس کا درجہ آپ لوگوں میں کیا ہوتا ہے ؛ جواب دیا، ہمارا اور اُس کا درجہ برابر اور یکسان ہوتا ہے، پھر پوچھا، اور اُس کو اس کا کچھ اجر اور ثواب بھی ملتا ہے ؛ کہا بیشک بلکہ ہم سے بڑھ کر، وہ اِس لئے کہ ہم تو حضورِ پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ایمان لائے، جبکہ آپ ہمیں غیب کی باتیں بتاتے تھے، مگر آپ نے معجزات اور خوارقِ عادات دیکھے ہی نہیں لہٰذا اگر آپ صدقِ دل اور نیّتِ خیر سے پیغمبر آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائینگے تو ہم سے زیادہ افضل ہوں گے ؛

جرجہ یہ سُنکر خالد رضی اللہ عنہ کے ہمراہ لشکرِ اسلام میں آنکر مشرف بہ اسلام ہوا، حضرت خالدؓ نے اُس کو دین کی تلقین و تعلیم کی، پھر اُس نے غسل کر کے دو رکعتیں نماز کی ادا کیں، اور اُس کے بعد خالدؓ کے ہمراہ میدان میں جا کر رومی لشکر سے لڑنے لگا ؛

اِس دوران میں لڑائی برابر جاری تھی، اور لڑائی بھی وہ لڑائی جو قوموں کی قسمت کا فیصلہ کرنے والی ہو، رومیوں نے آخر کار ایک ساتھ مل کر ایک ایسا زبردست حملہ کیا کہ مسلمانوں کو جگہ چھوڑ کے پیچھے ہٹنا پڑا، اور رومی اُن کو یہاں تک دھکیلتے اور

ہٹاتے چلے گئے، کہ مسلمان اپنے لشکر کے اُس آخری حصّہ تک پہنچ گئے، جہاں اُنکی معاون فوج اُن کے پیچھے خاموش کھڑی تھی ؛

اس معاون پچھلے حصہ فوج کے سردار عکرمہ اور اُن کے چچا حارث بن ہشام تھے لشکر اسلام کی اس پسپائی کو دیکھکر عکرمہؓ نے کہا، کہ آج تک میں آنحضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے مقابل ہر لڑائی میں لڑا ہوں لیکن آج مجھے حمایت دین میں لڑنے کا موقعہ دیجئے اور جس کو شوق شہادت ہو وہ مجھ سے اِس بات کا وعدہ کرے ؛

یہ سنتے ہی اُن کے چچا حارث، ضرار بن الازوار اور چار سو شہسواران عرب نے دوڑ دوڑ کر جوش و خروش سے اُن کے ہاتھ پر بیعت کی، اور یہ سب لوگ عکرمہ بن ابی جہل کے ساتھ صف اعدا میں گھس پڑے، اور حضرت خالدؓ کے آگے یہ سب اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جان پر کھیل کے لڑے اور ایسے لڑے کہ اُن میں سے کوئی بھی زخمی ہونے سے نہ بچا جن میں سے بعض تو اچھے ہو گئے، اور بعض نے درجہ شہادت حاصل کیا ؛

خالد بن ولیدؓ اور اُن کے ساتھ ہی جرجہ بھی بڑی جان بازی سے لڑتے رہے یہاں تک کہ دن ختم ہوتے ہوتے جرجہ نے بھی شربت شہادت پی لیا ؛

ظہر و عصر کی نمازیں سب جان نثاران اسلام نے دشمنوں سے لڑتے لڑتے اشاروں میں ہی ادا کیں، لیکن لڑائی سے مُنہ نہیں موڑا، جس کا نتیجہ یہ ہوا، کہ رُومیوں کے قدم کو لغزش ہونے لگی ؛

یہ حالت دیکھ کر خالدؓ نے نعرۂ تکبیر بلند کر کے دشمنوں کی فوج قلب میں گھس گئے اور دشمن کے سواروں اور پیدلوں کو مار مار کے گرانے لگے، اس حملہ سے اکثر رومی سواروں کو شکست ہو گئی، چنانچہ وہ پیدلوں کو میدان کارزار میں چھوڑ کر بھاگے مسلمانوں نے رومی سواروں کو بھاگتے دیکھا تو اُن کی طرف اپنے درمیان میں سے نکل جانے کا راستہ دیدیا، اور اس راستہ سے بہت سے سوار بھاگے، اور میدان کارزار سے

بھلتے ہی ہر طرف منتشر ہو گئے ؛

لیکن اب پیادوں پر مسلمانوں کی سخت یورش تھی، اور وہ بہت بُری طرح قتل ہو رہے تھے، آخر وہ کٹتے مرتے اپنے خندقوں کی طرف چلے، مگر اُن سے زیادہ کوشش خندقوں میں پہنچنے کی اِن لوگوں نے کی، جو باہم زنجیروں میں بندھے ہوئے تھے، اور اُنکی مزاحمت میں اور پیدلوں کو راستہ نہ ملتا تھا ؛

یہ حالت دیکھ کر قیقلار اور شرفاء و معززین روم کے ایک گروہ نے اپنے منہ اپنی ٹوپیوں میں چھپا لئے، اور خاموش بیٹھ گئے، بہادرانِ اسلام نے انہیں اسی طرح کپڑوں میں لپٹے ہوئے ہی قتل کر دیا ؛

بہادرانِ اسلام خالد بن ولیدؓ لڑتے اور دشمنوں کو بھگاتے ہوئے رومی خندق کے پار ہو گئے تھے، جہاں وہ دشمنوں کے پڑاؤ میں داخل ہوئے، تو ہرقل کے بھائی تذراق کے خیمے میں اُترے اور دشمنوں کا کہیں پتہ نہ تھا ؛

جب خالد بن ولیدؓ نے اجنادین کے میدان میں تقریباً ایک لاکھ رومیوں پر شاندار فتح حاصل کر لی، تو اس کامرانی کی اطلاع اور مالِ غنیمت دے کر ایک قاصد کو دربار خلافت میں روانہ کیا ؛

قاصد کو مدینہ طیبہ میں آ کر یہ معلوم ہوا، کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ایک روز ذرا سی خنکی تھی، مگر جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے پروا نہ کی، اسی ٹھنڈک میں نہائے نہاتے ہی انہیں بخار ہو گیا، جو پندرہ روز تک نہ اترا، اُن کی بیماری میں اُنکے حکم سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نماز پڑھاتے رہے، اب چند روز سے اچھے ہوئے .... تھے، کہ قاصد نے رومیوں پر فتح پانے کے تمام واقعات عرض کئے، اور مالِ غنیمت پیش کیا، اس خوشخبری کو سُن کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خدا کا شکر ادا کیا، اور بہادرانِ اسلام کی قوت اور ترقیٔ اسلام کیلئے درگاہ ایزدی میں دعا کی ؛

مگر جناب امام الائمہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ تندرستی اصلی صحت نہ تھی، بلکہ ایک سنبھالا تھا، ؛.

اُسی روز شام کو طبیعت ایسی بگڑی کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو بلا کے اُن کی جانشینی کی وصیّت کی اور ظاہر کر دیا، کہ یہی رات میری زندگی کی آخری شب ہے ؛.

آخر تھوڑی دیر کے بعد دعا مانگتے ہوئے، اُن کی رُوح پاک قفس عنصری سے پرواز کر گئی، اصحاب نے اُنکی تجہیز و تکفین کی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی ؛.

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ قریش کے ایک ممتاز قبیلہ بنی تیم میں سے تھے آپکا شجرہ نسب ساتویں پشت میں حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتا ہے، وُہ اس طرح کہ قوم قریش کا مورث اعلیٰ تیسری صدی کے قریب فہر نامی تھا جس کا لقب قریش تاجر تھا۔ اور یہی آل فہر قریش کی کنیت تھی۔ فہر کا بیٹا غالب اور غالب کا بیٹا لوی۔ لوی کا بیٹا کعب اور کعب کا بیٹا مرا تھا۔ مرا کے دُو بیٹے تھے۔ ایک کا نام کلاب دوسرے کا تیم کلاب سے قصی اور قصی سے عبد المناف ہوئے۔ اور عبد المناف سے ہاشم اور ہاشم سے عبد المطلب یعنی حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دادا تھے۔ اور اسی طرح تیم سے سعید اور سعید سے کعب۔ کعب سے عامر اور عامر سے ابی قحافہ جو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے والد تھے *

سیرۃ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ جید عالم اور بڑے قابل مورّخ بڑے زیرک معاملہ فہم دُور اندیش تھے۔ عرب میں آپ ایک نامی تاجر اور بڑے امیر کبیر شخص تھے۔ مکّہ کے روسا میں آپ کی بڑی قدر و منزلت تھی، نہ فقط ان کی بلکہ تمام اہل مکّہ ہر معاملہ میں ان کی بہترین رائے پر عمل کرتے تھے۔

اسلام لاتے ہو آپ ... اشاعت اسلام میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست راست تھے اور پانچ ایسے شخصوں کو آپ نے اسلام میں شامل کیا۔ جن سے

دین کو بڑی تقویت حاصل ہوئی (۱) یعنی سعد ؓ بن ابی وقاص ؓ (۲) زبیر بن عوام ؓ (۳) طلحہ بن عبداللہ ؓ (۴) حضرت عثمان بن عفان ؓ۔ (۵) عبدالرحمٰن بن عوف۔ یہ سب جاں نثاران اسلام آپ کی کوشش سے اسلام لائے تھے +

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنا تمام مال و اسباب اسلام کی خدمت میں اور خدا کی راہ میں دیدیا تھا۔ کئی ایک اُن غلاموں کو جن کے مسلمان ہونے پر اُن کے آقا نہایت وحشیانہ ظلم کرتے تھے۔ خرید کر آزاد کرایا حضور پُر نور ہادئ اسلام پیغمبر خدا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام مصائب میں اُن کے رفیق اور مونس رہے تمام غزوات میں اُن کا ساتھ دیا۔ جب سے اسلام لائے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مفارقت گوارا نہ کی۔ آخر اسی غم میں حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات حسرت آیات کے دو سال تین ماہ ۱۰ یوم بعد ۲۲ جمادی الآخر ۱۳ھ ۶۳ سال کی عمر میں آپ نے اس جہان سے رحلت فرمائی +

سنہ ۱۴ ہجری

خلیفہ دوم امیر المومنین سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ عہد خلافت ۱۰ سال ۶ ماہ ۱۰ یوم تاریخ وفات یکم محرم سنہ ۲۴ھ سن مبارک ۶۳ سال	سیدنا خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آپ کی خلافت کیلئے وصیت فرمائی اور آپ کو اپنے بعد خلیفہ مقرر فرمادیا۔ چنانچہ ۲۲ جمادی الآخر ۱۳ھ کو عام

مسلمانوں نے بالاتفاق حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی جس میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ و حضرت عثمان ذی النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی شریک تھے +

تیسرے روز جمعہ کی نماز پڑھ کر بعد حمد خدا و صفت پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کو اسلام پر کاربند رہنے اور اشاعت دین کی تلقین و دیگر ہدایات و نصائح کرکے بطور مشورہ اس بات کو ظاہر کرتے ہوئے فرمایا "میں خالد بن ولید ؓ

کو لشکرِ اسلام کی امارت سے معزول کر کے اُن کی جگہ ابو عبیدہؓ بن جراح کو سپہ سالارِ عساکرِ اسلام مقرر کرتا ہوں ۔

اس پر خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی قوم بنی مخزوم میں سے ایک نوجوان شخص نے کہا کہ کیا آپ ایک ایسے شخص کو امارت سے معزول کرتے ہیں جس نے ملک شام میں اپنی قوّت بازو سے دشمنانِ اسلام کو پامال کر کے اسلام کا نام روشن کر دیا ہے۔ اُنہوں نے بے شمار شہر فتح کر کے سلطنت عرب کو وسیع کیا۔ رومیوں کے بیشمار لشکر کو اپنی مُٹھی بھر فوج کے ساتھ ہر موقعہ پر شکست دی۔ اور حضورِ پُر نور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خطاب سیف اللہ کو حقیقی معنوں میں ظاہر کیا۔ اگرچہ خلیفہ اوّل کے عہد میں بھی بعض اصحاب نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو امارت سے معزول کرنا چاہا تھا۔ لیکن حضرتِ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یہ فرمایا تھا۔ کہ میں سیف اللہ (اللہ کی تلوار) کو نیام میں رکھنا نہیں چاہتا۔ لہٰذا آپ بھی اپنے فیصلہ پر غور فرمائیے ۔

اس پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔

مجھ پر اگر آپ لوگوں نے خلافت کی امارت کا بار ڈالا ہے، لیکن میں اپنے آپ کو ایک چرواہے کی مانند سمجھتا ہوں، چرواہا اگر غفلت کرتا ہے۔ تو نہ فقط اس کو نقصان ہی پہنچتا ہے، بلکہ اس کی باز پرس بھی ہوتی ہے۔ لہٰذا میں جانتا ہوں۔ کہ اس امارت میں مجھے اپنے فرائض سے اگر کوئی قصور ہو جائے تو مجھے درگاہ ایزدی میں اس کا جواب دینا پڑے گا۔ ہر شخص کو اپنے فرائض کا احساس ہونا چاہیئے ۔

مذہبی طریق عمل کے علاوہ دُنیاوی طرز تمدن اور طریقہ انتظام منتظم کی طبیعت پر منحصر ہے، کیونکہ ہر ایک شخص کی طبیعت فطرتاً مختلف ہے ۔

اُمور مملکت نیک بختی اور بہ پابندی مذہب اسلام سر انجام ہونے چاہئیں، خلیفہ اوّل ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو طبعاً خالد بن ولید رضی اللہ عنہ پر کلی اعتماد تھا۔ اس لئے

آپ نے اُن کو امیر لشکر مقرر فرمایا تھا، لیکن میں خالد بن ولید کی نسبت ابوعبیدہ پر زیادہ مطمئن ہوں، اس لئے میں خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی جگہ پر ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو مقرر کرتا ہوں" :۔

اس جواب پر وہ مخزومی نوجوان خاموش ہو گیا۔ دیگر اصحاب نے بھی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے اس خیال سے اختلاف نہیں کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابوعبیدہ بن جراحؓ کے نام اس مضمون کا مراسلہ لکھا :۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ، یہ خط عبداللہ عمر امیرالمومنین کی طرف سے ابوعبیدہ بن جراح کے نام، سلامتی ہو تم پر :۔

بعد حمد خدا اور درود مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے سپرد میں نے مسلمانوں کا جو کام کیا ہے اُس کام کے متعلق تم کو شرم نہیں چاہیئے کیونکہ اللہ تعالےٰ بھی امر حق سے نہیں شرماتا میں تم کو پرہیزگار رہنے کی نصیحت کرتا ہوں، خُدا سے ڈرتے رہنا، اُس خُدائے واحد سے جس کے سوائے سب ہست نیست ہونے والا ہے، وہ ایسا خُدا ہے جس نے تم کو کفر و ضلالت سے نکال کر اسلام کی راہ دکھا کر تم کو نجات دی، اور بہادرانِ اسلام کے سردار بننے کی عزت بخشی اُسی خُدا کی مہربانی سے تم خالد بن ولیدؓ کی جگہ مامور کئے جاتے ہو۔ لہٰذا اس حکم سے خالد بن ولید کو مطلع کر کے امارت سے علیحدہ کر دو۔ اور مسلمانوں کو مال غنیمت ملنے کی خوشی میں ہلاکت میں ڈالنے کی کوشش نہ کرو، اور نہ دشمنوں کی کثیر جمعیت کے مقابل بہت کم تعداد بھیجو، میں اُمید رکھتا ہوں، کہ تم اپنی خوش تدبیری اور معاملہ فہمی سے خُدا پر بھروسہ کر کے دشمنوں پر غلبہ حاصل کرو گے، اس بات کا خیال رکھو کہ مسلمان مصائب آلام میں مبتلا نہ ہوں، طمع دُنیا سے آنکھیں بند اور دل کو پاک رکھو۔ اور اُن لوگوں سے سبق حاصل کرو۔ کہ جو لوگ تمہارے پہلے مرض ہلاکت میں پڑے، بس تم اپنے ماتحت مسلمانوں کو بھی آخرت کے دن سے خبردار

کر کے سیدھے اور صاف راستہ پر چلاؤ، تاکہ آخرت میں وہ نیکوکاری کے ثواب کا زادِ راہ لے کر جائیں" ؛

اسی مضمون کا مراسلہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عامر بن وقاص کو دیکر روانہ کرتے ہوئے تاکید کی، کہ اُس سے جس قدر جلدی ہو سکے دمشق میں پہنچ جائے اور تمام سرداران لشکر اسلام کو اس خط کا مضمون سنائے ؛

اُدھر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے دربار خلافت میں قاصد روانہ کر کے ابوعبیدہ بن جراح سے اپنا خیال ظاہر فرمایا ؛

تائیدِ ایزدی سے ہم کو رومیوں پر یہ فتح عظیم ہوئی ہے۔ جس سے رومیوں کا زور اس طرف سے ٹوٹ گیا ہے۔ انشاءاللہ اب ہم کو اُن کے دیگر قلعے فتح کرنے میں زیادہ دقت نہ ہو گی، میرا ارادہ ہے۔ کہ ہم پھر دمشق کا محاصرہ کریں، کیونکہ دمشق مُلک شام کا دارالسلطنت ہے۔ اگر اس مرکزی شہر پر اسلام کا قبضہ ہو گیا، تو پھر ہم اسی مرکز میں اپنی جمعیت یکجا کر کے تمام مُلک شام پر بتدریج قابض ہو جائیں گے ؛

بفضلِ خُدا اس وقت ہماری مجتمع تعداد چالیس ہزار کے لگ بھگ ہے اس لئے ہم نہایت آسانی سے اس وقت دمشق کو فتح کر سکتے ہیں۔ اگر تائید ایزدی شامل حال ہوئی تو دمشق کے بعد حمص اور انطاکیہ بھی زیر علم اسلام ہو جائیں گے ؛

جنگ دمشق

ابوعبیدہؓ نے بھی حضرت خالد بن ولیدؓ کے اس خیال سے اتفاق کیا اور چند روز آرام لینے کے بعد بہادرانِ اسلام کا یہ لشکر دمشق کی طرف بڑھا۔ اور شہر دمشق کے نصف کوس کے فاصلہ پر مقام دیر خالد میں قلعہ دمشق پر حملہ کرنے کیلئے پڑاؤ ڈال دیا ؛

سب سے پہلے خالد بن ولیدؓ نے جاں نثارانِ اسلام کے مظفر و منصور لشکر کو چند حصوں پر تقسیم کیا۔ ایک حصہ پر ابوعبیدہؓ کو سردار مقرر کیا۔ دوسرے حصہ پر یزید بن

ابی سفیان کو تیسرے حصّہ پر شرجیل بن حسنہ کو اور چوتھے پر عمرو بن عاصؓ کو، پانچویں حصّہ پر قیس بن ہبیرہ کو چھٹے حصّہ پر خود سردار مقرر ہوئے ❖

پھر ان سب دستوں کے سرداروں کو اس طرح الگ الگ حملہ کرنے کا حکم دیا ❖ ابوعبیدہؓ کو دروازہ جابیہ کے مقابل رہنے کی تاکید فرمائی، اور یزید بن ابی سفیان کو دروازہ صغیر پر، شرجیل بن حسنہ کو دروازہ توما پر عمرو بن عاص کو دروازہ فرادیس پر، قیس بن ہبیرہ کو دروازہ کیسان پر، خود دروازہ شرقی پر ڈٹ گئے۔ اور ضرار بن آذر کو دو ہزار سوار دیکر لشکر اسلام کی حفاظت کے لئے ادر گرد گھومتے رہنے کا حکم دیا ؛

اس پر ضرار نے کہا، یہ کام تو میری مزاج کے خلاف ہے، میں تو دشمنوں سے جنگ کرنے کا شوق رکھتا ہوں، چنانچہ خالد بن ولیدؓ نے ضرار کو حکم دیا، کہ تم بھی جہاں موقعہ پاؤ دشمنوں کو تہ تیغ کرو، اب لڑائی شروع تھی، اور جان نثاران اسلام نے چاروں طرف سے دشمنوں کو تنگ کر رکھا تھا۔ اہل دمشق مجبور ہو کر صلح کرنے کا مشورہ کرنے لگے، لیکن اُن کے سردار توما نے اس بات کو پسند نہیں کیا ؛

آخر قلعہ بند اہل دمشق نے توما سے کہا، کہ اس طرح ہم لوگ قلعہ بند ہو کر کب تک اُن سے مقابلہ کرینگے، یا تو تم خود قلعہ سے نکل کر دشمنوں سے مقابلہ کرو۔ یا بادشاہ کو لکھو، کہ وُہ ہماری امداد کے لئے کمک روانہ کرے، اس پر توما نے اُن کو سمجھایا، کہ مسلمان جب قلعہ پر حملہ کرینگے، تو ہم قلعہ کے اُوپر سے اُن پر تیروں اور پتھروں کی بوچھاڑ کر کے اُن کو بھگاتے رہیں گے، جب تک ہماری کمک بھی آجائیگی، پھر قلعہ سے نکل کر دشمنوں پر ایک نے بردست حملہ کر کے اُن کو شکست دیدینگے ؛

ایک دن تو اسی طرح گذر گیا، مگر دوسرے روز بہادران اسلام نے چاروں طرف سے قلعہ پر یورش کر دی، اور دشمنوں نے اپنی تجویز کے مطابق اُن کو تیروں اور پتھروں پر دھر لیا، اس بوچھاڑ میں شرجیل بن حسنہ کے چند ہمراہی زخمی ہو گئے، اور ابان بن سعید

نے جام شہادت نوش کیا، جب ابان بن سعید کی بیوی نے اپنے شوہر کی شہادت کا حال سنا تو وہ مسلح ہو کر شرحبیل بن حسنہ کے ماتحت سواروں میں شامل ہو کر دشمنوں سے لڑنے لگیں ؎

اتنے میں توما نے جو شرحبیل بن حسنہ کے ساتھیوں کو زخمی ہو ہو کر گرتے دیکھا تو وہ فوج لیکر دروازہ توما کی طرف قلعہ سے باہر نکل کر ان بہادران اسلام پر حملہ آور ہوا شرحبیل بن حسنہ نے توما کو میدان میں آتے دیکھ کر اپنے ہمراہیوں کو فوراً پیچھے ہٹ جانے کا حکم دیا، اس حکمت عملی سے توما نے یہ سمجھا، کہ مسلمان شکست کھا کر بھاگا چاہتے ہیں لیکن جاں نثاران اسلام نے پیچھے ہٹ کر توما کے لشکر کو تلواروں پہ دھر لیا ابان کی بیوی بھی ذرا پیچھے کھڑی ہوئی دشمنوں پر ایسے تیر چلا رہی تھی، کہ اس کا کوئی نشانہ خطا نہ کرتا تھا ؎

توما نے جھلا کر شرحبیل پر جو زبردست حملہ کر دیا تو دونوں سرداروں نے اپنی اپنی تلواریں سنبھال لیں، اگرچہ توما تابڑ توڑ وار کر رہا تھا لیکن شرحبیل بھی ہر ایک وار کو بڑی خوش اسلوبی سے خالی دیتے تھے اتنے میں ابان کی بیوی نے اپنے تیر سے توما کی آنکھ کو چھید دیا، وہ گھبرا کر پیچھے ہٹا اور ساتھ ہی اپنے لشکر کو ساتھ لیکر قلعہ کی طرف بھاگا، مسلمانوں نے اُن کا پیچھا کیا، مگر قلعہ والوں نے اوپر سے پتھروں کی بوچھاڑ شروع کر دی، اس کشمکش میں توما اپنے باقی ماندہ لشکر کے ہمراہ قلعہ میں داخل ہو گیا، اور اس طرح اہل دمشق پھر قلعہ بند ہو گئے، کئی دن کے بعد ان دشمنان اسلام نے یہ تجویز سوچی، کہ رات کے وقت جبکہ مسلمانوں کا لشکر خواب غفلت میں ہو قلعہ کے ہر ایک دروازہ سے الگ الگ ایک ایک دستہ نکل کر شبخون ماریں، چنانچہ مقررہ رات کو اسی تجویز کے مطابق قلعہ کے ہر ایک دروازہ سے شبخون کے لئے دشمنوں کے مختلف دستے نکلے لیکن بہادر خالد بن ولید کب غافل رہنے والے تھے انہوں نے پہلے ہی شبخون

کی احتیاط کر رکھی تھی، اور ہر ایک خیمہ میں پہریدار مقرر تھے، علاوہ اس کے ضرار بن ازور حفاظت لشکر پر خاص طور سے مامور تھے ۔

دشمنوں کے باہر نکلتے ہی بہادران اسلام تیار ہو گئے، اور ہر ایک طرف سے اسلامی بہادروں نے اہل دمشق کا بڑی سختی سے مقابلہ کیا، اور ہزارہا دشمنوں کو قتل کر کے رکھدیا شرحبیل بن حسنہ نے سب سے زیادہ بہادری دکھائی ۔

غرضیکہ رات سے دن بھر کی لڑائی کے بعد دشمنان اسلام اپنے ہزارہا مقتول میدان کارزار میں چھوڑ کر قلعہ میں واپس گھس گئے، اُن کا سردار توما سخت ہراساں ہو رہا تھا اور اُس کے ہمراہی کہہ رہے تھے، کہ ہم پہلے ہی کہتے تھے، کہ مسلمان کسی سے دبنے والے نہیں ہیں، اگر اب بھی تم صلح کا مشورہ نہیں دیتے، تو ہم خود اُن سے امان طلب کر لیں گے توما جب مجبور ہو گیا، تو اُس نے حضرت ابو عبیدہؓ کے پاس آ کر صلح کی درخواست کی، چنانچہ ابو عبیدہؓ نے اُس کی درخواست منظور کر کے صلح کر لی، لیکن حضرت خالد بن ولیدؓ کو صلح کی خبر نہ تھی، وہ قلعہ کا دروازہ شرقی توڑ کر قلعہ میں داخل ہو گئے اور ہزاروں دشمنوں کو موت کے گھاٹ اُتارا ۔

مگر ابو عبیدہؓ نے یہ حال دیکھ کر حضرت خالد بن ولیدؓ کو صلح ہونے سے مطلع کیا تو حضرت خالد بن ولیدؓ کو اس بات پر تعجب ہوا، کہ صلح کیسی ہم نے تو بزور شمشیر اس قلعہ کو فتح کیا ہے، آخر یہ فیصلہ ہوا، کہ توما اور اُس کے سب ہمراہی قلعہ کو خالی کر کے چلے جائیں، چنانچہ بہادران اسلام مظفر و منصور ہو کر اس قلعہ دمشق پر قابض ہو گئے اور اس شاندار فتح کی اطلاع اور مال غنیمت دارالخلافت میں روانہ کر کے اسی جگہ آئندہ حکم کا انتظار کرنے لگے ۔

دارالخلافت مدینہ شریف میں فتح دمشق کا پیغام لے کر قاصد پہنچا، تو اُن کے پہنچنے سے چند یوم پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس جہان فانی سے رحلت

فرما گئے تھے، اور اُن کی جگہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسند خلافت پر متمکن تھے ؛

چنانچہ خلیفہ ثانی نے جب فتح دمشق کا حال سُنا تو بہت خوش ہوئے ؛

ادھر حضرت خالد بن ولیدؓ و ابو عبیدہؓ اور بہادران اسلام ابھی دمشق میں ہی پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے، کہ حضرت عمر فاروقؓ کا پہلا قاصد حکم نامہ لیکر پہنچا جس سے تمام جان نثاران اسلام کو خلیفہ اوّل حضرت ابوبکر صدیقؓ کی وفات کا حال سُنکر افسوس ہوا، اس کے بعد قاصد نے خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا والا نامہ لشکر اسلام میں پڑھ کر سُنایا ؛

اس حکم کے مطابق حضرت ابو عبیدہؓ بن الجراح لشکر اسلام کے امیر مقرر ہوئے اور حضرت خالد بن ولید نے خلیفہ ثانی کے حکم پر نہایت خوشی سے اپنا سر تسلیم کرتے ہوئے کہا "میں محض اسلام کا ایک سپاہی ہوں، اور میں نے اپنے نفس کو خدا کی راہ میں قید کیا ہؤا ہے، مجھے امارت یا سرداری کی کوئی تمنا نہیں ہے، میں اشاعت اسلام اور دین حق کیلئے ایک سپاہی کی حیثیت سے دشمنوں سے لڑونگا، اور جس سردار کی ماتحتی میں رہونگا، اُس کی اطاعت مجھ پر فرض ہو گی -

غرضیکہ حضرت ابو عبیدہؓ نے امیر لشکر ہوتے ہی کبھی بیت المقدس کو فتح کرنے اور کبھی انطاکیہ پر حملہ کرنے کا خیال کیا ؛

ابھی آپ انہیں خیالات میں تھے، کہ ایک شخص نے کہا کہ یہاں سے قریب ہی ایک قلعہ حصن ابی المقدس نام ہے - وہاں دشمنوں کی تعداد بھی کم ہے، پہلے آپ کو اُسے فتح کر لینا چاہیئے، ؛

اس مشورہ پر حضرت ابو عبیدہؓ نے اپنے بہادروں کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ اس قلعہ کو سر کرنے کے لئے کون سردار جانا چاہتا ہے ؛

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بھائی حضرت جعفر طیارؓ جو جنگ موتہ میں درجہ شہادت حاصل کر چکے تھے، اُن کے نوجوان بیٹے حضرت عبداللہؓ اس کام کیلئے جھٹ آگے بڑھے تو، امیر لشکر حضرت عبیدہؓ اس خوبرو نوجوان کی جوانمردی سے بہت خوش ہوئے، چنانچہ عبداللہ کی ماتحتی میں پانچسو سوار دیئے گئے، جن میں کار آزمودہ اور قابل عزت اصحابی، حضرت ابوذرؓ، عامر بن ربیعہ، عقبہ بن عبد السلمی، سہیل بن سعد، سعد بن مالک، انس بن صعصعہ، عمرو بن سفیان، وغیرہ شامل تھے ؛۔

حضرت عبداللہ بن جعفر جب ان پانچسو سواروں کا لشکر لیکر قلعہ حصن ابی المقدس کے پاس پہنچے تو اُن کو . . . یہ معلوم کر کے سخت تشویش ہوئی، کہ وہاں ایک میلہ کے باعث دشمنوں کی تعداد بہت زیادہ تھی، یہ دیکھ کر بعض بہادران اسلام نے مشورہ دیا، کہ ہمیں اس وقت ان سے جنگ کر کے اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا نہیں چاہیئے ؛۔

اس پر عبداللہ نے کہا، یہ رائے تو ٹھیک ہے، لیکن جب کہ ہم لوگ جنگ کرنے کی نیت سے آگئے ہیں، تو ویسے ہی یہاں سے لوٹ جانا بہادرانِ اسلام کی شان کے خلاف ہے، البتہ یہ ممکن ہے، کہ ہم امیر لشکر حضرت ابو عبیدہؓ کے پاس اپنا قاصد بھیج کر کمک طلب کریں ؛۔

چنانچہ سب نے اسی رائے کے مطابق دمشق میں امیر لشکر کے پاس اپنا ایک قاصد روانہ کر کے دشمنوں سے جنگ شروع کر دی ؛۔

جنگ ابی المقدس | عبداللہ بن جعفر کا قاصد جب دمشق میں پہنچا۔ تو حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اُس سے یہ سنکر تشویش ہوئی، کہ قلعہ حصن ابی المقدس کے دشمنوں کی تعداد زیادہ ہے، اور بہادرانِ اسلام بہت کم روانہ کئے گئے ہیں، اسی تردد میں امیر لشکر اسلام حضرت ابو عبیدہ بن الجراحؓ نے اُس قاصد سے یہ دریافت کیا، مسلمانوں نے لڑائی چھیڑ دی ہے، یا ابھی کمک کا انتظار کیا جا رہا ہے ؛۔

قاصد نے عرض کیا، کہ جب میں وہاں سے چلا تھا، تو بعض اصحاب کی یہ رائے تھی، کہ تا وقتیکہ کمک نہ آجائے، جنگ نہ کی جائے، لیکن سردار لشکر عبداللہ بن جعفر نے اس رائے کو پسند نہ کرتے ہوئے لڑائی چھیڑ دی ہوگی ؛

اس بات سے حضرت ابو عبیدہؓ متفکر ہو کر سوچنے لگے، کہ کمک کے ساتھ کس سردار کو روانہ کیا جائے ؛

اگرچہ وہ حضرت خالد بن ولیدؓ کو پہلے ہی اس مہم پر روانہ کرنا چاہتے تھے لیکن مارے شرم کے وہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو حکم نہ دے سکے تھے اس وقت مجبور ہو کر حضرت ابو عبیدہؓ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو بلا کر اپنی فکر سے مطلع کرتے ہوئے کہا میں پہلے ہی آپ کو اس مہم پر روانہ کرنے کا خیال رکھتا تھا لیکن محض اس لئے اس خیال کو میں آپ پر ظاہر نہ کر سکا، کہ شاید آپ اس خدمت کو قبول نہ کریں، کیونکہ ابھی چند روز پیشتر آپ ہی امیر لشکر تھے ؛

اس پر خالد رضی اللہ عنہ نے کہا، میں پہلے عرض کر چکا ہوں، کہ مجھے خلیفہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے حکم پر کسی قسم کا رنج نہیں ہے میں اپنے آپ کو اسلام کا ایک ادنیٰ خادم سمجھتا ہوں، اور اشاعت اسلام کے لئے اپنی جان کو خدا کی راہ میں قربان کرنے کا تہیہ کر چکا ہوں، آپ مجھے جس کام پر مامور کرینگے، اس میں کبھی سرتابی نہ کرونگا، بلکہ اپنے طرز عمل سے خلیفہ ثانی پر یہ ظاہر کر دونگا، کہ میں امارت میں اسلام کا جیسا جان نثار تھا، ویسا ہی ایک سپاہی کی حیثیت میں بھی وفادار ہوں ؛

الغرض حضرت خالدؓ نے حضرت ابو عبیدہ بن الجراح کے حکم سے اپنے لشکر کو تیاری کا حکم دیا، اور خود بھی زرہ پہنکر علم رایت العقاب لیکر لشکر زحف کے ساتھ قلعہ حصن ابی المقدس کی طرف چلدیئے ؛

حضرت عبداللہ بن جعفرؓ بھی بڑے شجاع نوجوان تھے، اس تھوڑے لشکر کے ساتھ ہزارہا دشمنوں کیساتھ بڑی جانبازی سے لڑ رہے تھے، سب بہادر دن بھر لڑتے لڑتے چور ہو گئے تھے، لیکن کسی نے ہمت نہ ہاری، اگرچہ اس وقت دن ڈھل چکا تھا، لیکن لڑائی ابھی تک ہو رہی تھی ؛

بہادرانِ اسلام متفرق اطراف میں لڑ رہے تھے، ایک کو دوسرے کی خبر نہ تھی، ہر ایک شخص صرف اتنا دیکھ لیتا تھا، کہ علم اسلام لہرا رہا ہے، اور اس بات سے سب مطمئن تھے، لیکن سب جان نثارانِ اسلام اس وقت لڑتے لڑتے تھک گئے تھے، دن ڈھل چکا تھا، اتنے میں خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ضرار بن ازور اپنے اپنے لشکر لئے ہوئے لڑائی کے موقعہ پر پہنچ گئے، اور آتے ہی نعرۂ تکبیر بلند کر کے دشمنوں پر ٹوٹ پڑے ؛

عبداللہ بن جعفرؓ اور دیگر بہادرانِ اسلام کو اس تائید ایزدی سے نہایت خوشی ہوئی، اور سب نے اسی خوشی میں دشمنوں پر ایک زبردست حملہ کر دیا، اُدھر طرابلس کے حاکم اعلیٰ بطریق نے جان نثارانِ اسلام کا یہ ولولہ دیکھا تو وہ غضبناک ہو کر خود میدانِ جنگ میں کود پڑا، اور آتے ہی اُس نے ضرار پر وار کیا، لیکن ضرار نے اس کا وار خالی کر دیا، اس پر بطریق گرز اُٹھا کر ضرار کی طرف جھپٹا، لیکن بہادر ضرار نے اپنے نیزے کی انی اُس کے گھوڑے کی گردن پر رکھدی، اور بطریق کے گھوڑے نے درد سے کراہتے ہوئے بطریق کو زمین پر گرا دیا، اتنے میں بہادر ضرار نے اپنے خنجر سے بطریق کا کام تمام کر دیا ؛

بطریق کے قتل ہونے پر دشمنوں کے ہوش و حواس جاتے رہے اور خالد بن ولیدؓ نے اُن پر حملہ کیا، تو سب دشمن بھاگ کھڑے ہوئے اور بہادرانِ اسلام نے اُن کا تعاقب کیا، بہت سے دشمن اسلام قید ہوئے، اور کافی مال غنیمت

مسلمانوں کے ہاتھ آیا ؛۔

عبداللہ بن جعفرؓ نے مژدہ خوشی کے ساتھ مال غنیمت کا پانچواں حصّہ دربار خلافت میں بھیجکر خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں بھی لکھ بھیجا، کہ یہ فتح بھی خالد بن ولیدؓ کے باعث مسلمانوں کو ہوئی ہے ؛۔

صلح قنسرین و جوسیہ

اس فتح کے بعد امیر عسکر اسلام حضرت ابو عبیدہ بن الجراحؓ نے مقامات دمشق کا انتظام کر کے یزید بن ابی سفیانؓ کو دمشق اور اُس کے گرد و نواح کا منتظم مقرر کر کے اُن کے ماتحت پانچسو جان نثاران اسلام کا دستہ دیکر اپنے تمام لشکر کو کوچ کا حکم دیا، لیکن خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو لشکر زحف اور علم رایۃ العقاب دیکر اسلامی لشکر کے آگے روانہ کر دیا مقام بلقاع پر پہنچکر حضرت ابو عبیدہؓ نے خالد بن ولیدؓ کو اپنے لشکر کے ساتھ حمص کی طرف بھیجدیا، اور خود بعلبک کی طرف روانہ ہونے کو ہی تھے، کہ اتنے میں مقام جوسیہ کے سرداروں نے حضرت ابو عبیدہؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی، تا وقتیکہ آپ لوگ بعلبک اور حمص پر پورے طور قابض ہو جائیں ہم سے ایک سال کا خراج لیکر صلح کر لیجئے، جب بعلبک اور حمص آپ کے زیر اقتدار ہو جائیں گے، تو ہم لوگ کامل طور آپ لوگوں کے ماتحت ہو جائیں گے ؛۔

چنانچہ حضرت ابو عبیدہؓ نے جوسیہ والوں کی اس درخواست کو منظور کر کے اُن سے ایک سال کے لئے صلح کر لی ؛۔

صلح حمص

اس کے بعد حضرت ابو عبیدہؓ بعلبک کی طرف روانہ ہوئے تو اُن کو ایک ناقہ سوار نے خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نامہ مبارک دیا۔ جس میں یہ حکم تحریر تھا، کہ ”اور شہروں کا خیال چھوڑ کر پہلے حمص کو زیر نگین کر لیا جائے اُس کے بعد انطاکیہ کو، کیونکہ اِن دونوں بڑے شہروں پر مسلمانوں کا قبضہ ہوتے ہی

باقی چھوٹے چھوٹے شہر اور قلعے خود بخود مطیع ہو جائینگے ؛

اِس حکم کے مطابق حضرت ابو عبیدہؓ بن الجراح بھی حضرت خالد بن ولیدؓ کے پیچھے حمص کی طرف روانہ ہو کر اُن سے جا ملے ؛

حمص کے حاکم اعلیٰ نے جب اسلامی لشکر کی چڑھائی کی خبر سُنی، تو اُس نے اپنے شہر کے معززین کو جمع کر کے بطور مشورہ اپنی رائے پیش کرتے ہوئے کہا، "کہ مسلمانوں کے ساتھ لڑنے کی بجائے صلح کر لینا بہتر ہے" مگر اس میں یہ شرط ہوگی کہ اگر مسلمان ہرقل بادشاہ پر غالب آ جائینگے، تو ہم ہمیشہ کے لئے اُن کی حفاظت میں آ جائینگے، اس صلح کی میعاد ایک سال قرار دی جائے، تاکہ اس مدت میں ہم مسلمانوں سے محفوظ رہیں گے ؛

جب سب نے اِس رائے سے اتفاق کیا، تو رومیوں نے اپنے ایک افسر کو صلح کی تحریک کرنے کیلئے روانہ کیا، اور حضرت ابو عبیدہؓ نے بھی مناسب سمجھ کر حمص والوں سے ایک سال کا خراج وصول کر کے صلح کر لی ؛

صلح عواصم معرہ وسمعان

اس کے بعد عواصم، معرہ، سمعان، کے لوگوں نے بھی بہادران اسلام سے خود بخود صلح کر لی، اِن مقامات سے فارغ ہو کر جاں نثاران اسلام نے علاقہ قنسرین کی طرف رُخ کیا، قنسرین کا گورنر بادشاہ ہرقل کا منظور نظر دلیر سردار تھا، اُس کے پاس دس ہزار باقاعدہ فوج تھی، اُسے جب بہادران اسلام کی فوج کشی کا حال معلوم ہوا، تو اُس نے بھی حمص کے حاکم اعلیٰ کی طرح اپنے وزرا امرا سے بطور مشورہ مسلمانوں سے جنگ یا صلح کی نسبت دریافت کیا اِس پر وزرا نے متفق ہو کر یہ رائے دی کہ مسلمانوں سے مقابلہ کرنا آسان نہیں ہے، بہتر یہی ہے، کہ صلح کر لی جائے" ؛

چنانچہ گورنر قنسرین نے تمام اُمرائے دولت کی اِس رائے سے اتفاق

کرتے ہوئے کہا میرا بھی یہی خیال ہے لیکن مسلمانوں سے ہمیشہ کیلئے دب جانا ہماری شان کے خلاف ہے، ہاں سردست ایک سال کیلئے صلح ہی کر لینا بہتر ہے، اس عرصہ میں ہم بادشاہ ہرقل سے کافی مدد حاصل کر سکتے ہیں، تاکہ دوسرے سال مسلمانوں کو ہم شکست دینے کے قابل ہو سکیں ۔

گورنر قنسرین کی اس رائے کے مطابق مسلمانوں کے امیر لشکر کے نام اس مضمون کا ایک خط لکھا گیا آپ لوگوں کے ساتھ جنگ کرنے کیلئے ہمارے پاس کافی فوج اور سامانِ رسد موجود ہے لیکن ہم خونریزی کو ناپسند کرتے ہوئے، آپ سے میعادی صلح کر لینا بہتر جانتے ہیں، اگرچہ آپ لوگ چند شہروں کو فتح کر چکے ہیں لیکن ہمارے شاہ روم کی طاقت سے تم لوگ ابھی بیخبر ہو، ایک روز ہمارے بادشاہ ہرقل کے کثیر لشکر کے ساتھ آپ کو مقابلہ کرنا پڑے گا، اور اگر اس وقت تم نے روم کے دار الخلافہ انطاکیہ کو فتح کر لیا تو ہم بھی زیر حفاظت ہو جائینگے لیکن سردست آپ کے اور ہمارے درمیان اس صلح کی میعاد ایک سال کی ہو گی"۔

اس مضمون کا خط گورنر قنسرین نے ایک افسر کے ہاتھ روانہ کرتے ہوئے اس کو تاکید کر دی، کہ جس طرح ہو سکے شجاعانِ عرب سے یہ میعادی صلح منظور کرا کر واپس آنا ۔

عین اس وقت جبکہ ابو عبیدہؓ امیر لشکر اور بہادر خالدؓ بیٹھے کچھ باتیں کر رہے تھے، گورنر قنسرین کا خط لیکر رومی قاصد حاضر ہوا ۔

ابو عبیدہؓ نے خالد بن ولیدؓ کے سامنے گورنر قنسرین کا خط پڑھا، تو خالدؓ نے کہا کہ "اس میعادی صلح میں دشمنان اسلام ہم سے مکر و فریب کرنا چاہتے ہیں" ۔

رومی قاصد خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے یہ الفاظ سنتے ہی کانپ گیا، تاہم اس نے سنبھل کر نہایت عاجزانہ انداز میں خالدؓ سے کہا، "ہم نے مسلمانوں کے

رحم و کرم کی تعریف سُنی ہے، اُمید ہے، کہ آپ ہزارہا بندگان کی خونریزی کا خیال کرتے ہوئے ہماری درخواست صلح کو رد نہ کریں گے"۔

اس پر خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا "تمہارا حاکم اعلیٰ ایک طرف تو ہمیں اپنے بادشاہ کی فوج کثیر کی دھمکی دیتا ہے، اور دوسری طرف میعادی صلح پیش کرتا ہے اس سے صاف ظاہر ہے، کہ جب تمہارے بادشاہ کا لشکر ہمارے مقابلہ کیلئے تمہارے پاس پہنچ جائیگا، تو تم لوگ اس میعادی صلح کی پروا نہ کرکے شاہی لشکر سے ملکر ہمارے ساتھ جنگ کرو گے، اس لیئے تاوقتیکہ تم ہم سے یہ عہد نہ کر لو۔ کہ سال کے اندر تم کسی لڑائی میں ہمارے خلاف شریک نہ ہو گے، اس وقت تک ہم آپ سے صلح نہیں کر سکتے"۔

رومی قاصد نے کہا "بے شک ہم آپ سے یہ عہد کرنے کو تیار ہیں، میعادی صلح تک ہم نہ تو آپ سے جنگ کریں گے، اور نہ آپ کے مخالفین کو کسی طرح کی مدد دیں گے"۔

آخر انہیں شرائط پر رومیوں نے بہادرانِ اسلام سے صلح کر لی، اور ایک سال کا خراج رومیوں نے ادا کر دیا۔

صلح رستن، حمہ، شیزر، سرمج اور قرقینا وغیرہ

اس کے بعد رستن، حمہ اور شیزر، سرمج، قرقینا وغیرہ کے ساکنان نے بھی میعادی صلح کی درخواستیں بھیجیں، جن کو حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منظور کر لیا۔

جب ان میعادی مصالحات کی خبر دربار خلافت میں پہنچی تو خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے امیر عسکر اسلام ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو لکھا، کہ ان میعادی صلحوں میں وقت ضائع کرنا مناسب نہیں ہے، پھر رومیوں کے قول و فعل کا کچھ اعتبار نہیں، جب اُن کو اپنے بادشاہ ہرقل کی طرف سے

کمک پہنچ جائیگی، تو یہ لوگ اِن میعادی مصالحت کی پروا نہ کر کے تُم سے لڑائی چھیڑ دیں گے، اور اِس عرصہ میں وہ زیادہ عرصہ تک جنگ جاری رکھنے کیلئے خاطر خواہ سامانِ رسد وغیرہ جمع کر لیں گے"۔

ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے خلیفہ ثانی رضی اللہ عنہ کے نامہ مبارک کا یہ مضمون دیکھا تو اُنہوں نے سردارانِ لشکر کو جمع کر کے خلیفہ ثانی کا حکم سُنا کر اُن سے بطورِ مشورہ دریافت کیا کہ یہاں سے اب حلب پر چڑھائی کی جائے، یا سیدھے انطاکیہ پر حملہ آور ہوں"۔

ابھی یہ مشورہ ہو رہا تھا، کہ کسی نے آ کر یہ اطلاع دی، کہ شاہ ہرقل کی روانہ کردہ کمک قنسرین کو جا رہی ہے، اِس سے صاف معلوم ہوتا ہے، کہ گورنر قنسرین نے ہم سے دغا کی ہے، اس پر خالد بن ولیدؓ نے ابو عبیدہ سے کہا، "مجھے پہلے ہی خیال تھا، کہ قنسرین والے وقت کو ٹال رہے ہیں، اب میں چاہتا ہوں، کہ اس دغا باز کو فریب کاری کی پوری پوری سزا دی جائے، میری تجویز یہ ہے، کہ میں دس جانباز سوار ہمراہ لیکر گورنر قنسرین کے پاس جاؤں... اُسے ہم لوگ گھیر کر قتل کر دینگے، آپ اپنی فوج کے ساتھ تیار رہیں، اور ہمارے پیچھے ہی جلد پہنچ جائیں تاکہ اگر ہم دشمنوں میں گھر جائیں، تو آپ ہماری مدد کر سکیں۔

اِس تجویز سے ایک تو قنسرین کی اندرونی فوج میں بھگدڑ مچ جاویگی، اور دوسری طرف آپ شاہ ہرقل کی کمک کو شہر میں داخل ہونے سے روک دیں تاکہ کھلے میدان میں اُن کو شکست دیکر قنسرین پر قبضہ کر لیا جاوے"۔

جنگ قنسرین ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے خالد رضی اللہ عنہ کی اس تجویز کو پسند کیا، تو خالد رضی اللہ عنہ نے عیاضؓ بن غنم، عمروؓ بن سعید، سہیلؓ بن عامر، رافعؓ بن عمیرہ، سعیدؓ بن عامر انصاری، عمرؓو بن معدی کرب، عبدالرحمٰنؓ بن ابی بکر، ضرارؓ بن ازور۔

قیس بن ہبیرہ، ربیعہؓ بن عامر، ان دس جانباز اصحاب کے علاوہ اپنے غلام ہمام کو بھی اپنے ہمراہ لیا، یہ بارہ بہادران اسلام اس خطرناک مہم پر لشکر اسلام سے پہلے قنسرین کی طرف چل نکلے، راستہ میں خالدؓ بن ولید نے اپنے ہمراہیوں کو سمجھا دیا، کہ راستے میں جس وقت جبلہ کا لشکر ہمارے پاس سے گذرے تو اس وقت چپ چاپ ہم سب اس کے لشکر میں مل جائیں گے، جب حاکم قنسرین جبلہ کے استقبال کو آگے بڑھے گا، تو ہم گھوڑے دوڑا کر جبلہ کے لشکر سے نکل جائینگے اور حاکم قنسرین کو پکڑ لیں گے، اس طرح ہم پر کوئی شک نہ کریگا، حاکم قنسرین بھی یہی سمجھے گا، کہ جبلہ نے اس کی تعظیم کے لئے ہم لوگوں کو روانہ کیا ہے، لیکن اس بات میں ہر ایک شخص کو اپنی اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر نہایت احتیاط رکھنی چاہیئے کہ کسی کو بدگمانی کا موقعہ نہ ملے۔

چنانچہ اس تجویز کے مطابق یہ بارہ جان نثاران اسلام جبلہ کے لشکر میں چپ چاپ جا ملے، جب قنسرین سے تھوڑے فاصلہ پر جبلہ کا لشکر پہنچا، اور حاکم قنسرین مع ہمراہیوں کے آتا ہوا دکھائی دیا، اسی وقت خالد بن ولیدؓ اور اس کے گیارہ جان نثار اپنے گھوڑوں کو ایڑ لگا کر جبلہ کے لشکر سے نکل کر ہوا ہو گئے حاکم قنسرین نے جو ان کو آتے دیکھا، تو وہ یہی سمجھا، کہ جبلہ کے ماتحت سردار اس کے استقبال کو آرہے ہیں، چنانچہ وہ بھی اپنے ہمراہیوں سے نکل کر آگے بڑھا، خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سب سے آگے تھے، حاکم قنسرین کو دیکھتے ہی اس نے کہا، کہ میں خالد بن ولیدؓ ہوں، اور تم کو تمہارے فریب کی سزا دینے کے لئے آیا ہوں ساتھ ہی خالد رضی اللہ عنہ کے جانباز ہمراہیوں نے نعرہ اللہ اکبر بلند کر کے حملہ کر دیا حاکم قنسرین نے اس بلائے ناگہانی کو دیکھ کر التجا کی، کہ مجھے زندہ گرفتار کر لیا جاوے جب گورنر قنسرین کو گرفتار کر لیا گیا، تو اتنے میں جبلہ اپنے لشکر کے ساتھ اس موقعہ

پر پہنچ گیا، اور اُنہوں نے خالد بن ولیدؓ اور اُن کے گیارہ جان نثاران اسلام کو گھیر لیا، اور جبلہ نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے پوچھا، کہ تم کون ہو؟ خالد بن ولیدؓ نے کہا "میں خالد بن ولید ہوں، ہم سب ہادیٔ اسلام حضور پُر نور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جان نثار صحابہ ہیں، ہم اور ہمارے تمام مسلمان بھائی خُدا کی وحدانیت اور اشاعت اسلام کیلئے ہر وقت سربکف ہیں، اب تم بتاؤ تم کون ہو؟" جبلہ نے جواب دیا، کہ میں شاہ غسّاں ہوں، میرے ایک اشارے سے تم سب قتل ہو سکتے ہو۔

خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے فرمایا "تُم وہی ہو جو اسلام لا کر مرتد ہو گیا، اور ایسے بلند مرتبہ پر پہنچ کر تیرے نفس نے تجھے چاہ ضلالت میں گرا دیا ہے۔ بیشک اسوقت تمہارے ہزارہا لشکر میں ہم صرف بارہ آدمی گھرے ہوئے ہیں، لیکن ہم میں سے ہر ایک موت سے خائف نہیں ہے، اگر تم ہم لوگوں کو شہید کرنے کا ارادہ کروگے تو ہم بھی حاکم قنسرین کو جو اس وقت ہماری حراست میں ہے، قتل کر کے اُس کی دغابازی کی سزا دیکر شہید ہو جائیں گے، لیکن اگر تم حاکم قنسرین کی جان بچانا چاہتے ہو، تو ہم سے ایک ایک کر کے مردانہ وار مقابلہ کرو، اگر تم نے اس طرح لڑ کر ایک ایک کو شہید کر دیا، تو حاکم قنسرین آزاد ہو جائیگا، اور اگر تم ہمارے ہاتھ سے قتل ہو گئے تو پھر تُم کو حاکم قنسرین سے کچھ سروکار نہ رہیگا، بس اگر تم لوگ بہادر ہو، تو اس تجویز کے مطابق ہم سے مقابلہ کرو"۔

جبلہ نے اپنے سرداروں سے مشورہ لے کر اس تجویز کو پسند کیا، خالد بن ولیدؓ سب سے پہلے خود مقابلہ کیلئے نکلنے لگے، تو عبدالرحمٰنؓ بن ابوبکرؓ نے اُن کو روک کر کہا "پہلے مجھے جانے دیجئے" خالد بن ولیدؓ نے عبدالرحمٰنؓ کو دعا دیکر اجازت دی تو دشمنوں میں سے ایک دلیر جنگجو شخص اُن کے مقابل ہوا، لیکن بہادر عبدالرحمٰنؓ

نے اُسے نیزے کے پہلے ہی وار سے ٹھنڈا کر دیا، پھر دوسرا جنگجو دشمنوں کی طرف سے مقابل ہوا، اس بہادر اسلام نے اُسے بھی گھائل کر دیا، اسی طرح یکے بعد دیگرے جب عبدالرحمٰنؓ نے پانچ رومیوں کو تہ تیغ کر دیا، تو جبلہ نے غضبناک ہو کر مقابل ہوتے ہی عبدالرحمٰنؓ سے کہا، تم واقعی بہادر نوجوان ہو، میں تمہارے ساتھ لڑنے کے لئے نہیں آیا، کیونکہ تم میرے رُتبہ کے برابر نہیں ہو، میں اس لئے آیا ہوں، کہ اگر تم اسلام کو چھوڑ کر ہماری طرف آجاؤ، تو میں اپنی لڑکی سے تمہاری شادی کر دونگا، اور ہرقل سے کہہ کر تم کو کسی زرخیز علاقہ کا بادشاہ بنا دونگا، عبدالرحمٰنؓ نے اس کے جواب میں جبلہ سے کہا "میں اسلام جیسی نعمت آلہی کے مقابل اس دنیاوی دولت اور وجاہت پر لعنت بھیجتا ہوں، تیری اس طمع دلانے والی باتوں میں ایک سچّا دیندار مسلمان نہیں آسکتا، اگر مقابلہ کرنا ہے، تو مردوں کی طرح میرا مقابلہ کر اگر ہمّت نہیں ہے، تو کسی اور اپنے دلیر سپاہی کو بھیج دے" ؛

جبلہ یہ سُنکر سخت برہم ہؤا، اور نیزہ تان کر عبدالرحمٰن پر حملہ کیا، جس کو بہادر عبدالرحمٰنؓ نے خالی دیکر اپنا نیزہ جبلہ کی طرف بڑھایا، مگر جبلہ نے اُسے اپنی ڈھال پر روکا، مگر عبدالرحمٰنؓ کا نیزہ ٹوٹ گیا، یہ دیکھ کر اِس بہادر اسلام نے اپنی تلوار کھینچ لی، اور جبلہ نے بھی اپنی تلوار کو سنبھالا، دونوں نے ایک دوسرے پر تلواروں کے وار کئے، عبدالرحمٰنؓ کی تلوار نے جبلہ کی ڈھال کو کاٹ کر اُس کے سر کو زخمی کر دیا، اور جبلہ کی تلوار عبدالرحمٰنؓ کے شانہ پر پڑی ؛

خالد بن ولیدؓ نے جب عبدالرحمٰن کو زخمی دیکھا، تو آپ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اس جوش میں اسی وقت خالد بن ولیدؓ نے حاکم قنسرین کو قتل کر دیا، یہ حالت دیکھ کر رومی لشکر کے ہزارہا افراد بدحواس ہو کر ان چند بہادرانِ اسلام پر ٹوٹ پڑے ؛

خالدبن ولیدؓ نے اپنے ہمراہیوں کو کہدیا، کہ حلقہ باندھ کر عبدالرحمٰن کو درمیان رکھکر دشمنوں کی طرف مُنہ کرکے خوب مقابلہ کرو، جو سامنے آئے اُسے موت کے گھاٹ اتارو، لیکن اپنے حلقہ کو نہ توڑو ؛

اسی تجویز کے مطابق بہادران اسلام نے سینکڑوں رومی تہ تیغ کیئے، ہرچند رومیوں نے زور وشور سے کئی حملے کیئے، لیکن بہادروں نے ہر دفعہ اُن کو پسپا کیا، یہاں تک کہ صبح سے عصر کا وقت ہوگیا، اور یہ جان نثارانِ اسلام رومیوں کو قتل کرتے کرتے تھک گئے، تائید ایزدی شامل حال تھی، عین اسی وقت ابوعبیدہؓ بن الجراح لشکر اسلام لیکر آگئے، اور انہوں نے آتے ہی رومی لشکر کو آگے رکھ لیا، اور خالدبن ولیدؓ اور اُن کے جان نثار ہمراہی اسلامی لشکر کا حال سُنکر نہایت خوش ہوئے اور اِس خوشی میں اُنہوں نے نعرۂ تکبیر بلند کرکے ایک زبردست حملہ کردیا، اب رومیوں کو دونوں طرف کا رُخ کرنا پڑا، مسلمانوں نے رومیوں کی بدحواسی دیکھ کر دائیں بائیں تلوار چلانا شروع کی، جو سامنے پڑا اُس کو ایک ہی وار میں موت کے گھاٹ اُتار دیا، اسی طرح جب مسلمانوں نے ہزارہا رومی قتل کرڈالے تو دُشمن میدان چھوڑ کر بھاگے، اور مسلمانوں نے اُن کا تعاقب کیا، ہزارہا دشمن اسلام اسیر کیئے گئے، اور بہت سا مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا، میدان جنگ میں دشمنوں کو شکست فاش دینے کے بعد خالدبن ولیدؓ کی رائے سے شہر قنسرین پر قبضہ کرنے کیلئے لشکر اسلام بڑھا تو تمام اہل قنسرین ننگے سر امان امان پکارتے ہوئے شہر سے باہر نکل آئے ؛

بہادر، رحمدل، انصاف پرور، مسلمانوں نے باوجود اس کے کہ اہل قنسرین نے بدعہدی کی تھی، اہل شہر کو فراخدلی سے امان دیکر اس شہر کو اپنی حفاظت میں لیکر قلعہ قنسرین پر علم اسلام نصب کردیا ؛

جنگ بعلبک

فتح قنسرین کے بعد امیر لشکر اسلام حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے بعلبک[۱] پر چڑھائی کرنے کا اپنی فوج کو حکم دیا، بہادرانِ اسلام کا لشکر چند دنوں کی مسافت طے کر کے بعلبک کی سرحد میں پہنچ گیا، کچھ روز میدانِ جنگ پر غور کرنے کے بعد شہر بعلبک کے باہر جان نثارانِ اسلام نے اپنا پڑاؤ ڈالا کر سب سے پہلے حاکم بعلبک کو مطلع کر دیا، کہ اگر تم لوگ ہماری حفاظت میں آنا چاہتے ہو، تو ہم صلح کرنے کیلئے تیار ہیں، ورنہ لڑائی کیلئے تیار ہو جاؤ،

حاکم بعلبک ہربیس نامی ایک بہادر سردار تھا اگرچہ اُس کو اپنے مشیروں نے شجاعانِ عرب کے ساتھ صلح کرنے کی رائے دی، لیکن اُس نے مقابلہ کئے بغیر اس رائے کو پسند نہیں کیا، بلکہ خود اپنے ساتھ پانچ ہزار جنگجو مسلح سوار لیکر مسلمانوں کو روکنے کے لئے شہر سے جیسے ہی نکلا، بہادرانِ اسلام نے اُس کی فوج کو نیزوں پر دھر لیا، اور چاروں طرف سے دشمنوں کو گھیر کر تہ تیغ کر دیا، ہربیس بھی اس معرکہ کارزار میں زخمی ہوا اور اُس کا باقی ماندہ لشکر تتر بتر ہو کر اُلٹے پاؤں میدانِ جنگ سے بھاگا، اور قلعہ بعلبک میں گھس کر سب نے دم لیا ؛

ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے اپنے لشکر کے ساتھ دشمنوں کا تعاقب کیا، لیکن وہ قلعہ بند ہو چکے تھے، جان نثارانِ اسلام نے چاروں طرف سے قلعہ بعلبک کو محصور کر لیا ؛

دوسرے روز مسلمانوں نے قلعہ پر حملہ کیا، لیکن دشمنوں نے قلعہ پر سے تیر اور پتھر مار مار کر مسلمانوں کو کامیاب نہ ہونے دیا، بلکہ کئی ایک جانباز مسلمانوں نے جام شہادت نوش کیا، اسی طرح تین دن مسلمانوں کو قلعہ والوں سے پسپا ہونا پڑا ؛

[۱] ۱۳ھ میں دیار روم میں بعلبک نام شہر بڑا عالی شان شہر ہونے کے علاوہ روم کا تجارتی مرکز تھا مورخوں نے اسی بعلبک کو حضرت سلیمان علیہ السلام کا دارالخلافہ بھی لکھا ہے۔ (واللہ اعلم)

آخر ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے اپنے سرداروں سے مشورہ کیا، تو یہ رائے قرار پائی کہ کل کے روز بہادرانِ اسلام قلعہ پر دھاوا نہ کریں، بلکہ خاموشی کے ساتھ اپنے پڑاؤ میں پڑے رہیں، لیکن کچھ فوج دائیں بائیں ذرا فاصلے پر بھیج دی جائے ؛

جب دشمن یہ سمجھیں گے، کہ ہم ہمت ہار کر واپس ہونا چاہتے ہیں، ہماری اس بے دلی سے دشمن قلعہ سے نکل کر ہم پر حملہ آور ہونگے، تو اُس وقت ہم دشمنوں سے مقابلہ کرینگے، اس اثنا میں ہماری دائیں بائیں کی فوجیں، لڑائی کا حال دیکھ کر دشمنوں کو گھیر لیں گے، اور ہم قلعہ پر قابض ہو جائینگے ؛

اس رائے کے مطابق ابو عبیدہؓ نے ایک ہزار سواروں کا دستہ منتخب کر کے اُس کے دو حصے کئے، ایک حصہ پر تو ضرار بن ازور کو اور دوسرے حصہ پر سعید بن زید کو افسر مقرر کر کے اُن کو تاکید کر دی، کہ تم دائیں اور بائیں طرف ذرا دور فاصلہ پر دشمنوں سے اوجھل رہو جب ہمارے کیمپ سے دھواں اُٹھتا دکھائی دے، اُس وقت فی الفور یہاں پہنچ کر دشمنوں پر ٹوٹ پڑو۔

چنانچہ دوسرے روز اسی تجویز پر عمل کیا گیا جب مسلمانوں نے قلعہ پر اس روز دھاوا نہیں کیا، تو ہربیس نے کچھ عرصہ انتظار کر کے سمجھا، کہ مسلمان ناکام ہو کر بے دل ہو گئے ہیں، اِس خیال سے اُس نے اپنے تمام سپاہیوں کو قلعہ سے نکلکر مسلمانوں پر حملہ کرنیکا حکم دیا، کئی ہزار دشمنانِ اسلام اپنے حاکم ہربیس کے حکم کے مطابق قلعہ سے نکلے مگر مسلمانوں نے پھر بھی اُن کی طرف رُخ نہ کیا، تو ہربیس نے جرأت کر کے اپنے لشکر کو آگے بڑھنے کا حکم دیا، جب یہ رومی لشکر اسلامی پڑاؤ کے قریب پہنچا، تو شجاعانِ عرب نے اُنکا مقابلہ کیا، اور چند مسلمانوں نے الاؤ میں آگ دھکا دی جس کا دھواں نمودار ہوتے ہی ضرار بن ازور اور سعید بن زید نے دائیں بائیں اطراف سے اپنے اپنے سواروں کو لیکر دشمنوں کو نرغہ میں لے لیا ؛

ہربیس نے اپنے لشکر کو جو نرغے میں دیکھا تو وہ ہراساں ہو کر اپنے باقی ماندہ سپاہیوں کو لیکر بائیں طرف جان بچاکر بھاگا، لیکن سعید بن زید نے اپنے دستے کے سپاہیوں کے ساتھ اُس کا تعاقب کیا، اور اُن کو قلعہ کی طرف جانے نہ دیا، ہربیس نے جب قلعہ کا راستہ رُکا ہوا دیکھا تو گھبرا کر ایک غیر آباد پہاڑی پر چڑھ گیا، اور سعیدؓ بن زید نے اس پہاڑی کو محاصرہ میں لے لیا ؛

ہربیس اور اُس کے ہزارہا ہمراہیوں نے جب دیکھا کہ اب ہم کسی طرف سے قلعہ میں داخل نہیں ہو سکتے اور یہاں پڑے پڑے ہم بھوک اور پیاس کی شدت سے خود بخود ہلاک ہو جائیں گے، تو مجبور ہو کر اُس نے سعیدؓ بن زید کو کہلا بھیجا، کہ ہم لوگ امان طلب کرتے ہیں ؛

سعیدؓ بن زید نے امیر لشکر حضرت ابو عبیدہؓ بن الجراح کو ہربیس کی اس التجا سے مطلع کیا، آپ نے ازراہ رحمدلی جب ہربیس کی التجا منظور کر لی تو ہربیس نے خود حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا، کہ ہمارا جان مال اگر بالکل محفوظ رکھا جائے، اور اہل عرب میں سے کوئی شخص ہمارے شہر میں داخل نہ ہو تو پھر جس شخص کی ماتحتی میں آپ ہم لوگوں کو دینگے، ہم ہر طرح اُس کی اطاعت کرینگے ؛

ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے ہربیس کی یہ درخواست منظور کر کے ابو عبیدہؓ رافع بن عبداللہ کو بعلبک کا منتظم مقرر کر کے بعلبک والوں پر سالانہ خراج مقرر کر کے اہل بعلبک کو اپنی زیر حفاظت لے لیا، اور خلیفہ ثانی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پانچواں حصہ مال غنیمت اور رقم سالانہ خراج کے ساتھ فتح بعلبک کی خوشخبری تحریر کر کے ایک قاصد کو روانہ کر دیا۔

چند روز شہر بعلبک کے باہر ہی قیام کر کے جاں نثاران اسلام کا یہ فاتح لشکر حمص کی طرف روانہ ہوا ؛

جنگ حمص

راستہ میں چھوٹے چھوٹے شہروں اور قلعوں کے ساکنین نے خود بخود سرِ اطاعت خم کر دیئے، اور یہ پُرجلال و منصور لشکر اسلام سرحد حمص میں پہنچ گیا۔ حمص والوں سے اگرچہ صلح ہو چکی تھی، لیکن وہ صلح میعادی تھی، جس کی میعاد کا ایک سال گذر چکا تھا، اور اب اہل حمص سے اِس بات کا فیصلہ کرنا تھا، کہ آیا وہ سابقہ صلح کو بحال رکھ کر سالانہ خراج ادا کرنے کو تیار ہیں یا جنگ پر آمادہ ہیں ؛

لیکن حمص والوں نے بھی اہل قنسرین کی طرح اپنا سامان جنگ اور رسد وغیرہ جمع کرنے اور کمک کے انتظار میں یہ میعادی صلح کی تھی ؛

اور اتنی مدّت میں حاکم حمص مریس نامی جنگجو نے کافی سامان حرب اور رسد وغیرہ جمع کر لی تھی، اور اُسے اس بات کی بہت اُمید تھی، کہ رُوم کے دارالخلافہ انطاکیہ سے شاہ ہرقل کی کمک عنقریب آنے کو ہے، انہیں خیالات کے مطابق حمص والوں نے مسلمانوں سے جنگ کرنے کی دل میں ٹھان رکھی تھی ؛

چنانچہ جب امیر لشکر اسلام حضرت ابو عبیدہؓ نے حاکم حمص کے نام اپنے رومی غلام کے ہاتھ خط بھیجا، حاکم حمص مریس نے خط پڑھا جس کا مضمون یہ تھا، چونکہ صلح کی میعاد گذر چکی ہے، اگر تم لوگ اسی صلح پر قائم رہنا چاہتے ہو، تو سالانہ خراج ادا کرو۔ ورنہ اِس خط کو اعلانِ جنگ سمجھو ؛

مریس نے اپنے مشیروں کو اس مضمون سے مطلع کر کے بطور مشورہ یہ رائے پیش کی کہ میرا ارادہ جنگ کرنے کا ہے، ہم سالانہ خراج ادا کر کے اپنے بادشاہ ہرقل کو ذلیل کرنا نہیں چاہتے، ویسے بھی ہمارے پاس سامان حرب اور رسد وغیرہ کا کافی ذخیرہ ہے، اور عنقریب شاہی لشکر ہماری مدد کو آ جائیگا ؛

مشیروں کو اگرچہ حاکم حمص مریس کی رائے سے اتفاق نہ تھا، تاہم انہوں نے از راہ اطاعت اپنے افسر کے آگے سر تسلیم کر کے جنگ کی نسبت اپنی آمادگی ظاہر کی ؛

لیکن حضرت ابو عبیدہؓ کو یہ اُمید نہ تھی، کہ اہل حمص اہل قنسرین کی سرکوبی کا حال سننے پر بھی صلح کی بجائے جنگ کو ترجیح دیں گے، اسی خیال سے امیر لشکر اسلام نے پانچہزار سوار دیکر میسرہ بن مسروق کو حمص روانہ کردیا تھا، اور اس کے بعد پانچہزار سواروں کے ساتھ ضرار بن ازور کو بھیجا تھا، پھر پانچہزار سواروں کے ہمراہ عمرو بن معدی کرب کو، اور باقی لشکر کو اپنے ہمراہ لیکر حمص کی طرف بڑھے تھے، لیکن جب اہل حمص کو جنگ کرنے پر آمادہ پایا تو اپنے لشکر کو اہل حمص کے ساتھ لڑنے کا حکم دیدیا ؛

ادھر مریس بھی اپنی فوج لیکر بہادرانِ اسلام کے مقابلہ کیلئے میدان میں نکلا ؛

سب سے پہلے ابو عبیدہؓ نے اپنے لشکر کی اگلی صف کو دشمنوں پر حملہ کرنے کا حکم دیا، لیکن رومیوں نے بھی دیوار آہنی کی طرح جم کر مقابلہ کیا ؛

جب اور مسلمانوں نے بھی ملکر رومیوں پر ایک زبردست حملہ کیا، تو قلعہ والوں نے بہادرانِ اسلام پر تیر اور پتھر برسانا شروع کئے، جس سے کئی مسلمانوں نے جام شہادت نوش کیا، اور ساتھ ہی کچھ مسلمان پیچھے ہٹ گئے ؛

یہ حالت دیکھ کر خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اپنی قومی فوج بنی مخزوم کے ساتھ لشکر سے نکل کر اہل حمص کے قلب پر جیسے ہی حملہ کیا، اسی وقت دوسری طرف سے میسرہ بن مسروق اپنی قوم بنی عبس کو لیکر دشمنوں پر پل پڑے، اور میدانِ جنگ میں ہر طرف سے کشتوں کے پشتے لگنے لگے ؛

بہادر خالد بن ولیدؓ لڑتے لڑتے رومیوں کی صفوں کو درہم برہم کرتے دشمنوں میں گھس گئے تھے، اُن کے بعد بنی مخزوم سپاہی بھی دشمنوں کو تہ تیغ کرتے خالد بن ولیدؓ تک پہنچ گئے، اور ہزارہا رومیوں کو خالد اور اُن کے ہمراہیوں نے موت کے گھاٹ اُتار دیا، دوسری طرف میسرہ بن مسروق اور مرقال بن ہاشم نے رومیوں کے میمنہ پر آفت بپا کردی، میسرہ کی طرف قیس بن ہبیرہ بلائے بے درماں کی طرح دشمنوں پر ٹوٹے

ہوئے تھے، عکرمہؓ بن ابوجہل نے اس لڑائی میں بڑی شجاعت دکھائی، سینکڑوں رومیوں کو انھوں نے تہ تیغ کیا، دشمنوں میں گھس کر جس طرف تلوار چلاتے رومی سپاہیوں کے سر کاٹ کے رکھ دیتے آخر اسی لڑائی میں سینکڑوں جنگجو رومیوں کو قتل کرتے ہوئے شہید ہو گئے ؛

عصر کے وقت تمام رومی لشکر جو بہادران اسلام کی تلواروں سے بچ گئے تھے، میدان جنگ سے بھاگ کر قلعہ میں داخل ہو گئے، اور مظفر و منصور جان نثاران اسلام اپنے لشکرگاہ میں واپس آ گئے ؛

اس خونریز لڑائی میں بہت سے مسلمان بہادروں نے جام شہادت نوش کیا، عکرمہؓ بن ابوجہل کے شہید ہو جانے پر خالدؓ بن ولیدؓ نے افسوسناک لہجہ میں کہا، کاش! خلیفہ ثانی حضرت عمر رضی اللہ عنہ میرے شجاع بھائی عکرمہؓ کو دشمنوں سے لڑتے دیکھتے ؛

ابوعبیدہؓ نے بھی جان نثاران اسلام کی موت پر افسوس کرتے ہوئے کہا، کہ جسقدر اس لڑائی میں مسلمان شہید ہوئے ہیں، اور کسی لڑائی میں نہیں ہوئے، اس پر خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے کہا، واقعی اہل حمص بہ نسبت اور دشمنان اسلام کے زیادہ جنگجو اور بہادر ہیں، اگر قلعہ کے نیچے ہم اسی طرح ان سے لڑتے رہیں گے، تو ہماری کامیابی ناممکن ہے، کیونکہ قلعہ کی آڑ اور قلعہ والوں کی امداد ان کے میدان جنگ کے جنگ آزماؤں کی تقویت کا باعث ہے، البتہ اگر ہم دشمنوں کو ان کے قلعہ سے دور لاکر ان سے مقابلہ کریں، تو پھر ہمارے بہادر ان سے اچھی طرح نپٹ سکتے ہیں ؛

ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے اس تجویز کو سنکر کہا، یہ کیسے ہو سکتا ہے، اگر ہم پیچھے ہٹ آئیں تو دشمن قلعہ سے باہر نکلنے کے ہی نہیں، پھر کب تک ہم انکا انتظار کرتے رہیں گے، اس پر خالد بن ولیدؓ نے کہا، ہم یہی بات ان پر ظاہر کرنا چاہتے ہیں، تاکہ وہ اپنے زعم میں ہم کو عاجز سمجھیں، پھر جیسے اہل قنسرین ہم کو بے دل سمجھ کر قلعہ سے نکلے تھے، اسی طرح

حمص کی قلعہ بند فوج اپنے زعم میں ہمارا تعاقب کریگی، اور ہم یک لخت اُنکے مقابل ہوکر اُنکو اس طرح گھیر لیں گے، کہ وُہ قلعہ تک پہنچنے نہ پائیں ؛

اب اِس کی ترکیب یہ ہوسکتی ہے، کہ اس وقت عورتوں اور دیگر سامانِ باربرداری مع پیادہ فوج کے آپ روانہ کردیں . . . اور یہ لوگ یہاں سے کچھ دُور جاکر ٹھہر جائیں، اس وقت ہمارے سب سوار بھی یہاں رہ جائیں صبح کو بجائے میدان جنگ میں جانے کے ہم میں سے کچھ کچھ سوار واپس ہونا شروع ہوں، مگر اپنے خیمے اور معمولی سامان بلکہ زائد اونٹ اور بیمار گھوڑے بھی اسی جگہ رہنے دیں ؛

جب ہم یہ کارروائی کرلیں گے، تو اہل حمص ضرور یہی خیال کرلینگے، کہ ہم بھاگنا چاہتے ہیں، اور یقیناً وُہ ہمارا سامان وغیرہ لوٹنے اور تعاقب کرنے کیلئے قلعہ سے نکلیں گے، لیکن ہم لوگ کچھ فاصلہ پر پہنچکر اپنی رفتار کو سُست کرلینگے تاکہ ایک جگہ پر سب اکٹھے ہوجائیں، وہاں یک لخت پلٹ کر اُن کے مقابل ہوجائینگے، اور ایک ہی حملہ سے دشمنوں کو پامال کردیں گے ؛

چنانچہ خالد بن ولیدؓ کی اسی تجویز پر ابو عبیدہؓ نے عمل کیا، صبح کو مریس جب اپنا لشکر لیکر قلعہ کے باہر نکلا تو مسلمانوں نے بھی دکھانے کے طور اپنی صفیں درست کیں، لیکن کسی نے آگے بڑھنے کی بظاہر جرأت نہ کی، بلکہ اپنے گھوڑوں کا مُنہ میدانِ جنگ سے پھیر کر پیچھے کو بھاگے، مریس نے سمجھا کہ مسلمان عاجز ہوکر بھاگ نکلے ہیں، تعاقب کے زعم میں وُہ اپنے لشکر کے ساتھ آگے بڑھا، اتنی دیر میں بہادرانِ اسلام اپنے لشکرگاہ سے بہت دُور نکل آئے تھے، مریس نے جب اسلامی لشکرگاہ میں سامان وغیرہ کو بے ترتیب پڑا پایا، تو اُسے پُورا یقین ہوگیا کہ مسلمان بھاگ نکلے ہیں، اس لئے مریس نے اپنے کچھ سپاہیوں کو سامان وغیرہ پر قبضہ کرنے کیلئے وہیں چھوڑ دیا، اور باقی لشکر کو لے کر مسلمانوں کا تعاقب کیا ؛

حسب تجویز بہادرانِ اسلام نے کچھ دُور جا کر اپنی رفتار کم کردی تھی، جب اُنہوں نے دُشمنوں کو قلعہ سے کافی دُور آتے بھانپ لیا، تو ایک دم سب جان نثاران اسلام مجتمع ہوکر دشمنوں پر ٹوٹ پڑے، اور ایک ایک بہادر نے بیسیوں رومیوں کو قتل کیا، سعیدؓ بن زید نے ایک ہی وار میں مریس کو موت کے گھاٹ اُتارا، تقریباً سات حصّے رومی لشکر تباہ ہوگیا، باقی ماندہ لشکر کے ایک حصّہ کے سپاہی جان بچا کر قلعہ کی طرف بھاگے، راستے میں جو رومی لشکر گاہِ اسلام پر سامان وغیرہ بٹورنے پر متعین تھے، وہ بھی اپنے رُومی سپاہیوں کو دیکھ کر سب سامان وغیرہ اُسی طرح چھوڑ کر دُم دبا کے بھاگے، اتنے میں تمام بہادرانِ اسلام اپنے لشکر گاہ میں پہنچ گئے، اور آگے بڑھ کے قلعہ حمص ولاذقیہ پر قبضہ کرلیا :۔

اہالیانِ حمص میں سے تمام معزز لوگ امیر لشکر اسلام حضرت ابوعبیدہؓ بن الجراح کی خدمت میں حاضر ہوکر امان کے طالب ہوئے :۔

جس پر ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے کہا، اگرچہ اس لڑائی میں ہمارے بہت سے جان نثارانِ اسلام شہید ہوئے ہیں، لیکن ہمارے مذہب نے ہمیں رحم و انصاف کی تعلیم دی ہے اس لئے ہم لوگ اہالیان حمص کو امان دیتے ہیں، جب تک تم سالانہ خراج ادا کرتے رہوگے تمہارا جان و مال محفوظ رہے گا :۔

اہل حمص مسلمانوں کے اس رحم و انصاف سے نہایت خوش ہوئے اور اُنہوں نے چند ہی دنوں میں سالانہ خراج فراہم کرکے ابوعبیدہؓ کے پیش کردیا :۔

ابوعبیدہؓ نے رقم خراج اور مالِ غنیمت کا پانچواں حصّہ دربار خلافت میں روانہ کرکے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس فتح کی اطلاع دی :۔

سنہ ۱۵ھ

سنہ ۶۳۶ء عیسوی میں آفتاب اسلام کو طلوع ہوئے پچیسواں برس اور خلافت راشدہ کو پانچواں سال تھا، اس وقت تک نہ فقط تمام عرب پر مسلمان قابض ہو چکے تھے بلکہ روم و شام کا تہائی علاقہ بہادران اسلام نے فتح کر لیا تھا[1]۔

شام اور عراق وغیرہ میں بہادران اسلام باوجود اس زمانہ کے جدید فنون جنگ سے محض ناواقف ہونے پر بھی اس خوش اسلوبی کے ساتھ لاکھوں دشمنوں کے مقابل لڑتے تھے، کہ کسی قابل سے قابل ملٹری کالج کے تعلیم یافتہ جرنل کو بھی ایسی تدبیر ذہن میں نہ آتی، جان نثاران اسلام لڑائی چھیڑنے اور حملہ کرنے سے پہلے واپسی کا راستہ محفوظ کر لیتے تھے، تاکہ ضرورت کے وقت فوج کے واپس ہونے کا راستہ بند نہ ہو، اسی لئے کھلے میدان میں لڑتے تھے، اور غنیم کی لکھوکھا فوج کو تباہ کر ڈالتے تھے، تمام شجاعان عرب اس قاعدہ کو ہمیشہ ملحوظ رکھتے تھے، اسی قاعدہ کے متعلق مثنیٰ بن حارثہ شیبانی جو ایک بہادر جنگجو عربی سردار تھا، اس نے اس وقت جبکہ اسے مسلمانوں کے اہل فارس سے معرکہ آرا ہونے کے لئے ملک عراق میں آنیکی اطلاع ملی، تو اس نے امیر لشکر اسلام کو یہ کہلا بھیجا کہ "اہل فارس سے ان کے ملک کی سرحدوں پر ایسے مقام میں جنگ کرو، جہاں کہ سرزمین عرب کا ایک چھوٹا سا پتھر بھی پایا جا سکے" خبردار ان کے گھروں میں گھس کر نہ لڑنا، اگر خداوند پاک نے مسلمانوں کو فتح مند بنایا، تو جو کچھ اہل فارس کے پس پشت ہے، سب انہیں کا ہوگا" لیکن بصورت دیگر انہیں اپنے ہی لوگوں میں سے کسی گروہ میں واپس آنا ہوگا جس کے بعد وہ اپنی راہ سے زیادہ باخبر اور اپنی سرزمین پر زیادہ دلیر ہوں گے، یہاں تک کہ حق سبحانہ انہیں دوبارہ حملہ کرنیکی استطاعت دے گے

[1] اسی سال مسجد نبوی وسیع کی گئی، اور سن ہجری کا اسی تاریخ سے آغاز ہوا، بخاری عبداللہ نے لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی خلافت کے ڈھائی سال بعد تاریخ لکھانی شروع کی ؛

اسی طرح خلیفہ ثانی حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بھی یہ خواہش تھی، کہ مرکز خلافت مدینہ اور اسلامی مملکت کے تمام گوشوں سے آمد و رفت کا سلسلہ باقی رہے بلکہ امیر لشکر اسلام کو خلیفہ ممدوح کا یہ خاص حکم ہوتا تھا، کہ اُن کے اور تمام مسلمانوں کے مابین راہ میں کوئی دریا حائل نہ ہو، فارس اور مصر فتح ہو چکنے بعد جس زمانہ میں کہ امیر سعد بن ابی وقاص مدائن میں اور امیر عمرو بن العاص سکندریہ میں مقیم تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تمام امرا اسلام کو یہ فرمان لکھا تھا، کہ میرے اور اپنے مابین کسی دریا کو حائل نہ کرنا، تاکہ جس وقت میں اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر تمہارے پاس آنا چاہوں، تو آسکوں ؛۔

بہادران اسلام کا یہ بھی قاعدہ تھا، کہ جب کسی شہر یا ملک کو فتح کرتے تو وہاں کے رہنے والوں کو بدستور سابق اُنہیں کے طور و طریق اور حالتوں پر رہنے دیتے اُن کے مذہب میں معاملات میں، اور انکی تمدنی و انتظامی وغیرہ حالتوں سے کوئی تعرض نہ کرتے تھے ؛۔

چنانچہ عمرو بن العاصؓ نے جب مصر کو فتح کیا ہے، تو انہوں نے بھی ایسا ہی برتاؤ کیا، یعنی قبطیوں کی حکومت اور انتظامی حالت خود اُنہیں کے ہاتھوں میں رہنے دی حتیٰ کہ قبطی لوگ اپنے ہی گروہ میں سے اپنا قاضی بھی مقرر کرتے جو اُنکے معاملات کا فیصلہ کرتا تھا، اور بہت سے مفتوحہ ممالک میں اہل عرب کا یہی طرز عمل رہا ؛۔

اور جو رقم جزیہ کے نام سے غیر مسلموں سے وصول کرتے تھے، وہ رقم اُن کی حفاظت جان و مال کا معاوضہ ہوتا تھا، خود رومیوں کو غسانی وغیرہ کے قبائل عرب جو ملک شام کی حدود میں رہتے تھے، اس قسم کی مالی امداد دیتے رہنے کی عادت تھی، تاکہ وہ اُن کے مددگار رہیں، اور اہل فارس کے مقابلہ میں اُن کے ساتھ جنگ کریں ؛۔

بہادران اسلام نے اپنی مفتوح قوموں پر ادائے مال کے ساتھ ہی "حتیٰ یعطوا الجزیۃ عن ید وھم صاغرون" کی نص پر عمل کرتے ہوئے اطاعت و فروتنی کا اظہار بھی شروع کر دیا تھا، اگر اپنی اطاعت منواتے تھے، اور جزیہ کے بدل اُن کی حفاظت اور خبر گیری

کا اقرار کر کے اس پر عمل کرتے تھے، اور اس بات کے ذمہ دار ہو جاتے تھے، کہ انہیں کسی قسم کا مالی یا جانی نقصان بیرونی دشمنوں کے ہاتھوں نہ پہنچنے دینگے ؛

عبادۃ بن الصامت نے مقوقس مصر کے حکمران سے جو گفتگو کی تھی، اُس سے شاید ناظرین کرام بے خبر ہونگے، اُنہوں نے مقوقس اور تمام مصر کے رہنے والوں سے مخاطب ہو کر یہ کہا تھا "لیکن اگر تم اسلام کو قبول نہیں کرتے اور نہ لڑنا چاہتے ہو، تو جزیہ ادا کرو اور پھر جسقدر رقم پر ہم تم باہم راضی ہو جائیں، وُہ تم ہر سال ہمیں دیدیا کرو، جب تک ہم اور تم باقی رہیں، ہم تمہارے اُن دشمنوں سے لڑینگے، جو تم کو ایذا دینے پر آمادہ ہوں یا تمہاری طرف سے حفاظت جان و مال کی خدمت ادا کرینگے، اور اور اس امر کا تم کو قول دینگے ؛

غرضیکہ اسی مضمون کے اقرار نامے اور خطوط ذمی لوگوں کو اہل اسلام لکھ دیتے تھے، جو تاریخ عالم میں بکثرت درج ہیں ؛

اس میں کچھ شک نہیں کہ بہادران اسلام کی پے درپے فتوحات سے رومیوں اور فارسیوں کا نہ فقط ملکی امن وانتظام تباہ ہو چکا تھا، بلکہ پھوٹ اور خانہ جنگیوں نے اُن کی متفقہ قوت کو کمزور کر دیا تھا، اس کی وجہ یہ تھی، کہ سلطنت کی کمزوری نے ملک کے اصلی باشندوں اور اُن کے غیر قوم حکمرانوں میں منافرت کا جذبہ پیدا کر دیا تھا مصر اور شام کے ملک میں اس جذبہ منافرت اور عداوت کا بہت زور تھا، وُہ اسلئے کہ مصر کے اصلی باشندے جو کہ قبطی تھے، پے در پے کئی صدیوں تک غیر قوم کے حکمرانوں کی زیادتیاں برداشت کر رہے تھے" وُہ پہلے فارس والوں کے محکوم ہوئے، بعد ازاں یونان والوں کے اور پھر رومی قوم کے زیر فرمان ہو گئے اس تغیر وتبدل نے اُنکی طبیعت کو انقلاب پسند بنا دیا تھا، اور آئے دن کے ظلم وستم سے بچنے کیلئے ایک حکومت کے پنجہ سے نکل کر دوسری سلطنت کی ماتحتی میں آ جانا اُنہیں ایک آسان کام

ہو گیا تھا، اسی طرح اہل شام جو کہ آرامی، سریانی، قبطی اور یہودی وغیرہ قوموں سے تھے، وُہ بھی اپنے مصری پڑوسیوں کی طرح مصیبت کے مارے ہوئے اور اُنہیں کی مانند استقلال سے مایوس ہو چکے تھے، اس لئے انہیں اس کی کوئی پروا نہ تھی، کہ ان کا حاکم رومی ہو، یا عربی، البتہ وُہ صرف اِس قدر چاہتے تھے، کہ اُنہیں اِس حکمران کے ماتحت راحت و آرام و امن نصیب ہو ؛

بس چونکہ مسلمان اپنے اُصول مذہب کے لحاظ سے منصف مزاج، امن پسند رحم پرور تھے، اس لئے جو قوم جس شہر کی رعایا، غرضیکہ جس قوم کے لوگ مسلمانوں کے زیر حمایت آتے تھے، وُہ بہ نسبت اپنی قومی حکومت کے زیادہ خوش اور مطمئن ہوتے تھے ؛

جنگ یرموک[۱] فتح حمص سے فارغ ہو کر ابو عبیدہؓ بن الجراح بیت المقدس پر حملہ آور ہونے کو تھے، چونکہ راستے میں شہر انطاکیہ حمص کے شمالی حصّہ میں ساحل سمندر کے قریب تھا، جو قیصر روم ہرقل کے ایشیائی مقبوضات کا دار السلطنت تھا، اور اِس وقت شاہ ہرقل انطاکیہ میں موجود تھا ؛

ادھر یروشلم یعنی بیت المقدس تمام فلسطین کا مرکز تھا، اس لئے امیر لشکر اسلام ابو عبیدہؓ اس شش و پنج میں پڑ گئے کہ پہلے انطاکیہ کو فتح کیا جائے یا بیت المقدس کو، کیونکہ انطاکیہ کے فتح ہونے سے تمام سیریا کا علاقہ مسلمانوں کے قبضہ میں آسکتا تھا، اور بیت المقدس کی فتح سے تمام فلسطین کا علاقہ، یہ خطہ بڑا زرخیز تھا، جو سیریا کے جنوب میں بحیرۂ روم تک پھیلا ہوا تھا ؛

---

[۱] طبری نے جنگ یرموک کو ۱۳ھ میں یعنی جنگ اجنادین اور فتح دمشق سے پہلے لکھا ہے، اور بعض قابل مؤرخین نے بھی طبری کی تقلید کی ہے، لیکن واقدی نے جنگ اجنادین ۱۳ھ میں اور یرموک کو ۱۵ھ میں درج کیا ہے، اور یہی مستند ہے، وُہ اس لئے کہ ایک تو یورپ کے مصنفین نے فتح شام کی تحقیقات میں واقدی کی تاریخ کو صحیح مانا ہے، دوسرے واقدی زمانہ قریب کا مؤرخ تھا۔

اگرچہ ابن اثیر نے بھی طبری کی تقلید کی ہے، اور ابن اثیر سے ہمارے ہاں کے بعض مؤرخین نے سند لی ہے لیکن ہمارا خیال ہے، کہ جن لوگوں نے جنگ یرموک کے متعلق طبری کی تقلید کی ہے، انہوں نے غلطی کی ہے ؛ (شوق)

امیر لشکر اسلام ابھی اسی تردد میں تھے، کہ اُن کو خبر ملی کہ قیصر روم شاہ ہرقل نے اپنا لشکر جرار مسلمانوں سے مقابل ہونے کیلئے تیار کیا ہے:

یہ خبر سنتے ہی آپ نے جاں نثاران اسلام سے مشورۃً دریافت کیا، کہ اب کیا کرنا چاہیئے، اس پر قیس بن ہبیرہؓ وغیرہ نے یہ رائے پیش کی،"ہم نے بڑی جانفشانی سے شام کو فتح کیا ہے، اس لئے ہم یہاں کی چپہ بھر زمین نہ دینگے، دشمن کی فوج اگرچہ لکھو کھا نبرد آزماؤں کی تعداد میں ہے، لیکن ہمیں خدا پر بھروسہ ہے، جس نے آج تک ہم لوگوں کو فتحیاب کیا ہے، اُسی طرح اس معرکہ میں بھی انشاء اللہ تعالےٰ ہم کامیاب ہونگے:

چنانچہ ابو عبیدہؓ نے بھی یہی مناسب سمجھا کہ بیت المقدس پر چڑھائی کرنے سے پہلے اسی جگہ ہرقل کا مقابلہ کرنا چاہیئے:

حضرت خالدؓ بن ولید بھی سرداران لشکر میں تھے، لیکن اُنہوں نے اس امر میں جب کسی قسم کی رائے نہ دی، تو امیر لشکر نے اُن سے کہا،"اے ابا سلیمان اس امر کی نسبت آپ نے اپنی رائے کا اظہار کیوں ضروری نہیں سمجھا"؛ اس پر خالدؓ بن ولید نے کہا،"میں نے دیدہ دانستہ اس لئے خاموشی اختیار کی ہے، کہ تمام سرداران لشکر کے خلاف میں اپنی رائے پیش نہیں کر سکتا، کیونکہ مجھے اس مقررہ رائے میں اختلاف ہے، اور یہ اختلاف بموجب نفاق ہوگا:

چونکہ حضرت خالد بن ولیدؓ اگرچہ امیر لشکر حضرت ابو عبیدہؓ کے ماتحت تھے لیکن آپ اپنی جنگی قابلیت اور اولوالعزم شجاعت کے باعث جاں نثاران اسلام میں ایک ایسے قابل احترام مرد تھے، جنکی رائے لینا ضروری تھا، اس لئے ابو عبیدہؓ نے جب حضرت خالدؓ کو اپنی رائے کا اظہار کرنے کیلئے مجبور کیا، تو آپ نے کہا،"میری رائے میں اس جگہ ٹھہر کر دشمنوں سے مقابلہ کرنا کسی طرح بھی ٹھیک نہیں ہے، کیونکہ ایک تو دشمنوں کی

تعداد ہم سے دس گنا زیادہ ہے، (دوم) یہ میدان کھلی لڑائی کیلئے تنگ ہے ہمیں اس قدر میدان ہونا چاہیئے جہاں ہماری فوج بکھر کر دشمنوں کی لکھوکھا فوج سے لڑ سکے (سوئم) اگر یہاں ہم لوگ دشمن کے ساتھ مقابل ہوئے اور لڑائی نے طول کھینچا تو بہت ممکن ہے، کہ بیت المقدس سے رومی افواج ہمیں پیچھے سے گھیر لیں اس وقت ہم دشمنوں کے نرغے میں پھنس جائینگے، نہ تو ہم نکل سکتے ہیں اور نہ مدینہ طیبہ سے ہمیں کمک پہنچ سکتی ہے، ان حالات کے ہوتے ہوئے میری یہ رائے ہے، کہ آپ اس مقام سے کوچ کر کے وادی یرموک میں ٹھہر کر دشمن کا انتظار کریں، اس سے یہ فائدہ ہوگا، ایک تو وہ میدان فراخ ہے، جہاں ہم ہر طرح سے دشمنوں کو پامال کر سکتے ہیں (دوم) دارالخلافت مدینہ طیبہ تک راستہ صاف رہیگا، تاکہ وقت پر ہماری مدد کیلئے اسلامی فوج کے آنے میں آسانی ہو" ؛

حضرت خالدؓ کی یہ مدبرانہ رائے ایسی نہ تھی، کہ جو اسے سنتا اور وہ اس پر صاد نہ کرتا حتیٰ کہ تمام سرداران لشکر کے ساتھ امیر لشکر حضرت ابو عبیدہؓ نے بھی اس رائے کو پسند فرما کر لشکر اسلام کو کوچ کا حکم دیا ؛

یرموک اطراف شام میں ایک وادی (نالہ) ہے، جو بصریٰ کے قریب واقع ہے، جس کا پانی بحیرۂ طبریہ میں گرتا ہے، اسی ندی کے کنارے پہنچکر لشکر اسلام نے اپنا پڑاؤ ڈالا، اور خالد بن ولیدؓ نے اس میدان کے تمام محفوظ مقامات پر قبضہ کر لیا، اور ایک کھلا میدان دشمن کی فوج کیلئے چھوڑ دیا گیا ؛

اس کام سے فراغت پا کر حضرت خالدؓ نے حضرت ابو عبیدہؓ سے کہا میرا خیال ہے کہ شام کے جن شہروں کو فتح کر کے ہم نے اپنے فوجی دستے حفاظت کیلئے وہاں چھوڑ دیئے ہیں، اُن سب کو بھی بہت جلد یہاں بلا لینا چاہیئے، کیونکہ ہمارے چھوٹے چھوٹے دستے رومی لشکر کا مقابلہ نہیں کر سکتے اب رہا شہروں کا قبضہ اگر ہم نے

دشمن پر فتح حاصل کر لی، تو تمام شہر ہمارے قبضے میں پھر بھی آ سکتے ہیں ؛

چنانچہ حضرت ابو عبیدہؓ نے یرموک پہنچتے ہی تمام محافظہ دستوں کے نام اس مضمونؒ کے خط لکھے اکہ وہ سب یرموک پہنچ جائیں ؛

فتوح شام میں جنگ یرموک اسلامی تاریخ کا ایک عظیم الشان واقعہ ہے جس پر تمام دنیا حیران ہے، مسلمانوں کی شجاعت اور اسلام کی صداقت کا سکہ بالخصوص رومیوں کے دل پر جنگ یرموک نے ہی بٹھایا ہے، اور یہی وہ معرکہ ہے جسکے باعث متعصب مورخین کے قلم لرز اُٹھے ہیں، اور انہوں نے بے خود ہو کر یہ لکھدیا ہے، "مسلمانوں کی جسارت قابل تعریف ہے جنہوں نے اپنی دس گنا فوج سے نہ فقط جنگ یرموک میں فتح حاصل کی، بلکہ رومیوں کی تمام ہمتیں پست کر دیں" ؛

جنگ یرموک کی کامیابی کا باعث صرف خالد بن ولیدؓ کی شجاعت ہے جن کو اُدھر تو آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے سیف اللہ کے خطاب سے ملقب فرمایا، اور ادھر مخالفین اسلام تک خالد کو خالد اعظم کا خطاب دینے سے مجبور ہوئے ؛

حضرت خالدؓ بن ولید کی نسبت مورخین نے جہاں انکی شجاعت وذہانت کا اعتراف کیا ہے، وہاں بعض مورخین نے حضرت خالدؓ کو خونخوار جرنل بھی لکھا ہے ہمیں افسوس ہے، کہ خالد بن ولیدؓ جیسے بہادر اور جان نثار اسلام کو کس وجہ سے خونخوار کہا گیا ہے، اگر دشمنوں کو پامال کرنا ہی خونخواری ہے، تو رحمدل سے رحمدل بادشاہ کو بھی خونخوار کہا جا سکتا ہے، اس میں کچھ شک نہیں، کہ حضرت خالدؓ بن ولید دشمنوں پر شیر کی طرح جھپٹتے تھے، اور اپنے بالمقابل باقاعدہ فوج کی صفیں ایک ہی دار میں درہم برہم کر دیتے تھے، لیکن صرف لڑائی کے وقت اور دشمنوں سے مقابل ہوتے ہوئے

ؔلہ حمص والوں سے جسقدر جزیہ کی رقم وصول کی گئی تھی، وہ سب انکو یہ کہہ کر واپس کر دی گئی "کہ اب ہم ایک مہم میں مبتلا ہونیکے باعث تمہاری حفاظت نہیں کر سکتے، لہذا تمہیں اختیار ہے کہ جس طرح بنے اپنی حفاظت کرو" اسکے جواب میں مشرکین حمص نے کہا، تمہاری حکومت اور تمہارا انصاف قابل تعریف ہے ہم بجائے اسکے کہ اپنی قوم کے بادشاہ سے خوش ہوں، تم لوگوں کے انصاف سے خوش ہیں۔ یہ ہے تمدن اسلام

میدان جنگ کے علاوہ کسی وقت کسی موقعہ پر بھی حضرت خالدؓ کی خونخواری کا واقعہ کوئی مؤرخ نہیں بتا سکتا ؛

حضرت خالد بن ولیدؓ نہ تو ملٹری کالج کے تعلیم یافتہ تھے، اور نہ کسی قواعد دان کمانڈر سے اُنہوں نے فنون جنگ کو حاصل ہی کیا تھا، لیکن جس میدانِ جنگ میں جس ترتیب سے وُہ دشمن سے لڑے ہیں، بڑے بڑے ماہرانِ جنگ کو اُنکی مہارت کا اعتراف کرنا پڑا ہے ؛ جنگ یرموک کی فتح کا سہرا بھی دراصل خالد بن ولیدؓ کے ہی سر پر رہا ہے ابو عبیدہؓ اگرچہ امیر لشکر تھے، لیکن حضرت خالدؓ کے مشورہ پر چلتے تھے، چنانچہ حضرت خالدؓ ہی کی رائے سے ابو عبیدہؓ نے وادی یرموک کو اس آخری عظیم الشان جنگ کیلئے پسند کیا اور اپنے مفتوح علاقہ کے محافظ دستوں کو اس جگہ بلا بھیجا ؛

قیصر روم اگرچہ مسلمانوں کی عظمت اور خداداد قوت سے سہما ہوا تھا اور شجاعان اسلام سے بے خبر بھی نہ تھا، اُس نے کئی سال کوشش سے اِس آخری جنگ کی بنیاد ڈالی تھی، تاکہ مسلمانوں کو اپنے ملک سے نکالکر آرام کے سانس لے سکے، رومی لشکر کی تعداد میں اختلاف ہے، کسی مؤرخ نے دس لاکھ کا لشکر لکھا ہے، اور کسی نے پانچ لاکھ کا، مگر ابن اثیر نے رومی لشکر کی تعداد دو لاکھ چالیس ہزار لکھی ہے، اور سید امیر علی صاحب نے بھی اسی کی تقلید کی ہے، یورپین مؤرخ گبن صاحب ایک لاکھ کی تعداد میں یورپین اور ساٹھ ہزار غسانی عرب اور باقی ایشیائے کوچک آرمینا وغیرہ کی سپاہ کا تذکرہ کرتے ہیں، لیکن کسی مؤرخ نے رومی قواعد دان لشکر کی تعداد تقریباً اڑھائی لاکھ سے کم نہیں بتائی ؛

بالمقابل اسکے مسلمان شجاعانکی تعداد زیادہ سے زیادہ پچاس ہزار سے زائد نہیں لکھی ؛

اس پر ہمارا کہنا یہ ہے، کہ اگر رومیوں کی کم از کم اور بہادرانِ اسلام کی زائد سے زائد تعداد کو ہی مان لیا جائے، تو اس حساب سے بھی ایک مسلمان کے سامنے پانچ مشرکین

پڑتے ہیں، اور وہ بھی قواعد دان، تیر و کمان، تلوار اور دیگر اسلحہ سے مسلح، بالمقابل ان کے وہ کمبل پوش مسلمان پاؤں میں کھجور کی چھال کی بنی ہوئی نعلیں پہنے تلوار کے پرتلہ کو بھی چھال کی رسیّوں سے تھامے، بھوکے پیاسے جو صرف دین اسلام کے لئے میدانِ جنگ میں نظر آتے تھے ؛

مگر شاہ ہرقل قیصر روم تک اُن سے تھراتا تھا پہلے پہل تو اُس نے انطاکیہ میں بیٹھے ہی بیٹھے اس خوفناک وہم کو دُور کرنے کی کوشش کی، لیکن جب اُس کے کانوں میں ہر وقت یہ آوازیں آتی رہیں، کہ مملکت روم میں آج فلاں شہر عربوں نے فتح کر لیا، آج فلاں مقام پر رومی لشکر کو مسلمانوں نے شکست دی تو اس خوف وہراس کو دُور کرنے اور اہل اسلام کو ہمیشہ کیلئے نیست ونابود کرنے کیلئے اُس نے اپنے ماتحت بادشاہوں سے امداد طلب کی، ابھی یہ فوج مکمل ہی ہو رہی تھی، کہ اُدھر جاں نثارانِ اسلام نے حمص کو بھی فتح کر لیا، شاہ ہرقل نے یہ سنتے ہی اپنے بیٹے قسطنطین کو ایک بہت بڑی فوج کے ساتھ قیساریہ بھیجدیا، تاکہ وہ ساحل سمندر کے شہروں کی حفاظت کر سکے، اور ساتھ ہی اسکے بیت المقدس کی حفاظت کیلئے بھی کئی لاکھ کی فوج روانہ کی ؛

اس لشکر کا کمانڈر انچیف باہان نام رومی قوم سے تھا، اور دیگر جرنیل، قناطیر جرجیر، درریجان، قورین، اور جبلہ بن ایہم[1] شاہ غسان اپنی اپنی فوجوں کے جنرل تھے ؛ رومی لشکر انطاکیہ سے کوچ کرتا ہؤا جب حمص کے قریب پہنچا تو اُن کو یہ معلوم

[1] یہ وہی جبلہ بن ایہم تھا، جو اسلام لاتے ہی بڑی شان وشوکت کے ساتھ طواف کعبہ کیلئے آیا، اس کا ریشمی تہہ بند بہت نیچا تھا، جس پر کسی مسلمان کو پاؤں پڑنے سے جبلہ نے اُس کو ایک تھپڑ مارا، جب اُس شخص نے امیرالمومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس جبلہ کی شکایت کی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بعد تحقیقات جبلہ کو بھی یہی سزا دینے کا حکم نافذ فرمایا، لیکن جبلہ نے اپنی شاہانہ رعونت سے اس فیصلہ کو نہ مانا، بلکہ فرار ہو کر نہ فقط دین اسلام سے مرتد ہو گیا، بلکہ مسلمانوں کا دشمن بن کر ہرقل کے پاس پہنچا، اور ہرقل نے اُس کو اپنے ساتھ ملا کر مسلمانوں سے لڑنے کے لئے آمادہ کیا، اس وجہ سے جبلہ بن ایہم اپنی ساٹھ ہزار غسانی قوم کو لے کر رومی لشکر کے ساتھ جنگ یرموک میں شامل تھا ؛

کر کے نہایت خوشی ہوئی، کہ بہادرانِ اسلام حمص کو چھوڑ کر پیچھے ہٹ گئے ہیں، ابھی رومی لشکر حمص میں ہی تھا، کہ قیساریہ سے شاہ ہرقل کے بیٹے قسطنطین نے رومی کمانڈر باہان ارمنی کو اطلاع بھیجی، کہ مسلمانوں کا لشکر وادی یرموک میں پڑا ہے تم بہت جلد وہاں پہنچ کر اُن سے مقابل ہو جاؤ ؛

چنانچہ رومی لشکر نے یہ اطلاع پاتے ہی وہاں سے کوچ کر کے یرموک کی راہ لی اور یرموک پہنچکر جیسے کہ خالد بن ولیدؓ نے رومی لشکر کے لئے میدان جنگ تجویز کیا تھا، باہان نے بھی اُسی جگہ کو پسند کر کے وہاں پڑاؤ ڈالا، چند روز لڑائی میں توقف رہا، کہ اتنے میں باہان کو شاہ ہرقل کا حکم پہنچا، کہ لڑائی شروع کرنے سے قبل مسلمانوں سے صلح کی شرائط پیش کرو، اگر یہ لوگ حجاز سے لیکر جابیہ تک کا علاقہ لینا چاہئیں تو اِس شرط پر صلح کر لی جائے ؛

ہرقل کے اِس حکم کے مطابق، جب شاہ غسان جبلہ بن ایہم کو شرائط صلح پیش کرنے کیلئے مسلمانوں کے لشکر میں بھیجا گیا، تو جبلہ نے اسلامی لشکر میں پہنچتے ہی اپنی قوم کے کسی لایق شخص کو گفتگوئے صلح کرنے کیلئے طلب کیا، امیر لشکر ابو عبیدہؓ نے جبلہ کی مرضی کے مطابق عبادہ بن صامت کو اس کے سامنے کیا، چنانچہ عبادہ بن صامت سے جبلہ نے کہا، کہ دیکھو تم اپنی حالت پر رحم کھاؤ، اتنے بڑے لشکر کے ساتھ تم کیا مقابلہ کر سکتے ہو، میری ہی قوم کے نبرد آزما ساٹھ ہزار ہیں، جن سے تم نہیں بچ سکتے مجھے رحم آتا ہے کہ ایک عرب دوسرے عرب سے قتل ہو، اس لئے تم اپنے سردار کو سمجھاؤ، کہ اِس خبط میں نہ پڑے، ہرقل رحم دل ہے جس غرض سے تم لڑنے آئے ہو، وہ بھی پوری ہو جائیگی یعنی تم کو حجاز کا علاقہ جابیہ تک دیا جاسکتا ہے، مگر اس میں یہ شرط ہے، کہ جابیہ سے آگے تمہارا ایک فرد بھی نہیں آسکتا، اور آمد و رفت کیلئے تم سے اگر کسی طرح کی چھیڑ چھاڑ بھی ہوئی تو نہ فقط تم سے یہ علاقہ چھین لیا جائیگا، بلکہ تم لوگ رومی لشکر سے پھر نہیں بچ سکتے ؛

عبادہ بن صامت نے جبلہ کی یہ تقریر سنکر کہا، ہم لوگ کسی کو بیجا نہیں ستاتے ہمارے خدا اور پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا بھی ہمیں یہی حکم ہے لیکن جب ہم کو چھیڑا جائے جب ہمارے مسلمان بھائیوں کو ستایا جائے، تو پھر ہم مدافعانہ جنگ سے پیچھے نہیں ہٹتے، جب سرحدی مشرکین نے ہمارے مسلمان بھائیوں کو ستانا شروع کیا، تو ہم نے ان کی سرکوبی کیلئے تلوار اٹھائی، تاکہ امن قائم ہوجائے لیکن شاہ ہرقل نے اپنی قوم کی حمایت میں اپنا شاہی لشکر ہمارے مقابل بھیجا، اس کا کیا حشر ہوا، وہ آپ پر روشن ہے، ہم لوگ اسی کیلئے لڑتے ہیں، اور وہی ہمیں غالب سے غالب پر فتح دیتا ہے علاقہ کی فہمائش کرتے ہوئے ہرقل نے جو ہمیں پیغام دیا ہے، اس کی ہمیں پرواہ نہیں خدا کی ساری زمین کے ہم وارث ہیں، اگر زمین کے قبضہ کا سوال ہے تو ہرقل کے قبضہ میں جسقدر زمین ہے، ہم سب اس سے لے لینگے، کیونکہ خدا ہمارے ساتھ ہے، اور خدا کی ہی زمین ہے، ہاں اگر تم سب لوگ اسلام قبول کرو، تو پھر ہم سب بھائی بھائی ہیں۔ تمہارا ملک تمہارا مال و اسباب تمہیں مبارک بلکہ ہمارا بھی تمہارا! اگر اسلام قبول نہیں کرتے اور نہ لڑنا چاہتے ہو، تو جزیہ ادا کرو، عاجزی کے ساتھ ہمارے مطیع رہو، اور جسقدر رقم جزیہ پر ہم تم باہم راضی ہوجائیں، وہ تم ہر سال ہمیں دیدیا کرو، جب تک ہم اور تم باقی رہیں، ہم تمہارے ان دشمنوں سے لڑینگے، جو تم کو ایذا دینے پر آمادہ ہوں، یا تمہاری زمینوں، مالوں اور جانوں کو تلف کرنا چاہیں، اگر تم ہماری ذمہ داری پر رہوگے، تو ہم تمہاری طرف سے حفاظت جان و مال کی خدمت ادا کرینگے، اور اس امر کا تم کو قول دیں گے۔"

جبلہ عبادہ بن صامت سے یہ باتیں سنکر سخت برہم ہوا، اور اس نے کہا، کہ مجھ کو یہ امید نہ تھی، کہ تمہارا امیر لشکر تم جیسے سخت دل شخص کو میرے ساتھ گفتگوئے مصالحت کرنے بھیجیگا، اس پر عبادہ بن صامت نے کہا یہ باتیں سچی ہیں، اور سچی بات ہمیشہ کڑوی

معلوم ہوتی ہے، ہم میں سے تم جس شخص کے ساتھ بات کروگے، وہ یہی باتیں پیش کریگا کیونکہ ہم مسلمان ہیں، ہمارا خدا، ہمارا رسول، ہمارا دین ایک ہے، اور ہم سب آپس میں ایک دل ایک زبان اور ایک جان ہیں :

جبلہ نے جب یہ حالت دیکھی تو غصہ سے بیتاب ہو کر اس نے رومی لشکر میں واپس آکر باہان کمانڈر لشکر سے یہ کہا "کہ یہ عرب نہایت ڈھیٹ واقع ہوئے ہیں اتفاقیہ فتوحات نے انہیں مغرور کر دیا ہے، اسلئے وہ کچھ نہیں مانتے بلکہ سختی سے اعلان جنگ دے رہے ہیں، ان لوگوں کے تکلے سے بل جب تک نہیں نکل سکتے، جب تک انکو سیدھا نہ کیا جائے، اگر تم لوگ ان سے لڑنے میں ہچکچاتے ہو، تو میری فوج ہی ان کیلئے کافی ہے، میں تو ان سے ضرور لڑونگا :

چنانچہ باہان نے جبلہ کی یہ گفتگو سنتے ہی لڑائی کا بگل بجا دیا، اور سب سے پہلے جبلہ کے ساتھی، یعنی غسانی عرب بڑھے گئے :

غرضیکہ خوب گھمسان کا معرکہ ہوا، اور کئی روز تک لڑائی ہوتی رہی، اور بہادران اسلام نے ہزاروں غسانیوں کو موت کے گھاٹ اتارا، لڑائی طویل ہو رہی تھی اس لیئے حضرت خالدؓ نے ایک روز اپنے لشکر کو کئی حصوں میں تقسیم کر کے رومی لشکر میں دھاوا بول دیا، جس طرف سے جاں نثاران اسلام کے سپاہی رومیوں پر ٹوٹے انکو قتل کرتے گئے، اس روز تقریباً تہائی حصہ رومی لشکر کا مسلمانوں نے تہ تیغ کر کے دم لیا، دوسرے روز بہادران اسلام نے ایسی بہادری دکھائی، کہ غسانیوں کو بھگا دیا، جب غسانی عربوں کو رومیوں نے جی چراتے دیکھا، تو انکے رہے سہے حوصلے بھی پست ہو گئے، اور تیسرے روز رومی لشکر بھی ذرا سا مقابلہ کر کے بھاگا، حضرت خالدؓ نے پہلے ہی رومی لشکر کیلئے ایسا میدان تجویز کیا تھا، جہاں سے وہ بھاگ نہ سکیں، لہٰذا مسلمان بہادروں نے تمام لشکر کا پیچھا کر کے رومی میدان جنگ کو لالہ زار بنا دیا، بعض دستوں کے جرنیل

اپنی باقی ماندہ فوج کے ساتھ ساحل سمندر سے ہٹتے ہوئے قیساریہ، اسکندریہ، موصل اور مصر میں جان بچا کر بھاگ گے اس طرح ہزارہا جان نثاران اسلام نے اسلام پر اپنی جان نثار کر کے میدان یرموک پر فتح حاصل کی، اور ملک حجاز میں لوائے اسلام بلند کیا ؛

امیر لشکر حضرت ابوعبیدہؓ نے حضرت خالدؓ کی شجاعت اور ذہانت اور اپنے ماتحت بہادرانِ اسلام کی جانفروشی کی تعریف کرتے ہوئے جنگ یرموک کا مژدہ فتح اور لاکھوں روپے کا مالِ غنیمت دارالخلافت میں روانہ کر دیا، اس فتح کی خوشخبری اور مال غنیمت سے امیرالمومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بہت خوش ہوئے، اور تمام مسلمانوں کو اس عظیم الشان فتح کی خوشی میں خاطر خواہ انعام وعطیات ملے ؛

سنہ ۱۶ھ سے سنہ ۲۲ھ تک

جنگ یرموک کے بعد رومیوں کی رہی سہی طاقت بھی زائل ہوگئی، اور تمام حجاز میں اللہ اکبر کی صدا بلند ہونے لگی، اس زمانہ میں مسلمانوں کی تعداد دو لاکھ کے قریب ہوگئی تھی، اس تعداد کا بہت سا حصہ دارالخلافت مدینہ منورہ میں تھا، اسلئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلے حفظ ماتقدم کے لحاظ سے حضرت سعدؓ کو شہر کوفہ سنبھالنے کا حکم دیا؛ اس کے بعد امور سلطنت کی طرف توجہ کی حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ کے مشورہ سے سن ہجری کا آغاز ہوا، اور مدینہ شریف میں فوجی دفاتر قائم کئے گئے، جن میں تمام مسلمان مردوں کے نام لکھے گئے، اور ان کے وظیفوں کی شرح قرار پائی، اسمیں تمام مہاجرین انصار اور ان کے تابعین کے نام بشرح تنخواہ درج کئے گئے، وظیفہ کا کم و بیش ہونا ہادیٔ اسلام حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت اور قبولیت اسلام کی منصبت کے لحاظ سے تھا، ہر ایک مسلمان اپنی تنخواہ خود پاتا تھا، اور اس کے بیوی بچوں کا وظیفہ علیحدہ مقرر تھا ؛

عام لوگوں میں سے فوج کیلئے سپاہیوں کی بھرتی کرنیکا ایک خاص طریقہ تھا اور جنگی خدمت کے خواہشمند کے واسطے چند شرطیں مقرر تھیں، جن میں سے ایک شرط یہ تھی، کہ جو شخص فوج میں بھرتی ہونا چاہتا، وہ طلب ہونے پر امیر لشکر کے پاس پیش ہوتا اگر امیر لشکر اُس شخص کو آزاد، بالغ مسلمان، تندرست، صحیح الحواس اور دلیر پاتا تو اُس کا نام معہ نسب اور حلیہ کے دفتر میں لکھ لیا جاتا ؛

دفتر جنگ میں سپاہیوں کی ترتیب کے وقت ہمیشہ نسب کے اعتبار سے ہوتی تھی یعنی فوج کی ترتیب جنسوں اور قبیلوں سے شروع ہوتی تھی، جس وقت ہر ایک قبیلہ اور جنس دوسری سے متمیز ہو جاتی تو وہ دو حال سے خالی نہ ہوتی، یعنی عربی یا عجمی پس اگر عربی النسل سپاہی ہوتے تو اُنکے قبیلوں کی ترتیب بلا اعتبار رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے قرابت سے ہوتی ترتیب کی ابتدا خاندان نبوی کی اصل سے کی جاتی تھی اس کے بعد اُسکی شاخوں کی نوبت آتی مثلاً اہل عرب کی دو قسمیں ہیں، عدنانی اور قحطانی، عدنانی عرب قحطانیوں پر مقدم کئے جاتے تھے، یہ اس لئے کہ نبوت انہی کے گھرانے میں تھی، گویا بنی ہاشم اس ترتیب کے قطب اور مرکز تھے، ان کے بعد وہ لوگ تھے، جو اُن کے ساتھ نسبتی قرابت میں درجہ بدرجہ زیادہ نزدیک ہوتے ؛

فوجی عطیات سے ان کے وظیفے یا تنخواہیں مراد ہیں جو سال کے اندر مقررہ اوقات میں مسلمان حاصل کر لیتے تھے، چنانچہ حضرت عمرؓ نے اپنی خلافت کے زمانہ میں ان وظائف کی ترتیب اس طرح دی تھی ؛

فہرست وظائف سالانہ بنام بہادران اسلام در عہد خلافت حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ہر ایک مہاجر اور انصار کے لئے جس نے بدر کبریٰ کی جنگ میں شمولیت کا شرف حاصل کیا۔ ۵۰۰۰ درم

ہر ایک ایسے مہاجر اور انصار کیلئے جو اس جنگ میں کسی خاص وجہ سے شریک نہ ہو سکا۔ ۴۰۰۰ درم

ازواج مطہرات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لئے ——— ۱۲۰۰۰ درم

حضرت عباس رضی اللہ عنہ (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا) کے لئے ـــــ ۱۲۰۰۰ درم

حضرت حسن وحسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے لئے ـــــ ۵۰۰۰ درم

مہاجرین اور انصار کی ہر ایک لڑکی کے لئے ـــــ ۲۰۰۰ درم

ہر ایک اہل مکہ کو ـــــ ۸۰۰ درم

ہر ایک مسلمان کیلئے جو مختلف طبقوں میں سے ہوں ـــــ ۲۰۰ سے ۵۰۰ درم تک

مہاجرین اور انصار کی بیویوں کے لئے ـــــ ۲۰۰ سے ۶۰۰ درم تک

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ واقعات جنگ کے بالمقابل اب ملکی معاملات کو ذرا تفصیل کے ساتھ لکھا جائے تاکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اُصول سیاست اسلامی اختراع ناظرین کو معلوم ہو جائیں؛

(۱) خلافت کا مفہوم سلطنت جمہوری کے مترادف ہے جس کی خوبی اور عمدگی پر آج یورپ کو ناز ہے یہی پہلا اُصول تھا جس پر عمر رضی اللہ عنہ پابند رہے؛

(۲) دوسرا اُصول خلیفہ کو آزادی اور خودمختاری کا حاصل نہ ہونا امام اور خلیفہ اجرائے اور انتظام امورات سلطنت میں آزاد اور خودمختار نہ تھا یعنی اپنی خواہشات اور ارادوں کو بلا قید شریعت پورا نہ کر سکتا تھا، بلکہ قرآن شریف اور سنت نبوی کا پابند ہوتا تھا؛

(۳) تیسرا اصول رعایا کو آزادی حاصل ہونا سوائے احکام شریعت کے رعایا کو کسی قسم کے امام اور خلیفہ کی طرف سے پابندی نہ تھی اور خلیفہ کو کسی پر کچھ اختیار سوائے اس کے جو قانون شریعت سے جائز تھا حاصل نہ تھا بلکہ ذاتی معاملات میں خلیفہ خود مدعی اور خود ہی مدعا علیہ ہوتا تھا اور نہ کوئی عامل اور صوبہ اسی اصول کی پابندی کے مطابق اپنے اختیارات کو ناجائز طور سے استعمال میں لا سکتا تھا؛

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک شخص نے دعویٰ کیا کہ فلاں حاکم نے مجھے بے قصور شرعی سو کوڑے مارے ہیں حضرت عمرؓ نے بعد ثبوت اُس حاکم کو بھی سو کوڑے

مارنے کا حکم دیا، اس پر حضرت عمرو بن العاص نے جب سفارش کی تو خلیفہ وقت نے کہا جب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ذات کو قصاص اور احکام شرعی سے مستثنیٰ نہیں سمجھتے تو پھر میں یا یہ کون ہیں؟

کوئی شخص اپنی عزت اور جان و مال میں کسی کا خائف نہ تھا، اور سوائے اُن ذرائع کے جو شرعاً جائز ہیں کسی سے خلیفہ وقت کچھ مزاحمت نہیں کر سکتا تھا، بلکہ جو امور مصلحت وقت سے خلیفہ جاری کرنا چاہتا، اور کوئی اُس کی اباحت ثابت کر کے اُس سے انکار کرتا، تو خلیفہ کو سوائے سکوت کے کچھ چارہ نہ ہوتا؟

چنانچہ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے مہر کے زیادہ باندھنے کی ممانعت پر خطبہ پڑھا، تو ایک بڑھیا عورت نے قرآن شریف کی آیت قنطارا مقنطرۃ پڑھتے ہوئے کہا، کہ جس چیز کو خداوند کریم جائز اور مباح کرے، تم کیونکر منع کر سکتے ہو حضرت عمرؓ نے انصاف کو فوقیت دیتے ہوئے فرمایا، کل الناس افقہ من عمر حتی المخدرات آزادی کا درجہ یہاں تک پہنچا ہوا تھا، کہ اگر امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ کسی شخص کو شرعی جرم میں ماخوذ کرتے، لیکن اگر وہ گرفتاری بغیر ضابطہ معینہ ہوتی تو مجرم اسکا عذر کر کے اپنے آپ کو بچا لیتا تھا؟

(۴) چوتھا اصول شوریٰ قرآن مجید سے یعنی جو کام درپیش ہو، اُس میں صلاح و مشورہ کرنا پھر جب عزم مصمم ہو جائے، تو خدا پر بھروسہ کر کے اُس کام کو شروع کرنا؟

حضرت عمر فاروقؓ نے اس اُصول کا بھی ہمیشہ لحاظ رکھا اور نہایت حسن و خوبی سے اُس کی پابندی کی، اور آپ کو اس اصول کا یہاں تک لحاظ تھا کہ اگر کسی فروعی مسئلہ میں وہ نص صریح کتاب و سنت کی نہ پاتے تو وہ مشورہ کرتے، چنانچہ ایک دفعہ اُنہوں نے اپنی آنکھوں سے ایک شخص کو زنا کرتے دیکھا، تو باہم مشورہ کیا، کہ خلیفہ کو اپنی رویت پر تعزیر کرنے کا اختیار ہے، یا نہیں، اس پر حضرت علیؓ نے کہا، کہ جب نص صریح موجود ہے

کہ چار گواہ ہونے چاہیں تو اپنی رویت پر تعزیر کا حکم کس طرح لگ سکتا ہے ؛

یہ اُصول وہی ہے جسے آج کل یورپ میں کونسل کہا جاتا ہے ؛

(۵) پانچواں اصول خلیفہ کو مُلک کی آمدنی کا سوائے حق معیّن کے اپنے صرف میں نہ لانا، مُلک کی آمدنی خواہ وُہ جزیہ کی ہوتی یا خراج کی یا عشر کی وُہ سب بیت المال میں جمع ہوتی تھی، خلیفہ کو کسی قسم کا اختیار اُس پر نہ تھا، صرف روزینہ یا تنخواہ مقررہ کے سوا خلیفہ وقت ایک حبہ بھی زیادہ نہ لے سکتے تھے، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اپنی ذات کے واسطے صرف اتنا ہی حصہ لیتے تھے جس قدر اور مہاجرین یا انصار کو دیتے تھے ؛

جو آمدنی مُلک کی ہوتی تھی، وُہ خزانہ میں جمع ہوتی تھی، اُس میں سے فوج کے سرداروں اور سپاہیوں اور مہاجرین و انصار کو وہی تنخواہ ملتی تھی، جس کی تفصیل ہم پچھلے صفحہ پر دکھا چکے ہیں، بقایا رقم سے فقرا و مساکین کو آذوقہ دیا جاتا، اور بوقت ضرورت رفاہ عام کے لئے صرف کی جاتی ؛

فقرا و مساکین میں مسلمانوں کا خاص امتیاز نہ تھا، بلکہ ہر اہل کتاب کو آذوقہ دیا جاتا تھا، چنانچہ ایک دفعہ کا ذکر ہے، کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک بوڑھے اور اندھے یہودی کو ایک جگہ سوال کرتے دیکھا، دریافت حال کے بعد معلوم ہوا، کہ یہ شخص جزیہ کے مطالبہ کے واسطے سوال کرتا ہے، آپ اُسی وقت اُس بُوڑھے یہودی کا ہاتھ پکڑ کر نہایت اخلاق سے اُسے اپنے گھر لائے، اُس کی خاطر مدارات کرنے کے بعد کچھ اُسے دیا، اور جزیہ کے تحصیل کرنے والوں کو حکم دیا، کہ آئندہ وصولی کے وقت اِس قسم کے لوگوں کا خیال رکھیں، یہ کیسا انصاف ہے، کہ ایسے لوگوں کی جوانی کی کمائی تو ہم کھائیں، اور بڑھاپے میں اُن کو بجائے اُن کی دستگیری کرنے کے تنگ کیا جائے ؛

(۶) چھٹا اُصول لشکر کشی کے وقت مراعات اور حسنِ سلوک کا لحاظ رکھنا، اور کسی پر بے جا زیادتی نہ کرنا، بلکہ جہاں تک ممکن ہو نرمی سے پیش آنا ؂

(۷) ساتواں اُصول، اُمورات مملکت اور انتظام سلطنت کے عمدہ انصرام کیلئے لائق عہدہ داروں اور اہلکاروں کا منتخب کرنا، اور اُن کو وقتِ تقرر ہدایات خاص کرنا اور اُن کی ہمیشہ نگرانی رکھنا تھا، چنانچہ جس عامل کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مقرر کرتے اُس کو احکام ذیل سُنائے جاتے تھے، ہر ایک عامل کو ان ہدایات کی پابندی کرنا ضروری تھا ؂

(۱) چوبدار اور حاجب نہ رکھنا، کسی مستغیث کو آنے کی روک ٹوک کا ذریعہ پیدا نہ کرنا، گویا یہ حکم اسلئے تھا، کہ درِ عدالت ہر وقت کھلا ہے (۲) جب کوئی استغاثہ کرے اُس کو خود سے سننا، اور مدعی سے گواہ عادل اور منکر سے قسم لیکر اس کا فیصلہ کرنا، جس شخص پر حد شرعی جاری نہ ہوئی ہو، یا جھوٹی شہادت میں مشہور نہ ہو، تو اُس پر محبت اور دداشت کی تہمت نہ ہو، وہ عادل سمجھا جائے اور اگر گواہوں کی حاضری کے واسطے مہلت مانگی جائے تو مہلت دی جائے، (۳) مقدمات جلد فیصل کرنا، تاکہ ایسا نہ ہو کہ مدعی دیر کے باعث اپنا دعویٰ چھوڑ دے (۴) باہم مصالحہ اور رضامندی کو منظور کرنا بشرطیکہ اُس سے تحلیل حرام اور تحریم حلال نہ ہو، (۵) متخاصمین پر سختی اور درشتی اور غصہ نہ کرنا (۶) رعب قائم رکھنا مگر اسقدر نہیں کہ وہ تجبر و بے جبر ہو، اخلاق اور نرمی کرنا مگر اس قدر نہیں کہ حکومت میں سستی اور بے رعبی ہو، (۷) ہمیشہ عدل اور انصاف کرنا، اور حق بہ حق دار پہنچانا ؂

یہ تمام احکام عدل و انصاف پر مبنی تھے، اور ان پر اس قدر عمل تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسلمان اور مشرک میں عدل و انصاف کی نسبت کسی امتیاز اور خصوصیت کو دخل نہ دیتے تھے، چنانچہ سعید بن مسیب نے روایت کی ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمرؓ کے سامنے ایک

یہودی اور مسلمان مخاصمہ کرتے ہوئے آئے اور اُن کے نزدیک یہودی سچا ثابت ہوا، تو حضرت عمرؓ نے یہودی کے حق میں ہی فیصلہ کیا بعض متعصب مؤرخین نے حضرت عمرؓ کو جابر اور سخت دل لکھا ہے، حالانکہ آپ نہایت رحمدل اور انصاف پسند واقع ہوئے تھے بلکہ اُن کے فیصلے دیگر عاملوں کے واسطے بطور نظیر کے ہوتے تھے آپ کے فیصلوں میں نرمی اور رحم کی نظیر ملتی ہے، اکثر بجائے جسمانی تعزیر کے مالی تعزیر کا حکم دیتے تھے، جیسا کہ عبدالرحمن بن حاطب سے منقول ہے کہ ایک شخص نے ایک ناقہ چرایا شرعی حکم کے مطابق حضرت عمرؓ نے چور کے ہاتھ کاٹ دینے کی تعزیر کا حکم سناتے ہوئے آخر مدعی سے پوچھا کہ اس ناقہ کی کیا قیمت ہے، اُس نے چار سو درہم بتائے چنانچہ حضرت عمرؓ نے آٹھ سو درہم کا جرمانہ مجرم سے مدعی کو دلا کر مجرم پر رحم کر دیا،

امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جس طرح اپنے عاملوں کو رحم و انصاف کی تاکید کرتے تھے اُسی طرح رعایا کو بھی آگاہ کرتے رہتے تھے، کہ سوائے احکام شریعت اعلیٰ سے اعلیٰ حاکم کو ادنیٰ سے ادنیٰ رعیت پر کچھ اختیار نہیں ہے، اگر کوئی عامل کسی پر کسی طرح کا جبر یا زیادتی کریگا، تو میں اُس کو اُسی طرح پر مجرم سمجھونگا جیسے کہ ادنیٰ رعیت کو سمجھتا ہوں، اور اُس کو وہی سزا دونگا، جو ایک ادنیٰ سے ادنیٰ شخص کیلئے تجویز ہو سب رعایا سوائے احکام شرعیہ آزاد اور خود مختار ہیں، اور حاکم و رعیت سب برابر ہیں ؛

آپ اپنے عاملوں کو خود مختار اور آزاد نہ ہونے دیتے تھے، اُنکی نگرانی رکھتے تھے، ہمیشہ اُنکی تبدیلیاں کیا کرتے تھے، اگر اُن سے کوئی خطا ہو جاتی تھی، تو اُن کو معزول کر دیا کرتے تھے ؛

(۸) آٹھواں اُصول، اُمور مملکت کے انتظام کی نظر سے قوانین اور ضابطہ جدید کا جاری کرنا اور وقتاً فوقتاً موقع اور مصلحت دیکھ کر اس کی اصلاح اور ترمیم کرنا، بشرطیکہ کوئی نص صریح اُس کی حرمت پر کتاب و سنت کی موجود نہ ہو ؛

غرضیکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت پر اگر غور کیا جائے، تو اُس عہد کو ہزاروں عمدہ قواعد اور مفید ضوابط سے آپ مملو پائیں گے، درحقیقت اُن کی رائے نہایت عمدہ اور اُن کے کام نہایت عجیب و غریب ہوتے تھے، جو کچھ اُنہوں نے سلطنت کے قاعدے اور ضابطے مقرر کئے ہیں، اُن کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔

لہٰذا آپ نے امور انتظام مملکت میں جو کچھ اختراعات کی ہیں، اس میں ہم چند اختراعات کا بیان کر دینا ضروری سمجھتے ہیں۔

پہلا نیا کام جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیا، وہ دفتر اور کچہری کا مقرر کرنا، اور لشکریوں ملازموں اور روزینہ والوں کا نام لکھا جانا، اور انکی تنخواہیں مقرر کرنا ہے آپ کے عہد خلافت کے قبل جو مال غنیمت آتا تھا، وہ ویسا ہی تقسیم کر دیا جاتا، نہ تو پانیوالے کا نام اور نہ اُس مال کی تعداد لکھی جاتی تھی، مگر حضرت عمرؓ کو اس سابقہ قاعدہ میں ترمیم کی ضرورت معلوم ہوئی، آپ نے اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس امر میں جب مشورہ کیا تو ولید ابن ہشام نے کہا، کہ میں نے بادشاہان شام کے ہاں دیکھا ہے، کہ وہ دفتر رکھتے ہیں، اور اس میں سب حساب کتاب تحریری رہتا ہے، چنانچہ آپ نے اس بات کو پسند کر کے عقیل بن ابی طالب و مخرمہ بن نوفل اور جبیر بن مطعم کو بطور منشی مقرر فرما کر مال غنیمت کی تعداد اور معطیوں کے نام لکھنے کا حکم دیا۔

دوسرا کام جو آپ نے اپنے عہد خلافت میں جاری کیا وہ تاریخ ہجری کا جاری کرنا ہے، اس سے پہلے سن کا رواج نہ تھا، تیسرا کام خزانہ کا مقرر کرنا ہے جس کو بیت المال کہا جاتا ہے، چوتھا کام تقسیم اختیارات اور عہدوں کا ہے، اس سے پہلے ایک ہی شخص ہر ایک عہدہ کو انجام دیتا تھا، لیکن آپ نے تین قسم کے عہدیدار مقرر کئے ایک امیر جو شہر اور فوج کا منتظم ہوتا تھا، دوسرا عہدہ قاضی کا تھا جس کا کام انفصال خصومات اور تصفیہ حقوق تھا، تیسرا عہدہ تحویلدار کا تھا جس کی سپردگی میں خزانہ رہتا تھا

اِن عہدیداروں کو ایک دوسرے کے کام سے کچھ تعلق نہ تھا، پانچواں کام قواعد خراج اور محصول مقرر کرنا، محصول لینے کے چند طریقے رکھے گئے تھے، ایک جزیہ اگر وُہ برضامندی دینے والے کے ٹھہرتا تو اُس میں بیشی نہ ہوتی، ورنہ بشرح مختلف لیا جاتا، مگر چہار درم ماہواری سے زیادہ نہیں۔ دوسرا محصول مال تجارتی پر، جسکی شرح یہ تھی، ذمیوں سے پانچ روپیہ سینکڑہ، اور حربیوں سے دس روپیہ سینکڑہ، لیکن یہ محصول سالانہ ہوتا تھا، اگر وُہ مال سال بھر میں چند مرتبہ آئے، تو پھر کبھی اُس سے نہ لیا جاتا، اور اگر کوئی تحصیل کنندہ غلطی سے کسی سے لیتا تو وُہ پھر واپس کر دیا جاتا تھا، تیسرا محصول زمین کا، اِس محصول کے وقت باقاعدہ مقرر ہونے پر لوگوں کو تعجب ہوگا کہ وہ فی جریب بشرح مقرر پر بعد پیمائش اراضی کے اکثر جگہ لیا جاتا تھا، چنانچہ جب عراق کا مُلک فتح ہوُا، تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حکم دیا، کہ اُس زمین کی پیمائش کی جائے، چنانچہ عثمان بن حنیف اور حذیفہ بن عیان اس کام پر مقرر ہوئے، بعد پیمائش کے معلوم ہوُا، کہ کُل اراضی تین کروڑ ساٹھ لاکھ جریب ہے، اُس پر موافق حیثیت پیداوار اراضی کے شرح مقرر کی گئی، عامر تعبی کے لکھنے کے مطابق وُہ شرح یہ تھی :-

اراضی قابلِ زراعت پر فی جریب .. .. ایک درم سالانہ

ترکاری کی زمین پر فی جریب .. .. پانچ درم سالانہ

انگور اور چھوہارے کی زمین پر فی جریب .. .. .. دس درم سالانہ

یہ لگان کا طریقہ صرف عراق میں ہی جاری نہیں ہوُا، بلکہ شام اور دیگر جزائر میں بھی اسی طور پر کیا گیا، اگرچہ سب مُلک مقبوضہ میں اس کا رواج نہیں ہونے پایا ؛

محصول کے تحصیل کرنے میں نہایت آسانی کا حکم تھا، اور تکلیف جسمانی دینے کی سخت ممانعت تھی ؛

چنانچہ ایک دفعہ خود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سفر شام سے واپس ہوتے وقت

دیکھا کہ ایک قوم کی قوم کو تحصیل کرنے والے محصول کے ستاتے ہیں، آپ نے اُن کو چھڑا دیا، اور فرمایا، کہ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، کہ جو لوگ دُنیا میں عذاب دیتے ہیں، وُہ قیامت میں عذاب کئے جائینگے ؛

جو مُلک فتح کیا جاتا، اور مصالحہ کیا جاتا، تو یہ شرائط عہد نامہ میں داخل ہوتیں :-

(۱) خراج کی تفصیل، (۲) جو مسلمان اُنکے مُلک میں گذرے اُس کی تین روز تک مہمانی کرنا، (۳) راستہ بتلانا، (۴) دشمنوں سے سازش نہ کرنا، (۵) مجرم کو پناہ نہ دینا ؛

چھٹا کام حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا زمین کی آبادی میں کوشش کرنا، اسلیئے آپ کا حکم تھا، کہ جو شخص بنجر زمین کو مزروعہ کریگا، وُہ زمین اُس کی ہو جائیگی ؛

ساتواں کام آپ کا شہروں کو آباد کرنا ہے، چنانچہ آپ نے بصرہ کو آباد کیا، کیونکہ وہاں جہاز اور کشتیاں عجم اور ہند کی لنگر کرتی تھیں، بصرہ کے علاوہ کوفہ بھی آپ کا ہی آباد کیا ہوُا ہے، علاوہ اِن ہر دو شہروں کے شام اور مصر اور چند جزائر میں بہت سے شہر بھی آپ نے آباد کیئے ؛

آٹھواں کام اُن کا تجارت کی آزادی ہے، تمام لوگوں کو بلا لحاظ مذہب اور دین کے تجارت کرنے کی اجازت تھی، بلکہ حربیوں کو حکم عام تھا، کہ وُہ اس بات کے مجاز ہیں، کہ دارالاسلام میں آئیں، اور مسلمانوں سے خرید و فروخت کریں، منبج شہر کے حربیوں نے درخواست کی، کہ ہم کو عشر لیکر آنے کی اجازت ہو، چنانچہ اُن کو اجازت دیگئی ؛

یہ اُمور جن کو ہم نے بیان کیا ہے، بطور نمونہ ہیں، ورنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو عظیم الشان کام انجام دیئے ہیں، اُن کی تفصیل کیلیئے ایک علیحدہ کتاب لکھی جاسکتی ہے ؛

تاریخ اسلام لکھتے وقت ہمیں اس پابندی کا نہایت افسوس ہے، کہ اس کا حجم اس قدر نہ بڑھ جائے، جو ناشر و ناظر کی مجبوری کا باعث ہو، ورنہ ہم ایک ایک واقعہ کو تاریخی نظر سے جانچ کر لکھتے، اور اُس کو تفصیل وار بیان کرتے، اگرچہ ہم نے جنگی کارناموں کی تفصیل

ہیں تاریخ کو جنگ نامہ بنانا نہیں چاہا، تاہم بعض ایسے واقعات ہیں جن کا اختصار کرتے ہوئے ہمیں رنج ہوتا ہے، یہ چند فقرے عرض کرتے ہوئے ہم حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت کی دیگر فتوحات کا تذکرہ شروع کرتے ہیں۔ گذشتہ واقعات ۱۶ھ و ۱۷ھ[ص۱] کے ہیں، ۱۸ھ میں ہی اہواز مدائن فتح ہوئے ؛

حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی وفات حسرت آیات

اِن فتوحات کے بعد جب ملک شام پر پورے طور مسلمانوں کا قبضہ ہو چکا، تو آپ نے ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کو اُنکی خدمات کے عوض ملک شام کا حاکم مقرر کر دیا لیکن جب بیت المقدس پر فتحیاب ہونے کی باری تھی تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابوعبیدہؓ کو اس مہم پر روانہ کیا، لیکن اہالیانِ بیت المقدس نے اطاعت صلح کا سوال پیش کیا، یہ مرحلہ چونکہ ذرا مشکل تھا، اس لئے حضرت ابوعبیدہؓ نے امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں بیت المقدس کا فیصلہ بذاتِ خود فیصل کرنے کے لئے آپ کی تشریف آوری کیلئے عرض کیا ؛

چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشورہ کے مطابق مدینہ شریف سے بیت المقدس کا سفر اختیار کیا ۔ یہ سفر کسی ساز و سامان سے بالکل مبرا تھا صرف ایک اونٹنی اور ایک غلام آپ کے ساتھ تھے نہ کسی طرح کا سامان سفر تھا، نہ جاہ و حشم، باوجود آپ کئی ایک ممالک کے بادشاہ ہونے کے ایک غریب الحال مسافر کی طرح[ص۲] اپنے مفتوحہ علاقوں کا انتظام دیکھتے بھالتے عاملانِ شہر کو ہدایات کرتے ہوئے جابیہ میں فروکش ہوئے ؛

بیت المقدس کے عیسائیوں کو جب آپ کی تشریف آوری کی اطلاع ملی تو اُن کا

ص۱ بعض تاریخوں میں مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو وسیع کرنے کا کام بھی ۱۷ھ میں لکھا ہے، اور اسی سال میں مدینہ شریف میں قحط سالی کا تذکرہ ہے ؛

ص۲ وہ بھی اس طریق سے کہ کچھ فاصلہ تک اونٹنی پر آپ سوار ہوتے اور اونٹنی کی باگ غلام پکڑے چلتا تھا اور کچھ فاصلہ تک خود اونٹنی کی باگ پکڑ کر پیدل چلتے اور غلام کو اونٹنی پر بٹھاتے تھے، اسلامی مساوات کا عملی نمونہ ۔ (شوق)

ایک وفد شرائط صلح لیکر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، غرضیکہ چند شرائط پر عیسائیوں نے اطاعت نامہ صلح پر دستخط کرکے اطاعت نامہ مرتب کردیا، اِس تکمیل معاہدہ صلح کے بعد آپ بیت المقدس کی زیارت کیلئے آگے بڑھے حضرت ابو عبیدہؓ دیگر افسران فوج اسلامی جب آپ کے استقبال کیلئے حاضر ہوئے تو آپ کو معمولی لباس پہنے اور شاہانہ زیب و زینت سے مبرا دیکھ کر زرّین لباس اور عمدہ سواری خدام و غلام پیش کرنے کی التجا کی، تاکہ آپ اپنے ماتحت اہالیان بیت المقدس کے سامنے جاہ و حشم سے تشریف آور ہوں لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اِس پر فرمایا "ظاہری شان و شوکت خدا کی اصلی بخشی ہوئی عزت کے آگے ہیچ ہے، ہمارے لیئے یہ بہت بڑی عزت ہے کہ ہم مسلمان ہیں"۔

سنہ ۱۸ھ کے زمانہ میں شام و عراق میں سخت وبا پھیلی، اور اِس وبا میں جرار اسلام حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ اس دنیائے فانی سے رحلت فرما گئے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اپنے جرار سپہ سالار کی رحلت کا سخت صدمہ ہوا، اور ابو عبیدہؓ بن الجراح مرحوم کے جانشین یزید بن ابی سفیان مقرر کیئے گئے، اُنکی سرکردگی میں سنہ ۱۹ھ میں نیشاپور، سمیساط، حران، نصیبین کے علاوہ اکثر جزائر اور موصل فتح ہوئے، سنہ ۱۵ھ میں امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے معاویہ بن ابی سفیانؓ کو قیساریہ کی مہم پر امیر لشکر بنا کر بھیجا لیکن رومیوں نے قلعہ کی حفاظت کیلئے ایک لاکھ فوج متعین کر رکھی تھی اس لیئے بہادران اسلام کو اِس جنگ میں بہت دیر ہوئی، آخر ایک یہودی کے راستہ سے قیساریہ کے قلعہ میں داخل ہو کر اس کو بھی فتح کرلیا، اسی طرح سنہ ۲۰ھ میں عمرو بن العاص کی سرکردگی میں مصر، اسکندریہ اور تستر فتح ہوئے، اور سنہ ۲۱ھ میں قیصر روم ہرقل نے وفات پائی۔

اِس زمانہ میں امیر سعدؓ[۱] بن ابی وقاص مدائن میں امیر عمرو بن العاص اسکندریہ میں مقیم تھے مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اُن کو لکھا کہ میرے اور اپنے مابین کسی دریا کو حائل نہ کرنا،

[۱] سعد بن ابی وقاص نے سنہ ھ میں انطاکیہ دارالسلطنت روم کو بھی فتح کرلیا تھا، اور بعد فتح ایوان کسریٰ میں نماز جمعہ ادا کی گئی یہ عراق میں سب سے پہلا جمعہ ہے، جو سنہ ۱۶ھ میں صفر کے مہینے میں پڑھا گیا۔

تاکہ جس وقت میں اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر تمہارے پاس آنا چاہوں، تو آسکوں؛

اس حکم کے وصول ہوتے ہی حضرت سعد رضی اللہ عنہ تو کوفے میں آ گئے اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فسطاط میں؛

۲۱ھ میں نہاوند و دیگر جزائر فتح ہو گئے؛

۲۲ھ میں کرمان، سیستان، مکران، اصفہان، طرابلس الغرب، عسکر و فوس فتح ہوئے، ان تمام غزوات کی تفصیل اور جنگی کارنامے لکھنے کی بجائے مناسب معلوم ہوتا ہے، کہ تاریخی نکتہ نگاہ سے اِن فتوحات کی تمدّنی حالت پر ایک نظر ڈالی جائے؛

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ولایت اعمال[1] یعنی عہدہ گورنری بہ نسبت ملک پر قابض التصرف بن جانے کے محض فوجی مداخلت سے زیادہ ملتی تھی، عاملوں یا والیوں سے وہ فوجی افسر مراد ہوا کرتے تھے، جو مفتوحہ ملکوں کے قرب و جوار میں قیام رکھتے تھے اور جن کو رابطہ یا حامیہ کے لقب سے ملقب کر سکتے تھے، اسلامی فوجیں بہت سی جمعیتوں پر منقسم تھیں، جو ایسے مقامات پر فوجی سپاہ کے دستوں میں مقیم رہتی تھیں، کہ وہ بہ نسبت ساحلی مقامات اور دریائی راستوں کے صحرا اور لق و دق بیابانوں سے زیادہ قریب ہوں، لہٰذا شامی افواج کے چار دستے تھے، یہ دستے دمشق، اردن اور فلسطین میں مقیم رہتے تھے، اس وجہ سے اِن اقلیموں کا نام اجناد رکھا گیا تھا، ملک عراق کی فوجی جمعیتوں کا قیام کوفہ اور بصرہ میں رہتا تھا، اور مصری سپاہ فسطاط اور اسکندریہ کے قرب و جوار میں یہ فوجی جمعیتیں بستیوں اور شہروں میں نہیں رہتی تھیں اور نہ اہل ملک سے ملنے جلنے پاتی تھیں؛

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں مندرجہ بالا فتوحات کی تقسیم گیارہ اقلیموں پر کی گئی تھی، جن میں سے ہر ایک اقلیم کے ماتحت متعدد شہر تھے، اور ہر ایک اقلیم

[1] اہل عرب کی اصطلاح میں خلیفہ یا سلطان جس شخص کو انتظام ملک کے لئے اپنا قائم مقام مقرر کرے اُس کو عامل کہتے ہیں، اور عہدہ یعنی گورنری کو عمل ۱۲

کا ایک صدر مقام بھی تھا ؛

چنانچہ اس موقعہ پر ہم ایک فہرست میں اُن اقلیموں کے نام اور اُنکے ماتحت شہروں کی تعداد اور اُنکے صدر مقامات کے نام درج کرتے ہیں، جو امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں بہادران اسلام کے قبضے میں تھے ؛

نام اقلیم	ماتحت شہر	صدر مقام	عامل
سوریا اوّل	۹	انطاکیہ	
سوریا دوم	۷	حماۃ	
سوریا سوم	۱۳	فیج	
فینیقیہ اوّل یا بحیرمہ	۱۲	صور	
فینیقیہ دوم یا بنابغسہ	۱۳	دمشق	
عربیہ، حوران	۱۴	بصریٰ	
اسروانا	۱۲	اورفا	
فلسطین اولیٰ		قیساریہ	
فلسطین ثانیہ	۹	بیسان	
فلسطین ثالثہ		بطرجریہ	

نوٹ :- مندرجہ بالا ہر ایک اقلیم کا ایک حاکم یا عامل ہوتا تھا ؛

سنہ ۲۳ھ

فتوحات گذشتہ کے بعد سب سے آخری جنگ عمرو بن العاص کے مشورہ سے اور اُنہیں کی سرکردگی میں مصر سے ہوئی ؛

حضرت سعدؓ بوجہ سفر تجارت چونکہ مصر و اطراف مصر سے خوب واقف تھے، اسلئے

راستہ میں چھوٹے چھوٹے قصبے فتح کرتے ہوئے سیدھے اسکندریہ تک پہنچ گئے ٭
شاہ مقوقش والئے مصر نے رومیوں سے بڑی بھاری فوج مدد کیلئے بلائی تھی لیکن بہادران اسلام نے سب کا قلع قمع کرکے اس آخری مہم کو بھی فتح کرلیا ٭

مسلمانوں کا قاعدہ تھا، کہ جب کسی شہر یا ملک کو فتح کرتے تو وہاں کے رہنے والوں کو بدستور سابق انہیں کے طور و طریق اور حالتوں پر رہنے دیتے، ان کے مذہب میں معاملات میں اور اُن کی تمدنی وانتظامی وغیرہ حالتوں میں کسی قسم کا تعرض نہ کرتے تھے چنانچہ جب عمرو بن العاص رضی نے مصر کو فتح کیا ہے، تو انہوں نے وہاں بھی ایسا ہی برتاؤ کیا یعنی قبطیوں کی حکومت اور انتظامی حالت خود انہیں کے ہاتھوں میں رہنے دی حتیٰ کہ قبطی لوگ اپنے ہی گروہ میں سے اپنا قاضی بھی مقرر کرتے جو اُنکے معاملات کا فیصلہ کرتا تھا، اور بہت سے مفتوحہ ممالک میں مسلمانوں کا یہی طرز عمل رہا ٭

جرجی زیدان ایک عیسائی مؤرخ ہیں، ان کا مقولہ ہے، "کہ مسلمانوں کی فتح کی جرأت اور اس میں امداد صرف اُن کے مذہب نے دلائی اور اپنی فتحمندی پر اُنکے سچّے دلی اعتقاد نے جس کے ساتھ اُنکی شاہسواری اور تیراندازی کی مہارت جسمانی قوّت اور سادہ زندگی بسر کرتے رہنے سے ستعدی کی عادت لڑائی کو طول دینے کا ڈھنگ اور اُنکی قوم میں اہل الرائے اور شجاع افراد کا پیدا ہونا بھی شریک تھا، اور ان سب پر طرہ یہ کہ اُن کی انصاف پسندی دادگستری اور مہربانی تھی، جو وہ مفتوح رعایا کے ساتھ برتتے تھے، ان صفات کے باعث دس برس سے کچھ ہی زائد عرصہ میں اُنہوں نے شام فلسطین مصر عراق، فارس کی سلطنتوں پر قبضہ کرلیا، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہی کے عہد میں ان تمام مقامات پر ان کا کامل تسلط ہوگیا" ٭

واقعۂ وفات امیرالمؤمنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۶۶۴ء کے زمانہ میں یعنی ۲۳ھ ہجری میں امیرالمؤمنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حج سے فارغ ہو کر آئے ہی تھے، کہ ماہ ذی الحجہ کے آخری دنوں میں

اُنکی شہادت کا واقعہ ہوُا جسے ابو رافع نے اس طرح لکھا ہے مغیرہؓ کا غلام ابولولو نامی چکیاں بنایا کرتا تھا، اور اُس کا آقا مغیرہؓ ابولولو سے روزانہ چار درم بطور ٹیکس وصول کیا کرتے تھے، چنانچہ وہ اس ٹیکس کے معاف کرنے کی درخواست لیکر امیرالمومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوُا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابولولو سے اپنے آقا کی شکایت کی نسبت کہا" تم کو اپنے آقا کی شکایت نہ کرنا چاہیئے، بلکہ اپنے حسن سلوک سے آقا کو خوش رکھنا چاہیئے، اب رہا ٹیکس کا معاملہ سو تم جبکہ اس سے بہت زیادہ کماتے ہو تو چار درم روزانہ اپنے آقا کو دینے کچھ زیادہ نہیں ہیں" ؛

لیکن ابولولو نے حضرت عمرؓ کے اس فیصلہ کو بنگاہ استحسان نہیں دیکھا بلکہ اُس کے دل میں امیرالمومنین کی طرف سے دشمنی کا جذبہ پیدا ہو گیا، اُس نے واپس ہٹتے ہی یہ الفاظ کہے، کہ آپ امیرالمومنین ہیں، سوائے میرے آپ ہر ایک کا انصاف کرتے ہیں، یہ کہتے ہی ابولولو واپس گھر پہنچا، اور اُس نے ایک خنجر زہر میں بجھایا اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کرنے کی فکر میں لگا رہا ؛

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عادت مبارک تھی، کہ آپ سب سے پہلے صبح کی نماز ادا کرنے کیلئے مسجد میں پہنچ جاتے تھے اور دیگر اصحاب کو جگا کر نماز میں شامل کرتے تھے، نیز آپ کو نماز کی صفیں سیدھی کرنے کی بھی عادت تھی، آپ قبل از تکبیر مقتدیوں سے صفیں برابر کرنے کی تاکید کرتے تھے ؛

ایک روز ابولولو صبح کی نماز ادا کرنے صف اوّل میں کھڑا ہو گیا جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ صفیں سیدھی کرا رہے تھے، تو اُس نے آپکے کندھے پر اس زہر سے بجھے ہوئے خنجر سے دو تین وار کئے، جس سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ وہیں گر گئے، جن لوگوں نے ابولولو کو گرفتار کرنا چاہا، اُس نے اُن کو بھی زخمی کیا حتیٰ کہ ابولولو نے تیرہ آدمیوں کو اپنے زہر آلودہ خنجر سے زخمی کیا، جن میں سے چھ اصحاب نے جام شہادت نوش کیا ؛

اس واقعہ سے نماز میں بھی دیر ہوگئی، آخر حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چھوٹی چھوٹی سورتیں پڑھ کر نماز صبح ختم کی اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے مکان پر اُٹھا لے گئے بعض لوگوں نے آپ کو دوائی پلائی، لیکن حلق سے نہ اُتری، عبدالرحمن بن عوف حضرت عثمان، طلحہ رضی اللہ عنہم وغیرہ نے آپ کو تسلّی دیتے ہوئے فرمایا، کہ آپ کچھ فکر نہ کیجئے، اس پر آپ نے فرمایا [illegible] ہونے میں مجھے کسی طرح کا فکر نہیں ہے، لیکن میں اب شہید ہو چکا، یہ سنتے ہی اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپکی تعریف وثنا کرنے لگے، مگر آپ نے اُن کی بات کاٹ کر فرمایا، میری یہ تمنا تھی، کہ میں جب دُنیا سے جاؤں تو مجھے کسی سے نہ لینا نہ دینا ہو، اور دوسرے جب میں دفن کیا جاؤں، تو حضور پُرنور آنحضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ۔

چنانچہ حضرت امیر المومنین عائشہ صدیقہؓ سے امیر المومنین حضرت عمرؓ کی یہ استدعا کی گئی کہ انہیں حجرہ اطہر میں آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار اقدس کے بائیں پہلو میں جگہ دی جائے، لہٰذا آپ کی یہ استدعا قبول ہوئی ۔

اب خلیفہ وقت کے انتخاب کا مسئلہ طے ہونا ضروری تھا، اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے متعلق دریافت فرمایا، تو آپ نے فرمایا حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت زبیر، حضرت طلحہ، حضرت سعد، حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالےٰ عنہم، ان چھ اصحاب کبار میں سے جس کو چاہو اپنا خلیفہ مقرر کر لو ۔

چونکہ زیست کے چند سانس ہی باقی تھے، اس لئے اس سے زیادہ آپ کچھ نہ فرما سکے، آخری ساعت کلمہ شہادت پڑھتے ہوئے اس جہان فانی سے اسلام کو داغ مفارقت دیکر راہئ بقا ہوئے ۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۔

۲۳ھ تا ۳۵ھ

خلیفہ سوم حضرت عثمان ذو النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عہد خلافت کچھ دن کم ۱۲ سال تاریخ وفات ۱۲ ذی الحجہ ۳۵ھ عمر مبارک تقریباً ۸۲ سال

۲۳ھ میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ابو لؤلؤ مجوسی نے زہر میں بجھے ہوئے خنجر سے زخمی کیا۔ اور جب انہیں اپنی زندگی کا خاتمہ ہوتا محسوس ہوا، تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اصحاب نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم میں سے چند اصحاب کو جن میں حضرت عثمان بن عفان، طلحہ بن عبداللہ، زبیر بن العوام اور علی بن ابی طالب رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین بھی شامل تھے، اپنا جانشین ہونے کیلئے نامزد کر کے یہ وصیت کی تھی، کہ حضور پر نور حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ مطہرہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر میں جمع ہو کر اپنے میں سے ایک شخص کو کثرت رائے سے منتخب کر لیں ؛

چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو خلیفہ وقت منتخب کرنیکی نسبت مختلف رائیں ہیں ؛

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انتقال سے تھوڑی دیر پہلے حضرت ابو طلحہ انصاری کو بلا کر کہا کہ تم انصار میں سے پچاس آدمیوں کو لیجا کر اصحاب شوریٰ میں جا ملو، جو کہ ابھی جمع ہونے والے ہیں، تم اپنے آدمیوں کے ساتھ دروازہ پر کھڑے رہنا، تاوقتیکہ انتخاب خلیفہ کا فیصلہ نہ ہو جائے، وہاں سے نہ ہلنا ؛

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف سے روایت ہے، کہ میں نے حضرت عثمان سے علیحدگی میں دریافت کیا، کہ اگر میں آپ کی بیعت نہ کروں، تو آپ مجھے کس کی بیعت کرنیکی رائے دینگے، آپ نے فرمایا حضرت علی سے، پھر میں نے حضرت علی سے بھی یہی سوال کیا، تو انہوں نے

(۱) آپ عفان کے صاحبزادے تھے اور عفان کا سلسلہ قصی بن کلاب سے ملتا تھا عام الفیل کے چھٹے سال آپ پیدا ہوئے اس حساب سے حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کے سن مبارک سے صرف سات سال آپ چھوٹے تھے آنحضرت صدیق اکبرؓ کی وساطت سے آپ نے اسلام قبول کیا، آپکی پہلی شادی حضرت رقیہؓ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوئی اور دوسری شادی بھی ام کلثوم بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوئی، اس وجہ سے آپ ذو النورین کے لقب سے مشہور ہیں ؛

حضرت عثمانؓ کا نام لیا، پھر میں نے زبیر رضی اللہ عنہ سے پوچھا، تو انہوں نے یہ کہا، کہ عثمانؓ سے یا علیؓ سے، پھر سعدؓ کو بلا کر ان سے بھی اسی سوال کے زمرہ میں کہا، کہ تم جانتے ہو میرا یا تمہارا خلافت کا ارادہ نہیں ہے، پھر کس کو خلیفہ مقرر کیا جائے؛ چنانچہ حضرت سعدؓ نے بھی حضرت عثمانؓ کا نام پیش کیا، اسی طرح تمام امت کی رائے حضرت عثمانؓ ہی کی طرف تھی ؛

حضرت عثمانؓ بن عفان بنی امیہ کے کنبہ میں سے تھے، اور ان سب لوگوں میں باعتبار عمر بڑے بھی تھے ؛

یوں تو بنی امیہ تمام قریش کے گھرانوں میں اخوت وجمعیت کے لحاظ سے بڑھے ہوئے تھے، لیکن ان میں سے بہت سے لوگ مکہ کے فتح ہونے اور اپنے سرگروہ ابوسفیانؓ کے مسلمان ہو جانے کے بعد اسلام لائے تھے، اس لئے ان لڑائیوں میں جن پر سلطنت اسلامی کی بنیاد قائم ہوئی ان کی کوششوں کا کوئی حصہ شامل نہ تھا ؛

لیکن جب حضرت عثمانؓ مسند آرائے خلافت ہوئے تو انکی وجہ سے بنی امیہ کی عزت میں نشوونما ہوا، یوں تو حضرت عثمانؓ نہایت نیک مزاج اور صاف باطن بزرگ تھے، انہوں نے قرآن شریف کی آیت شریفہ وَاٰتِ ذِالْقُربیٰ حَقَّہٗ کے مطابق اپنے اقربا کا خیال رکھا، اور اپنے قریبی رشتہ داروں کو عامل شہر بنانا شروع کیا، تو یہ امر بعض ان صحابہ کو جو ان خدمات کے پہلے سے مستحق چلے آتے تھے، ناگوار گذرا جس کا نتیجہ یہ ہوا، کہ بعض شہروں کے عامل اور وہاں کے باشندے حضرت عثمانؓ کی خلافت سے ناخوش ہوئے ؛

۲۴ھ میں یعنی حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت کے پہلے ہی سال شہر رے اور ملک روم کے بہت سے قلعے فتح ہوئے اور اسی سال آپ نے حضرت مغیرہؓ کو حکومت کوفہ سے معزول کر کے سعد بن وقاصؓ کو وہاں کا عامل مقرر کیا، اس سال تمام لوگ نکسیر کے عارضہ میں مبتلا ہو گئے، بلکہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اسی عارضہ کی وجہ سے حج ادا نہ کر سکے، اس سال کا نام اہل عرب نے سنۃ الرعاف یعنی نکسیر کا سال رکھا ؛

۲۵ھ میں حضرت عثمانؓ نے سعد بن ابی وقاص کو کوفہ سے معزول کرکے ولید بن عقبہ بن معیطہ اصحابی کو عامل مقرر فرمایا، چونکہ ولید بن عقبہ آپ کی والدہ کی طرف سے رشتہ میں بھائی ہوتے تھے، اسلئے سب سے پہلا الزام مخالفین نے یہی آپ پر قائم کیا ہے ؛

۲۶ھ میں سابور فتح ہوا، اور حضرت عثمانؓ نے کچھ مکانات خرید کر مسجد حرام کو وسیع کیا ؛

۲۷ھ میں معاویہ نے بحری راستے سے قبرس پر حملہ کیا، اس لشکر میں عبادہ بن صامت معہ اپنی بیوی کے شامل تھے، آپ کی بیوی گھوڑے سے گر کر رحلت کر گئیں، اور وہیں دفن ہوئیں ؛

اسی سال ارجان و داز بجرد فتح ہوا، اور حضرت عثمانؓ نے حضرت عمروؓ بن عاص کو مصر سے معزول کرکے انکی جگہ عبداللہ بن سرح کو بھیجا، یہ وہی عبداللہ ہیں جنہوں نے سب سے پہلے افریقہ پر حملہ کرکے تمام ملک پر قبضہ کرلیا، اس مہم میں بہت سا مال غنیمت بہادران اسلام کے حصہ میں آیا ؛

۲۹ھ میں اصطخر اور قسا فتح ہوئے، اور اسی سال میں حضرت عثمانؓ نے مسجد نبویؐ کو وسیع کیا، اس میں منقوش پتھر لگائے، اور پتھر کے ستون ایستادہ کئے چھت میں ساگوان کی لکڑی لگائی مسجد کا طول ایک سو ساٹھ گز اور عرض ڈیڑھ سو گز تک وسیع کیا ؛

۳۰ھ میں جور اور خراسان کا اکثر حصہ نیشاپور، طوس، سرخس، مرو اور بیہق فتح ہوئے ان سب فتوحات سے مال غنیمت کی ایسی کثرت ہوئی، کہ خزانے بنانے پڑے، اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس قدر مال غنیمت مسلمانوں میں تقسیم کیا، کہ ہر ایک کے حصے میں چار چار ہزار اوقیہ کے ایک ایک لاکھ بدرے آئے ؛

یہاں تک تو عروج اسلام اور خلفائے راشدہ کی بے لوث خدمات اسلامی کا زمانہ تھا جس کے متعلق جرجی زیدان نے لکھا ہے "کہ مذکورہ بالا زمانہ مشہور اور ذی شان لوگوں کے پیدا کرنے میں ویسا ہی ممتاز گذرا ہے، جیسا کہ نپولین کا زمانہ نامی جرنلوں کیلئے مشہور ہوا ہے

کیونکہ وہی ملک فرانس بعد میں اس قسم کے جنگجو سردار پھر نہ پیدا کر سکا، زمانہ نپولین اعظم کے جنرل فرنچ بغاوت کے بعد نام آوری کے میدان میں اُترے جیسا کہ اسلام کے دورِ اوّل میں نامور لوگ نمایاں ہوئے، جبکہ ملک عرب میں واقعہ فیل گذرا اور حبشی لوگوں نے ہاتھیوں اور فیل سواروں کی کثیر تعداد کے ساتھ خانہ کعبہ پر حملہ کیا تھا، اس واقعہ نے عربوں کے سکون میں ایک قسم کی حرکت پیدا کر دی اور زمانہ کے انقلابات کی وجہ سے جو صدمات پہنچے اُنہوں نے اہل عرب کو اپنے شکنجہ میں کس کر انہیں اپنی حالت سنبھالنے کا خیال دلا دیا جس کی وجہ سے اُن کی وہ مخفی قوتیں جو اب تک دبی ہوئی اور پنہاں تھیں اُبھر کر آشکارا ہو گئیں ایسے سخت حادثے لوگوں میں اکثر ایک قسم کا مادہ ترقی اور جوش پیدا کر دیتے ہیں جس سے پوشیدہ قوتیں اور دبی ہوئی طاقتیں آشکار ہو جاتی اور اُبھر آتی ہیں، ہمارے اس دعویٰ پر تاریخ ایک زبردست شاہد ہے، گویا کہ خداوند کریم نے عرب والوں کی قسمت میں فتحمندی لکھ دی تھی، کہ اُن کو ایسے سرداروں اور سپہ سالاروں کے ساتھ مختص کیا، جو فنونِ جنگ، حُسن تدبیر، اور حکمت عملی میں دُنیا کے چیدہ چیدہ لوگوں میں شمار ہوتے ہیں ؛

مثلاً خالد بن ولید، خالد بن سعید، ابی عبید بن جراح، سعد بن ابی وقاص، یزید بن ابی سفیان، حمزہ بن عبد المطلب اور علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہم جیسے اشخاص جن میں دلیری، اور سپہ سالاری کا مادہ غالب تھا، اور عمرو بن العاص، معاویہ بن ابی سفیان، مغیرہ بن شعبہ اور زیاد بن ابیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی مانند مدبر اور ہوشیار لوگ اور ابو بکر صدیقؓ، وعمرؓ بن خطاب وعثمانؓ بن عفانؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہم جیسے دانا اور متقی اور صاحب ہمت لوگ انکیں پیدا ہوئے، آج اگر ابو بکرؓ، عمرؓ، حمزہؓ، ابن العاص، معاویہ اور خالد رضی اللہ عنہم جیسے لوگ ظاہر ہوتے تو بڑے بڑے اُن لوگوں میں ان کا شمار ہوتا، جن کی عظمت کو مہذب دُنیا بطور ضرب المثل پیش کرتی ہے ؛

یہی مؤرخ آگے چل کر خلفائے راشدین کی نسبت ان الفاظ میں اپنی رائے کا اظہار کرتا ہے ؛

حالات مندرجہ بالا سے صاف عیاں ہو رہا ہے، کہ خلفائے راشدین کی حکومت خدا ترسی پر قائم ہوئی، اور انصاف و عدل کے ساتھ ختم خلفائے راشدین بہت سادہ زندگی بسر کرتے تھے، ان کے عہد خلافت کا طرز تمدن دینی رتبوں سے ملتا جلتا تھا، حکومت دنیاوی سے ان کو کوئی مناسبت نہ تھی، ہر ایک خلیفہ وقت موٹے سوتی کپڑے کا لباس پہنتا تھا، ان کے پیروں میں کھجور کی چھال سے بنی ہوئی نعلین ہوتی تھیں، اُنکی تلوار کا پرتلا بھی کھجور کی چھال کی رسیوں سے بنا ہوتا تھا، خلیفہ وقت اس طرح بازاروں میں چلا پھرا کرتے تھے، جیسے کوئی عام رعایا میں سے کوئی شخص گھومتا پھرتا ہے اور خلیفہ وقت جس وقت کوئی بات کسی چھوٹے سے چھوٹے آدمی سے کہتے تھے، تو اپنی بات سے جواب میں کہیں زیادہ سخت گفتگو سنتے تھے، وہ پاک طینت لوگ ان تمام باتوں کو دینداری کی قسم سے خیال کرتے تھے، اور لوگوں پر خدا ترسی، انصاف، اور عمدہ برتاؤ کے ساتھ حکمرانی کرتے تھے :۔

خلفائے راشدین کی غذا اُن کے یہاں کے غریب سے غریب شخص کی غذا کے مطابق ہوتی تھی، وہ لوگ محتاجی یا تنگدستی کی وجہ سے اس قسم کی کمی نہیں کرتے تھے، بلکہ ایسا کرنے سے انہیں اپنی غریب رعایا کے ساتھ ہمسری اور ہمدردی کا خیال رہتا تھا، چنانچہ علیؓ ابن ابی طالب کو اُن کی املاک سے بہت بیش قرار آمدنی ہوتی تھی، لیکن آپ سب کی سب محتاج لوگوں میں تقسیم کر دیتے تھے، اور اپنا گذارہ اُسی قناعت اور صبر کی روش پر کرتے تھے :۔

خلفائے راشدین کو مال و دولت کی ذرا بھی پروا نہ تھی، یہ خلفا پر ہی موقوف نہ تھا بلکہ اُن کے وقت میں تمام اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی طریقہ تھا :۔

یہ اقتباسات ایک عیسائی مؤرخ جرجی زیدان کے ہیں، جن کو آپ مطالعہ کر چکے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے، کہ ہر ایک شخص نہ فقط مسلمان بلکہ مشرک بھی خلفائے راشدین

کے طریق حکومت وطرز تمدّن کا مداح تھا ؛

چنانچہ خلیفہ سوئم حضرت عثمانؓ نے اسی روش پر خلافت کی ہے، اُنکی نسبت جن لوگوں کو جو اعتراض ہیں، وُہ سب کمزور اعتراض ہیں، جن کے اعادہ کی ضرورت نہیں، بلکہ ان اعتراض میں سے قرآن شریف کو باترتیب اور قرأت کے لحاظ سے صحیح کرنے کی جو خدمت حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انجام دی ہے، بعض معترضین نے اس خدمت اسلام کو بھی اعتراض کی شکل میں دکھایا ہے، یعنی حضرت عثمانؓ نے قرآن شریف کو اُلٹ پلٹ کر دیا، اس لئے اس کے متعلق اتنا ہی لکھنا کافی ہے، کہ حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں قرآن شریف کی مختلف قرئتیں لوگوں کے پاس محفوظ تھیں، اور بعض لوگ قرأت میں بھی غلطی کرتے تھے، بلکہ اپنی اپنی یادداشت کی صحیح روایت کرتے ہوئے ایک دوسرے سے لڑتے جھگڑتے تھے ؛

ہمارا خیال ہے، کہ اگر حضرت عثمانؓ اس اختلاف کی طرف توجہ نہ کرتے تو قرآن مجید یادداشت کے اختلاف کے باعث باترتیب اور صحیح نہ رہتا ؛

لیکن حضرت عثمانؓ نے اس طرف توجہ فرماتے ہوئے قرآن شریف باترتیب جمع کر دیا اور جو آیات یادداشت کے طور پر لوگوں نے غلط ملط لکھی تھیں، یا جن میں قرأت کے لحاظ سے غلطیاں تھیں، وُہ آیات لوگوں سے لیکر ضبط کی گئیں ؛

اس طرز عمل سے حضرت عثمانؓ نے قرآن شریف کو محفوظ کر دیا، یہ وہی قرآن شریف ہے، جس پر مسلمانوں کو آج بجا طور پر فخر اور ناز ہے ؛

چونکہ اس سے پہلے کسی علم کی کوئی ایسی آسمانی کتاب نہ تھی، جو ارشادات الٰہی اور احکام ربانی کے مصدر کے ساتھ علوم حالمیہ علمیہ اور حکمت آلہیہ کا بھی معدن ہو منجملہ ان علوم کے قرآن مجید نیچرل فلاسفی اور نیچرل تھیالوجی بھی ہے، یعنی علوم مناظر قدرت و مظاہر فطرت سے قرآن مجید مالامال ہے، اس میں حقائق موجودات اور محاسن کائنات

کا بیان کثرت سے پایا جاتا ہے، اور پھر اِن سب وجود واجب التعالیٰ اور اُس کے علم و قدرت پر ہر جگہ استدلال ہوتا گیا ہے ؛

ہم نے گذشتہ صفحات پر کسی جگہ وعدہ کیا تھا، کہ قرآن شریف کے متعلق حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں کسی قدر تفصیل کے ساتھ لکھا جائے گا، لہٰذا اس موقعہ پر ہم قانون اسلام یعنی کلام باری تعالیٰ کی صداقت پر کچھ لکھنا چاہتے ہیں ؛

قرآن مجید کے منجانب اُلہی ہونے اور کلام انسانی نہ ہونے کا یہ ادنیٰ ثبوت ہے کہ بارھویں صدی عیسوی سے اِس زمانہ تک ممالک جرمن، فرانچ، روم، انگلستان کے عالموں اور ادیبوں نے قرآن مجید کے ترجموں اور اقتباس سے جس قدر فائدہ اُٹھایا ہے، وہ ذیل کی فہرست سے ملاحظہ فرمائیں ؛

نام مترجم	زبان	جس سن میں ترجمہ ہوُا
رابرٹ روٹن این سس	لاطینی	۱۱۴۳ء میں
انڈریا ارادا بینی	اطالی	. . . .
جودھاناس انڈریا سس[1]	اروگونین	۱۵۰۰ء میں
انڈر زلوڈ ورایئر	فرنچ	۱۶۰۰ء میں
الگزنڈر راس[2]	انگریزی	" " " " " " "
سیوس مراکشی	لاطینی	۱۶۹۸ء میں
جارج سیل	انگریزی	۱۷۳۴ء میں
سیواری	فرنچ	۱۷۸۳ء میں
میگرلن	جرمن	۱۷۷۲ء میں
واھل	"	۱۸۲۸ء میں

[1] یہ شخص پہلے ایک مسلمان فقیہ تھا، پھر ۱۴۸۷ء میں شہر ولینشیا صوبہ اندلس میں عیسائی ہو گیا، اس نے کتب احادیث کا بھی ترجمہ کیا ہے ؛ [2] اس نے ڈورایئر کے ترجمہ سے ترجمہ کیا ؛

نام مترجم	زبان	جس سن میں ترجمہ ہوا
گارسن ڈی ٹاسی	فرنچ	۱۸۲۹ء میں
کاسمرسکی	"	۱۸۴۰ء میں
ابمان	جرمن	۱۸۴۰ء میں
راڈویل	انگریزی	۱۸۶۲ء میں
ممالک یورپ کے مطبوعہ قرآن مجید کی فہرست یہ ہے ؛		
اسکندریہ پگینینیؒ	مقام وینس	۱۵۱۵ء میں
ابراہام ہنکلیمن	ہمبرگ	۱۶۴۹ء میں
فلیوگل	لیپہ	۱۸۳۸ء میں

قرآن شریف کے متعلق محققین یورپ کی تحقیق

(حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی حیات میں قرآن (مجید) کی حفاظت صرف ان متفرق تحریروں پر ہی منحصر تھی جنکو وحی الٰہی کیمطابق تیار کیا گیا تھا، وحی الٰہی کا حبط تمام مسلمانوں کا بنی تھا، ہر ایک جماعت عام میں قرآن (مجید) پڑھنا ضروری تھا اور خلوت میں قرآن شریف کی تلاوت کرنا باعث ثواب عظیم تھا، یہ مضمون تمام روایاتِ قدیم میں متواتر المعنی ہے، اور خود قرآن (شریف) ہی سے پایا بھی جاتا ہے، اسی کیمطابق ہر ایک مسلمان اسے کم و بیش حفظ کرتا تھا، اور مسلمانوں کی قدیم سلطنت میں جو شخص جس مقدار تک قرآن شریف پڑھ سکتا تھا، اسی اندازہ کے موافق اس کی قدر و منزلت ہوتی تھی اور اس کی عزت کی رسم سے اس کی زیادہ تائید ہوتی، وہ لوگ نظم کے تو از حد مشتاق تھے اور فن کتابت کا سامان کافی اُن کے پاس نہ تھا، کہ خطبوں کو لکھ رکھتے اسلئے مدت سے وہ لوگ اس کے عادی ہو لیے تھے، کہ اشعار و خطبہ کو اپنے دل کی زندہ تختیوں پر منقش کر رکھتے تھے، قوت حافظہ انکی انتہا درجہ تھی، اور اُس کو وہ لوگ قرآن (شریف) کی نسبت

ط یہ نسخہ پوپ کے حکم سے جلا دیا گیا تھا ؛

بکمال سرگرمی کام میں لاتے تھے، اُن کا حافظہ ایسا مضبوط اور اُنکی محنت ایسی قوی تھیں، کہ حسب روایات قدیم اکثر اصحاب (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کی حیات ہی میں بڑی صحت کے ساتھ تمام وحی کو حفظ پڑھ سکتے تھے"۔ (آنریبل سر ولیم میور سیرت محمدی جلد ۱ صفحہ ۱۵)

پھر آگے چل کر صفحہ ۹ و ۱۰ پر لکھتے ہیں :-

"ہم کو یہ بھی معلوم ہے، کہ جب کوئی قبیلہ مسلمان ہوتا تھا، تو (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اپنے اصحاب میں سے کسی ایک یا دو صحابہ کو اُن کے پاس بھیج دیتے تھے تاکہ اُن کو قرآن (شریف) اور ضروریات دین سکھلائیں، اور اکثر خبر ملتی ہے، کہ وہ اپنے ساتھ مذہبی امور کی تعلیم کے لئے تحریر لیجایا کرتے تھے پس اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے، کہ وہ لوگ قرآن شریف کی ضروری سورتیں بھی ہمراہ لیجاتے ہونگے، بالتخصیص وہ اجزا قرآن (شریف) جن پر مذہبی رسوم موقوف تھیں، اور جو نمازمیں اکثر پڑھی جاتی تھیں، علاوہ ان تصریحات کے جو قرآن (مجید) ہی میں خود اُس کے مکتوب ہونے پر پائی جاتی ہیں، ایک صحیح روایت میں جس میں (حضرت) عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بہن کے گھر میں اس زمانہ میں زمانہ ہجرت سے ۳ یا ۴ برس پیشتر تھیں، تو اگر اسقدر قدیم زمانہ میں قرآن (مجید) کی نقلیں لکھی جاتی تھیں، تو یقینی (حضور پُر نور حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی رحلت کے وقت قرآن (شریف) کے نسخے کثرت سے بڑھ گئے ہوں گے"۔

یہاں پر ایک شبہ وارد ہوگا، جبکہ قرآن (مجید) نبی کریم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہی سب لکھا گیا تھا، تو پھر عہد خلافت حضرت عثمانؓ میں ازسرنو کیسے جمع کیا گیا؟

اس کا جواب یہ ہے :-

"خلیفہ اوّل حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہد خلافت میں قرآن شریف جمع کئے جانے اور اس سے پہلے اس کا جمع کیا ہوا نہ ہونے کی خبر منجملہ اخبار احاد ہے، جو قطعی اور یقینی حالت کے مقابلہ میں قائم نہیں رہ سکتی، اور اُس کی تقریر ایسی مبالغہ آمیز ہے، جو قطعی واقعات کے

سراسر خلاف ہے، پھر اگر اسی طور سے زید ابن ثابت کا قرآن شریف جمع کیا ہوا ہوتا، تو ضرور مشہور ہوتا، اور بہت سی روائتیں اس کی نسبت ہوتیں، مگر برخلاف اس کے حجاج میں بہت کم اس کی خبر ملتی ہے ؛

خیال کیجئے کہ جنگ یمامہ ۱۲ھ کے ربیع الاوّل میں ہوئی، اس وقت عہد خلافت صدیق اکبرؓ ۱ برس ۲ مہینے تک مشکل پہنچتا ہے، اور زید کی تتبع و تلاش البتہ ایک معتدبہ عرصہ تک رہی ہوگی، اور کھجور کے پتے اور پتھر کے ٹکڑے چمڑے کے ورق تختیاں اور چوڑی ہڈیاں ڈھونڈنی اور حافظوں کو ہر چہار طرف سے جمع کرنے میں بہت عرصہ لگتا، اگر ایسا ہوتا، تو یہ معاملہ ایسا مشہور ہو جاتا جیسے بدر کا معرکہ اور جنگ احزاب ؛

اس میں کچھ شک نہیں کہ حضرت عثمانؓ نے اپنے عہد خلافت میں قرآن مجید کے کئی ایک نسخے لکھوا کے حکماً اطراف و جوانب و دیار اسلام اور فوج کی چھاؤنیوں میں بھجوا دیئے اس وجہ سے قرآن شریف مشہور اور محفوظ ہو گیا ؛

وان ہمیر کا قول ہے کہ ؛۔

حضرت عثمانؓ کا ترتیب شدہ قرآن شریف کا نسخہ بلا تحریف اس زمانہ سے محفوظ چلا آتا ہے، درحقیقت ایسی احتیاط سے اس کی حفاظت ہوئی ہے، کہ قرآن شریف کے بیشمار نسخوں میں جو اسلام کی کثیر الوسعت مملکت میں منتشر ہیں بڑے اختلاف نہیں ہیں، بلکہ یوں کہنا چاہیئے، کہ بالکل اختلاف نہیں ہیں، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ایک چہارم صدی میں شہادت عثمان کے وقت سے مسلمانوں میں تنازع اور شدید مخالفتیں پیدا ہونے سے مسلمانوں میں پھوٹ پڑ گئی تھی، تاہم ان میں قرآن (قرآن مجید) کا ایک ہی رہا۔ اور سب میں بالاتفاق اسی ایک ہی قرآن شریف کا استعمال میں رہنا اس بات کے ثبوت کی ایک لاجواب دلیل ہے، کہ ہمارے پاس اب وہی کتاب ہے، جو اس مظلوم خلیفہ کے حکم سے لکھی گئی تھی، غالباً دنیا میں کوئی اور ایسی کتاب نہیں ہے جو ۱۲سو برس

تک ایسی صحیح رہی ہو[1] ؛

یہ اقتباسات سبھی مورخین کے ہیں، جن سے ظاہر ہوتا ہے، کہ قرآن شریف انسان کا کلام نہیں بلکہ خُدا کا کلام ہے، جو آجتک صحیح اور محفوظ ہے، اور تا قیامت صحیح اور محفوظ رہیگا ؛

قرآن شریف اور وید | آریہ مذہب کے لوگ اپنے ویدوں کی نسبت دعویٰ کرتے ہیں، کہ وید ابتدائی زمانہ سے آج تک بدستور چلے آئے ہیں، لیکن وُہ اس دعویٰ پر کوئی قطعی دلیل پیش نہیں کر سکتے، حالانکہ بشٹ پران ششم خُداوند عالم کی قدرت سے ویدوں اور تمام مخلوق میں اختلاف ہے، اور وید بارہا غائب ہوئے، اور کئی مرتبہ ویدوں کا مضمون تبدیل ہوا، رنگا مہا بھارت پرب ۱۲ دواپر میں ویدوں کی ایسی تعریف لکھی ہے، "کہ آدھے بھی تحریر میں نہ آئے"، سانت پرب راجہ یدھشٹر کا یہ کہنا ہے، "کہ وید پرتوں میں علیحدہ ہوتا ہے" کرشن جی کا فرمانا یہ ہے، "کہ ویدیوں نے ویدوں میں عقلی اور قیاسی باتیں بھر دیں" جب ان پر اعتراض ہوا، لیکن تب بھی وُہ باتیں نہ بدلی گئیں، اور نہ منتروں کو ویدوں سے خارج کیا گیا ؛

ان سب اختلافات کے ہوتے ہوئے، سوامی دیانند جی بھی ستیارتھ پرکاش میں لکھتے ہیں، "اپنشد نرسنگھ تاپنی وغیرہ مختلف فرقہ کے لوگوں نے ویدوں میں داخل کئے ہیں"، اس بیان سے بھی ویدوں میں تحریف ثابت ہوتی ہے ؛

پھر سوامی دیانند کا عقیدہ تھا، کہ ویدوں کی ۱۱۳۱ شاکھائیں، یعنی رگوید کی ۲۱، یجر وید کی ۱۰۱، سام وید کی ایک ہزار، اتھروید کی ۹ دیکھئے اپدیش صفحہ ۱۰۵

لیکن جب دیانند جی سے اصل وید کا مطالبہ کیا گیا، تو ان ۱۱۳۱ شاکھائیں میں سے چار وید کے نام مشہور کر دئے، اور اپنی آئندہ تصانیف ۱۱۲۷ شاکھا بیان کرنی شروع کر دیں

غرضیکہ اس اختلاف و تحریف کے علاوہ وید کے کسی مضمون سے خُدا کا کلام ہونا ثابت نہیں ہوتا، اور نہ یہ ثابت ہو سکتا ہے، کہ یہ وید ہدایت خلق کیلئے خُدا نے فلاں

[1] اب تو چودہ سو برس ہونے کو ہیں۔ (شوقی)

شخص پر نازل کئے ہیں، اور نہ کسی رشی کا یہ دعویٰ ہے، کہ فلاں وید مجھ پر خدا کی طرف سے نازل ہوا ہے، اور نہ خود ویدوں کا دعویٰ ہے، کہ ہم منازل من اللہ ہیں ؛

اب ہم ویدوں کے مضامین پر ایک غائر نظر ڈالنا چاہتے ہیں، وہ اسلئے کہ ہمارے ہموطن آریہ دوست قرآن شریف کے مقابل وید کو الہامی اور جامع العلوم مانتے ہیں ؛

ملاحظہ ہو ستیارتھ پرکاش صفحہ ۳۱۵ :-

"پھر وے عوپ لوگ اپنی اور اپنے پاؤں کی پوجا کرنے لگے، اور کہنے لگے، کہ اسی ہماری سیوا ایں تمہاری بھلائی ہے، جب یہ لوگ انکے بس میں ہو گئے تب نفس پرستی میں غرق ہو کر گڈریئے کی طرح جھوٹے تنتروں سے پھنسانے لگے" ؛

اسی ستیارتھ پرکاش میں صفحہ ۳۶۶ پر ایک ایسا اینڈا بینڈا قابلِ ندامت اشلوک ہے، جس کو لکھتے ہوئے بھی ہمیں شرم آتی ہے، اس لئے وہ اشلوک درج نہیں کیا گیا ؛

مذکورہ بالا عبارات میں ہندوستان کے اُن برہمنوں کا تذکرہ ہے، جو حاملانِ وید و حافظانِ وید و ماہرانِ وید غرضیکہ سب ہی کچھ تھے، اب اربابِ عقل خود بخود غور فرمائیں، کہ اُس منحوس زمانے کے نامبارک آدمیوں کے ہاتھوں ویدوں کو کیا کچھ نقصان نہ پہنچا ہو گا جبکہ حافظانِ وید کی یہ حالت ہو، کہ دین و ایمان اور غیرت اور شرم سب کو بالائے طاق رکھ کر دولت طلبی اور شہوت پرستی کے نشۂ ہوش رُبا میں سرشار ہو گئے ہوں، بہن بیٹی تک سے صحبت جائز کر دی ہو، بدکاری و حرام کاری کو کمال انسانیت و روحانیت دے رکھا ہو، دروغ گوئی و افترا پردازی کا یہ حال کہ اپنے لغو و بیہودہ خیالات کو رشیوں اور مہرشیوں کا الہام قرار دیتے ہوں، جھوٹی عزت کی خواہش کا یہ غلبہ ہو کہ اپنے آپ کو معبود و قابل پرستش ظاہر کرتے ہوں، جہنم اور بہشت کو اپنی ملکیت بتاتے ہوں، زمانہ ایسا جاہل کہ جو کچھ برہمنوں کی زبان سے نکلے وہ سب الہام اور وحی آسمانی سمجھی جائے، نہ راجہ کو بات کرنے کی مجال نہ پرجا کو آنکھ دکھانے کی طاقت تھوڑا بہت

جو کچھ علم تھا، وہ برہمنوں کے گھر کا چاکر اور خاشیہ بردار دوسروں کو پڑھنا تک حرام ؛

اِن واقعات کو پڑھ کر انصاف کے ساتھ کہئے کہ کیا اِن سے ویدوں کی تحریف و تنقیص ثابت نہیں، کیا عجب ہے برہمنوں نے جس طرح سینکڑوں خود تصنیف کردہ کتابوں کو کتب الہامی قرار دے کر دنیا کو دھوکے میں پھنسا دیا، اسی طرح ویدوں میں بھی اپنے مطلب کی باتیں ملا جلا دی ہوں، جس کی خبر نہ اس وقت تک جاہلوں کو ہوئی ہو، نہ بعد کے پڑھے لکھوں کو ؛

ویدوں میں تحریف کا احتمال اُس وقت اَور بھی قوی ہو جاتا ہے، جبکہ اِس زمانہ میں تحریف کو بالکل عام اَور معمولی روزمرّہ کی مشق سے پایا جاتا ہے ؛

کتاب مہابھارت کو ہی دیکھ لیجئے، جو ایک مشہور کتاب ہے، خدا جانے اسمیں کب کب اَور کتنی دفعہ تحریف ہوئی، ستیارتھ پرکاش میں صفحہ ۳۹۳ پر لکھا ہے، کہ ویاس جی نے چار ہزار چار سو اشلوک اَور ان کے شاگردوں نے پانچ ہزار چھ سو اشلوک والا یعنی کل دس ہزار اشلوک کے اندازمیں مہا بھارت بنایا تھا، وہ مہاراجہ بکرماجیت کے زمانہ میں بیس ہزار شری بھوج پتا جی کے زمانہ میں پچیس ہزار اور مہاراجہ بھوج کے زمانہ میں تیس ہزار اشلوک والی مہابھارت کی کتاب ملتی ہے، اگر اسی طرح بڑھتی رہی تو کسی روز مہابھارت کی کتاب ایک اونٹ کا بوجھ ہو جائیگی ؛

دیانند جی کی یہ تحریر کافی سند ہے، کہ اِس زمانہ میں تحریف بالکل معمولی بات ہے، اَب ویدوں کی تحریف کے متعلق وہ ایسی شہادتیں پیش کی جاتی ہیں، جنہیں یقینی نہ کہنا، سخت ہٹ دھرمی اور ضد بیجا ہے ؛

(۱) دیانند جی پُرانے زمانے کے برہمنوں کو وام مارگی کے بھیس میں یاد کرتے ہوئے لکھتے ہیں، "جب اِن لوگوں کا مذہب بہت پھیلا تو فریب کرکے ویدوں کے نام سے بھی وام مارگ کی لیلا رچائی، (دیکھئے ستیارتھ پرکاش صفحہ ۳۶۸)

(۲) دیانند جی نے پانڈو گیتا نامی کتاب کا ایک منتر نقل کیا ہے، جس کو برہمن لوگ الہامی بتاتے ہیں، اور غور سے جانچئے تو ان چالاک لٹیروں اور بٹ ماروں نے اپنی پوری بحث اس منتر میں رکھ لی ہے، اب نہ ویدوں پر ہاتھ مارنا موجب نقصان ہے نہ کسی اور کتاب پر ؛

وہ منتر یہ ہے "جو کچھ برہمنوں کے منہ سے بات نکلتی ہے، وہ جانوں کہ ہو بہو پرمیشور کے منہ سے نکلی ہے" (دیکھئے ستیارتھ پرکاش صفحہ ۳۶۶)

یہ اُن کا ایسا عام قاعدہ تھا، کہ اس قاعدہ کے تحت میں وہ سب کچھ کر سکتے تھے اور کیا کرتے تھے، بلکہ اس قاعدہ پر اگر ان کو دلی یقین تھا، تو وہ اپنے الہامات کو ویدوں میں بطور تتمہ شامل کرنا داخل نجات اور بجا سمجھتے ہونگے، ورنہ کم از کم اس قاعدہ سے تحریف وید میں بہت مدد ملتی ہو گی، خیال آتا ہے، کہ شاید اُن کو اس قاعدے پر یقین ہو کیونکہ اپنے بزرگوں کی بے نظیر عظمتیں اور قدرتیں سُن سُن کر اپنی مقبولیت و یوگیت کا یقین ہو جانا قدرتی بات تھی، اس لئے کہ وہ کم عقل اور جاہل تھے، کیا عجب ہے کہ انہوں نے اپنے ویدوں کے شہوت آمیز حصّوں کو پڑھ کر یہ نتیجہ نکالا ہو، کہ شہوت پرستی و عیش پرستی تقدس و عافیت کے خلاف نہیں ہے، بس جو کچھ نفسانی خواہشات یا اور قسم کے تخیلات پیدا ہوتے ہوں، وہ سب کو خاص الہام سمجھ کر ویدوں میں داخل کرتے ہوں، خصوصاً اس صورت میں جبکہ وہ اپنی باتونکو پرمیشور کی بات سمجھنے لگے تھے ؛

اور آج اُن کے پیرو انہیں ویدوں کو قرآن شریف کے بالمقابل پیش کرتے ہیں ؎

چہ نسبت خاک را با عالم پاک - کہاں فراغات اور کہاں الہیات ؛

ہم نفس مضمون سے بہت دور نکل آئے ہیں، غرضیکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں جو سب سے نمایاں خدمت اسلامی انجام دی وہ قرآن شریف کی باترتیب اشاعت ہے، مگر بعض مخالفین نے فہرست اعتراضات میں اس کو بھی شامل کرلیا ہے ؛

ہم پہلے عرض کر چکے ہیں، کہ جب سے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عمرو بن العاص کو مصر سے معزول کر کے اُنکی جگہ عبداللہ بن ابوسرح کو مصر کا حاکم مقرر کیا تھا، اُسوقت سے بالخصوص اہالیانِ مصر خلیفہ سوئم حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس فیصلہ پر ناخوش ہو گئے تھے، آہستہ آہستہ عام لوگوں میں یہ مشہور ہو گیا، کہ آپ اپنے عزیز اقارب کی بہت رعایت کرتے ہیں ؛

واقعہ شہادت حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۳۲ھ میں سعید بن عاص کوفہ کے عامل تھے، اُنہوں نے اہل کوفہ کے ایک گروہ کو یہ شکایت کرتے سُنا، کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اپنے عہدِ خلافت میں انصاف نہیں کرتے خاص کر اپنے عزیز واقربا سے تو رعایت کرتے ہیں، اور دوسروں کے حقوق کا کچھ خیال نہیں کرتے ؛

چنانچہ حضرت سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اہل کوفہ کی اِن شکایات کی اطلاع خلیفۃ المسلمین یعنی حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کر دی، جس پر آپ نے لکھا کہ اس مفسد گروہ کو امیر معاویہؓ کے پاس شام میں بھیجدیا جائے تاکہ وہ اِن شکایات کا جواب دیکر ان کو راضی کرے، چنانچہ سعیدؓ نے بموجب حکم شکایت کرنے والوں کو امیر معاویہ کے پاس روانہ کر دیا، سعد نے اُن کو بہتیرا سمجھایا، لیکن اس مفسد گروہ نے کچھ نہ مانا، مجبوراً اُن لوگوں کو عبدالرحمٰن بن خالدؓ کے پاس بھیجدیا گیا، عبدالرحمٰن بن خالدؓ اسوقت عامل حمص تھے، اُنکے رعب میں آکر ان مفسدین نے معافی مانگی، اور عبدالرحمٰن نے اِن کو رہا کر دیا ؛

جب یہ لوگ کوفہ میں پہنچے تو وہاں اُنہوں نے اَور بھی ہاتھ پاؤں پھیلائے اَور بہت سے لوگ بانیانِ فساد کی تحریک سے اس گروہ میں شامل ہو گئے، غرضیکہ ان مفسدین نے یہاں تک زور پکڑا کہ حاکم کوفہ سعید بن العاص کو بھی ترچھی آنکھیں دکھانے لگے، آخر کار سعید بن العاص ان مفسدین سے تنگ آکر کوفہ سے دارالخلافت مدینہ شریف میں حاضر ہوئے اور خلیفہ سوئم حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں کوفہ کی بغاوت کے تمام حالات

عرض کرکے اُس کی وجہ یہ بیان کی، کہ اہل کوفہ ابو موسیٰ اشعری کو اپنا عامل بنانا چاہتے ہیں ؛
حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ حالات سُنکر اس نا اتفاقی کو مٹانے کی غرض سے اہل کوفہ کی منشاء کے مطابق حضرت ابو موسیٰ اشعری کو وہاں کا عامل مقرر کرکے روانہ فرمایا ؛
ابو موسیٰ نے خلیفۃ المسلمین کے حکم کے مطابق تمام لوگوں کو جامع مسجد میں بلاکر خطبہ سُنایا جس میں حضرت عثمانؓ کی اطاعت کی تاکید کی گئی تھی، اگرچہ تمام لوگوں نے زبانی آمنّا وصدّقنا کہا، لیکن اُن کی دلی کدورت صاف نہ ہوئی ؛
دراصل مفسدین کی یہ عداوت غلط فہمی پر مبنی تھی جس کو اتفاقیہ واقعات نے اور بھی پختہ کر دیا تھا، ادھر تو اہل کوفہ حضرت عثمانؓ سے بدظن ہو گئے تھے، اُدھر عبداللہ بن ابو سرح کو جب خلیفۃ المسلمین نے مصر کا عامل مقرر فرمایا، تو اہل مصر اس امر کے برخلاف ہو گئے، کیونکہ اُنکی رائے محمد بن ابو بکر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو عامل مصر بنانے کی تھی ؛
لہٰذا عبداللہ بن ابی سرح کو عامل مصر بنے ابھی دو ہی برس ہوئے تھے کہ اہل مصر اُن کی شکایات لیکر دربار خلافت میں آئے، خلیفۃ المسلمین حضرت عثمانؓ نے اہل مصر کی شکایت پر عبداللہ بن ابی سرح کو اہالیان مصر کی شکایت کا حوالہ دیکر ایک تہدیدی نامہ لکھا لیکن عبداللہ بن ابو سرح پر اس کا کچھ اثر نہ ہوا، بلکہ اُس نے شکایت کرنے والوں کو سخت سزائیں دیں، اور بعض لوگ قتل بھی کر دیئے ؛
اس ناقابلِ برداشت صدمات سے تنگ آکر اور آئیندہ حالت کو مدنظر رکھکر قریباً سات سو اہالیان مصر خلیفۃ المسلمین کے پاس عبداللہ بن ابی سرح کے مظالم کی فریاد لائے ؛
چنانچہ حضرت عثمانؓ نے اِن مظلوموں کی فریاد کے مطابق اور حسب الارشاد ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ وحضرت علیؓ ابن ابی طالب کرم اللہ تعالیٰ وجہہ عبداللہ بن ابو سرح کی بجائے محمد بن ابو بکرؓ کو عامل مصر مقرر فرما کر حکمنامہ لکھدیا ؛
اہالیان مصر و دیگر اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم محمد بن ابو بکر کو ساتھ لیکر جب مصر کی طرف

روانہ ہوئے ابھی یہ لوگ تیسری منزل پر ہی پہنچے تھے، کہ ایک حبشی غلام بہت تیزی سے اپنی اونٹنی پر جاتا ہوا انکو دکھائی دیا بعض اصحاب نے اس حبشی غلام کو روک کر پوچھا اتنی جلدی کہاں جاتے ہو! اس نے جواب دیا، کہ میں خلیفۃ المسلمین کی طرف سے عامل مصر کے پاس ان کا حکم نامہ دینے جاتا ہوں، اس کے جواب میں اصحاب نے اس حبشی سے کہا، عامل مصر تو ہمارے ہمراہ ہیں، لاؤ وہ حکم نامہ یہیں ان کو دیدو، اس پر اس حبشی غلام نے محمد بن ابوبکرؓ کو دیکھ کر کہا، نہیں یہ نامہ ان کے نام نہیں ہے، آخر محمد بن ابوبکرؓ نے اس سے پوچھا پھر وہ نامہ کس کے نام ہے، اس سوال پر اس غلام نے کسی قدر تردد کے بعد کہا، کہ عامل مصر عبداللہ بن ابی سرح کے نام ؛

جب وہ نامہ دیکھنے کیلئے اس سے طلب کیا گیا، تو اس نے انکار کر دیا، اس شک کو دور کرنے کے باعث اس غلام کی تلاشی لی گئی، اور وہ نامہ اس سے لیکر پڑھا گیا، تو اس کا مضمون یہ تھا "جب محمد بن ابوبکرؓ اور دیگر اصحاب تیرے پاس آئیں تو ان کو کسی بہانے سے قتل کر دیا جائے، نیز انکے پاس جو فرمان تم کو ملے اسے غلط سمجھا جائے ؛

یہ مضمون دیکھ کر سب لوگ حیران ہو گئے، اور اسی جگہ سے واپس ہوئے ؛

دار الخلافت مدینہ شریف میں پہنچ کر ان لوگوں نے دیگر اصحاب کبار کو جمع کر کے خلیفۃ المسلمین کا وہ نامہ دکھا کر تمام قصہ بیان کیا جس کو سنتے ہی تمام مسلمان حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے برگشتہ ہو گئے، اور بہت سے لوگوں نے تو اسی وقت خلیفۃ المسلمین حضرت عثمانؓ بن عفان کے گھر کا محاصرہ کر لیا ؛

حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہٗ بھی یہ حالات سنکر آپ کے گھر پر تشریف لائے آپ نے اس حبشی غلام اور اونٹنی کو حضرت عثمانؓ کے پیش کر کے آپ سے دریافت کیا، یہ غلام اور اونٹنی کس کی ہے، حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، کہ اونٹنی بھی میری، اور غلام بھی میرا ہے، اس کے بعد آپ کو وہ نامہ دکھایا گیا، اس پر آپ نے قسم کھا کر فرمایا، کہ نہ تو میں نے

یہ نامہ لکھا ہے، اور نہ کسی سے لکھوایا ہے، اور نہ مجھے اس کی کچھ خبر ہے، اس سوال و جواب کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے نامہ کی مہر کی نسبت سوال کیا، کہ اس نامہ پر مہر کس کی ہے؟ مہر کو دیکھ کر حضرت عثمانؓ نے فرمایا، یہ مہر بھی میری ہے ؛

چار سوالوں کے جواب سے تین کا اثبات، اور صرف ایک سوال کی نفی، لوگوں کی نظروں میں یہ واقعہ اور بھی مشتبہ ہو گیا، چنانچہ سب نے یک زبان ہو کر یہی کہا، کہ باوجود اس کے کہ غلام بھی آپ کا اونٹنی اور مہر بھی آپ کی تو پھر یہ نامہ لکھنے والا کون تھا؟

اس لئے بہت جلد یہ فیصلہ کر لیا گیا، کہ بالضرور خط بھی آپ کا ہے، محض ندامت کے خوف سے اس کا اقرار نہیں کیا گیا ؛

کسی امر کا فیصلہ کرنے کیلئے جسقدر ثبوت کی ضرورت ہوتی ہے، اس سے بھی زیادہ اُس پر غلبہ قیاس اور احتیاط کرنے کی اشد ضرورت ہے، اگر عام مسلمان اپنے شک کے مطابق اپنے فیصلہ میں جلدی نہ کرتے تو یقیناً انہیں عقلی دلائل سے کافی مدد ملتی ؛

لیکن یہ قاعدے کی بات ہے، کہ سوئے ظن کا ارتکاب جلدبازی پر ہی منحصر ہے یہی وجہ ہے، کہ دلی شک میں احتیاط کو عملاً دخل نہیں ہوتا ؛

علاوہ اس کے اگر تقدیری معاملات کو واقعات سے وابستہ کیا جائے، تو کہا جاسکتا ہے، کہ اتفاقیہ واقعات کا دوسرا نام تقدیر ہے ؛

لہٰذا اس بنائے واقعہ کا تعلق اگرچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت سے تقدیر کے نام سے منسوب کیا جائے، تو پھر احتیاط اور غور و فکر پر کوئی الزام عائد نہیں ہو سکتا ؛

لیکن اس واقعہ ہائلہ کے متعلق اس بات کی تحقیق نہایت ضروری ہے، کہ اس واقعہ سے خلیفۃ المسلمین حضرت عثمان غنی کو کہاں تک تعلق تھا، اور اس بات کا کیا ثبوت ہے، کہ وہ اس الزام سے پاک تھے ؛

افسوس ہے، کہ کسی اسلامی مورخ نے اس پر بحث نہیں کی، اس لئے ہم یہاں صرف

عقلیہ دلائل کو کام میں لاتے ہیں ؛

واقعہ متذکرۃ الصدر میں سب سے زیادہ اس شبہ کو دخل ہے، ممکن ہے کہ حضرت عثمانؓ نے اپنے مقرر کردہ عامل مصر یعنی عبداللہ بن سرح کو ہی مصر کا عامل رکھنا چاہا ہو، اور انکی شکایت کرنے والوں اور اُن کے منتخب عامل محمد بن ابوبکر کو سزا دینے کے لئے یہ نامہ لکھا ہو۔ اس کا جواب غور و فکر کا محتاج ہے ؛

کہا جا سکتا ہے، کہ اہل کوفہ اور اہلِ مصر کے منظور شدہ عاملوں کی شکایت پر خلیفۃ المسلمین کو توجہ کرنی اگر منظور نہ ہوتی، تو آپ اہلِ مصر کی پہلی شکایت پر کیوں توجہ کرتے اور عبداللہ بن ابی سرح کو اپنے نامہ میں کیوں تنبیہ کرتے، دیگر بحیثیت خلیفۃ المسلمین اگر وہ یہی چاہتے، کہ عبداللہ بن ابی سرح کو ہی عامل رہنے دیا جائے، تو وہ ظاہرا طور پر بھی شکایت کرنیوالوں کی مخالفت کر سکتے تھے[1]، یہ کیا ضرور تھا، کہ وہ در پردہ خلاف اسلام ایسی کارروائی کرتے جو اُنکے اتقا، اُنکی شان اُنکی پارسائی کے سراسر خلاف تھی ؛

اب رہا اُنکے منتخب کردہ عاملوں کا طرزِ عمل اس کے متعلق حضرت عثمانؓ پر کوئی الزام عائد نہیں ہو سکتا، کیونکہ کسی شخص کے ذاتی افعال کو کسی کی ذات سے کیا تعلق ہو سکتا ہے ؛

آخر میں اگرچہ وہ تحریر مروان کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ثابت ہوئی، لیکن اس میں بھی حضرت عثمانؓ کے تعلق کا شک لوگوں کے دلوں میں قائم رہا ؛

مروان کو اگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ محاصرہ کرنیوالوں کے سپرد کر دیتے تو ضرور تھا، کہ وہ قتل کر دیئے جاتے، چونکہ آپ رحمدل تھے، اور آپ نے سوائے شرک و بدعت کے کسی قصور پر اپنے عہد خلافت میں اسقدر جلدی کسی کو بھی قتل نہ کرایا تھا، اس لئے آپ نے قصاص لینے والوں کے سپرد مروان کو نہیں کیا ؛

اس بات سے عام مسلمانوں کو اور بھی شک ہوا، بعض اصحاب نے آپ کو صادق القول سمجھ

[1] جیسے کہ حضرت عمرؓ نے خالدؓ کو معزول کرتے وقت کہا تھا ؛

کہ آپ کے مکان سے واپس لوٹ آئے، لیکن بعض کے دلوں سے آپکی نسبت شک دُور نہ ہوُا، اور اُنہوں نے پُورے طور آپ کے گھر کو محاصرہ میں لے لیا ؛

چنانچہ آپ اپنے اہل وعیال کے ہمراہ گھر کے اندر محصور ہو گئے، بلکہ آپ کے گھر میں پانی کا پہنچنا تک بند کیا گیا ؛

مگر حضرت علیؓ نے بڑی مشکل سے آپکو پانی پہنچایا، لوگوں نے جب یہ حالت دیکھی کہ حضرت علیؓ کی اجازت سے اُن کے دونوں صاحبزادے امام حسن و امام حسین رضی اللہ عنہم آپ کے گھر کے باہر حفاظت کر رہے ہیں، تو حضرت علیؓ سے کہلا بھیجا، کہ اگر مروان کو ہمارے سپرد نہ کیا گیا، تو ہم حضرت عثمانؓ کو شہید کر ڈالیں گے ؛

اگرچہ بہت سے اصحاب کبار بالخصوص حضرت زبیرؓ و حضرت طلحہؓ کے فرزند بھی آپکی حفاظت پر مامور تھے، لیکن مفسدین میں سے دو شخص آپ کو شہید کرنے کیلئے کسی طرح گھر کے اندر پہنچ گئے، جنہوں نے خلیفۃ المسلمین حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کر دیا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ط

آپ کی شہادت سے جب گھر میں کہرام بپا ہو گیا، تو دیگر مسلمان دوڑ کر اندر آئے اور سب اصحاب کبار نے اِس واقعہ ہائلہ پر سخت افسوس کیا ؛

بعض روایات سے ثابت ہوتا ہے، کہ حضرت عثمانؓ کی شہادت سے کچھ وقت پہلے مغیرہؓ بن شعبہ نے آپ سے عرض کیا، کہ "آپ باوجود خلیفۃ المسلمین ہونے کے اس مصیبت میں خود بخود کیوں مبتلا ہیں، تین باتوں میں سے ایک بات کو قبول کر لیجئے ؛

(۱) یا تو باہر نکل کر مفسدین کا مقابلہ کیجئے ؛

(۲) یا کسی طرح آپ یہاں سے نکل کر مکہ شریف میں چلے جایئے ؛

(۳) یا ملک شام میں تشریف لے جایئے ؛

لیکن آپ نے اِن تینوں باتوں کا یہ جواب دیا :-

(۱) مجھ سے یہ ہرگز نہیں ہو سکتا۔ کہ خلیفۃ المسلمین ہو کر مسلمانوں کا خون بہاؤں ؛

(۲) مکہ شریف میں مجھے اسلیئے جانا پسند نہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سُنا ہے۔ کہ جو لوگ بیت اللہ شریف میں فساد برپا کریں گے اُن پر خدا کا عذاب نازل ہوگا ؛

(۳) اب رہا شام کی طرف ہجرت کرنا، یہ بھی مجھے منظور نہیں کہ میں دیارِ مصطفےٰ کو چھوڑ دوں۔ غرضیکہ آپ تقریباً اسی سال کی عمر شریف اور ۳۵ھ میں شہید ہوئے اور جنت البقیع میں سب سے اوّل دفن ہوئے ؛

۳۵ھ تا ۴۰ھ

خلیفہ چہارم حضرت علی کرم اللہ وجہہ
عہدِ خلافت ۴ ماہ کم پانچ سال
تاریخ وفات ۱۷ یا ۲۱ ماہ رمضان المبارک ۴۰ھ عمر مبارک ۶۳ سال

شہادت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد اب یہ اختلاف پیدا ہوا کہ اُن کا جانشین کون ہو مصر کے رہنے والے حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کو خلیفہ بنانا چاہتے تھے، اور بصرہ والے حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اسی طرح کوفہ کے باشندے زبیر بن العوام کو خلیفہ بنانے کے متمنی تھے ؛

مُلک شام کے اکثر مسلمان چونکہ بنی اُمیّہ میں سے تھے، وُہ یہ چاہتے تھے، کہ خلافت حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خاندان میں ہی رہے ؛

اب رہے مدینہ شریف والے اُنکی مرضی بھی یہی تھی، کہ حضرت علیؓ خلیفہ مقرر ہوں کیونکہ جس زمانہ سے حضور پُرنور حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ شریف میں ہجرت کی تھی، مدینہ شریف والے اس وقت سے اہل بیت نبوی کے خیر طلب اور مددگار رہتے آئے تھے، چنانچہ اس وقت بھی وُہ اُسی خیال پر قائم تھے، اس کے علاوہ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کے صبر و رضا قابلیت، شجاعت بردباری کے لحاظ سے قوم ربیعہ اور یمن والے

بھی مدینہ والوں کے ہم خیال ہو گئے تھے، اس لئے اگرچہ تمام گروہوں کے بالمقابل حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ہواخواہوں کی تعداد کئی گنا زیادہ تھی ؛

تاہم اتنی خرابی بھی تھی، کہ وُہ سب لوگ مختلف قبائل اور ممالک ہونے کی وجہ سے بمشکل ایک خیال پر قائم رہ سکتے تھے، سب سے زیادہ تعداد مدینہ والوں کی تھی، جو حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کے سوا کسی اور کو اپنا خلیفہ مقرر کرنا چاہتے تھے ؛

مکہ اور مدینہ شریف کے رہنے والوں میں یوں تو قدیم زمانہ سے چشمک چلی ہی آتی تھی لیکن زمانہ اسلام کے بعد اس کی بنیاد اور بھی مستحکم ہو گئی تھی، یہ اس لئے کہ ہجرت کے بعد جبکہ مدینہ والوں نے مسلمانوں کی مدد کی تو انہوں نے مکہ پر فوج کشی کر کے اُسے فتح کر لیا، اور مدینہ مسلمانوں کا دارالخلافت بنا، اس لحاظ سے تجارت کا رُخ مکہ سے پھر کر مدینہ کی جانب ہو گیا، اور اہل مدینہ کا اثر اور اقتدار روز بروز ترقی پذیر ہونے لگا ؛

ان اسباب سے مکہ والے اور بھی خار کھانے لگے، لہٰذا جبکہ مدینہ کے باشندوں نے حضرت علیؓ سے بیعت کر کے ان کو اپنا خلیفہ بنایا، تو حضرت طلحہؓ اور زبیرؓ نے بھی چار و ناچار اُن سے بیعت کی، چونکہ یہ دونوں اصحاب کبار اپنے اپنے عہدوں سے سبکدوش کر دیئے گئے تھے، اس لئے حضرت طلحہؓ اور زبیرؓ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کو ساتھ لیکر مدینہ شریف سے مکہ شریف میں چلے گئے ؛

اِدھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو خلافت کا خیال آیا، تو انہوں نے خلیفہ سوم حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خون آلودہ کرتہ دمشق کی جامع مسجد میں لوگوں کو دکھا کر شہید خلیفہ کا بدلہ لینے پر اُبھارا، یہ اس لئے کہ حضرت عثمانؓ حضرت معاویہؓ کے عزیزوں میں سے تھے، اور اپنی غلط فہمی سے وُہ یہ سمجھے ہوئے تھے، کہ حضرت علیؓ اور اُن کے معتقدین نے ہی حضرت عثمانؓ کو شہید کیا ہے، گویا ادھر تو حضرت معاویہؓ اور سارا دمشق و مصر حضرت علیؓ

(۱) حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خلیفہ ہوتے ہی حضرت عثمانؓ کے مقرر کئے ہوئے تمام عامل معزول کر دیئے، جن میں حضرت طلحہؓ و زبیرؓ بھی تھے حاکم اضلاع خراساں، سیستان، کرمان کے عامل تھے اُنکے معزول ہوتے ہی ان علاقوں میں بغاوت پھیل گئی ؛

کے مخالف ہو گیا، اور اُدھر طلحہؓ و زبیرؓ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کو مخالفین نے حضرت علیؓ سے بدظن کر دیا ؛

حضرت علیؓ صبر و شکر کا مکمل نمونہ تھے، انہیں مُلکی چالوں اور حکمرانی کی تدبیروں سے کچھ واسطہ نہ تھا، جب یہ اختلاف بڑھا، تو آپ نے کوئی ایسی چال چلنی مناسب نہ سمجھی جو اس طوفانِ مخالفت کو روکتی ؛

بلکہ اِن دنوں میں ہی مغیرہ بن شعبہؓ نے جب آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کو یہ صلاح دی کہ "آپ حضرت معاویہؓ اور حضرت طلحہؓ اور زبیرؓ اور دوسرے عاملوں کو فی الحال اُنہیں کے عہدوں پر قائم رہنے دیں جن پر کہ وُہ لوگ حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت سے مقرر ہیں، پھر جب آپ کا پوری طرح تسلط ہو جائے اور آپ کی بیعت پر سب کے دل متفق ہو جائیں، اور یہ اختلاف فرو ہو جائے، تو اُسوقت جو چاہے کیجئے گا" ؛

لیکن حضرت علیؓ نے ایسی پالیسی کو اختیار کرنا مناسب نہ سمجھا، حضرت طلحہؓ اور زبیرؓ جب مکہ شریف میں پہنچے، تو مکہ والوں نے مدینہ والوں کی شوکت مٹانے کیلئے اِن دونوں اصحاب کو اور اُکسایا اور اُنہوں نے اہالیانِ عراق کو بھی اپنے ساتھ ملانا چاہا، یہ لوگ ابھی بصرہ کے قریب پہنچنے بھی نہ پائے تھے ؛

کہ اُدھر حضرت علیؓ کے معتقدین نے خلیفہ چہارم کو یہ اطلاع کر دی کہ طلحہؓ و زبیرؓ وام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ آپ کے ساتھ جنگ کرنے کی تیاریاں کر رہے ہیں اگر وُہ عراق تک پہنچ گئے، تو سارا عراق بھی اُن کے ساتھ ہو جائیگا، اِس لئے اُن کو راستے میں روک لینا چاہیئے، تاکہ وُہ آگے نہ بڑھنے پائیں ؛

چنانچہ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہٗ بھی اپنی فوجوں کو ساتھ لے کر طلحہؓ و زبیرؓ کے تعاقب میں نکلے اور بصرہ کے قریب مقام جمل پر آپس میں خونریز جنگ ہوئی ؛

جنگ جمل ۳۶ھ غالباً مسلمانوں میں یہ پہلی باہمی جنگ ہے جس میں تقریباً ۱۳ ہزار ار

مسلمانوں کے ساتھ حضرت طلحہؓ و زبیرؓ نے بھی جامِ شہادت نوش فرمایا، اِس پر طرہ یہ ہوُا، کہ حبسکہ بن عتاب قطعی اپنے ہم مذاق ساتھیوں کو لیکر میدانِ جمل سے فرار ہوُا، ان سب لوگوں نے ممالک مشرق کی راہ لی، اور سفر کرتے ہوئے سیتان پہنچ گئے، یہاں کے سب لوگ عامر کے معزول ہوتے ہی باغی ہو چکے تھے، اور ایسے وقت کسی جدید عربی فوج کے پہنچنے کی چونکہ اُن کو اُمید نہ تھی، اُن کے خلاف ان مفرورین کا یہ چھوٹا سا گروہ اُن کی سرزمین میں جب داخل ہوُا، تو عربوں سے مقابلہ کرنے کے گذشتہ مصائب کی تصویر اُنکی آنکھوں کے سامنے پھر گئی، غرضیکہ سیتان والوں نے بلا تامل حبسکہ کے ... آگے سرِ اطاعت جھکا دیا، اِن عربی پناہ گزینوں کو یہ عمدہ موقعہ ہاتھ آیا، اور اُنہوں نے فوراً شہر زرنج پر قبضہ کر کے تمام سیتان کے علاقہ پر متصرف ہو گئے ؛

خلیفہ چہارم حضرت علی کرم اللہ تعالےٰ وجہہٗ کو جب اِس بات کی خبر ہوئی، تو آپ نے عبدالرحمٰن بن جرو طائی کو اُن کی سرکوبی کیلئے روانہ کیا، مگر وہاں معاملہ ہی دگرگوں ہو گیا، عبدالرحمٰن جو مجرموں کو سزا دینے آئے تھے، حبسکہ کے مقابلہ میں خود تو وہیں شہید ہو گئے، اور اُنکی فوج کو شکست دے کر حبسکہ نے اور بھی قوت کے ساتھ سیتان پر حکومت کرنا شروع کی، حضرت علی کرم اللہ تعالےٰ وجہہٗ نے جب یہ خبر سُنی تو وہ سخت پریشان ہوئے، اور عبداللہ بن عباسؓ کو جو اُن دنوں عامل بصرہ تھے، لکھا کہ کسی بہادر افسر کو چار ہزار فوج پر سردار مقرر کر کے سیتان کو اُن لوگوں کے تسلّط سے آزاد کراؤ ؛

چنانچہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ربعی بن کاس عنبری کو چار ہزار آدمیوں کے ساتھ سیتان روانہ کیا، اُن کے ہمراہ حصین بن ابی الحر عنبری نے بھی سیتان کی راہ لی جو ایک زبردست سپاہی تھے، یہ فوج جب سیتان کے قریب پہنچی، تو حبسکہ نے

شہر زرنج سے نکل کر پھر مقابلہ کیا، مگر اب اُس کی حکومت کا زمانہ پورا ہوگیا تھا چنانچہ جبکہ نے میدانِ جنگ میں بڑی بہادری سے اپنی جان دی، اُس کے بعض ہمراہی تو مارے گئے، اور بعض فرار ہوگئے ؛

سندھ پر پہلا حملہ ۳۸ھ

اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت میں یعنی ۳۸ھ کے اخیر میں سندھ پر ایک مستقل اور سخت حملہ کیا گیا، یہی وہ پہلا حملہ ہے، جو خشکی کی طرف سے سرزمین سندھ پر ہوا تھا، دراصل یہ ایک ایسا واقعہ ہے، جو کہ جناب امیر المؤمنین حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت کی اس کمی کو پورا کر دیتا ہے، کہ اُن کے عہد میں کسی غیر ملک پر جہاد نہیں ہوا، یہ حملہ اس طریقے سے ہوا، کہ ثغار بن صغیر حدود ہند پر فوج کشی کرنے کے لئے مامور کئے گئے، اُنکے ہمراہ نامور اور شریف عربوں کی ایک منتخب اور بہادر جماعت تھی، جس میں حارث بن مرہ عبدی بھی تھے ؛

حارث نہایت ہی تجربہ کار اور سربرآوردہ لوگوں میں سے تھے، اس فوج نے اپنے ضروری سامان فراہم کر کے ۳۸ھ کے آخر میں بہرج اور گوہ پایہ کے راستے سے ہندوستان کی طرف کوچ کیا، اور یہ لوگ کامیابی کے پھورے اڑاتے ہوئے کوہستان قیقان پر جا کر حملہ آور ہوئے، یہاں دشمنوں سے ایک سخت مقابلہ کی نوبت آئی، اسلئے تقریباً بیس ہزار قیقانی کوہستانیوں کی فوج اُن کی مزاحم ہوئی، جس نے تمام دروں اور راستوں کو روک لیا ؛

عربوں نے اپنے حملے میں اس زور سے نعرہ اللہ اکبر بلند کیا، کہ غیر معمولی اور ہیبتناک آواز پہاڑوں میں گونج اُٹھی، اور قیقانیوں کے کلیجے دہل گئے، بعض تو گھبرا کر مسلمانوں کے پاس خود بخود چلے آئے اور مسلمان ہوگئے، اور باقی ماندہ لوگوں نے راہ فرار اختیار کی، اس طرح مسلمانوں نے غلبہ حاصل کر کے خوب اچھی طرح مال غنیمت لوٹا اور کامیاب ہو کر واپس آئے ؛

اس کامیابی نے کچھ ایسا حوصلہ بڑھایا، کہ حارث بن مرۃ عبدی نے پھر دوبارہ اطراف ہند پر حملہ کیا، مگر اس حملہ میں اُنکی قسمت خاک ہند میں اُنکو سپرد کرنے کیلئے لائی تھی ؛۔

غرضیکہ دوسرے حملہ میں جبکہ وہ بلاد قیقان پر حملہ آور تھے، کادھر سے امیر معاویہ کے طوفانِ مخالفت کے باعث حارث کو افسردہ کر دیا، اور ۴۲ھ میں کچھ ایسی افتاد پڑی کہ سرحد خراساں کے قریب جانباز اسلام حارث بھی لڑتے لڑتے شہید ہو گئے ؛۔

جنگ جمل کے بعد خلیفہ چہارم حضرت علی کرم اللہ وجہہ اس جنگ میں فتح پانے کے بعد تقریباً ۱۵ روز بصرہ میں تشریف فرما رہے، اس کے بعد کوفہ میں چلے گئے، اور دار الخلافت بھی وہیں منتقل ہو گیا، دار الخلافت کا یہ انتقال اچھا نہ ہوا، کیونکہ مدنی ہواخواہوں کو چھوڑ کر اہل عراق پر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے زیادہ اعتماد کیا ؛۔

یہ واقعات خلافت حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ عنہ کے پہلے ہی سال کے ہیں، گویا منصب خلافت قبول کرنے کے ۷ ماہ بعد یعنی ۵ جمادی الآخر ۳۶ھ میں جنگ جمل واقع ہوئی ؛

جنگ جمل میں حضرت معاویہؓ نے کوئی حصہ نہیں لیا، ان کا خیال تھا، کہ یہ دونوں اصحاب کبار یعنی حضرت طلحہؓ و زبیرؓ ہی حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نپٹ لیں گے مگر جب طلحہؓ اور زبیرؓ دونوں شہید ہو گئے، اور اس جنگ میں حضرت علیؓ کو فتح ہوئی، تو حضرت معاویہؓ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کا معاوضہ لینے کا لوگوں میں احساس پیدا کرنا چاہا، اور اس امر کے متعلق انہوں نے عرب کے ایسے اعلیٰ درجہ کے پالیٹکل لوگوں سے امداد لی، جو دنیا بھر میں ممتاز تھے ؛

عمرو بن العاص بڑے بہادر مدبر، اور بلیغ و فصیح تھے، اُنکی ذہانت عقلمندی قوت بازو کا سکہ ہر شخص کے دل پر بیٹھا ہوا تھا، لیکن خلیفہ سوم حضرت عثمانؓ نے اُن کو مصر کے عہدہ عمل سے سبکدوش کر دیا تھا، حضرت معاویہؓ نے ایسے مدبر شخص کو پھر مصر کی حکومت

کا وعدہ دے کر اپنے ساتھ ملا لیا ؛

غرضیکہ ایسے بہادرانِ اسلام کو ساتھ ملا کر حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خلیفہ چہارم حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اعلان جنگ کر دیا ؛

خلیفہ چہارم حضرت علی کرم اللہ وجہہ جنگ جمل کی فتح کے بعد یہی سمجھے ہوئے تھے کہ اب ان کا کوئی مخالف نہیں رہا، لیکن انہیں یہ خبر نہ تھی، کہ ملک شام میں بڑا ذی اثر شخص موجود ہے، جو اپنی ذات کیلئے لوگوں سے بیعت کی آرزو رکھتا اور خلافت کو اپنے قبضہ میں لانا چاہتا ہے، یعنی امیر معاویہ بن ابی سفیان ؛

جس وقت حضرت عثمانؓ شہید کئے گئے اُس وقت امیر معاویہؓ ملک شام کے امیر تھے، اور قریش کے بہت سے چیدہ چیدہ سردار اُن کے پاس جمع تھے، جو جان و دل سے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مددگار تھے، ہم پہلے عرض کر چکے ہیں، کہ قریش کی برادری میں بنی اُمیہ کی قوت اور تعداد زمانہ جاہلیت ہی سے بہت بڑھی ہوئی تھی، اور منصب نبوت کا بنی ہاشم کے خاندان میں جانا انہیں بہت شاق گذر رہا تھا، اس لئے وہ اور بھی اندرونی عداوت رکھتے تھے جس زمانہ میں مسلمانوں نے مکہ شریف سے ہجرت کی اور بنی ہاشم جو بنی امیہ کی طرف تھے، قریب قریب مکہ معظمہ سے نکل ہی گئے، پھر تو ریاست و امارت کا میدان بنی امیہ کے لئے خالی رہ گیا مسلمانوں سے لڑائیاں ہوئیں، ان سبھوں میں عام فوجی افسری بنی اُمیہ کے ہاتھوں میں ہی رہنے لگی تھی، چنانچہ جنگ بدر وغیرہ کی مشہور لڑائیوں میں امیر معاویہؓ کے والد ابوسفیانؓ ہی فوج کفار کے افسر ہوتے رہے، اس کے بعد جب یہ لوگ مذہب اسلام میں داخل ہو چکے، اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت میں ان لوگوں کو جہاد میں جانا پڑا، تو رفتہ رفتہ کارگذاریاں دکھانے لگے تو بنی امیہ میں سے ابوسفیان کے بڑے بیٹے یزید ملک شام کے حاکم بھی مقرر ہو گئے جن کے فوت ہونے کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں اُنکے دوسرے

بھائی حضرت معاویہؓ بن ابی سفیان اُنکے قائم مقام مقرر ہوئے تھے، خلیفہ سوئم حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی اُن کو شام کی امارت پر قائم رکھا تھا ؛

غرضیکہ اس اقتدار و مناسبت کے لحاظ سے امیر معاویہؓ نے خلیفہ چہارم حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے جنگ کرنے کی ٹھانی تھی، غرضیکہ مقام صفین پر دونوں فوجوں کا آمنا سامنا ہو گیا، اور وہیں لڑائی شروع ہو گئی ؛

جنگ صفین ۳۷ھ

شیر خدا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قوت خداداد کے آگے کس کی طاقت تھی، کہ جو ٹھہر سکتا، آپ نے اس جنگ میں مخالفین کے مُنہ موڑ دیئے۔ قریب تھا کہ امیر معاویہؓ شکست کھا کر ہمیشہ کیلئے امارت و خلافت سے دست بردار ہو جائیں ؛

عین اسی حالت میں جبکہ خوب گھمسان کی لڑائی ہو رہی تھی، حضرت عمروؓ بن العاص نے ایک ایسی چال چلی، کہ جس نے خلافت کو اہلبیت نبوی سے نکالکر بنی امیہ کے قبضہ میں کر ہی دیا، وہ چال یہ تھی، کہ عمروؓ بن العاص نے لڑائی کا رنگ بگڑتا دیکھ کر امیر معاویہؓ کو مغلوب ہوتا پاکر انہیں حکم دیا، کہ قرآن شریف کے اوراق کو نیزوں کی انیوں میں اُڑس کر بلند کریں، اور اس طرح سے کچھ کہنے سُننے کیلئے لڑائی کو روکنے کا اشارہ کریں ؛

چنانچہ حضرت علیؓ کی فوج اس کارروائی سے دھوکا کھا گئی، ہرچند اُن کو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سمجھایا، کہ یہ دشمن کا فریب ہے، میدان تمہارے ہاتھ دیکھ کر وہ التوائے جنگ کی درخواست کر رہے ہیں، تم تھوڑی دیر کیلئے اس طرف خیال نہ کرو ؛

مگر فوج نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کہنا نہ مانا، بلکہ نہایت اصرار کے ساتھ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کو جنگ کے بند کر دینے پر مجبور کر دیا، بالآخر حضرت علی مرتضیٰؓ نے مان لیا، اور جنگ بند ہو گئی ؛

باہمی گفتگو سے یہ قرار پایا، کہ دونوں صاحب اپنے اپنے صالح مقرر کریں اور جو کچھ صالح فیصلہ کر دیں اُسے دونوں گروہ خوشی سے مان لیں ؛

غرضیکہ دونوں فریقوں نے ایک ایک شخص کو اپنی جانب سے حکم مقرر کیا، جن میں سے ایک شخص تو حضرت عمرو بن العاص تھے، جو امیر معاویہؓ کی جانب سے منتخب ہوئے، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں نے ابو موسیٰ اشعری کو اپنا حکم مقرر کیا ؛

عمرو بن العاصؓ اور ابو موسیٰ اشعری میں فطرت ذکاوت کے لحاظ سے زمین وآسمان کا فرق تھا، کیونکہ ابو موسیٰ اشعری ایک سیدھے سادھے خدا پرست آدمی تھے، مگر عمرو بن العاص معاملہ فہم اور مدبر بھی تھے ؛

جب دونوں فریق اس امر پر راضی ہو گئے، کہ یہ دونوں صاحب جو کچھ فیصلہ کر دینگے وہ سب کو منظور و مقبول ہوگا، تو عمرو بن العاص نے ابو موسیٰ سے ایسی پالیسی اختیار کی، کہ اُن کو بالکل اپنے قابو میں کر لیا، یعنی ابو موسیٰ کو یہ سمجھا دیا، کہ امیر معاویہؓ اور حضرت علیؓ دونوں کو خلافت سے علیحدہ کر دینا چاہیئے، اور عام مسلمانوں کے انتخاب سے خلیفہ مقرر ہونا چاہیئے ابو موسیٰ کو اس مفید مشورہ کے قبول کرنے میں کوئی قباحت معلوم نہ ہوئی، اور وُہ اس بات پر راضی ہو گئے، مگر عمرو بن العاص کو اپنی تدبیر پورا کرنے کیلئے ابھی ایک اور ترکیب چلنی باقی تھی، جو انہوں نے اس طرح پوری کی، کہ ابو موسیٰ کو اپنے سے زیادہ مرتبہ والا اور عمر میں بڑا ہونے کی حیثیت سے قابل تعظیم جتا کر اُن سے کہا، کہ پہلے آپ نے جو کہنا ہے، کہدیں، تو پھر میں بھی اپنا خیال ظاہر کر دونگا، ابو موسیٰ دھوکا کھا گئے اُٹھ کھڑے ہوئے، اور انہوں نے عام مسلمانوں کے سامنے بآواز بلند کہا "لوگو! ہم نے اس اُمت کے بارہ میں بہت کچھ غور کیا، مگر ہم کو اس کی بہتری اور فلاح کیلئے اس بات سے بڑھ کر اور کوئی تجویز معلوم نہیں ہو سکی، جس پر میری اور عمرو بن العاص دونوں کی رائے متفق ہو گئی ہے وُہ تجویز یہ ہے، کہ ہم حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ دونوں کو معزول کر دیں، اور عام مسلمانوں کو اس بات کا اختیار دیں، کہ ان دونوں کی علیحدگی کے بعد وُہ جسے چاہیں اپنا حاکم بنا لیں، لہٰذا تم لوگ بخوبی سُن لو کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو عہدہ خلافت سے

علیحدہ کر دیا ہے، اب تم اپنا کام خود سنبھالو، اور جسے خلافت کے لائق سمجھو، اُسے اپنا خلیفہ مقرر کر لو"، ابو موسیٰ اشعری اسقدر کہہ کر جب بیٹھ گئے، تو عمرو بن العاصؓ نے اُٹھ کر کہا" اس میں کوئی شک نہیں، کہ جو کچھ ابو موسیٰ نے کہا، وہ تم سب لوگ سُن چکے ہو یعنی اُنہوں نے اپنے ساتھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلافت سے علیحدہ کر دیا ہے، اور میں بھی اُن کو اس عہدہ سے ویسا ہی برطرف کرتا ہوں، جیسا کہ خود اُنکے حکم نے کہا ہے، لیکن میں اپنے دوست امیر معاویہؓ کو خلافت پر قائم کرتا ہوں، وہ اس لئے کہ امیر معاویہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ولی اور اُنکے خون کا معاوضہ چاہنے والے ہیں، اور تمام لوگوں سے بڑھ کر مرتبہ پانے کے حقدار ہیں"۔

عام مسلمانوں نے جب یہ گفتگو سُنی تو اُنہیں پورا یقین ہو گیا، کہ یہ سب فریب ہے عمرو بن العاص کی پالیسی کامیاب ہو گئی، ہم نے غلطی کی جو اس چال میں پھنس گئے ۔

کاش اس کارروائی کا اثر اگر صرف اسی قدر رہوتا، کہ اگر معاویہؓ ہی خلیفہ مقرر ہو جاتے لیکن افسوس تو یہ ہے، کہ اس بات نے خود حضرت علیؓ کے ساتھیوں کو دو حصوں میں منقسم کر دیا، ان میں سے کچھ لوگوں نے تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو اس فیصلہ کیلئے حکم قبول کرنے پر ملامت کی اور وہ لوگ ناراض ہو کر اُن کے حکم سے نکل گئے، جن کا نام خوارج ہوا، اس طریقہ پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ دو دشمنوں میں گھر گئے، یعنی ایک تو امیر معاویہؓ مدعی خلافت دوسرے اُن کے نافرمان ساتھی، اس اختلاف نے یہاں تک طول پکڑا، کہ حضرت علیؓ کی خلافت معرض زوال میں آ گئی ۔

بعض شخص خود مختار آزاد اور بے خوف ہو گئے، بعض نے امیر معاویہ کی بیعت کر لی اور بعض نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ساتھ دیا ۔

یہ طوفان مخالفت برابر دو سال رہا، اور بعض شرارتی لوگوں کو شرارتیں کرنیکا خوب موقع ملا ۔

غرضیکہ ایسے ہی لوگوں میں سے تین شخصوں نے جن کے نام بھی بعض مورخوں نے لکھے

ہیں، (ایک عبد الرحمٰن ابن ملجم المراوی، دوسرا برک بن عبد اللہ تیمی، تیسرا عمرو بن بکیر التیمی) یہ ارادہ کیا، کہ حضرت علیؓ، امیر معاویہ، عمرو بن العاص، ان تینوں کو قتل کر دینا چاہیئے، تاکہ یہ تمام اختلافات دور ہو جائیں، اور کسی کو کسی کا خوف نہ رہے ؛

شہادت خلیفہ چہارم حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سنہ ۴۰ھ

چنانچہ ابن ملجم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اور برک نے امیر معاویہ کو بکیر نے عمرو بن العاص کو قتل کرنے کا کام اپنے اپنے ذمہ لیا، اور اس ناپاک اقرار کے مطابق، کہ تینوں حضرات ایک ہی رات میں قتل کر دیئے جائیں، ان تینوں ظالموں نے اس اس شہر کی راہ کی جہاں جہاں ان بدبختوں کے مقتول موجود تھے ؛

چنانچہ حضرت علیؓ کوفہ میں قیام پذیر تھے، ان کا بدبخت قاتل ابن ملجم کوفہ میں پہنچا، اور حضرت علیؓ کے شہید کرنے کا موقعہ سوچتا رہا ؛

غرضیکہ ایک روز یعنی ۱۷ ماہ رمضان سنہ ۴۰ھ کو جبکہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اپنے مکان سے نماز ادا کرنے اور لوگوں کو بھی نماز کیلئے جگاتے ہوئے نکلے اسی وقت ہی بدبخت شقی القلب ابن ملجم نے آپ کے چہرہ مبارک پر تلوار کا ایسا بھرپور وار کیا کہ آپ کی کن پٹی تک کٹ کر دماغ تک پہنچ گئی، لوگ اس واقعہ کو دیکھتے ہی اس بدبخت قاتل پر ٹوٹ پڑے اور اس کو گرفتار کر لیا گیا، لیکن خلیفہ چہارم حضرت علی کرم اللہ تعالےٰ وجہہ اس زخم سے جانبر نہ ہو سکے، صرف ایک روز جمعہ کا زندہ رہے، ہفتہ کے دوسرے روز آپ نے اس جہانِ فانی سے انتقال فرمایا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

امام حسن و حسین اور عبد اللہ بن جعفر رضوان اللہ تعالیٰ علیہم نے آپ کو غسل دیا اور امام حسنؓ نے نماز جنازہ پڑھائی، اور دار الامارۃ کوفہ میں آپ دفن کئے گئے ؛

حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ عہد خلافت ۶ ماہ . . . . . ماہ ربیع الاوّل سنہ ۵۰ھ میں زہر سے شہید کئے گئے

حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کی شہادت کے بعد مطیع اور پیرو کار اصحاب نے آپ کے بڑے صاحبزادے حضرت امام حسن رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے بیعت کی، لیکن امیر معاویہ اس

وقت تک برابر اپنے لئے خلافت کا مطالبہ کر رہے تھے ؛

چنانچہ امیر معاویہؓ نے حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ بھی جنگ کرنی چاہی اگرچہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ باہمی نزاع اور جنگ کو پسند نہ کرتے تھے، لیکن آپ کے ساتھیوں میں بعض بہادر لوگوں نے آپ کو مقابلہ کیلئے تیار کیا، اور حضرت امام حسنؓ نے قیسؓ بن سعد بن عبادہ کو بارہ ہزار لشکر کے ساتھ امیر معاویہؓ کے مقابلے کو روانہ کر دیا تاکہ وہ امیر معاویہؓ کے لشکر کو کوفہ کی طرف بڑھنے سے روکیں ؛

اس کے بعد حضرت امام حسنؓ بھی اپنے ساتھیوں کے ساتھ وہاں پہنچے، جب امیر معاویہؓ اور امام حسنؓ کی فوجوں کا آمنا سامنا ہوا، تو حضرت امام حسنؓ نے عام لوگوں کا رجحان امیر معاویہؓ کی طرف دیکھ کر امیر معاویہؓ کے پاس ان شرائط کے ساتھ پیغام صلح بھیجا ؛

(۱) میرے اہل بیت کی بسر اوقات کیواسطے عراق اور کوفہ کا خزانہ ہمارے ساتھ کر دیا جائے

(۲) کوفہ کی سالانہ آمدنی ہمارے اخراجات کے واسطے قائم رکھی جائے ؛

(۳) آپ اپنے بعد اپنا جانشین خود نامزد نہ کریں، بلکہ عام لوگ جس کو چاہیں اپنا حاکم بنائیں

غرضیکہ امام حسن علیہ السلام نے ان تینوں شرائط کے منظور کرانے پر امیر معاویہ سے یہ بھی اقرار کر لیا، کہ میں خلافت سے دست بردار ہو جاؤنگا ؛

امیر معاویہؓ تو یہی چاہتے تھے، انہوں نے حضرت امام حسنؓ کی ان تینوں شرائط کو غنیمت سمجھ کر منظور کر لیا، آخر صلح ہو گئی، بلکہ حضرت امام حسنؓ نے خلافت سے دست بردار ہو کر امیر معاویہ کی خلافت تسلیم کر لی ؛

حضرت امام حسین علیہ السلام کو یہ صلح سخت ناگوار گذری کیونکہ اُنکے دل میں بہادری کا جذبہ جوش زن تھا، لیکن اپنے بڑے بھائی کا ادب ملحوظ خاطر رکھ کر اس وقت خاموش ہو گئے ؛

غرضیکہ حضرت امام حسنؓ چھ ماہ کے عرصہ میں ہی خلافت راشدہ کو ہمیشہ کیلئے ختم

کر کے گوشہ نشین ہو گئے ؛

اُمور مملکت سلطنت اسلامی و خلافت راشدہ کا خاتمہ

اسلامی حکومت کا ۱ھ میں مدینہ شریف میں آغاز ہوا ان دنوں مسلمان صرف صحابہ رضوان اللہ اجمعین تھے، جن کی تعداد چند دہائیوں سے زیادہ نہ تھی، ان میں سے کچھ تو مہاجر تھے، اور تھوڑے انصار اس لئے انہوں نے اسلامی حکومت کی بنیاد، مساوات برادرانہ برتاؤ، اور ایک دوسرے کی مدد کرتے رہنے پر رکھی ؛

ہم ذکر کر چکے ہیں، کہ حضور پرنور آنحضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے مابین بھائی چارے کی رسم قائم کی تھی، اور اس رشتہ برادری کی مضبوطی یوں فرمائی تھی کہ تمام مسلمانوں کا مال اور اُن کے کاروبار ایک کر دیئے گئے تھے، اس طرز عمل سے تمام لوگوں کے کاروبار کو ایک کر دینا، اتحاد کا عملی سبق تھا، اور ان دنوں حکومت کے تمام کاروبار صرف ہادی اسلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات ستودہ صفات پر ہی منحصر تھے، حکومت، انتظام، مُلک، اور دین صرف یہی تین چیزیں اس وقت حکومت اسلامی کی بنیاد تھیں ؛

چنانچہ مسلمانوں نے سب سے پہلے نماز، زکوٰۃ اور دیگر مذہبی فرائض پر عمل کیا اور ان کے جو نتائج مابعد میں ظاہر ہوئے ہیں، وہی تاریخ اسلام ہے ؛

خوشنودی خُدا کے علاوہ با جماعت نماز ادا کرنے کا نفع دنیا میں باہمی اتحاد کا بڑھنا اور امام کی اطاعت کا عادی ہونا تھا، زکوٰۃ حکومت کی بیخ بنیاد اور اُس کے کاروبار کی اصل ہے، وہ اس لئے کہ بیت المال اسی سے قائم تھا ؛

یہ امر مخفی نہیں، کہ سلطنتوں کے انتظامات مختلف طریق پر ہوتے ہیں، جن میں مُلکی، جمہوری، مطلق، اور مقید چار قسم کی حکومتیں پائی جاتی ہیں، اور ہر سلطنت کے قواعد و ضوابط دوسری حکومت کے آئین و قوانین سے جدا ہوتے ہیں، جن کے تفصیل کی اس مختصر بیان میں گنجائش نہیں ؛

لیکن جس قدر حکومتیں ہیں، وہ سب آخر کار دو بنیادی باتوں میں مشترک پائی جاتی

ہیں، وہ دو باتیں یہ ہیں، (۱) مال (۲) سپاہ، سلطنت خواہ کوئی سی ہو، اُس کے قواعد وقوانین چاہے، کچھ ہی کیوں نہ ہو، لیکن اس میں مال اور سپاہ کا وجود ضرور ہوگا کیونکہ بغیر ان دونوں چیزوں کے سلطنت کا وجود قائم ہی نہیں رہ سکتا، اور اکثر صورتوں میں تو یہ دیکھا جاتا ہے، کہ قیام حکومت کی ابتدائی حالت میں بہ نسبت حالت مابعد ان دونوں باتوں کا وجود زیادہ ضروری پایا جاتا ہے ؛

اسلامی حکومت کے اوائل میں ہر ایک مسلمان سپاہی تھا، اور نماز کے ذریعہ انکا اتحاد اور اُن کے باہمی برادرانہ تعلقات فوجی نظام تھے، اور زکوٰۃ سے وہ مال مراد ہے، جو فوج کو قائم رکھنے کیلئے لازم ہوتا ہے، لہٰذا اسلامی سلطنت کے بنیادی اُمور صرف قرآن شریف کی اس آیت میں درج ہیں "وَاَقِیمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکوٰۃَ وَارْکَعُوا مَعَ الرَّاکِعِینَ" زکوٰۃ سے اس رشتۂ اتحاد کا مزید استحکام مقصود تھا، جو اسلام کی بنیاد ہے، وہ اس طرح کہ مالدار مسلمانوں سے کچھ رقم اُن کے زائد مال میں سے لیکر غریب مسلمانوں کو دیدی جاتی تھی، گویا کہ لینے میں زکوٰۃ اور دینے میں صدقہ کے طور مستعمل ہوتی تھی ؛

چنانچہ ہادیٔ اسلام نبی کریم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ بن جبل کو یمن کی طرف روانہ کرتے ہوئے فرمایا تھا ؛

"تم عنقریب ایک صاحب کتاب قوم کے پاس پہنچو گے، اُن کو اس بات کی گواہی دینے کی طرف بلانا، کہ پرستش کے قابل کوئی معبود بغیر اللہ کے نہیں ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم خُدا کے رسول ہیں، اگر وہ لوگ اس بات کو مان لیں تو اُن کو بتادینا، کہ خداوند پاک نے رات اور دن میں ان پر پانچ نمازیں فرض کی ہیں، اگر وہ لوگ اس بات کو بھی تسلیم کریں، تو پھر یہ کہنا، کہ حق تعالےٰ نے مالداروں پر زکوٰۃ بھی فرض کی ہے، جو اُن سے لیکر انہیں کے غربا میں تقسیم کی جاتی ہے، بس جس وقت وہ لوگ اس امر کی بھی اطاعت کریں، تو خبردار اُن کے مال اور دولت سے تعرض نہ کرنا، اور مظلوم کی آہ سے بچتے رہنا، کیونکہ مظلوم

کی آہ اور جناب باری تعالیٰ کے مابین کوئی حجاب نہیں ہے"۔

حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ ارشادات پڑھتے ہی زکوٰۃ نماز و شرع اسلام کا فلسفہ حل ہو سکتا ہے، زکوٰۃ کو مالداروں پر واجب قرار دینے اور محتاج و مسکین لوگوں کو تقسیم کرنے میں ایک قابل قدر حکمت مخفی ہے، اس لئے کہ یہ بات غربار کو راضی کرنیوالی ہے جن کی تعداد بہت زیادہ ہے، خاص کر ایام جاہلیت میں جو کہ ظلم اور خود نمائی کا زمانہ گذرا ہے، ایسا برتاؤ ہونا اور بھی مناسب تھا ؛

اسلام کمزور کی امداد اور اُسے طاقتور کا ہم پلہ بنا دینے کیلئے دنیا میں آیا اور اُس نے اپنا یہ عمل پورا کیا ؛

اس وجہ سے جو لوگ ہادیٔ اسلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن تھے، وہ سب سردار قوم تھے، جن کو یہ بات بُری لگتی تھی، کہ اپنی قوم کے غریب لوگوں کو اپنا مال و دولت کا حصہ دار بنائیں، اور وہ مسکین اُن کے بھائی بنیں ؛

جنگ بدر کبریٰ کے بعد ۲ھ میں غنائم اور جزیہ کی آمدنی میں اور بھی اضافہ ہوا، اس وقت سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت تک سلطنت کے کاروبار کا انحصار زکوٰۃ پر ہی رہا ہے، جو کہ مالدار مسلمانوں سے لیکر غربار میں تقسیم کی جاتی تھی، اور جنگ و جہاد سے حاصل شدہ مالِ غنیمت مجاہدین کے مابین بانٹا جاتا تھا، اور ذمی یعنی یہود و نصاریٰ میں سے جو مسلمانوں کی زیرِ حفاظت تھے، ان پر جزیہ وغیرہ محاصل کا مقرر کرنا ان تمام کاموں کے والی اور افسر خود نبی کریم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم یا اُن کے خلیفہ ہوتے تھے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس جس قدر مال کہیں سے آتا تھا، وہ تمام مال مسلمانوں میں برابر تقسیم کر دیا جاتا تھا ؛

چھوٹے بڑے آزاد، غلام، مرد، عورت کا کوئی امتیاز و تفریق نہ تھی ؛

لیکن اگر مال غنیمت ہوتا تھا، تو اس میں سے خلفا بھی اپنا حصہ لے لیا کرتے تھے، مگر اسی قدر جس قدر ایک غریب سے غریب مسلمان کے حصہ میں آتا تھا ؛

اس تقسیم کا قاعدہ یہ تھا، کہ جس وقت باہر کے ملکوں سے مال و متاع مدینہ شریف میں آتا تو مسجد نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) میں لاکر رکھا جاتا تھا، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا خلیفہ اُسے بغیر کسی قید اور ضابطہ کے اپنی مرضی کے مطابق لوگوں میں تقسیم کر دیتے تھے، یہاں تک کہ اس مال غنیمت میں ایک پائی تک باقی نہ رکھتے تھے ؛

مگر حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت میں جبکہ فتوحات کا دائرہ وسیع ہؤا، اور نئے نئے ملک مسلمانوں کے قبضے میں آنے لگے، اہل عرب رومیوں اور فارسیوں سے ملنے جلنے لگے، تو اُن کی آمدنیاں بڑھ گئیں، اور یہ کیفیت ہوئی، کہ چاروں طرف سے مال و دولت پھٹ پڑا اس لئے خلیفہ دوم مجبور ہوئے کہ اُسے ضبط و قید میں رکھیں، اور آمد و خرچ کی تعین کریں، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سوچا، کہ آمدنیوں کو دفتروں میں ضبط کیا جائے، اور اس میں سے ہر سال لوگوں کو بقدر استحقاق وظیفہ دینے کے بعد جو رقم باقی بچے اُسے وقت ضرورت کیلئے محفوظ رکھا جائے ؛

لہذا حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے ۲۰ھ میں یہ انتظام شروع کرنے کے اس عمل کو دیوان کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے، حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے جب اپنے گرد و پیش کے مسلمانوں پر غور کی نظر ڈالی تو اُن کے کئی طبقے اور درجے پائے، جو حکومت اسلامی کے قیام و توسیع میں اُن کے مؤثر ہونے کے لحاظ سے قائم ہوتے تھے، اس لئے اُن کو مناسب معلوم ہوا، کہ اُن میں سے ہر شخص کا وظیفہ اُس کی خدمات کے لحاظ سے مقرر کریں، مگر ساتھ ہی اس کے انہوں نے قرابت نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) کا بھی خیال رکھا، اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے رشتہ داروں کو ایک خاص طرز پر ممتاز بنایا دفتروں کی درستی اور ترتیب میں ایک محرر مقرر کیا، جو اُن کی دیکھ بھال اور حساب و کتاب

میں مشغول رہتا تھا ؛

پھر جس زمانہ میں مدینہ شریف میں بکثرت مال آنے لگا، تو اس وقت حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے ایک خزانہ یا بیت (گھر) بھی تعمیر کر دیا، جس کا نام بیت المال رکھا گیا ؛

بیت المال کا قائم کرنا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولیات میں سے ہے ؛

خلافت راشدہ کے عہد میں سلطنت کے عہدہ دار حسب ذیل تھے، خود خلیفہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم، اعمال، (منتظم شہروں کے) کاتب (جو خطوط کا محافظ تھا) خزانچی (جو بیت المال کا نگران ہوتا تھا، قاضی (جو مقدمات کا فیصلہ کیا کرتا تھا)

غرضیکہ کوئی سلطنت کوئی قوم خلافت راشدہ کے طرز تمدن طریق حکومت، عدل و انصاف، جرأت استقلال، اتقا و زہد، غربا پروری کا مقابلہ نہیں کر سکی، اور نہ کر سکتی ہے ؛

خلفائے راشدین کا طریقہ جو ان مقدس اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے انتخاب خلفائے کے معاملہ میں برتا، ان تمام طریقوں سے افضل تھا، جو آجتک کی متمدن قوموں نے بڑی کوششوں اور کاوشوں کے ساتھ اختیار کئے ہیں، خلفاء راشدہ کا طرز عمل جمہوری، شاہی، شوریٰ تینوں طریقوں کا جامع تھا ؛

جمہوری اس طرح پر تھا، کہ خلیفہ کا انتخاب عام اہل قریش میں سے بلا کسی حصّہ اور تعین کے ہوتا تھا، اور

شوریٰ اس طرح کہ انتخاب عام مشورہ سے ہوتا تھا، اور مطلق العنان حکمرانی اس میں یوں پائی جاتی تھی، کہ جب کوئی خلیفہ منتخب ہو کر کاروبار مملکت کی باگ پر قابض ہو جاتا تھا، تو وہ بلا قید و بندش کے جو چاہے کر سکتا تھا، لہٰذا جب ان امور مذکورہ بالا پر چاروں شرطیں بھی اضافہ کر دی جائیں، جو ہم نے ابھی بیان کی ہیں تو یہ حکومت بلاشبہ تمام اقسام حکومت سے افضل و اعلےٰ پائی جائیگی، اس لئے، کہ جب

مطلق العنان حاکم منصف ہو، اور اسی کے ساتھ علم و لیاقت، انتظام اور استقلال و قابلیت سے بہرور ہو تو پھر کاروبار سلطنت کے ترقی دینے اور اس کا دائرہ وسیع کرنے اور اپنی رعایا کو موافق رکھنے میں اس سے بڑھ کر کوئی حاکم صاحب قدرت نہیں ہو سکتا، یہ سب دنیاوی خصوصیات ہیں، علاوہ ان کے خلفاء میں تقویٰ زاہدانہ زندگی، صبر و ضبط رحم انصاف وغیرہ کی صفات اُن کے گذشتہ حالات میں ہم نے بیان کر دی ہیں ؛

لیکن خلفاء راشدین کے عہد خلافت کے بعد نہیں - بلکہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد مبارک کے بعد ہی اگرچہ ہادی اسلام خیر الانام علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اسوۂ حسنہ کی متابعت میں بشریت حائل ہو گئی تھی - تاہم خلفاء راشدین کی یہ خلافت ہی وہ قوت بانظام ملکی ہے جس کی تقلید میں مدبرین یورپ اپنا اپنا ازم دنیا میں رائج کرنے کے لئے سرٹیک رہے ہیں۔

مگر اُن کے تمام ایسے ازم چونکہ کائنات عالم کے مالک کل وحدہٗ لاشریک لہٗ کے اسلامی احکام سے عاری ہیں - اس لئے تمام ازم نقائص سے بھی خالی نہیں - کاش کہ آج کل کے ایسے مدبرین یورپ اپنی ذہنی کاوشوں کو اپنے خالق اکبر کے پہچاننے میں صرف کرتے اور اس مالک حقیقی پر یقین رکھتے ہوئے اُس کے پیغمبر اعظم ہادیٔ اسلام خیر الانام علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قانون اسلام پر عمل پیرا ہوتے تو ایسا ہی ازم نہ صرف دنیا میں مساوات و حقوق و فرائض انسانی کا حائل ہوتا - بلکہ اس قوت کو دنیا کی کوئی طاقت عدوم نہ کر سکتی -

بہت ممکن ہے - کہ کسی وقت سے ہر کمالِ را زوال کے مطابق خلفاء راشدین کا یہ عہد مہدلت دنیا میں لوٹ آئے لیکن ہمیں تسلیم کرنا پڑے گا۔

"کہ خلفائے راشدین کی اس قوت یا تنظیم یا خلافت کے بعد ہی اس کا جو انحطاط شروع ہوا - وہ خلفاء بنی امیہ کے عہد خلافت میں ہی ظہور پذیر ہو کر خلفاء عباسیہ کے عہد حکومت

سے تبدیل ہو گیا۔

اہل بیت نبوی ؐ کے استحقاق کو نظر انداز کر کے اپنے خاندان بنی اُمیہ میں خلافت کی بنیاد قائم کرنے والے بے شک حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ جو حضور پُر نور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے اکابر صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین تھے۔ اور اگر اقتضائے وقت انقلاب زمانہ کے لحاظ سے اُن سے کچھ غلطیاں ہوئیں۔ وہ قدرت کے ہونے والے واقعات کے مطابق ہوئیں۔ یا ان کی بشریت سے بہر حال ان کی اس دنیاوی غلطیوں کو دین سے ملوث کر کے اُن کے رتبہ صحابیت سے ہی انکار کر دینا یقیناً تعصب و جہالت پر مبنی ہے۔

جلد خلفاء راشدین ختم

ملنے کا پتہ

حاجی ملک دین محمد اینڈ سنز پبلشرز و تاجران کتب کشمیری بازار لاہور

۷۸۶

وعد اللہ الذین آمنوا منکم وعملوا الصالحات لیستخلفنہم فی الارض

تاریخ اسلام

جلد سوم

۴۰ھ تا ۱۳۲ھ

مطابق

۶۶۲ء تا ۷۵۲ء

مکمل تاریخ خلفاء بنی امیہ

مؤلفہ

(عبدالرحمن صاحب شوق - امرتسری)

(بعد حصول حقوق)

برائے فرم

حاجی ملک دین محمد اینڈ سنز پبلشرز و تاجران کتب کشمیری بازار لاہور

جس کو

ملک محمد عارف خالق پرنٹر دین محمدی پریس اسٹیم پریس سرکلر روڈ لاہور نے اپنے مطبع

کشمیری بازار لاہور سے شائع کیا

بنی اُمیہ کے عہدِ خلافت کے متعلق

چند گزارشات

"بنی اُمیہ کے عہدِ خلافت کی داغ بیل اگرچہ حضرت امیر معاویہؓ کے اس ابتدائی وقت میں ہی پڑ چکی تھی جبکہ ہادیٔ اسلام خیر الانام علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کو ملک شام کا ناظم مقرر فرمایا تھا۔

مامور من الرسول صلعم کے اس تقرر کا پاسِ ادب کرتے ہوئے ہی حضرت ابوبکر صدیق وحضرت عمر فاروق رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین نے ان کی شخصیت اور نظم ونسق میں دخل نہ دیا۔ اور ان ہر دو خلفاء اکبر کے زمانہ میں ہی امیر معاویہؓ نے ملک شام میں اس قدر قوت واقتدار حاصل کر لیا تھا کہ حضرت عثمان وحضرت علی رضوان اللہ تعالیٰ عنہما نے بھی ان کو ملک شام سے معزول کرنے کی جرأت نہ فرمائی۔

چنانچہ امیر معاویہؓ کے تقرر کی یہ مدت بھی اگرچہ خلفاء بنی امیہ کی بنیاد کا موجب ہوئی۔ تاہم اس بنیاد کو انہوں نے نہ صرف ملک شام کی زرخیزی وکثرت محاصل کی بدولت بلکہ بنی ہاشم کو عطیات وتحائف عطا کرکے نیز اکابر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کی خاطر مدارات کرنے کے باعث مستحکم کر دیا تھا۔

اگرچہ اس استحکام بنیاد خلافت بنی امیہ کو اُن صحابہ کرامؓ سے بھی وابستہ تعلق ہے۔ جو نہایت دور اندیش مصلحت کوش اور دانشمند ہونے کے لحاظ سے امیر معاویہ کے دست راست تھے۔

لیکن باوجود اس اظہار صداقت کے اس اظہارِ حق کو بھی فراموش نہیں کیا جا سکتا گو مشیت ایزدی یہی تھی۔ کہ وُہ بنی امیہ کے عہدِ خلافت کے بانی بنے البتہ اپنے بیٹے کو خود عہدۂ خلافت تفویض کرنا ان کی بشریت اور اس دنیاوی محبت سے ملوّث ہے جو فطرتاً باپ کو بیٹے سے ہوا کرتی ہے۔

شوق

تاریخِ اسلام

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جلد سوم

خلافت بنی اُمیّہ

سنہ ۴۰ھ تا سنہ ۱۳۲ہجری (مطابق) سنہ ۶۶۲ء تا سنہ ۷۵۲ عیسوی

بنی اُمیّہ کی خلافت کے اسباب

اگرچہ خود امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور تمام وہ لوگ جنہوں نے اُن سے بیعت کر لی تھی یہ جانتے تھے، کہ اہلبیت نبوی بہ نسبت اُن کے منصب خلافت کے زائد مستحق ہیں، باوجود اس کے جن اسباب نے امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اہلبیت کے ہاتھوں سے خلافت کو نکال لینے اور پھر اُسے اپنے ہی گھرانے سے مخصوص کر دینے میں مدد پہنچائی، ان اسباب پر نہایت انصاف کے ساتھ غور کرنے کی ضرورت ہے ؛

یوں تو بہت سی وجوہات ہیں جنمیں سے بعض کا ہم ذکر بھی کر چکے ہیں لیکن انہی وجوہات میں سے ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے، کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنی قوت و شوکت کے مستحکم بنانے میں اسلام کے مشہور مدبروں اور جانشین لوگوں سے بہت کام لیا جنہیں طرح طرح کا لالچ دلا کر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھ ملا لیا تھا ؛

ان لوگوں میں سے عمرو بن العاص بھی تھے جنہیں حکومت مصر کا لالچ دیا گیا تھا۔ دوسرے صاحب زیاد بن ابیہ ہیں اس شخص کے باپ کا پتہ معلوم نہیں ہوتا، مگر وہ بڑا چالباز اور مدبر شخص تھا، اس کی نسبت امیر معاویہؓ نے ایسا من گھڑت قصہ بنایا جس کے ذریعے سے ایسے شخص کو اپنے سلسلہ نسب میں شامل کر لیا یعنی لوگوں کو اس بات پر

مطمئن کر دیا کہ زیاد اُن کے باپ ابوسفیان کا فرزند اور ان کا بھائی ہے، چنانچہ امیر معاویہ نے اس کا نام بھی زیاد بن ابوسفیان رکھ دیا ؛

امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حکومت بنی اُمیہ کی بنیاد ڈالنے میں طرح طرح کی تدبیروں سے کام لیا، انہوں نے عام لوگوں کو اپنا جاہ و جلال رعب داب دکھا کر اپنا مقرب بنایا اپنے زور و قوت کے بڑھانے میں بیدریغ مال دولت خرچ کیا ؛

اگر ملک شام کی زرخیزی اور کثرت محاصل امیر معاویہؓ کو عطایا و انعام کا موقع نہ دیتی تو وہ کبھی اپنے مدعا کے حاصل کرنے میں کامیاب نہ ہوتے اور اپنی شوکت نہ بڑھا سکتے چونکہ اُنہوں نے بے دریغ لوگوں کو انعام و اکرام بانٹنے شروع کیے، خاص کر اس قسم کے عطیات بنی ہاشم کو زیادہ دیتے رہتے جس سے امیر معاویہؓ کی یہ غرض تھی، کہ ان کے اپنے ہاتھ سے خلافت کو نکال لینے کے باعث جو عداوت اور کینہ اُن کے دلوں میں پیدا ہو گیا ہے، اُس کی آگ دبی رہے بغرضیکہ ؎ "زر بر سر فولاد نہی نرم شود" یہ عمل کر کے اُن کو بگڑنے اور بر سر پر خاش نہ آنے دیا جائے ؛

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی عادت تھی، کہ جس وقت بنی ہاشم میں سے کوئی شخص اُن کے پاس آتا، تو اُس کی بڑی خاطر مدارات کیا کرتے تھے، اور اُس کے راضی اور خوش رکھنے اور حاجتوں کو پورا کر دینے میں بہت کچھ مبالغہ کیا کرتے تھے، اکثر ایسا بھی ہوتا تھا، کہ بنی ہاشم جبکہ امیر معاویہؓ کے یہاں آتے تو اُن سے اپنے اُن حقوق کا ذکر کیا کرتے تھے، جو انہیں منصب خلافت کے متعلق حاصل تھے، بلکہ صاف صاف کہہ گذرتے تھے، کہ امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی چال کے ساتھ یہ منصب ہمارے ہاں سے نکال لیا ہے، لیکن امیر معاویہؓ یہ سب کچھ سنتے تھے، اور دم نہ مارتے تھے بلکہ چشم پوشی کر کے اُنہیں مال و منال دیتے اور ضبط و تحمل سے انکی زبانیں بند کر دیتے تھے جیسے کہ ایک روایت ہے کہ ایک ضعیفہ نے بنی ہاشم کے استحقاق خلافت کے

متعلق برسردربار امیر معاویہؓ سے کہا کہ تم نے بہت بُرا کیا، کہ اپنے چچیرے بھائی بنی ہاشم کا حق غصب کرکے خود خلافت پر مامور ہو گئے، لیکن معاویہؓ نے اُس ضعیفہ کو یہ جواب دیا، کہ خداوند تعالےٰ معاف کرنے والا ہے، اور دو ہزار درہم دیکر اُس ضعیفہ کا مُنہ بند کر دیا ؛

سنہ ۴۱ھ تا سنہ ۵۹ھ

حکومت بنی اُمیہ کا خلیفہ اول
حضرت امیر معاویہ بن ابی سفیان عہد حکومت ۲۰ سال عمر اسی سال

حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گوشہ نشین اور عہدہ خلافت سے سبکدوش ہونے سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بہت کچھ اطمینان ہو گیا تھا، چنانچہ آپ بغیر کسی حیل حجت کے مسلمانوں کے خلیفہ مقرر ہوئے اور بلا استثنا ساری دنیائے اسلام کی باگ اُن کے ہاتھ میں آگئی ؛

امیر معاویہؓ نے سب سے پہلے یہی کوشش کی کہ جس طرح خلیفہ سوم حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت میں قوم بنی اُمیہ کے عامل معزول کرکے اُن کی جگہ بنی ہاشم مقرر کئے گئے تھے، اُسی طرح امیر معاویہ کے عہد حکومت میں بنی اُمیہ ہر ایک شہروں کے عامل قرار دیئے گئے ؛

اسی زمرہ میں ولایت بصرہ سے عبداللہ بن عباسؓ کو معزول کرکے اُن کی جگہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے بھائی عتبہ بن ابی سفیان کو مقرر کرنا چاہتے تھے، مگر عبداللہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ چونکہ حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے عہد میں ایک عرصہ تک بصرہ کے عامل رہے تھے، وہ اس بات پر مصر ہوئے، کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی جگہ مجھے مقرر کرنا چاہیئے، چنانچہ عبداللہ بن عامر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی خواہش کے مطابق امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے انہیں کو بصرہ کا عامل مقرر فرمایا، اس طرح ابن عامر کو دوبارہ اُن تمام ملکوں کی حکومت حاصل ہوگئی، جو بصرہ سے لیکر

دولت اسلام کی انتہائی مشرقی حدود تک پھیلی ہوئی تھی ۔

قسطنطنیہ کا محاصرہ ۴۲ھ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انتظام ملک سے فراغت حاصل کر کے اپنی حسن کارگذاری دکھلانے کے باعث نیز ہادی اسلام حضور پُر نور آنحضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیشین گوئی کے مطابق قسطنطنیہ پر حملہ کرنے کے لئے فوج کو جمع کیا، اور اس مہم پر اپنے بڑے بھائی کو سپہ سالار مقرر کر کے اپنے بیٹے یزید کی ماتحتی میں روانہ کیا ۔

اگرچہ رومیوں کی سلطنت مٹ چکی تھی ؛ تاہم اپنا دار الخلافہ یعنی قسطنطنیہ اُنہوں نے بڑی حفاظت کے ساتھ محفوظ رکھا تھا ۔

قسطنطنیہ میں مفرور سپاہ جمع تھی اور چند رومی بہادر افسر بھی موجود تھے چنانچہ رومیوں نے مسلمانوں کے محاصرہ کو خوب دِل توڑ کر روکا ، اگرچہ اس وقت تک بارود ایجاد نہیں ہوئی تھی، مگر ایک قسم کا تیزاب رومیوں نے ایجاد کیا تھا، جو ایک دم بھڑک اٹھتا تھا چنانچہ انہوں نے شہر پناہ کی دیوار جو نہایت مستحکم اور بلند تھی، اس پر سے تیزاب کی آگ برسانا شروع کی، اس تیزاب کی آگ سے بڑے بڑے مقتدر صحابہ کرام کے ساتھ محب باصفا حضرت ایوب انصاری نے بھی جامِ شہادت نوش فرمایا، آخرکار بہادرانِ اسلام نے مجبوراً قسطنطنیہ کا محاصرہ اٹھا لیا، اور ایشیائی اطراف پر جا گرے، اس جنگ میں مسلمانوں نے اپنا صدر مقام جزیرہ سائرکس قرار دیا تھا، لہٰذا اس مقام کو واپس ہوئے ۔

ادھر ۴۳ھ میں حبیب عبد اللہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے ماتحت علاقہ سیستان میں علمِ بغاوت بلند دیکھا تو اُنہوں نے اس بغاوت کو فرو کرنے کیلئے عبد الرحمٰن بن سمرہ کو دوبارہ والی سیستان مقرر کر کے روانہ کیا، ابن سمرہ نے ۴۴ھ میں سیستان کی راہ لی، چونکہ پہلی لڑائی نے اس ملک کے حالات سے اُنہیں خوب واقف کر دیا تھا، لہٰذا وہ سیستان کی حدود میں داخل ہوتے ہی اس تیزی سے آگے بڑھے،

کہ باغیوں اور مرتدوں کا قلع وقمع کرتے ہوئے برابر کابل کی دیواروں کے نیچے پہنچ گئے

معرکہ سیستان و محاصرہ کابل | راستے میں جو شہر پڑا فوراً فتح ہوتا گیا آخر اہل کابل کا محاصرہ کر لیا۔ چاروں طرف منجنیقیں قائم کر دیں، ان پرانے زمانے کی بکار آمد جنگی کلوں نے شہر پناہ کو ایک طرف سے توڑ کر بڑا بھاری رخنہ کر دیا، اس وقت اہل شہر نے بڑی مردانگی سے مقابلہ کیا، مگر مسلمان جب لڑتے لڑتے شہر میں داخل ہو گئے، تو اہل کابل نے سر اطاعت جھکا دیا ؛

کابل کا انتظام کر کے عرب آگے بڑھے تو شہر بُست پر حملہ کر کے اس کو بھی فتح کر لیا پھر رزان کا رُخ کیا، یہاں کے لوگ عربوں کی آمد سنتے ہی شہر چھوڑ کر بھاگ گئے مجاہدین اسلام نے رزان سے تجاوز کر کے خشک کو بھی لے لیا ؛

عبدالرحمٰن بن سمرہ نے خشک سے بڑھ کر ضیح والوں کو پسپا کیا، اور اُن کے شہر پر قبضہ کر کے آگے قدم بڑھایا، یہاں سے بڑھ کر زابلستان میں داخل ہوئے جس سے علاقہ غزنہ مراد ہے، اس علاقے کے تمام مقامات کو اپنا مطیع منقاد بنا کے جب بہادران اسلام کابل میں واپس آئے، تو اہل کابل کو انہوں نے سرکش پایا، آخر اُن سے مقابلہ کر کے مسلمانوں نے پھر شکست دی، اس کے بعد عبدالرحمٰن بن سمرہ بصرہ میں واپس ہوئے ؛

عمرو بن العاص کی وفات حسرت آیات ۴۳ھ میں | اسی سال حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دست راست یعنی شیر دل بہادر عالی دماغ مدبر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ عامل مصر قضائے الٰہی سے فوت ہو گئے، جن کی وفات حسرت آیات کا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نہایت افسوس ہوا ؛

زیاد بن ابیہ | زیاد در اصل ایک لائق شخص تھا، اور سچ پوچھئے تو اس عہد کے لٹیشنوں میں اول درجہ رکھتا تھا جسے حضرت علیؓ نے اپنے عہد خلافت میں ہی یعنی ۳۹ھ

میں والی خراسان مقرر کیا تھا ؎

یہ کیسے ہوسکتا، کہ امیر معاویہ رضؓ ایسے مدبر اور بہادر شخص کو اپنا معاون نہ بناتا، چنانچہ امیر معاویہ رضؓ نے مصالحت ملکی اور دور اندیشی پر نظر ڈال کر مغیرہ ابن سعید کی معرفت زیاد کو کوفہ میں بلایا، اور زیاد کے سامنے ہوتے ہی امیر معاویہ رضؓ نے اُسے بھائی زیاد کہہ کر اپنے سینے سے لگا کر کہا، "تم مجھ سے ناحق کشیدہ رہتے ہو، ہم اور تم اپنے ایک باپ ابوسفیان کے لڑکے ہیں، اور آپس میں دونوں بھائیوں کو کسی قسم کا رنج نہ رکھنا چاہیئے ؎

الغرض امیر معاویہ رضؓ نے اسی زیاد کو والی بصرہ مقرر کیا، اور عبداللہ بن سوار کو ۴۳ھ میں چار ہزار سواروں پر سردار مقرر کر کے سندھ کی حکومت پر روانہ کر دیا، اس وقت سندھ کا علاقہ کوہستان قیقان کے نام سے مشہور تھا، عبداللہ بن سوار بڑا فیاض شخص تھا، اُس کی ماتحت فوج میں سے کسی شخص کو چولہا گرم کرنے کی ضرورت نہ ہوتی تھی، شرر نے لکھا ہے، کہ ایک دن اتفاقاً اُس نے لشکرگاہ میں کہیں آگ جلتے دیکھی تو پوچھا یہ کون چولہا گرم کر رہا ہے، لوگوں نے کہا ایک عورت کو زچگی ہوئی ہے، اپنے لئے حریرہ تیار کر رہی ہے، اس بات کو سنتے ہی حکم دیا، کہ اچھا تین دن تک تمام لوگوں کو حریرہ ہی دیا جائے، لیکن یہ بہادر فیاض ترکی گروہوں سے لڑتے بھڑتے ارض قیسقان ہی میں پیوند زمین ہو گیا ؎

عبداللہ بن سوار کی وفات ۴۳ھ میں

اُدھر زیاد نے بصرہ[1] میں پہنچتے ہی یہ اعلان شائع کیا، "کہ میں بصرہ کی حکومت تلوار کے ذریعے کرنے آیا ہوں، میری نگاہ میں جو شخص بدمعاش یا مجرم نظر آئے گا، اُس کو سخت سزا دونگا اسلئے مناسب ہے، کہ جو شخص آوارہ گرد ہیں، وہ اس شہر کو چھوڑ دیں" ؎

---

[1] اس وقت بصرہ میں باغیوں، بدمعاشوں، اور باشوں کی کافی تعداد تھی، یہ لوگ حکومت کے کسی احکام کی پرواہ نہ کرتے تھے ؎

اس اعلان کے بعد دوسرا اعلان اس مضمون کا شائع کیا :-

رعایا کو اپنے ضروری کاروبار سے عشاء کے قبل فارغ ہو جانا چاہیئے، اگر کوئی شخص عشاء کے بعد بازار میں پھرتا نظر آئے گا، تو گرفتار کیا جاوے گا، چنانچہ اس دوسرے اعلان کے ہوتے ہی اسی روز دو سو آدمی آوارہ گردی میں گرفتار کئے گئے، جن کو مارشل لاء کے قانون کے مطابق قتل کیا گیا، اس تاریخ سے زیاد کے بعد حکومت میں بصرہ میں کسی قسم کی بغاوت نہ رہی بلکہ بصرہ زاہدوں اور عالموں کا مسکن ہو گیا[1]؛

زیاد کی اس قابلیت سے خوش ہو کر امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خراسان کا حاکم بھی انکو ہی مقرر کر دیا، تاریخ شاہد ہے، کہ زیاد کے ماتحت شہروں میں کبھی کوئی چوری یا ڈکیتی کی واردات نہیں ہوئی، بلکہ یہاں تک لکھا ہے، کہ زیاد کا حکم تھا، کہ کوئی شخص مکان کے دروازے رات کو بھی بند نہ کرے ؛

۴۴ھ میں مہلب بن ابی صفرہ نے جو عبدالرحمٰن بن سمرہ کی فوج کا ایک نامور سردار تھا اس نے ہندوستان کا جہاد کیا، یہ حملہ نہ دریا کی طرف سے اور نہ مکران کی طرف سے بلکہ یہ نیا راستہ تھا، جس کو مسلمانوں نے سب سے پہلے معلوم کیا، گر قدیم مسلمانان عرب میں سے کسی سپہ سالار نے ادھر کا رخ نہیں کیا تھا، وہ لوگ ہمیشہ کابل تک آئے مگر آگے پہاڑوں کی مہیب پیچیدگیوں نے ایسا خوف دلایا، کہ مشرق کی طرف کسی کو آگے قدم بڑھانے کی جرأت نہ ہوئی ؛

مہلب کا دوسرا حملہ سندھ پر ۴۴ھ میں

مہلب نے ان کوہستانی دروں کو توڑ کر پنجاب کے میدان میں قدم رکھا جو ان ایام میں

[1] زیاد کا یہ دوسرا اعلان اس وقت کا مارشل لاء تھا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ زیاد کیسا مدبر جرنل تھا ؛

[2] ہندوستان کی موجودہ انگریزی و اردو تاریخیں جن پر فی الحال بھروسہ کر لیا گیا ہے، ان کو صرف مسلمانوں کے اسی حملے کا حال معلوم ہو سکا ہے جو ابوالقاسم سے منسوب ہے حالانکہ سندھ پر اس سے پہلے مسلمانوں نے جو فوج کشیاں کی ہیں ان تک کسی کی نظر نہ پہنچ سکی، افسوس کہ عربی کتابوں کو مؤرخین بہت کم مدنظر رکھتے ہیں حالانکہ عربی تاریخ ہی اسلامی تاریخ کے تمام عہدوں کو بالخصوص ابتدائی صدیوں کے حالات خوب وضاحت اور نہایت صحت کے ساتھ بتاتی ہے ؛

سندھ ہی میں شامل سمجھا جاتا تھا ؛

چنانچہ مہلب نے امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اجازت پاتے ہی اپنے گھوڑے کو مشرق کی طرف بڑھایا، اور کابل و پشاور کے درمیانی دروں سے سر نکال کر سرہند اور لاہور پر سخت حملہ کیا، ملتان اور کابل کے درمیانی علاقے کو اُس نے ایک ہی تاخت میں اپنی شمشیر خارا شگاف کے خون سے دھلا دیا، دشمن سے شہر قندابیل کے قریب مقابلہ ہوا، لیکن مہلّب نے نہایت ہی جانبازی سے دشمن کو زک دی، اور خوب مال و اسباب لیکر نیک نامی و سُرخروی کے ساتھ واپسی کا ارادہ کیا ؛

اسی زمانہ میں مہلّب جب ہندوستان سے واپس ہونے کو تھا، نوارض قیقان میں پہنچ کر اٹھارہ ۱۸ ترکی سواروں سے دوچار ہوا یہ ترک باوجود کمی تعداد کے لڑنے پر آمادہ ہو گئے اور آخر سب کے سب جوانانِ عرب کی تلواروں کا لقمہ بنے، ان ترکوں کے گھوڑوں کے عیال اور دُمیں کٹی ہوئی تھیں، مہلّب کو یہ وضع پسند آگئی، چنانچہ اُس نے کہا یہ عجمی ہم سے

دم کاٹنے کی ابتداء

عربوں میں گھوڑوں کی زیادہ اسبات کے مستحق نہیں ہیں کہ اپنے گھوڑوں کے عیال اور دُمیں کاٹیں، یہ کہتے ہی اُس نے اپنے اور اپنی فوج کے تمام گھوڑوں کی دُمیں کاٹ ڈالیں، اسی وجہ سے بلاذری نے لکھا ہے، کہ اسلام میں مہلّب پہلا شخص ہے جس نے گھوڑوں کے لئے یہ وضع اختیار کی، اس مہم میں نبتہ کی لڑائی کا منظر ازدی شاعر ایک شعر میں یوں دکھاتا ہے ؎

الم تران الازد لیلۃ بیتوا

بہ نبۃ کانوا خیر جیش المہلّب

یعنی کیا تم نے قبیلہ ازد کے جوانوں کو اس رات نہیں دیکھا جب اُنہوں نے شہر نبتہ میں پڑاؤ ڈالا تھا، کہ مہلّب کی ساری فوج میں وہی اچھے نظر آتے تھے ؛

مہلّب کا حملہ کابل کی طرف سے تھا، مگر سندھ کا راستہ بالکل جداگانہ تھا وہاں

عبداللہ بن سوار کے شہید ہونے کے بعد جو انتظام کیا گیا، اُس سے مہلب کا کوئی تعلق نہ تھا، جب عبداللہ کے شہید ہونے کا حال معلوم ہوا، تو اُنکی جگہ سندھ پر زیاد نے سنان بن سلمہ بن محبق ہزلی کو روانہ کیا ؛

سنان بن سلمہ کا تیسرا حملہ سندھ پر

یہ شخص عالم و فاضل اور خدا پرست تھا، کہتے ہیں یہ پہلا شخص ہے۔ جس نے فوج والوں کو طلاق کی قسم دلائی تھی ؛

سنان سواحل پر آیا، مکران کو جوہر شجاعت سے فتح کیا، اور اُس کی آبادی اور رونق میں ترقی کی کوشش کی، چند روز قیام کر کے وہاں کے شہروں کی سرسبزی کا عمدہ انتظام کیا، اسی شخص کے بارے میں کسی شاعر نے لکھا ہے ؎

رائیت ھذیلا احدثت فی یمینھا — طلاق نساءٍ ماسیوق لھا مھرًا
لھان علیٰ حلفۃ ابن محبق — اذا رفعت اعنا قھا حلفاً صفرًا

یعنے میں نے ہذیل والوں کو دیکھا، کہ اُنہوں نے اپنی قسم میں بے مہر ادا کئے اپنی بیبیوں کو طلاق دے دینے کی قسم کی نئی بدعت ایجاد کی، مگر مجھے ابن محبق کی قسم آسان ہے، جبکہ عورتیں گردنیں اُٹھا اُٹھا کے سونے کی بالیاں دکھائیں ؛

ابن کلبی کا بیان ہے، کہ مکران کو اس سے بیشتر حکیم بن جبلہ عبدی نے فتح کیا تھا یہ بلاذری نے لکھا ہے، ممکن ہے کہ سنان بن سلمہ نے اُس کو دوبارہ فتح کیا ہو ؛

عرب کی فتوحات کا حال جن لوگوں نے تفصیل سے لکھا ہے، اُنکے نزدیک یہ امر بہت ہی قرین قیاس ہوگا، وُہ اس لئے کہ عربوں نے ہمیشہ اکثر شہروں کو متعدد دفعہ فتح کیا ہے، جس کی وجہ ماسوا اُن کی رحمدلی کے اور کوئی نہیں ہوسکتی ؛

سنہ ۴۷ھ کے آغاز میں زیاد نے سواحل ہند پر راشد بن عمرو جدیدی ازدی کو روانہ کیا، راشد بن عمرو جدیدی عرب کے بہت ہی شریف خاندان سے تھا، اور اُس کے ساتھ ہی ذاتی لیاقت اور خوبیوں سے بھی آراستہ تھا، کم سنی ہی میں اُس نے

شجاعت کے جوہر بھی دکھا دیئے تھے، جب زیاد نے سنان بن سلمہ کو معزول کرنا چاہا ہے، اُن دنوں اتفاقاً یہ شریف النفس بہادر امیر معاویہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے دربار میں پیش کیا گیا، اور جب اُس کے تمام اوصاف ظاہر کئے گئے، تو امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان اوصاف پر اُس کی یہاں تک قدر کی، کہ اپنے برابر سریر خلافت پر بٹھا لیا، اس کے بعد تمام افسران فوج کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا :-

راشد بن عمرو جدیدی

"یہ ایک بے مثل شخص ہے، تم سب لوگوں کو چاہیئے، کہ اس کی اطاعت کرو، اور اسے معرکۂ کارزار میں تن تنہا نہ چھوڑو"

یہ کہہ کر راشد کو مکران کی طرف روانہ کیا، تاکہ مہم سندھ کا کام سنان بن سلمہ کی جگہ سرانجام دے، اس کے ساتھ ہی امیر معاویہؓ نے سنان کو لکھا، کہ میں نے راشد کو روانہ کیا ہے، یہ جس وقت تمہارے پاس پہنچیں تو تم سڑک تک آکر اُن کا استقبال کرو، اور ہندوسندھ کے تمام حالات سے انہیں آگاہ کردو؛

چنانچہ راشد جب مکران کے قریب پہنچا تو سنان نے حسب الحکم امیر معاویہؓ اس کا پُرجوش خیر مقدم ادا کیا، پھر اُس کی اطاعت کی، اور تمام معاملات سے اُسے واقف کر دیا، اُن تمام حالات سے واقفیت حاصل کر کے راشد نے سرحدی بلاد پر فوج کشی شروع کر دی، کوہ پایہ والوں سے خراج وصول کر کے قیقان پر حملہ کیا، وہاں سے موجودہ اور آئندہ دو سال کا خراج وصول کر کے بہت سا مال غنیمت اور لونڈی غلام فراہم کئے؛

ایک برس کے قیام میں یہ سب کارروائیاں کر کے وہ براہ سیوستان واپس روانہ ہوا، لیکن مندرا اور بھکرج کی پہاڑیوں تک پہنچا ہی تھا، کہ کوہستانی لوگوں نے جو میدؔ کہلاتے تھے، آگے پچاس ہزار آدمیوں کے گروہ سے مقابلہ کیا۔ صبح سے شام تک لڑائی رہی

اور آخر وقت قابل قدر راشد شہید ہوگیا ؎

راشد کی وفات کے بعد مجبوراً سنان بن سلمہ نے فوج کی باگ اپنے ہاتھ میں لی زیاد کو جب یہ خبر پہنچی تو اُس نے اپنی طرف سے بھی سواحل پر سنان ہی کو مامور کر دیا، چنانچہ سنان دو سال تک وہیں مقیم رہا اُسی زمانے میں اعشیٰ ہمدانی نے مکران کی شان میں یہ اشعار کہے ہیں ؎

وانت تسیر الی مکران فقد شحط الورود والمصدر

ولم تک حاجتی مکران ولا الغزو فیہا ولا المتجر

تو یعنی اپنے آپ کو مخاطب کرکے، مکران جاتا ہے، فرودگاہ اور وطن میں بڑا فاصلہ ہوگیا اے مکران مجھے کچھ تیری ضرورت نہ تھی، جس میں نہ جہاد ہے نہ تجارت ہے ؎

وحدثت عنہا ولم آتہا فمازلت من ذکرہا اوضر

بان الکثیر بہا جائع وان القلیل بہا معور

اور میں نے اس کا حال سنا تھا وہاں آیا نہ تھا ——— اور ہمیشہ اُس کے ذکر سے بھاگتا تھا، اس لئے کہ وہاں اکثر لوگ تو بھوکے ہیں، اور بعض مقامات وہاں کے خوفناک ہیں ؎

سنان بن سلمہ کی وفات | غرضیکہ سنان بن سلمہ نے مکران و سرحد سندھ کو فتح کرکے اپنی کارگذاری کے عمدہ نمونے دکھائے قیقان پر حملہ کرکے اُس نے بڑی فتحمندی حاصل کی اور کئی جدید اضلاع کو اپنے قبضے میں کرلیا، آخری انہی فتوحات میں مقام مدعا کے معرکہ کارزار میں شہید ہوگیا ؎

زیاد کی وفات ۵۳ھ | زیاد نے اپنی دماغی قابلیت اور دلیرانہ شجاعت سے امیر معاویہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی مملکت کو بہت ترقی اور وسعت دی ہے، امیر معاویہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ زیاد سے بہت خوش تھے، عمرو بن العاصؓ کے بعد زیاد ہی اُن کے

دست راست بنے، لیکن سنہ ۴۵ھ ہجری میں جبکہ عربستان کی حکومت بھی امیر معاویہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے زیاد کے سپرد کر دی، بیماری میں مبتلا ہو کر صرف ۵۴ سال کی عمر میں راہی بقا ہوئے ؛

سنہ ۴۶ھ تا سنہ ۵۴ھ

عبید اللہ بن زیاد[۱] سنہ ۴۶ھ زیاد کے مرنے کے بعد اس کے بیٹے عبید اللہ علیہ ما یستحقہ ... کو امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بصرہ، کوفہ، عراق، اور خراسان کی حکومت پر مامور فرمایا، عبید اللہ بن زیاد کی عمر اُس وقت صرف ۲۵ برس کی تھی، اور یہ اپنے والد سے بھی زیادہ شجاع اور دلاور تھا، لیکن ساتھ ہی نہایت سنگدل بھی تھا ؛

اسی سال میں مکہ شریف اور مدینہ منورہ میں سعید ابن ابی وقاص اور مروان بن حکم وہاں کے حاکم مقرر ہوئے ؛

عبید اللہ بن زیاد نے سب سے پہلے ترکوں کے مشہور شہر بیکند پر چڑھائی کی، اور **معرکہ بیکند** نہایت بہادری سے اس کو فتح کیا، اسی معرکہ میں ترکوں کی بھاگڑ میں ایک ترکی شہزادے کا جوتہ رہ گیا تھا، جو دو ہزار اشرفی کو بکا ؛

زیاد کے دو بیٹے اور بھی تھے، عبید اللہ سب سے بڑا تھا، اور منجھلے لڑکے **سلیم اور کمیل ابن زیاد** کا نام سلیم تھا، جس نے کئی برس تک خراساں کی حکومت کی، اور اس شائستگی سے کی، کہ بیس ہزار لڑکوں کے نام اُس کے نام پر رکھے گئے ؛

زیاد کے سب سے چھوٹے لڑکے کا نام کمیل تھا، اس نے حجاز کی حکومت کی جو کئی صدیوں تک اُسی کی خاندان میں قائم رہی، اس کا خاندان آل زیاد کے نام سے مشہور تھا ؛

---

[۱] بعض تاریخوں میں عبید اللہ عباد لکھا گیا ہے، یہ وہی سنگدل انسان ہے جس نے حضرت امام حسینؓ کو شہید کرایا ؛

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی شہادت ۵۰ھ ہجری میں سن مبارک ۴۷ سال

حضرت امام حسن علیہ السلام نے بہت سی بیبیاں کیں، اکثر کو آپ نے طلاق دیدی تھی، اکثر جدید نکاح کر لئے تھے ؛

جلال الدین سیوطی رح نے لکھا ہے، کہ آپ کی بیوی جعدہ بنت اشعب نے آپ کو یزید بن امیر معاویہ کے بہکانے سے زہر دیا، کیونکہ یزید بن امیر معاویہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے پوشیدہ طور پر جعدہ سے کہلا بھیجا تھا، کہ اگر تم امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو زہر دیکر مار ڈالو گی، تو میں تم سے نکاح کر لونگا، چنانچہ جعدہ نے کسی طرح جب آپ کو زہر دیدیا، تو آپ کی بے چینی دیکھ کر حضرت امام حسین علیہ السلام نے سمجھ لیا، کہ آپ کو زہر دیا گیا ہے، چنانچہ آپ نے ہزار چاہا کہ آپ یہ بتلادیں جس پر آپ کو شبہہ ہو، تاکہ میں اُس سے اس ظلم کا انتقام لوں، لیکن حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سوائے اس کے اور کچھ نہ فرمایا، میرے بھائی جس پر میرا شبہ ہے، اگر وہی شخص میرا قاتل ہے تو خدا اُس سے سخت انتقام لینے والا ہے، ورنہ میرے واسطے کسی کے ہاتھ سے کوئی کیوں قتل ہو، دنیا مثل خواب کے ہے، بس اس کو چھوڑ ہی دینا چاہیئے، تاکہ خدا کا دیدار نصیب ہو ؛

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ صبر و شکر کا مجسم نمونہ تھے، اور نہایت رحم دل متین اور با اخلاق نوجوان تھے ؛

ہشام بن محمد سے روایت ہے، کہ حضرت امام حسن رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو امیر معاویہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ ایک لاکھ درہم سالانہ وظیفہ دیتے تھے، ایک سال وظیفہ نہ ملنے کے باعث آپ نہایت تنگ دست ہو گئے، جب اخراجات ضروری سے بھی مجبور ہونے لگے، تو آپ نے ایک روز امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے نام یاد دہانی کا رقعہ لکھنے کیلئے قلم دوات منگایا، لیکن آپ پھر رُک گئے، چنانچہ اسی روز آپ نے حضور پر نور حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں دیکھا، کہ آپ فرما رہے ہیں، کہ اے حسن رض

تمہارا کیا حال ہے امام حسن رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے عرض کیا، نانا جی اچھا ہوں اس کے بعد تنگ دستی کی شکایت بھی کی جس پر حضور پُرنور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا، کیا تم نے اپنی ہی جیسی مخلوق سے مدد مانگنے کے لئے قلم دوات منگائی تھی، خدا پر متوکل رہنا چاہیے، وہی دینے والا ہے اُسی سے مانگو اور وہی دیگا، اس کے بعد آپ نے ایک دعا بتاتے ہوئے فرمایا، کہ اسے پڑھا کرو اس دعا کا ترجمہ یہ ہے "الٰہی میرے دل میں اپنی ہی طرف کی اُمید ڈال اور دوسروں کی طرف سے میرے دل سے اُمید کو قطع کر دے یہاں تک تیرے سوا میں اور کسی سے اُمید نہ رکھوں یا الٰہی میری قوتوں کو ضعیف نہ کر اور مجھ سے میرے عملوں کو کم نہ کر اور میری رغبت کسی اور کی طرف نہ کر اور مجھ سے کسی دوسرے سے سوال نہ کرا۔ اور میری زبان پر وہ دو چیزیں نہ لا جو تو نے دوسروں کو عطا کی ہیں، اور میرے دل میں وہی یقین ڈال جو اولین آخرین کو عطا فرمائے ہیں الٰہی مجھے اپنا خاص بندہ کرلے۔

چنانچہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کو یہ دعا پڑھتے ہوئے ابھی ایک ہفتہ بھی نہ گذرنے پایا تھا، کہ امیر معاویہؓ نے اُن کے پاس پانچ لاکھ درہم بھیجدیئے ؛

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کا قول ہے، جو خدا سے دعا مانگتا ہے، خدا اس کو مایوس نہیں پھیرتا، اور خدا اپنے یاد کرنے والے کو کبھی نہیں بھولتا ؛

عبداللہ سے روایت ہے، کہ حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بروقت وفات حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا تھا، کہ مجھے حضور پُرنور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دفن ہونے کی اجازت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، سے طلب کرنا اگر وہ اجازت دیں تو مجھے اپنے نانا کے پہلو میں دفن کرنا چنانچہ حضرت امام حسین علیہ السلام نے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے دریافت کیا، آپ نے تو اجازت دیدی، لیکن مروان نے منع کر دیا، اس پر حضرت امام حسینؓ اور آپ کے

ساتھی مسلح ہو کر مروان کے پاس چلے تھے، کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کو روک دیا، آخر حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آپ کی والدہ محترمہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس دفن کیا گیا ؛

حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کا حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بہت صدمہ ہوا، اور اسی صدمہ جانکاہ سے دل برداشتہ ہو کر آپ مع اہلبیت مدینہ منورہ سے مکہ شریف تشریف لے گئے، قاتل امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ یعنی جعدہ بنت اشعث نے آپ کے انتقال کے بعد یزید بن معاویہ سے اپنے ایفائے وعدہ کے مطابق جب نکاح کرنا چاہا، تو اس نے انکار کر دیا، لیکن زر و مال دے کر اپنے وعدہ کا مبادلہ کر دیا ؛

دو تین سال کوئی ایسا واقعہ پیش نہیں آیا، جو قابل تحریر ہو، البتہ ۵۱ھ میں حضرت سعید بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو کہ عشرہ مبشرہ میں سے تھے قضائے الٰہی سے اس عالم فانی سے کوچ کر گئے، آپ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چچا زاد بھائی تھے، بیس برس کے سن میں مسلمان ہوئے اور اسی برس کی عمر میں انتقال فرمایا ؛

وفات سعید بن زید ۵۱ھ

۵۵ھ تا ۵۸ھ

۵۵ھ ہجری میں صحابہ کبار رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے ایک اور بہادر اسلام حضرت سعید ابن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس دنیائے فانی سے عالم جاودانی کو لبیک کہا، آپ حضور پرنور آنحضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے چچا زاد بھائی تھے، انیس برس کی عمر میں مشرف بہ اسلام ہوئے، اور نوے برس کی عمر میں انتقال فرما گئے ؛

وفات حضرت سعید ابن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۵۵ھ

اسی سنہ میں عبداللہ بن سعد نے شمالی افریقہ کی فتوحات کا سلسلہ شروع کر دیا تھا، مگر محاصرہ قسطنطنیہ کے باعث یہ سلسلہ ملتوی رہ گیا، کیونکہ بہادران اسلام کا بہت بڑا لشکر قسطنطنیہ کی مہم پر تھا ؛

فتوحات ساربن کا تیبیج قیروان وغیرہ از عقبہ بن نافعہ الفیری

۵۵ھ میں طرابلس میں جب بغاوت شروع ہوئی، تو امیر معاویہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو اس بغاوت کو فرو کرنے کیلئے ایک ایسے افسر کی تلاش ہوئی، جو اپنی قوت و شجاعت سے شمالی افریقہ کی فتوحات پھر سے شروع کر دے، چنانچہ اس فوج کی سپہ سالاری کے لئے عقبہ بن نافعہ الفیری منتخب کئے گئے، جن کو امیر معاویہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے دس ہزار لشکر جرار دیکر دمشق سے روانہ کیا ؛

عقبہ نے طرابلس کے کنارے کنارے جاکر شہر ساربن کا محاصرہ کر لیا، یہ شہر قدیم عمارات کے مطابق قلعہ اور چار دیواری سے محفوظ تھا، مگر بہادر عقبہ نے ان سب عمارات کو مسمار کر کے شہر پر قبضہ کر لیا ؛

ساربن کو فتح کر کے عقبہ نے اپنے لشکر کو مغرب کی طرف بڑھایا، بیابان و ریگستان طے کرتے ہوئے بہادران اسلام کا تیبیج رطونس کے قریب جا پہنچے، وہاں کے ایک جنگل میں بہادر عقبہ نے ایک شہر بسانے اور اس میں ایک قلعہ بنانے کی تجویز کی ؛

یہ جنگل درندوں کا مسکن اور ڈاکوؤں کی جائے پناہ تھی، عقبہ اور اس کے لشکر نے اس جنگل کو صاف کر کے چٹیل میدان بنایا پھر شہر پناہ تیار کی اور اس شہر پناہ کی بنیاد رکھتے ہوئے اس میں نیزے نصب کرتے ہوئے کہا، کہ یہ تمہارا قیروان[1] ہے، چنانچہ اسی نام سے یہ شہر مشہور ہوا، اور اسی شہر کو عقبہ نے اپنا دارالسلطنت قرار دیا، اس میں مسجدیں، حمام، مجلسرائیں، عدالتیں، وغیرہ تعمیر کرائیں، نیز اردگرد کے

---

[1] مستند تاریخوں سے ثابت ہے، کہ قیروان عقبہ کا ہی بنایا ہوا ہے، جو اس سے پیشتر ایک خوفناک اور گھنا جنگل تھا، اور شہر کا تیبیج سے یورپ کی طرف ۲۲ میل پر واقع ہے ۱۲ ؛

شہروں کو فتح کر کے شہر قیروان کا با جگذار بنایا ۵۵ھ میں عقبہ نے ظہیر ابن قیس کو قیروان کا حاکم مقرر کر کے مغرب کی راہ لی، اور ملک الجیریں کو طے کیا اور مراکو کا محاصرہ کر کے اسے بڑی شجاعت سے فتح کیا، مراکو پر جب پورے طور سے تسلط ہو گیا، تو بحر اطلانٹک کی طرف سے عقبہ نے اپنے بہادروں کو آگے بڑھایا، جب عقبہ کے زانوں تک سمندر کا پانی آیا، تو انہوں نے آسمان کی طرف منہ کر کے کہا اے اللہ اگر یہ پانی مجھ کو آگے بڑھنے سے مانع نہ ہوتا، تو میں تیرا مقدس نام اور تیری وحدانیت سے ان جاہل قوموں کو بھی آگاہ کر دیتا ؛

فتح مراکو

عقبہ مغربی حد تک پہنچ گئے تھے، کہ ان کو خبر پہنچی، کہ شہر قیروان میں بغاوت ہو گئی ہے۔ اور شہر کی حالت نازک ہے، اس لئے وہ نہایت تیزی کے ساتھ واپس ہوئے راستہ میں جب ملک زاب سے گذرے تو قوم بربرہ نے ابن کابند کی سرداری میں عقبہ کے پس پشت حملہ کیا، مگر عقبہ جب ان کے مقابل ہوئے، تو قوم بربرہ مقابلہ کی تاب نہ لاسکی، . . . اور عقبہ اپنے لشکر سمیت حدود زاب سے گذر گئے ؛
لیکن جب شہر قیروان میں داخل ہوئے، تو شہر کو محفوظ پایا، کیونکہ اس عرصہ میں ظہیر ابن قیس نے عمرو ابن علی رضی اللہ عنہ کی مدد سے بغاوت فرو کر لی تھی ؛

وفات حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ۵۸ھ

۵۸ھ میں حضور پرنور آنحضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ مطہرہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس دار فانی سے عالم جاودانی کو لبیک کہا، آپ حضور پرنور آنحضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات حسرت آیات کے بعد، ۴۸ سال زندہ رہیں، آپ اپنی ہم عصر بیبیوں میں سب سے زیادہ معزز، ذہین اور عالی دماغ تھیں، حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت سی احادیث آپ سے مروی ہیں ؛
۵۹ھ امیر معاویہ کے عہد خلافت کا آخری سال تھا، اس سال عباد بن زیاد نے

براہ سیستان سواحل ہند پر جہاد کیا اور کوچ کرتا ہوا اسنار وز پر پہنچا، پھر علاقہ رودبار سے گذر کے جو ارض سیستان میں ہے ہند سندھ کی راہ لی، اور وہاں سے بڑھ کر کش پر خیمہ انداز ہوا، وہاں سے قطع مسافت کرتا ہوا قندھار پر جا پڑا، قندھار والوں نے جوانمردی سے مقابلہ کیا، لیکن بہادر عباد نے اپنی تلوار خارا شگاف سے اُن کے دل پھیر دیئے، معرکہ قندھار میں بہت سے اصحاب اپنی جانیں نذر کرکے شہید قابض ہوگئے، باوجود ان فتوحات کے عباد بن زیاد کو ولایت مکران اور باضابطہ فوج کشی سندھ سے کوئی تعلق نہ تھا، گو اپنی حملہ آوری کی رفتار میں اُس کے سوار ہندوستان کی سرزمین پر یکایک اپنے گھوڑے دوڑاتے ہوئے نکل گئے ؛

ہند پر اہل عرب کا چوتھا حملہ سندھ پر

منذر بن جارود والی مکران

سنان بن سلمہ کی شہادت کے بعد جو شخص والی مکران مقرر ہو کے فوج کشی سندھ کا ذمہ وار بنایا گیا، وہ منذر بن جارود عبدی ہے، جس کی کنیت ابوالاشعث تھی، وہ ایک بہادر اور اولوالعزم شخص تھا، اس نے آتے ہی توقان[1] اور قیقان پر فوج کشی کی، اس لڑائی میں مسلمانوں کو خاطر خواہ کامیابی ہوئی، بہت سا مال غنیمت ہاتھ آیا، اور کثرت سے لونڈی غلام اپنے وطنوں کو روانہ کئے ؛

اس کے بعد منذر بن جارود نے قصدار کو فتح کیا، وہاں سے بھی بہت سا مال غنیمت ہاتھ لگا، اس سے پیشتر سنان ابن سلمہ بھی اس شہر کو فتح کرچکا تھا، مگر قصدار والوں نے شامت اعمال سے پھر بغاوت کردی اور خود اپنے ہاتھوں اس آفت میں دوبارہ مبتلا ہوئے ؛

فتح قصدار شہ ۶۰

وفات سنان ابن سلمہ قصدار میں

چونکہ سنان نے قصدار کو فتح کرکے یہیں قیام اختیار کرلیا تھا، اس لئے سنان ابن سلمہ اسی جگہ آغوش لحد بھی ہوگئے ؛

---

[1] بلاذری نے اس شہر کا نام بوقان لکھا ہے، لیکن فرشتہ کے خیال میں توقان ہے ؛

۶۰ھ وفات امیر معاویہؓ و شہادت امام حسین علیہ السلام

بیعت یزید و وفات امیر معاویہؓ ماہ رجب ۶۰ھ

امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اب اپنے مخالفین کی طرف سے نہ فقط ہر طرح کا اطمینان ہو چکا تھا، بلکہ اُنہوں نے اپنے عہد خلافت میں سلطنت کو وسیع کر لیا تھا، جب اُن کو اپنی زندگی کا پیمانہ لبریز نظر آیا، تو اُنہوں نے اپنے بیٹے یزید کو ولی عہد کیا، اور تمام صوبجات میں اعلان کر دیا، کہ یزید کی بیعت کے لئے ہر ایک حکومت کے نائبین دارالخلافہ میں حاضر ہوں ؛

یزید بن معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہ فقط دینی اعتبار سے بلکہ اپنی بدترین اخلاقی حالت کے باعث بھی اس قابل نہ تھا، کہ بہادرانِ اسلام اُس کی بیعت سے خوش ہوتے ؛

لیکن امیر معاویہؓ کے اقتدار اور خوف سے ماتحت افسروں اور عام مسلمانوں نے یزید کے ہاتھ پر بیعت کی اور اُس کو ولی عہد قبول کیا ؛

جن لوگوں نے دینی احکام کو مدنظر رکھ کر یزید کو خلافت کے قابل نہ سمجھا، اُن مشہور اور معزز لوگوں سے امام حسین علیہ السلام ابن علیؓ، عبداللہ ابن عمرؓ، عبدالرحمٰن ابن ابوبکر صدیقؓ عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی تھے، ان چاروں اولوالعزم ہستیوں کے بیعت نہ کرنے سے امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سخت تشویش ہوئی، یزید کی بیعت کرنے کیلئے امیر معاویہؓ نے ان لوگوں کو حکومت کا لالچ بھی دیا، اور ہر طرح کا دباؤ بھی ڈالا لیکن یہ حضرات کسی طرح راضی نہ ہوئے ؛

چنانچہ اسی زمانہ میں ولید بن عقبہ بن ابوسفیان مکہ کے عامل مقرر ہو چکے تھے، ضحاک بن قیس مصر کے، اور عبدالرحمٰن بن ربیعہ کوفہ کے، اگرچہ یہ لوگ بھی دینداری کے لحاظ سے یزید کی بیعت کرنا نہ چاہتے تھے، لیکن امیر معاویہؓ نے کسی نہ کسی طرح ان کو اس امر پر راضی کر لیا تھا ؛

غرضیکہ یزید کی بیعت سے فراغت پاکر امیر معاویہؓ نے ولی عہد خلافت کو بہت سی نصیحتیں فرمائیں، جن میں سے بعض کا اقتباس یہ ہے :

شامی لوگ نمک حلال ہیں، اُن کی قدر کرنا حسین بن علی، عبداللہ ابن عمر، عبدالرحمٰن بن ابی بکر، عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ تعالےٰ عنہم بڑے مقتدر لوگ ہیں، ان کو ناخوش نہ کرنا

امیر معاویہ علالت کے باعث روز بروز کمزور ہوگئے، اور آخر اسّی سال کی عمر میں ۶۰ھ میں انتقال فرماگئے، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ٥

امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابی بن صحابی ہیں، غزوہ حنین میں رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ہمرکاب حاضر ہوئے :

حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتب وحی بھی رہے ہیں، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ۱۶۳ حدیثیں روایت کی ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کے لئے دعا فرمائی تھی :

اَللّٰھُمَّ اجعلہ ھادیًا مھدیًا۔ اللھم علم معاویۃ الکتاب والحساب وقہ العذاب

ترجمہ:۔ خدایا معاویہ کو ہدایت کرنے اور ہدایت پانے والا بنا۔ اے اللہ معاویہ کو کتاب (قرآن کریم) اور حساب کا علم عطا فرما اور ان کو عذاب سے بچا :

امیر المؤمنین سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالےٰ عنہ ان کو دیکھ کر فرماتے معاویہ عرب کا کسریٰ ہے، آپ بڑے حلیم الطبع اور متحمل مزاج تھے، ایک شخص نے کہا، تم خود سیدھے ہو جاؤ، ورنہ ہم تم کو سیدھا کر دینگے، آپ نے جواب دیا، تم کس چیز سے سیدھا کرو گے کہا ہم لکڑی سے سیدھا کرینگے، فرمایا، تو ہم ضرور سیدھے ہوجائینگے :

آپ کا عہد خلافت نہایت شاندار اور کامیاب گذرا ہے۔

آپ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے عہد میں دمشق کے امیر تھے، امیر المؤمنین سیدنا حضرت فاروق اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالےٰ عنہما نے بھی اپنے عہد میں بدستور قائم رکھا، آخر میں آپ تمام ملک شام کے حاکم و والی ہوگئے، اور اس طرح بیس سال تک

امیر رہے، جب حضرت سیدنا امام حسن رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے آپ کی خلافت تسلیم کر لی، تو بیس سال تک خلیفہ رہے، اور اس مدت میں کوئی مخالفت اور نزاع کرنے والا پیدا نہیں ہوا، ۵۱ھ میں آپ نے حج ادا کیا ؛

آپ زمانہ شناس، دقیقہ رس اور بہادر مسلمان تھے، اگرچہ جنگ کے وقت سخت تھے، مگر فتوحات کے وقت رحمدل ہو جاتے تھے، ہر ایک شخص کو پیار محبت سے زر و مال سے اپنا گرویدہ کرنے کے خوگر تھے، اہل قریش بالخصوص اہل بیت کو ہمیشہ خوش رکھنا چاہتے تھے، کیونکہ وہ جانتے تھے، کہ خلافت انہیں کا حق تھا، اور انہیں کے خاندان کے باعث مجھے یہ عروج حاصل ہوا ہے ؛

چنانچہ ایک دفعہ آپ نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کو ایک لاکھ اشرفی کی قیمت کا زیور نذر کیا تھا، بلکہ امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں بھی چالیس ہزار اشرفیاں پیش کیں تھیں ؛

امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شاعری کا بھی ذوق تھا، اور شاعروں کی قدر کیا کرتے تھے چنانچہ ایک دفعہ قاضی نے ایک چور پر قصاص کا حکم لگایا، مگر وہ چور شاعر تھا، اس نے دو شعروں میں امیر معاویہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے حضور میں اپیل کی، جس کا مضمون ایسا دلچسپ آفرین تھا، کہ امیر معاویہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ اس سے اس قدر متأثر ہوئے، کہ ایک کیسہ اشرفیوں کو چور کو دیکر رہا کر دیا ؛

ایک دفعہ ایک عرب سے جو نہایت خوبصورت نوجوان عورت پر عاشق تھا، حاکم کوفہ نے اس کی معشوقہ چھین لی، یہ مقدر مفلس عاشق شیدا نے امیر معاویہؓ کے حضور میں پیش کیا، امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حاکم کوفہ سے اس عورت کو طلب کیا، تو وہ نہایت حسین تھی، جب اس عورت سے پوچھا گیا، کہ تو کسی امیر الامرا کے پاس رہنا چاہتی ہے، یا اس مفلس عاشق کے پاس؟ عورت نے کہا، مجھے میرا یہ مفلس شوہر ہی پسند ہے

اس جواب پر امیر معاویہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ نہایت خوش ہوئے، اور اس عورت کو اسقدر مال و دولت دیا، کہ وہ دونوں امیر ہو گئے ؎

یزید پلید عہد حکومت تین سال سات ماہ عمر ۳۹ سال

سنہ ۶۰ھ میں امیر معاویہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی وفات کے بعد یزید پلید اپنے باپ کا جانشین ہوا، یہ اگرچہ ذہین نوجوان تھا، لیکن بدترین اخلاق نے اس کو ظالم و جابر اور مغرور و سرکش بنا دیا تھا، منہ پر چیچک کے داغ اور چہرے سے وحشت کے آثار ہویدا تھے، ریشمی اور زرین لباس پہنتا تھا، شراب کا عادی اور زانی تھا ؎

انہیں بدترین عیوب کے باعث اکثر اہل مکہ و مدینہ یا بلستان کے دیندار مسلمانوں نے اس کو اپنا خلیفہ تسلیم نہ کیا، بہت سے اصحاب جو امیر معاویہؓ کی زندگی میں ہی اس کی بیعت سے منکر تھے، وہ اس سے متنفر رہے، ایسے لوگوں کا یہ خیال تھا، کہ یزید اپنی بد باطنی کے باعث کسی طرح بھی خلافت کے اہل نہیں ہے، اسے انتخاب عام کے ذریعہ خلیفہ مقرر ہونا چاہیئے تھا، لیکن امیر معاویہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے اسی دوراندیشی کو مدِنظر رکھ کر حکومت کے اقتدار میں اپنے جیتے جی ہی رعایا سے یزید کی بیعت کرا دی تھی ؎

امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ دوراندیش اور معاملہ فہم شخص تھے، اُن کے عہد میں جو لوگ ان کی بیعت نہ کرتے تھے، وہ اُن پر کسی طرح کی سختی نہ کرتے تھے، لیکن یزید جیسے بد باطن کو یہ امر کیسے گوارا ہوتا، کہ رعایا میں سے بعض لوگ اُس کی بیعت نہ کریں، اور وہ آرام سے رہیں، لیکن یہ لوگ ایسے نہ تھے، جن کو یک بیک کسی قسم کی سزا دیجاتی، کیونکہ ان کے حسب و نسب اُن کے اقتدار، ان کی دینداری، بزرگی نے یزید کو یہ جرأت نہ دلائی، کہ بغیر کسی جرم کے ان لوگوں سے بیعت کی مخالفت کا بدلہ لے سکے ؎

یزید پلید کو سب سے زیادہ خدشہ حضرت امام حسین علیہ السلام اور حضرت عبداللہ

ابن زبیر و عبدالرحمٰن بن ابی بکر و عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہما ان چاروں اصحاب کی طرف سے تھا، اور یہ سب اصحاب مدینہ شریف میں رہتے تھے ؛ یزید کے عہد حکومت میں مدینہ شریف کے عامل ولید بن عتبہ تھے، چنانچہ یزید نے ولید بن العتبہ کو لکھا، کہ ان چاروں اصحاب سے میرے لئے بیعت لی جائے ؛

ولید بن العتبہ اس حکمنامہ کی تعمیل کے لئے جب مجبور ہوئے، تو انہوں نے اپنے مشیر خاص یعنی مروان[1] سے اس امر کی نسبت دریافت کیا ؛

مروان فتنہ انگیز شخص تھا، اس نے ولید کو یہ مشورہ دیا، کہ قبل اس کے کہ ان چاروں میں سے کسی ایک کو یہ امر معلوم ہو، ان کو یہاں بلالینا چاہیئے، یہاں جب وہ آجائیں تو پھر بیعت کے لئے انہیں مجبور کیا جاوے، مانیں تو اچھا ہے، ورنہ تلوار سے کام لیا جائے

لیکن مروان کے اس مشورہ کی اطلاع کسی نے امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لکھ دی آپ مدینہ شریف سے اپنے اہل بیت کو لے کر مکہ[2] میں چلے گئے، اور گوشہ نشینی اختیار کرلی ؛

جن دنوں حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مدینہ سے مکہ کو ہجرت فرمائی ہے ان دنوں حارث مکہ کے عامل تھے، لیکن عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ جب مکہ میں وارد ہوئے تو وہ حارث سے لڑکر خود مکہ کے عامل بن گئے ؛

اہل کوفہ و شہادت مسلم سنہ ہجری

مکہ و مدینہ و دمشق میں تو یہ حالات تھے، ادھر اہل کوفہ کی حالت مذبذب تھی، ان کو ادھر تو یزید کی حکومت کا خوف تھا، ادھر مکہ شریف میں عبداللہ بن زبیرؓ پر حاکمسان یزید کی چیرہ دستیوں کا ہراس چھایا ہوا تھا ؛

اس خوف و ہراس کی حالت دور کرنے کیلئے اہالیان کوفہ نے یہی مناسب سمجھا، کہ

---

[1] حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ، امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد ہی مکہ میں چلے گئے تھے، لیکن بعض مورخوں نے یزید کے عہد میں مکہ کی ہجرت کرنا لکھا ہے ؛ [2] یہ وہی مروان ہے، جس کی فطرت کا باعث حضرت عثمان رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی شہادت ہوئی ہے ؛

امام حسین رضی اللہ تعالے عنہ کے ہاتھ پر بیعت کر کے ان کو اپنا خلیفہ بنا لیا جائے، اس خیال کو مد نظر رکھ کر انہوں نے آپ کو پے در پے لکھا کہ آپ یہاں تشریف لا کر اپنے والد کے جانشین بنیں ہم سب آپ کی بیعت کرنے کو تیار ہیں ؛

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اگرچہ گوشہ نشینی اختیار کر چکے تھے، اور ان کو اب خلافت کا خیال نہ تھا، لیکن ایک تو اہل کوفہ کی وفاداری کا یقین دوسرے اصرار اس لئے آپ کوفہ میں جانے کیلئے تیار ہو گئے، لیکن مزید احتیاط کیلئے آپ نے اپنے چچا زاد بھائی مسلم بن عقیل کو کوفہ روانہ کرتے وقت تاکید کر دی تھی، کہ اہل کوفہ چونکہ ہمارے معتقد ہیں، تم وہاں جا کر اپنے ساتھیوں سے وفاداری کا عہد لے کر ان کی تعداد بڑھاؤ ؛

چنانچہ حضرت مسلمؓ جب کوفہ میں پہنچے، تو اہل کوفہ نے آپ کی بڑی قدر و منزلت کی اور اٹھارہ ہزار جان نثاروں نے ان کو اپنی وفاداری کا یقین دلا کر ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی ؛

امام مسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب اہل کوفہ کی یہ جان نثاری دیکھی تو آپ نے امام حسینؓ کو اس بات کی اطلاع دیکر کوفہ میں جلد آنے کی تاکید کی ؛

لیکن مشکل یہ ہوئی، کہ اہل کوفہ کی اس جان نثاری کی اطلاع یزید کو بھی ہو گئی، اس نے فوراً عباد بن زیاد کو (جو اس وقت بصرہ کا عامل تھا) لکھا، کہ تم فوراً بصرہ سے کوفہ روانہ ہو جاؤ، اور وہاں کے حاکم نعمان کو معزول کر کے اس کی جگہ سنبھالو ؛

عباد بڑا جنگجو اور سنگدل واقع ہوا تھا وہ نہایت ہوشیاری اور مستعدی سے کے ساتھ فوراً کوفہ میں داخل ہوا، اور وہاں پہنچتے ہی اس نے جان نثاران اہل بیت پر ظلم و تشدد کرنا شروع کئے ؛

حضرت مسلم رضی اللہ تعالے عنہ یہ حالت دیکھ کر ہانی بن عروہ کے مکان میں چھپ

گئے، جن کی وجہ سے ہانی پر بڑا تشدد ہوا، آخر وہاں سے اس خیال سے نکلے، کہ میری وجہ سے کوئی کیوں آفت میں پڑے، سوچا کہ لڑ کر جان دینی ہزار درجہ بہتر ہے، لیکن بہت[1] کم لوگوں نے آپ کا ساتھ دیا، آخر رحمدل بیوی نے آپ کو اپنے گھر میں چھپا لیا، لیکن عباد کے سپاہیوں نے گھر کا محاصرہ کر لیا، اس گھر پر بھی تشدد ہوتا دیکھ کر آپ ننگی تلوار ہاتھ میں لئے ہوئے نکلے، لیکن آپ کو اس دھوکے سے گرفتار کر لیا گیا، کہ آپ رہا کر دیئے جائیں گے، چنانچہ آپ تلوار میان میں کر کے جب عباد کے روبرو ہوئے تو اس ظالم بے مہر نے ہانی کے ساتھ آپ کو بھی قید کر دیا ؛

معتقدین اہل کوفہ میں جن لوگوں کو امام مسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس مظلومیت کا قلق ہوا وہ لوگ عباد کے مکان پر چڑھ آئے، تاکہ امام مسلمؓ کو رہا کرائیں، لیکن عباد اس سرکشی سے کب ڈرنے والا تھا، اس ظالم نے یہ مجمع بغاوت دیکھتے ہی ہانی و حضرت امام مسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہ شہید کر ڈالے، اور اس مجمع بغاوت کو فرو کر دیا ؛

واقعہ کربلا، شہادت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۱۰ محرم روز جمعہ ۶۱ھ

حضرت امام حسینؓ حضرت مسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی تاکید و تسلی کے خطوط کے مطابق مع اہل بیت مکہ شریف سے کوفہ پہنچنے کے لئے روانہ ہو چکے تھے، اور کوفہ تھوڑی دور تھا، کہ آپ شہادت مسلمؓ کی المناک خبر سنکر نہایت بے چین ہوئے ؛

ممکن تھا، کہ آپ وہیں سے مکہ شریف کی طرف لوٹ آتے، لیکن اہل کوفہ کے پاس وفاداری کا خیال مانع ہوا، ادھر عباد ابن زیاد بھی غافل نہ تھا، اس نے عمر ابن سعد کو اس کام پر مامور کیا، کہ امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو راستے میں ہی روک لیا جائے ؛

عمرو ابن سعد نے حر کی ماتحتی میں ایک ہزار سواروں کا رسالہ کوفہ کی سرحد

[1] کچھ لوگوں نے تو عباد اور حکومت یزید کے خوف سے آپ کا ساتھ نہ دیا، اور کچھ لوگوں نے یہ کہا کہ جب تک امام حسین علیہ السلام نہ آئیں گے، اس وقت تک ہم لڑائی شروع نہیں کر سکتے ۱۲ ؛

پر روانہ کیا :۔

چنانچہ امام حسین رضی اللہ تعالے عنہ جب سرحد کوفہ پر پہنچے، تو اُنہوں نے اس رسالہ کو دیکھ کر حر سے کہا، ہم لوگ جنگ کی غرض سے نہیں آئے بلکہ اہل کوفہ نے بیعت کے لئے بلایا ہے، حر قوم تمیمی سے تھا، اور رحم دِل دیندار شخص تھا، اس نے کہا کہ ہم لوگ ابن زیاد حاکم کوفہ کے حکم اور عمر ابن سعد کی ماتحتی میں آپ کی نگرانی کرنے کے لئے مجبور ہیں، سوائے اس کے ہم آپ پر کسی طرح کا ظلم نہیں کر سکتے کہ آپ ملک کوفہ میں جس طرف جائیں، ہم آپ کے نگران رہیں :۔

بعض تاریخوں میں ثمرہ کے متعلق اور بعض نے حر کی نسبت روایت کی ہے، کہ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب اپنے قاصد قیس بن سعد بن عبادہ کا حال دریافت کیا تو اُنہیں یہ معلوم ہؤا کہ عبادہ نے قیس کو بھی قید کر لیا تھا، لیکن وُہ ایک بلند برج سے گر کر جان بحق ہو گئے، حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو قیس بن سعدہ کی وفات کا افسوس ہؤا، پھر اہل کوفہ کے متعلق دریافت کرنے پر معلوم ہؤا، کہ وُہ لوگ اپنے حاکم کوفہ کے خوف سے مدد نہیں کر سکتے، انہی تفکرات میں آپ قادسیہ کی طرف روانہ ہوئے، حر اور اس کے سوار بھی آپ کی نگرانی میں ساتھ ہوئے، لیکن آپ رات کو راستہ بھول گئے، صبح ہوئی، تو دیکھا، کہ آپ دریائے فرات کے کنارے ہیں آخر وہیں آپ نے اپنا پڑاؤ ڈال کر قیام اختیار کر لیا، اتنے میں عمرو ابن سعد بھی چار ہزار سپاہ کی فوج لیکر آ پہنچے :۔

عمرو ابن سعد بھی دیندار شخص تھا، اُسے اہل بیت سے محبت بھی، لیکن حکم حاکم مرگ مفاجات کے لحاظ سے وہ مجبور تھا :۔

ف ''اُس رات آپ نے خواب میں دیکھا، کہ ایک سوار یہ کہتا ہے "رات کو آدمی چلتے ہیں مگر یہ نہیں جانتے کہ ان کی موت بھی اُن کے ہمراہ ہوتی ہے" :۔

معتبر روایات سے اس خواب کی صداقت ظاہر ہے :۔

حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عمرو ابن سعد سے بھی یہی کہا، "کہ ہم اہل کوفہ کے دھوکے میں آکر یہاں تک آگئے ہیں، اب تم ہم کو مکہ میں واپس جانے دو، اس پر عمرو بن سعد نے کہا۔ کہ میں اپنے حاکم عباد کی اجازت کے بغیر اس بات کا جواب دینے سے معذور ہوں، میں آپ کا یہ پیغام اپنے قاصد کے ہاتھ عبید تک پہنچائے دیتا ہوں، جو کچھ وہ جواب دینگے، اس سے آپ کو مطلع کر دیا جائیگا۔

چنانچہ عمرو بن سعد نے اپنے قاصد کی معرفت ابن زیاد کی خدمت میں اس مضمون کا عریضہ لکھا، "چونکہ امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اہل بیت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے ہیں، اس لئے ان پر کسی قسم کی سختی کا حکم نہ دیا جائے، بلکہ حتی الوسع انکی خواہش کے مطابق ان کو واپس کر دینا ہی مناسب ہے"۔

لیکن عباد جیسے سنگدل انسان پر اس کا کیا اثر ہوتا، اس نے بجائے رحم کرنے کے عمرو بن سعد کے نام یہ حکم لکھا، "تاوقتیکہ حسین بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم یزید کی بیعت نہ کریں، دریائے فرات کے پانی کا ایک قطرہ بھی ان کے خیمہ تک جانے نہ پائے"۔

عمرو کا دل عباد کی اس بے رحمی سے بھر آیا، لیکن مرتا کیا نہ کرتا، مجبوراً اسے اس حکم کی بھی تعمیل کرنی پڑی۔

حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب اہل بیت پر یہ ظلم دیکھا تو عمرو سے کہا، یا تو (۱) یزید کے پاس مجھ کو جانے دو، تاکہ اس کے روبرو گفتگو کی جائے، یا (۲) مجھے واپس جانے دیا جائے، یا (۳) کافروں سے لڑنے کی اجازت ہو۔

یہ تینوں باتیں عمرو نے پھر عباد کو لکھ بھیجیں، لیکن اس نے غصہ سے بیتاب ہو کر نہایت عجلت کے ساتھ شمر لعین کے ہاتھ یہ حکم لکھ کر عمرو کو بھیجا، "اگر امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ یزید کی بیعت پر رضامند ہوں، تو ان کے ساتھ مہربانی سے پیش آؤ، ورنہ فوراً قتل کر کے ان کی لاش گھوڑوں کے سموں سے پامال کر دو، ساتھ

ہی اس کے عباد نے قاصد شمر لعین کو یہ بھی کہہ دیا، کہ اگر عمرو میرے اِس حکم کی تعمیل میں تساہل کرے، تو تمہیں یہ حکم دیا جاتا ہے، کہ تم عمرو کا سر کاٹ کر اس کا کام انجام دینا ؛

شمر لعین ایک زبان دراز ظالم، جابر اور سنگدل شخص تھا، اس نے آتے ہی عمرو بن سعد سے عباد کا حکم دیتے ہوئے کہدیا، کہ اس کا جواب جلد دینا چاہئے ورنہ ٹھیک نہ ہوگا ؛

عمرو بادل ناخواستہ خود عباد کا حکم سنانے کیلئے حضرت امام حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے خیمے میں آئے امام حسین علیہ السّلام اس وقت اپنے بھائی حضرت عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے ساتھ کچھ باتیں کر رہے تھے، عمرو نے جب عباد کا حکم نامہ سُنا کر جواب طلب کیا، تو امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کل کے روز جواب دینے کو کہا، اور اُسی وقت اِس ذلت سے اپنی پاکیزہ جان دینے کے بدلے جنگ میں شہید ہونے کا تہیہ کر چکے ؛

آپ اسی تردد میں اپنی تلوار کے سہارے کھڑے تھے، کہ آپ کو غنودگی سی آگئی اور خواب کی حالت میں پھر وہی سوار نظر آیا، جو فضا کا سوار تھا، اتنے میں آپ اپنی ہمشیرہ معظمہ حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے آنے سے بیدار ہوئے تو آپ نے اس خواب کا حال بتاتے ہوئے . . . اُس کی یہ تعبیر کی، کہ اب ہم اپنے نانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس جانے والے ہیں، یہ سنتے ہی حضرت زینب رضؓ نے ایک سرد آہ بھر کر کہا، آہ پہلے ہماری والدہ مکرمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کا انتقال ہوا، پھر ہمارے والد کا سایہ ہمارے سر سے اُٹھ گیا، بڑے بھائی حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ہمیں چھوڑ کر چلدیئے، اب آپ بھی ہمیں چھوڑتے ہیں، تو ہم کس کے سہارے جئیں گے، اسی غم و اندوہ میں آپ فرش خاک پر گر کر بیہوش ہوگئیں، حضرت امام

حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے آپ کو پانی کے چھینٹے دیکر بیدار کیا، اور تسلی و تشفی کے لہجے میں کہا، اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھو، خدا نے جو چیز پیدا کی ہے، وہ سب ایک روز فنا ہو گی، ہر شخص مریگا، کوئی آگے، کوئی پیچھے، سب کو موت کا انتظار کرنا چاہیئے اسی طرح باقی اہل بیت کو بھی تسلی و تشفی دیتے ہوئے کہا :۔

یزید کا لشکر جو ہمیں گھیرے ہوئے ہے، یہ صرف میری موت کا خواہاں ہے تمہارا دشمن نہیں ہے، اس لئے تم میرے لئے موت کے منہ میں نہ آنا اب مجھے خدا کے سپرد کرو، اور تم لوگ اپنی جانیں ضائع نہ کرنا" :۔

حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ تقریر سنکر آپ کے بھائی حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا، خدا وہ دن نہ دکھائے کہ ہم آپ کو دشمنوں میں گھرا ہوا دیکھ کر جیتے رہیں، یہ نہیں ہو سکتا، کہ ہم لوگ آپ کو چھوڑ کر یہاں سے چلے جائیں :۔

جب حضرت امام حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے اپنے ساتھیوں کا یہ استقلال دیکھا تو جنگ کیلئے تیار ہو گئے، سب سے پہلے تمام خیمے ایک قطار میں نصب کئے گئے اور ان کی رسیاں دُور تک تان دی گئیں، تاکہ دشمن رسیوں میں گھرنے سے خیموں تک جلدی نہ پہنچ سکیں، اور خیموں کے پیچھے ایک خندق کھودا گیا جس میں لکڑیاں بھر دی گئیں تاکہ اگر دشمن پیچھے سے حملہ کریں، تو ان لکڑیوں میں آگ لگا دی جاوے :۔

اِن انتظامات کے بعد تمام رات آپ اور آپ کے ساتھی، نماز اور دعا میں مشغول رہے، مخالفین بھی بے خبر نہ تھے، ان کے سپاہی بھی نگرانی میں لگے ہوئے تھے، تاکہ رات کے وقت کہیں بھاگ نہ نکلیں :۔

یکم محرم ۶۱ھ سے آپ اسی لشکر میں گھرے رہے، اور آپ نے بڑی شجاعت کے ساتھ دشمنوں کی ہزار ہا تعداد کی فوج کا مقابلہ کیا :۔

نویں محرم کے روز آپ کے ارشاد کے مطابق لڑائی ملتوی رہی، اور ۱۰ محرم کو

صبح کے وقت دونوں طرف سے پھر جنگ شروع ہوگئی، آپ کے لشکر میں صرف چالیس پیادے اور تیس سوار تھے، اور یہ سب اگرچہ بے سروسامان تھے، لیکن شوق شہادت سے مخمور تھے، یہ وہ دن تھے، جس دن ہر ایک شخص کو شہادت کا کلی یقین تھا، اس لئے آپ کے ساتھ آپ کے سب ساتھی بھی اُس روز شوق شہادت میں نہا دھو کر اور خوشبو لگا کر میدان جنگ میں آئے تھے، ؛

آخری وقت آخری روز حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو تقریر کی ہے وہ سنگدل سے سنگدل شخص کا دل ہلا دینے والی تھی، لیکن دنیا بُری بلا ہے طمع نفسانی بڑی پُرزور قوت ہے، اِس کو مٹانا آسان نہیں، یزید کی فوج کے مسلمانوں میں سے سوائے بہادر حُر کے کسی پر حضرت امام حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی تقریر جگرخراش کا اثر نہ ہوا ؛

چنانچہ ایک حُر ہی، نکوکار، باحیا، بہادر شخص تھا، جو مخالف فوج میں سے نکلکر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے قدموں میں آگرا ؛

جس نے آتے ہی اہل کوفہ کو للکار کر کہا، اہل کوفہ پر حیف ہے، جنہوں نے خاندان نبوی کو اپنے شہر میں مدعو کر کے ایسا ظلم ناروا کیا، جو کوئی انسان نہیں کر سکتا، تُم نے دریائے فرات کا پانی تک بند کر دیا، جو تمام مخلوق کے واسطے ہے، تُم نے حیوانوں کی طرح اُن کو مقید کر دیا۔" بتاؤ ان مظالم کا جواب خدا کو کیا دو گے، عمرو نے معذرت کے طور پر ابھی یہی کہا تھا" کہ ہم لوگ عباد بن زیاد کے حکم سے مجبور ہیں، تو شمر لعین نے بات کاٹ کر امام حسین رضی اللہ تعالےٰ کے خیمے کی طرف ایک تیر پھینک کر پھر لڑائی شروع کر دی ؛

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اور اُن کے ساتھی تو اپنی جانیں وقف کر ہی چکے تھے چنانچہ دِل توڑ کر اس بہادری سے لڑے کہ دشمن تک اُن کی شجاعت کا لوہا مان گئے ؛

حضرت امام حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو آج تک اگرچہ کسی لڑائی میں شامل ہونے کا موقعہ نہ ملا تھا، لیکن پھر بھی اسد اللہ غالبؑ علی ابن ابی طالب کے فرزند ارجمند تھے شیر کی طرح اللہ اکبر کا نعرہ لگاتے ہوئے جس طرف اپنی شمشیر خار اشگاف چلاتے تھے صفیں کی صفیں الٹ دیتے تھے، اتنے میں شمر لعین اور اُس کے ہمراہی آپ کے خیمے تک پہنچ گئے، اور اُس بدبخت ازلی نے آپ کے خیمے میں آگ لگانی چاہی لیکن عورتوں نے باہر نکلکر فلک کو ہلا دیا ؂

حضرت امام حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے جب شمر لعین کو عورتوں کے خیمہ کے پاس دیکھا، تو پلٹ کر اس طرف آئے شمر لعین مارے دہشت کے اس وقت وہاں سے بھاگا، مگر اُس کے ساتھی وہیں نار جہنم ہو گئے ؂

ادھر دشمن کی طرف سے تیر برسنے شروع ہوئے، بلکہ تیر دنکی بارش سی شروع ہو گئی اِس تیر باری میں آپ کے تمام ساتھی ایک ایک کر کے جام شہادت نوش کر گئے اگرچہ اب صرف آپ تنہا رہ گئے تھے، لیکن شجاعت عظمت کے رعب نے ہزاروں شخصوں میں سے ایک کو بھی آپ تک آنے کی جرأت نہ دلائی، اس وقت آپ کے چھوٹے صاحبزادے علی اصغر رضی اللہ تعالےٰ عنہ جو پیاس کے مارے بلک رہے تھے، اور روتے روتے اُن کا گلا اور بھی خشک ہو گیا تھا، آپ اسے بہلا ہی رہے تھے، کہ دشمن کا تیر اس معصوم کے گلے کے پار ہو گیا، اور مظلوم و معصوم علی اصغر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پانی کے بدلے جام شہادت سے سیراب ہو کر ہمیشہ کی میٹھی نیند سو گئے ؂

آپ کے بھتیجے قاسم کے بازو میں بھی تیر کا زخم آیا ؂

ایسے وقت میں جب کہ گھر کا گھر برباد ہو چکا ہو، ننھے اور معصوم بچے ظالموں نے شہید کر دیئے ہوں، عورتوں کا ساتھ اور اپنی عزت کا پاس ہو، اگر کوئی صبر کا مجسم

عملی نمونہ پیش ہو سکتا ہے، تو وہ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی ہیں ؛

آپ خاموش تھے، اور خدا کی رضا پر راضی، نہ کسی قسم کی گھبراہٹ نہ بے چینی صرف موت کا انتظار تھا، اور اپنے والدین اور نانا کے پاس پہنچنے اور خدا کے دیدار کا اشتیاق ؛

اگرچہ حضرت زینب رضی اللہ تعالےٰ عنہا نے آگے بڑھ کر دشمنوں سے خطاب کرتے ہوئے چلّا کر یہ کہا، کہ "خاندان نبوی کے قاتلوں پر قہر الٰہی نازل ہوگا، اور خداوند کریم اُن سے اس ظلم کا پورا بدلہ لے گا" ؛

لیکن شمر لعین اس زور سے چلّایا، کہ حضرت زینبؓ کی یہ آہ و بکا کوئی نہ سن سکا ؛ آخر یہی شمر لعین سب سے آگے بڑھا، اور حضرت امام حسین علیہ السلام کے سامنے آن کر اس نے سینہ بسینہ لڑنا شروع کیا، لیکن چہ نسبت خاک را با عالم پاک، کجا شمر لعین اور کجا اولاد شیر خدا نواسہ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم، چنانچہ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے ایک شمر لعین ہی کے کیا، اُس کے تمام ساتھیوں کے بھی منہ موڑ دیئے، جس طرف وار کرتے تھے، کشتوں کے پشتے لگ جاتے تھے، یہ معمولی سی شجاعت نہیں ہے، کہ ایک ایسا مقتدر انسان جو کہ بے سروسامانی کی حالت میں بیوی بچوں کے ساتھ محض صداقت پر بھروسہ کر کے گھر سے نکلا ہو، اور ہزاروں دشمنوں میں گھر کر کئی روز کا بھوکا پیاسا ہونے کے باوجود بیسیوں دشمنوں کو خاک و خون میں گرا رہا ہو ؛

لیکن حضرت امام حسین علیہ السلام آخر انسان تھے، کئی روز کے تھکے ماندے جسم مبارک پر تینتیس۳۳ زخم کھائے ہوئے، آخر جب نڈھال ہو گئے، تو دشمنوں نے ہادیٔ اسلام حضور پُر نور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے نواسے شیر خدا اور فاطمۃ الزہرا رضؓ کے پیارے لخت جگر کو شہید کر دیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ہ

بدطینت اور بدترین شمر لعین نے آپ کی لاش مبارک کی یہاں تک بیحرمتی کی، کہ بموجب حکم یزید پلید گھوڑوں کے سموں سے پامال کیا ؛

مظلوم شہید حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جان نثاروں میں بنی فاطمہ کے سترہ آدمی شہید ہوئے آپ کے خاندان میں سے سوائے امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اور کوئی زندہ نہ رہا، وہ بھی اس لئے بچ گئے، کہ بیمار تھے، میدانِ جنگ میں نہ آسکے ؛

عمرو سعد نے تو اپنا یہ ناپاک کام انجام دیکر کوفہ کی راہ لی، اور شمر لعین نے آپ کا سر مبارک عبیداللہ ابن زیاد کے پاس روانہ کیا ؛

روایت ہے، کہ خونخوار ظالم عبیداللہ کے روبرو جب امام حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا سر مبارک پیش کیا گیا، تو اس بدبخت ازلی نے شہید مقدس کے سر مبارک پر لکڑی ماری، وہاں ایک بزرگ صحابی بھی تھے جنہوں نے یہ بے حرمتی دیکھکر کہا، اُف ظالم بدبخت تیرے سیاہ دل میں خاندانِ نبوی کی عظمت کی تل جتنی بھی سفیدی نہیں ہے خدا کی قسم میں نے اس شہید مقدس کے ہونٹوں کو حضور پرنور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے ہونٹوں سے ملا دیکھا ہے !

عبادہ ابن زیاد یزید پلید کو خوش کرنے کی خوشی اور اس ظلم ناروا کی مسرت میں جب اپنے محل سے باہر نکلا، تو اُس نے خاندانِ نبوی کی مستورات مطہرات کو نہایت درماندگی اور خستگی کی حالت میں فرش خاک پر بیٹھے، دیکھ کر دریافت کیا، کہ یہ کون عورتیں ہیں ؟

جواب ملا، کہ (امام) حسین ابن علی رضی اللہ تعالےٰ عنہم کے خاندان سے ہیں، یہ سنتے ہی اُس نے کہا، غرور کا یہی نتیجہ ہوتا ہے، اِس پر حضرت زینبؓ نے فرمایا، اللہ تعالےٰ کا شکر ہے، جس نے ہمارے خاندان کو اپنے رسول پاک حضرت محمد صلی اللہ

علیہ وسلم سے مفتخر کیا ہے اور جو انکے معتقد ہوئے، خدا نے اُن کو جنت میں جگہ دی، اور جنہوں نے ظلم کیا، یاد رکھو، کہ اللہ تعالیٰ اُن سے اِس ظلم کا بہت جلد بدلہ لیگا، اور روز قیامت میدان محشر میں انصاف کریگا ؛

ظالم ابن زیاد حضرت زینب رضؓ کے جواب سے آگ بگولہ ہو کر بولا، کیوں نہیں کیونکہ تم حضرت، علی (کرم اللہ تعالیٰ وجہہٗ) شاعر کی لائق اور شجاع بیٹی ہو نا ؛

حضرت زینبؓ نے جواب دیا، عورتوں کے واسطے شجاعت کوئی لازمی نہیں مگر یہ دل کی آواز ہے، جو بے اختیار دل سے نکلتی ہے ؛

اسی سوال وجواب میں ظالم عباد۔۔۔۔ زین العابدین کی طرف بغور دیکھ کر قتل کرنے کا حکم دینے کو ہی تھا، کہ حضرت زینبؓ نے اپنے بھتیجے کو اپنی چادر میں چھپا کر کہا، کیا میرے تمام خاندان کے خون سے ابھی تیری پیاس نہیں بجھی جو اس بچے کو بھی تاک رہا ہے، یاد رکھنا میں اسکی جان کے بدلے اپنی جان دیدونگی ؛

غرضیکہ حضرت زین العابدینؓ کو خدا نے بچانا منظور تھا، اور سادات قریش کی نسل قائم رکھنی منظور تھی، اس لئے وہ اس ظالم کے ہاتھ سے بچ گیا ؛

اِن تمام واقعات کے بعد ظالم عباد نے حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سر مبارک شمر لعین کی معرفت یزید پلید کے پاس دمشق میں روانہ کیا، اور اس کے ساتھ ہی حضرت زینبؓ اور امام زین العابدینؓ بمعہ اہل بیت باول ونخواستہ روانہ ہوئے ؛

روایت ہے، کہ شہید مقدس حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سر مبارک شمر لعین نے نیزے پر آویزاں کر دیا تھا، اور حضرت زین العابدین کی گردن مبارک میں زنجیر ڈالدی گئی تھی، جب شمر لعین نے یزید پلید کے سامنے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا سر مبارک اور ظالم عباد کا ہدیہ مبارک باد پیش کیا تو وہ بہت خوش ہوا، بعض روایات میں ہے۔ کہ اس ظلم نارو اسے اس کا دل پلید بھی بھر آیا، اور جب بعض ظالموں نے

... زین العابدین کو بھی قتل کر دینے کا مشورہ دیا، تو اسی دہل سے یزید پلید نے حضرت زین العابدین کو قتل نہ کیا ؛

بلکہ یزید نے حضرت زینب اور آپ کے ہمراہیوں کی عزت کی ان کو غسل کروا کر کپڑے بدلوائے اور اپنے محل میں رہنے کی اجازت[1] دی ؛

حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کوفہ کے قریب میدان کربلا میں شہید ہوئے اور اُن کا سر مبارک دمشق میں دفن ہوا لیکن کچھ عرصہ جہاں آپ شہید ہوئے تھے، یعنی میدان کربلا میں آپ کا روضہ بنایا گیا، جو شہد حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے نام سے مشہور ہے ؛

حضرت زینبؓ و زین العابدین و دیگر خاندان حضرت امام حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہ رہا ہو کر مدینہ شریف میں آ گیا، اور اسی جگہ ان صابر و مظلوم پاکیزہ ہستیوں نے عالم جاودانی کو لبیک کہا ؛

سنہ ۶۱ھ و سنہ ۶۲ھ

یزید پلید نے اپنے زعم میں مستحق خلافت خاندان قریش و اہلبیت نبوی کا خاتمہ کر کے اپنے عاملوں کو ملکی فتوحات کی طرف راغب کیا ؛

چنانچہ ظالم عبید اللہ بن زیاد نے جو اس وقت والی بصرہ تھا، منذر بن جارود کے بعد منذر بن حارث بن بشر کو والی سندھ مقرر کیا، لیکن منذر کو ایک سفر میں کچھ ایسی بدشگونی نظر آئی جس پر ظالم عبید اللہ بن زیاد نے یہ پیشین گوئی کر دی، کہ منذر اب سندھ سے زندہ واپس نہیں آئیگا، منذر چونکہ بہادر اور نامور افسر تھا اس لئے ابن زیاد کو سندھ کی طرف اُسے ہی روانہ کرنا پڑا ؛

[1] ہمارے خیال میں یہ روایات غلط ہیں، کیونکہ جو شخص اپنی خلافت کیلئے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا دشمن ہو، اور جس کے حکم سے یہ سانحہ ہوشربا واقعہ ہوا ہو اُس سے رحم کی کیا توقع ہو سکتی ہے - (شوق)

وفات منذر ۶۲ھ

لیکن ابن زیاد کی یہ پیشین گوئی پوری ثابت ہوئی، وہ اس طرح کہ منذر حدود توران تک ابھی پہنچنے نہ پایا تھا، کہ بیمار ہو گیا، اور اسی بیماری میں مرگیا ؛

منذر کے مرنے بعد اس وقت اُس کا بیٹا حکم کرمان میں تھا، ابن زیاد کو جب منذر کے مرنے کی خبر معلوم ہوئی، تو نہایت افسوس کیا، اور اِس بہادر کی جاں نثاریوں کے بدلے میں اُس کے حکم کو نہ فقط تین ہزار درہم بھیجے بلکہ منذر مرحوم کی جگہ اُس کے

حکم بن منذر والی کرمان و سندھ ۶۲ھ میں

بیٹے حکم بن منذر کو والی کرمان و سندھ کا مقرر کر دیا، حکم صرف چھ مہینے میں والی مکران رہا، اس مدّت میں بھی اُس نے اپنی لیاقت و بہادری کا اظہار کر دیا ؛

ابن حرّی[1] باہلی والی سندھ

حکم بن منذر کے بعد ابن زیاد نے ایک دوسرے لائق اور بہادر سردار ابن حرّی باہلی کو والی سواحل سندھ مقرر کیا، ابن حرّی کے ہاتھوں خدا نے مسلمانوں کو بہت سی فتوحات پر فخر کرنے کا موقع دیا، چنانچہ اس بہادر نے خاک سندھ پر قدم رکھتے ہی میدان کارزار گرم کر دیا، سخت معرکہ آرائیاں کیں جن پر سب میں فتحیاب ہوا، اور بہت سا مال غنیمت حاصل کیا ؛

سنہ ۶۳ھ

عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اقتدار ۶۳ھ میں

حضرت امام حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی شہادت کے بعد یزید کو اگرچہ اس بات کا اطمینان ہو چکا تھا، کہ اب سلطنت کا کوئی مخالف نہیں رہا، لیکن وہ ایک اولوالعزم ہستی سے بے خبر رہا، وہ اولوالعزم ہستی عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالےٰ عنہ تھے، جو اپنی بزرگی، پرہیزگاری اور اتقا کے باعث دیندار مسلمانوں میں بہت مقبول تھے، حتیٰ کہ تمام بنی ہاشم نے اُن کو خلیفہ وقت تسلیم کر کے اُن کے ہاتھ پر بیعت کر لی،

[1] بعض مورخین نے لکھا ہے، کہ عبیداللہ ابن زیاد نے حکم بن منذر کے بعد سنان بن سلمہ کو سندھ پر مامور کیا تھا، اور ابن حرّی ان کی ماتحت فوجوں کا سپہ سالار تھا واللہ اعلم کونسا بیان صحیح ہے (خاکسار شوق)

مکہ اور مدینہ شریف میں ان کا اقتدار بہت بڑھا ہوا تھا ؛

جب یزید کو عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس اقتدار کا علم ہوا، تو یزید نے عامل مدینہ یعنی مروان ابن الحکم کو ایک چاندی کا طوق ارسال کر کے لکھا کہ نئے مدعی خلافت کی گردن میں یہ طوق ڈالکر اُسے پا بہ زنجیر کر کے فوراً میرے پاس حاضر کرو ؛

مروان چالاک شخص تھا، وُہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے اقتدار سے بخوبی واقف تھا، اُس نے خیال کیا کہ اگر یزید کے حکم کے مطابق میں نے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے متعلق ذرا بھی مخالفت کی تو میں اہالیان مکہ و مدینہ شریف سے نہیں بچ سکتا، اس لئے مروان نے یزید کے حکم کو ٹالدیا

علاوہ اس کے یزید کی رعونت نے یہ رنگ اختیار کیا، کہ ظالم عبیداللہ بن زیاد جسے حضرت امام حسین علیہ السلام کے شہید کرنے کے صلے میں بہت سے جاہ و مال عزت و منصب کی یزید سے امید تھی، وہ طمع نفسانی کی نااُمیدی میں یزید سے دل برداشتہ ہوگیا ؛

یزید نے عبیداللہ بن زیاد کی بجائے سلم کو خراسان کی حکومت پر مامور کیا، تو اس بات پر عبیداللہ ابن زیاد یزید سے اور بھی کبیدہ خاطر ہوگیا ؛

ادھر مکہ شریف میں یزید نے ولید کی جگہ عثمان بن محمد بن ابوسفیان کو عامل مکہ بناکر بھیجا اور مکہ و مدینہ شریف میں یزید نے اپنا رسوخ بڑھانے کیلئے عثمان بن محمد کو تاکید کردی، عثمان بن محمد نے مکہ و مدینہ شریف کے لوگوں کو یزید کی طرف مائل کیا، لیکن اُنھوں نے یزید کے ماتحت رہنے سے اس وقت تک انکار کردیا، جب تک ایک تو ہماری چند شرائط یزید قبول کرے، اور دوسرے ہم اس کا چال چلن دیکھ کر اس بات کا اندازہ نہ لگالیں، کہ وُہ خلافت کے قابل ہے بھی یا کہ نہیں ؛

غرضیکہ انہی امورات کو طے کرنے کیلئے اہالیان مکہ و مدینہ میں سے چند معزز اشخاص عثمان ابن محمد نے منتخب کر کے یزید کے پاس روانہ کئے ؛

یزید نے ان لوگوں کی نہایت خاطر مدارات کی اور بہت سے زر و نقد و خلعت فاخرہ سے اُن کو سرفراز کیا، تاکہ یہ لوگ اپنے شہروں یعنی اہالیان مکہ و مدینہ میں میری تعریف و توصیف کریں، اور دونوں شہروں کے لوگ میری اطاعت میں آجائیں ؛

لیکن یزید کی یہ پالیسی کارگر نہ ہوئی، وُہ لوگ چونکہ نہایت راست گو اور صادق الایمان مسلمان تھے، اُنہوں نے یزید کے اخلاق عادات کا جائزہ لیکر اپنے اہالیان سے حرف بہ حرف کہدیا، کہ یزید بے نماز، عیاش، شراب خور، اور زانی شخص ہے ایسے شخص کی اطاعت ہم پر فرض نہیں ہے ؛

اس سلسلہ سفارت کے بعد مکہ اور مدینہ کے لوگ یزید سے جسقدر بدظن اور متنفر ہو گئے اسی قدر حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی معتقدین کی تعداد میں ترقی ہوئی، اور اُن کا اقتدار بھی بڑھ گیا ؛

اسی اثنار میں یزید کے عاملان عثمان بن محمد و مروان سے بھی تمام لوگ بدظن ہو گئے بلکہ اِن ہر دو عاملان مکہ و مدینہ شریف کے ساتھ ہی اور بھی بنی امیہ قید کئے گئے اب مکہ و مدینہ شریف میں بنی اُمیہ میں سے سوائے عبدالملک کے اور کوئی شخص آزاد نہ تھا عبدالملک مروان کے صاحبزادے تھے، جو نہایت متقی اور زاہد و عابد شخص تھے ؛

جب یزید نے مکہ و مدینہ شریف کی یہ حالت سُنی تو عبداللہ بن زیاد کو لکھا کہ مدینہ میں فوراً پہنچکر بغاوت فرو کرو ؛

لیکن عبیداللہ بن زیاد اب وُہ پہلا سا جان نثار یزید نہ تھا، کیونکہ وہ بھی یزید سے بدظن ہو چکا تھا، اس لئے اس نے صاف لکھدیا، کہ میں نے تمہارے پہلے حکم کی تعمیل کی اور خاندان نبوت کا خاتمہ کر دیا، اب مجھ سے خانہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بربادی نہ کرائیں، یہ کام کسی اور کے سپرد کیجئے ؛

یزید کی مخالفین میں سے جس شخص کو صف اوّل میں شمار کیا جا سکتا ہے، وُہ عبداللہ

ابن حنظلہ تھے، یہ پہلے سے ہی یزید کی بیعت پر ناراض تھے، اس لئے اُنہوں نے پہلے تو زین العابدین ابن امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بیعت لینی چاہی، لیکن اُنہوں نے یزید کے مقابلے کے خیال سے جب انکار کر دیا، تو پھر عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر عبداللہ نے بیعت کر لی، اور بیعت کرنیکے ساتھ ہی اُسنے نہ فقط یزید کی مخالفت کی بلکہ خاندانِ بنی اُمیہ کو جلاوطن کر دینے کا اعلان کر دیا ؛

بنی اُمیہ یہ اعلان سنتے ہی، مرواؔن بن الحکم کے قلعہ میں پناہ گزین ہوئے، لیکن عبداللہ بن حنظلہ نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ قلعہ کا محاصرہ کر لیا ؛

یہ تقریباً ایک ہزار آدمی تھے، اور کچھ مدینہ سے بھاگ کر یزید کے پاس پہنچے تھے ؛

مدینہ شریف پر یزید پلید کی فوج کشی سنہ ۶۳ھ یزید کو مدینہ شریف پر چڑھائی کرنے کی بڑی دقت پیش آئی، کیونکہ کوئی شخص یزید کی طرف سے سپہ سالار بنکر مدینہ منوّر پر فوج کشی کے لئے آمادہ نہ تھا آخر ایک سخت دل شخص مسلم بن عقبہ کو سپہ سالاری کیلئے مجبور کیا گیا، جس نے بہ جبر واکراہ مدینہ شریف پر فوج کشی کرنی منظور کی ؛

جس وقت مسلم کی سرکردگی میں دمشق سے مدینہ شریف کی طرف فوج روانہ ہونے لگی تو یزید نے مسلح ہو کر لشکر میں آن کر کہا ؛

"دیکھو نمک حلالی دکھانا، دلیری اور مردانگی سے لڑنا، تین روز تک اہل شہر سے اطاعت طلب کرنا، اگر وہ انکار کریں، تو ان کو قتل کر دینا، لیکن زین العابدین ابن حسین رضی اللہ عنہ سے کچھ نہ کہنا، کیونکہ اُنہوں نے اِس بغاوت میں کوئی حصہ نہیں لیا ؛

غرضیکہ مسلم بن عقبہ مدینہ شریف میں پہنچتے ہی تلوار ہاتھ میں لئے ہوئے شہر میں داخل ہوئے، سب سے پہلے امام زین العابدین اور محصورین بنی اُمیہ کو مدینہ سے اُس نے نکالا، اور پھر لڑائی شروع کر دی ؛

اُدھر اہل مدینہ کے سرغنہ عبداللہ ابن حنظلہ تھے، لیکن وہ اسی لڑائی میں شہید

ہوئے ، بلکہ اُن کے ساتھ بہت سے اصحاب کبار رضوان اللہ تعالےٰ علیہم اجمعین نے جام شہادت نوش فرمایا ، اور کئی لوگ غاروں میں جا چھپے ، سنگدل مسلم بن عقبہ نے اہالیانِ مدینہ شریف کو بہت تکلیف پہنچائی ، اور آخر مدینہ شریف پر قبضہ کرلیا گیا ؛

مکہ شریف پر یورش اور مسلم بن عقبہ کی وفات ۶۴ھ

مکہ شریف پر عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا پورا اقتدار تھا ، یزید نے اُن کے بھائی عمر بن زبیر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو روانہ کیا ، تاکہ وہ اپنے بھائی عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی سرکوبی کرے ، لیکن عمر کو ہزیمت ہوئی ، عبداللہ بن زبیرؓ چاہتے ، تو تمام شام کا مقابلہ کرسکتے تھے ، کیونکہ اُن کو اتنی قوت حاصل ہوگئی تھی ، لیکن اُنہوں نے مکّہ سے باہر جانا پسند نہیں کیا ، اسی ۶۴ھ میں عبداللہ بن زبیرؓ نے مکّہ شریف کے امیر ہونے کا باضابطہ اعلان کردیا ، بلکہ اِس سال حج عبداللہ کے نام سے بیت اللہ شریف کا حج بھی ہوا ؛

مسلم بن عقبہ مدینہ شریف کو تباہ کرکے مکہ شریف کی طرف بڑھا ، تاکہ اس مقدس شہر کی بھی بے حرمتی کرے ، لیکن مشیت ایزدی سے وہ راستے ہی میں لقمہ اجل ہو کر واصل جہنم ہوا ؛

حزین بن شمر شامی

مسلم بن عقبہ کی جگہ حزین بن شمر شامی النسل مقرر ہوا ، جس نے اپنی فوج کے ساتھ مکہ شریف پر چڑھائی کی ؛

دو مہینے کامل تک عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حزین کا مقابلہ کیا ، یزید کی فوج بھک سے اڑ جانے والا مادہ روی میں لپیٹ کر برساتے تھے ، جس کی وجہ سے خانہ کعبہ کی دیواریں تک سیاہ ہوگئیں ، بلکہ ایک پردہ میں آگ بھی لگ گئی ، اہل مکّہ محاصرے میں تھے ، کہ یک بیک ایک قاصد نے یزید پلید کے فی النار جہنم ہونے کی خوشخبری سنائی ؛

یہ خبر پھیلتے ہی فوج یزید کے حوصلے پست ہوگئے ، اور وہ قوم بنی اُمیہ کو ساتھ

لے کر چلتے بنے ؛

یزید بعارضہ ذات الجنب عالم شباب میں اپنے کیفر کردار کو پہنچا، اور دمشق میں دفن کیا گیا ؛

۶۴ھ و ۶۵ھ

معاویہ ثانی بن یزید کی تخت نشینی اور حکومت سے دست برداری وفات ۶۴ھ

یزید کی وصیت کے مطابق ۶۴ھ ہجری میں اُس کا بیٹا معاویہ ثانی خلیفہ سمجھا گیا، معاویہ ثانی کا سن اس وقت اکیس ۲۱ برس کا تھا، اگرچہ نہایت کمزور دماغ اور منہنی تھا، لیکن اس کے دل میں انصاف کا غلبہ تھا ؛

روایت ہے، کہ عمر ابن معصوم اُس کے اُستاد تھے، اور وہ اپنے اُستاد کے اشارے پر چلتا تھا، یہ بھی لکھا ہے، کہ معاویہ ثانی کی آنکھیں اسقدر کمزور تھیں، کہ وہ دن کی روشنی برداشت نہ کرسکتا تھا، بلکہ رات کے وقت امور مملکت انجام دیتا تھا، اس لئے عربی تاریخ میں معاویہ ثانی کو ابو اللیل سے تعبیر کیا گیا ہے ؛

اس منصف مزاج شخص کے پاس حسب رواج جب اُس کی رعایا بیعت کرنے آئی، تو اُس نے صاف کہدیا، کہ میں بیعت لینے کے قابل نہیں ہوں، اس پر عمر ابن معصوم یعنی معاویہ ثانی کے اُستاد بہت خوش ہوئے، اور اُنہوں نے مجبور کر کے بیعت لینے پر رضامند کیا، چنانچہ خاندان بنی اُمیہ اور شامیوں نے اُس کے ہاتھ پر بیعت کی ؛

ابھی صرف تین ہی مہینے ہوئے تھے، کہ ایک روز اُس کے اُستاد نے کہا، اگر تم خلفائے راشدین کی طرح انصاف کروگے، تو تمہارے لئے سب کچھ ہے، ورنہ جہنم ہے ؛

معاویہ یہ سنتے ہی ممبر پر بیٹھا اور عام لوگوں سے مخاطب کر کے اُس نے یہ تقریر کی

"لوگو! میں اپنے تئیں خلافت کے انجام دینے کے قابل نہیں پاتا، اور نہ میں اس بار کا متحمل ہوں، اور نہ خلافت کے متعلق ہمارے خاندان کا کوئی حق ہی ہے، دراصل میرے دادا معاویہ بن ابوسفیان نے خلافت کو زبردستی اپنا بنا لیا، تم کسی دوسرے لائق شخص کو اپنا خلیفہ مقرر کر لو"

بنی اُمیہ یہ سنتے ہی سخت مضطرب ہو کر کہنے لگے، تو آپ ہی کسی کو اپنا جانشین خلافت مقرر کر دیجیے، اس پر معاویہ ثانی نے کہا، میں اس قابل بھی اپنے آپ کو نہیں پاتا، یہ کہتے ہی وہ اپنے محل میں چلا گیا، اور اُسی وقت مر گیا۔

لوگوں کو عمر ابن معصوم پر شبہہ ہوا، کہ یہ سب کارروائی اسی کی ہے، اور اس پر زہر کا الزام قائم کر کے اُسے زندہ دفن کیا گیا۔

دورِ خلافت آلِ مروان

عہد خلافت مروان ..... ۶۴ھ تا ۶۵ھ ہجری .. وفات ربیع الثانی ۶۵ھ ہجری

معاویہ ثانی کے مرتے ہی شامی لوگوں کو اپنا خلیفہ بنانے کی پھر فکر ہوئی، کچھ لوگ تو عثمان بن عتبہ کی طرف رجوع ہوئے، لیکن انہوں نے خلیفہ بننے سے انکار کر دیا، اور مکہ شریف میں عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے پاس چلے گئے۔

قاتل حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہ عبداللہ ابن زیاد کو بنی اُمیہ کی اس پریشانی نے اچھا موقعہ دیا، چنانچہ اُس نے کوفہ میں آتے ہی پہلے تو خزانے کو اپنے قبضہ میں کر لیا اور اس کے بعد خود خلیفہ بننے کی فکر کرنے لگا، لیکن اہل دمشق خالد ابن یزید کو اپنا خلیفہ بنانے کے خواہشمند تھے، اس لئے ان پر ابن زیاد کا کچھ اثر نہ ہوا، اسی عرصہ میں مروان بن الحکم مدینہ شریف سے دمشق آ پہنچا۔

مروان چونکہ عمر رسیدہ اور بارسوخ شخص تھا، اس نے آتے ہی اہل دمشق کو سمجھایا کہ خالد بن یزید کی عمر ابھی ۱۶ برس کی ہے، یہ کل کا بچہ بار خلافت اُٹھانے کے ناقابل ہے، تم لوگوں کو کسی معمر شخص کو اپنا خلیفہ بنانا چاہیئے، غرض اپنی تھی، اس حکمت عملی سے مروان نے لوگوں کو اپنا گرویدہ کر لیا، اہل دمشق کو بھی سوائے اس کے کوئی چارہ نہ تھا، کہ وہ مروان کی خواہش کو نظر انداز کر کے کسی اور شخص کو تلاش کریں، اس لئے انہوں نے مروان سے کہا، کہ ہم لوگ تم کو اس شرط پر خلیفہ تسلیم کرتے ہیں کہ تم اپنے بعد خالد بن یزید کو اپنا جانشین کر دو ؛

مروان نے مصلحت وقت سمجھ کر فوراً اس بات کا اقرار کر لیا، اس ترکیب سے بلا کسی جنگ وجدل دمشق کی حکومت مروان کے ہاتھ آئی ؛

ادھر تو اہل دمشق وشام نے اس شرط پر مروان کو اپنا خلیفہ تسلیم کیا، اُدھر مکہ شریف و مدینہ شریف کے علاوہ، خراسان، بابلستان اور مصر کے لوگ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنا خلیفہ تسلیم کر چکے تھے ؛

عبیداللہ بن زیاد یہ حالت دیکھ کر اپنی ناکامی پر بہت بگڑا، اس وقت یہ ظالم بصرہ میں تھا، چنانچہ اس نے تمام لوگوں کو جمع کر کے اس بات کا احساس دلایا، کہ ابھی ایک طرف یعنی عرب وشام میں خلافت میں اختلاف ہے، تاوقتیکہ یہ اختلاف دُور نہ ہو جائے، اور تمام ممالک کا ایک ہی خلیفہ تسلیم نہ کیا جائے، اُس وقت ہمیں اور اپنے مُلک کو آزاد رکھنا چاہیئے، جب متفق طور پر ایک خلیفہ تسلیم کر لیا جاوے اُس وقت ہمیں بھی اُس کی اطاعت کرنی چاہیئے ؛

اہل بصرہ میں سے بعض لوگ اس ظالم سے ناخوش تھے، اس لئے اُنہوں نے اور لوگوں کو بھی عبیداللہ کے اس ارادہ سے مطلع کر دیا، کہ یہ بات اس نے صرف اس غرض سے کی ہے کہ ہم لوگ اسے خلیفہ تسلیم کریں ؛

غرضیکہ اہل کوفہ تو اس ظالم کی نمک حرامی سے پہلے ہی بدظن تھے، اب اہل بصرہ بھی بددل ہو گئے ؛

چنانچہ یہ ظالم قاتل امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہاں بھی اپنی دال نہ گلتی، دیکھ کر مروان بن الحکم کے پاس دمشق میں بھاگ آیا ؛

ہم عرض کر چکے ہیں، کہ مروان کو تو صرف شام دمشق والوں نے ہی اپنا خلیفہ تسلیم کر لیا تھا، مگر عبداللہ ابن زبیرؓ کو مکہ و مدینہ شریف، مصر، بلستان و خراسان وغیرہ کے تمام علاقے اپنا خلیفہ بنا چکے تھے، اس پر طرہ یہ ہوا کہ ظالم عبیداللہ بن زیاد جب بصرہ سے بھاگ گیا، تو بصرہ والوں نے بھی عبداللہ ابن زبیرؓ کو ہی اپنا خلیفہ تسلیم کر لیا اس لحاظ سے عبداللہ بن زبیرؓ کا اقتدار مروان بن الحکم سے بہت بڑھا ہوا تھا اس اقتدار و وقار پر خیال کرتے ہوئے مروان بن الحکم بھی عبداللہ ابن زبیرؓ کی اطاعت قبول کرنے کو ہی تھا، مگر شیطان عبیداللہ بن زیاد نے عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آگے مروان کا سر اطاعت جھکنے نہ دیا، بلکہ اس بات کی تحریک کی کہ وہ اُن کو اپنا باجگذار بنائے ؛

معرکہ دمشق میں ضحاک بن قیس کی وفات ۶۴ھ

ظالم عبیداللہ ابن زیاد کے باعث مروان حاکم دمشق اور عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں یہاں تک بڑھی، کہ عبداللہ ابن زبیرؓ نے ضحاک ابن قیس کی ماتحتی میں کچھ تھوڑی سی فوج دیکر دمشق میں روانہ کیا، مروان نے اپنی کافی فوج کے ساتھ مقابلہ کیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا، کہ نہ فقط ضحاک مارا گیا، بلکہ اہل دمشق کے اسّی مشہور شخص بھی مارے گئے ؛

اگرچہ مروان اپنی پالسی میں کامیاب ہو چکا تھا، لیکن ابھی اُسکے دل میں خالد بن یزید کی ولیعہدی کا کانٹا کھٹک رہا تھا، کیونکہ وہ اپنے لائق بیٹے عبدالملک کو اپنا جانشین بنانا چاہتا تھا، اسی خیال میں دراصل اُس نے دمشق کو چھوڑ کر مصر کی راہ لی ؛

تاکہ وہیں اپنی حکومت قائم کرے، چنانچہ اہل دمشق سے مصر کی چڑھائی کا بہانہ کرکے فوج اور خزانہ لیکر مروان جب مصر کے قریب پہنچا تو وہاں ایک مشکل نظر آئی، مصر میں عبداللہ بن زبیرؓ کا دخل تھا، اور اس کی طرف سے ایک عامل مصر مقرر تھا ؛

معرکہ مصر اور عبدالعزیز بن مروان

اس لئے مروان نے مصر میں داخل ہونے سے قبل اپنے بھتیجے عمرو سعد کو عامل مصر کے مقابلہ کے لئے روانہ کیا، اور اس نے پوری طاقت سے مصر پر حملہ کرکے عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے عامل کو شکست دی اور مروان دمشق کی طرف واپس چلا آیا ؛

عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے جب مصر کی شکست کا حال سُنا، تو اپنے بھائی حضرت مصعب کو ایک جرار لشکر کے ساتھ روانہ کیا، مروان اس لشکر کی خبر سُنکر پھر مصر کو روانہ ہوا، اور عمرو بن سعد و مروان نے مل کر حضرت مصعب کو شکست دیکر پورے طور سے مصر کو قبضہ میں کرلیا ؛

مروان فتح مصر کے بعد اپنے بیٹے عبدالعزیز کو مصر کی حکومت تفویض کرکے عمرو بن سعد کے ساتھ پھر دمشق کو واپس چلا آیا ؛

سلیم بن زیاد اور انتقام شہادت امام حسین علیہ السلام

سلیم بن زیاد خراسان میں تھا، مگر یہ اپنے بھائی عبیداللہ بن زیاد کی پالیسی میں کامیاب ہوگیا تھا، یعنی اہل خراسان اس بات پر راضی ہو گئے تھے، کہ تاوقتیکہ ہر ایک ممالک کا ایک ہی خلیفہ نہ ہو، اُس وقت تک ہم کسی کی بعیت نہ کرینگے، چنانچہ کئی سال سے اہل خراسان آزاد سلیم بن زیاد کے زیر اثر تھے، اسی زمانہ میں بابلستان اور کوفہ کے لوگوں میں انتقام شہادت کا جوش پیدا ہوا، اور ان لوگوں نے سلیمان بن سراد کو جو ایک نابینا صحابی تھے، اپنا سردار مقرر کرکے عام لوگوں میں اس بات کا اعلان کردیا، کہ جو لوگ اس انتقام شہادت میں ہم سے شامل ہونا چاہیں، وہ مقام نفیلہ پر جمع ہوں، غرضیکہ اس لشکر کی تعداد تقریباً ۴ ہزار تک ہوگئی، اور سب سے

پہلے یہ لوگ قاتل حضرت امام حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہ عبید اللہ ابن زیاد سے بدلہ لینے کے لئے بڑھے، لیکن عبید اللہ بن زیاد نے اپنے بیس ہزار سپاہ کے ساتھ ان لوگوں کو پامال کر دیا ؛

شہر قیروان اور عبد الملک بن مروان

اسی زمانہ میں شمالی افریقہ میں عقبہ کے لشکر کو ابن کاہنہ نے شکست دی اس پر عبد العزیز بن مروان نے عقبہ کی امداد کے لئے مصر سے فوج روانہ کی، مگر قیصر کے لشکر نے پھر اُن کو ہزیمت دی، وہاں سے ہزیمت خوردہ مسلمان بارقہ کو واپس آئے، اور قیصر کا لشکر اس فتحمندی کے زعم میں قیروان کی جانب بڑھا، عبد الملک بن مروان (جو پہلے بھی افریقہ کی مہم پر جا چکا تھا) اپنے لشکر کے ہمراہ ظہیر بن قیس کی امداد کو روانہ ہوا، اس بہادر نے قیصر کے لشکر کو پوری شکست دیکر ملک قیروان کو بچالیا، اور ظہیر بن قیس کو قیروان کی حکومت سپرد کر کے عبد الملک اپنے باپ مروان کے پاس دمشق میں واپس آگیا ؛

وفات مروان بن الحکم سال وفات ۶۵ھ

مروان اب بہت ضعیف ہو گیا تھا، اُس نے اگرچہ حاکم دمشق ہوتے وقت اہالیان دمشق سے خالد بن یزید کو ولیعہد بنانے کا اقرار کیا تھا لیکن اُس نے اپنے بڑے بیٹے عبد الملک کو باضابطہ اپنا جانشین قرار دیا، بعض مورخین کا قول ہے کہ اسی وعدہ خلافی کے باعث خاندان یزید نے اس کو زہر سے قتل کر دیا ؛

عہد خلافت عبد الملک بن مروان تاریخ خلافت ۱ رمضان ۶۵ھ عہد خلافت ۲۱ سال

۶۵ھ میں مروان کے بعد عبد الملک چالیس ۴۰ سال کی عمر میں تخت خلافت پر متمکن ہوئے، اور دمشق کو اپنی خلافت کا پایۂ تخت مقرر کیا ؛

عبد الملک عالم اور فقیہ تھے، اُنہیں مسجد نبوی کے طالب علم ہونے کا فخر حاصل تھا باپ کی زندگی میں حکومت کرنے سے بیزار رہے، لیکن باپ کا جانشین ہوتے ہی طبیعت میں انقلاب پیدا ہوا جس کی وجہ سے اسلامی خلافت کا دربار ایک بہت بڑا شاہنشاہی

دربار ہوگیا ؛

سب سے پہلے عبدالملک کو عبداللہ بن زبیرؓ کے اقتدار پر رشک ہوا، کیونکہ تمام عرب میں وُہ خلیفہ تسلیم کئے گئے تھے ؛

عبدالملک اسی ادھیڑ بن میں تھے، کہ ایک بہادر جرار افسر المختار بن ابو عبید ثقفی پھر انتقام حسینؓ کا جوش دلاتا ہوا، جب کوفہ میں آیا، تو وہاں پہنچ کر جو اشخاص واقعہ کربلا میں حضرت امام حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے لڑے تھے، اُن کو اُس نے تلاش کر کے خوب مارا، حتیٰ کہ شمر لعین کو بھی نہ چھوڑا، اور عمرو بن سعد کو بھی مع اُس کے دو بیٹوں کے گرفتار کر کے اُن کے باپ کے سامنے قتل کر ڈالا ؛

ابو عبید ثقفی دا انتقام شہادت حضرت امام حسینؓ

غرضیکہ جو جو شخص واقعہ کربلا میں حضرت امام حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے مخالف تھا اُس کو چُن چُن کے قتل کیا، اس کے بعد اُس نے کوفہ اور بابلستان میں اپنی حکومت کا سکہ جما لیا ثقفی کو اس زبردستی حکومت سے برطرف کرنے کیلئے شام سے عبدالملک نے اور عبداللہ بن زبیرؓ نے اپنے بھائی مُصعب بن زبیرؓ کو بصرہ سے روانہ کیا ؛

لیکن مختار ثقفی نے یہ پالسی اختیار کی، کہ عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے صلح کرلی چونکہ ثقفی ایک چالباز شخص تھا، اس لئے عبداللہ ابن زبیرؓ نے اس پر شبہہ کر کے عباس ابن سہل کو کچھ فوج کے ساتھ ثقفی کے پاس روانہ کیا، اور اُس کو تاکید کردی، کہ اگر ثقفی کے لشکر کا کچھ فریب دیکھو، تو فوراً گرفتار کرلو، اور ساتھ ہی یہ حکم دیا، کہ اگر وہ عبدالملک کے لشکر کے مقابلہ میں اپنا لشکر بھیجدے تو اس شرط پر اُس سے صلح کرلینا چنانچہ ثقفی نے شرجیل کی ماتحتی میں اپنا تین ہزار کا لشکر عبدالملک کے لشکر کے مقابلہ کیلئے روانہ کردیا ؛

لیکن عباس بن سہیل آگے بڑھ کر شرجیل کے لشکر پر آگرا جس میں کچھ سپاہی تو اُس نے قتل کردیئے، اور باقی ہزیمت خوردہ اپنے لشکر میں ملا لئے ؛

مختار ثقفی نے عباس بن سہیل کی اس کارروائی کا شبہہ عبداللہ بن زبیرؓ پر کیا، پہلے

تو اُس نے زین العابدین بن حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو مجبور کیا، کہ وہ اگر سرداری قبول کریں تو ہم لوگ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو قتل کر کے اُن کا جانشین بنا دیں، لیکن جب اُنہوں نے اپنی قناعت اور خونریزی کے خیال کو مدّنظر رکھ کر ثقفی کی بات کو نہ مانا تو اُس نے اہل کوفہ شیعان علیؓ کو طرح طرح کے دھوکے دیکر اپنے ساتھ ملالیا ؛

اس بغاوت کا حال جب عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو معلوم ہوا، تو اُنہوں نے کوفہ کے اُن سترہ سرداروں کو جو مکّہ میں آئے تھے نظر بند کر لیا ؛

اِن کوفی سرداروں نے نظر بندی کی حالت میں ہی ثقفی کو اپنی داستان مصیبت لکھ بھیجی، چنانچہ ثقفی نے ان خطوط سے بڑا زبردست کام لیا ؛

یعنی اُس نے اہل کوفہ کو جمع کر کے وہ خطوط زین العابدین بن حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے ظاہر کر کے اُن سے کہا، کہ یہ خطوط حضرت زین العابدین رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے ہیں خود وہ اور اپنے خاندان کے معزز لوگوں کے ساتھ یعنی خاندان نبوی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بھیڑ بکریوں کی مانند ظالموں نے قید کر لئے ہیں، اب تم کیا کہتے ہو، اِن کے رہا کرنے کے لئے اپنی جانیں قربان کر سکتے ہو، یا امام حسین کی طرح اُنکی اولاد کو بھی ظالموں کے ہاتھ سے اپنی آنکھوں کے سامنے شہید کراؤ گے ؛

مختار ثقفی کا حملہ مکّہ شریف پر

غرضیکہ مختار ثقفی نے اپنی اس چال سے اہل کوفہ کو جوش میں لاکر صرف ساڑھے نو سو جنگجو بہادر انتخاب کئے، اور ان کے چھوٹے چھوٹے دستے بنا کر ان کو الگ الگ مکّہ میں روانہ کیا ؛

چنانچہ جو دستہ سب سے پہلے روانہ کیا گیا، اس میں صرف ڈیڑھ سو شخص تھے جن کا سردار ابو عبداللہ الجدولی تھا، لہذا سب سے پہلے یہی ابو عبداللہ الجدولی نے اپنے ہمراہی دستہ کے ساتھ مکّہ شریف میں پہنچتے ہی انتقام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صدا بلند کر کے پہرے والوں کو مار کر اپنے کوفی بھائیوں کو قید خانہ سے رہا کر کے چاہ زمزم

پر قیام کیا ہے

عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب اس واقعہ کا علم ہوا، تو وہ اپنے محافظ دستے کے ساتھ ابوعبداللہ کے مقابل ہوئے، ابوعبداللہ اُن سے میدان لڑنے کو تھا، لیکن زین العابدینؒ نے یہ کہہ کر دونوں فریق کو لڑائی سے باز رکھا، کہ حرم میں خونریزی منع ہے اتنے میں ابوعبداللہ کے اور ہمراہی دستے بھی مکہ میں پہنچ گئے تھے لیکن زین العابدین نے اُن کو بھی سمجھا بجھا کر جنگ سے باز رکھا اور خود مختار ثقفی کے بلانے پر مکہ شریف سے اہل کوفہ کے ساتھ روانہ ہو گئے ہے

زین العابدین بن حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ مکہ سے کوفہ روانہ ہوئے

اِن واقعات کے بعد مختار ثقفی کو اپنی جان کی خیر نظر نہ آئی، کیونکہ ایک تو عبداللہ بن زبیرؓ سے مخالفت ہو گئی، دوسرے ظالم عبیداللہ بن زیاد کا خوف تھا جو عبدالملک کی طرف سے اس کی سرکوبی کے لئے امیر کوفہ کے لشکر کے ساتھ روانہ ہو چکا تھا اس لئے اُس نے شیعانِ علیؓ کو قاتلانِ امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے انتقام لینے کی تحریک کر کے ایک لشکر ترتیب دیا جس کے سپہ سالار ابراہیم بن الاشتر مقرر کئے گئے اودھر سے عبیداللہ ابن زیاد کا لشکر بھی آ رہا تھا، کوفہ کے قریب دونوں میں لڑائی چھڑ گئی ابراہیم کا لشکر چونکہ مذہبی جوش میں سر بکف تھا، باوجود کمی تعداد ان لوگوں نے عبیداللہ بن زیاد کے لشکر پر اس زور کا حملہ کیا، کہ پہلے ہی وار میں اُن کے افسر عبیداللہ بن زیاد کو قتل کر دیا، جس کے قتل ہوتے ہی اس کا لشکر میدان چھوڑ کر بھاگا اور کوفیوں نے ان کا پیچھا کر کے وہیں ڈھیر کر دیا، مختار ثقفی کو اس فتح کی نہایت خوشی حاصل ہوئی، اور وہ کچھ دیر کے لئے مطمئن ہو گیا ہے

عبیداللہ بن زیاد کا قتل

مختار ثقفی اس کامیابی اور جوشِ مذہبی میں اس قدر دیوانہ ہو گیا، کہ اُسے جس پر خاندان حضرت امام حسین علیہ السلام کی مخالفت کا شبہ ہوا، اس کو بہت بُری طرح اُس نے ہلاک کرنا شروع کیا، اِس ظلم سے اُس کی جماعت کے کچھ لوگ مختار

مختار ثقفی کا قتل

ثقفی کے مخالف ہو گئے، اور انہوں نے حاکم بصرہ یعنی مصعب بن زبیر کو ثقفی کے ظلم کی طرف توجہ دلائی، جس پر مصعب نے فارس کے حاکم مہلب کو اس مضمون کا خط لکھا: کہ اپنے بہادر لشکر کے ساتھ بصرہ میں آئے، تاکہ مختار ثقفی کی سرکوبی کی جائے؛

غرضیکہ مصعب نے مختار ثقفی سے اعلان جنگ کر دیا، اور کوفہ کی فصیل کے نیچے سخت خونریز جنگ ہوئی، جس میں ثقفی کے لشکر کو شکست ہوئی، اور خود وہ گرفتار ہو کر قلعہ کوفہ میں جب قید کیا گیا، تو اسی قید خانہ میں قتل ہو گیا؛

فتح بابلستان، عراق، وعجم عبدالملک کا مصعب بن زبیر رضی اللہ عنہ سے مقابلہ۔ مصعب کا انتقال

مختار ثقفی کے قتل ہونے کے بعد تمام بابلستان اور پایہ تخت کوفہ پر مصعب بن زبیر رضی اللہ عنہ تعالےٰ عنہ کا قبضہ ہو چکا تھا

مصعب بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہایت خوش رو با اخلاق خوبصورت اور نوجوان شخص تھے، اور حضرت سکینہ بنت امام حسین علیہ السلام کے شوہر تھے، اگرچہ آپ کی عمر مبارک صرف چھتیس برس کی تھی، لیکن نہایت بردبار اور رحمدل تھے اسی لحاظ سے عبدالملک مصعب بن زبیر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی قدر کرتے تھے، بلکہ قبل از حکومت دونوں آپس میں دوست تھے، لیکن حکومت ملنے پر دونوں میں ازحد عداوت ہو گئی؛

چنانچہ عبدالملک کو جب عبیداللہ ابن زیاد کے قتل اور فوج کی بربادی کا حال معلوم ہوا، تو انہوں نے فوراً دوسرا لشکر بابلستان کی فتح کے لئے تیار کیا، اور خود عبدالملک اس لشکر کا سپہ سالار ہو کر مصعب بن زبیرؓ کی سرکوبی کیلئے دمشق سے روانہ ہوا، اور دمشق کی حکومت پر عمرو بن سعد کو تعینات کیا؛

مگر عبدالملک اور عمروؓ بن سعد میں کچھ باہمی رنجش ایسی پڑی ہوئی تھی، جو اگرچہ ایک دوسرے پر ظاہر نہ ہونے پائی تھی، مگر دل ہی دل میں بڑھتی جاتی تھی؛

چنانچہ۔۔ عبدالملک عمرو سعد کو دمشق میں اپنا قائم مقام کر کے میدان کارزار میں پہنچے

ؔ عمرو سعد عبدالملک کا چچازاد بھائی تھا؛

بھی نہ پایا تھا کہ عمرو بن سعد نے ملک شام پر اپنا قبضہ کرنے کی کوشش کی ؛

عبد الملک کو جب اس بات کا حال معلوم ہوا، تو راستہ سے لوٹ کر عمرو سعد سے مقابلہ ہوا، دمشق میں سخت خونریزی ہوئی، اور عبد الملک نے عمرو سعد کو مع تمام اہل وعیال شہر بدر کر دیا ؛

اس کارروائی کے بعد عبد الملک بابلستان کی طرف پھر روانہ ہوا، اور کچھ آدمی کوفہ کو روانہ کئے، تاکہ وہاں کے سرداروں کو لالچ دیکر اپنے ساتھ ملا لیا جائے ؛

ادھر مصعب بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مصر پر قابض تھے، عبد الملک کی فوج نے بلمابُرا کے کنارے قیام کیا، اور اسی قیام پر ادھر سے مصعبؓ کے سپہ سالار ابراہیم نے نہایت دلاوری سے عبد الملک کی فوج پر حملہ کیا، اور خیموں کی طنابیں تک کاٹ ڈالیں، لیکن ابراہیم سپہ سالار مصعب کو ایک زخم کاری لگا جس سے وہ جانبر نہ ہو سکا مصعبؓ کو اپنے سپہ سالار کے مارے جانے کا سخت افسوس ہوا، چنانچہ اُس نے اپنے بیٹے عیسٰی کو عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بھیجکر اُن سے مدد مانگنے کو بھیجنا چاہا، لیکن عیسٰی ذہین اور شجاع لڑکا تھا؛ اُس نے اپنے باپ مصعب کو صلاح دی، کہ ہمیں یہاں سے بصرہ میں جانا چاہیئے، کیونکہ وہاں کے لوگ ہمارے معاون ہیں، اُن کی جمعیت سے ہم عبد الملک کا مقابلہ کر سکتے ہیں ؛

مگر مصعب بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ بات بہادری کے برخلاف سمجھ کر نہ مانی اور لڑائی شروع کر دی ؛

چونکہ عبد الملک کا جرار لشکر کافی تھا، اسلئے مصعب کا تمام لشکر قتل ہو گیا، مصعب بن زبیرؓ اور اُن کا نوجوان بیٹا عیسٰی بھی اِس معرکہ میں شہید ہو گئے، بلکہ عمرو ابن علی بھی راہی بقا ہوئے، عبد الملک نے تمام بابلستان اور عراق وعجم پر قبضہ کر لیا، جب مصعب بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سر عبد الملک کے روبرو لایا گیا ہے، تو کسی نے قلعہ کوفہ کی

نسبت یہ تاریخی واقعہ بیان کیا، کہ اس قلعہ میں ایک دن امام حسین علیہ السلام کا سر مبارک عبید اللہ بن زیاد کے پیش ہوا تھا، اور ابن زیاد کا سر اسی جگہ مختار ثقفی کے پیش کیا گیا، مختار کا سر مصعب بن زبیرؓ کے سامنے لایا گیا، اور اسی قلعہ میں مصعب کا سر عبد الملک کے روبرو دیکھا گیا ؛

عبد الملک اس واقعہ کو سُنکر اس خیال سے متفکر گیا، کہ ایک روز شاید اسی قلعہ میں میرا سر بھی کسی کے روبرو نہ کیا جائے، اِس خیال کے اُٹھتے ہی اُس نے قلعہ کو مسمار کرادیا ؛

سنہ ۶۶ھ تا سنہ ۷۳ھ

عبدالملک اور انتظام سلطنت

ان سب واقعات کے بعد سنہ ۶۶ھ میں عبد الملک نے اپنے چھوٹے بھائی بشیر بن مروان کو بابلستان کی حکومت پر مامور کیا، چونکہ بشیر ابھی کم سنی کے مطابق ناتجربہ کار تھا، اس لئے موسیٰ ابن نصیر کو اس کا نائب مقرر کیا گیا، ؛

ادھر بصرہ کی حکومت خالد بن زیاد کے سپرد کی، اور خود دمشق میں چلا آیا، عبد الملک کے اِس انتظام سلطنت قائم کرنے کے بعد، بابلستان کی حکومت میں پھر فساد شروع ہو گیا، اب کی دفعہ فساد مسلمانوں کی طرف سے نہیں تھا، بلکہ قوم ابن ارزق کی طرف سے برپا ہوا، اگرچہ اس قوم نے مصعب بن زبیرؓ کے عہد حکومت میں بھی فساد برپا کیا تھا لیکن مصعب نے مہلب کی سرکردگی میں اس فساد کو مٹا دیا تھا، اب جبکہ مصعب بن زبیر ہی نہ رہے، اور اس مُلک پر عبد الملک کا تصرف ہو گیا، تو بصرہ میں مہلب کو حاکم نہ دیکھ کر مفسد فساد برپا کر کے عراق میں آپہنچے، عراق کی حکومت عبد العزیز بن مروان کے پاس تھی، قوم ارزق نے عبد العزیز سے مقابلہ کر کے جب اس نے . . . اپنے بھائی عبد العزیز کو شکست دی، بلکہ اس کی بیوی کو بھی قتل کر دیا، تو عبد الملک کو اس بات پر افسوس ہوا، بلکہ

اُس کے مشیروں میں سے کسی نے یہ بھی کہا، کہ آپ نے خواہ مخواہ مہلب جیسے بہادر شخص کو بصرہ کی حکومت سے معزول کر کے اس کی جگہ خالد بن عبد اللہ کو مامور کیا تھا چنانچہ مہلب کو جب پھر بصرہ کی حکومت تفویض کی گئی، تو اُس بہادر نے اہواز کے قریب قوم ارزق کے مقابل ہو کر اُنکو شکست دی ؛

خلیفہ عبد الملک اور عبد اللہ بن زبیرؓ کی معرکہ آرائی اور ابن زبیرؓ کی شہادت بعمر ۷۲، سال ۷۳ھ میں

اِن انتظامات سے فرصت پا کر عبد الملک نے عبد اللہ ابن زبیر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی طرف توجہ کر کے اس کی سلطنت کو بھی اپنے زیر تصرف لانا چاہا، تا کہ کل اسلامی سلطنت کا وارث بن جائے ؛

چنانچہ حجاج بن یوسف ثقفی کے ماتحت اُس نے پانچہزار نبرد آزما فوج کو عبد اللہ ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سرکوبی کے لئے مکہ شریف میں روانہ کیا، عبد الملک کے حکم کے مطابق حجاج بن یوسف نے شہر مکّہ کے حدود میں داخل ہوتے ہی اعلان کر دیا کہ جو لوگ اطاعت قبول کرینگے اُن کو پناہ دی جائے گی، چنانچہ تقریباً دو ہزار آدمی حجاج بن یوسف کے ساتھ اُدھر ہو گئے، اور سات ہزار کا لشکر مکّہ شریف کی طرف بڑھا ؛

عبد اللہ بن زبیرؓ بھی دشمن کے روکنے کے لئے تیّار ہو گئے تھے، لیکن حجاج بن یوسف نے شہر مکّہ کو محصور کر لیا، اور باہر سے مکّہ شریف پر بھک سے اڑ جانے والا مادہ اور پتھر شہر پر پھینکنے شروع کئے، محصورین نے دلیری سے مقابلہ کیا، اگرچہ عبد اللہ بن زبیرؓ ضعیف ہو چکے تھے، لیکن ایک جوانمرد بہادر کی طرح لڑے ؛

چنانچہ جب حجاج بن یوسف نے آگ برسا کر خانہ کعبہ میں آگ لگا دی، تو عبد اللہ بن زبیرؓ بیت اللہ شریف سے نکل کر اپنے گھر کی طرف آئے، آپ کی والدہ شریفہ اسمار بنت ابو بکر رضی اللہ تعالےٰ عنہ تھیں، جن کی عمر اس وقت نوّے برس کی تھی، مگر جوانمردوں جیسی شجاع تھیں، آپ کی والدہ ... بھی محصورین کے ساتھ دشمن کے مقابل تھیں، اور اہل مکہ کو ہمّت دلا رہی تھیں ؛

اگرچہ محصورین نہایت دلاوری سے مقابلہ کر رہے تھے، اور حجاج یوسف نہایت سختی کے ساتھ حملہ آور تھا مگر اس موقعہ پر یہ اور غضب ہوا کہ عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھیوں میں سے تقریباً دس ہزار آدمی، دشمن سے جا ملے، یہاں تک لکھا ہے، کہ عبداللہ ابن زبیرؓ کے دونوں بیٹے حمزہ اور قصرب نے بھی دشمن کے پاس جا کر پناہ لی، اس واقعہ سے ابن زبیرؓ کی قوت ہمت ٹوٹ گئی، ادھر سامان حرب بھی ختم ہونے کے قریب تھا، ادھر تمام ماتحت افسر بھی دشمن کی فوج میں چلے گئے تھے، ایسی حالت میں عبداللہ ابن زبیرؓ نے اپنی والدہ سے مشورہ کیا، تو انہوں نے فرمایا "بیٹا اگر تم حق پر ہو تو ہمت نہ ہارو، تمہارے والد بھی بہادر تھے، انہوں نے بھی میدان جنگ میں جام شہادت حاصل کیا تھا، عرب کے لئے ذلت کی موت مرنا شرم کی بات ہے، عزت کے ساتھ مرنا ہی شریف عرب کا کام ہے، بنی اُمیہ کے مقابلے میں سر نیچا کر کے اپنے خاندان کو بدنام نہ کرنا" ؛

عبداللہ ابن زبیرؓ نے اپنی بہادر اور شریف والدہ کے اس ارشاد کی تعمیل میں اُن کی پیشانی چوم کر کہا "مجھے تم سے ایسی ہی امید تھی، دیکھو میری موت پر زیادہ غم نہ کرنا"، آپ کی والدہ نے جواب دیا "مجھے اللہ پر بھروسہ ہے، اور تمہیں اُس کے سپرد کرتی ہوں، غرضیکہ عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی والدہ مکرمہ سے رخصت حاصل کر کے دشمن کے مقابل ہوئے، اور ایک ہی حملہ سے دشمنوں کو پیچھے ہٹا کر ایسی شجاعت دکھلائی، کہ جس طرف اپنی شمشیر خارا شگاف چلاتے تھے، کشتوں کے پشتے لگا دیتے تھے، آخر لڑتے لڑتے جب تھک گئے، تو کچھ دیر کے لئے رُک گئے، اتنے میں حجاج بن یوسف کی فوج نے ایک زبردست حملہ کر کے آپ کے تمام ہمراہیوں کو قتل کر ڈالا ؛

اگرچہ ابن زبیرؓ اب تنہا رہ گئے تھے، لیکن دشمنوں سے کسی کو یہ جرات نہ پڑی کہ

بڑھ کر آپ کو گرفتار کریں، بلکہ دور ہی سے تیروں کی بجائے پتھر پھینکنا شروع کئے ادھر سے عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ تعالےٰ عنہ بھی پتھر کا جواب پتھر سے دیتے رہے آخر ایک پتھر آپ کی پیشانی پر بیٹھا جس کے لگنے سے آپ کو غشی طاری ہو گئی یہ حالت دیکھ کر دشمنوں نے خوشی سے جب نعرہ بلند کیا، تو آپ نے ہوش میں آ کر دشمن سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا میرے زخم کا خون آگے کو گرتا ہے پیٹھ پر نہیں گرتا یعنی ہم مقابلہ میں زخمی ہوئے ہیں بھاگتے وقت زخمی نہیں ہوئے :۔

آخر زیادہ خون نکلنے کے باعث آپ کی طاقت زائل ہو گئی، اور دشمنوں نے نزدیک آ کر آپ کو شہید کر دیا، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن ؀

عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ شجاع والدین کے شجاع بیٹے تھے جس قدر آپ بہادر تھے اُسی قدر پرہیزگار بھی تھے، نماز میں اسقدر بے حس ہو جاتے تھے کہ پرندے تک آپ کے بدن مبارک پر آرام کرتے تھے :۔

اِس اولوالعزم بہادر شخص کی شہادت کے بعد عرب کے تمام سردار عبدالملک سے جا ملے، صرف والئی خراسان نے اطاعت قبول نہ کی، تاریخوں سے ثابت ہوتا ہے کہ عبدالملک نے عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا سر مبارک عبداللہ ابن ہیزم کے پاس روانہ کر کے اُس کو عبرت دلا کر کہلا بھیجا تھا، کہ اگر تم میری اطاعت نہ کرو گے تو ایک دن تمہاری بھی یہی حالت ہو گی، لیکن وہ عبدالملک کی اس حرکت سے سخت ناراض ہوا، عبداللہ ابن زبیرؓ کے سر مبارک کو غسل دیکر نہایت تکریم و تعظیم کے ساتھ اُسے مدینہ شریف میں خاندان زبیر کے پاس روانہ کر کے، عبدالملک کے قاصد کو یہ جواب دیا، عبدالملک سے کہدینا، کہ تم ظالم ہو، ظالم کو ظلم کا بدلہ خدا دیگا میں تم کو بھی قتل کر دیتا لیکن قاصد ہونے کے خیال سے چھوڑتا ہوں :۔

۷۴ ہجری

اِس میں کچھ شک نہیں کہ سلطان عبدالملک نے اسلامی سلطنت کو بہت وسیع کیا اور اُس کی فتوحات تاریخ کے مضمون کا باعث ہیں لیکن وہ بڑا ہی بارعب اور سخت دل ہو گیا تھا، اسی وجہ سے بعض شہروں کی رعایا اُس کی حکومت سے نالاں تھی بالخصوص مکہ شریف و مدینہ شریف کے لوگ عبدالملک کے قوانین سلطنت سے بہت تنگ تھے ساتھ ہی اس کے کہ وہ اسلام کا خادم بھی تھا، انتظام سلطنت کے متعلق جہاں وُہ سخت گیر تھا، وہاں دین اسلام کا بھی خیال رکھتا تھا، چنانچہ حجاج بن یوسف کے حملہ کے وقت بیت اللہ شریف کو جس قدر نقصان پہنچا، عبدالملک نے از سرِ نو اس کو تعمیر کرایا ؛

قاصد کی زبانی ابن ہیزم والیٔ خراسان کی سرکشی کا حال جب عبدالملک کو معلوم ہوا، تو اُسی وقت حجاج بن یوسف کو حجاز سے طلب کر کے اس کو تاکید کر دی کہ ابن ہیزم کو قتل کر دیا جائے ؛

حجاج اپنے سلطان کا یہ حکم سنتے ہی اپنی فوج کے سمیت خراسان پہنچا، اور ایک ہی حملہ میں خراسان کی فوج کو شکست فاش دیکر ابن ہیزم امیر خراسان کو قتل کر دیا عبدالملک حجاج کی اس شجاعت سے بہت خوش ہوا، اور اس کے صلہ میں بلتستان اور عراق کی حکومت حجاج کو تفویض کر دی ؛

حجاج اس حکومت کی خوشی میں اپنے چار ہزار ساتھیوں کے ساتھ کوفہ کی مسجد میں داخل ہوا، اور اُس نے ممبر پر چڑھ کر پُر زور تقریر میں تمام اہل کوفہ کے سامنے اپنی سخت حکومت کا اعلان کیا ؛

صالح وشبیب وعبدالرحمٰن بن محمد کا حجاج بن یوسف سے مقابلہ اور ان تینوں صاحبوں کی وفات

فتح خراسان کے بعد خوارج میں سے شبیب ابن زید اور صالح ابن مریم نے سلطان عبدالملک کے قتل کرنے کا مشورہ کیا، مگر ان کی شقاوت قلبی کا حال بہت جلد معلوم ہو گیا، اور وہ اپنی جانیں بچا کر علاقہ مصر کے ایک قصبہ دارس میں پناہ گزیں ہوئے، اور یہاں آکر انہوں نے ایک سو بیس آدمیوں کو اپنا ہم خیال بنا لیا، چونکہ صالح ایک فصیح البیان شخص تھا، وہاں کے لوگوں نے اس کی یہاں تک تعظیم کی، کہ اس قصبہ کی تمام رعایا نے اس کو اپنا خلیفہ قرار دیا ؛

یہ لوگ اگرچہ ہتھیاروں سے مصلح تھے، مگر سواری کیلئے گھوڑا ایک بھی نہ تھا اس لئے صالح نے گھوڑوں کی فکر میں اپنے ان سب معتقدین کو ہمراہ لے کر ارد گرد کے مواضعات میں لوٹ مار ڈالدی اور جہاں سے گھوڑا دستیاب ہوا چھین لیا ؛

میسوپٹامیہ یعنی علاقہ مصر کا حاکم اس وقت محمد برادر عبدالملک تھا، جب خوارج کے اس مختصر گروہ کے فعل کی اس کو خبر ہوئی، تو وہ اس چھوٹی سی فوج پر ہنسا، اور اپنے ایک فوجی افسر عادی نام کو پانچ سو سپاہیوں کے ساتھ اس گروہ کی سرکوبی پر مامور کیا ؛

چنانچہ عادی اپنے پانچسو سپاہیوں کے ساتھ صالح اور اس کے گروہ کے مقابل ہوئے، پہلے تو اس کو بہت کچھ سمجھایا گیا، کہ تم خواہ مخواہ اپنے ساتھ اپنی اس مختصر جماعت کو بھی قتل کراؤ گے، لیکن صالح نے مذہبی جوش میں عادی کی ایک نہ سنی، عادی کو اس مختصر گروہ پر حملہ کرنے میں تامل تھا اس لئے وہ دفع الوقتی کر رہا تھا، لیکن ظہر کے وقت جبکہ عادی اور اس کے ہمراہی نماز ادا کرنے میں مشغول تھے، تو صالح نے اس وقت کو غنیمت سمجھ کر اپنے گروہ کے ساتھ ان پر حملہ کر دیا، اور اسی حملہ میں عادی اور اس کے نصف سے زیادہ سپاہی قتل کر کے بھاگ گئے ؛

محمد کو عادی کے قتل ہو جانے کا سخت رنج ہوا، اور اس کی جگہ حارث المدنی پانچ ہزار آدمیوں کے ساتھ اس خوارج گروہ کی سرکوبی کیلئے روانہ کیا ؛

حارث نے خاموشی سے ان لوگوں کا پیچھا کیا، اور ایسے وقت میں جبکہ یہ لوگ موصل کے ایک گاؤں میں ٹھہرے ہوئے تھے، حارث نے اُن پر حملہ کیا کچھ لوگ تو بھاگ کر قلعہ بابنی میں جو ٹوٹا ہوا تھا پناہ گزین ہوئے، اور کچھ لوگ صالح کے ساتھ قتل کر دیئے گئے، اس کے بعد حارث نے اس قلعہ کے دروازہ پر آگ لگادی، اور خود مطمئن ہو کر اپنے کیمپ میں چلا آیا، کیونکہ اُس نے خیال کیا کہ یہ لوگ خود ہی قلعہ میں جل کر خاک ہو جائیں گے، لیکن شبیب اپنے ہمراہیوں سمیت رات کو قلعہ سے نکل کر بھاگنے کی فکر میں تھا، کہ اُس نے اپنے دشمنوں کو سوتا دیکھ کر حملہ کیا، حارث کی سپاہ نیند میں تھی، اپنے سر پر قضا کے سواروں کو دیکھ کر سب کے سب بدحواس ہو کر بھاگے، اور موصل میں جا کر دم لیا ؛

اس شب خون میں شبیب کے ہاتھ بہت سامال ومنال واسلحہ آئے، اور اُس نے اس کامیابی کے زعم میں اور لوگوں کو بھی اپنے ساتھ ملا کر کوفہ پر چڑھائی کر دی ؛

اِس زمانہ میں حاکم کوفہ حجاج بصرہ میں تھا، اور اہل کوفہ شروع سے ہی حجاج کی حکومت سے نالاں تھے، اس لئے کوفہ کے لوگوں نے اپنے حاکم کے دشمن شبیب کو غنیمت سمجھا، اور سب نے شبیب کا ساتھ دیا، اس طرح شبیب نے کوفہ پر اپنا تسلط قائم کر لیا ؛

حجاج کو جب اس بات کی خبر ہوئی، تو اس نے عبدالملک سے امداد طلب کی، ادھر سے شبیب بھی چار ہزار اہل کوفہ اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ حجاج کے مقابل ہوا، لیکن حجاج نے شبیب کو پوری شکست دی اور شبیب دریائے دجلہ کو پار کر کے فارس کی طرف بھاگا، اور وہاں سے اپنے ہم خیال لوگوں کا لشکر فراہم کر کے اُس نے پھر عراق پر چڑھائی کی ؛

مگر خلافت کی سپاہ نے اہواز کے پُل پر شبیب کو گھیر لیا، شبیب نے دریا کو

عبور کرنا چاہا، لیکن گھوڑے سمیت دریا میں گر کر مر گیا اور اس کا لشکر بھاگ گیا ؛

سنہ ۷۵ھ

حجاج بن یوسف والی عراق وبصرہ کے زیر حکومت مکران وسندھ پر اہل عرب کے حملے

خلافت آل مروان اور عبدالملک کے عہد خلافت کے دسویں سال یعنی سنہ ۷۵ھ مطابق سنہ ۶۹۵ء میں حجاج بن یوسف اپنی دلیریوں اور کارگزاریوں کے صلہ میں بابلستان وعراق کا والی مقرر ہوا تھا، اسی سال میں حجاج بن یوسف نے ملک عراق پر اپنا رعب واقتدار، واحکام نظم ونسق قائم کر کے سعید بن اسلم بن زرعہ کلابی کو مکران اور سواحل سندھ کا گورنر مقرر کیا ؛[1]

سندھ پر اہل عرب کے جسقدر حملے ہوئے وہ فی الواقعہ حجاج بن یوسف گورنر عراق وبصرہ کے عہد حکومت میں ہوئے، لیکن بعض مؤرخین نے ترتیب تاریخ کا خیال نہیں رکھا، اہل تاریخ کی نظر میں ہر ایک واقعہ کو تاریخ کے نظر سے دیکھنا چاہیئے اس لئے حتی الوسع ہم نے ہر ایک واقعہ کو اسی جگہ درج کیا ہے، جو واقعہ جس حاکم کے عہد حکومت اور جس سنہ میں ہوا ؛

سندھ پر اہل عرب کے حملے حضرت عمر فاروق کے عہد خلافت یعنی سنہ ۲۲ھ میں شروع ہوئے، اور ولید بن عبدالملک کے عہد حکومت یعنی سنہ ۹۶ھ میں کہیں جا کر

[1] تاریخ راجستان میں کرنل ٹاڈ نے لکھا ہے کہ "سنہ ۷۵ھ مطابق سنہ ۶۹۵ء میں مسلمانوں نے براہ سندھ ملک راجپوتانہ پر فوج کشی کی تھی، جس میں اجمیر کا راجہ مانک راؤ، اپنے، راج کنور کے ساتھ مارا گیا"؛ یہ واقعہ بالکل غلط معلوم ہوتا ہے، کیونکہ اس وقت تک مسلمانوں نے سندھ کی سرحد پر معمولی حملوں کے سوائے سرزمین ہند پر اپنا قدم نہیں رکھا تھا، کرنل ٹاڈ کی تاریخ دانی کے مطابق اگر اس وقت ملک راجپوتانہ پر اہل عرب کا کوئی حملہ ہوا تھا، تو اسلامی تاریخوں میں اس واقعہ کا ضرور تذکرہ ہوتا، بہت ممکن ہے کہ کرنل ٹاڈ صاحب نے اس جگہ راجہ داہر والی سندھ کے قتل ہونے کی بجائے یہ واقعہ لکھدیا ہو، کیونکہ بعض مورخوں نے راجہ داہر کے بعد ہی اس کے راج کنور جے سنگھ کا قتل ہونا بھی لکھا ہے، حالانکہ جے سنگھ داہر کے بعد مدت تک زندہ رہا، پھر یہ واقعہ بھی سنہ ۹۳ھ مطابق سنہ ۷۱۲ء کا مذکور ہے، نہ کہ سنہ ۷۵ھ مطابق سنہ ۶۹۵ء کا ؛ (شوق)

بہادر محمد قاسم نے تمام ملک سندھ پر اسلامی تسلط قائم کیا ۔

چنانچہ اسی ترتیب کے لحاظ سے ہم آئندہ صفحات میں سندھ کے حملوں کا تذکرہ کریں گے ۔

سنہ ۷۶ھ تا سنہ ۸۲ھ

فتوحات
کارتہج افریقہ ہسپانیہ علاقہ طرابلس وغیرہ بدولت حسین ابن النعمان

عبداللہ بن زبیر کی شہادت کے بعد عبدالملک تمام ممالک کے خلیفہ تسلیم کئے گئے، اور ۷۶ھ میں تمام ممالک قلمرو خلافت میں آ گئے تھے، باہمی نزاعات اور فسادات فرو ہو گئی تھیں، اس لئے عبدالملک نے دیگر بیرونی ممالک کو فتح کرنے کی طرف توجہ کی، سب سے پہلے شمالی افریقہ کو اپنے قبضہ میں کرنا چاہا، چنانچہ حسین ابن النعمان کو چالیس ہزار سپاہ کا سپہ سالار مقرر کر کے ۷۶ھ میں افریقہ کی طرف روانہ کیا گیا، حسین پہلے شہر کارتہج کی طرف بڑھے، کارتہج بندرگاہ تھی، اور یہاں ایک مضبوط قلعہ تھا جس میں عیسائی لشکر موجود تھا، حسین نے کارتہج کا محاصرہ کر لیا، اور قلعہ پر سیڑھیاں لگا کر اندر داخل ہوئے، قلعہ میں پناہ گزین عیسائی کچھ تو قتل ہوئے اور کچھ بھاگ کر صقالیہ اور ہسپانیہ میں چلے گئے ۔

قیصر کو جب کارتہج کی تباہی اور مسلمانوں کی فتح کا حال معلوم ہوا، تو قسطنطنیہ و ہسپانیہ کی فوجیں سمندر کے راستے سے روانہ کیں ۔

اتنے عرصہ میں حسین اپنے لشکر کو لے کر طرابلس اور قیروان میں آ گیا تھا، وہاں جب اُسے عیسائیوں کے لشکر کے آنے کا حال معلوم ہوا، تو اس نے فوج خلافت سے مدد لے کر عیسائیوں کے لشکر کو شکست فاش دی ۔

حسین کی اس بہادری اور کارگذاری کے صلہ میں عبدالملک نے بارقہ کی حکومت حسین کو تفویض کی، اس زمانہ میں عبدالعزیز بن مروان یا عبدالملک کا بھائی مصر کا حاکم

تھا، اور بارقہ مصر کا ہی ایک ضلع تھا، عبد العزیز بارقہ کی حکومت پر حسین کو نہ دیکھ سکا، چنانچہ مصر سے روانہ ہو کر اُس نے حسین کو بارقہ سے نکالدیا ؛

اس واقعہ کے کچھ عرصہ بعد حسین بن نعمان اسی رنجش حق میں جان بحق ہو گئے حسین کی وفات کے بعد مصر کے گورنر عبد العزیز نے شمالی افریقہ پر موسیٰ ابن نصیر کو مقرر کیا، موسیٰ کی عمر ساٹھ برس کی تھی، اور یہ شخص بڑا زمانہ شناس اور ہوشیار تھا، اس کے تین بیٹے بھی تھے، اور وہ بھی بڑے بہادر تھے بڑے بیٹے کا نام عبد العزیز تھا، منجھلے کا مروان اور سب سے چھوٹے بیٹے کا نام عبد العلا تھا ؛

موسیٰ ابن نصیر اور فتوحات

چنانچہ موسےٰ ابن نصیر نے عبد العزیز کے حکم کے مطابق افریقہ کی راہ لی، اور وہاں پہنچکر تمام ماتحت لشکر کو اپنی حکمت عملی سے اس قدر خوش کیا، کہ سب کے سب اس کا دم بھرنے لگے ؛

شرقی افریقہ میں اس وقت الجیرس اور طونس کے لوگ خلافت کے باغی تھے یہ لوگ قوم بربرہ سے تھے، اور اُن کے سردار کتاف نامی نے رہوان اور قیروان کے شہروں میں بڑی لوٹ مار مچا رکھی تھی، اس قوم بربرہ کی بچاؤ کی ایک صورت یہ بھی تھی، کہ وہ ان شہروں میں لوٹ مار کر کے سمندر کے کنارے بھاگ کر کوہ اطلس کی پہاڑیوں میں چھپ جاتے تھے، اس لئے ان کا تعاقب کرنا مشکل تھا ؛

۸۳ھ میں موسیٰ ابن نصیر نے بھی ان لوگوں کا تعاقب کیا، اور یہ لوگ حسب عادت پہاڑوں میں جا چھپے، چنانچہ موسیٰ ابن نصیر نے اپنے بڑے بیٹے عبد العزیز کو اُن کے تعاقب میں روانہ کیا اس بہادر نے ان وحشیوں کو پہاڑی دروں سے نکالا اور بربرہ کے ہزاروں آدمیوں کو اُن کے سرغنہ کے سمیت قتل کر ڈالا ؛

موسیٰ ابن نصیر نے جب اپنے بیٹے کی بہادری کا حال سُنا اور مال غنیمت کو دیکھا تو

وہ بہت خوش ہوا ؛

چنانچہ اُس نے گورنر مصر عبدالعزیز کے پاس مال غنیمت کا پانچواں حصہ اور اپنے بیٹے کی بہادری کا مژدہ مبارک باد کا ایک نامہ قاصد کے ہاتھ روانہ کیا ادھر سے تو عبدالعزیز کے پاس موسٰے ابن نصیر کا یہ ہدیہ مبارکباد قاصد لیکر پہنچا اور اُدھر عبدالملک کی طرف سے ایک ملامت آمیز حکمنامہ ملا جس میں حسین بن نعمان کو معزول کر کے اُس کی جگہ موسٰی کو حاکم افریقہ کرنے کی ملامت کی گئی تھی، اسکے جواب میں عبدالعزیز نے عبدالملک کی خدمت اور افریقہ کی فتوحات کا حال لکھا، اور موسٰی کا وہ عریضہ جس میں مہم کی تمام سرگذشت اور مال غنیمت حاصل شدہ کی فہرست لکھی ہوئی تھی، اپنے خط کے ساتھ نتھی کر دی ؛

عبدالملک کے پاس جب عبدالعزیز کا یہ خط معہ ملفوفہ عریضہ موسٰی ابن نصیر پہنچا تو عبدالعزیز کی طرف سے عبدالملک کا دل صاف ہو گیا، بلکہ خوش ہو کر موسٰی بن نصیر کی سالانہ تنخواہ دو لاکھ اُس کے بیٹوں کے نام کر دی ؛

۸۳ھ تا ۸۵ھ

موسٰی ابن نصیر اپنی شجاعت سے اب با اقتدار ہو گیا تھا، اور ان فتوحات سے اس کا حوصلہ بہت بڑھ گیا تھا، اس لئے اُس نے بحری[1] راستے کی طرف سے دیگر وحشی قوموں کی بغاوت بھی فرو کرنی چاہی، چنانچہ موسٰی ابن نصیر نے بڑے استقلال سے بحری سامان جنگ تیار کیا، اور ۸۴ھ میں بندرگاہ طوس سے جنگی جہاز سمندر میں ڈال کر جزیرہ سوسا (جو شہر قیروان اور ٹیونس کے درمیان ہے) کا راستہ لیا ؛

موسٰی ابن نصیر اور بحری حملے ۸۴ھ

[1] مسلمانوں کی یہ سب سے پہلی بحری جنگ ہے، جو عبدالملک کے عہد خلافت میں کی گئی، اگرچہ حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں عمروؓ بن عاصؓ نے اسکندریہ سے بحر روم کے راستے ان وحشی قوموں تک اسلام پہنچانے کا خیال کیا تھا، لیکن حضرت عمرؓ نے بحری حملے کی اجازت نہ دی ؛

اس زمانہ میں عبدالعزیز حاکم مصر نے بھی ایک جنگی جہاز جزیرہ سوسا میں بھیجا تھا، وہ اس لئے کہ جزیرہ سارڈینیہ کے لوگ بغاوت پر آمادہ تھے، اُن کی سرکوبی کیلئے عطا ابن رفیع کو اس جنگی بیڑے کا سپہ سالار مقرر کرکے روانہ کیا تھا ؛۔

چنانچہ موسیٰ ابن نصیر نے جزیرہ سوسا میں ... عطا ابن رفیع کی سرکردگی میں اس جنگی بیڑے کو دیکھ کر موسم کے لحاظ سے کچھ روز قیام کرنے کا مشورہ دیا، لیکن جب عطا نے موسیٰ کا یہ مشورہ قبول نہ کیا، تو .. موسیٰ نے آگے بڑھ کر جزیرہ اسکولینو میں قیام کیا، وہاں اگرچہ چاندی اور سونا اُس کے بکثرت ہاتھ آیا، لیکن تجربہ کار اور دُور اندیش موسیٰ ابن نصیر کے خیال کے مطابق سمندر میں طوفان آیا، اور عطا مع اپنے جنگی بیڑے کے سمندر میں غرق ہو گئے ؛۔

موسیٰ ابن نصیر کو جب اس بات کی خبر ہوئی، تو اُس نے گورنر مصر یعنی عبدالعزیز کو اس افسوسناک حادثہ کی اطلاع دیکر فوراً اپنے بڑے بیٹے عبدالعزیز کو اسی بحری راستے سے روانہ کرکے کہدیا، کہ جو جہاز بچ گئے ہوں، اُن کو ٹیونس کی بندرگاہ میں پہنچانا، چنانچہ عبدالعزیز بن موسیٰ اپنے جنگی جہاز کو لیکر جزیرہ اسکولینو میں پہنچا، صرف ایک جہاز اور کچھ سامان بچ گیا تھا، اس کو ٹیونس کی بندرگاہ پر روانہ کر دیا ؛۔

۸۵ھ کے آغاز میں جب بحری سفر کا موسم مناسب تھا، تو موسیٰ بن نصیر نے بذاتِ خود بحری محاربہ کی تیاری کی اور اپنے ماتحت ایک ہزار بہادر اور دلاور سپاہی چن لئے اس لئے اہل عرب نے اس واقعہ کا نام محاربتہ الامراء رکھا ؛۔

سندھ پر حملے

اسی سال میں ایک نامور عرب محمد علافی جو عبدالرحمٰن بن اشعث سے شکست کھا کر اپنے قبیلہ کے پانسو شہ سواروں کے ساتھ عمان سے دریائے سندھ کے کنارے کنارے آتے ہوئے راجہ داہر کی پناہ میں آگیا تھا، یہاں اُس نے داہر کے دشمن رامل کی فوج کو شکست دی، اس وفاداری کے

باعث داہر نے محمد علافی کی بڑی عزت کی، اور وہ ہر طرح کے آرام و اطمینان سے سندھ میں رہنے لگا ؛

حجاج کے حکم سے سعید بن اسلم مکران میں پہنچا تو اُس نے کسی جرم پر اسی علافی خاندان کے ایک شخص صفوی بن لام کو قتل کر ڈالا، اس مقتول کا انتقام لینے کیلئے محمد علافی کا گروہ مشتعل ہو گیا، چنانچہ سعید بن اسلم مکران سے خراج وصول کر کے واپس ہونے کو ہی تھا، کہ علافیوں نے حملہ کر کے سعید بن اسلم کو قتل کر دیا، اور خود مکران پر قابض ہو گئے ؛

جب حجاج کو اس بات کا علم ہوا، تو اُس نے نہایت برہم ہو کر علافی قوم کے سرگروہ سلیمان علافی کو جو عرب میں سردار قبیلہ تھا، ماخوذ کر کے حکم دیا کہ اس کا سر کاٹ کے سعید کے عزا میں بھیجا جاوے، تاکہ اپنا دل ٹھنڈا کریں، اور اس کے ساتھ ہی مجاعہ بن سعر تمیمی کو مکران روانہ کیا، مجاعہ کا مقدمۃ الجیش عبدالرحمٰن بن اشعث کی سرداری میں تھا، علافیوں نے اس پر حملہ کر دیا، اور جب تک مجاعہ کو اس حملہ کی خبر ہو، اُنہوں نے عبدالرحمٰن کا بھی کام تمام کر دیا ؛

اس کے بعد علافیوں کو خیال آیا، کہ عساکر خلافت سے مقابلہ کرنا خودکشی ہے، چنانچہ اسی خیال سے یہ لوگ ۸۵ھ میں سندھ سے بھاگ گئے ؛

راجہ داہر نے اُن کو ہاتھوں ہاتھ لیا، اور اُن سے بڑی عزت سے پیش آیا، یہ پہلی وجہ ہے، کہ عربوں کو اُس نے اپنا دشمن بنا لیا، ورنہ مسلمانوں کا یہ ہرگز ارادہ نہ تھا، کہ سندھ کو اپنی قلمرو میں شامل کریں ؛

حجاج کو جب اس حادثہ کا حال معلوم ہوا تو اُس نے طیش کھا کے اپنے بہادر افسر مجاعہ بن سعر تمیمی کو ساحل مذکور کا حکمران مقرر کر کے روانہ کیا ؛

مجاعہ نے یہاں پہنچکر میدان جنگ گرم کیا، باغیوں کی سرکوبی کی، اور اپنی

فتحیابی کی داد میں مجاعہ نے سندھ پر بھی تاخت و تاراج شروع کر دی، ہر طرف لوٹا مارا، قندابیل کے قبائل پر فتحیابی حاصل کی، لیکن اُس کو قسمت نے ان اُولوالعزمیوں کے لئے ایک ہی سال کا موقع دیا تھا، کہ اُسے فرشتۂ ازل نے پیوند زمین کر دیا مجاعہ کے مرنے پر حجاج نے محمد بن ہارون بن ذراع نمری کو اُس کی جگہ پر مامور کیا ؛

محمد بن ہارون کو سندھ کی حکومت کا اشتیاق تھا، اس نے نہایت شوق کے ساتھ سندھ کے حالات دریافت کرنے کیلئے، اُن بردہ فروش سوداگران کو مقرر کیا، جو لونڈیاں بیچنے اور مول لینے کے بہانے سندھ مکران میں آتے جاتے تھے ؛

سنہ ۸۶ ہجری

عبدالملک کے عہد خلافت کے آخری سال کے واقعات

عبدالملک کے عہد خلافت سے قبل اسلامی سلطنت کا کوئی سکّہ رائج نہ تھا، اور قیصر روم کے جن ممالک پر اسلامی سلطنت مسلط ہو گئی تھی، وہاں رومی سکّہ ہی چلا کرتا تھا، عبدالملک نے جب اسلامی سکّہ رائج کیا، تو ساتھ ہی یہ حکم بھی دیدیا، کہ آئندہ غیر ممالک کا سکّہ اسلامی سلطنت میں نہ لایا جائے اِس حکم امتناعی کی نسبت یورپ کے سوداگروں کو نہایت نقصان پہنچا بلکہ اُنھوں نے قیصر روم سے اس بات کی شکایت کی، اس پر قیصر روم نے عبدالملک سے استدعا کی، لیکن عبدالملک نے اسے منظور نہ کیا، اسی وجہ سے ہر دو حکومتوں میں کش مکش بڑھی آخرکار عبدالملک نے قیصر روم سے آخری فیصلہ کرنے کیلئے اعلان جنگ کر دیا ؛

چنانچہ عبدالملک نے اپنے بیٹے مسلمہ کو بلاد روم کی چڑھائی پر بھیجنے کا ارادہ کر کے حجاج بن یوسف والئی عراق و خراسان اور عمرو بن عثمان حاکم حجاز اور علقمہ بن مروان حاکم یمن کو حکمنامے روانہ کئے، تاکہ وہ اپنی اپنی فوجیں قیصر روم کی سرکوبی کے لئے دارالخلافت دمشق میں روانہ کریں ؛

اور اپنے بھائی محمد بن مروان حاکم بصرہ کو مع لشکر و دیگر سرداران فوج حاضر ہونے کا حکم لکھا، جب ہر ایک ملک سے تمام فوجیں اپنے اپنے سرداروں کے ماتحت دمشق میں جمع ہو گئیں تو عبدالملک نے خطبہ پڑھا، جس میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد جہاد اسلام کے فضائل اور والئی روم شاہ الیون پر حملہ کرنے کا ذکر تھا ؛

اس خطبہ کے بعد اپنے بیٹے مسلمہ کو تمام لشکر کا سپہ سالار مقرر کر کے اس بات کی نہایت تاکید کی ؛

"کہ مسلمانوں سے نیک برتاؤ کرنا، فوج کو ہدایت کی مسلمہ کی تابعداری کرنا، اس کے بعد تمام لشکر میں اس طریق سے عہدہ دار مقرر کئے ؛

مالِ غنیمت کا منتظم رجا بن حیات کو مقرر کیا، قوم تمیم کی فوج پر محمد بن احنف بن قیس کو افسر مقرر کیا، اور قوم ہمدان کی سپاہ پر صدقہ بن یمان ہمدانی کو قوم ربیعہ پر عبدالرحمن بن صعصعہ کو، اقوام ملی یعنی لحم اور حرام پر عبداللہ بن عدی بن حاتم طائی کو، قوم قیس اور بنی امیہ پر ضحاک بن مزاحم اسدی اور اپنے بھائی محمد بن مروان کو قوم کندہ اور غسان پر اصبع بن اشعث کو، اہل حجاز پر عبیداللہ بن عبداللہ بن عمر کو اہل حیرہ اور اہل شام پر ابطال کو اہل مصر، کوفہ بصرہ یمن پر یزید بن مرہ قبطی، شبیم بن اسود، سلیمان بن ابی موسیٰ اشعری جابر بن جبیر کو افسران مقرر کر کے یہ حکم نافذ فرمایا ؛

کہ اگر اس تمام لشکر اسلامی کا سپہ سالار یعنی مسلمہ شہید ہو جائے، تو اس کی جگہ محمد بن خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مقرر کیا جائے اگر وہ بھی شہید ہو جائیں تو اس کی جگہ محمد بن عبدالعزیز کو مقرر کرنا ؛

اس کے بعد مسلمہ کی طرف مخاطب ہو کر کہا میں نے تم کو اس لشکر پر امیر مقرر کیا ہے تم نے اپنے تمام سپاہیوں پر رحم کرنا، اور ان کی دلجوئی کرنا، اپنے لشکر کے مقدمۃ الجیش

پر محمد بن احنف بن قیس کو مقرر کرنا، اور میمنہ پر محمد بن مروان کو میسرہ پر عبدالرحمٰن بن صعصعہ کو، اور مساقہ پر محمد بن عبدالعزیز کو اور خود تم نے قلب لشکر میں رہنا، طلایہ پر بطال کو مقرر کیا، اور حکم دیا، کہ رات کو تمام لشکر کی نگہبانی کرنا ؛

پھر اپنے لشکر کی طرف مخاطب ہو کر کہا "تم جانتے ہو کہ یہ میرا بیٹا میرا لخون ہے تم اس کی اطاعت کو میری اطاعت سمجھنا اور اپنے فرض سے غافل نہ ہونا ؛

غرضیکہ ان ہدایات و نصائح کے بعد عبدالملک نے اپنی خاص تلوار اور گھوڑا دیکر مسلمہ اور اس کے لشکر کو رخصت کیا، کُل لشکر اسّی ہزار کے قریب تھا، عبدالملک کے عہد خلافت میں ممالک دُور دراز میں جہاد اور فتوحات اسلامی کا سلسلہ از سرِ نو جاری ہو گیا تھا، جو امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد مطلق رک گیا تھا، اس کے سپہ سالار مغرب و مشرق میں جس طرف جاتے تھے، توحید کی آواز بلند کر کے کامیاب ہو کر واپس آتے تھے، علاوہ ان فتوحات کے عبدالملک کے کارناموں میں سے اس کا عربی خط میں ہونے کے "سکے" بنانا اور رومانی طراز دمارکہ، کو عربی میں منتقل کرنا بھی شمار ہوتا ہے، ہم پہلے لکھ چکے ہیں، کہ شہنشاہ روم کے "سکے" اپنی مملکت میں منسوخ کر دیئے تھے، شہنشاہ روم کو یہ بات ناگوار گذری، اس نے عبدالملک کو دھمکی دی، کہ تم اگر سکہ بدلو گے، تو میں اپنے سکوں پر تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم، کے خلاف شان الفاظ منقوش کراؤنگا، عبدالملک کو اس بات کے سنتے ہی سخت صدمہ گذرا، اس کے لوگوں میں سے کسی نے اسے بتایا، کہ اس معاملہ میں، امام محمد باقرؒ سے جو اہل اسلام کے امام ہیں، اور اس وقت مدینہ شریف میں مقیم ہیں، مشورہ لو، چنانچہ عبدالملک نے امام محمد باقرؒ کو دمشق میں بلا کر سکوں کے متعلق مشورہ لیا، اور امام موصوف نے عبدالملک سے فرمایا، تم اس بات سے پریشان نہ ہو، اور اسی وقت کاریگروں کو بلاؤ، تاکہ وُہ آپ کے سامنے ہی بیٹھ کر اسلامی درم اور دینار کے "سکے" تیار کریں،

اِن پر توحید باری اور ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منقوش کرائے یعنی درم اور دینار کے ایک طرف تو ذکر خدا ہو، اور دوسری جانب ذکر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گولائی میں اس شہر کا نام ہو جہاں وہ مضروب ہو اور سنہ جس میں ضرب کیا گیا ہو، علاوہ بریں تین درہموں کو تینوں قسم کے درہموں میں سے منگا کر وزن کرو، دس تو وہ جن کا وزن دس مثقال فی درہم ہوتا ہے۔ اور دس چھ مثقال فی درہم وزن والے اور دس درہم پانچ پانچ مثقال کے، ان تینوں کا وزن ۲۱ مثقال ہوگا مجموعی وزن کو تین پر تقسیم کرنے سے فی درہم سات مثقال کا وزن پڑیگا ؛

کانچ کے باٹ ڈھلوائے جائیں، جو سات مثقال سے کم و بیش نہ ہوں اس کے بعد دینار دس مثقال وزن کے اور درم سات مثقال کے مضروب کئے جائیں ؛

عبد الملک نے اس رائے پر عمل کر کے اپنے سکے تمام اسلامی ممالک میں بھجوا دیئے اور لوگوں کو انہی کا لین دین کرنے کی ہدایت کی، ان درہموں اور دیناروں کے علاوہ اور اور سکوں سے معاملہ کرنے والوں کو قتل کی دھمکی دی، اور ہدایت کی، کہ اس سے پہلے کے رائج سکے بیکار کر کے ٹکسالوں میں داخل کر دیئے جائیں، تا کہ وہ دوبارہ اسلامی سکوں کی شکل میں مضروب کئے جاویں ؛

حکومت امیہ کے سکے اور ان کے نقوش

خاندان بنی امیہ کے خلیفہ عبد الملک کے عہدِ خلافت میں اسلامی سکوں کا رواج ہوا، اور ان اسلامی سکوں کا نقش ایک طرف درمیان میں لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ وَحدَہٗ لَا شَرِیکَ لَہٗ اور اس کے ارد گرد بسم اللہ ضرب ھذا الدرھم ببلد کذا سنۃ کذا ہوتا تھا، اور دوسری طرف وسط میں، اللہ احد اللہ الصمد لم یلد ولم یولد ولم یکن لہٗ کفواً احد جس کے گرد محمد رسول اللہ ارسلہٗ بالھدیٰ ودین الحق لیظھرہٗ علی الدین کلہٖ ولو کرہ المشرکون منقوش ہوتا تھا ؛

خلیفہ عبدالملک کی وفات حسرت آیات ماہ شوال ۸۶ھ عمر تقریباً ۶۰ سال

عبدالملک نے اپنے بڑے بیٹے ابوالعباس ولید کو ولی عہد مقرر کیا تھا، ۸۶ھ میں عبدالملک مرض استسقا میں مبتلا ہوئے اور اسی مرض میں ماہ شوال ۸۶ھ میں اس دارِ فانی سے عالم جاودانی کو چل بسے اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ

یہ خلیفہ قرآن شریف کی تلاوت بہت کرتا تھا، اور بڑا فقیہ تھا خوش بیان تھا، کلام اللہ کان لگا کر سنتا تھا، حدیث کا حافظ تھا، شاعر بھی اچھا تھا، دفتر فارسی سے عربی میں نقل کیا، سکّہ جیسا کہ اوپر مذکور ہوا، اس نے پہلے جاری کیا ؎

ولید بن عبدالملک تاریخ خلافت ماہ شوال ۸۶ھ عہد خلافت ۹ سال ۸ ماہ

اپنے والد مکرم عبدالملک کی وفات کے بعد اڑتیس برس کی عمر میں خلیفہ مقرر ہوا، یہ نہایت بارعب اور سخت دل شخص تھا قرآن شریف کی تلاوت کرنے کی بہت عادت تھی، علم و ہنر کا قدردان تھا لیکن سادگی پسند نہ تھا، بلکہ اُس کی طبیعت پر یونان اور فارس کی نفاست کا گہرا اثر تھا، یہی وجہ تھی کہ اس کے شاہی دربار کی بڑی شان تھی، اور اہل دربار کا رعب غالب رکھتا تھا، اور باوجود جاہل ہونے کے یتیموں اور عاجزوں و نابینوں اور ضعیفوں کی خبرگیری خوب کرتا تھا ؎

ولید کو فن تعمیر کا بھی بہت شوق تھا، اور وہ اپنا سب سے زیادہ وقت عمارات قدیم و جدید کو تعمیر کرنے میں صرف کرتا تھا ؎

چنانچہ اُس نے اپنے عہد خلافت میں سب سے پہلے قاہرہ کی مسجد کو اپنے خیال کے مطابق از سرِ نو وسیع پیمانہ میں تعمیر کیا، جس کے پایوں اور دیواروں میں مرصع کام کرایا، اور اس کے ارد گرد دیگر بہت عالیشان مکان بنائے ؎

سنہ ۸۷ھ و سنہ ۸۸ھ

سنہ ۸۷ھ میں ولید نے عبدالعزیز مروان کو مسجد نبوی کے وسیع کرنے کا حکم دیا، تاکہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج مطہرات کے مکانات مع روضہ اقدس سب ایک احاطہ میں آجاویں ساتھ ہی کعبہ کے حطیم کو گرا کر ان کو مربع میں تعمیر کرنے کا حکم دیا، علاوہ ان کے اور بھی قدیم عمارات کی شان و شوکت بڑھانے کی عملی کوشش کی جدید عمارات میں سنٹ جان کے گرجے کو گرا کر اس جگہ یعنی خاص دمشق میں ایک عالی شان مسجد ولید نے تیار کرائی

ولید کا عہد حکومت اور فتوحات

سنہ ۸۷ھ میں مسلمہ نے ایشیائی کوچک پر حملہ کیا، مسلمہ کو عبدالملک نے اپنے عہد میں اس طرف روانہ کیا تھا، اس عہد میں مسلمہ نے صوبہ کپی ڈوشیہ پر حملہ کر کے شہر طیانہ کا محاصرہ کیا، جس میں قیصر کا جرار لشکر موجود تھا، اور یہ شہر نہایت مستحکم تھا، وہاں مسلمانوں کے لشکر میں رسد ختم ہو گئی، اور محصورین کے پاس بھی رسد نہ رہی، تو دونوں طرف آخری خونریز حملے ہوئے، آخر مسلمہ نے اپنے دشمن کو شکست فاش دی!۔

سنہ ۸۸ھ میں مسلمہ کا نوجوان بیٹا قتیبہ، جو نہایت دلیر تھا، اسے ولید نے خراسان کا حاکم مقرر کیا وہ دریائے جیحون کو پار کر کے ترکستان کے ملکوں پر

ایشیا اور ترکستان پر حملے

حملہ آور ہوا، مگر ترکوں اور تاتاریوں کے لشکر میں محصور ہو گیا، آخر اپنی شجاعت سے دشمنوں کو تہ تیغ کرتا ہوا، ان کے دارالخلافہ بخارا اور اس کے مضافات پر اس نے قبضہ کر لیا، اور مغرک خان خوازم عرف جیوا سے شکست کھا کر شہر سمرقند میں پناہ گزین ہوا، سمرقند کا نام پہلے مارکنڈا تھا، جو اس وقت ایشیائی تجارت کا مرکز تھا، یہاں اسباب تجارت چین اور تبت کے پہاڑوں سے چینی کے برتن اور دیگر قسم کی اشیاء اور ہندوستان کا تجارتی اسباب جو بحیرہ اخضر سے نکل کر یہاں سے گذرتا تھا، اس تجارت کے باعث یہ شہر آباد تھا، چونکہ اس شہر کی چار دیواری نہایت

مضبوط تھی، اور مسلمانوں کے پاس آلات قلعہ شکن نہ تھے، اس لئے اس کا محاصرہ عرصہ تک رہا، آخر جب قتیبہ محاصرہ سے عاجز آ گیا، تو اُس نے ایک تدبیر نکالی، یعنی بہت سے صندوق تیار کرائے، جس کے اوپر دو تختے اس طریقہ سے بنائے کہ ایک اوپر سے بند ہو اور دوسرا اندر سے کھل سکے، اور ہر ایک صندوق میں مسلح آدمی بٹھا کر سوداگروں کے بھیس میں شہر میں داخل ہوا، جب سب صندوق شہر میں داخل ہو گئے، تو بہادرانِ اسلام نے صندوقوں سے نکل کر زبردست حملہ کر کے اس شہر کو فتح کر لیا، اور اس شہر میں ایک عالی شان مسجد تعمیر کی ؛

۸۹ھ تا ۹۱ھ

مغربی حملے فتوحات روم و محاصرہ قسطنطنیہ

عبدالملک کے عہد خلافت کے آخری سال مسلمہ معہ اسی ہزار لشکر کے دمشق سے روانہ ہو کر طرطوس سے ہوتے ہوئے جب عوریہ میں پہنچا، تو وہاں کے گورنر شمعون نے مسلمانوں کے اس لشکر کا مقابلہ کیا لیکن بہادرانِ اسلام نے اُس کو شکست فاش دیکر عوریہ پر قبضہ کر لیا، اس فتح میں ایک لاکھ اٹھاسی ہزار دینار سُرخ اور ایک ہزار چھ سو گھوڑوں کے علاوہ اور بھی بہت سامال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا، مگر چھ سو تیس مسلمان اس جنگ میں شہید ہوئے ؛

لشکر جاں نثارانِ اسلام عوریہ پر اسلامی جھنڈا نصب کر کے تقفوریہ میں پہنچا، اس شہر میں دشمنوں کی تعداد ساٹھ ہزار سواروں پر مشتمل تھی، جنہوں نے لشکر اسلام پر ایک ایسا سخت حملہ کیا کہ اُن کو اپنے کیمپ تک دھکیل دیا، بلکہ اس وجہ سے مسلمانوں کا تمام لشکر منتشر ہو گیا تھا، لیکن فوج کے افسروں نے اپنے اپنے ماتحت سپاہیوں کو غیرت دلائی، اور سپہ سالار لشکر مسلمہ و محمد بن مروان اور محمد بن احنف اور دیگر

جاں نثاران اسلام پاپیادہ دشمن کی فوج میں گھستے ہوئے شاہ تغفور کی طرف جھپٹے مسلمہ سے تغفور کا مقابلہ ہوا اور دونوں میں دست بدست لڑائی شروع ہو گئی ؛

لیکن تغفور کی تلوار سے مسلمہ گر کر بیہوش ہو گئے یہ حالت دیکھ کر مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے، محمد بن عبد العزیز نے مسلمہ کو گود میں جب اٹھایا، تو مسلمہ نے ہوش میں آکر اپنے لشکر کو پکار کر کہا "میں ابھی زندہ ہوں، دشمنوں سے بدلہ لئے بغیر جانا بزدلی ہے" اتنا سنتے ہی مسلمانوں نے پھر جم کر مقابلہ کیا، اور ایسا سخت مقابلہ کیا، کہ عیسائیوں میں کھلبلی پڑ گئی، بطال نے دشمن کی فوج کے پس پشت جا کر کشتوں کے پشتے لگادیئے اسی حملہ میں شاہ تغفور اور اُس کے ہزار ہا سپاہی قتل ہوئے، باقی لوگ بھاگ کر جب شہر میں داخل ہونے لگے تو بطال نے شہر کے دروازہ پر اُن کو روک کر وہیں گرفتار کر لیا مصلحت وقت کے لحاظ سے بہادران اسلام نے مزاحمت نہ کی آخر رات کے وقت شہر میں داخل ہوئے، اور وہاں تمام مال غنیمت کو جمع کیا، جو مسلمانوں میں تقسیم کیا گیا ؛

اس فتح کے بعد شہر مسیحہ کی طرف بڑھے تو راستے میں ایک عیسائی سپہ سالار شماس نامی نے بہادران اسلام کو روکنا چاہا، اور دونوں طرف سے خونریز لڑائی کئی دن تک جاری رہی، جس میں عبد الرحمٰن بن صعصعہ عبد اللہ بن سعید اور محمد عبد العزیز محمد بن مروان محمد بن احنف، جیسے بہادر افسر زخمی ہوئے، اور ضحاک بن یزید مسلمی نے جام شہادت نوش فرمایا، بہادران اسلام کو ضحاک بن یزید سلمی کی وفات کا نہایت افسوس ہوا، سپہ سالار لشکر اسلام مسلمہ اور سردار بطال بھی اگرچہ زخموں سے چور تھے، لیکن یہ دونوں بہادر سنبھل کر پھر آمادۂ جنگ ہوئے اور دونوں نے نہایت دلاوری سے شاہ ایفریطون پر وار کیا، وہ زخم کھا کر گرا ہی تھا کہ بطال نے فوراً اُس کو قتل کر دیا، ایفریطون کے قتل ہونے سے مسیحی فوج کے

پاؤں اکھڑ گئے اور شہر میسچہ کو خالی کر کے بھاگ گئے تو مسلمانوں نے اس شہر پر بھی قبضہ کرلیا چنانچہ مال غنیمت میں ایک لاکھ بائیس ہزار دینار سُرخ مسلمانوں میں تقسیم ہوئے ؛

میسچہ کی فتح کے بعد لشکر اسلام شہر بوش کے قریب پہنچا وہاں کے گورنر نے شاہ الیون سے فوجی امداد طلب کر کے پچاس ہزار سپاہ سے بہادرانِ اسلام کا مقابلہ کیا، خوب گھمسان کی لڑائی کے بعد مسلمانوں نے اس شہر کو بھی فتح کرلیا ؛

یہاں سے آگے بہادرانِ اسلام نے قسطنطنیہ کا رُخ کیا آخر سمندر کے کنارے کنارے قسطنطنیہ تک پہنچ گئے، اور قسطنطنیہ کو اپنے محاصرہ میں لے لیا، سات روز کے محاصرہ میں جب ۷۰ یا ۸۰ مسلمان شہید ہوگئے، اور دشمن کی رعایا اس محاصرہ سے تنگ آگئی تو شاہ الیون نے صلح کی درخواست کی، لیکن مسلمہ نے شرائط صلح سے انکار کر دیا، مجبوراً شاہ الیون کو خود شہر کے دروازہ پر آنا پڑا اور اُس نے مسلمہ سے استدعا کی کہ جس قدر زرِ نذرانہ تم مقرر کرو، میں اُسی قدر دینے کو تیار ہوں، اور صلح کی درخواست لیکر حاضر ہوا ہوں، مجھے اُمید ہے، کہ تم مجھے مایوس نہ کرو گے، اس پر مسلمہ نے کہا، میں نے شہر میں داخل ہونے کی قسم کھائی ہے جب تک میں شہر میں داخل نہ ہونگا، ہرگز یہاں سے واپس نہ جاؤنگا ؛

شاہ الیون نے کہا، اچھا تم اپنی قسم کو اس طرح پوری کر سکتے ہو، کہ تنہا شہر میں داخل ہو جاؤ ؛

مسلمہ نے اِس بات کو قبول کیا، اور بطال سے کہا، کہ جب تک میں واپس نہ آؤں دروازہ کھلا رہے، اور تمام لشکر اسی طرح قائم رہے ؛

چنانچہ مسلمہ مسلح ہو کر گھوڑے پر تن تنہا شہر قسطنطنیہ میں داخل ہوئے، اور چلتے ہوئے بطال سے یہ بھی کہتے گئے، کہ اگر میں عصر کے وقت واپس نہ پھروں تو سمجھ لینا کہ میرے ساتھ دغا کی گئی ہے، یہ سمجھتے ہی، اسی وقت تم نے تمام لشکر کو لیکر شہر میں

داخل ہو کر قتل عام کر دینا ۔

ادھر شاہ الیون نے شہر کی سڑکوں پر دو رویہ مسلح سپاہی مقرر کر دیئے تھے۔ جب مسلمہ قسطنطنیہ میں داخل ہوئے تو قسطنطنیہ کی سپاہ مسلمہ کو اس طرح تن تنہا شہر میں داخل ہوئے دیکھ کر اس کی جرأت اور بہادری پر تعجب کرنے لگی ۔

غرضیکہ مسلمہ اپنی قسم پوری کر کے شہر سے نکل آیا، اور شاہ الیون نے پانچہزار رمکہ اور دس ہزار اوقیہ نقری، چھ ہزار اوقیہ طلائی، اور ایک تاج مرصع مسلمہ کی نذر کیا، مگر تاج کو ایک لاکھ دینار میں مسلمہ نے فروخت کر دیا، اور فتح و ظفر کے پرچم اڑاتے ہوئے بہادران اسلام واپس ہوئے ۔

ملک سندھ پر مسلمانوں کی فوج کشی کا باعث

۹۰ھ میں دربار خلافت کی طرف سے محمد بن ہارون سواحل سندھ کی حکومت پر مامور تھا، ان دنوں ایک عجیب واقعہ پیش آیا، جو دراصل عربی فتوحات کے طوفان کو حرکت میں لانے والا تھا، جزائر سراندیپ جو اُن دنوں جزیرہ یاقوت کے نام سے مشہور تھا، وہاں کے راجہ نے (چونکہ اُس کی سلطنت میں اہل عرب تاجروں کی آمد رفت زیادہ تھی، اور اکثر مسلمان تاجر معہ اہل وعیال وہاں سکونت پذیر رہا کرتے تھے)، دربار خلافت سے تعلقات پیدا کرنا چاہے، اسی عرصہ میں کچھ کچھ عربی تاجر پیوند خاک ہوئے تھے، جن کی یتیم لڑکیاں بے وارث وہاں پڑی تھیں، راجہ کو حجاج بن یوسف کے ساتھ اس وجہ سے تقرب حاصل کرنے کا عمدہ موقع ملا یعنی اُس نے اُن عربی لاوارث لڑکیوں کو عزت سے مع تحفہ وہدایہ کے جہازوں پر سوار کر کے کوفہ کی طرف روانہ کیا، ان جہازوں پر کچھ حاجی تھے، اُن دنوں طوفان وغیرہ کے خوف سے جہاز کنارے ہی کنارے اور خشکی سے ملے ہوئے جایا کرتے تھے، جب یہ جہاز سواحل سندھ پر پہنچے تو دیبل کے میدانوں سے بعض دریائی لٹیروں نے چھوٹی چھوٹی کشتیوں سے ان جہازوں کو گھیر کر انکا

تمام مال و اسباب لوٹ لیا، اور ان لڑکیوں کو پکڑ کرلے گئے ؀

اتفاقاً گرفتار ہوتے وقت ایک لڑکی بے تحاشا چلا اُٹھی "اے حجاج" اس واقعہ کو لوگوں نے جب حجاج سے بیان کیا یعنی اُس لڑکی کا دشمنوں کے ہاتھ میں پکڑتے وقت اے حجاج کہنا جب اُس کے گوش گذار ہوا تو اُس کے دل پر ایسا عجیب اثر پڑا، کہ جوش میں آکے بے اختیار کہہ اُٹھا "ہاں میں آیا"

غرض اس واقعہ نے حجاج کو انتہا سے زیادہ برہم کردیا، لیکن چونکہ ایک بڑی لڑائی بغیر خلیفۂ وقت کے نہیں چھیڑ سکتا تھا، اس لئے حجاج نے خلیفہ ولید کے دربار سے درخواست کی کہ "مجھے مُلک سندھ پر مستقل فوج کشی کی اجازت دیجائے، اور میں وعدہ کرتا ہوں، کہ خزانے سے جتنا روپیہ اس مہم میں صرف کرونگا، اس سے دُگنا داخلِ خزانہ کروں گا ؀

مگر خلیفہ ولید نے جواب دیا، کہ یہ مہم بہت بڑی ہے، مصارف بہت زیادہ ہونگے، اور میں مسلمانوں کی جانیں خطرے میں ڈالنا نہیں پسند کرتا ؀

حجاج نے یہ جواب پاتے ہی ایک اور عرضی لکھی، اور اپنی حکمت عملی سے اجازت لے ہی لی ؀

چنانچہ اجازت حاصل کرتے ہی، حجاج نے والیٔ سندھ راجہ داہر کو لکھا، کہ اُن یتیم اور بے کس لڑکیوں کو میرے پاس روانہ کردو ؀

راجہ داہر نے جواب میں لکھا کہ اُن لڑکیوں کو ڈاکوؤں نے لوٹا ہے، جو میری اطاعت و حکومت سے باہر ہیں[1] ؀

---

[1] یہ صحیح ہے، کہ دراصل ان عربی لڑکیوں کو دیبل کے ڈاکوؤں نے ہی لوٹا تھا، لیکن راجہ داہر کا اپنے محسن عربوں کو ایسا خشک جواب دینا نہ فقط خلافِ ادب بلکہ باعثِ نخوت بھی سمجھا جاسکتا تھا۔

کسی راعی پر اپنی رعایا کے جو فرائض عائد ہوتے ہیں، ان فرائض کو مدِ نظر رکھتے ہوئے کہا جاسکتا ہے کہ راجہ داہر کا یہ جواب معقولیت پر مبنی نہ تھا، چنانچہ راجہ کی اسی غیر معقولیت نے ہی نہ فقط حجاج بلکہ تمام اہل عرب کو سندھ پر حملہ کرنے کیلئے مجبور کردیا تھا ؀　　(شوق)

راجہ واہر کے اس خشک جواب نے حجاج بلکہ تمام بہادرانِ اسلام کو مشتعل کر دیا ؛

الغرض سب سے پہلے حجاج کے حکم سے عبید اللہ بن بنسان دیبل کی طرف روانہ ہوا، وہ اسقدر دلیر تھا کہ اُس نے بجائے فوج سے کام لینے کے اپنی قوت بازو سے اسقدر کام لیا، وہ دیبل والوں کی سرکوبی کرتے ہوئے، خود شہید ہو گیا ؛

سنہ ۹۲ھ

طارق ابن زیاد فاتح اندلس ولید کے عہد خلافت میں طارق بن زیاد مصر کے ایک ضلع طنجہ کا حاکم تھا جو نہایت منتظم، جنگ آزمودہ اور دلیر شخص تھا، گورنر مصر موسٰی ابن نصیر نے طارق کو سنہ ۹۲ھ میں سواحل ہسپانیہ کی طرف روانہ کیا، اور اسی مہم میں فتوحات حاصل کرتا ہوا وہ اندلس میں داخل ہوا، اندلس میں اُن دنوں قوم گاتھ آباد تھی، اس قوم کا سردار کوئنٹ جولین تھا جس نے طارق کا مقابلہ کیا مگر بہادرانِ اسلام کے حملہ کی تاب نہ لا کر شہر قیوط کے قلعہ میں پناہ گزین ہوا، لیکن بہادر طارق نے بجلی کی طرح شہر قیوط کو محاصرہ میں لے لیا، آخر کوئنٹ جولین نے اس محاصرہ سے تنگ آ کر نہ فقط قلعہ قیوط کو مسلمانوں کے قبضہ میں دینے کا وعدہ کر کے بلکہ شہر اندلس کو بھی بہادرانِ اسلام کی نذر کر کے امان حاصل کرنے کی استدعا کی، اس استدعار کے مطابق طارق مع اپنے کئی مسلمانوں کے جہاز پر سوار ہو کر جزیرہ الخضر میں جمع ہوئے، اور یہاں کوئنٹ جولین کے قول کی سچائی کی تصدیق کی گئی، اور مسلمانوں کا اندلس پر تسلط ہو گیا، طارق کو اس عظیم الشان فتح کی نہایت خوشی ہوئی، اور اس فتح کی یادگار میں اُس نے اندلس کے کنارے جبرالٹر (یہ پہاڑ مثلث شکل کا سمندر میں واقع ہے) پر ایک مستحکم قلعہ بنایا، جو جبل الطارق کے نام سے مشہور ہے، علاوہ اندلس شہر کے کسٹیل (قسطان) سے لیکر پرتگال کے

لہ بعض مؤرخین کا خیال ہے، کہ طارق موسٰی بن نصیر کا غلام تھا، بہ ۱۲ ؛

علاقہ میں بہادرانِ اسلام نے اپنا اسلامی پرچم لہرا دیا ؛

محمدؒ بن قاسم فاتح سندھ دیبل (سندھ) کی مہم میں جب عبید اللہ کی شہادت کا حال حجاج کو معلوم ہوا، تو اُس کی آتش غضب اَور بھی بھڑک اُٹھی اس نے محمد بن قاسم کو اس مہم پر روانہ کیا، محمد بن قاسم نوخیز مگر شیر دل بہادر تھا، اَور فارس میں مقیم تھا، اُس نے فارس سے کوچ کرکے مکران میں مقام کیا، محمد قاسم جب حدود سندھ میں پہنچا ہے، تو اس کے ساتھ چھ ہزار شامی جوان تھے، جو حجاج نے اُس کے پاس روانہ کئے تھے، اس کے علاوہ وہ فوج تھی، جو اُس کے مقدمۃ الجیش اور ابوالاسود جہم کی ماتحتی میں تھی جو حجاج کے حکم کے مطابق محمد بن قاسم کی فوج سے آملا تھا ؛

مکران کا حاکم محمد بن ہارون بھی تھوڑی بہت فوج لے کر ساتھ تھا، اس کے علاوہ چھ ہزار جنگی شتر سوار تھے، بس ان تمام افواج نے سندھ کی ابتدائی مہمات کو سر کیا

دیبل کی لڑائی سرزمین سندھ میں سب سے پہلی اَور سب سے زبردست مہم تھی جس میں عربی سپاہیوں نے اپنی تلواروں کا جوہر دکھا کے انہیں اپنا تابع فرمان بنایا ؛

محمد بن قاسم کہنے کو تو لڑکا تھا، لیکن دنیا کے نامور ہیروز میں اس کا شمار ہوا، کسی ہیروز نے جو کام جوانی یا بڑھاپے میں کیا ہو، اس نوعمر بہادر اسلام نے وہ لڑکپن میں کر دیا بہادرانِ دُنیا تعجب کرتے ہیں، کہ جب وُہ سندھ کے میدانوں میں اپنا گھوڑا دوڑا رہا تھا، اُس وقت محمد بن قاسم کی عمر صرف پندرہ سال کی تھی ؛

سنہ ۹۳ھ

سنہ ۹۳ھ میں کئی مہینے کے محاصرے کے بعد محمد بن قاسم نے اپنے جوہر شجاعت

لہ محمد بن قاسم سے پہلے بھی اگرچہ بہادرانِ اسلام نے سندھ پر حملے کئے، لیکن فتوحات سندھ کا سہرا محمد بن قاسم کے سر پر اس لئے ہے، کہ اس بہادر اسلام نے متواتر آٹھ سال یعنی سنہ ۹۲ ہجری عہد خلافت ولید سے تا سنہ ۹۹ھ یعنی عہد خلافت خلیفہ سلیمان بن عبد الملک تک سندھ میں اسلام پھیلایا، سندھ پر ہی اُس نے حکومت کی اَور سندھ میں ہی جان دی ؛ (شوق)

فتح دیبل رسندھ

اور جان نثاری اسلام کے ساتھ شہر دیبل کو فتح کیا ؛

والئی سندھ راجہ داہر کی طرف سے جو سردار شہر کی حکومت پر مامور تھا، وُہ جوش غیرت میں منہ چھپائے کسی طرف کو نکل گیا، تین دن کے بعد جب امن وامان قائم ہوگیا، تو محمد بن قاسم نے اس شہر میں مذہب اسلام کی تخم ریزی کی یعنی چار ہزار مسلمان آباد کرکے ایک جامع مسجد تعمیر کرائی ؛

اِس فتح کے بعد شہر نیروں کی طرف بہادرانِ اسلام بڑھے، لیکن اُن لوگوں نے اہل عرب کو دیکھتے ہی سر تسلیم خم کر دیا، بلکہ لشکر اسلام کیلئے رسد کا کافی انتظام کر دیا جس کی وجہ سے بہادران اسلام کو آگے بڑھنے کی جرأت ہوئی ؛

جاں نثار اسلام محمد بن قاسم نے نیروں میں بُدھا کے مندر کی جگہ مسجد تعمیر کرائی اور اِس میں ایک امام مقرر کیا، تاکہ نماز باجماعت کی ادائیگی کے ساتھ اشاعت اسلام کا کام بھی انجام دے ؛

جب محمد بن قاسم اپنی فتوحات کی تیز اور بے روک رفتار میں نیروں تک پہنچ گئے تو اپنے گورنر حجاج کو گذشتہ فتوحات کے ساتھ اہل نیروں کی اطاعت کے حالات لکھے اور آگے بڑھنے کی اجازت طلب کی ؛

حجاج نے اپنے جوان ہمت نوجوان داماد کے حوصلوں کو روکنا مناسب نہیں سمجھا بلکہ اپنے والا نامہ میں ایسا شوق دلایا، جس نے محمد بن قاسم کے حوصلوں میں بجلی کا کام دیا، یہ وُہ دن تھے، جب خراسان، ترکستان، منگولیا کے میدانوں میں توقتیبہ اسلام پھیلا رہا تھا، اور ادھر محمد بن قاسم اپنی شمشیر آبدار کے جوہر دکھاتے ہوتے ہندوستان کی طرف بڑھ رہا تھا ؛

چنانچہ حجاج نے ان دونوں سرداروں کو لکھا، تم دونوں کی رفتار چین پر جا کے ختم ہوتی ہے، دونوں خُدا کا نام لے کر بڑھے چلو، جو تم دونوں میں پہلے مملکت چین میں داخل

ہو گا، اُسے اپنے تمام مفتوحہ بلاد اور نیز اپنے رقیب پر حکومت و بالادستی دیجائیگی ؛

اس شوق مقابلہ نے دونوں سپہ سالاروں میں ایک بجلی کی سی بے چینی پیدا کردی ادھر تو قتیبہ نے اپنے گھوڑے کو ایڑ بتائی، اور اُدھر محمد بن قاسم ہندوستان کی طرف بڑھا چنانچہ شہر نیروں پر اسلامی جھنڈا نصب کر کے جاں نثار اسلام محمد بن قاسم سیوستان کے سامنے خیمہ زن ہوا، اہل شہر نے مسلمانوں کے خوف سے اپنے

فتح سیوستان

سرداروں کو لڑائی سے باز رکھنے کی بہت کوشش کی، لیکن اُنہوں نے اپنے ہم وطنوں کی رائے پر عمل نہ کیا، جب اہل شہر نے فوج کی یہ ہٹ دیکھی، تو انہوں نے اپنی جانیں بچانے کیلئے محمد بن قاسم کے پاس یہ پیغام بھیجا، کہ تمام رعایا، کاشتکار اور اہل صنعت و حرفہ و سوداگران وغیرہ غرضیکہ سب لوگ اپنے فوجی افسر بجھرا سے نفرت کرتے ہیں، اور ہم آپ کے ساتھ ہیں، ہم کو امان دیجائے ؛

اس پیام نے بہادران اسلام کے دلوں میں اور بھی جرأت پیدا کردی، اس لئے وُہ نہایت مستعدی کے ساتھ بجھرا سے لڑنے لگے ؛

لڑائی جاری ہوئے ابھی چند دن ہی گذرے تھے، کہ بہادران اسلام کے خونریز حملوں سے بجھرا کے سپاہیوں نے بھی دل توڑ دیا، ادھر رعایا کی بغاوت ادھر سپاہیوں کی کم ہمتی، بجھرا کو یقین ہو گیا، کہ اب بہادران اسلام سے مقابلہ کرنا ناممکن ہے، اس لئے وُہ رات کے وقت دم دبا کر ایسا بھاگا، کہ علاقہ بدھیا میں جا کر دم لیا، چنانچہ بجھرا کے بھاگتے ہی رعایا، اور فوج نے اطاعت قبول کی اور محمد بن قاسم قلعہ سیوستان میں داخل ہو گئے ؛

سہسم پر حملہ

فتح سیوستان اور اُس کے گرد نواح کا انتظام کرنے کے بعد بہادر محمد بن قاسم نے قلعہ سہسم کی راہ لی ؛

راستے میں دریائے کمبھ کے کنارے نلہان نام ایک مقام تھا، اس جگہ کے رہنے

والے بودھ مذہب کے پیرو تھے۔ ان لوگوں کا سردار کاکا نامی تھا، چنانچہ اہل بُھان نے بہادران اسلام پر شبخون مارنا چاہا، لیکن قسمت نے ان کا ساتھ نہ دیا، کچھ تو اُن لوگوں میں نااتفاقی ہوگئی، اَور کچھ بہادران اسلام کے رعب سے ان کو جرأت نہ ہوئی، چنانچہ اُن کے سردار کاکا نے یہ حالت دیکھ کر اپنے دل میں فیصلہ کرلیا، کہ خود بخود

کاکا نام بودھ سردار کو مسلمانوں کی طرف سے پہلا خلعت

محمد بن قاسم کے آگے اپنا سرتسلیم خم کرے، اسی خیال کو مدّنظر رکھ کر کاکا محمد بن قاسم کی خدمت میں حاضر ہوا، اور آستان بوسی کے بعد، بہادر محمد بن قاسم کو اپنی وفاداری و اطاعت کی نسبت اطمینان دلاتے ہوئے کہا، "میں ہر معاملے میں آپ کا مشیر رہونگا، اپنی طاقت بھر آپ کی اعانت کو حاضر ہوں، اَور آپ کے دشمنوں کے پسپا کرنے میں ہر طرح آپ کا ممد معاون رہونگا"۔

محمد بن قاسم نے ایک دشمن سردار کے منہ سے یہ کلمات وفاداری سنتے ہی خدا کا شکر ادا کیا، کاکا اور اُس کے فرماں برداروں کی حمایت و حفاظت کا وعدہ کیا، پھر پوچھا، کہ آپ کے یہاں کسی سردار کی قدر و منزلت کرنے کا کیا طریقہ ہے؟ کاکا نے جواب میں کہا "دربار میں کرسی دی جاتی ہے، اَور ایک ریشمی لباس پہنا کے سر پر پگڑی باندھی جاتی ہے"۔ چنانچہ محمد بن قاسم نے کاکا کی قدر منزلت کا اسی طرح ثبوت دیا ؛

ان واقعات کے بعد محمد قاسم نے کاکا کو ہی اس سرزمین کے نظم و نسق پر مامور کر کے اپنی فوج کو کوچ کا حکم دیا، اَور شہر سہسم کے قریب جا کر دم لیا ؛

یہاں بہادران اسلام کو صرف دو ہی دن میں اپنی شجاعت دکھانے کا موقع ملا، بھفور بھہرا اور دیگر سرداروں نے حمایت وطن پر اپنی جانیں قربان کردیں اور باقی ماندہ لوگ بھاگ گئے ؛

راجہ داہر والئی سندھ کو جب معلوم ہوا، کہ محمد بن قاسم سندھ میں بڑھتا چلا آتا ہے بلکہ والیان شہر و احکام اضلاع تک مسلمانوں کے مطیع ہی نہیں ہوتے جاتے، بلکہ اسلامی

جھنڈے کے نیچے جاں بازی کو بھی تیار ہو جاتے ہیں، تو اُس نے اس تعجب کو مٹانے کیلئے محمد بن قاسم کو روکنے کا بندوبست کیا، اور ایک جرار فوج کو مسلمانوں کے مقابلے کو روانہ کیا ؛

چنانچہ بہادرانِ اسلام جب دریائے سندھ کو عبور کرنے کی کوشش کر رہے تھے، کہ راجہ واہر کا لشکر مغربی کنارے پر مقابل ہوا ؛

آخر دونوں طرف کے جوانمردوں نے جی کھولکر داد شجاعت دی، لیکن خاتمہ پر واہر کی فوج کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا، کیونکہ عربوں نے میدان جنگ میں ایسا حیرت انگیز استقلال دکھایا، کہ سندھی حامیانِ وطن کو شکست فاش ہوئی اور بڑی بے سروپائی سے بھاگے، اس بہادری کے بعد محمد بن قاسم نے اپنی طرف سے والیٔ سندھ راجہ واہر کے پاس اپنے لائق عرب سفیر کے ساتھ ایک نومسلم سردار کو بھی دربار واہر میں بھیجا، یہ اسلامی سفارت جب واہر کے دربار میں پہنچی، تو واہر کے خلاف اُمید اُن لوگوں نے اُس کے سامنے نہ سجدہ کیا، اور نہ سر جھکایا ؛

سندھ میں پہلی اسلامی سفارت

اِن لوگوں سے علامات تعظیم کا ظاہر نہ ہونا، واہر کو نہایت ناگوار ہوا، بالخصوص اس نومسلم سردار سے جو دیبل کے معزز رؤسا میں سے تھا، اور راجہ واہر اُس کو جانتا بھی تھا، چنانچہ راجہ واہر نے اُس نومسلم سردار سے کہا، "تم آداب شاہی کیوں نہ بجالائے کیا تم کو اس کی ممانعت کر دی گئی ہے"؟

نومسلم سردار نے کہا، "جب تک تو میں آپ کی رعایا میں تھا، اُس وقت تک قواعد اطاعت و آداب کی پابندی مجھ پر فرض تھی، لیکن اب جبکہ میں نے دین اسلام قبول کر لیا، اور خلیفہ اسلام کی رعایا میں داخل ہو چکا، تو مجھ سے ایسی اُمید رکھنا بیکار ہے، کہ کسی مشرک کے سامنے سر جھکاؤں، کیونکہ اسلام میں سوائے خدائے قدوس کے کسی اور کے سامنے سر جھکانا جائز نہیں ہے ؛

اس جواب نے داہر کے دل پر بڑا اثر کیا، تاہم اس نے کہا "تم سفیر ہو ورنہ قتل کیے جاتے" اس پر تو مسلم سردار نے یہ جواب دیا "میرے قتل سے مسلمانوں کا کچھ نقصان نہ ہوگا، البتہ وہ میرے خون کا پورا انتقام لیں گے، اور آپ کو سخت مصیبت کا سامنا کرنا پڑے گا"۔

ان باتوں کے بعد مسلم سفیر نے سفارت کا پیغام دیا، لیکن داہر نے اپنے مشیروں کی رائے کے مطابق مسلمانوں کی شرطیں قبول نہ کیں، اور اس اسلامی سفارت کو وہاں سے ناکام واپس ہونا پڑا۔

شہر سدوسان پر اسلامی جھنڈا سفارت کے واپس ہوتے ہی راجہ داہر نے لشکر فراہم کرنا شروع کیا، اور بہادر محمد بن قاسم نے بھی دریا سے پار اترنے کے قبل مناسب سمجھا، کہ سدوسان پر قبضہ کر لیا جائے۔

اس غرض سے محمد بن قاسم نے محمد بن مصعب کو مامور کیا، محمد بن مصعب کے آنے کی خبر سنتے ہی اہل سدوسان گھبرا اٹھے، اور انہوں نے ایک سفارت کے ذریعہ بہادران اسلام کے آگے سر اطاعت جھکا دیا۔

بہادر محمد بن قاسم نے اس شہر کے سردار موکا نامی کو دریا سے پار اترنے کیلئے کشتیاں فراہم کرنے کا حکم دیا۔

ادھر راجہ داہر نے اپنے بیٹے جے سنگھ کو بڑی بھاری لشکر کے ساتھ بہادران اسلام کے مقابلے کو روانہ کیا، جے سنگھ دریا سے پار ہو کر قلعہ بیٹ میں آگیا۔

ادھر سے جاں نثار اسلام محمد بن قاسم دریا سے پار ہونے کے انتظامات کر رہا تھا اس نے اول تو جا بجا آدمی بھیجکر پایاب مقامات کا امتحان کیا، جب دریا کہیں پر پایاب نہ ملا، تب محمد بن قاسم نے ان کشتیوں کا پل باندھنا شروع کر دیا، جن کو موکا نے فراہم کیا تھا، لیکن جیسے ہی کشتیاں پل بنانے کی غرض سے مرتب کی جانے لگیں،

راجہ واہر کی طرف سے راسل نے جو دریا کے پرلے کنارے موجود تھا اپنے سپاہیوں کو حکم دیدیا، کہ پل نہ باندھنے دیں، لیکن بہادران اسلام نے اس مزاحمت کی ذرا بھی پرواہ نہ کی، اور اُسی سرگرمی سے پُل بنانے میں مشغول رہے ؛

دریاے سندھ کے پار بہادرانِ اسلام کیسے ہوئے

بہادر محمد بن قاسم نے جب دیکھا، کہ حریف کے تیر کسی طرح کشتیاں برابر ہی نہیں کرنے دیتے تو اُس نے تمام کشتیوں کو اس کے پار منگوالیا، اور دریا کے کنارے کنارے طولاً کشتیوں کو مرتب کر کے ایک بڑی قطار قائم کردی، اور اُن سب کو ایک دوسرے میں خوب مضبوطی سے باندھ کر اندازہ کرلیا، کہ کشتیوں کی اس صف کا ایک سرا اگر ہٹا کر اُس طرف لے جایا جائے تو پار کے کنارے سے لگ جائے گا، اس بات کا صحیح اندازہ کر کے ملاحوں اور فوج کی مدد سے اس صف کو دریا کے عرض کی طرف بڑھایا گیا، کنارے سے ہٹنا تھا، کہ بہاؤ نے اور مدد دی، اور تھوڑی ہی دیر میں کشتیوں کی قطار ایک عمدہ اور مضبوط پل کی طرح اس پار سے اُس پار تک قائم ہوگئی ؛

راسل اور اُس کے ساتھی اس کارروائی کو ہنوز حیرت کی نگاہوں سے دیکھ ہی رہے تھے، کہ بہادران اسلام کی فوجیں تیروں کی بارش کرتی ہوئیں اُس پُل پر سے گذرنے لگیں، تھوڑی دیر میں راسل کی فوج جو مزاحمت کے لئے اُس پار صف باندھے کھڑی تھی، تیروں کی بوچھاڑ سے منتشر ہوگئی، اور ابھی سندھی سپہ سالار اپنی درہم برہم فوج کو مرتب کرنے نہ پایا تھا، کہ مسلمان سپاہی پُل کی مسافت طے کر کے دریا سے پار ہوگئے، اور پار اترتے ہی دشمنوں پر ایسے ٹوٹے کہ سندھیوں کو سوائے بھاگنے کے اور تدبیر نہ بنی ؛

محمد بن قاسم اور اس کے بہادر ساتھی اپنی اس کامیابی پر اسقدر نازاں تھے، کہ دشمنوں کو مارتے کاٹتے شہر جہم کے پھاٹک پر پہنچ گئے ؛

صبح کو جب والئی سندھ کی آنکھ کھلی، تو اُس کے بدنصیب معتمد نے راسل کی شکست اور بہادران اسلام کے دریا سے پار اُترنے کی ... اُس کو اطلاع دی، راجہ داہر اس قدر برہم ہوُا کہ اُس نے اس معتمد کو فوراً قتل کر ڈالا ؛

شہر بیٹ بہادران اسلام کے قبضہ میں
اب اسلامی فوجیں دریا کے کنارے کوچ کر کے شہر بیٹ پر پہنچیں بیٹ والوں نے بہادران اسلام کی آمد سنتے ہی شہر کو خالی کر دیا محمد بن قاسم نے اس جگہ کو محفوظ پا کر اپنا جائے مستقر قرار دیا، اور اس کے گرد خندقیں کھود کر سامان رسد و اسباب جنگ رکھکر ضرورت کے موافق کچھ فوج بھی یہاں رکھدی اور آگے کا ارادہ کیا ؛

کنور جے سنگھ کی مزاحمت
جاں نثار اسلام محمد بن قاسم آگے بڑھنے کا ابھی سامان ہی کر رہا تھا کہ راجہ داہر کا بیٹا جے سنگھ ایک زبردست فوج لے کر مقابل ہوُا ؛

راور اور جیوتڑ کے درمیان جو جھیل واقع تھی اُسی جھیل کے کنارے دونوں فوجوں میں مقابلہ ہوُا لیکن محمد بن قاسم اس لڑائی میں خود نہیں گیا، بلکہ اس مہم پر عبداللہ بن علی ثقفی کو اُس نے مامور کیا ؛

نوجوان عبداللہ نے جے سنگھ کی فوج پر ایسی دلیری سے حملہ کیا، کہ سندھی فوج کے قدم اکھڑ گئے، اور کنور جے سنگھ بدحواس ہو کر جو بھاگا تو اس کا گھوڑا بھی بے قابو ہو گیا چنانچہ جے سنگھ اپنی بدحواسی کے باعث گھوڑے کی پیٹھ پر سنبھل نہ سکا، اور جب وُہ زمین پر گرا تو عربی سپاہیوں نے یہی سمجھا کہ وُہ مر گیا، لیکن جے سنگھ مرا نہیں بلکہ بھاگ گیا تھا ؛

اس شکست فاش نے راجہ داہر کے سرداروں میں مایوسی پیدا کر دی، اور سندھ کے بڑے بڑے سردار بہادرانِ اسلام کی اطاعت پر آمادہ ہو گئے، چنانچہ راسل جو دریائے سندھ سے اُترتے وقت سب سے پہلے محمد بن قاسم کا مزاحم ہوُا تھا، موکا کے بعد اُس نے بھی سرِ تسلیم خم کر دیا، ان دونوں سرداروں کی اطاعت پر مسلمانوں کو بہت تقویت

پہنچی، اور اس امداد ایزدی کا محمد بن قاسم نے شکریہ ادا کیا ؛

الغرض ان دونوں سندھی افسروں نے محمد بن قاسم کو آگے بڑھنے کی رائے دی، راستے میں جھیل پڑتی تھی، لیکن راسل نے اپنی تجویز کے مطابق نہایت خاموشی سے صرف ایک کشتی کے ذریعہ تین سپاہی اس جھیل سے پار کر کے محمد بن قاسم سے کہا، اب ایک منزل اور ہے، اس کے بعد ایک گاؤں جے پور نام ہے وہیں پڑاؤ ڈالنا مناسب ہے، کیونکہ وہ مقام آپ کے اور راجہ واہر کے لشکر کے درمیان ہے، محمد بن قاسم اور تمام لشکر اسلام اسی تجویز کے مطابق دریا سے دو ہاوا کے کنارے مقام جے پور میں جا کے خیمہ زن ہوا ؛

جب راجہ واہر کو اس بات کی خبر ہوئی، کہ بہادران اسلام کا لشکر جے پور میں آگیا ہے، تو وہ اپنے تمام لشکر اور اہل وعیال سمیت قلعہ راور میں پناہ گزین ہو گیا ؛

قلعہ راور کا محاصرہ | جان نثار اسلام محمد بن قاسم کو جب یہ حال معلوم ہوا، تو اس نے ۹۳ھ میں ماہ رمضان المبارک کی پہلی تاریخ کے دن شہر راور کا محاصرہ کر لیا، راجہ داہر اگرچہ قلعہ راور میں محصور تھا، لیکن اس نے مسلمانوں سے برابر چار روز تک لڑائی ٹھان رکھی، اور پانچویں روز راجہ واہر نے اپنے جاں نثاروں کے ساتھ قلعہ سے نکلکر بہادران اسلام کا مقابلہ کرنا چاہا ؛

بہادران اسلام اپنے طولانی نیزے جھکائے ہوئے دشمن کی طرف بڑھے عرصہ کارزار گرم ہو گیا، ہر دو طرف سے لڑائی کی آگ لحظہ بلحظہ زیادہ مشتعل ہوئی جاتی تھی، محمد بن قاسم کی طرف سے شجاع حبشی نے راجہ واہر کی فوج پر ایسے متواتر حملے کیے کہ سندھیوں کو اکثر جگہ منتشر کر دیا، لیکن ایسے دلیرانہ حملہ کرتے کرتے بہادر شجاع میدان کارزار میں دشمنوں کے نرغہ میں گھر کر شہید ہوا ؛

شجاع کی شہادت | شجاع عربی فوج کا ایک نہایت ہی جری سپاہی تھا، اور تمام

لوگوں میں ہر دلعزیز تھا، اس کی شہادت نے مسلمانوں کے جوش انتقام کی آگ بھڑکا دی
بہادر محمد بن قاسم نے اُن تمام سنرھی جانبازوں کو مار کے گرادیا جو ہاتھیوں کے آگے لڑرہے تھے، اور جن کی وجہ سے کوئی عربی سپاہی خود راجہ کے ہاتھی تک نہ پہنچ سکتا تھا ؛

یہ لوگ تو ہٹ گئے مگر ہاتھیوں کی صفیں فولادی دیواروں کی طرح راستہ روکے کھڑی تھیں، اس کو منہدم کرنے کی یہ تدبیر کی گئی، کہ لشکر اسلام کے آتشبازوں نے جو پچکاریوں کے ذریعہ سے روغن نفت برسا کے آگ لگاتے تھے، ہاتھیوں پر آگ برسانا شروع کردی ؛

ہاتھی اس مصیبت کو کسی طرح نہ برداشت کر سکے، اور نہایت ہی بدحواسی سے خود اپنی فوجوں کو روندتے ہوئے بھاگے ؛

یہ وُہ وقت تھا، کہ مسلمانوں کے بعض حملہ آور گروہوں نے راجہ کے خیمہ گاہ تک بڑھ کے اس کے حرم کی چند عورتوں کو پکڑ لیا تھا، اِن عورتوں نے بے کسی اور مایوسی سے رونا چلانا شروع کیا، اور راجہ کو پکارا، یہ سُنکر راجہ کو بڑا طیش آیا، اور غیرت کے جوش میں راجہ داہر نے اپنا ہاتھی مسلمانوں کی طرف بڑھایا ؛

بہادران اسلام نے جب راجہ کو ہاتھی پر سوار آتے دیکھا، تو آتشبازوں نے آگ برسانا شروع کی، ہاتھی آگ سے بھڑکا، اور پانی میں گھس گیا، جب مسلمانوں نے یہ حالت دیکھ کر ادھر کا رُخ کیا، تو راجہ کے جاں نثار برہمن پانی میں کود پڑے، اور پر سے مسلمانوں نے تیر برسانے شروع کئے، آخر فیلبان نے بڑی مشکل سے ہاتھی کو پانی سے نکالا

راجہ داہر کی شجاعت اور اس کا قتل

راجہ داہر نے پانی سے نکلتے ہی لڑائی کا رنگ دیکھا تو بازار قتل اسی طرح گرم پایا، اُس کے وفادار سپاہی اور خود اُس کے عزیز و اقارب بہت سے قتل ہو چکے تھے، اور برابر ہو رہے تھے، یہ نظارہ دیکھ کر

راجہ داہر کو پھر غیرت نے ابھارا، اگرچہ زخمی ہوچکا تھا، مگر دلیری اور شجاعت کی بیخودی میں ہاتھی سے اُتر کر اُس نے تلوار کھینچ لی ؛

اس میں کچھ شک نہیں، کہ راجہ داہر نے انتہا درجہ کی دلیری دکھائی اور بتادیا کہ وہ صرف عیش پرست تاجدار ہی نہیں تھا، بلکہ ایک بہادر سپاہی بھی تھا، لیکن تقدیر میں پسپا ہونا لکھا تھا کہ لڑتے لڑتے ایک عرب بہادر سے اُس کا مقابلہ ہوگیا، اُس عرب سپاہی نے تلوار کا ایک ایسا بھرپور ہاتھ مارا، کہ راجہ داہر کے سر سے گردن تک کٹ گئی، چنانچہ راجہ داہر نے زمین پر گرتے ہی اپنی جان کے ساتھ سندھ کے ہندو راج کا خاتمہ کردیا ؛

راجہ داہر عین غروب آفتاب کے وقت جمعرات کے دن ماہ رمضان المبارک کی دسویں تاریخ مطابق جون ۷۱۲ء میں قتل ہوا، بہادران اسلام میں یہ نہایت ہی مبارک دن تھا، اس شاندار فتح نے تمام مسلمانوں میں ایسی خوشی پیدا کردی کہ اکثر مسلمانوں کو اگرچہ وہ دن بھر کے تھکے ماندے تھے، رات بھر نیند نہیں آئی، اور بہتوں نے ثواب آخرت کیلئے شب زندہ داری میں عبادت الٰہی کرتے کرتے صبح کردی ؛

جب والئی سندھ راجہ داہر قتل ہوچکا تو راجہ کے عزیزوں اور متعلقین پر سخت مصیبت نازل ہوگئی راجہ کے بیٹے جے سنگھ اور اُس کی خاص رانی بائی[1] اِن دونوں نے راجہ کی باقی ماندہ اور مفرور فوج کے ساتھ شہر راوَر میں پناہ لی، متوفی راجہ کے اعزاء و اقارب اور ملک و دولت کے اعلیٰ امراء و عہدہ دار جن کے دل میں ابھی تک اپنے بدقسمت آقا کی نمک حلالی کا خیال باقی تھا، اُنہوں نے جے سنگھ اور رانی کے دامن میں پناہ لی، اور اس بات پر آمادہ ہوئے کہ چاہے جو کچھ ہو جب تک جان باقی ہے، راوَر کی شہر پناہ پر بیٹھ کے دشمن کا مقابلہ کرینگے ؛

[1] رانی بائی دراصل راجہ داہر کی بہن تھی، مگر راجہ داہر نے اپنی بہن کو زبردستی سے بیوی بنالیا تھا، حالانکہ دنیا بھر نے لعنت ملامت کی، لیکن راجہ نے ایک نہ سُنی تھی، یہ تھا ہندوستان کا سابقہ تمدن قبل از اسلام ؛ (شوق)

شہر راور کا محاصرہ

فاتح سندھ جاں نثار اسلام محمد بن قاسم کو جب اس بات کی خبر ہوئی، کہ سندھیوں نے راور میں جمع ہو کے لڑائی کا سامان کیا ہے، تو اُس نے بھی اُدھر کا رُخ کیا، بہادرانِ اسلام شہر راور کی دیواروں کے نیچے جب خیمہ زن ہوئے، تو قلعہ والوں نے فصیل پر سے تیر و پتھر برسانے شروع کئے ؛

بہادر محمد بن قاسم نے یہ حالت دیکھ کر فوراً اپنی فوج کو مرتب کیا، اور نقبزنوں کو حکم دیا، کہ قلعہ کی دیوار میں رخنہ ڈالیں، چنانچہ چند روز کی مسلسل سنگباری و آتشباری سے قلعہ کے سب بُرج توڑ کر گرا دیئے گئے، اس بات سے اہل قلعہ میں تشویش پیدا ہوئی، رانی بائی اسقدر گھبرائی کہ اُس نے اپنی دیگر خواصوں کے ساتھ خودکشی کر لی، رانی کے مرتے ہی تمام شہر میں مایوسی چھا گئی، لڑنے والوں کے حوصلے چھوٹ گئے، کیونکہ رانی بائی ہی اُن کی سپہ سالار تھی، جے سنگھ اپنے جاں نثار لشکر کے ساتھ برہمن آباد میں محصور ہو گیا تھا، کیونکہ وہ اُسی جگہ لڑنا پسند کرتا تھا ؛

اتنے میں بہادرانِ اسلام نے قلعہ کی دیواریں توڑ کر شہر پر ایک زبردست حملہ کر دیا اب مزاحمت کی کس میں جرأت تھی، ساری اسلامی فوج شہر کے اندر داخل ہوئی چھ ہزار سپاہی تہ تیغ ہوئے، راجہ کے باقی متعلقین و ملازمین مع اپنے اہل و عیال کے قید ہوئے، جن کا شمار مرد عورتوں بچے بچیوں وغیرہ کا تیس ہزار تھا، ان قیدیوں میں راجہ داہر کی حسین و نازنین بھانجی بھی تھی، ان فتوحات کا مژدہ جانفزا اور مال غنیمت کا پانچواں حصہ اور لونڈیاں بہادر محمد بن قاسم کے حکم سے کعب بن مخارق جب گورنر حجاج کے پاس لے کر پہنچا، تو حجاج نے اس تائید ایزدی کا شکریہ ادا کیا اور یہ سب مالِ غنیمت و لونڈیاں حجاج نے دربار خلافت میں روانہ کیں، خلیفہ ولید نے بھی حجاج کا خط پڑھ کر خدا کا شکر ادا کیا، اور لونڈیوں میں جب اُس کی نظر داہر کی بھانجی پر پڑی، تو اُس کے حسن و جمال کو دیکھ کر دنگ رہ گیا ؛

راجہ داہر کی بھانجی عبداللہ بن عباس کی حرم سرا میں

عبداللہ بن عباس بھی وہیں تھے، اس حسین نازنین کو دیکھتے ہی ان کا دل بھی بیتاب و بے خود ہو گیا، اسی بے تابی میں عبداللہ بن عباس نے ولید سے اپنی خواہش دلی کا اظہار کر دیا جس پر ولید نے کہا اے ابن آخی اگرچہ میں تم سے زیادہ اس لڑکی کے حسن کا فریفتہ ہوں، لیکن میں تم کو مایوس کرنا نہیں چاہتا، اچھا یہی بہتر ہے، کہ یہ تمہارے ہی بچوں کی ماں بنے جاؤ اس کو اپنے ساتھ لے جاؤ، چنانچہ راجہ داہر کی بھانجی عبداللہ بن عباس کی حرم میں مدت تک رہی، لیکن اُس کے بطن سے کوئی اولاد نہیں ہوئی ؛

قلعہ بہرور اور دہلیلہ کا محاصرہ

ہم بتا چکے ہیں، کہ راجہ داہر مقتول کے بیٹے جے سنگھ نے قلعہ برہمن آباد میں جا کے پناہ لی تھی، اور وہیں وہ لڑائی کی تیاری میں مصروف تھا، چنانچہ جے سنگھ نے اپنے بھائی گوپی رائے (جو قلعہ بہرور میں تھا) سے مدد مانگی، اور ساتھ ہی دھرسیا کے بیٹے چچ (جو قلعہ دہلیلہ میں تھا) کو راجہ داہر کے مارے جانے اور مسلمانوں کے برابر بڑھتے چلے آنے کی اطلاع دیکر لڑائی پر آمادہ کیا، ادھر محمد بن قاسم نے یہ خبر سُنی تو شہر راور کا انتظام کر کے برہمن آباد کی طرف اپنے گھوڑے کو مہمیز کیا مگر راستے میں بہرور اور دہلیلہ نام دو قلعے پڑتے تھے، جن میں تقریباً سولہ ہزار سپاہیوں کی جمعیت راستہ روکنے کیلئے مستعد تھی، چونکہ ان قلعوں پر قبضہ کئے بغیر برہمن آباد تک پہنچنا دشوار تھا، اس لئے بہادران اسلام نے بڑھ کر بہرور کے قلعہ کا محاصرہ کر لیا، مگر قلعہ والوں نے بھی بڑے استقلال کے ساتھ مقابلہ کیا، اور دو مہینہ تک مسلمان اس قلعہ کو فتح نہ کر سکے ؛

آخر راور کے محاصرے کی طرح یہاں بھی محمد بن قاسم نے حکم دیدیا، کہ فوج کے دو حصے ہو جائیں ایک حصہ دن کو لڑے اور ایک رات کو تاکہ رات دن لڑائی جاری رہے، قلعہ کی دیواریں جا بجا سے توڑ کے گر گئیں، اور آخری حملہ کر کے ایک روز قلعہ بہرور

پر بھی اسلام کا جھنڈا نصب کر دیا گیا ۔

اب قلعہ دہلیلہ کی باری تھی، دہلیلہ والوں کے دل اگرچہ بہادران اسلام کے حملوں سے دہل رہے تھے، تاہم حمایت وطن کے لئے قلعہ میں محصور ہو کر کچھ روز تو بہادرانِ اسلام کا مقابلہ کرتے رہے، لیکن جب جان کی خیر نظر نہ آئی، تو ایک رات کو قلعہ سے نکل کر بھاگے، صبح کے وقت جب محمد بن قاسم کو دشمن کے بھاگ جانے کی اطلاع ہوئی، تو اپنی فوج کے کچھ سپاہی مفرورین کے تعاقب میں روانہ کر دیئے، عین اُس وقت جبکہ یہ لوگ ندی سے پار ہو رہے تھے، اسلامی جان نثاروں نے ان کو پالیا، جو لوگ ندی سے پار ہو گئے تھے، ان میں کچھ تو بھاگ کر ہندوستان میں جا پہنچے، اور کچھ راَمل کے ملک میں چلے گئے، اور کچھ راجہ دیوراج[1] کے سرحد میں جا کے پناہ گزین ہوئے، اور جو مفرور گرفتار ہوئے، وُہ قتل کئے گئے، محمد بن قاسم قلعہ دہلیلہ پر قبضہ کر کے یہیں خیمہ زن ہو گیا، اور اس وقت تک فتوحات میں جو کچھ مالِ غنیمت ہاتھ آیا تھا، اُس کا پانچواں حصّہ معہ مژدہ فتوحات عراق میں بھیجدیا گیا ۔

اب برہمن آباد سر کرنے کی باری تھی، جو یہاں سے ایک فرسنگ کے فاصلہ پر تھا، قبل اس کے کہ محمد بن قاسم اپنے گھوڑے کو برہمن آباد کی طرف بڑھائے جے سنگھ برہمن آباد میں مقابلہ کا معقول انتظام کر کے مقام چنیر روانہ ہو گیا تھا، چنیر رامل کی سلطنت میں تھا، جے سنگھ نے چنیر جاتے ہوئے، برہمن آباد میں چالیس ہزار سپاہی چھوڑے، چنانچہ فاتح سندھ بہادر محمد بن قاسم نے دہلیلہ سے فوج آگے بڑھائی اور برہمن آباد کی مشرقی دیوار کے پیچھے نہر جل والی کے کنارے اسلامی لشکر فروکش ہوا ۔

یہ قلعہ سندھ کے نہایت ہی مضبوط قلعوں میں سے تھا، اور یہاں جے سنگھ نے لڑائی کا معقول انتظام کر دیا تھا، اس وجہ سے محمد بن قاسم نے اپنی

برہمن آباد کا معرکہ

[1] دیوراج راجہ داہر کے چچا کا بیٹا تھا، اور علاقہ سیر پر حکمران تھا ۔

فرودگاہ کے گرد خندق کھدوا کر بازار کارزار گرم کر دیا، یہ لڑائی ماہ رجب ۹۳ھ کو شروع ہوئی، اور برابر چھ ماہ گذرنے پر بھی جب یہ قلعہ فتح نہ ہوا، تو محمد بن قاسم کو سخت تشویش ہوئی ؛

ادھر آخر ماہ ذی الحجہ بروز اتوار ۹۳ھ میں مطابق اکتوبر ۷۱۲ء جے سنگھ بھی آپہنچا اور مسلمانوں کے محاصرے کی وجہ سے قلعہ میں داخل نہ ہو سکا، مگر اُس نے یہ زبردست کام کیا، کہ مسلمانوں کی رسد آنے کا راستہ روک دیا، اس وجہ سے اسلامی فوج مصیبت میں مبتلا ہو گئی ؛

محمد بن قاسم نے اپنی یہ مصیبت دیکھ کر جب موکا کو طلب کیا، تو اُس نے یہ رائے دی، کہ جے سنگھ آپ کے لشکرگاہ سے قریب ہی پڑا ہوا ہے، سوائے اس کے اور کوئی تدبیر نہیں کہ آپ بڑھ کر اُس سے مقابلہ کریں ؛

چنانچہ محمد بن قاسم نے موکا کی یہ رائے پسند کی اور اُس نے اپنے لشکر میں ایک زبردست فوج ترتیب دے کر ایک حصہ کا موکا کو اور دوسرے حصہ فوج کا جذیم بن عمرو کو سردار مقرر کر کے جے سنگھ کے مقابلہ کو روانہ کیا ؛

جے سنگھ میدان جنگ سے بھاگ کر کشمیر چلا گیا

جے سنگھ اگرچہ بہادری کا دعوٰی کرتا تھا، لیکن وہ در اصل بہادر نہ تھا، کیونکہ اُسے بہادرانِ اسلام کے بالمقابل ہوتے اپنی جان کا خوف تھا، اسی لئے وُہ اسلامی فوج کی خبر سنتے ہی بغیر مقابلہ کئے وہاں سے بھاگ کھڑا ہوا، اس دفعہ وُہ اپنے اہل و عیال کو بھی ساتھ لے گیا، اس سے معلوم ہوتا ہے، کہ اُس نے ہمیشہ کے لئے سرزمین سندھ کو چھوڑ دینا مناسب سمجھا تھا، غرضیکہ جے سنگھ جے پور ہوتا ہوا راجہ کشمیر کے مُلک میں پہنچ گیا، اور جب اُس کی ہمراہی فوج بھی منتشر ہو کر بھاگ نکلی، تو مجبوراً اسلامی فوج وہاں سے واپس ہو کر برہمن آباد کے محاصرے میں شامل ہو گئی ؛

جے سنگھ کے بھاگ جانے بعد چند روز تک برہمن آباد والے برابر لڑتے رہے، مگر بہادرانِ اسلام سے کب تک مقابلہ کرتے سب نے اس رائے پر اتفاق کیا، اور اُسی روز محمد بن قاسم کے پاس قاصد بھیجکر اپنے اہل وعیال کو قتل واسیری سے مستثنیٰ ہونے اور اپنی جانوں کے لئے امان حاصل کرلی، اور بہادرانِ اسلام شہر کے اندر داخل ہوگئے محمد بن قاسم نے اپنی فوج کو تاکیدی حکم دے دیا، کہ سوا اُن لوگوں کے جو لڑنے پر تیار ہوں اور مقابلے کو ہتھیار اُٹھائیں، اور کوئی قتل نہ کیا جائے ؛

برہمن آباد میں ہی مقتول راجہ واہر کی رانی لاڈی بیٹی تھی، جو اپنے شوہر راجہ واہر کے مارے جانے کے بعد یہیں قلعہ میں فروکش ہوگئی تھی، اُس نے اپنے خزانے کے دروازے کھول کر مفرور سپاہیوں میں روپیہ تقسیم کرکے انکو قلعہ کی حراست پر متعین کیا، جب بہادرانِ اسلام قلعہ کی طرف آئے، تو رانی لاڈی کے محافظ بڑی جوان مردی سے لڑے اگرچہ رانی لاڈی نے بھی رانی بائی کی طرح چتا میں خودکشی کرنے کا ارادہ کرلیا تھا، لیکن مسلمانوں نے قلعہ میں داخل ہوتے ہی دیگر لوگوں کے ساتھ رانی لاڈی کو بھی گرفتار کرلیا،

رانی لاڈی بیوہ راجہ داہر

فتوحات سندھ میں برہمن آباد کی فتح کے بعد محمد بن قاسم کو اِس مفتوحہ ملک کے نظم ونسق کی طرف توجہ کرنا پڑی، چنانچہ جن لوگوں نے دین اسلام قبول کیا، وہ غلامی جزیہ خراج سے معاف کئے گئے، اور جن لوگوں نے تبدیل مذہب کو ناپسند کیا اُن پر جزیہ مقرر کیا گیا، جزیہ کے تین مدارج تھے، پہلے درجہ والوں پر فی نفر ۴۸ درم سالانہ دوسرے درجہ والوں پر ۲۴ درہم اور سب سے کم درجہ والوں پر ۱۲ درہم سالانہ معین کردیئے گئے، ایسا برتاؤ کسی سے نہیں کیا گیا، کہ اُس کی اراضی وجائداد چھینی گئی ہوں، ہر ایک کے حقوق اُسی طرح محفوظ رکھے گئے جیسے کہ پہلے تھے، یہی وجہ تھی کہ وہ مسلمانوں کے رہین منّت ہوکر ہندو راج کے مقابل مسلمانوں کی حکومت کو باعث رحمت خیال کرنے لگے ؛

انتظام مملکت سندھ

سنہ ۹۴ ہجری

محمد بن قاسم علاقہ برہمن آباد اور ملک سندھ کے مغربی اور شرقی حصوں کا انتظام کرنے کے بعد ماہ محرم ۹۴ھ میں آگے بڑھا، اور مقام بہراور میں پہنچ کر فروکش ہوا، یہاں سے سلیمان اور ابو فضہ کو علاقہ بدھ کی طرف روانہ کیا گیا، اور خود شہر ستھا اور دہانہ کی طرف کوچ کیا، ستھا کے لوگ بہادران اسلام کی خبر سنتے ہی استقبال کو نکلے، اور اپنی اطاعت کا اظہار کیا ؛

یہاں سے اُن لوگوں کو بطور رہبر ساتھ لے کر جان نثار اسلام نے شہر ارور[1] دار الخلافہ سندھ کا رُخ کیا ؛

بہادران اسلام نے ارور میں پہنچتے ہی چاروں طرف شہر اور قلعہ کا محاصرہ کر لیا بلکہ نہایت استقلال اور اطمینان کے ساتھ شہر کے باہر ایک میل کے فاصلہ پر پڑاؤ ڈالے پڑے رہے ؛

جب اہل ارور نے مسلمانوں کا یہ رنگِ استقلال دیکھا، تو مقابلہ کرنے کیلئے نہایت بے دلی سے مجبور ہو گئے ؛

گوپی نے جب بہادرانِ اسلام کی گذشتہ فتوحات پر خیال کیا، تو اس کی آنکھوں تلے اندھیرا چھا گیا، سوائے اسکے اُسے اور کچھ نہ بن آئی، کہ وہ بھی اپنے بھائی جے سنگھ کی طرح بھاگ نکلے چنانچہ گوپی نے قلعہ سے نکل کر ایک گاؤں میں جا کر بھاگنے کا سامان سفر درست کیا، اور وہیں سے جے پور کی طرف دم دبا کر بھاگا ؛

بہادر محمد بن قاسم کو جیسے ہی گوپی کے بھاگ جانے کا حال معلوم ہوا، تو

[1] شہر ارور ان دنوں ملک سندھ کا دار الخلافہ تھا جس کی حدود سلطنت کوہسار کشمیر تک پھیلی ہوئی تھی، یہاں کا والی راجہ داہر کا بیٹا گوپی تھا، جو پولٹیکل مصلحت کی وجہ سے اپنے دار الخلافہ سے نکلکر نہ تو اپنے بھائی جے سنگھ کی مدد کر سکا اور نہ اپنے باپ کا انتقام لے سکا

اُس نے اپنے بہادروں کو حملہ کرنے کا حکم دیا، عربوں نے بڑے استقلال اور بڑی جوانمردی سے قلعہ پر یورش کی، اور اس مردانگی سے لڑے، کہ شہر والوں پر دنیا تنگ ہو گئی ؛

شہر اَرور کا قلعہ ایک بلند پہاڑ پر واقعہ تھا، جو اسقدر مضبوط تھا، کہ بہادرانِ اسلام کو اُس کے مغلوب کرنے میں بہت دشواریاں واقع ہوئیں، اور بڑی مشکل سے اس قلعہ کو فتح کیا گیا ؛

اِس قلعہ کے فتح کرنے کے بعد یہاں بھی ہندوؤں کو اپنے مندر آباد کرنے کی اجازت دی گئی، اور اس سندھ کے دار السلطنت میں ایک عالی شان مسجد تیار کرا کر بہادر محمد بن قاسم آگے روانہ ہوا، اور قلعہ بابیہ کو جا کر محصور کیا، یہ نہایت ہی پرانا قلعہ تھا،

قلعہ بابیہ کا محاصرہ

جس میں شاہی خاندان کا ایک معزز شخص کسکا رائے (جو داہر کا چچا زاد بھائی چندر کا بیٹا اور بعلاج کا بیٹا تھا) حکمران تھا ؛

یہ شخص بڑا عالی دماغ اور فلسفہ دان عالم تھا، اس نے بہادرانِ اسلام کے آنے کا حال سنتے ہی اپنی رعایا کو کہدیا تم آزاد ہو جو جی میں آئے سو کرو، اور خود گھر میں بیٹھ گیا، قلعہ کی فوج نے سوائے اس کے اور کوئی صورت نہ دیکھی، کہ اُنھوں نے سپہ سالار لشکر اسلام کے آگے نذرانہ پیش کر کے امان طلب کی، محمد بن قاسم نے اُن کو عزت و آرام اطمینان دلا کر کسکا رائے کی نسبت بھی کہا اگر وہ بھی اطاعت گذار بن کر میرے پاس چلے آتے تو میں اُن کے شاہی اقتدار کو برقرار رکھتے ہوئے اُن کی عزت کرتا، کسکا رائے نے جب یہ بات سُنی تو وہ بھی محمد بن قاسم کے روبرو آیا، محمد بن قاسم نے اُس کی یہاں تک عزت کی، کہ اُسے اپنا مشیر خاص مقرر کر کے "مبارک مشیر" کے لقب سے ممتاز فرمایا، اور نہ صرف تمام قسبوں پر اُس کی حکومت قائم کی گئی، بلکہ اُسے مہتمم خزانہ بنادیا گیا ؛

قلعہ اسکندہ کا محاصرہ یہاں سے فارغ ہو کر محمد بن قاسم ملتان کی طرف بڑھے، جو اُس زمانے میں سلطنت سندھ کا سب سے زبردست شمالی مستقر تھا، لیکن بہادرانِ اسلام کو دریائے پار اُترتے ہی اسکندہ والوں سے مقابل ہونا پڑا ؛

اہل اسکندہ نے اگرچہ دل توڑ کر عربوں کا مقابلہ کیا، لیکن بہادران اسلام کے حملہ کو روکنا آسان نہ تھا، ایک ہی حملہ میں غنیم کے پاؤں اکھڑ گئے اُنکے افسروں نے ہزار سنبھالنے کی کوشش کی مگر سپاہیوں نے بھاگ کر قلعہ میں پناہ لی ؛

بہادرانِ اسلام نے جب غنیم کی فوج کو قلعہ میں بھاگتے دیکھا، تو فوراً بڑھ کے قلعہ اسکندہ کا محاصرہ کر لیا، سات روز تک قلعہ کا محاصرہ رہا، آٹھویں روز قلعہ کا افسر اسکندہ سے نکلکر ایک دوسرے قریب کے قلعہ سکہ میں جا کر چھپ گیا ؛

اسکندہ کا حاکم جب قلعہ اسکندہ سے بھاگ کر قلعہ سکہ میں پناہ گزین ہو گیا، تو اہل اسکندہ نے خراج وجزیہ کی شرائط قبول کر کے امان طلب کی ؛

چنانچہ محمد بن قاسم نے اسکندہ کی رعایا کو امان دیکر عتبہ بن سلمہ کو اس قلعہ کا حکمران مقرر کیا اور خود فوج لے کر سکہ کی طرف روانہ ہوا، یہ قلعہ ملتان کے بالکل متصل تھا ؛

قلعہ سکہ کا معرکہ اس شہر سکہ پر بجھیرا کا نواسہ حکمران تھا، جو بڑا بہادر شخص تھا، اُس نے جیسے ہی بہادران اسلام کی آمد کی خبر سُنی اپنی فوج لے کر خود ہی مقابلے کو نکلا ؛

دونوں فوجوں میں شام تک لڑائی ہوتی رہی مگر کسی کے حق میں فیصلہ نہ ہو سکا مورخین کے قول کے مطابق تیرہ دن تک سکہ کا عرصہ کارزار گرم رہا، اس معرکہ میں بہادران اسلام کے پچیس ممتاز افسران فوج بھی شہید ہوئے ؛

لیکن عربوں سے لڑنا تقدیر سے لڑنا تھا، اس لئے آخر حاکم قلعہ اپنی جان بچانے کے خیال سے ملتان میں چلا آیا، اور اُس کے جاتے ہی بہادرانِ اسلام نے قلعہ سکہ پر بھی قبضہ کر لیا ؛

۹۵ھ

ملتان پر حملہ | اس کے بعد بہادرانِ اسلام ملتان میں داخل ہوئے، شہر ملتان کی حکومت گورسنگھ کے قبضہ میں تھی، جو داہر کے بھائی چندر کا بیٹا تھا، وہ عربوں کے استقلال میں کسی طرح کا فرق نہ آتا دیکھ کر بہت ہراسان ہوا، کسی طرف سے کمک کی بھی اُمید نہ تھی، آخر اُس نے مجبور ہو کر یہ ارادہ کیا، کہ مہاراجہ کشمیر کے پاس خود جا کر کمک طلب کرے اسی امید پر رات کے وقت لوگوں کی آنکھ بچا کر ملتان سے نکل بھاگا ؛

گورسنگھ کے چلے جانے کے بعد اتفاقاً ایک شخص قلعہ سے باہر نکلا اور مسلمانوں سے پناہ مانگنے لگا، دریافت حال کیلئے اُسے جب امان دی گئی، تو اُس نے بتا دیا، کہ اگر شمال کی دیوار کو منہدم کرنے کی کوشش کی جاوے، تو وُہ آسانی سے گر سکتی ہے، کیونکہ اس طرف سے دیوار بہت کمزور ہے ؛

چنانچہ تین روز کی جانفشانی سے اس طرف کی دیوار توڑ کر گرا دی گئی، اور اسی طرف سے بہادرانِ اسلام نے ملتان میں داخل ہو کر محصورین کو زیر کیا، اور ملتان کو فتح کیا گیا

تین کروڑ روپے کا خفیہ خزانہ | ملتان کے فتح ہوتے ہی وہاں ایک خفیہ بُت خانے اور خزانے سے تقریباً تین کروڑ روپے ملے جو سندھ کی مہم کے تمام اخراجات سے دُگنی رقم تھی، اس رقم کو دربار خلافت میں روانہ کیا گیا، ملتان کے بتخانے میں عربوں کو جو خزانہ ملا اُس کی دنیا میں بڑی شہرت ہوئی، یہاں تک کہ عربوں کی عام اصطلاح میں اس شہر کے اصلی نام ملتان کی بجائے ... بیت الذہب" یعنی سونے کا گھر ..... شہرت پذیر ہوا ؛

ہندوں کا قدیم رواج | اہل سندھ میں ایک شرمناک رواج یہ تھا، کہ اپنی پیاری

بیٹیوں کو وُہ دیوتا کی نذر کردیتے تھے، اس رواج سے ہزارہا حسین و نازنین لڑکیاں ان بُت خانوں میں وقف تھیں، اور اِن لڑکیوں کی طفیل نہ فقط اکثر خدام اپنی گذر اوقات کرتے تھے، بلکہ اصل بُت خانوں کی آمدنی کا یہ ایک وسیع ذریعہ تھا[1] ؛

حکام ہسپانیہ ۹۵ھ ہجری

اسی ۹۵ھ میں موسیٰ ہسپانیہ کے حاکم اعلےٰ تھے، چند الزامات کے باعث اُن کو دربار خلافت دمشق میں جب طلب کیا گیا، تو موسیٰ نے اپنی جگہ اپنے بیٹے عبدالعزیز کو مامور کرکے خود جہاد فی سبیل اللہ میں مصروف ہو گئے ؛

قنوج پر حملہ کرنیکی تیاریاں

بہادر محمد بن قاسم نے ۹۵ھ ملتان کو فتح کرکے مُلک سندھ پر اسلامی و عربی سلطنت قائم کر دی تھی، اَب اس کا ارادہ قنوج پر حملہ آور ہونے کا تھا، کیونکہ ان دنوں تمام ہندو سلطنتوں میں قنوج ہی ایک ایسی سلطنت تھی، جسے اس وقت ہندوستان کی راج دھانی کہا جاتا تھا ؛

اس دارالسلطنت پر راے جھل رائے کے بیٹے ہرچند کی حکومت تھی، اور وہ تمام ہندوستان کے راجاؤں میں سربرآوردہ اور زبردست تھا، جس کے آگے تمام سلطنتیں اپنا اپنا سر جھکاتی تھیں، اور اُس کی عظمت کو تمام راجے مانتے تھے ؛

محمد بن قاسم نے خلیفہ اسلام ولید بن عبدالملک کے حکم کے مطابق جب دربار قنوج میں اسلامی سفارت بھیجی تو راے ہرچند نے نہایت برہم ہو کر یہ جواب دیا، "یہ ملک تقریباً ایک ہزار چھ سو برس سے ہمارے زیر فرمان ہے، اس عرصہ میں کبھی کسی دشمن کو اتنی جرأت نہ ہوئی، کہ ہماری حدود سلطنت میں قدم رکھ سکے، دوسرے راجوں اور حکمرانوں نے تمہاری شرائط اگر قبول کر لی ہیں، تو کر لیں مگر میں ایسی بات

[1] یہ لڑکیاں پرکالۂ آفت ہوتی تھیں، اور صدہا مردان کے دلبرانہ انداز کے اور کلی تیکھی چتونوں کے گھائل ہوتے تھے، جو لوگ بتخانے کے خادموں کو خوش کرکے ان لڑکیوں کے ہم آغوش ہوتے تھے، اُن کیلئے زنا کرنا عیب نہ تھا، بلکہ باعث فخر تھا کیونکہ اس زناکاری کی اُجرت بتخانے کی آمدنی کا زبردست ذریعہ تھی، یہ تھا ہندوستان کا قدیم تمدن ؛ (شوق)

نہیں سُن سکتا، اب تم اپنے آقا سے کہدو، کہ بس لڑائی سے ہی ہر ایک بات کا فیصلہ ہو جائے گا ؛

رائے ہرچند کے اس پیغام کے مطابق بہادر محمد بن قاسم قنوج کی طرف بڑھنے ہی لگا تھا، کہ حجاج کی وفات حسرت آیات کی خبر پہنچی ؛

حجاج کی وفات حسرت آیات ۹۵ھ

حجاج نے ماہ شوال ۹۵ھ میں اس عالم فانی کو رخصت کیا تھا، محمد بن قاسم اپنے مہربان چچا حجاج کی وفات سے نہایت افسردہ اور پریشان ہوئے، اور یہ بہادر سپہ سالار اسلام دربار خلافت کے جدید گورنر عراق و بصرہ کے حکم کا انتظار کرنے لگا ؛

۹۶ھ

حجاج کو فوت ہوئے، تقریباً آٹھ ہی مہینے ہوئے تھے، کہ ماہ جمادی الثانی ۹۶ھ میں خلیفہ اسلام ولید بن عبد الملک نے بھی عالم جاودانی کو لبیک کہا ؛

خلیفہ ولید کی وفات جمادی الآخر ۹۶ھ

ولید حجاج اور اُس کے خاندان کا اپنے عہد میں بڑا مربی رہا بلکہ ولید نے اپنے آخر عہد میں حجاج کے مرنے سے پہلے یہ خیال کیا تھا، کہ اپنے بھائی سلیمان کو تخت و تاج سے محروم کر دے، جسے خود عبد الملک ولید کے بعد حکمرانی کے لئے نامزد کر گیا تھا، اور جس کے لئے ولید کی خلافت سے پہلے بیعت کی جا چکی تھی، ولید نے اپنے زمانے میں بہت کوشش کی، کہ اُسے محروم کر کے اپنا ولی عہد اپنے بیٹے عبد العزیز کو قرار دے، اس بارے میں سلیمان کو بھی لکھا گیا، کہ وہ ولی عہدی سے باز دعویٰ داخل کرے، مگر وہ بھلا اپنی اتنی بڑی سلطنت سے کیونکر دست بردار ہو سکتا تھا اسلئے اُس نے صاف انکار کر دیا، جب سلیمان کی طرف سے انکار ہوا، تو ولید نے اس امر کی کوشش شروع کی، کہ ممتاز اور

صاحب اثر لوگوں کی کثرت رائے حاصل کر کے سلیمان کو ولیعہدی سے معزول کر کے اپنے بیٹے عبدالعزیز کو مسند خلافت پر مامور کرے، چنانچہ اس امر کی تکمیل نہ ہونے پائی تھی، کہ حجاج مر گیا، اور حجاج کے مرنے کے بعد ہی خود ولید بھی موت کے چنگل میں پھنس گیا ؛

ولید نے دیر حران میں قضا کی اور وہاں سے اس کا جنازہ دمشق میں لایا گیا عمر بن عبد العزیز نے نماز جنازہ پڑھائی، اور باب الصغیر میں دفن کیا گیا، ولید کی عمر تقریباً ۴۹ برس کی تھی ؛

ولید کا عہد خلافت اپنے باپ کے عہد سے بھی زیادہ کامیاب رہا، سچ تو یہ ہے، کہ سارے زمانۂ اسلام میں ان باپ بیٹوں سے زیادہ عظمت و جبروت کی سلطنت کسی حکمران خلیفہ کو نصیب نہیں ہوئی ؛

سلیمان بن عبد الملک تاریخ خلافت جمادی الاخر ۹۶ھ عہد خلافت ۲ سال آٹھ ماہ

اسی ۹۶ھ میں ولید کی وفات کے بعد اس کا بھائی سلیمان بن عبد الملک دمشق میں جانشین ہوا، یہ عدل پسند شخص تھا، حجاج اور اُن کے ساتھی سلیمان کی نظر میں امن پسند نہ تھے، اسی لئے حجاج کے ساتھیوں اور اس کے ہم خلاف لوگوں کا اس کے عہد خلافت میں اقتدار جاتا رہا ؛

چنانچہ سلیمان نے خلیفہ ہوتے ہی . . . . یزید ابن مہلب کو کوفہ کا گورنر مقرر کیا، قتیبہ اس وقت خراسان کا حاکم تھا، مگر اس نے خود بخود سلیمان کی کاوش کے خیال سے خراسان کی حکومت چھوڑ دی، مگر اس کے عزیز و اقارب نے اس کا مقابلہ کیا، اسی کش مکش میں وہ مارا گیا ؛

یہ نیک اور صالح خلیفہ تھا، اس نے نماز کو اول وقت پڑھنے کا طریقہ جاری کیا، جس کو سابق خلفائے بنی امیہ نے ہٹا دیا تھا ؛

اسی سال میں امام زین العابدین کا انتقال ہوا آپ تابعین میں سے تھے، اور

امام زین العابدین کی وفات حسرت آیات

زاہد و عابد تھے کثرت عبادت کے باعث آپ کی پیشانی مبارک میں گٹا پڑا ہوا تھا، آپ سخی بھی تھے، خدا کی راہ میں سوال کرنے والے کو جو کچھ پاس ہوتا تھا دے دیتے تھے ؎

ایک دفعہ کسی شاعر نے امام زین العابدین کی خدمت میں ایک قصیدہ پیش کیا، آپ نے خوش ہو کر اپنی چادر مبارک اور سترہ ہزار دینار عطا فرمائے، مگر شاعر نے روپیہ لینے سے تو انکار کیا، مگر چادر مبارک اپنے کفن کے لئے قبول کر لی، لیکن آپ نے اُس عطا کردہ روپیہ کو یہ کہکر کہ اہل بیت کی بخشش واپس نہیں ہوتی واپس نہیں لیا، آپ کی تاریخ وفات بروز ہفتہ عشرہ محرم ۹۶ھ ہے ؎

خلیفہ سلیمان کو اگرچہ قتیبہ پر اعتماد نہ تھا، لیکن اُس کے قتل ہونے کا حال سُنکر اُنہیں افسوس ہوا، اور اُن کی جگہ یعنی خراسان اور ماوراء النہر پر بھی یزید بن مہلب کو ہی مامور کیا ؎

یزید بن مہلب کو جب خراسان کی حکومت بھی مل گئی۔ تو یزید نے خراسان وغیرہ کا انتظام کر کے اپنے بیٹے مخلد کو خراسان کا نائب مقرر کیا، اس کے بعد

جرجان اور طبرستان پر حملے

ایک لاکھ فوج فراہم کر کے جرجان کا محاصرہ کیا، اہل جرجان نے پہلے تو خوب مقابلہ کیا، لیکن جب بہادران اسلام کے مقابلہ کی تاب نہ دیکھی تو بھاگ کھڑے ہوئے مسلمانوں نے ان کا تعاقب کیا، کچھ لوگ تو قتل ہوئے کچھ بھاگے اور کچھ گرفتار کئے گئے فتح جرجان کے بعد یزید نے اپنی فوج کو طبرستان کی طرف بڑھایا، لیکن طبرستان کے حاکم نے بڑی دلیری سے یزید کا مقابلہ کیا، اگرچہ بہادران اسلام نے طبرستان کی فوج کو شکست دیدی، لیکن ادھر جرجان والوں نے اپنی قوم کے آدمیوں سے یزید کے بیٹے مخلد پر حملہ کر دیا، اس حملہ میں بہت

سے مسلمان مارے گئے، آخر یزید نے والیٔ طبرستان سے صلح کر کے جرجان کی راہ لی، تاکہ ان باغیوں کی سرکوبی کرے ؎

جب والیٔ جرجان کو یزید کی واپسی کی خبر ملی، تو اُس نے ایک مستحکم قلعہ میں پناہ لی بہادران اسلام نے سات ماہ کامل وہاں کا محاصرہ کیا، آخر جب اُس قلعہ کا رستہ معلوم ہوا، تو مسلمانوں نے اس پہاڑی قلعہ پر قبضہ کر کے ہزارہا دشمنوں کو تہ تیغ کیا ؎

مگر اس جاں نثاری کے صلہ کی بجائے خلیفہ سلیمان اُس پر بدظن ہو گیا، اُسکی دو وجوہات تھیں، ایک تو یزید مہلب نے بہت سا روپیہ جمع کر لیا تھا، دوسرے اُس کے ماتحت سرداروں نے دربارہ خلافت میں یزید کے خلاف عرضیاں دیں تھیں ؎

۹۷ھ

بہادر محمد قاسم اور اُسکی مظلومانہ موت

ہم پہلے لکھ چکے ہیں، کہ سلیمان بن عبدالملک حجاج اور اُس کے عزیز و اقارب سے بدظن تھا، اسی بدظنی کے باعث جس طرح بہادر قتیبہ کا خاتمہ ہوا، اسی طرح اُس نے جاں نثار اسلام بہادر محمد بن قاسم کو بھی بے خطا و بے قصور ملک سندھ سے معزول کر دیا، اور اس کی جگہ یزید بن ابی کبشہ کو مقرر کر کے روانہ کیا، یزید سلیمان کے حکم مطابق بہت جلد سندھ میں پہنچ گیا، وہاں پہنچتے ہی اُس نے محمد بن قاسم کو گرفتار کر لیا، اس نوعمر بہادر فاتح سندھ کو مجرموں کی طرح ٹاٹ کے کپڑے پہنائے، ہاتھ پاؤں میں زنجیریں ڈالدیں اور معویہ بن مہلب کی حراست میں عراق کو روانہ کیا گیا ؎

اس پر انگریز اور فارسی مورخین نے محمد بن قاسم کی معزولی کا جو واقعہ لکھا ہے اُسے ہمارے ہندوستان کے قابل مؤرخ مولانا شرر لکھنوی واقعات و دلائل کی رُو سے غلط کہتے ہیں، شرر صاحب نے اس واقعہ کو جن واقعات و دلائل سے غلط ثابت

کیا ہے، ہمیں بھی اُن سے اتفاق ہے ۔

لہذا وہ غلط واقعہ یہ ہے، کہ والئی سندھ راجہ داہر جب قتل ہو چکا، تو اُس کی دو حسین اور نازنین لڑکیاں بہادران اسلام کے ہاتھ لگیں، ان لڑکیوں میں سے ایک کا نام سورج دیوی اور دوسری کا پرمل دیوی تھا، محمد بن قاسم نے ان لڑکیوں کو بحفاظت تمام حبشی غلاموں کی حراست میں بغداد[1] کو روانہ کیا، خلیفہ وقت نے ان دونوں لڑکیوں کو چند روز تک آرام کرنے کیلئے اپنی حرم سرا میں بھیجدیا، کچھ دنوں کے بعد خلیفہ کو یہ لڑکیاں یاد آئیں اور اُس کے حکم سے جب یہ دونوں سامنے لائی گئیں، تو خلیفہ ولید بن عبدالملک نے مترجم سے کہا ان سے پوچھو کہ تم دونوں میں سے بڑی کون ہے؟ سورج دیوی نے کہا میں بڑی ہوں، چنانچہ خلیفہ نے بڑی بہن کو اپنی خلوت میں بلایا اور چھوٹی[2] کو دوسرے وقت کے لئے رکھا، سورج دیوی نے اپنا گھونگھٹ جونہی اُٹھایا، تو خلیفہ وقت ہزار جان سے اس پر فریفتہ ہو گیا، مگر جب اس شہزادی کو اپنے آغوش میں لینا چاہا، تو وہ ہٹ کر کھڑی ہو گئی، اور اُس نے نہایت منت سے عرض کیا میں بادشاہ کے بستر راحت کے قابل نہیں ہوں، وہ اسلئے کہ محمد بن قاسم نے ہم دونوں بہنوں کو تین دن تک اپنی خلوت میں رکھ کے حضور کے پاس بھیجا ہے، خلیفہ یہ سنتے ہی غصہ سے بیتاب ہو گیا، اور اُسی وقت اپنے ہاتھ سے یہ حکم جاری کر دیا، محمد بن قاسم جہاں کہیں ہو، اپنے آپ کو بیل کی کچی کھال میں سلوا کے دارالخلافت تک پہنچائے، چنانچہ جب محمد بن قاسم اودے پور[3] میں تھا، وہیں اُسے حکم خلافت ملا، لہذا اُس

[1] کیسی فحش غلطی ہے، بنی اُمیہ کے آخری عہد خلافت تک دمشق ہی دارالخلافت تھا، اور یہ واقعہ تو بنی اُمیہ کے تیسرے ہی خلیفہ کے وقت منسوب ہے جبکہ محمد بن قاسم نے سندھ کو فتح کیا ۔

[2] یہ بھی ایک اتہام ہے، کہ خلیفہ وقت دو سگی بہنوں سے ہم بستری کی خواہش کرے، حالانکہ خلیفہ وقت کیلئے مذہب اسلام کی پابندی ضروری ہے ۔

[3] یہ واقعہ بھی غلط ہے، حالانکہ محمد بن قاسم ملتان کو فتح کرنے کے بعد کہیں نہیں گیا، وہ اس وقت ملتان ہی میں تھا ۔

نے نہایت اطاعت مندی کے ساتھ حکم خلافت کی تعمیل کیلئے لوگوں کو حکم دیا کہ حسب الحکم خلیفہ وقت مجھے کچی کھال میں سی کے صندوق میں بند کردو، اور دارالخلافت کی طرف روانہ کرو، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا، اور جب محمد بن قاسم اسی طرح دربار خلافت میں حاضر کیا گیا، تو خلیفہ نے پوچھا، زندہ ہے یا مر گیا؟ عرض کیا گیا کہ کھال میں سے جانے کے دوسرے دن اس نے جان دی ہے!

چنانچہ خلیفہ نے صندوق کھولا اور ان دونوں لڑکیوں کو اپنے سامنے بلوایا، اُس وقت ایک ہری ٹہنی اُس کے ہاتھ میں تھی، اُسی ٹہنی سے لاش کے چہرے کیطرف اشارہ کرکے خلیفہ نے واہر کی بیٹیوں سے کہا، لڑکیو دیکھو تمام لوگ میرے حکم کی کیسے تعمیل کرتے ہیں، میرے یہ احکام جب قنوج[له] میں پہنچے تو محمد بن قاسم نے میرے حکم پر اسی وقت اپنی جان قربان کر دی ہے!

خلیفہ کے منہ سے یہ سنتے ہی پرمل جانکی نے چہرے سے نقاب اُلٹی اور نہایت تعظیم سے اُس نے عرض کیا، خدا خلیفہ کو جوہر دانائی سے آراستہ کرے مناسب یہ ہے، کہ بادشاہ ہر ایک امر کو اسباب کی کسوٹی پر پرکھ لیا کرے اور دوست و دشمن کی زبان سے جو کچھ سنے اُسے قیاس کے کانٹے میں تول لے، محمد بن قاسم نے ہماری نہایت عزت اور حفاظت کی، ہمارے ساتھ بھائی یا بیٹے کا سا برتاؤ کیا، اور کبھی ہمارے جسم میں ہاتھ نہیں لگایا، مگر اُس نے ہمارے باپ والیٔ سندھ کو قتل کیا تھا، ہمارے آباو اجداد کی سلطنت برباد کر دی تھی، اس لئے ہمارے دل میں انتقام کی آگ بھڑک رہی تھی، جس کے بجھانے کیلئے اس سے عمدہ کوئی تدبیر نہ تھی کہ ایک جھوٹ واقعہ ہم نے آپ کے سامنے بیان کر دیا، اور اپنی غرض پوری

له دروغگو را حافظہ نباشد صرف واقعہ بیان کرتے ہوئے پچھلی سطور میں تو اودے پور میں محمد بن قاسم کا ہونا لکھا تھا یہاں قنوج لکھ مارا جب کسی مؤرخ کی یادداشت کا یہ حال ہو تو نہ جانے اُس کی مؤلفہ تاریخ کا کیا حال ہوگا (شوق)

کر لی، یہ تہمت لگا کے ہم نے محمد بن قاسم سے اپنا انتقام لے لیا ۔
اگر خلیفہ ایسا قطعی حکم نافذ کرنے میں ذرا تامل کرتا، اور جوش غضب میں تحقیقات سے قطع نظر نہ کر لیتا تو اُسے اس طرح پچھتانا نہ پڑتا، اور اپنے کئے پر اتنی جلدی ندامت نہ ہوتی، اسی طرح اگر محمد بن قاسم بھی ذرا دانائی سے کام لیتا اور سفر کر کے یہاں آن کر خلیفہ وقت کے حکم کی تعمیل کرتا تو بہت ممکن تھا، کہ وہ زندہ رہتا اور بعد تحقیقات اُس کی جان بچ جاتی ۔
یہ نصیحت آمیز باتیں سُنکر خلیفہ کو بہت صدمہ ہوا، اور جوش غضب میں وہ اپنے ہاتھ کاٹنے لگا، خلیفہ کے اس غضب کو دیکھ کر جانکی نے پھر زبان کھولی اور کہا بادشاہ سے بڑی بھاری غلطی ہوئی، صرف دو لونڈیوں کے کہنے پر اُس نے ایک ایسے شخص کو قتل کر ڈالا، جس نے ہماری جیسی ایک لاکھ حسین و نازنین لونڈیاں اور ستر راجاؤں کو جو ہندوستان میں حکمران تھے، تخت سلطنت سے جدا کر کے آغوش لحد کے سپرد کر دیا، جس نے مندر منہدم کر کے مسجدیں تعمیر کیں اُن میں منبر قائم کئے اور مینار بنا دیئے، اگر محمد بن قاسم کسی ادنیٰ گناہ یا معمولی غفلت یا غلطی کا مرتکب ہوا ہوتا، تو بھی اس کا مستحق نہ تھا، کہ ایک خود غرض دشمن کے کہنے پر یوں ہلاک کر ڈالا جائے ۔
خلیفہ اس قدر برہم ہوا، کہ یہ بیان سنتے ہی اُس نے ان لڑکیوں کو اپنے سامنے ہی کھڑے کھڑے دیوار میں چنوا دیا ۔
شرر صاحب لکھتے ہیں، کہ یہ قصہ صرف چچ نامہ کے بیان پر تمام مشرقی بلاد میں اور فارسی مورخوں کے نزدیک اسقدر مشہور رہا ہے، کہ آج ایسا کوئی فارسی مصنف نہ ملے گا، جس نے اپنی تالیف میں اس قصہ کو درج نہ کیا ہو حتیٰ کہ تاریخ فرشتہ میں بھی موجود ہے انگریزی مورخین میں سے جن لوگوں کی نظریں صرف فارسی تاریخوں پر ہی پڑی ہیں اُنہوں نے پورے یقین و اعتماد کے ساتھ اسی غلط واقعہ کو نقل کر دیا ہے، یہ اسی کا

نتیجہ ہے، کہ الفنسٹن صاحب بھی اپنی تاریخ میں اس قصّہ کو لکھتے وقت یہ دعویٰ کرتے ہیں، "کہ تمام مسلمان مورخ اس پر متفق ہیں، اور تاریخ الفنسٹن ہی ہندوستان کے مدارس میں داخل نصاب تعلیم ہے، لیکن عربی تاریخیں اس واقعہ سے خالی ہیں ؛

یہ ممکن ہے، کہ سلیمان بن عبدالملک نے جہاں حجاج کے رشتہ داروں معتقدوں ماتحتوں پر محض ذاتی عناد کے باعث جو جو ظلم کئے ہیں، ان میں محمد بن قاسم پر بھی دیگر مظالم کے ساتھ کھال بھی پہنائی گئی ہو تاہم محمد بن قاسم قید کیا گیا، اور اسی قید خانہ میں طرح طرح کے مظالم اس پر ہوئے اور اس بہادر جاں نثار اسلام کی جان بڑی سختی کے ساتھ قالب سے جدا ہوئی، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ؀

سنہ ۹۸ و ۹۹ھ

سلیمان بن عبدالملک کے ذاتی مظالم

سلیمان بن عبدالملک نے صرف محمد بن قاسم پر ہی ظلم نہیں کیا، بلکہ اُس عہد کے جتنے نامور افسر تھے سب اُس کے ظلم سے ہی نذر اجل ہوئے، قتیبہ کی نسبت تو ہم لکھ ہی چکے ہیں، موسیٰ ابن نصیر جو اندلس میں تھا، اور جس کی وقعت اور دانشمندی کی سارے افریقہ اور یورپ میں دھوم تھی،

وفات موسیٰ ابن نصیر

اُس کو بھی اسی کے عہد خلافت نے آغوش لحد کے سپرد کیا، پھر موسیٰ ابن نصیر کے بیٹے کو خلافت کی طرف سے قتل کا فتویٰ سنانے

عبدالعزیز ابن موسیٰ کا قتل

پر ایوب ابن حبیب اللخمی مقرر ہوا، جس نے سیویل دار الخلافہ اندلس میں پہنچ کر عبدالعزیز کو مسجد سیویل میں جبکہ وہ نماز ادا کرنے کی نیت سے گیا تھا قتل کر دیا، اور الحار ابن عبدالرحمٰن کی جگہ چھ مہینے تک اُس کے پیچھے

ایوب ابن حبیب اللخمی و الحار ابن عبدالرحمٰن

تک وہاں کا حاکم رہا، اور جب الحار ابن عبدالرحمٰن آپہنچا تو ایوب اللخمی سنہ ۹۸ ہجری میں واپس چلا آیا ؛

خلیفہ سلیمان کی وفات ۱۰ ماہ صفر ۹۹ھ	سلیمان بذات خود قسطنطنیہ کی تسخیر کرنے کی غرض سے نکل کھڑا ہوا تھا، ابھی موضع وابق اضلاع منسرین میں قیام ہی کیا تھا

کہ وہیں ذات الجنب کے عارضہ میں بیمار ہو گیا، اور اسی مرض سے ۴۵ برس کی عمر میں راہئی ملک بقا ہوا ؛

خلیفہ عمر بن عبد العزیز تاریخ خلافت ماہ صفر ۹۹ھ عہد خلافت دو سال پانچ ماہ	مرحوم خلیفہ سلیمان نے اپنی بیماری میں ہی اپنے بیٹے کی بجائے عمر بن عبد العزیز کو ولیعہد مقرر کر دیا تھا، جو چھتیس برس آٹھ ماہ کی عمر میں تخت خلافت پر متمکن ہوئے، یہ نوجوان، رحم دل اور

پابند شرع، پرہیزگار خلیفہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی پوتی ام عاصم کے بطن سے اس وقت پیدا ہوئے تھے، جب اُن کے والد ماجد عبد العزیز بن مروان عامل مصر تھے ؛

یہ صاحب عزت خلیفہ عمر بن عبد العزیز عبد الملک کے داماد بھی تھے، جب یہ خلیفہ ہوئے، تو انہوں نے اپنا کل مال و متاع اور اپنی بیوی کا زیور وغیرہ سب بیت المال میں جمع کر دیا، اور اپنے گھر والوں سے کہدیا، کہ اگر فقر فاقہ سے گذر اوقات کرنا منظور ہو، تو میرے ساتھ رہو ورنہ بس اپنا اپنا راستہ لو، لیکن سب نے فقیرانہ زندگی بسر کرنی بخوشی منظور کی، آپ اپنے خانگی اخراجات کے لئے بیت المال سے صرف دو درم روزانہ لیا کرتے تھے ؛

تخت خلافت پر بیٹھتے ہی انہوں نے باغ فدک جس کو سابق خلفائے بنی اُمیہ نے غصب کر لیا تھا، اہل بیت کو واپس کر دیا، اور حسن مثنیٰ کی اولاد اس پر قابض ہوئی ؛

سفیان کا قول ہے، کہ خلفاء راشدین پانچ ہیں، حضرت ابوبکر صدیق، عمر فاروق، عثمان غنی، علی اور عمر بن عبد العزیز۔ رضی اللہ تعالےٰ عنہم ؛

زید بن اسلم نے انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد ہم نے کسی شخص کے پیچھے سوا عمر بن عبد العزیز کے نماز نہیں پڑھی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مشابہ ہو ؛

عطا بن ابی رباح کہتے ہیں، کہ آپ کے حرم محترم فرماتی ہیں، کہ بیعت لینے کے بعد آپ جب گھر میں آئے، تو آپ کی ڈاڑھی آنسوؤں سے بھیگی ہوئی تھی، میں نے گھبرا کر پوچھا کہ خیریت تو ہے، آپ نے فرمایا' خیریت کہاں میری گردن میں اُمت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا بوجھ ڈالدیا گیا ہے۔ ننگے، بھوکے، بیمار، مظلوم، مسافر، قیدی، بچے، بوڑھے، کم حیثیت، عیالدار غرض دنیا کا بوجھ میرے سر پر آن پڑا ہے۔ اب ڈر رہا ہوں، کہ کہیں قیامت میں مجھ سے پرسش ہو، اور مجھ سے جواب نہ بن آئے۔ اسی فکر میں رو رہا ہوں ؛

حسن قصاب کہتے ہیں، میں نے بھیڑیوں کو دیکھا، کہ میدان میں بھیڑ بکریوں کے ساتھ پھر رہے ہیں مجھے سخت تعجب ہوا، اور میں نے کہا، کہ عجیب بات ہے کہ بھیڑیا بکریوں کے ساتھ پھرے، چرواہے نے سن پایا، اور کہا۔ کہ جب سر کی اصلاح ہو جائے، تو جسم کو کچھ نقصان نہیں پہنچتا ؛

رجا بن حیواۃ کہتے ہیں، کہ ایک روز میں عمر بن عبد العزیز کے پاس بیٹھا ہوا تھا، کہ چراغ گل ہو گیا، وہیں آپ کا غلام سو رہا تھا، میں نے چاہا کہ اسے جگا دوں، آپ نے منع فرمایا، پھر میں نے چاہا، کہ میں خود اُٹھ کر چراغ جلا دوں، آپ نے فرمایا، کہ مہمان کو تکلیف دینا خلاف مروت ہے ؛

آپ خود اُٹھے اور تیل کا کوزہ اُٹھا کر چراغ میں تیل ڈالا، اور اس کو جلا کر پھر اپنی جگہ آ بیٹھے پھر فرمایا، کہ میں نے خود اُٹھ کر اگر چراغ جلا لیا، پھر بھی وہی عمر بن عبد العزیز باقی رہا، جیسا کہ پہلے تھا ؛ (سیوطی)

غرضیکہ آپ نہایت سادہ زندگی بسر کرنے کے عادی تھے، تزک واحتشام کو ناپسند

کرتے تھے، کپڑے میلے کچیلے اور پیوند شدہ بھی پہن لیتے تھے، بسا اوقات بال پراگندہ رہتے تھے، اللہ تعالیٰ کے خوف سے بہت روتے تھے، اور عدل انصاف میں ایسے تھے، گویا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ثانی ہیں، انصاف اور عدل سے زمین کو بھر دیا تھا، اور اکثر اوقات بروقت نماز سجدہ میں گرتے، اور روتے روتے سجدہ میں سو جاتے، پھر جاگتے پھر سو جاتے، حتیٰ کہ تمام رات اسی طرح گذر جاتی، اور جو کچھ حکم کرتے تھے، کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے موافق حکم کرتے تھے، کسی مجرم کو سزا دیتے تو تین دن تامل کرتے، کہ کہیں غصے کی حالت میں حکم صادر نہ ہو۔

آپ نے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب سے علم پڑھا۔ اور روایت کی ہے۔ (سیوطی)

مختصر یہ کہ آپ خلفائے راشدہ کے عہد سعدلت کا عملی نمونہ تھے۔

یزید بن مہلب حاکم خراسان کی معزولی

خلیفہ عمر بن عبدالعزیز یزید بن مہلب سے اس لئے ناراض تھے، کہ وہ بموجب شرع اسلام مال غنیمت کو اپنے تصرف میں لاتا تھا، چنانچہ انتظامات ملکی میں سب سے پہلے اس کو خراسان کی معزولی کا حکم لکھنے کے ساتھ یہ بھی لکھا کہ تم اپنی جگہ اپنے بیٹے مخلد کو اپنا نائب مقرر کر کے خود دارالخلافت دمشق کو چلے آؤ، چنانچہ یزید بن مہلب جب بصرے میں پہنچا، تو وہاں کے حاکم خلیفہ وقت کے حکم مطابق یزید بن مہلب کو گرفتار کر کے خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کے پاس روانہ کیا۔

جب یزید بن مہلب دربار خلافت میں پیش ہوا، تو خلیفہ وقت نے اس سے جرجان اور طبرستان کے مال غنیمت کا مطالبہ کیا، یزید نے جواب دیا، وہ سب مال میں نے خرچ کر ڈالا، اب میرے پاس اس میں سے ایک حبہ تک نہیں ہے۔

امیر خلیفہ نے کہا تم نے مسلمانوں کا حق غبن کیا، اس لئے اس کی سزا یہی دی جاتی ہے، کہ تم حلب کے قید خانہ میں قید رہو، باپ کے قید ہونے پر مخلد بن یزید جراح بن

عبداللہ کو اپنی جگہ مامور کر کے دارالخلافت میں پہنچا، اور اُس نے اپنے باپ کی رہائی کے لئے خلیفہ کی خدمت میں بہت کچھ منت سماجت کی، لیکن خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کے دل پر اس کا کچھ اثر نہ ہوا ؛

مخلد بن یزید کی وفات آخر اسی رنج و غم میں مخلد بن یزید فوت ہو گیا۔ اُس کے باپ یزید بن مہلب کو قید خانے سے اپنے بیٹے کی تجہیز و تکفین کی اجازت ملی اور بعد اس کے وہ پھر قید کر دیا گیا، لیکن اب کی مرتبہ وہ قید خانے سے نکل بھاگا، اور بھاگتے وقت اس مضمون کا عریضہ خلیفہ کو لکھا، "کہ میں آپ کی قید سے نہیں بھاگا، بلکہ آئندہ خلیفہ یزید بن عبدالملک کے عتاب سے بھاگا ہوں" ؛

عمر بن عبدالعزیز نے یہ جملہ پڑھتے ہی کہا "اگر میرے بعد کا خلیفہ ایسا ظالم ہو گا تو خدا اس کو موت دے" ؛

الحار ابن عبدالرحمٰن حاکم ہسپانیہ کی معزولی الحار ابن عبدالرحمٰن ہسپانیہ کا حاکم تھا، اُس نے کاتھک گال پر ایک ایسا زبردست حملہ کیا، جس کی سختی سے وہاں کی رعایا تو رہی ایک طرف بلکہ مسلمان تک اُس سے ناراض ہو گئے، سب نے ملکر اس حاکم ہسپانیہ کی برخواستگی کے لئے ایک محضر نامہ تیار کر کے دربار خلافت میں روانہ کیا، اس عام شکایت پر الحار ابن عبدالرحمٰن کو حکومت ہسپانیہ سے معزول کر کے اسکی جگہ علقمہ ابن مالک کو مقرر کیا گیا ؛

علقمہ ابن مالک حاکم ہسپانیہ کے معرکے اور اُس کی وفات جب علقمہ ابن مالک حاکم ہسپانیہ مقرر ہوئے، تو اُس کے زیر کمان بہادران اسلام نے پھر ایک دفعہ کاتھک گال پر حملہ کیا، اور اس شہر میں وارد ہو گئے۔ اس کے علاوہ کار کیسانی اور نارمانی کو بھی فتح کر لیا، قریب تھا، کہ مشہور شہر ٹونس کو بھی فتح کر لیں، مگر شہر کی فصیل کے نیچے مسلمانوں کو شکست ہوئی، اس ناکامی کے باعث اُنہیں ہسپانیہ کی طرف لوٹنا پڑا، اسی معرکہ کارزار

میں بہادر علقمہ حاکم ہسپانیہ ۹۹ھ میں جاں بحق ہوئے ۔

فرانس کا محاصرہ

اسی ۹۹ھ ہجری میں، بہادران اسلام ملک اسپین کو عبور کر کے فرانس میں داخل ہوئے، اور فرانس کا تہائی حصہ فتح کر لیا ۔

۱۰۰ھ ہجری میں اس تقویٰ شعار خلیفہ عمر بن عبدالعزیز نے یزید بن عبدالملک کو اپنا ولیعہد جب مقرر کیا، تو ایک عالم نے آپ سے سوال کیا، کہ ایک منصف مزاج اور پابند شرع شخص اگر اپنی جگہ کسی ظالم اور جاہل شخص کو مقرر کر دے، تو آپ کی دانست میں وہ کیسا ہے، خلیفہ عمر بن عبدالعزیز نے کہا بیشک اس شخص نے خطا کی، اس پر اس عالم نے کہا، آپ خوب جانتے ہیں، کہ یزید بن عبدالملک آپ کی مثل ہرگز انصاف نہ کریگا۔ پھر کس لئے آپ نے اس کو اپنا ولیعہد مقرر فرمایا ہے ۔

خلیفہ عمر بن عبدالعزیز یہ اعتراض سنکر رو دئے۔ اور کہا، کہ تین دن تک مجھے مہلت دو، تاکہ میں بنی اُمیہ کے خاندان میں سے ولیعہد مقرر کرنے میں غور کروں ۔

وہ عالم اور اس کے ساتھی تو رخصت ہوئے، لیکن خاندان بنی اُمیہ کو اس بات کی نہایت فکر ہوئی، کہ مبادا آپ کسی غیر خاندان میں سے کسی کو خلیفہ مقرر نہ کر دیں اسی شک کے باعث یہ آپ کے خاندان کے لوگ اس نیک نفس خلیفہ کے دشمن ہو گئے اور آپ کے قتل کی سازش کر کے دوسرے ہی روز ایک لونڈی کے ہاتھ سے

خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کی وفات ۱۰۱ھ

زہر دلوا دیا، اسی زہر کے باعث آپ نے ۱۰۱ھ میں اس دنیائے فانی کو چھوڑ کر سفر جاودانی اختیار فرمایا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۔

آپ کی عمر صرف ۲۹ سال ایک ماہ کی تھی ۔

مرحوم خلیفہ نہایت نیک نفس اور ہر دل عزیز تھے، اکثر علمائے اہل سنت آپکو خلافت راشدہ کا پانچواں خلیفہ تعبیر فرماتے ہیں، اسی خلیفہ کے مبارک عہد میں ہی دوسری

صدی ہجری کا آغاز ہوا، جو مبارک فال کی بیّن دلیل ہے ؛

۱۰۱ھ تا ۱۰۵ھ

یزید بن عبدالملک
تاریخ خلافت ۱۰۱ھ
عہد خلافت ۴ سال ۲ ماہ

شہید خلافت عمر بن عبدالعزیز کے بعد اُن کا چچا یزید بن عبدالملک ہی خلیفہ ہوا، یہ شخص عیش پسند اور شرابی تھا، امور مملکت اور انتظام سلطنت سے بالکل لاپرواہ حبابہ نام ایک حسین لونڈی نے اس کے دل و دماغ پر اسقدر قابو پالیا تھا، کہ تمام حکومت اُس کی زیر حکم تھی، وہ جسے چاہتی برطرف کرتی، اور جس کو چاہتی باعزت کرتی تھی، یزید بن عبدالملک کو کاروبار سلطنت سے کچھ غرض نہ تھی ؛

ایک روز آپ کے بھائی مسلمہ نے بہت لعنت ملامت کرتے ہوئے کہا "آپ عمر بن عبدالعزیز جیسے عادل حکمران کے بعد خلیفہ ہوئے۔ اور اب حالت یہ ہے کہ ایک لونڈی کے عشق میں مبتلا ہو کر سلطنت کو تج بیٹھے ہو" لوگ تم سے ملنے آتے ہیں، اگر تم کو خبر تک نہیں ہوتی، مظلوم لوگ دروازہ پر چیختے رہتے ہیں۔ لیکن آپ غفلت کی گہری نیند سو رہے ہو ؛

بھائی کی اس ملامت آمیز نصیحت سے یزید نے متاثر ہو کر کہا "تم سچ کہتے ہو، اب کبھی شراب پیوں گا، اور نہ عیش و عشرت میں مدہوش رہونگا ؛

چنانچہ چند دنوں تک اُس نے ایسا ہی کیا، بلکہ حبابہ بھی علیحدہ کی گئی، لیکن حبابہ کو اس مفارقت کی تاب کہاں وہ تو شہزادی کے درجہ سے بھی بڑھی ہوئی تھی، چنانچہ ایک روز جمعہ کے دن اُس نے اپنی خادمہ سے کہا، کہ خلیفہ یزید جب نماز جمعہ ادا کرنے کے لئے اپنے ایوان خلافت سے باہر نکلیں، اس وقت مجھے خبر کر دینا، غرضیکہ اُسی وقت اپنی خادمہ کی اطلاع پاتے ہی حبابہ ہاتھ میں عود لئے ہوئے اپنے محل سے نکل کر یزید کے سامنے

آ کھڑی ہوئی، اور اُس نے اپنی دلکش آواز میں یہ شعر کہا۔

الا لا تلمه الیوم ان یتبلدا فقد غلب المحزون ان یتجلدا

یعنی خبردار آج اس کے تجاہل پر ملامت نہ کیجیو، کیونکہ غمگین دلپر اس کا بتکلف صبر کرنا غالب آرہا ہے۔ یزید نے اس شعر کو سُنکر اور حبابہ کی دل فریب صورت دیکھ کر اپنا مُنہ ڈھانک لیا، اور اُس سے کہا "ٹھہر تو جا کیا کرتی ہے"۔ مگر حبابہ نے اس خفگی کی کوئی پرواہ نہ کر کے ایک عجیب دلفریبی کے ساتھ یہ دوسرا شعر دلکش آواز میں کہا :-

فما العیش الا ما تلذ وتشتھی وان لام فیه ذو الشنان وفندا

یعنی عیش تو صرف وہی ہے جو تجھے لذیذ معلوم ہو اور جس کی تو خواہش کرے اگرچہ کینہ ور اُس کے بارہ میں ملامت کرے اور بے وقوف بنائے :-

نتیجہ یہ ہوا کہ یزید اپنے آپے سے باہر ہو کر دیوانہ وار حبابہ سے لپٹ کر کہنے لگا واللہ تو نے سچ کہا ہے، جس نے مجھے تجھ سے الفت رکھنے کی بابت ملامت کی خدا اس کا بُرا کرے، پھر کہاں کی نماز اور کہاں امامت اُسی وقت حبابہ کے ساتھ خلوت میں مصروف ہو گیا :-

مسلمہ بن عبدالملک حاکم کوفہ اس عیاش طبیعت سلطان کا بھائی مسلمہ بن عبدالملک بڑا بہادر شخص تھا جو کہ ان دنوں کوفہ کا حاکم تھا، جس نے سرکش شوذب کی بغاوت کو فرو کیا :-

اس کے بعد یزید بن عبدالملک نے عدی بن ارطاۃ حاکم بصرہ کو حکم نامہ بھیجا کہ یزید بن مہلب چونکہ قید خانہ حلب سے بھاگ گیا ہے، اس کے عزیز و اقارب کو قید کر دو۔ چنانچہ اس کے تین بھائی، مفضل، حبیب، مروان، قید کئے گئے :-

یزید بن مہلب مع اپنے بھائی محمد بن مہلب اور اپنی فوج کے ساتھ بصرہ میں داخل **مفرور یزید بن مہلب کا واقعہ** ہوا، اُس نے شہر میں وارد ہو کر بڑی فیاضی سے روپیہ تقسیم کر کے وہاں اپنی جمعیت قائم کر لی، جب اُس کی قوت مضبوط ہو گئی، تو وہاں سے عدی حاکم

بصرہ کو لکھا، کہ اگر تم میرے تینوں بھائیوں کو چھوڑ دو گے تو میں یہاں سے کسی اور طرف کو چلا جاؤنگا، مگر عدی نے یہ بات منظور نہ کی، اس پر یزید بن مہلب نے اعلان جنگ کر دیا، اور خوب لڑا، اس جنگ میں یزید بن مہلب کو فتح ہوئی، اور عدی گرفتار ہو گیا، بصرہ پر جب یزید بن مہلب کا قبضہ ہو گیا، تو وہاں کے سردار کچھ تو شام کو اور کچھ کوفہ کو چلے گئے، باقی رعایا کو ایک دن یزید بن مہلب نے طلب کر کے کہا، کہ میں تم لوگوں کو کتاب الٰہی اور سنت نبوی کی دعوت دیتے ہوئے کہتا ہوں، کہ تم لوگ اہل شام پر جہاد کرو، کیونکہ انہیں لوگوں نے حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قتل کیا، اور حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے بغض رکھتے ہیں، اور ان کی شان میں کلمات بیہودہ کہتے ہیں ؛

اس پر نصر بن انس بن مالک اور حسن بصری نے چلا کر کہا، یہ یزید بن مہلب وہی شخص ہے، جس نے سینکڑوں مسلمانوں کا سر کاٹ کے مروان کے پاس بھیجدیا، اور آج جو ان سے مخالفت کرتے ہوئے تم کو دعوت اسلام دیتا ہے، یہ اس کی مکاری ہے ؛

تم لوگ اگر قرآن شریف اور حدیث پر عمل کرنا چاہتے ہو، تو اس کو جیسے کہ پابند اسلام اور دیندار خلیفہ عمر بن عبد العزیز نے قید کیا تھا، تم بھی اسے قید کرو، تاکہ یہ فتنہ برپا نہ کر سکے ؛

لوگوں نے یہ سنتے ہی یزید بن مہلب کو گرفتار کرنا چاہا، اس نے مقابلہ کیا، آخر اسی مقابلہ میں وہ اور اس کا بھائی حبیب دونوں مارے گئے ؛

حاکم نمبر ۷ ہسپانیہ عنبسہ ابن سحیم

۱۰۳ھ میں علقمہ ابن مالک الکلبی کے شہید ہونے پر عنبسہ ابن سحیم حاکم ہسپانیہ ہوا، اس نے تخت ہسپانیہ پر چار برس پانچ مہینے حکومت کی، اور اس عرصہ میں اس نے کئی بار گال پر کئی حملے کئے، آخر ۱۰۷ھ میں اس جہان فانی سے چل بسا ؛

اس کے بعد عذرہ حاکم ہسپانیہ ہوا، لیکن یحییٰ کے آنے پر حکومت ہسپانیہ سے سبکدوش کیا گیا ؛	حاکم نمبر ۸ ہسپانیہ عذرہ ابن عبد اللہ
یحییٰ نے بھی بہت تھوڑے دن ہسپانیہ میں حکومت کی اور اُس کی جگہ حذیفہ بن العیاص مقرر ہوئے ؛	حاکم نمبر ۹ ہسپانیہ یحییٰ ابن سلما
یزید ۱۰۵ھ میں مرض سل میں مبتلا ہو گیا، تو آب و ہوا کیلئے دمشق سے مقام اُذرعات (مضافات بیت المقدس میں ہے)	سلطان یزید بن عبد الملک کی وفات ۲۵ شعبان ۱۰۵ھ

میں آگیا، اور اسی جگہ اسی مرض سے فوت ہو گیا، لیکن ایک مشہور عیسائی مؤرخ جرجی زیدان نے یزید کی موت کا ایک عجیب واقعہ بیان کیا ہے ؛

جسے قابل عبرت ہونے کے خیال سے ہم درج کرتے ہیں، اور بہت ممکن ہے، کہ اس عیاش طبع خلیفہ کی موت کا یہی واقعہ صحیح ہو، چنانچہ لکھا ہے :-

یزید خوبصورت نازنین حبابہ کے عشق میں اسقدر محو تھا، کہ اسے سوائے حبابہ کے اور کچھ نہ سوجھتا تھا، وہ اپنے عہد حکومت میں اسی عیش پرستی میں مصروف رہا یہاں تک کہ آخر کار حبابہ کے مرنے پر اسی رنج و غم میں خود بھی گھُل گھُل کر مر گیا ؛

ان دونوں کی وفات کا قصہ یوں بیان کیا گیا ہے، ایک دفعہ وہ ملک شام کے ایک سردار کے گھر میں وارد تھا، اور حبابہ اُس کے ہمراہ تھی، یزید نے دل میں خیال کیا، لوگ کہتے ہیں، کہ کوئی شخص پورے ایک دن صبح سے لیکر رات ہونے تک داد عیش نہیں دے سکتا، اس عرصہ میں اُسے کوئی نہ کوئی ایسی صورت پیش آجاتی ہے، کہ جس سے تمام مزہ کرکرا ہو جاتا ہے، میں بھی اس قول کا امتحان کرونگا، یہ سوچ کر اُس نے اپنے ہمراہیوں سے کہا، کل صبح سے مجھے کسی بات کی اطلاع نہ دینا، اور نہ کوئی خط میرے پاس لانا خواہ وہ کتنا ہی ضروری ہو، یہ حکم دے کر حبابہ کے ساتھ خلوت میں جا بیٹھا اور مصروف عیش و عشرت رہا خادموں نے دسترخوان چُن دیا تھا جس پر طرح طرح کے لذیذ

کھانے اور انواع واقسام کے میوے موجود تھے ؁

جبابہ نے ایک انار اٹھا کر اُس کے دانوں کو جیسے ہی پھنکا لگا کر کھانا شروع کیا تو اتفاق سے ایک سالم دانہ حلق میں جا پہنچا، اور اچھو لگتے ہی وُہ مر گئی، یزید مجنونوں کی طرح تین دن تک اُس کی لاش کے پاس بیٹھا رہا۔ وہ اُسے دفن کرنے نہیں دیتا تھا، آخر جب اُس کی لاش بگڑ گئی، اور اس میں سے بو آنے لگی، تو یزید بار بار اُس کی میّت کو سونگھتا اور چومتا تھا، مگر اُس کے پاس سے ہٹتا نہ تھا، یزید کے عزیزوں نے یہ حالت دیکھ کر لعنت ملامت کی اور اس حرکت سے باز آجانے پر مجبور کیا، آخر بہت ہی رد و کد کے بعد یزید نے جبابہ کی لاش دفن کرنے کی اجازت دی، اور اس کے مرنے کے بعد وُہ خود بھی صرف پندرہ روز تک زندہ رہا، یعنی ۱۰۵ھ میں مر گیا، اور جبابہ کے پہلو میں دفن کیا گیا ؁

۱۰۵ھ تا ۱۲۵ھ

خلیفہ ہشام ابن عبد الملک
تاریخ خلافت ۲۹ شعبان ۱۰۵ھ
عہد خلافت ۱۹ سال نو ماہ

یہ خلیفہ نہایت مدبر اور دور اندیش تھا، چالیس برس کی عمر میں تخت خلافت پر متمکن ہوا، سب سے پہلے یزید کے عہد میں جو کچھ ملک میں بد امنی پھیلی ہوئی تھی، اسکا انتظام کیا

یزید کے عہد میں، ترکستان کی حکومت پر عمرو ابن ہبیرہ مامور تھے، مگر ہشام نے اُس کی جگہ خالد بن عبداللہ قیشری کو خراسان اور عراق کا حاکم مقرر کیا، اور اس نے اپنے بھائی اسد کو خراسان میں اپنا نائب قرار دیا ؁

فتح شہر غور۔ جراسہ و گرجستان ۱۰۵ھ

اسی اسد نے شہر غور کو فتح کیا، اور خالد بن عبداللہ نے شہر گرجستان اور جراسہ فتح کئے ؁

۱۰۶ھ میں ہشام نے حج کیا، اور سعید بن عبداللہ بن ولید بن عثمان نے

آپ کا استقبال کیا ؛

حاکم نمبر ۱۱ ہسپانیہ سنہ ۱۰۸ھ و سنہ ۱۱۱ھ

یحییٰ ابن سلمان کے بعد حذیفہ بن العیاص حاکم ہسپانیہ مقرر ہوا اس کے بعد الھثیم ابن عبید الکنعانی مقرر ہوا، لیکن سنہ ۱۰۸ھ میں یہ بھی فوج کی تحریک سے موقوف کیا گیا ؛

خاقان چین سے مقابلہ سنہ ۱۰۹ھ

وہ نومسلم جو ممالک خراسان اور ماورالنہر و آذربائیجان وغیرہ میں سکونت پذیر تھے، ان کو مغلوں اور ترکوں نے خاقان چین کی حمایت میں تنگ کرنا شروع کر دیا تھا، ان نومسلموں نے جب اپنے خلیفہ وقت ہشام کو اس بات کی خبر دی، تو ہشام نے خالد بن عبداللہ اور اُن کے بھائی اسد کو خراسان اور عراق کی حکومت سے برطرف کر کے جراح بن عبداللہ کو (جو امرائے خراسان سے تھا) وہاں کی حکومت سپرد کی ؛

جراح بن عبداللہ

اس نے ملک حزر میں دشمنوں سے مقابلہ کیا اور اُن کو گرفتار کر کے مالِ غنیمت کے ساتھ آذربائیجان واپس آگیا ؛

اس پر والئی حزر نے خاقان سے امداد طلب کی، تو خاقان نے اپنے بیٹے کی ماتحتی میں تین لاکھ فوج روانہ کر دی ؛

پہلے تو جراح نے اس عظیم الشان لشکر سے بڑی دلیری کے ساتھ مقابلہ کیا، لیکن ایک شخص مروان شاہ نے جراح کو مشورہ دیا، کہ تمہارے دشمن کا لشکر بہت زیادہ ہے .. تم اپنی اس تھوڑی سی فوج سے اُس کا مقابلہ نہیں کر سکتے مصلحت یہ ہے، کہ تم کوہستان کو پس پشت رکھ کر کسی محفوظ گھاٹی میں قیام کر کے دارالخلافت سے مدد طلب کرو۔ اس پر جراح نے کہا، یہ تو سب کچھ صحیح ہے، مگر تمہاری عورتیں ہم پر ہنسیں گیں، کہ یہ غنیم سے بھاگ کر چھپ گئے، بڑے بزدل ہیں ؛

بہادرانِ اسلام کے یہ دلیرانہ خیالات سنتے ہی شیر مروان شاہ مسلمان ہو گیا اور

وہ بھی اپنے گروہ کے ساتھ جراح کا ساتھ دینے کو تیار ہو گیا، بلکہ خاقان چین کے لشکر پر پہلا حملہ اُسی نے کیا، اور اسی جنگ و جدال میں تو مسلم مردان شاہ نے عالم جاودانی کی راہ لی ؛

اس کے بعد جراح نے مقابلہ کیا، وُہ بھی شہید ہو گئے، بلکہ جراح کا تمام خاندان گرفتار ہو گیا، دربار خلافت میں جب اس شکست اور ترکوں کے فتح کی خبر پہنچی، تو خلیفہ ہشام نے سعید بن عمرو الجرشی کو بڑی جرار فوج کے ساتھ روانہ کیا ؛

سعید ارض روم میں پہنچے، تو وہاں کی ہزیمت خوردہ فوج اور خستہ حال لوگوں نے ان کے پاس پہنچ کر تمام مصائب بیان کئے اُس نے سب کی دلجوئی کر کے اپنے ساتھ ملا لیا ؛

ارض روم سے کوچ کر کے سعید نے شہر اخلاط کا محاصرہ کیا، اور نہایت دلاوری سے اس کو فتح کیا، پھر وہاں سے شہر بلقان کا رُخ کیا جو شہر راستے میں ملے سب پر قبضہ کرتے ہوئے، جب بہادران اسلام بیلقان میں پہنچے تو معلوم ہوُا، کہ خاقان چین کے بیٹے نے مسلمانوں کو ایک قلعہ میں گھیر لیا ہے، اور قریب ہے، کہ وُہ فتح کر لیا جاوے ؛

اخلاط - بیلقان پر اسلامی قبضہ

سعید نے مسلمانوں کو قلعہ میں محصور سنتے ہی اس طرف کی راہ لی، اور قلعہ میں کہلا بھیجا، کہ تم جانبازی سے مدافعانہ جنگ جاری رکھو، ہم عنقریب تمہاری مدد کو آجائینگے ترکوں اور چینیوں نے بہادران اسلام کی خبرِ آمد سنتے ہی اس قلعہ کو چھوڑ دیا، اور خود اردبیل کو چلے گئے، سعید نے قلعہ میں پہنچکر اپنے دو ہزار مسلمان بھائیوں کو رہا کیا، اور وُہ سب مسلمان بھی سعید کی فوج میں داخل ہو گئے ؛

اتنے میں پھر خبر لگی، کہ ترکوں نے پانچہزار مسلمانوں کو کسی جگہ گرفتار کر لیا ہے یہ خبر سنتے ہی سعید اپنے بہادروں کو لیکر اس جگہ پہنچا، رات کے وقت وہاں پہنچکر اسی

وقت حملہ کرکے مسلمانوں کو چھڑایا، اور بہت سے اہل حرا ترک قتل ہوئے ؛

چونکہ یہ لوگ ملک میں جا بجا حملے کر رہے تھے، اور سعید ان کا پیچھا لئے ہوئے تھے، آخر اُس مقام پر پہنچے جہاں دشمن نے سابق حاکم جراح کے متعلقین وغیرہ قید کئے ہوئے تھے ؛

اس جگہ دشمن کی بیس ہزار فوج متعین تھی، لیکن بہادرانِ اسلام نے اِن کو شکست فاش دیکر اپنے تمام قیدیوں کو وہاں سے چھڑا لیا ؛

خاقان چین کو جب اپنی امدادی فوج کی شکستوں کا حال معلوم ہوا تو وہ اس ہزیمت کی ندامت سے چالیس ہزار فوج جرار سے بہادران اسلام کے مقابل ہوا ؛

سعید کے پاس اگرچہ اب بھی فوج کم تھی، لیکن اس بہادر اسلام نے بڑی دلیری کے ساتھ جنگ کی، دوپہر سے شام تک دونوں طرف گھمسان کی لڑائی ہوتی رہی، لیکن بہادران اسلام کے آگے بیچارے چینی کیا ٹھہر سکتے تھے، بھاگ کھڑے ہوئے اور مسلمانوں نے ان کا تعاقب کرکے بہتوں کو موت کے گھاٹ اتارا، خاقان چین کا بیٹا اس لڑائی میں زخمی ہو کر اپنے مملکت میں بھاگ گیا ؛

ہشام اس مژدہ فتح کو سُنکر بہت خوش ہوا، اور سعید کو اپنے پاس بلا کر اسکی جگہ اپنے بھائی مسلمہ بن عبدالملک کو مقرر کیا ؛

مفتوحہ علاقہ قیساریہ پھر رومیوں کے قبضہ میں

خلیفہ سابقہ یزید کی عیش پرستی اور بدانتظامی کے باعث رومیوں نے قیساریہ کو پھر واپس لے لیا تھا، لیکن ہشام کے عہد خلافت میں مسلمہ نے ایک زبردست حملہ کرکے سنہ ۱۱۲ھ میں اُسے پھر فتح کیا ؛

دار الخلافہ فرانس پر حملہ اور عبدالرحمٰن کی وفات

اسی سنہ میں فرانس کی فتوحات ہوئیں، بلکہ عبدالرحمٰن سردار لشکر نے وسط فرانس پر حملہ کیا اور خاص دار الخلافہ پر بہادران اسلام قابض ہو گئے ؛

۱۱۴ھ میں فرانس کا جرنل چارس تھمود عبدالرحمن کے مقابل ہوا اور اسی معرکہ میں عبدالرحمن شہید ہوئے ۔

اس کے بعد ہشام نے عبداللہ بن حجاب کو افریقہ کا حاکم بنایا جس نے سوڈان کے کئی شہر فتح کئے، معاویہ اور سلیمان ہشام کے بیٹوں نے بھی رومیوں پر فتح حاصل کی اور اسد حاکم خراسان نے ترکوں پر فتح حاصل کی ۔

حضرت زید بن امام زین العابدینؓ کا واقعہ شہادت

اہل کوفہ نے حضرت زید کو بار بار خطوط لکھ کر طلب کیا تو حضرت زید بن امام زین العابدینؓ اُن کے اصرار کے مطابق ان پر اعتماد کر کے کوفہ میں پہنچے چالیس ہزار کوفیوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی، لیکن تھوڑے ہی دنوں کے بعد حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی نسبت آپ کا ظن نیک دیکھ کر تمام اہل کوفہ نے عہد بیعت کو بالائے طاق دھر کر کہا ہمارے امام تو امام جعفر صادق ہیں" اس پر زید نے فرمایا، یا قوم رفضتمونی یعنے اے قوم تم نے مجھ کو چھوڑ دیا، اسی تاریخ کو یہ لوگ رافضی یعنی چھوڑنے والے مشہور ہوئے ۔

ہلال محرم ۱۲۲ھ دیکھنے کے بعد ان لوگوں نے حضرت زید سے مقابلہ کیا آپ کے ساتھ صرف پانچسو جاں نثار تھے، اگرچہ سب نے دشمنوں کے ساتھ مقابلہ کیا لیکن زید کی پیشانی پر کسی دشمن کا تیر لگا تو آپ بیہوش ہو گئے، اُن کے جاں نثار اُن کو گھر پر لے گئے، بہتیرا علاج کیا گیا، لیکن آپ اسی زخم کے باعث شہید ہو گئے انا للہ وانا الیہ راجعون، آپ کو ایک مخفی مقام میں دفن کیا گیا تھا مگر یوسف بن عمر والئی کوفہ نے آپ کی قبر تلاش کر کے آپ کا سر مبارک کاٹ کر دمشق میں بھیجدیا ۔

حضرت امام محمد باقرؒ زین العابدین

ہشام کے عہد خلافت میں ہی حضرت امام محمد باقر زین العابدین نے اس دنیائے فانی سے عالم جاودانی کو لبیک کہا، آپ

تابعین میں سے تھے ۔

ماہ رجب کی پہلی تاریخ بروز جمعہ ۵۷ھ میں پیدا ہوئے تھے، آپ کی والدہ کا نام ام عبداللہ بنت امام حسن تھا، آپ کے کمالات اور مناقب بہت ہیں حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت ہے، کہ ایک دن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ! میری اولاد میں سے ایک لڑکا محمد بن علی بن حسین ہوگا، اور خدا اُس کو نور حکمت دے گا تو دیکھے گا، تو میرا اُس سے سلام کہنا، چنانچہ میں نے امام محمد باقرؒ کو حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کا سلام پہنچایا، آپ نے ۱۱۴ھ میں انتقال فرمایا، اور جنت البقیع میں حضرت امام حسن رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے قریب دفن کئے گئے، آپ کے چھ بیٹے جعفر عبداللہ، ابراہیم، رضا، علی، زید اور دو بیٹیاں، زینب اور ام سلمہ تھیں ۔

حسن بصری اور اُن کی وفات

حسن بصری تابعین میں سے تھے، اور خلیفہ ہشام کے عہد خلافت میں در قید حیات تھے آپ بھی بہترین تابعین میں سے ہیں، ۲۱ھ ہجری میں آپ کی والدہ حضرت ام سلمہ کی ہوائی تھیں، اور حضرت ام سلمہ نے ہی اپنا دودھ پلایا تھا، آپ بچپن میں ہی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ایک سو دیگر اصحاب کبار رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی زیارت سے مشرف ہوئے، حسن لُولُو کے نام سے اس لئے مشہور تھے، کہ آپ موتیوں کی تجارت کرتے تھے، حضرت حسن بصری بلند پایہ عالم تھے انتساب فیضان باطنی حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے اور تکمیل حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوئی، آپ نے ۱۱۰ھ انتقال فرمایا، عمر مبارک نواسی سال کی تھی، آپ کی قبر قدیم بصرہ میں ہے ۔

قاسم بن محمد اور اُن کی وفات

حضرت قاسم بن محمد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پوتے تھے، فقہ کی تعلیم ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے

تحصیل کی اور کبار تابعین سے ہوئے تعلیم باطنی حضرت سلمان فارسی سے تھی، جن کی تکمیل حضرت ابوبکرؓ سے ہوئی تھی، آپ مدینہ کے فقہائے سبعہ سے تھے، امام مالک نے اکثر حدیثیں اُنکے شاگردوں سے روایت کی ہیں، خلیفہ عمر بن عبدالعزیز فرماتے تھے، کہ اگر خلافت کا معاملہ میرے اختیار میں ہوتا، تو ان کو ہی خلیفہ مقرر کرتا، ۱۰۸ھ میں وفات پائی، آپ کے دو لڑکے عبدالرحمٰن اور محمد تھے ؛

حبیب عجمی اور ان کی وفات آپ بھی خلیفہ ہشام کے عہد خلافت میں تھے، اور حضرت حسن بصری کے مرید صادق تھے، وطن فارس تھا، اس لئے عجمی مشہور ہوئے، آپ بڑے کامل بزرگ تھے، حضرت داؤد طائی، اور شفیق بلخی اُنہیں کے صحبت یافتہ ہیں آپ نے ۱۲۰ھ میں وفات پائی ؛

خلیفہ ہشام بن عبدالملک کی وفات حسرت آیات ربیع الثانی ۱۲۵ھ آپ کی وفات حسرت آیات ماہ ربیع الثانی ۱۲۵ھ میں ہوئی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ؛
عمر مبارک ۶۱ سال کی تھی، شہر اصافہ جو فرات کے کنارے پر واقع ہے، وہیں دفن کئے گئے ؛

۱۲۶ سنہ ہجری

ولید بن یزید تاریخ خلافت ربیع الثانی ۱۲۵ھ عہد خلافت ایک سال ۲ ماہ تاریخ وفات ربیع الثانی ۱۲۶ھ خلیفہ ہشام کے بعد یزید بن عبدالملک کا بیٹا ولید تخت خلافت دمشق پر رونق افروز ہوا، اُس وقت اُس کی عمر ۳۵ سال کی تھی، لیکن یہ بھی اپنے باپ کی طرح عیاش تھا، اس کے عہد میں مسلم احور مازنی اور یحییٰ سے ایک خونریز معرکہ ہوا، اسی معرکہ میں یحییٰ بن حضرت زید بھی شہید ہوئے، ابومسلم نے یحییٰ کو قتل کر کے خراسان پر اپنا تسلط کر لیا، چونکہ ولید بن یزید شراب کا زحد عادی تھا، اس ارتکاب معاصی کی کثرت سے اس نے مذہب

اسلام کی توہین بھی کرنا شروع کی یہ بات مسلمانوں کو سخت ناگوار گذری اور رعایا نے برہم ہو کر اس پر حملہ کر کے اس سلطان کا خاتمہ کر دیا ؎

سنہ ۱۲۷ھ تا سنہ ۱۳۲ھ

یزید بن ولید بن عبد الملک تاریخ خلافت جمادی الثانی ۱۲۶ھ عہد خلافت صرف ۵ ماہ

ولید کے بعد اُس کا بیٹا یزید تخت پر متمکن ہوا، یہ شخص نیک اور مدبر تھا، لیکن ولید کے عہد میں اُس کی بے اعتدالیوں کے باعث انتظام سلطنت خراب ہو چکا تھا، اس لئے اُس فساد کے شعلے یزید بن ولید کے عہد خلافت میں بھی بھڑک اٹھے، چنانچہ سلیمان بن ہشام جو عمان میں قید تھا، اُس نے وہاں بغاوت کا جھنڈا بلند کیا، ادھر حمص کے لوگوں نے ولید کے قتل پر بہت کچھ فساد برپا کرنے کی کوشش کی اور ساتھ ہی یمن کے لوگ بھی باغی ہو گئے ؎

یزید نے ان بغاوتوں کو مٹانے کیلئے نصر بن سیار حاکم خراسان کو معزول کر کے منصور بن جمہور کو مقرر کیا، مگر نصر نے منصور کو خراسان میں گھسنے نہ دیا ؎

مروان بن محمد بن مروان بن حکم

مروان بن محمد بن مروان بنی اُمیہ کے خاندان میں بڑا نامور اور شجاع شخص تھا، یہ اس وقت آرمینیہ کے ملک میں خود مختار حاکم تھا لیکن ولید کے قتل اور یزید کی تخت نشینی سے یہ بھی ناراض ہو گیا ؎

ایک تو ان بغاوتوں کا فرو کرنا بڑی ہمت کا کام تھا، یزید کی عمر نے وفا نہ کی چنانچہ خاندان بنی اُمیہ کو اسی نا اتفاقی کی حالت میں چھوڑ کر یزید نے سفر آخرت اختیار کیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ○

سنہ ۱۲۷ھ

ابراہیم بن ولید بن عبد الملک تاریخ خلافت ۱۰ صفر ۱۲۷ھ عہد خلافت ۳ ماہ

یزید کے بعد ولید کا بیٹا ابراہیم تخت خلافت پر بیٹھا

لیکن اسے تین مہینے سے زیادہ حکومت کرنا نصیب نہ ہوئی ۔

مروان حمار بن محمد بن مروان
تاریخ جمادی الاول ۱۲۷ھ عہد
خلافت تقریباً چھ سال

بنی اُمیہ کے عہد خلافت کا آخری خلیفہ مروان حمار بن محمد بن مروان تھا، جو ۶۳ سال کی عمر میں تخت خلافت پر متمکن ہوا، لیکن اس وقت ملک میں اندرونی ریشہ دوانیوں اور خفیہ سازشوں نے حکومت وسطوت خاندان بنی اُمیہ کی بنیاد اس قدر کمزور کردی، جس کا پرزور ہونا قریباً محال تھا ۔

اس سال میں امام ابراہیم بن محمد بن علی بن عبداللہ بن عباسؓ نے (جو آنحضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کے خاندان سے تھے، اور جنہوں نے عبدالعزیز کے زمانہ سے بیعت لینی شروع کردی تھی) ..... اپنا علم سیاہ خراسان میں بلند کیا ۔

حمار نے اس گروہ کو روکنے کی کوشش کی، لیکن آپس کی پھوٹ اور خانہ جنگیوں کے باعث کچھ نہ ہوسکا، بلکہ خلافت کی فوجوں کو پے درپے شکستیں ہوئیں، اور مروان چھ سال ہی حکومت کرنے پایا تھا، کہ عباسی مدعیان خلافت

مروان کا قتل ۲۳ ذی الحجہ ۱۳۲ھ

سے آخری شکست کھا کے بھاگا، آخر ۲۳ ذی الحجہ ۱۳۲ھ کو بڑی بے رحمی کے ساتھ قتل کیا گیا ۔

بنی اُمیہ کی حدود مملکت

حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لیکر مروان حمار تک خاندان بنی اُمیہ کے ۱۴ خلفاء ہوئے جنہوں نے کل ۹۲ سال حکومت کی، اسلامی خلافت کا ابتدائی زمانہ خلافت راشدہ کے سب سے زیادہ باعظمت وجبروت اور فتوحات وترقی اسلام کا زمانہ تھا، لیکن قلمرو کی وسعت کے لحاظ سے دیکھئے، تو یہ لوگ فتوحات کی نسبت خلفائے راشدین سے بڑھے ہوئے نظر آئینگے ۔

کیونکہ بنی اُمیہ کے زمانہ میں اسلامی قلمرو بہت وسیع ہوگئی، انہوں نے مغرب

کی جانب اندلس اور تمام مغربی، ملک کو فتح کیا تھا، پھر اسپین کی طرف سے یورپ میں داخل ہوئے اور بڑھتے ہی چلے گئے، یہاں تک کہ اُنہوں نے کوہ برنیر کو عبور کر کے مملکت فرانس . . . . میں بڑھتے بڑھتے سنہ ۱۱۴ھ میں دریائے اردن تک پہنچ گئے، اہل انگلستان بہادرانِ اسلام کی یہ پیش دستی دیکھ کر کانپ اُٹھے، اور اُنہیں یہ خوف پیدا ہوا، کہ مبادا ہم کو بھی وہی دن دیکھنا نصیب نہ ہو، جو اسپین والوں کو دیکھنا پڑا ہے، لہذا اُنہوں نے اپنی پوری قوت کے ساتھ اہل عرب کی مدافعت میں زور لگایا ؛

فریقین میں تو اسل اور ابو اکیثہ کے مابین کئی خونریز لڑائیاں ہوئیں، اور کئی سال تک جنگ کا سلسلہ جاری رہا، جس میں بہادرانِ اسلام نے فتح حاصل کی علاوہ اس کے فتوحات حکومت بنی اُمیّہ کا سلسلہ بلاد فارس اور خراسان و دیگر ممالک میں جاری رہا، جو ہندوستان تک ختم ہوتا، لیکن بہادر محمد قاسم کی مظلوم موت کے باعث سندھ تک ہی رہا ؛

آخر میں ہم بنی اُمیّہ کے زمانہ میں اسلامی قلمرو کی تقسیم کا نقشہ ناظرین کے پیش کئے دیتے ہیں، یہ سب ملکی کمشنریاں حکومت بنی اُمیّہ کے عہد میں تھیں۔ ان سے وسعت ملک اور شہروں کی تعداد و آبادی کا اندازہ لگ سکتا ہے ؛

نام ممالک	نام کمشنری	اور اُن کے ماتحت علاقے
شام	اس کی ۴ کمشنریاں تھیں	دمشق اور اُس کا تمام علاقہ
×	کوفہ	اور اُس کا تمام علاقہ
بصرہ	فارس، سیستان، بحرین، عمان	سندھ کا تمام علاقہ
×	آرمینیا	بلاد یورپ

نام ممالک	نام کمشنری	اور اُنکے ماتحت علاقے
+	مکہ شریف	حجاز عرب
+	مدینہ شریف	"
+	مصر	بابل و نینوا وغیرہ
	یمن	عمان، توران وغیرہ
	خراسان	ایران وغیرہ

مندرجہ بالا قلمرو اسلامی کے اس مختصر خاکہ سے معلوم ہو سکتا ہے۔ کہ بصرہ۔ کوفہ۔ تمام فارس سیستان۔ بحرین۔ عمان۔ آرمینیا دمشق تمام حجاز عرب۔ مصر۔ یمن۔ خراسان وغیرہ کے علاوہ ہند کے سندھ اور بلاد یورپ کا علاقہ بھی بنی امیہ کے عہد خلافت میں آ چکا تھا۔

تاہم کہا جاسکتا ہے۔ کہ قلمرو اسلامی کی وسعت بھی ہادی اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جانثاران و خلفاء راشدین نیز مجاہدین اسلام کی ہیبت و عظمت کی رہین منت تھی چونکہ ان سابق مجاہدین اسلام کے جانباز حملوں نے ہی تمام سلاطین عالم کو اس قدر ڈرا رکھا تھا۔ کہ دنیا کی کوئی قوم یا حکومت مجاہدین عرب سے نبرد آزما ہونے کی جرأت ہی نہ کر سکتی تھی۔

اگرچہ خلفاء بنی امیہ کو کارزار فارس۔ دمشق۔ بلاد یورپ و سندھ میں معرکہ آرا ہونا پڑا۔ اور یہ تمام معرکے انہوں نے سر بھی کئے۔ لیکن ان فتوحات نے ہی عرب کے مختلف قبائل میں (دنیوی طمع کے باعث) باہمی حسد و نفاق پیدا کر دیا تھا۔

اس میں شک نہیں کہ خلافت بنی امیہ کے تمام ارکان خلیفہ سے لے کر ادنیٰ ملازم تک عام اہل عرب ہی تھے۔ کاش کہ وہ خلفاء راشدین کے طریق عمل کو مدنظر رکھتے اور ان میں دنیوی شان و شوکت و حصول زر کی خواہش پیدا نہ ہوتی تو یقیناً یہ عربی

سلطنت ہرگز کمزور نہ ہوتی۔
لیکن مختلف قبائل میں دنیوی جاہ وجلال کی اسی ہوس ورقابت نے اس سلطنت عرب کو جب کمزور کر دیا۔ تو بہادرانِ عرب کی اس کمزوری سے فائدہ اٹھا کر غیر ملکیوں نے اپنا اقتدار مرد وقار قائم کرنے کیلئے دیگر قبائل عرب سے ساز باز کر کے بنی اُمیہ کی سلطنت کا ہی خاتمہ کر دیا۔

ختم شدہ جلد سوئم خلفا بنی اُمیہ

Mohd. Afzal
cand: TNo- 3617

۷۸۶

وعد اللہ الذین امنوا منکم وعملوا الصلحت لیستخلفنہم فی الارض

تاریخ اسلام

جلد چہارم

سنہ ۱۳۲ھ تا سنہ ۹۲۳ھ

مطابق

سنہ ۷۵۲ء تا سنہ ۱۵۱۷ء

مع

مکمل تاریخ خلفاء عباسیہ

مؤلفہ

(عبدالرحمٰن صاحب شوق امرتسری)

(بعد حصول حقوق)

برائے فرم

حاجی ملک دین محمد اینڈ سنز پبلشرز و تاجران کتب کشمیری بازار لاہور

جس کو

بااہتمام ملک محمد عارف پرنٹر دین محمدی پریس سرکلر روڈ لاہور نے اپنے مطبع سے طبع کرا کر

کشمیری بازار لاہور سے شائع کیا

اسبابِ خلافتِ عبّاسیہ کے متعلق

چند معروضات

خلفاء راشدین کا قائم کردہ عہد خلافت اگرچہ بنی اُمّیہ کے ابتدائی زمانہ میں ہی سلطنت سے تبدیل ہونا شروع ہو گیا تھا۔

لیکن عہد عباسیہ میں قوت و خلافت نہ صرف سلطنت و حکومت سے تبدیل ہو چکی تھی۔ بلکہ ان کی بنیاد حکومت ہی مذہبیت و اشاعتِ اسلامیت پر نہیں بلکہ سیاست و فرقہ پروری پر رہ گئی تھی۔

حالانکہ خلافت دین الہی کی اشاعت اور متابعت رسول ص سے وابستہ ہے اور حکومت طاقت سے ہی کی جاتی ہے۔

لیکن افسوس کہ خلفاء عباسیہ نے طریق اشاعت و اسباب طاقت کے بدلے سامان عشرت کو پسند کیا۔ اور ان کے اس عشرت و عیش و دنیوی جاہ و جلال میں مبتلا ہو جانے کے باعث ہی مسلمانان عالم کو اس سلطنت اسلامیہ (عباسیہ) کا زوال بھی دیکھنا پڑا۔

شوق

تاریخ اسلام

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جلد چہارم

۱۳۲ھ تا ۹۲۳ھ
مطابق
۷۵۲ء تا ۱۵۱۷ء

خلافت عباسیہ

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت میں ہم لکھ چکے ہیں کہ مسلمانوں نے بنی ہاشم میں خلافت اور نبوت دونوں منصبوں کو اکٹھا کر دینا پسند نہیں فرمایا تھا اس لئے انھوں نے قریش کے دوسرے گھرانوں میں بیعت کی، مگر بنی ہاشم نے دیگر قبائل کی اسبات کو پسند نہیں کیا، بلکہ اُن کے دِل میں یہ خیال پیدا ہو گیا، کہ ہم اس منصب کے لئے دوسرے قبائل سے بہتر ہیں: یہی وجہ تھی، کہ یہ لوگ خلافت کو اپنے قبضے میں رکھنا چاہتے تھے، چنانچہ ان میں کئی گروہ تھے، ایک گروہ کا منشا یہ تھا، کہ خلافت حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اولاد میں رہے، دوسرا گروہ محمد بن حنیفہ کو (جو حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کی دوسری بیوی کے بطن سے تھے) خلیفہ بنانا چاہتے تھے، اور عباسی (یعنی حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چچا عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد) اِن دونوں جماعتوں کو اپنی طرف بلا رہے تھے ؛

چنانچہ جس وقت بنی اُمیہ کی کمزوری اور اُن کی قوت کی پراگندگی عیاں ہوگئی، تب لوگوں کو بھی اُن کی اطاعت سے باہر نکلنے میں آسانی ہونے لگی، خصوصاً بعض لوگ تو طمع نفسانی یا جان کے خوف سے بنی اُمیہ کے اطاعت گذار بنے ہوئے تھے، اور دل سے یہی چاہتے تھے، کہ خلافت بنی ہاشم کا ہی حق ہے ؛

ابو مسلم خراسانی

حکومت بنی اُمیہ کے آخری خلیفہ مروان حجاز کے عہد میں عباسیوں کو ایک دلیر اور مدبر شخص، ابو مسلم خراسانی مل گیا تھا، جو خراسان کا رہنے والا تھا، عباسیوں نے اُسے اپنے وطن خراسان کی جانب بھیجا، تاکہ وہاں جاکر وہ لوگوں سے عباسیوں کی طرف سے بیعت لے ؛

چنانچہ ابو مسلم خراسانی نے اپنے کام کو نہایت کوشش سے ایسا سرانجام دیا، کہ آل عباس کیلئے خلافت کے ساز و سامان مہیا کر دیئے، اور ۱۳۹ھ میں زمام خلافت خاندانِ عباسیہ کے خلیفہ اول سفاح کے سپرد کردی ؛

عباسی حکومت کی بنیاد قائم کرنے میں ابو مسلم خراسانی کو نمایاں حیثیت حاصل ہے حکومت بنی اُمیہ کے متعلق .. یوں تو بہا ہے کچھ کہا جائے، لیکن بنی اُمیہ کا عہدِ خلافت دراصل عربی حکومت سے تعبیر کیا جاسکتا ہے، کیونکہ اُن کے عامل قاضی اور تمام ارکان سلطنت اہل عرب تھے، صرف چند منشی اور طبیب اور اسی قسم کے بعض پیشہ ور یا اہل ہنر تو بے شک غیر ملکی تھے، ورنہ خلیفہ سے لیکر ادنیٰ ملازم تک تمام لوگ خاص عرب ہوتے تھے۔ برخلاف اس کے عباسیہ حکومت میں فارسی عنصر غالب ہوگیا تھا، جس کی وجہ یہ تھی، کہ اہل فارس نے حکومت دلانے میں عباسیوں کی بہت مدد کی تھی، اس لئے عباسیوں نے اہل فارس کے سربرآوردہ لوگوں کو اپنا وزیر بنایا۔ اور اُن کو عربی سلطنت میں حصہ دیا ؛

سنہ ۱۳۲ھ تا سنہ ۱۳۶ھ

سفاح بن محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس، تاریخ خلافت ۱۳ ربیع الاول ۱۳۲ھ عہد خلافت چار سال آٹھ ماہ

سفاح نے اپنی معتقدین سے شہر کوفہ میں بیعت لی اور بروز جمعہ خطبہ میں فرمایا۔ "تمام تعریف و توصیف اس خدا کو ہے جس نے اسلام کو اپنا دین انتخاب فرمایا، اور اس دین کو... تمام مذاہب پر شرف کیا، اور ہمیں اس پر چلنے کی ہدایت فرمائی، اس کے بعد تمام لوگوں کو مذہب اسلام کی تلقین کرتے ہوئے ظالموں سے بدلہ لینے کی ہدایات کیں، اور بیعت پر قائم رہنے کی تلقین کی۔

سفاح نے دفتروں میں سے اہل عرب کے عہدوں پر ترکوں کو فائز کیا، اور بجائے کوفہ کے بغداد سے مغرب کی طرف دریائے فرات کے کنارے شہر انبار اپنا دارالخلافہ قرار دیا، اور اسی جگہ بعارضہ مرض چیچک اس کا انتقال ہوا۔

سفاح کا قول تھا، کہ جب قدرت بڑھ جاتی ہے، تو شہوت کم ہو جاتی ہے، کوئی نیکی ایسی نہیں ہے جو ضائع ہو جاوے۔

اور یہ بھی اس کا قول ہے، کہ دنیا میں کمینہ لوگ وہ ہیں جو بخل کو احتیاط اور حلم کو ذلت بتلاتے ہیں، اگر حلم مفسدہ ہو تو عفو گویا عجز ہے، حالانکہ یہ دونوں صحیح نہیں ہیں، صبر اس وقت تک ٹھیک ہے، کہ جب تک دین میں کوئی نقصان واقع نہ ہو اور بادشاہ کو سست نہ کر دے، بخشش اسقدر مناسب ہے، کہ جہاں تک گنجائش ہو۔

صولی کہتے ہیں، کہ سفاح نہایت سخی آدمی تھا اور جب کبھی کسی کو کچھ دینے کا وعدہ کرتا، تو تاوقتیکہ وعدہ پورا نہ کر لیتا اپنی جگہ سے نہ ہلتا تھا۔

عبداللہ بن حسنؓ بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے ایک مرتبہ کہا، کہ میں نے دس لاکھ درم کا نام سنا ہے مگر کبھی دیکھا نہیں سفاح نے اسی وقت دس لاکھ درم منگا کر انکے سامنے

رکھوا دئے، اور کہا کہ دیکھ لیجئے، اور جب وہ اُٹھ کر چلے تو یہ سب درہم مکان پر بھجوا دیئے ۔

۱۳۷ھ تا ۱۵۸ھ

ابوجعفر منصور تاریخ خلافت محرم ۱۳۷ھ عہد خلافت ۲۲ سال

سفاح کے بعد اس کا بھائی ابوجعفر منصور تخت خلافت پر متمکن ہوا، منصور نہایت بارعب دلیر، مدبر اور عالم شخص تھا لیکن ساتھ ہی اس کے وہ دولت کا شائق اور جلد باز تھا، ملکی انتظام اور حکومت کے اقتدار کے باعث منصور کا نام اسلامی بہادروں میں شمار ہوتا ہے ۔

اس نے کوفہ کے قریب ایک شہر آباد کر کے اس کا نام ہاشمیہ قرار دیا، جس وقت یہ شہر خوب آباد ہو چکا، تو اتفاقاً اُسے ایک فرقہ سے جنگ کرنا پڑی جو راوندیہ کے نام سے مشہور ہے، اس جنگ کے باعث خلیفہ منصور نے اس شہر کو ناپسند کر دیا، ایک وجہ اور بھی تھی، وُہ یہ کہ یہاں سے کوفہ قریب تھا، اور کوفہ والوں سے منصور کو سخت نفرت تھی، کیونکہ وہاں کے رہنے والوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کر دیا تھا، چنانچہ منصور نے ہاشمیہ کو چھوڑ کر شہر بغداد تعمیر کرایا، جو اس وقت اسلامی شہروں میں سب سے زیادہ مشہور ہے ۔

شہر بغداد کی بنا

منصور کا عہد خلافت شروع سے اخیر تک لڑائیوں اور فتوحات میں بسر ہوا ۔

مسلم خراسانی کا قتل

منصور نے تخت خلافت پر بیٹھتے ہی ابومسلم خراسانی کو محض اس خوف سے قتل کرا دیا تھا، کہ وہ فارس کا رہنے والا تھا، چونکہ اس کا اقتدار بہت بڑھا ہوا تھا، مبادا کسی وقت وُہ عرب کا حکمران نہ بن بیٹھے، لیکن یہ عجیب تماشہ ہے کہ منصور نے ہی اپنے عہد میں فارس کے بہت سے لوگوں کو اپنی سلطنت میں مامور کیا تھا، یہ وہی خلیفہ ہے جس نے حضرت امام ابوحنیفہؒ کو

امام ابوحنیفہؒ کا قیدخانہ منصور میں انتقال

عہدہ قضاء سے انکار کرنے پر قید کرنے کا حکم دیا، اور اسی قید میں آپ کی روح مبارک جنت الفردوس میں پرواز کر گئی، اس کے عہد خلافت کے مشہور واقعات یہ ہیں:-

۱۳۸ھ میں عبدالرحمٰن بن معاویہ نے اندلس کو مکمل طور پر فتح کیا۔

۱۴۰ھ ہجری میں منصور نے شہر بغداد کی بنیاد ڈالی۔

۱۴۱ھ میں اہل راوند مرتد ہو گئے، اور منصور نے اُن کو قتل کر دیا۔

۱۴۳ھ ہجری میں علماء اسلام نے علم حدیث و فقہ و تفسیر کی کتابوں کو مدون کرنا شروع کیا، چنانچہ مکہ شریف میں ابن جریج نے مدینہ منورہ میں مالک نے شام میں اوزاعی اور بصرہ میں ابی عروبہ و حماد بن سلمہ وغیرہ یمن میں معمر نے کوفہ میں سفیان ثوری نے کتب احادیث مرتب کیں۔ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فقہ کی تدوین فرمائی، ابن اسحاق نے مغازی تالیف کی، اور امام مالک نے مدینہ میں موطا تصنیف کیا۔

علمائے اسلام

اس کے علاوہ لغت، تاریخ، رجال سیر وغیرہ کی قابل قدر کتابیں مختلف علمائے تصنیف کیں۔ منصور خود بھی بڑا عالم اور فقیہ اور ادیب اور فصیح بلیغ تھا، لہو لعب سے دور رہتا تھا، عباسیوں میں بڑا بہادر خلیفہ تھا، اور بڑا مہیب و شجاع اور عقیل اور جابر تھا۔

۱۴۵ھ میں محمد و ابراہیم وغیرہ نے منصور سے جنگ کی، لیکن منصور نے ان کو قتل کر دیا، یہ پہلا واقعہ ہے، جو عباسیوں اور علویوں میں ظہور پذیر ہوا، اس معرکہ میں بہت سے علما بھی مارے گئے۔

علوی اور عباسیوں میں جنگ

جنگ قبرس

۱۴۶ھ میں جنگ قبرس ہوئی۔

۱۴۷ھ میں منصور نے اپنے چچا عیسیٰ بن موسےٰ کو ولی عہدی سے معزول کر دیا حالانکہ منصور کے والد سفاح نے اس کو ولی عہد مقرر کیا تھا، اس کے بدلے اُس نے مہدی کو ولیعہد بنایا۔

۱۴۸ھ میں تمام ممالک پر منصور کا تسلط ہو گیا، اور اُس نے امیر کا لقب اختیار کیا
۱۴۹ھ میں شہر بغداد تیار ہو گیا ؎

خراسان کی فوج کی بغاوت ۱۵۱ھ ہجری میں خراسان کی فوج نے بغاوت اختیار کی اور خراسان کے اکثر حصوں میں ان کا سردار قابض ہو گیا، منصور کو اس بغاوت نے مشتعل کر دیا، اور اُس نے تین ہزار فوج اجثم کی ماتحتی میں روانہ کی، لیکن اجثم اس معرکہ میں قتل ہو گیا، اسکے بعد حازم بن خزیمہ کی ماتحتی میں بڑی بھاری فوج باغیوں کی سرکوبی کیلئے روانہ کی، اس جنگ میں مسلمانوں کی ستر ہزار جانیں تلف ہوئیں، آخر منصور کی فوج منصور ہوئی ؎

شہر صافہ کی بنیاد اور منصور کی وفات ماہ ذی الحجہ ۱۵۸ھ ۱۵۱ھ میں شہر صافہ بسایا گیا، اور اسی سال میں منصور نے مکہ شریف کے نائب حاکم سفیان ثوری کو حکمنامہ بھیجا، کہ عباد بن کثیر کو گرفتار کر کے بھیجدیا جائے، اس حکم کی تعمیل میں لوگوں کو اس بات کا سخت اندیشہ تھا، کہ عباد بن کثیر کہیں قتل نہ کئے جائیں، مگر انہیں دنوں میں ایام حج کا موقعہ آگیا، چنانچہ جب منصور مکہ شریف میں داخل ہوا، تو بیمار ہو گیا، اور اسی بیماری میں اس کا انتقال ہو گیا ؎

۱۵۹ھ تا ۱۶۹ھ

مہدی بن منصور تاریخ خلافت ماہ ذی الحجہ ۱۵۸ھ عہد خلافت دس سال منصور کے بعد اس کا بیٹا مہدی خلیفہ ہوا سب سے پہلے ابو دُلامہ جو ایک مشہور عربی مورخ ہے، اُس نے اس خلیفہ کی مبارکباد اور منصور کی تعزیت کے اشعار لکھ کر پیش کئے ؎

عربی مورخ ابو دُلامہ ۱۵۹ھ میں اس خلیفہ نے اپنے دو بیٹوں میں سے اپنے بعد ہادی کو اور ہادی کے بعد ہارون الرشید کو ولیعہد خلافت مقرر کیا ؎

۱۶۰ھ ہجری میں ملک ہندوستان پر حملہ کیا گیا، اور اسی وقت سے سرزمین ہند میں اسلامی حکومت کی بنیاد پڑی ؎

۱۶۱ھ ہجری میں مہدی نے مکہ شریف کی سڑک اور سرائیں، و پانی کے حوض بنائے ؎

۱۶۲ھ ہجری میں ملک روم کا بہت سا حصہ فتح ہوا ؎

۱۶۶ھ ہجری میں مہدی قصر السلام میں آگیا، اور مکہ شریف و مدینہ شریف نیز یمن کے مابین ڈاک کا سلسلہ قائم کیا ؎

۱۶۷ھ ہجری میں مسجد حرام کو وسیع کیا ؎

مہدی نہایت سخی ممدوح خاص و عام۔ محبوب رعیت۔ خوبصورت، صادق الاعتقاد شخص تھا، زندیقوں کے پیچھے ایسا پڑا، کہ اُن کو فنا کر کے رہا، اسی نے سب سے پہلے زندیقوں اور ملحدوں کے خلاف کتاب الجدل لکھوائی ؎

حسین جمیل اور علماء کی صحبت میں اس نے علم و فضل و ادب حاصل کیا، مہدی کے سامنے جب نام آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا آتا، تو تعظیم کیلئے کھڑا ہو جاتا تھا، حدیثوں کا راوی بھی ہے، کسی نے اس پر جرح نہیں کی ؎

سب سے پہلے مہدی ہی نے اپنے خطبہ میں اس آیت (اِنَّ اللّٰہَ وملائکتہ یصلون علی النبی الخ) شریف کو لیا تھا، اس کے بعد خطباء نے اس آیت کو خطبوں کا گویا جزو لا ینفک قرار دے لیا ؎

مہدی کی وفات ۲۲ محرم ۱۶۹ھ	۱۶۹ھ ہجری میں مہدی کا انتقال ہو گیا ۔

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ ۝

سنہ ۱۷۰ھ

موسیٰ ہادی تاریخ خلافت محرم سنہ ۱۶۹ھ عہد خلافت ایک سال ڈیڑھ ماہ

ہادی اگرچہ بارعب شخص تھا، لیکن عیاش بھی تھا، تاریخ کے لئے اس کے حالات فراہم نہیں ہو سکے، کیونکہ صرف ایک سال ڈیڑھ ماہ تخت خلافت پر متمکن رہا ؛

موسےٰ ہادی کا ایک فیصلہ مطلب بن عکاشہ کہتے ہیں، میں ہادی کے سامنے بطور گواہ پیش ہوا، کہ فلاں شخص نے قریش کو سخت سست کہا ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں گستاخی کی، ہادی نے ہمیں بٹھا کر فقہا اور مدعا علیہ کو بھی بلایا، اور ہم سے پھر شہادت دلوائی، ہادی کا رنگ فق ہو گیا، اور تھوڑی دیر اپنا سر جھکا کر پھر سر اُٹھا کر کہا، کہ میں نے اپنے والد ماجد مہدی سے بروایت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سنا ہے، کہ جس نے قریش کی اہانت کی اس نے خدا کی اہانت کی، مدعا علیہ سے مخاطب ہو کر کہا، ظالم تو نے صرف قریش کی اہانت پر ہی بس نہیں کیا، بلکہ تو نے جناب سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان مبارک میں بھی گستاخی کی، جلاد سے کہا، اس ناشدنی کی گردن مار دو۔ یہ حدیث دوسری طور پر مرفوع بھی مروی ہے ؛

اس کے انتقال کے متعلق بھی مختلف روایات ہیں، کسی مورخ کی نظر میں بیماری اس کے مرنے کا باعث ہوئی، کوئی جنگل میں گرنے کی نسبت انتقال کی خبر دیتا ہے، غرضیکہ جس طرح بھی اس کی موت واقعہ ہوئی ہو، بہرحال موت نے زیادہ دیر اس کو حکومت کرنے کا موقعہ نہیں دیا، ماہ ربیع الاول سنہ ۱۷۰ھ میں سپرد خاک کر دیا گیا ؛

سنہ ۱۷۰ھ تا سنہ ۱۹۳ھ

خلیفہ ہارون الرشید تاریخ خلافت ۱۶ ربیع الاول سنہ ۱۷۰ھ عہد خلافت ۲۳ سال ۲ ماہ

اپنے بھائی موسیٰ ہادی کے بعد سنہ ۱۷۰ھ میں خلیفہ

ہارون الرشید تخت خلافت پر جلوہ افروز ہوا، جو اپنی عظمت اور جلال کے باعث مورخین میں اعظم کے لقب سے ملقب ہوا ۔

گورا چٹا لانبے قد کا خوبصورت آدمی عالم فاضل نہایت فصیح البیان اور علم ادب پر حاوی تھا، زمانہ خلافت میں مرتے دم تک سو رکعت نماز نفل روزانہ پڑھتا رہا، سوا بیماری کے کبھی ناغہ نہیں کیا، اپنے مال میں سے ہر روز ہزار درہم خیرات کرتا تھا، اہل علم اور علم کو بہت دوست رکھتا تھا، شعائر اسلام کی بہت تعظیم کرتا تھا نصوص شرع کے منکر و معارض کو بہت برا جانتا تھا، وعظ میں اپنے گناہوں کو یاد کر کے بہت رویا کرتا تھا، خصوصاً جب اس کے سامنے کوئی حدیث بیان کرتا، یا اُس کو کوئی نصیحت کرتا، جب اُس کے سامنے حضور پُرنور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسم مبارک لیا جاتا، تو وہ کہا کرتا، صلی اللہ علیٰ سیدی ۔

ہارون الرشید کا زمانہ بباعث ملکی بغاوت کے اگرچہ فتوحات اور توسیع مملکت کا عہد نہ تھا، مگر اس کے عہد خلافت میں عربی و ایرانی معاشرت کی آمیزش میں جدید اسلامی معاشرت بن رہی تھی، اور اسلامی فتحمندی و عظمت نیز علوم و فنون اور ادب شاعری کی ترقی سے دُنیا کی تہذیب جدید نمایاں ہوئی، خلافت کا دربار اس کے عہد معدلت میں ایک باعظمت و جبروت علمی دربار تھا، جس میں تہذیب و تمدن کے تمام شعبے اعلیٰ ترین نشو و نما پا رہے تھے، بنی عباس کے عہد میں اہل فارس جو وزارت کے منصب تک پہنچ گئے تھے ... خلیفہ ہارون الرشید نے سلطنت میں اہل فارس کی ایسی شرکت دیکھ کر اُن لوگوں کو ایسے عہدوں پر فائز کرنے سے احتراز کیا ۔

چنانچہ آپ نے یحییٰ بن خالد برمکی کو اپنا وزیر بنایا، جس سال یہ شائق علم و ہنر خلیفہ تخت خلافت پر متمکن ہوا، اسی سال یعنی ۱۷۰ھ میں اُس نے روم پر حملہ کیا، اور ماہ شعبان میں واپس آکر حج کیا، حرمین شریف میں کثرت سے خیرات کی ۔

فاتح اسپین امیر عبدالرحمٰن کی وفات اور اس کے واقعات

۱۷۲ھ میں یعنی خلیفہ ہارون الرشید کے عہد خلافت کے تیسرے سال امیر عبدالرحمٰن جس نے اسپین میں اسلامی حکومت قائم کی، اور اسی لئے مؤرخین عرب نے انہیں الداخل کے لقب سے ملقب کیا اس نے شہر قرطبہ کے چاروں طرف چاردیواری قائم کی، جابجا نہریں جاری کیں ایک نہایت وسیع مسجد کی بنیاد ڈالی، انار اور کھجور کے درخت اسی نے اسپین میں لگائے، جو لڑائی میں سب سے پہلے خود ہی حملہ کرتا تھا، غرضیکہ یہ بہادر، اولوالعزم مدبر منتظم، سیاست دان امیر جمادی الثانی ۱۷۲ھ مطابق ۷۸۸ء میں شہر قرطبہ میں فوت ہو گیا ؛ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ○

اس کے بعد اس کا لڑکا ہشام تخت قرطبہ پر متمکن ہوا جس نے ۷ سال نو ماہ قرطبہ و اندلس میں حکومت کی ۱۷۶ھ میں شہر ولیسہ امیر عبدالرحمٰن بن عبدالملک بن صالح کی سرکردگی میں فتح ہوا ؛

امیر قرطبہ ہشام کی وفات

۱۸۰ھ ہجری میں سخت زلزلہ آیا جس سے اسکندریہ کے مینار گر پڑے، اور اسی ہشام بن امیر عبدالرحمٰن فاتح اسپین نے رحلت کی جس نے اپنے عہد حکومت میں ۱۷۶ھ میں فرانس پر حملہ کر کے اُس کے ایک شہر ناریولی پر قبضہ کر لیا تھا، یہ بہادر اور یہ ہر دلعزیز امیر ماہ صفر ۱۸۰ھ مطابق ۷۹۶ء میں اس جہان فانی سے چل بسا ؛

۱۸۱ھ میں ہارون الرشید نے بذات خود قلعہ صفصاف فتح کیا ؛

۱۸۳ھ میں ملک آرمینا میں غدر ہو گیا، اور بہت سے مسلمان قتل و قید ہوئے جن کی مجموعی تعداد ایک لاکھ کے قریب تھی ؛

۱۸۷ھ میں خلیفہ کے پاس بادشاہ روم یقفور کا خط پہنچا جس کا مضمون یہ تھا، مجھ سے پہلے جو ملکہ گذری ہے اُس کی وہی حیثیت تھی، جو شطرنج میں رُخ کی ہوتی ہے

پھر وہ ضعیف الرائے عورت تھی، لیکن اب تمہیں لازم ہے، کہ جو کچھ اس کا مال متاع آپ کے پاس ہے، اُسے فوراً واپس کر دو، ورنہ تلوار ہمارے تمہارے درمیان فیصلہ کرے گی"۔

یہ خط پڑھتے ہی ہارون الرشید مشتعل ہو گیا، اور اسی وقت اس خط کی پشت پر یہ جواب لکھا، "اے مشرک اس رعونت کا جواب دینے کی ضرورت نہیں اپنی آنکھوں سے دیکھ لیگا"۔

اس واقعہ کے دوسرے ہی روز بذات خود اپنے لشکر کے ساتھ شہر ہرقل کی طرف روانہ ہو گیا، اور وہاں وہ میدان کارزار گرم کیا، جواب تک مشہور رہے آخر شاہ روم نے بہادران اسلام سے مجبور ہو کر صلح کی درخواست کی، جو ہارون الرشید نے منظور کی، ہر سال شاہ روم کی طرف سے دربار خلافت میں خراج آتا رہا۔

۱۹۰ھ میں اہل روم نے مسلمانوں کو وہاں سے ایک ایک کر کے نکال دیا اہل روم کی سرکوبی کے لئے شراحیل بن معن کو فوج کا سپہ سالار بنا کر بھیجا گیا، جس نے ۱۹۰ھ میں شہر کا ہر قلعہ فتح کیا، اور روم کے بہت سے شہروں پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا، چنانچہ یزید بن مخلد نے قونیہ فتح کیا، اور حمید بن معیوف نے قبرس کو جلا کر خاکستر کر دیا۔

بعض مورخین نے لکھا ہے، کہ ۱۷۵ھ ہجری میں ہارون الرشید نے اپنی لائق اور عالی دماغ بیوی زبیدہ خاتون کی خوشی کیلئے اپنے خورد سال بچے امین کو اپنا ولیعہد مقرر کیا تھا، امین کی عمر صرف ۵ سال کی تھی، ہم نہیں سمجھ سکتے، کہ ایسے خورد سال بچے کو ولیعہد کیسے بنایا گیا تھا۔

ہارون الرشید بڑا زندہ دل اور ہر ایک علم و ہنر کا قدردان خلیفہ تھا، وہ خود بھی عالم

ادیب اور شاعر تھا کیوں نہ ہوتا، اُس کے زمانہ میں، مالک بن انسؒ، قاضی ابو یوسف، ابو اسحاق الفزاری، ابراہیم بن ابی یحییٰ۔ (جو امام شافعی کے اُستاد تھے) اسد الکوفی (امام ابو حنیفہؒ کے شاگرد رشید) اسماعیل بن عیاض، بشیر بن مفضل۔

خلیفہ ہارون الرشید کے عہد کے علما اور انکی وفات

امام الحربیہ، ضیغم زاہد، محمد بن حسن، (شاگرد ابو حنیفہؒ) فضیل بن عیاض امام موسیٰ کاظم، موسیٰ بن ربیعہ، یعقوب بن عبد الرحمٰن قاری مدینہ شریف، عباس بن احنف مشہور شاعر، و دیگر قابل ادب علمائے کرام گذرے ہیں جنہوں نے ہارون الرشید کے عہد خلافت میں ہی وفات پائی ؂

جس طرح وُہ اہل علم و شعرا کا قدردان تھا، اسی طرح اہل فن کو بھی قدر کی نگاہ سے دیکھتا تھا، وجہ یہ تھی، کہ خلیفہ ہارون الرشید کے دربارِ معدلت میں جہاں فقیہ۔ ادیب، شاعر دیکھے جاتے تھے، وہاں فن موسیقی کے ماہر اکمل بھی تھے، چنانچہ عرب

فاریاب عرب کا تان سین

کا سب سے بڑا موسیقی دان فاریاب خلیفہ ہارون الرشید کے عہد میں ہی گذرا ہے، جو اسحاق نامی کلاونت کا شاگرد رشید تھا، فاریاب اگرچہ ایرانی النسل تھا، لیکن عرب میں سکونت پذیر ہو گیا تھا، ایک روز ہارون الرشید کی مجلس میں وُہ بھی موجود تھا، جو فن موسیقی میں اپنے اُستاد اسحٰق سے سبقت لے گیا خلیفہ نے اُس کے اِس کمال کی بڑی قدردانی کی، لیکن اسحٰق کو اس پر حسد ہوا چنانچہ فاریاب اپنے حاسد اُستاد کا شکار ہونے سے پہلے ہی بغداد سے اسپین چلا گیا، اس وقت فاتح اسپین امیر عبد الرحمٰن ابھی زندہ تھا، اُس نے فاریاب کی معقول پنشن لگا دی، اور دیگر ضروریات کا خرچ اپنے ذمہ لے لیا ؂

کہتے ہیں کہ فاریاب کی معلومات موسیقی اس قدر بڑھی ہوئی تھی، کہ اُسے ایک ہزار سے زائد راگنیاں یاد تھیں، ہر ایک راگ راگنی کو نرالے سروں اور نئے ڈھنگ سے ادا کرتا تھا، اُس کے گانے کا طریقہ اس قدر دلکش تھا، کہ جو شخص اس کا گانا سُن لیتا تھا

وُہ محو ہو جاتا تھا، اس کی تعلیم کا طریقہ بھی نرالا تھا، اوّل چھوٹے شاگردوں کو اُونچے سُروں میں گانا سکھاتا، اگر آواز کمزور ہوتی تو کمر میں پٹا باندھ دیتا، زبان میں لکنت ہوتی، تو لکڑی کا ٹکڑا منہ میں رکھاتا، اگر اس پر بھی کسی شاگرد کی آواز نہ ہوتی، تو اُسے شاگردی میں نہ لیتا تھا ؛

طرز تمدن میں یہ جدید طریقہ اختیار کرتا تھا، جو اس قدر مرغوب طبع ہوتا تھا، کہ عام لوگوں میں رواج پا جاتا تھا، چنانچہ عرب میں ایک قسم کی رکابی قاب الفاریاب اسی کے نام سے مشہور ہے ؛

خلیفہ ہارون الرشید علم کی ایسی قدر کرتا تھا، کہ اُس نے اپنے بیٹوں کو اپنے ساتھ لے کر مؤطا امام مالک کی سماعت کیلئے سفر کیا، چنانچہ جس نسخے میں اُس نے پڑھا تھا وُہ شاہان مصر کے پاس موجود تھا، اور سلطان صلاح الدین بن ایوب بھی اُسی کو سننے اسکندریہ گیا تھا ؛

قاضی فاضل کا قول ہے، کہ سوا ان دو بادشاہوں کے کوئی بادشاہ ایسا نہیں گذرا جس نے طلب علم میں سفر کیا ہو ؛

غرضیکہ عہد خلافت کے آخری سال جبکہ خلیفہ ہارون الرشید نے جرجان سے ہوتے ہوئے بحالت علالت ماہ جمادی الثانی ۱۹۳ھ میں طوس پہنچا، تو وہیں اس روشن دماغ اور خلیفہ اعظم کی روح پرواز کر گئی، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۵

سنہ ۱۹۳ھ تا سنہ ۱۹۴ھ

امین الرشید ابن ہارون الرشید تاریخ خلافت جمادی الثانی ۱۹۳ھ عہد خلافت ۴ سال آٹھ ماہ	ہارون الرشید جب راہیِ مُلک بقا ہوا، تو اُس کے بڑے بیٹے امین الرشید نے عنانِ حکومت سنبھالی ؛ اس نے اپنی طفلانہ مزاجی کا پہلا ثبوت یہ دیا، کہ ۱۹۴ھ

میں اپنے بھائی قاسم کو ..... ولی عہدی سے معزول کر دیا، حالانکہ اس کے باپ خلیفہ ہارون الرشید نے اس کے بعد قاسم کو ولیعہد مقرر کر دیا تھا ؛

۱۹۵ھ میں اس نے علی بن عیسٰی کو چالیس ہزار فوج کے ساتھ اپنے چچا مامون الرشید کے گرفتار کرنے کیلئے روانہ کیا، اُدھر مامون الرشید نے بھی خراسان سے طاہر بن حسین کو چار ہزار فوج دیکر روانہ کیا، دونوں فوجوں میں خونریزی ہوئی، اور آخرکار مامون الرشید کو فتح ہوئی، بلکہ طاہر نے خلیفہ امین کے سپہ سالار علی بن عیسٰی کا سر کاٹ کر مامون الرشید کے پاس خراسان میں بھیجدیا ؛

ادھر خلیفہ امین الرشید کے لہو لعب کے باعث فوج کو تنخواہ نہ ملی، تو ان میں بھی بغاوت کے آثار پیدا ہو گئے ؛

ان وجوہات کے باعث امین الرشید سے رعایا تک بدظن ہو گئی، اور مامون الرشید نے اپنی نیک سرشت اور علمی قابلیت کے باعث تمام لوگوں میں اسقدر اپنا اقتدار بڑھایا، کہ اہل حرمین تک نے اُن سے بیعت کر لی ؛

امین الرشید واقعی حکومت کا اہل نہ تھا، اُس کی طفلانہ حرکات سے اُس کی والدہ زبیدہ خاتون تک نالاں تھی، چنانچہ وہ ایک مرثیہ میں لکھتی ہے "خدا طاہر کو مطہر نہ کرے اُس نے مجھے کھلے منہ اور کھلے بالوں گھر سے نکالا، اور میرا گھر تباہ کر دیا، ہارون نے جب سے مجھے دیکھا تھا، میری عزت کرتا تھا، اور جب سے وہ دُنیا سے چلا گیا میرے نزدیک ناقص الخلق ہو گیا، امیر المومنین کو میری قرابت یاد دلا، کہ میں نے تجھ پر اپنی حرمت کو قربان کر دیا ہے" ؛

امین عیاش بھی تھا، اور اس نفس پرستی میں بہت روپیہ ضائع کرتا تھا، انہیں طفلانہ مزاجی کے باعث وہ بار خلافت کا متحمل نہ ہو سکا، آخرکار ماہ محرم ۱۹۸ھ میں اپنے بھائی مامون الرشید کے سپہ سالار کے ہاتھ سے بغداد میں محصور ہو کر مارا گیا ؛

۱۹۸ھ تا ۲۱۸ھ

خلیفہ ماموں الرشید تاریخ خلافت ماہ جمادی الآخر ۱۹۸ھ عہد خلافت ۲۰ سال

امین الرشید کی وفات کے بعد اس کا چچا ماموں الرشید خلیفہ ہوا، جو ہارون الرشید سے بھی زیادہ علم دوست فقیہ، حکیم، عالی دماغ، سیاست دان، اور اعلیٰ منتظم تھا، اس میں بہت سی صفات تھیں اور بہت سی نیک باتیں جمع تھیں، ہمیشہ عدل میں کوشش کرتا، اور حاکموں کو تاکید کرتا رہتا تھا، خود فقیہ النفس تھا، اور بڑے عالموں میں شمار ہوتا تھا بعض رمضانوں میں اس نے تینتیس ۳۳ مرتبہ قرآن شریف ختم کیا تھا؛

محمد بن حفص کا قول ہے، کہ میں عید کے روز ماموں الرشید کے دسترخوان پر موجود تھا کئی قسم کے کھانے چنے ہوئے تھے، ماموں الرشید ہر ایک کھانے کی طرف اشارہ کر کے کہتا تھا، کہ یہ کھانا فلاں مرض کیلئے مفید ہے" اور فلاں کیلئے مضر جس کا مزاج بلغمی ہو وہ یہ کھانا کھائے، اور جس کا مزاج صفراوی ہو، وہ یہ کھائے غرضیکہ حکیم تھا، تو ایسا؛

اسی طرح عتبہ کا قول ہے، کہ ایک روز میں ماموں الرشید کے دربار میں علماء کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا، کہ ایک عورت نے دربار میں حاضر ہو کر یہ شکایت کی، کہ میرا بھائی چھ سو دینار چھوڑ کر مرا ہے، لیکن لوگ مجھے ایک ہی دینار دیکر ٹالنا چاہتے ہیں، جب میں اصرار کرتی ہوں، تو وہ یہ کہتا ہے، کہ تیرے حصہ میں ایک ہی تو آتا ہے، ماموں الرشید نے اس پر کچھ دیر بعد کہا، ہاں وہ صحیح کہتا ہے، تیرے حصہ میں اتنا ہی آتا ہے؛

علماء نے پوچھا، یا امیر المؤمنین یہ آپ کو کیونکر معلوم ہوا، ماموں الرشید نے جواب دیا کہ متوفی نے دو لڑکیاں چھوڑی ہیں، دو تہائی یعنی چار سو دینار تو ان کو آتے ہیں، اور والدہ کو چھٹا حصہ یعنی ایک سو دینار پہنچتے ہیں بیوی کو آٹھواں حصہ یعنی پچھتر دینار اور بارہ بھائیوں کو فی کس دو دو دینار - اور اس عورت یعنی متوفی کی بہن کے حصہ میں صرف ایک

ہی دینار آتا ہے، فقیہ تھے تو ایسے ؛

آپ کی شاعری اور علم ادب اِس شعر سے ظاہر ہوتا ہے۔ حالانکہ عربی اشعار میں جو لطف ہے۔ وہ ترجمہ میں نہیں آسکتا ؛

"میری زبان تمہارے اسرار سے بند تھی، لیکن میرے آنسو میری غیبت کر کے میرا دلی راز ظاہر کر رہے تھے، اگر آنسو نہ ہوتے تو میں عشق کو چھپا لیتا، لیکن عشق نہ ہوتا تو آنسو بھی نہ ہوتے۔" جیسے بقول خاکسار شوقؔ ؎ دل کی بات آنسوؤں نے بتا دی۔

انتظام سلطنت اور اپنے فرائض منصبی کا یہاں تک خیال تھا، کہ صبح سے ظہر تک عدالت میں بیٹھے رہتے تھے، اور لوگوں کا انصاف کیا کرتے تھے ؛

رحمدل اسقدر تھے، کہ اکثر یہ کہا کرتے تھے، کہ مجھے عفو میں اِس قدر مزا ملتا ہے کہ اگر لوگوں کو میرے دل کا حال پورے طور معلوم ہو جائے، تو میرے پاس مجرم بن کر آیا کریں ؛

عبدالسّلام بن صلاح کا قول ہے، کہ ایک روز میں خلیفہ ماموں الرشید کے کمرہ میں سویا ہؤا تھا، کہ چراغ گل ہونے لگا، ماموں الرشید نے نظر اُٹھا کر دیکھا تو شعلچی سو رہا تھا خلیفہ نے شعلچی کو جگانے کی بجائے خود اُٹھ کر چراغ کو تیز کیا، اور یہ کہتے ہوئے لیٹ گئے کہ اکثر ایسا ہوتا ہے، کہ میں غسل خانے میں ہوتا ہوں، تو یہ خدمتگار مجھے گالیاں دیا کرتے ہیں، اور مجھ پر طرح طرح کے بہتان باندھتے ہیں، یہ تو یہی سمجھتے ہیں کہ میں نے سُنا ہی نہیں۔ اور میں ہمیشہ اِن کو معاف کرتا رہتا ہوں، اور کبھی اِن کا قصور نہیں جتلاتا، یہ سمجھتے ہیں، کہ جیسے میں نے کبھی کوئی بات اِن کی سُنی ہی نہیں ؛

آپ ۱۹۰ھ میں شہر خراساں میں خلیفہ مقرر ہوئے، اور ابو جعفر کنیت مقرر کی ؛

۲۰۱ھ میں آپ نے اپنے بھائی موتمن کو بوجہ تشیع کے معزول کر کے علی رضی بن موسیٰ کاظم بن جعفر صادق کو اپنا ولیعہد مقرر کیا، بلکہ سکوں پر اُن کا نام سکوک کرایا، اور اپنی بیٹی

سے ان کا نکاح کر دیا، اور اِس بات کا عام اعلان کر دیا، کہ کوئی شخص سیاہ کپڑے نہ پہنے اور نہ سبز کپڑے پہنے جائیں ؛

بنی عباس کو ان باتوں سے رنج ہوا، اور بہت سے لوگوں نے ابراہیم بن مہدی سے بیعت کر لی، خلیفہ کو جب اِس بات کا پتہ چلا، تو ایسے گروہ پر اُس نے فوج کشی کی ؛

۲۰۳ھ میں علی رضا نے انتقال فرمایا، اور خلیفہ نے اعلان کر دیا، کہ جب علی رضا ہی نہ رہے، تو اب فساد کرنا فضول ہے، چنانچہ ابراہیم نے جب اپنی جمعیت کو آمادہ فساد نہ دیکھا، تو خلیفہ سے صلح کر لی ؛

۲۱۰ہجری میں مامون الرشید نے بوران بنت حسن بن سہل سے نکاح کیا، لاکھوں روپے اُس کے مہر میں دئے، بوران کے باپ نے بڑی فیاضی دکھلائی، تمام فوج کو دعوت و خلعت سے سرفراز کیا، اور لاکھوں روپے انعام میں بانٹے ؛

۲۱۱ہجری میں مامون الرشید نے اِس بات کا اعلان کر دیا، کہ جو شخص امیر معاویہ رضکو حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے افضل سمجھے، وہ اپنے آپ کو ہماری محافظت میں نہ سمجھے ؛

اسپین میں مسیحی جوش اور شہدا اسلام

انہیں دنوں میں جبکہ چاروں طرف امن قائم تھا، اور اہل قرطبہ کے مسلمان بھی اپنے حاکم عبدالرحمٰن ثانی بن حکم کے زیر سایہ اطمینان کی زندگی بسر کر رہے تھے، لیکن وہاں کی مسیحی رعایا نے جو شمالی صوبوں میں آبادتھی، مذہبی جوش جنوں میں اُنھوں نے یک بیک بغاوت کر دی، اگرچہ مذہب اسلام کے مقدس احکام کے مطابق اسلامی حکومت نے ان لوگوں کو ہر طرح کا آرام دے رکھا تھا، اُن کے مذہب میں پوری آزادی دی ہوئی تھی، مسلمانوں کی طرح تجارت وغیرہ کے مفاد میں انہیں کوئی روک ٹوک نہ تھی، لیکن مذہبی جوش نے اُنہیں ایسا دیوانہ بنا دیا تھا، کہ اُنھوں نے بہادران اسلام کے مقابل اپنا علم بغاوت بلند کر کے اعلان کر دیا، کہ ہر ایک اہل مسیح ہمارے جھنڈے کے نیچے جمع ہو جائے ؛

غرضیکہ تمام اسپین میں مسیحی شوق شہادت ایسا ہی پیدا ہو گیا جیسے قدیم زمانہ میں بال کے پجاریوں نے اپنی جانیں ہتھیلی پر دھر لیں تھیں ؛

اس بغاوت کا سرغنہ یولوجیس ایک مشہور مسیحی عابد تھا، جو قرطبہ کے معزز خاندان سے تھا، اگرچہ اس شخص نے اپنی عمر کا بہت سا حصہ عبادت و ریاضت میں گذارا لیکن جب سے مسلمان اسپین میں داخل ہوئے تھے، اس وقت سے مذہب اسلام کی برائی اور مسیحی تبلیغ کرنا اس نے اپنی زندگی کا دستور العمل قرار دے لیا تھا ؛

یوں تو عام لوگ اس کے معتقد تھے لیکن خاص اور مشہور لوگوں میں ایک دولت مند شخص اور ایک نوجوان خوبصورت کنواری لڑکی فلورا اپنی اپنی زیر اثر جماعت کے ساتھ یولوجیس کے ہم خیال اور شریک حال تھے ؛

فلورا کا باپ مر چکا تھا، اور وہ اپنے مسلمان بھائیوں کے ساتھ قرطبہ میں رہا کرتی تھی لیکن اس کی ماں نے مسیحی تعلیم سے اس کو اسقدر متاثر کر دیا، کہ وہ اپنے بھائی کے گھر سے خفیہ بھاگی، اور یولوجیس کے گروہ میں اس نے آن کر پناہ لی ؛

جب اس کے بھائیوں نے عیسائیوں پر مقدمہ چلایا، تو قاضی شہر نے اس لڑکی پر ارتداد کا جرم عائد کر کے اس بات کی اجازت دیدی، کہ اگر وہ اپنے مذہب اسلام میں آجائے تو چھوٹ سکتی ہے، لیکن راسخ الاعتقاد فلورا نے مسیحی مذہب چھوڑنے سے انکار کر دیا جب اس کے بھائیوں نے اپنی بہن کی یہ حالت دیکھی، تو اسے ایک محفوظ مکان میں چھپا دیا گیا، تاکہ عیسائی پھر نہ بھگا لے جائیں ؛

ایک عرصہ تک جب یولوجیس اور اس کا گروہ اپنی معتقدہ فلورا کو نہ دیکھ سکا تو عیسائیوں نے یہی خیال کیا، کہ فلورا مقید کر دی گئی ہے۔ اس خیال نے ان کو مسلمانوں سے اور بھی برگشتہ کر دیا، اور یہاں تک عیسائیوں نے سرکشی اختیار کی، کہ عین عید الفطر کے دن جب کہ تمام مسلمان عید کی خوشیاں منا رہے تھے، ایک عیسائی پر فلکس نے مذہب اسلام

کی توہین کی، ادھر پرفکٹس مسلمانوں کے ہاتھ سے قتل ہوا، ادھر مسیحی باغیوں نے اس کی لاش پر مظاہرہ کیا، اور آخر کار پرفکٹس مقتول کو شہید ڈائی گلیشن کا خطاب دیکر نہایت تعظیم و تکریم سے دفن کیا گیا ؛

۲۱۵ھ میں خلیفہ مامون الرشید نے ملک روم پر حملہ کیا، اور قلعہ قرہ و ماجدہ کو فتح کیا، اس کے بعد دمشق ہو کر ۲۱۶ھ میں پھر ملک روم پر حملے کئے، اور وہاں سے مصر کا سفر کیا ؛

۲۱۸ھ میں خلیفہ مامون الرشید نے اپنا مذہبی عقیدہ خلق قرآن پھیلانا چاہا، لیکن اسے اس مسئلہ میں کامیابی نہ ہوئی ؛

آخر اسی سال ۱۸ ماہ رجب ۲۱۸ھ میں جبکہ خلیفہ مامون الرشید بمقام بذندون میں تھے اسی جگہ آپ کی روح قفس عنصری کو چھوڑ کر عالم جاودانی کو سدھاری، اور آپ کی میت کو طرطوس میں دفن کیا گیا ؛

مامون الرشید کے عہد خلافت میں جو واقعات رونما ہوئے وہ سب اس کی ذات سے وابستہ مشہور ہوئے ہیں، اور اکثر لوگوں کو معلوم ہیں، اسلئے ہم نے ان حکایات کو درج نہیں کیا، البتہ اس قابل خلیفہ کے بہترین اقوال اس قابل ہیں، کہ انہیں ہر ایک شخص ہمیشہ یاد رکھے، اور ان پر عمل کرے ؛

اقوال خلیفہ مامون الرشید

(۱) آدمی تین قسم کے ہوتے ہیں، ایک قسم تو یہ ہے، جو بمنزلہ غذا کے ہیں، ان کی صحبت کے بغیر چارہ ہی نہیں، دوسری قسم کے لوگ بمنزلہ دوا کے ہیں، یعنی بحالت مرض ان کی ضرورت لاحق ہوتی ہے، تیسری قسم کے لوگ بمنزلہ بیماری کے ہیں، وہ ہر حال میں مکروہ ہیں، ان سے بچنا چاہیئے ؛

(۲) مجھے غلبہ صحبت بہ نسبت غلبہ قدرت کے اچھا معلوم ہوتا ہے، یہ اس لئے کہ غلبہ قدرت زوال قدرت کے وقت زائل ہو جائے گا، مگر غلبہ صحبت کو کسی وقت کوئی زوال نہیں ہے ؛

(۳) جو شخص تمہاری نیک نیتی کا مشکور نہ ہوگا، وہ تمہاری نیکی کرنے کا بھی ممنون نہیں ہو سکتا ؛

(۴) سلطان (بادشاہ یا حاکم) کی خوشامد پسندی بہت بُری ہے، اور اس سے بدتر قاضیوں کی تنگ دلی، جبکہ وہ معاملہ سمجھنے سے پہلے سرزد ہو، اور اس سے بدترین متمول لوگوں کا بخل، اور بوڑھوں کا مذاق کرنا، جوانوں کا سستی کرنا، جنگ میں بُزدلی دکھلانا ؛

(۵) وہ شخص اپنی جان کا دشمن ہے، جو کسی ایسے شخص کی قربت کا خواہاں ہوں، جو اس سے دُوری اختیار کرے، اور ایسے شخص کی تواضع کرے، جو اُس کی قدر نہ کرتا ہو اور ایسے شخص کی تعریف کرنے سے خوش ہو۔ جو اُسے جانتا ہی نہ ہو ؛

مامون الرشید کے عہدِ خلافت میں حکومتِ اسلامی کا جغرافیہ

خلفائے عباسیہ میں خلیفہ مامون الرشید کا عہد خلافت اسلامی مملکت میں شاندار ترقی کا باعث تھا، چنانچہ مامون الرشید کے عہد خلافت میں مملکت اسلامی کے حدود اربعہ ذیل تھے ؛

مشرق میں سرزمین ہند تھوڑا سا ملک چین کا اور خلیج فارس ؛

مغرب میں رومی سلطنت کے حدود جن کو آج کل بحیرہ اسود، ایشیائی کوچک بحیرہ روم، روس اور بلغاریہ سے تعبیر کرتے ہیں ؛

شمال میں ایشیار، سریہ، خزر، اور بولان کے ممالک، اور یورپ میں سیرینیہ کا پہاڑی سلسلہ، جو آج کل کے نقشوں میں سائبیریا، بحیرہ قزوین، اور بحیرہ روم پر قیاس کئے جا سکتے ہیں ؛

جنوب میں بحیرہ فارس اور ممالک نوبہ کے وہ حصے جو مصر سے ملتے ہیں ؛

غرضیکہ اس زمانہ میں مملکت اسلامی ستائیس ممالک پر منقسم تھا، سات ملک تو مغرب میں اور بیس مشرق میں واقع تھے، جن کی تفصیل یہ ہے :-

(۱) **دیارِ عرب**۔ جس کو جزیرہ عرب کہنا چاہیئے، اس ملک کو عبادان، یعنی

مغربی ممالک عرب، شام بحیرہ فارس
دیار مغرب بحیرہ روم الجزیرہ مصر

دجلہ کے دہانے سے بحیرہ فارس نے گھیر رکھا تھا اور وہ بحیرہ یمن سے ہوتا ہوا عمان کو نکل گیا تھا، پھر وہاں سے چکر کاٹتا، مہرہ، حضرموت اور عدن کے ساحل کو گھیرتا ہوا، جدہ تک ساحل یمن کو چلا گیا تھا، اور وہاں سے مدین تک پھیلتا ہوا، ایلہ کو جا پہنچا تھا عربی جغرافیہ دان اُن تمام دریاؤں کو بحیرہ فارس سے تعبیر کرتے ہیں، جو ملک عرب کو اپنے حلقہ میں لئے ہیں مگر اس میں اتنا فرق ہے، کہ تری کا وہ سلسلہ جو باب مندب سے ایلہ تک منجمد ہوتا چلا گیا ہے اُسے بحیرہ قلزم کہتے ہیں، جسے آج کل بحیرہ احمر کہا جاتا ہے، اس کی شمال مغربی جانب کی خشکی حدبندی ممالک شام اور فلسطین کو ایک خمدار خط سے کرتے ہیں، جو ایلہ سے بحیرہ مردار کو ملا کر شرارت، بلقاد، ارزعات، سلمیہ، اور قناصرہ کو سلسلہ میں لیتا ہوا فرات سے جا ملا ہے اور وہاں سے رقہ، قرقیا، رحبہ، اور کوفہ کو گھیرتا ہوا، بطائح، اور واسطہ کو شامل کرتا عبادان تک چلا گیا ہے، دیار عرب کی تقسیم بھی کئی صوبوں پر کی جاتی ہے، حجاز:- اس میں مکہ شریف طائف، مدینہ منورہ اور یمامہ مع اپنے مخالیف کے شامل ہیں، نجد حجاز جو سرزمین یمن سے منفصل ہے، بادیہ عراق، بادیہ الجزیرہ، بادیہ شام، یمن جو کہ تہامہ پر بھی مشتمل ہے، نجد یمن۔ عمان، مہرہ حضرموت، صنعا اور عدن مع تمام مخالیف یمن کے۔

(۲) ملک شام۔ جس سے عموماً ارض سوریا مراد تھی، اس کی سات حصوں پر تقسیم کی گئی تھی، فلسطین، اردن، حمص، دمشق، قنسرین، عواصم، ثغوریہ، حدی اضلاع، یہ سب چھاؤنیاں تھیں، پہلی چھاؤنی فلسطین کے حدود اربعہ کی تفصیل یہ ہے:-

مصر کی جانب مقام "رفح" شمال میں العون جس کے ضمن یافا ریحا، بیب لحم۔ غزہ، شراطہ، بحر مردار، غور بیسان، اور فابلس شامل تھے، فلسطین کا صدر مقام رملہ تھا، جو وسعت آبادی کے لحاظ سے بیت المقدس کا ہم پایہ سمجھا جاتا تھا۔

دوسری چھاؤنی اردن کا صدر مقام شہر طبریہ تھا۔

تیسری چھاؤنی حمص کا صدر مقام شہر حمص تھا، اور اس کے ماتحت شہر بادیہ کے کناروں پر طرطوس، اور سلمیہ تھے، ان کے علاوہ شیراز اور حماۃ بھی تھے ؛

چوتھی دمشق، اس کا صدر مقام شہر دمشق تھا، جو ملک شام کے تمام شہروں میں خوبصورت اور بڑا تھا ؛

پانچویں، قنسرین، اس کا صدر مقام شہر حلب تھا، جو آج بھی ویسا ہی شہور ہے، چونکہ وہ ملک شام کے راستے میں پڑتا تھا، لہٰذا اُس کی رونق اور شان بہت بڑھ گئی تھی، سرحدی اضلاع (ثغور) اور عواصم کو جاتے ہوئے بھی یہ شہر راہ میں پڑتا ہے، اس کے شہروں میں قنسرین چھوٹا شہر تھا، اور معرۃ النعمان اوسط درجہ کا ؛

چھٹی عواصم، یعنی ملک شام کا وُہ بالائی حِصّہ جو حلب کے بعد اسکندریہ تک پھیلتا ہوا گیا ہے، عواصم کا صدر مقام انطاکیہ کا شاندار شہر تھا، جو خوبی اور خوش اسلوبی میں دمشق کا ہمسر سمجھا جاتا تھا، اور رومیوں کے زمانہ میں ملک شام کا پایہ تخت رہ چکا تھا، اس شہر کے گرد ایک زبردست اور مستحکم شہر پناہ بنی ہوئی تھی، جس کا دورہ ایک سوار کے دو دن قطع مسافت کرنے سے طے ہوتا تھا، کہا جاتا ہے، کہ نہر فرات کے کنارہ پر آبادی اور صحرائی مقامات میں منبج بھی عواصم کے نامی شہروں میں شمار ہوتے تھے ؛

ساتویں ثغور، یعنی سرحدی مقامات ان ممالک کو کہا جاتا ہے، جو عواصم کے اس طرف ایشیائی کوچک سے کوہ طورس تک واقع تھے، اور اُن کے مشہور شہر یہ ہیں، نہر فرات کے کنارہ پر سمیاط، ملطیہ یہ سب سے اہم سرحدی مقام تھا، اور یہاں محافظ فوج کا زبردست کیمپ رہا کرتا تھا، حصن منصور، حدث، مرعش، زبطرہ، ہارونیہ، مصیصہ، اذنۃ اور طرطوس، اور کبھی ان سرحدی اضلاع کو عواصم کے حلقہ میں شامل کیا جاتا تھا ؛

لیکن ثغور انہیں مقامات کو کہا جاتا ہے، جو اسلامی مملکت اور ممالک روم کے مابین حد فاصل تھے، اسی وجہ سے سرحدوں کی دو قسمیں کردی گئی تھیں ؛

ثغور شامیہ یعنی وُہ سرحدیں جو ملک شام سے متصل تھیں اور حدود خبریہ یعنی وُہ سرحدی تھانے جو الجزیرہ سے ملحق تھے ؛

(۳) بحیرہ فارس یعنی اُس زمانہ کے مطابق وُہ دریا جو دریائے دجلہ واقع مُلک عراق کے دہانہ سے ایلہ تک سرزمین عرب کو اپنے حلقہ میں لئے ہوا ہے، نیز اس کے اندر دریا کے وُہ سب حصے جن کو اُن دنوں خلیج فارس، بحیرہ عرب، خلیج عدن، بحیرہ احمر اور خلیج عقبہ کے جداگانہ ناموں سے تعبیر کیا جاتا ہے، شامل ہیں، جن کی تفصیل کی ضرورت نہیں ؛

(۴) دیارِ مغرب۔ اِس زمانہ کی اصطلاح کے مطابق شمالی افریقہ کے تمام وُہ ساحل جو مُلک مصر کی حدود سے اِس طرف مغرب میں واقع ہیں، اور جن میں برقہ، افریقہ یعنی ٹیونس تاہرت، واقع الجزائر، طنجہ، سوس اور زدیلہ مُلک مراکو کے شہر شامل ہیں ؛

برقہ ایک متوسط درجہ کا شہر ہے، جو شاداب زمین کے سطح مستوی پر واقع اور چاروں طرف بیابانوں سے گھرا ہوا ہے، اُن بیابانوں میں بربری قبائل سکونت پذیر ہیں، اور برقہ اور افریقہ کے مابین طرابلس الغرب کا مشہور شہر واقع ہے، جو ممالک افریقہ کا ایک شاندار شہر اور سرتاپا سنگین عمارتوں سے بنا ہے، اِس کے بعد مہدیہ اور پھر ٹیونس ہے جو بڑے آباد شہر ہونے کے علاوہ بہت سرسبز مقام ہیں، بعد ازاں قیروان افریقیا کا پایۂ تخت اور وہاں کا سب سے بڑا شہر ہے، یہ صحرائی سرزمین کے اندر آباد ہے، اور اسی کے مثل تاہرت کو بھی سمجھنا چاہیئے، افریقہ کے باقی شہروں میں ایک قابلِ ذکر مقام سجلماسہ ہے جو لق و دق بیابان میں واقع ہے ؛

اندلس (اسپین) کو بھی عربی جغرافیہ دانوں نے ممالک مغرب کا ایک حصہ قرار دیا ہے یہ ایک وسیع مُلک ہے، جس کا پایۂ تخت قرطبہ ہے، اور اس کے حدود اربعہ مشہور ہیں ؛

اندلس کے دوسرے مشہور شہر۔ جیان، طلیطلہ، سرقسط، لاردہ۔ وادی الحجارہ، ترجالہ

قوریہ، ماروہ، باجہ، غافق، لبلہ، قرمونہ، استجہ اور ریہ وغیرہ ہیں، اور اِس کے ساحلی مقامات شنترین، مالقہ اور جبل طارق وغیرہ ہیں ؛

(۵) بحیرہ روم یعنی دریائے روم کے جزیرے جن کی تفصیل کرنا غیر ضروری ہے ؛

(۶) الجزیرہ۔ دریائے دجلہ و فرات کے مابین ایک وسیع ملک کا نام تھا جس کو ما بین النہرین بھی کہتے تھے، اِس مُلک کے شمالی حصّہ کو الجزیرہ اور جنوبی خطہ کو عراق کے لقب سے ملقب کیا گیا تھا، جن کی حد فاصل دریائے دجلہ کے ساحل پر شہر تکریت اور نہر فرات کے کنارہ پر انبار۔ یا ہیت کے شہر تھے، الجزیرہ کے ملحقات میں چند ایسے مقامات کا شمار تھا، جو دونوں دریاؤں کے کناروں پر جابجا واقع تھے، الجزیرہ جس میں سو سے زیادہ کردوں کے خاندان بود و باش رکھتے تھے، اور وُہ لوگ کھیتی باڑی کے ساتھ مویشیوں کی پرورش سے بھی اپنا گذر اوقات کرتے تھے، اِن مقامات کو رُوم کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا، بلاد فارس میں صرف اُن قبائل کے تقریبًا ..... ۵ گھر اندازہ کئے گئے ہیں، جو عربی خانہ بدوشوں کی طرح سردی اور گرمی کے موسموں میں کافی چارہ اور پانی رکھنے والی سرزمینوں کو اپنے قیام کے لئے تلاش کرتے رہتے تھے، اور کم سے کم صرف ایک گھر میں صاحب خانہ، مزدور پیشہ، اور چرواہوں کو ملا کر تقریبًا دس مرد ہوتے تھے، جن کے اعتبار سے اگر فی گھر صرف پانچ مردوں کا اوسط لگایا جائے تو کردوں کی قوم میں مردوں کی تعداد پچیس ۲۵ لاکھ شمار ہوتی ہے، عورتوں اور بچوں کے شمار کو اِس پر اضافہ کرنے سے اِس قوم کی مجموعی مردم شماری دس تین سے کم نہیں ہو سکتی ؛

(۷) طبرستان، یہ مُلک مشرقی جانب دیلم سے ملا ہُوا، اور بحر خزری کے ساحل پر واقع تھا، اس کی مشرقی حدود جرجان اور مغربی حدود دیلم سے ملے ہوئے تھے، وہاں کے بڑے شہروں میں آمل صوبہ کا صدر مقام تھا، ساریہ اس شہر یا ضلع میں پانی بکثرت تھا یعنی نالوں اور نہروں کی افراط تھی، اور دماوند بھی اسی مُلک کا اچھا شہر تھا ؛

(۷) **کرمان** - یہ ملک فارس سے باعتبار وسعت بہت بڑا تھا، اس کے مغربی حدود خاص فارس سے ملے تھے، اور مشرقی حدود مکران اور سجستان سے شمال کی جانب خراسان کا ریگستان اور جنوب کی سمت بحیرہ فارس اس کی حدود سے متصل تھے، وہاں کے مشہور شہر، شیرجان، بم، جیرفت اور ہرموز تھے ؛

(۸) **جرجان** - یہ ملک طبرستان کے مشرقی جانب اور کچھ اس کے شمال میں بھی واقع تھا، اس کی حدبندی شمال میں ترکستان، جنوب میں قومس، مشرق میں خراسان اور مغربی جانب بحیرہ خزر کرتا تھا، اس ملک کا سب سے بڑا شہر جرجان تھا، جو آمل سے زیادہ بڑا اور شاندار تھا، اور جنوبی حصہ ملک میں استرآباد کا شہر عمدہ تھا، اور شہر وبتان جو ساحل دریا پر واقع تھا ؛

(۹) **مکران** - یہ ملک کرمان کے مشرقی جانب ہے، اور اس کے مشرق میں طوران اور ملک سندھ کے بعض مقامات ہیں، شمال میں سجستان اور ممالک ہند اور جنوب میں بحیرہ فارس اس کی حدبندی کرتے ہیں، جو صوبہ کرمان سے بڑا ہے، وہاں کے مشہور شہر یہ ہیں، تیز، کنیز، ورک، اور رسک ؛

(۱۰) **قومس** - یہ ملک جرجان اور طبرستان کے جنوب میں واقع تھا، اس کی شمالی سرحد انہیں ملکوں سے متصل تھی، جنوب و مشرق میں اس کی سرحدیں خراسان کے ریگستان سے ملتی تھیں، اور مغرب میں رے کے مضافات اس کے حدود تھے، یہاں کا صدر مقام شہر دامغان تھا ؛

(۱۱) **طوران** - یہ ملک فارس سے بہت چھوٹا ہے، مغربی سمت سے مکران اور شرقی و شمالی طرفوں سے بلاد سندھ کے مابین واقع تھا، اور جنوبی طرف کو بحیرہ فارس اس کی حد تھا، وہاں کے شہر شہر حعالی، کنیز کانان اور قصدار تھے ؛

(۱۲) **صحرائے خراساں**، یعنی وہ بے آب و گیاہ میدان جو بلاد مشرق کے وسط میں

واقع تھے، شمال میں قومس، جنوب میں بلاد فارس اور سجستان، مشرق میں سجستان اور خراسان مغرب میں کوہستان اور رے، اس کی حد بندی کرتے تھے، ان بیابانوں کے رہنے والوں کی تعداد عرب کے صحرائی باشندوں سے بہت کم تھی، اور ان صحراؤں کا کچھ حصہ ملک خراسان کے زیر اثر تھا، اور کچھ حصے فارس اور کرمان کے صوبوں میں شامل تھے یہ ریگستان نہایت دشوار گذار تھے، جن میں پانی کی کمی ہونے سے سفر کرنا دشوار تھا ؛

(۱۳) **سندھ**۔ اس ملک کے مشرقی حصہ میں اسلامی ممالک کی آخری حد تھی، وہاں کے مشہور شہر حسب ذیل تھے منصورہ (یا برہمن آباد) دیبل دریا کے کنارہ پر، اور ملتان وغیرہ، شہر منصورہ نہر مہران کی ایک پہاڑی پر واقع تھا، اور بطور ایک جزیرہ نما کے تھا، وہاں کے باشندے مسلمان تھے ؛

(۱۴) **سجستان**، مکران کے شمالی جانب واقع تھا، اس کی مشرقی حدود ریگستان تھا جو اس کے اور ملک سندھ کے مابین واقع ہے، جنوب میں مکران، شمال میں سرزمین ہند اور مغرب میں خراسان کا ریگستان اس کی حد بندی کرتے تھے، وہاں کے بڑے بڑے شہروں میں سے زرنج، بست، طاق وغیرہ مشہور ہیں ؛

(۱۵) **آرمینیہ**۔ یہ ملک ممالک اسلامی کے بالائی ملکوں میں الجزیرہ کے اوپر واقع تھا اس کے حدود اربعہ حسب ذیل ہیں، مشرق میں آذربائیجان، اور اران، مغرب میں بلاد روم (ایشیائے کوچک، شمال کی جانب کوہستان قبق (کاکیشیئس)، اور جنوب کی سمت میں الجزیرہ ارمینیہ کا صدر مقام شہر دبیل تھا، جس میں دارالامارۃ بھی تھا، اور وہاں کے رہنے والوں میں غالب تعداد نصاریٰ کی تھی، وہاں کے مشہور شہر خلاط، ارزان، قالیقلا اور میافارقین تھے ؛

(۱۶) **خراسان**۔ یہ ملک مشرقی ممالک میں سب سے بڑھ کر وسیع اور زرخیز ملک ہے، اس کی حدود اربعہ کی تفصیل یہ ہے، شمال مشرقی گوشہ میں ملک ماوراء النہر، جنوب مشرقی

گوشہ میں بلاد سندھ اور سجستان، شمال کی سمت میں خوارزم اور ترکستان کے شہر غزنوی کے مضافات، جنوبی سمت میں خراساں کے ریگستان اور صوبہ فارس اور مغرب میں قومس خراسان کی تقسیم کئی احاطوں پر کی گئی تھی، سب سے بڑے احاطے نیشاپور، مرو، ہرات اور بلخ، اور اسی کے قریب کوہستان کا احاطہ بھی تھا، اور طوس انسا۔ ابیورہ، سرخس بوشیخ، باذنہیس، کنج، استاق، مردرود، جوزجان، تخارستان زم، رواحل یہ تمام شہر ملک خراسان کے ضلعے تھے؛

خراسان کا دارالسلطنت شہر نیشاپور تھا جو وہاں کے شہروں میں سب سے بڑا تھا، یہ مسطح اور نرم زمین پر واقع تھا عمارتیں خام مٹی سے بنی تھیں، اور اس کی وسعت ایک فرسخ (۳میل) مکعب ہے، مرو کا شہر جو مرو شاہجہان کے نام سے بھی مشہور ہے بہت پرانا شہر ہے، ملک خراسان میں بہت سے پر رونق اور آباد شہر ہیں، وہاں کی مردم شماری بھی زیادہ ہے، سرزمین نہایت زرخیز ہے؛

(۱۷) **آذربائیجان** یہ ملک الجزیرہ کے مشرق میں واقع تھا، اس کی مغربی سرحد الجزیرہ، اور آرمینیہ سے ملتی تھی، اور شرقی حدود کا اتصال بحر خزر، اور بلاد دیلم سے تھا شمال میں بلاد ران، اور جنوب میں کور الجبال اس کی حدیں تھیں، اس کا صدر مقام شہر اردبیل تھا، فوجی چھاؤنی اور دارالامارۃ بھی وہیں تھا، اس شہر کا طول وعرض دو دو میل مربع بیان کیا گیا ہے، اردبیل کا ہم پلہ ایک دوسرا شہر مراغہ نامی بھی تھا، جو پہلے زمانہ میں صدر مقام بھی رہ چکا تھا، شہر ارمینہ بحیرہ شرات کے ساحل پر آباد اور بہت بڑا شہر تھا، آذربیجان کے باقی شہروں میں قابل ذکر سماس، مرندا اور شیر صرف تین اور ہیں؛

(۱۸) **ماورالنہر** - یہ شمال مشرقی گوشہ میں اسلامی مملکت کا سب سے آخری ملک تھا، اس کی حدود بندی شمال میں بلاد ترکستان، اور بلاد ہند سے گوشہ جنوب مغربی خراسان سے جس کی درمیانی حد فاصل نہر جیحوں تھی، شمال مغربی گوشہ میں خوارزم سے اور جنوبی سمت

میں طخارستان سے ہوتی ہے۔ یہ ملک سب سے بڑھ کر زرخیز اور سرسبز شاداب تھا، اس کے مشہور شہر ہیں، بخارا، سمرقند، کش، غشاب، بیکند، ساغانیان، فرغانہ، سوز شاس، اشروسن، خجند ؂

(۱۹) **بلاد الران**۔ یہ ملک آذربائجان کے شمال میں ہے، اس کی حدود کا اتصال مشرق میں بحیرہ خزر سے، مغرب میں آرمینیہ سے، شمال میں کوہستان قبق سے اور جنوب میں آذربائجان سے ہوتا ہے، وہاں کے بڑے بڑے شہر برذعہ، تفلیس، باب بیلقان اور شاذران وغیرہ ہیں ؂

(۲۰) **خوارزم**۔ یہ ملک نہر جیحون کے کنارے پر شمالی سمت میں بشکل مستطیل پھیلتا چلا گیا ہے، اس کی شمالی حد بحیرہ خوارزم اور جنوبی حد خراسان اور بلاد صغد ہیں، اور مشرق و مغرب کی جانب ریگستانوں سے گھرا ہوا ہے، اس کا صدر مقام شہر خوارزم نہایت پُررونق تھا، خوارزم کے ملحقات میں چند ایسے مقامات کا شمار تھا، جو دونوں دریاؤں کے کناروں پر جا بجا واقع تھے، اور الجزیرہ کے حدود اربعہ یہ تھے، شمالی جانب سے میافارقین اور وہ مقامات جو اس کے ساتھ مغرب رویہ ملتے ہوئے عطیہ کے قریب دریائے فرات تک واقع تھے، جنوبی سمت سے ہشیت جو نہر فرات پر واقع تھا، اور تکذیت جو دریائے دجلہ کے کنارے آباد تھا، جنوب مغرب رویہ کی حدود بندی بلاد الجزیرہ کے صحرائی مقامات کرتے تھے، اور مشرق میں کوہستانی ملک اور آذربائجان کا صوبہ اس کی سرحد سے ملحق تھا الجزیرہ کا ملک نہایت سرسبز و شاداب خطہ اور ممالک عراق کا ہم پلہ تھا، اور اس کے مشہور شہر یہ تھے، مغربی جانب دریائے دجلہ کے کنارے شہر موصل، دیار ربیعہ میں میدانی سرزمین کے اندر شہر سنجار اس شہر میں کھجور کے باغات بہت کثرت سے تھے، شہر نصیبین یہ الجزیرہ کا سب سے پُررونق شہر تھا، دارا ایک چھوٹا قصبہ، راس عین ایک ہموار زمین کا خوشنما شہر دیار مضر میں، بلندی دجلہ میں آمد اور دریائے دجلہ ہی کے کنارے پر جزیرہ ابن عمر بھی

تھا، اور الجزیرہ کے جو شہر نہر فرات کے کنارے واقع تھے، وہ یہ تھے، رقہ، قرقسیا، الحدیثہ اور ہیت اِس زمین کے وسط میں شہر حران جو کہ صابی وستارہ پرست لوگوں کا مقام تھا، اور قدیم زمانہ میں سریانی قوم کا زبردست دارالعلوم بھی تھا، نیز شہر رَوح ایک سرسبز شہر جہاں انگور کی پیداوار بکثرت ہوتی ہے ؛

الجزیرہ میں چند صحرا بھی تھے، جن میں ربیعہ اور مضر کے عربی قبائل آباد تھے، ربیعہ کے خاندان شمال مشرقی حصہ میں اور مضر کے گھرانے جنوب مغربی خطہ میں آباد تھے، اور اسلام سے قبل ان کی سکونت انہیں مقامات میں چلی آتی تھی، یہ دونوں عربی قبائل بکثرت اونٹوں اور گھوڑوں اور بھیڑ بکریوں کے مالک تھے، اس کے علاوہ وہ شہروں سے متصل دیہات میں رہنے کے عادی تھے، جس کی وجہ سے وہ نصف صحرائی اور آدھے شہری تصور کئے جا سکتے تھے، دریائے دجلہ کے کنارے پر ملک الجزیرہ کا آخری سرحدی مقام تکریت تھا، جس کے باشندے زیادہ تر عیسائی تھے ؛

(۲۱) مصر - ان ایام میں بھی مصر کی حدود انہیں ایام کے برابر تھی، اور اس کے ملحقات میں ممالک نوبہ اور بجاوہ بحر احمر کی حدود تک شمار کئے جاتے تھے، جس کے بعد خلیج عقبہ واقع تھی ؛

مشرقی ممالک - عراق، کوہستان، خوزستان، ارہولن، دیلم، فارس، طبرستان، کرمان، جرجان، مکران، تومس، طوران، خراسان، کاریگستان، سندھ، سجستان، آرمینیہ، خراسان، آذربائجان، ورالنہر، بلاد الران، خوارزم

(۱) عراق - یعنی ممالک مابین النہرین کا جنوبی حصہ اور اُس کے قرب وجوار کے مقامات اس کا طول شمال میں شہر تکریت واقع کنارہ دجلہ سے سمت جنوب کے شہر عبادان تک تھا، جو کنارہ بحیرہ فارس پر واقع ہے اور اس کا عرض مغربی سمت میں قادسیہ کوفہ سے مشرقی جانب کے شہر حلوان تک شمار کرنا چاہیئے، ملک عراق کا محیط معلوم کرنے کیلئے ہم کو تکریت سے مشرقی سمت میں شہر زور تک جانا ہوگا، اس کے بعد جنوب مشرقی گوشہ

میں حلوان اور بعدہٗ سیروان اور حمیرہ پر حدود سوس گے سے عبادان تک طے کرتے ہوئے بصرہ کی جانب پھر جانا پڑیگا، اور یہاں سے شمال مغربی گوشہ میں سواد بصرہ کے سنگلاخ مقاموں اور صحراؤں کی جانب کوفہ تک چڑھنا پڑے گا، اور اس کے بعد فرات کے کنارے کنارے انبار تک جا کر پھر شمالی سمت میں تکریت کی جانب واپس آنا ہوگا، اس قطعۂ ملک کو جو دجلہ اور فرات کے مابین واقع تھا، سواد کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا تھا، اسلامی تمدن کے ایام عراق کے حدود مذکورہ بالا بیان کے مطابق تھے، جو آج کل کے زمانہ میں بالکل بدل گئے ہیں، اور اس تبدیلی کی خاص وجہ دونوں دریاؤں کے بہاؤ کا تغیر ہے عراق کا مشہور شہر بغداد اس کا صدر مقام تھا، اور اسلامی سلطنت کے عروج و عظمت کے ایام میں اس کا پائے تخت خلیفہ منصور نے ہی اس شہر کو تعمیر کرایا تھا ؎

بصرے خاص اہل عرب کی بستی تھی، مسلمانوں نے خلیفہ عمر بن الخطابؓ کے عہد میں اس کی بنیاد ڈالی، شہر بصرہ کے مفصلات میں بہت سی پتھریلی سرزمین تھیں ؎

واسطہ یہ بھی اہل عرب نے ہی نہر فرات کے مغربی کنارے پر تعمیر کیا تھا، ؎

نہروان، دریائے دجلہ کے مشرقی سمت میں ایک نہر پر واقع تھا، جو اب بالکل خشک ہو گئی ہے، حلوان ملک عراق کا آخری سرحدی شہر مشرقی گوشہ میں کوہستان کے قریب بہت پُر رونق اور شاندار مقام ہے، حیرہ شاہان عراق کا قدیم پایۂ تخت کوفہ کے قریب رود ابلہ بصرہ کے متصل ؎

(۲)، **کوہستان**، یعنی کور الجبال ملک فارس کے کوہستانی مقامات، اس کی تقسیم کئی حصوں یا کوردون، پر کی جاتی ہے مشہور کور یہ ہیں، ماہ الکوفہ، جس کو دینور کہتے ہیں، ماہ البصرہ جس کا نام نہاوند ہے، اس ملک کی مشرقی حد خراسان کا ریگستان اور ملک فارس تھا، مغرب میں عراق اور الجزیرہ، شمال میں آذربائجان، دیلم رے، اور قزوین، جنوب میں خوزستان، اور عراق، اس کے مشہور شہروں میں سب سے

بڑا شہر ہمدان ہے، اور اس کے علاوہ دینور، ماہندران، اصفہان، قم، کاشان، نہاوند، الور، الکرج، قزوین، شہر زور اور حلوان بھی مشہور شہر تھے ؛

ہمدان کی مسافت ایک فرسخ مکعب تھی، اور اس کے گرد نہایت مستحکم شہر پناہ تعمیر تھی، جس میں آہنی پھاٹک لگے ہوئے تھے ؛

دینور یعنی ماہ الکوفہ اس کی دو تہائی کے برابر تھا، اصفہان در اصل دو شہروں کا نام تھا، جن کے مابین دو میل کا فاصلہ تھا، مگر وہ ایک ہی شمار کئے جاتے تھے، نہاوند ماہ البصرہ ایک پہاڑ پر واقع تھا، اور اس کی عمارتیں خام مٹی سے بنی تھیں، شہر حلوان اس پہاڑ کے قریب میں آباد تھا، جو سرحد کے قریب واقع ہے، اور وہاں سے نظر آتا ہے ؛ شہر زور بھی ملک عراق سے نہایت نزدیک تھا، قزوین ملک فارس کی بلندی میں واقع تھا، اور بلاد دیلم کا سرحدی شہر تھا، شہر قم کے گرد بھی شہر پناہ کی دیوار تعمیر تھی، اور نہایت شاداب مقام تھا، قاشان ایک چھوٹا شہر تھا ؛

(۳) **خوزستان**۔ یہ ملک عراق کے مشرقی جانب اس کے اور ملک فارس کے مابین واقع ہے، اس کی شمالی حد کور الجبال، مشرقی حد ملک فارس، اور اصفہان، مغربی حد ملک عراق اور جنوبی حد خلیج فارس ہے، خوزستان کا صدر مقام شہر اہواز تھا، جس کی طرف منسوب کر کے اس ملک کو بھی اہواز کہا جاتا تھا، یہ ملک کئی ضلعوں میں تقسیم کیا گیا تھا، پہلا ضلع خود اہواز اور اس کے علاوہ جندی سابور، سوس، تستر، رامہرمز، سرق، عسکر اور مکرم تھے، ہر ایک کورہ (ضلع یا کمشنری) کا صدر مقام وہی شہر تھا جس کے نام سے وہ ضلع موسوم کیا جاتا تھا ؛

(۴) **رہوان ویلم**۔ بحر خزر (دریائے قزوین) کے کنارے پر واقع ہونے والے کوہستانی سلسلہ کا نام تھا، اس کی حدود کی تفصیل یہ ہے جنوب میں قزوین، اور کچھ حصہ آذربائجان کا، شمال میں بحر خزر، مشرق میں قومس، اور مغربی جانب کو آذربائجان ؛

دیلم کے باشندے دو قسم کے تھے، ایک پہاڑی اور دوسرے میدانی، ملکوں کے باشندے دیلم کے ماتحت مقامات رے ابہر، زنجان، طالقان اور دیبان کے شہر تھے۔

(۵) **فارس**، یہ ملک مغرب میں ملک خوزستان اور شرقی سمت صوبہ کرمان کے درمیان واقع ہوا تھا، اس کی سرحدیں شمال میں اصفہان، اور صحرائے خراسان سے ملتی تھیں، اور جنوب و مغرب کی حدبندی دریائے فارس کرتا تھا، فارس کا ملک پانچ احاطوں میں تقسیم تھا، سب سے بڑا احاطہ اصطخر تھا جس کا صدر مقام بھی شہر اصطخر تھا، اس کے بعد احاطہ اردشیر کا نمبر تھا جس کا صدر مقام جور تھا، اور اسی احاطہ میں شیراز کا شہر بھی تھا، جو ملک فارس کا پایۂ تخت ہے، واقع تھا، اور شیراز میں ہی تمام ملکی و مالی دفتروں کی کچہریاں اور دارالارۃ بھی تھا اس کے بعد احاطہ دارابگرد اور احاطہ ارجان، جس کا صدر مقام شہر ارجان تھا، بعد ازاں احاطہ ساپور جو ملک فارس کے تمام احاطوں سے چھوٹا تھا، اور اسی احاطہ میں شہر گازرون واقع تھا۔

۲۱۸ھ تا ۲۲۷ھ

ابو اسحٰق المعتصم باللہ
عہد خلافت ۸ سال ۸ ماہ

خلیفہ مامون الرشید کی وفات کے بعد چونکہ ترکوں نے اسے خلیفہ مقرر کیا تھا، اس لئے اس خلیفہ نے تخت خلافت پر بیٹھتے ہی ترکوں کو اپنی سلطنت میں بڑے بڑے منصب دیدیئے، اور انہیں سلطنت کی بہت سی خدمتوں پر بکثرت مامور کیا۔

عباسی حکومت کے شروع میں ملک ترکستان کے عاملوں کی طرف سے ترکوں کے چھوٹے چھوٹے لڑکے خلیفہ کے حضور میں نذر کے طور پیش ہوا کرتے تھے، اور ہر ایک خلیفہ ان غلاموں کی جماعت میں سے حسین اور گرانڈیل جوانوں کو چن کر اپنے رسالہ باڈیگارڈ میں بھرتی کرتا رہتا تھا، یہی غلام ممالیک یعنے خاندان غلام کہلائے۔

خلیفہ المعتصم بڑا طاقتور اور سخت دل شخص تھا، وہ انسان کے پہنچے کی ہڈی کو اپنی دو انگلیوں سے توڑ ڈالتا تھا ؛

المعتصم باللہ تخت خلافت پر بیٹھتے ہی ماموں الرشید کے نقش قدم پر چلا، اور مسئلہ خلق قرآن کے پھیلانے کیلئے عمر بھر کوشاں رہا، بہت سے علماء کو قتل کیا ؛

۲۲۰ھ میں دار الخلافہ بغداد سر من رائے میں منتقل کیا، وہ بھی محض ترکوں کی صحبت سے ؛

۲۲۳ھ میں روم پر فوج کشی کی، اور وہاں کے باشندوں کو سخت تکلیف پہنچائی، مگر عموریہ کو فتح کر لیا، اس جنگ میں معتصم نے تیس ہزار انسانوں کو تہ تیغ کر دیا، اس میں کچھ شک نہیں، کہ خلفائے عباسیہ میں سے اس خلیفہ نے جسقدر فتوحات کی ہیں، کسی خلیفہ نے نہیں کیں، شاہان آذربائجان، طبرستان، سیستان، اشہاصح، فرغانہ، طخارستان، صغہ کابل وغیرہ اس کے باجگذار تھے ؛

اس کا ارادہ تو یہ تھا، کہ مغرب کے آخری کنارہ کے شہر تک فتح کرے، لیکن موت نے مہلت نہ دی، آخر ۹، ربیع الاول ۲۲۷ھ میں اس شجاع خلیفہ کا انتقال ہوگیا ؛

۲۲۷ھ تا ۲۳۲ھ

ابو جعفر ہارون واثق باللہ عہد خلافت ۵ سال ۹ ماہ	یہ خلیفہ اپنے باپ کے عہد خلافت میں ہی ولی عہد مقرر ہو چکا تھا، باپ کے مرنے کے بعد تخت خلافت پر متمکن ہوا، نہایت ادیب اور

بامذاق شاعر تھا ؛

۲۲۹ھ میں اس نے ایک ترکی نژاد اشناس نامی کو نائب سلطنت مقرر کیا، جس کے سر پر تاج شاہی پہنایا، اس سے پہلے کسی خلیفہ نے اپنا نائب مقرر نہ کیا تھا ؛

۲۳۱ھ میں اس نے ماموں الرشید کے معتقدہ مسئلہ خلق قرآن کی تحقیق کی، اسی سال

ایک ہزار چھ سو مسلمان قیدی قیصر روم سے چھڑائے گئے ؎

سنہ ۲۳۲ھ میں سر من رائے میں خلیفہ واثق باللہ نے ۲۴ ذوالحجہ میں انتقال کیا ؎

سنہ ۲۳۲ھ تا سنہ ۲۴۷ھ

جعفر المتوکل علی اللہ
عہد خلافت ۱۴ سال ۹ ماہ

واثق باللہ کی وفات کے بعد جعفر المتوکل علی اللہ تخت خلافت پر بیٹھا، یہ بہت عیاش شخص تھا، اُس کی چار ہزار کنیزیں تھیں اور شب و روز شراب خواری میں منہمک رہتا تھا ؎

سنہ ۲۳۴ھ میں اس نے تمام محدثین کو مقام سامرہ میں جمع کر کے اُن کو خلعت و انعام سے سرفراز کیا ؎

سنہ ۲۳۵ھ میں تمام عیسائیوں میں یہ حکم نافذ فرمایا، کہ وہ گلوبند باندھا کریں ؎

سنہ ۲۳۶ھ میں حضرت امام حسین علیہ السلام کے روضہ مبارک کے اردگرد کے مکانات کو مسمار کرا کر بدعات سے روکا، اس پر وہ سخت بدنام ہوا ؎

سنہ ۲۳۷ھ میں قاضی مصر ابوبکر بن محمد بن ابو اللیث کے مظالم پر اس کو سزا دے کر برطرف کیا اور اُس کی جگہ حارث بن مسکین شاگرد امام مالکؒ کو قاضی مصر مقرر کیا، اسی سال شہر سقلان نذر آتش ہو کر خاکستر ہو گیا ؎

سنہ ۲۳۸ھ میں قیصر روم نے امیاطہ پر حملہ کیا ؎

سنہ ۲۴۰ھ میں کڑک آسمانی کے باعث بہت سے آدمی ہلاک ہوئے، عراق میں مرغی کے انڈے کے برابر اولے پڑے، مغرب کے تیرہ گاؤں زمین میں دھس گئے ؎

سنہ ۲۴۲ھ میں تونس، رے، خراسان، نیشاپور، طبرستان، اصفہان میں سخت زلزلے آئے، اور بعض جگہ زمین پھٹ گئی ؎

اسی سال یہ خلیفہ دمشق میں گیا، اور اسے بہت پسند کیا ؎

متوکل نے سب سے پہلے اپنے بیٹے منتصر کو اس کے بعد معتز اور موئید کو ولی عہد بنایا تھا لیکن بعد میں معتز کی ماں کی تحریک کے مطابق معتز کو ولیعہد اول مقرر کیا، منتصر نے اپنی حق تلفی کی نسبت بہت کچھ کہا، لیکن متوکل نے ایک نہ سُنی، جب ترکوں کو متوکل کی اس وعدہ خلافی کا حال معلوم ہوا، تو وہ منتصر کی امداد کو آمادہ ہو گئے، چنانچہ منتصر کے ساتھ مل کر متوکل کو جبکہ وہ عیش و عشرت میں مشغول تھا، آدھی رات کے وقت اُس کے وزیر فتح بن خاقان کے ساتھ شوال ۲۴۷ھ کو قتل کر دیا ؀

۲۴۷ھ تا ۲۴۸ھ

المنتصر باللہ عہد خلافت ۶ ماہ	اس خلیفہ نے اپنے باپ کو قتل کر کے خلافت پر قبضہ کیا اور

اپنے دونوں بھائیوں یعنی معتز اور موئید کو ولی عہدی سے معزول کر دیا ؀

یہ ترکوں کا مخالف تھا اس نے ترکوں کو سلطنت کے عہدوں سے معزول کر کے سزائیں دیں، اسی بنا پر ترکوں نے اس کو مار ڈالا، بعض مورخین کا قول ہے کہ اسے زہر دیا گیا، اور بعض زہر آلود نشتر سے فصد کھلانے کا واقعہ لکھتے ہیں ؀

مرتے وقت اس نے اپنی ماں سے کہا تھا کہ مجھ سے دین و دنیا دونوں چیزیں جاتی رہیں، میں اپنے باپ کی موت کا باعث ہوا تھا، لوگ میری موت کا باعث ہوئے، پانچویں ربیع الاول ۲۴۸ھ میں اس کا انتقال ہوا ؀

۲۴۸ھ تا ۲۵۲ھ

ابو العباس المستعین باللہ عہد خلافت تین سال	تخت خلافت پر متمکن ہوتے ہی یہ بھی ترکوں سے انتقام لینے لگا اس لئے ترک بگڑ گئے، اور ملک میں بغاوت ہو گئی، متلون مزاج

ترکوں نے اس کے جیتے جی ہی اُس کے دوسرے بھائی المعتز باللہ کے ہاتھ پر بیعت

کرلی، اس وجہ سے دونوں بھائیوں میں جنگ چھڑ گئی، مگر ترکوں کی چیرہ دستیاں بڑھتی ہی جاتی تھیں، اگرچہ المستعین باللہ تخت خلافت سے دست بردار ہو گیا تھا، مگر ترکوں نے اسے زندہ نہ رہنے دیا، بلکہ بہت بُری طرح قتل کر دیا ؛

سنہ ۲۵۲ھ تا سنہ ۲۵۵ھ

المعتز باللہ عہد خلافت تین سال ۵ ماہ	المعتز کی عمر صرف انیس۱۹ سال کی تھی، جس وقت کہ وُہ تخت خلافت پر متمکن ہوا اُس نے پہلے تو علی بن محمد کو نائب سلطنت بنایا،

پھر اُسے معزول کر کے اپنے بھائی ابو احمد کو نائب سلطنت مامور کیا، لیکن اُس نے ایک سال کے بعد المعتز سے بغاوت کی اسی جرم میں قتل کیا گیا ؛

سنہ ۲۵۴ھ میں صالح بن وصیف کی نسبت ترکوں نے المعتز سے کہا کہ اگر ہمیں کچھ رقم دی جائے، تو ہم اسے قتل کر دیں، چونکہ المعتز کو صالح سے ازحد عداوت تھی، اس لئے اُس نے ترکوں کو روپیہ دینے کا وعدہ تو کر لیا، لیکن یہ وعدہ ایفا نہ کیا، اس وعدہ خلافی پر ترک المعتز کے دشمن ہو گئے، اور اُنہوں نے صالح کو اپنے ساتھ ملا کر مظاہرہ کیا، اور اسی مظاہرہ میں المعتز کو بہت بُری طرح پیٹا، اور اسی طرح صدمہ میں وُہ پانچ روز کے بعد مر گیا ؛

سنہ ۲۵۵ھ تا سنہ ۲۵۶ھ

ابو عبداللہ محمد المہتدی باللہ عہد خلافت ایک سال	المعتز کے بعد واثق باللہ کے بیٹے ابو عبداللہ محمد المہتدی باللہ کے ہاتھ پر بیعت کی گئی ؛

موسیٰ بن بغا صالح کا دشمن تھا، اُس نے موقعہ پا کر صالح کو قتل کر دیا، اس واقعہ کو سُنکر المہتدی کو نہایت افسوس ہوا، اور اُسی وقت حکم دیا کہ موسیٰ اور اس کے ہمراہی

ترکوں کو قتل کر دیا جائے ۔

اس حکم کی موسیٰ کو خبر ہوگئی، اور اُس نے المہتدی کے قتل کا بھی ارادہ کر لیا، خلیفہ المہتدی باللہ کی طرف سے فرغانہ نے موسیٰ کا مقابلہ کیا، اور ایک دن میں چار ہزار ترک قتل کروائے، لیکن آخر کار فوج خلافت کو شکست ہوئی، اور خلیفہ المہتدی بھی اسی جنگ میں ماہ رجب ۲۵۶ھ میں مارے گئے ۔

۲۵۶ھ تا ۲۷۹ھ

المعتمد علی اللہ
عہد خلافت ۲۳ سال

اس خلیفہ کے مامور ہوتے ہی زنگی قوم نے بصرہ اور اس کے مضافات میں آفت بپا کر دی، تمام شہروں کو تباہ کیا، ہزاروں انسانوں کا قتل کیا، مکانات میں آگ لگا دی، سیہ کاریاں کیں، سینہ زوریاں کیں، اس لئے اُن کی سرکوبی کیلئے المعتمد کو فوج خلافت بھیجنا پڑی، یہ شورش تو فرو ہوگئی، لیکن اس کے بعد ہی عراق میں ایسی وبا پھیلی جس سے جنگ بغاوت سے زیادہ آدمی ہلاک ہوئے ۔

پھر اس کے بعد ۲۶۰ھ میں حجاز و عراق میں اسقدر قحط پڑا، کہ گیہوں کی ایک بوری ڈیڑھ سو دینار کو فروخت ہوتی تھی ۔

۲۶۱ھ خلیفہ المعتمد نے اپنے بیٹے مفوض الی اللہ جعفر کو ولیعہد بنایا، اُس کے بعد اپنے بھائی موفق طلحہ کو ولیعہد مقرر کیا، اور اُسی موفق کو ممالک شرق، و عراق، بغداد۔ حجاز، یمن، فارس، اصفہان، رے، خراسان، طبرستان، سجستان، سندھ کی حکومت تفویض کی اور اپنے بیٹے مفوض کو ممالک مغربی شام جزیرہ آرمینا وغیرہ کی حکومت پر مامور کیا ۔

۲۶۶ھ میں اہل روم نے دیار بکر پر قبضہ کر لیا ۔

۲۶۷ھ میں احمد بن عبداللہ نے خراسان، کرمان و سجستان پر قابض ہو کر عراق

پر بھی قبضہ کرنا چاہا، لیکن اس کے غلاموں نے اُسے قتل کر دیا ؎

سنہ ۲۷۱ھ میں ہارون بن ابراہیم ہاشمی نے اپنا تانبے کا سکہ جاری کیا، پہلے تو اِس کا رواج ہو گیا تھا، لیکن بعد میں موقوف ہو گیا ؎

سنہ ۲۷۸ھ میں موفق نے انتقال کیا اور معتمد باللہ اپنے حریف کی موت سے مطمئن ہو گیا

سنہ ۲۷۹ھ میں المعتمد باللہ نے اپنے بیٹے کی جگہ ابوالعباس معتضد باللہ کو اپنا ولیعہد بنایا اور اسی سال ۱۹ ماہ رجب سنہ ۲۷۹ھ میں المعتمد کا انتقال ہوا ؎

سنہ ۲۷۹ھ تا سنہ ۲۸۹ھ

احمد المعتضد باللہ
عہد خلافت نو سال ساڑھے ۹ ماہ

اِس خلیفہ کے عہد خلافت کے دوسرے سال یعنی سنہ ۲۸۰ھ میں داعی مہدی قید ڈال گیا، اور حاکم افریقہ سے جنگ ہوئی ؎

سنہ ۲۸۱ھ میں روم کا ایک شہر کموریا فتح ہوا، اسی سال المعتضد باللہ کے حکم سے مکہ شریف میں دارالندوہ گرا کر مسجد حرام کے پاس ایک مسجد تعمیر کی گئی ؎

سنہ ۲۸۲ھ میں المعتضد نے قطر الندیٰ بنت خمارویہ سے نکاح کیا، جس کے امیر الامراء والدین نے دس صندوق جواہرات کے اُسے جہیز میں دیئے ؎

سنہ ۲۸۳ھ میں ذوی الارحام کو میراث پانے کا حکم نافذ فرمایا ؎

سنہ ۲۸۶ھ میں ابوسعید نے لشکر شاہی کو شکست دیکر بصرہ پر قبضہ کر لیا، اور سنہ ۲۸۹ھ میں المعتضد سخت بیمار ہو گیا، اور اِس بیماری سے وہ جان بر نہ ہو سکا ؎

سنہ ۲۸۹ھ تا سنہ ۲۹۵ھ

المکتفی باللہ عہد خلافت
ساڑھے چھ سال

جس وقت معتضد کا انتقال ہوا ہے، اس وقت المکتفی رقہ میں تھا، معتضد کی وفات کے بعد وزیر سلطنت ابوالحسن نے المکتفی

کی طرف سے لوگوں سے بیعت لی، اور مکتفی کو بلا بھیجا، چنانچہ المکتفی باللہ، جمادی الاول کو بغداد میں پہنچا، جس کے آنے پر اہل بغداد نے اپنی مسرت کا اظہار کیا ؛

المکتفی نے رعایا کو بہت خوش کیا، اور بہت سی مسجدیں تعمیر کرائیں، یہ خلیفہ نہایت رحمدل، خوش خلق اور عادل تھا، اس کے عہد خلافت میں ۲۹۱ھ میں مضافات روم میں سے انطاکیہ فتح ہوا، اور بے انتہا مال غنیمت ہاتھ آیا ؛

۲۹۲ھ میں دریائے دجلہ کی طغیانی سے بغداد کا اکثر حصہ مسمار ہوگیا ؛

۲۹۵ھ میں ماہ ذی قعدہ کی ۲۲ تاریخ کو المکتفی باللہ کا انتقال ہوگیا ؛

۲۹۵ھ تا ۳۲۰ھ

جعفر المقتدر باللہ
عہد خلافت ۲۵ سال

خلیفہ المکتفی باللہ کے بعد معتضد باللہ کا دوسرا بیٹا جعفر المقتدر باللہ تیرہ سال کی عمر میں مسند خلافت پر جلوہ آرا ہوا، مگر نابالغی کے باعث ایک ہی سال کے اندر، ۲۰ ربیع الاول ۲۹۶ھ کو تخت پر سے اُتار دیا گیا، اور اُس کی جگہ المعتز بن المتوکل باللہ کے بیٹے عبداللہ بن معتز کو مامور کیا گیا، جو بنی عباس کا نامور شاعر گذرا ہے، مگر اس بدنصیب شاعر کو ایک دن بھی تخت خلافت پر بیٹھنا نصیب نہ ہوا کیونکہ ابھی تخت پر بیٹھے، چند ہی گھنٹے ہوئے تھے، کہ مخالفوں نے شورش ڈالدی، اور اُسے تخت سے اُتار کر پھر اُسی نابالغ المقتدر باللہ کو تخت پر بٹھایا، اس کے بعد ۳۱۷ھ تک المقتدر تخت خلافت پر متمکن رہا، لیکن اسی سال پھر طوفان مخالفت اُٹھا اور اُسے تخت سے اُتار کر اس کی جگہ ابوالمنصور محمد القاہر باللہ کو بٹھایا گیا، مگر تلون مزاج اراکین سلطنت کو اس پر بھی اعتماد نہ ہوا، چنانچہ چند روز کے بعد القاہر کو معزول کر کے پھر المقتدر باللہ کو تخت خلافت سونپا گیا ؛

المقتدر نے ان تین پلٹوں میں کل ۲۵ سال حکومت کی، آخر ۲۲ شوال ۳۲۰ھ

کو قتل کیا گیا ؛

سنہ ۳۲۱ھ تا سنہ ۳۲۲ھ

القاہر بامر اللہ عہد خلافت ڈیڑھ سال	المقتدر کے بعد معتضد کے بیٹے محمد القاہر بامر اللہ کو مامور کیا گیا ؛

اس خلیفہ کو تخت سلطنت سنبھالے ابھی ڈیڑھ سال کا ہی عرصہ ہوا تھا، کہ باغیوں نے اسے اندھا کر کے تخت خلافت سے علیحدہ کر دیا ؛

سنہ ۳۲۲ھ تا سنہ ۳۲۹ھ

محمد الراضی باللہ عہد خلافت ۶ سال ۱۰ ماہ	یہ خلیفہ مقتدر کا بیٹا تھا، جو جانشین خلافت ہوا، اس کے عہد خلافت میں ایک شخص حسن بن علی السمعانی نے طوفان اٹھا رکھا تھا، وہ

اپنے آپ کو خدا کہتا تھا، اور مردوں کو زندہ کرنے کا دعویٰ کرتا تھا ؛

الراضی باللہ نے اس مرتد کو قتل کرا دیا ؛

سنہ ۳۲۲ھ میں ابو الفضل اور ابو جعفر اس کے دونوں بیٹوں نے ملک مشرق و مغرب پر قبضہ کر لیا ؛

سنہ ۳۲۴ھ میں امیر بن رائق واسطہ حکومت پر ایسا حاوی ہوا، کہ وزارت اور دیگر دفاتر خلافت پر اس کا قبضہ ہو گیا ؛

سنہ ۳۲۵ھ میں انتظام سلطنت بالکل بگڑ گیا، رعایا باغی ہو گئی، اور ہر ایک عامل نے اپنے اپنے شہروں پر قبضہ کر لیا، اور تین حاکموں نے خلافت کا دعویٰ کر دیا، ایک تو امیر عبد الرحمٰن نے جو اس وقت اسپین کے بادشاہ تھے، دوسرے راضی نے جو بغداد میں اپنا سکہ جما چکا تھا، تیسرے مہدی نے جو قیروان کا حاکم تھا ؛

اسی طوائف الملوکی میں محمد الراضی باللہ بیمار ہو گیا، اور ماہ ربیع الثانی ۳۲۹ھ میں اس دار فانی سے چل بسا ؛

۳۲۹ھ تا ۳۳۴ھ

المتقی و المکتفی باللہ عہد خلافت ۴ سال ۲ ماہ	محمد الراضی باللہ کی وفات کے بعد اس کا بھائی ابراہیم المتقی باللہ اس کا جانشین ہوا، جو دو سال گیارہ ماہ تخت خلافت پر بیٹھا،

پھر اندھا کر کے تخت سے اتارا گیا، اور اس کی جگہ اس کے بیٹے المکتفی باللہ کو مامور کیا گیا، اس نے بھی صرف ایک سال چار ماہ ہی خلافت کی تھی، کہ ماہ جمادی الثانی ۳۳۴ھ میں معزول کیا گیا، ان دونوں کے بعد ارکین سلطنت نے مقتدر کے بیٹے فضل کو مامور کیا ؛

۳۳۴ھ تا ۳۶۳ھ

الفضل المطیع اللہ عہد خلافت ۲۹ سال ۴ ماہ	المتکفی باللہ کے تخت سے علیحدہ ہونے پر المطیع اللہ خلیفہ مقرر کیا گیا ؛

اس کے عہد خلافت میں بھی بغاوت کا یہاں تک زور تھا، کہ علما تک باغی تھے ؛

خلیفہ سابق المتکفی باللہ کے عہد میں باغیوں کا سرغنہ ابن ابویہ تھا، جس کو پہلے سے المستکفی نے ہی اسقدر سر چڑھا یا تھا کہ نہ فقط اس کو خلعت و خطاب عطا کر کے معز الدولہ ممتاز فرمایا، بلکہ اس کے دونوں بھائیوں کو بھی عماد الدولہ اور رکن الدولہ کا خطاب دیا اسی قدر نہیں بلکہ اس کے نام کے سکے مسکوک کرا دیئے گئے، گو یا والئی سلطنت معز الدولہ ہی تھا، اس حسن سلوک عزت و اقتدار کا احسان مند ہونے کی بجائے معز الدولہ نے المستکفی کو پانچہزار درہم روزانہ تنخواہ مقرر کر کے تخت سے علیحدہ کر دیا ؛

اسی معزالدولہ نے سنہ ۳۳۹ھ میں المطیع اللہ کی خدمت میں درخواست کی، کہ اُس کے بھائی علی بن بویہ عمادالدولہ کو سلطنت کا کوئی عہدہ دیا جائے ؛

مطیع نے اس درخواست کو منظور کر لیا تھا، لیکن وُہ مر گیا، اور اُس کی جگہ معزالدولہ کے بھائی رکن الدولہ کو تفویض ہوئی ؛

سنہ ۳۳۹ھ میں کعبہ شریف کا حجر اسود پھر اپنی جگہ نصب کیا گیا، اور اُس کے گرد سونے کا ایک حلقہ بنا دیا گیا ؛

سنہ ۳۵۰ھ میں معزالدولہ نے ایک بہت بڑا مکان بغداد میں بنایا، جس کی بنیاد چھتیس[۳۶] گز رکھی گئی، ہم پہلے لکھ چکے ہیں، کہ اس زمانہ میں ہر طرف سرکشی اور بغاوت کا طوفان برپا تھا، مذہبی اختلاف اور ذاتی نزاعات اسقدر بڑھی ہوئی تھیں، کہ اس میں ایک دوسرے خاندان کو نیست و نابود کرنے کا تہیہ کر لیا گیا تھا، چنانچہ

سنہ ۳۵۸ھ میں اسمٰعیلیہ فرقہ نے حکومت خاندانِ فاطمیہ کی بنیاد ڈالی، اس فرقہ کے لوگ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے امام جعفر صادق تک تو امامت کو برحق مانتے ہیں مگر موسےٰ کاظم کو امام نہیں مانتے تھے ؛

مصر میں حکومت خاندانِ فاطمیہ اسمٰعیلیہ کا آغاز سنہ ۳۵۸ھ سے سنہ ۳۶۵ھ تک

اور اُن اماموں میں سے جو موسٰی کاظم کے بعد ہوئے ہیں، البتہ اسماعیل بن صادق کو امام برحق بلکہ پیغمبر اوالوالعزم سمجھتے ہیں، بلکہ یہ عقیدہ بھی رکھتے ہیں، کہ اس پر امامت اور نبوت ختم ہو چکی ہے، مورخین عرب اس فرقہ کو سبعیہ کہتے ہیں، کیونکہ وُہ سات اماموں کے پیرو ہیں، اُن کا یہ بھی عقیدہ ہے، کہ ہر ایک انقلاب دَور فلکی میں امام کا ہونا ضروری ہے، خواہ وُہ ظاہر یا مخفی رہے، جس زمانے میں امام ظاہر ہو اس زمانہ کو دورالکشف اور جس میں امام مخفی رہے، اس زمانہ کو دورالستر کہتے ہیں، اس فرقہ کو باطنیہ بھی کہا جاتا ہے، وُہ اس لئے کہ ان کا یہ قول ہے، کہ ہر ایک ظاہر کیلئے ایک باطن ہے، یعنی امام ظاہر کے بعد

امام باطن کا ہونا لازمی ہے، ان کا یہ بھی اعتقاد ہے، کہ جو شخص مرجاتا ہے، وہ اس لئے مرتا ہے، کہ اُس نے اپنے وقت کے امام کو یا تو پہچانا نہیں، یا اُس کی بیعت نہیں کی ؀

چنانچہ اس فرقہ کے لوگوں میں سے پہلا شخص المعز الدین اللہ ہے، جو خاندان فاطمیہ سے ہے اور اہل تشیع کی ایک شاخ مذہب اسمعٰیلیہ کا پیرو کار تھا، اس نے ۳۵۸ھ میں اسی بغاوت کے زمانہ میں شہر فارس کو فتح کیا، بلکہ انتہائے مغرب افریقہ تک فوج کشی کی، اور ملک مصر کا بادشاہ ہوا، قاہرہ اسی کا بسایا ہوا ہے، اور یہی شخص خاندان فاطمیہ کا پہلا بادشاہ ہے، اس کے بعد اس خاندان فاطمیہ کے ۱۷ بادشاہوں نے ۵۶۵ھ تک بادشاہی کی ؀

اور ۵۶۵ھ میں حامی دین متین سلطان صلاح الدین ایوبی نے اس فرقہ کی خوب خبر لی، حتیٰ کہ ایک شخص بھی نہ چھوڑا، اور اس کے بعد خاندان ایوبیہ کی حکومت کا زمانہ آیا، جس کا پہلا بادشاہ سلطان صلاح الدین تھا، چنانچہ جس سن میں سلطان صلاح الدین نے تخت شاہی پر جلوس فرمایا ہے، اُسی سن میں ہم شاہان ایوبیہ کے کچھ حالات لکھینگے

۳۶۰ھ میں اس خلیفہ المطیع اللہ کے عہد خلافت میں جعفر بن فلاح نائب حاکم دمشق کے حکم سے اذانوں میں حی علی الخیر العمل ایزاد کیا گیا ؀

۳۶۲ھ میں سلطان بختیار یعنی عزالدولہ اور مطیع اللہ کے مابین خطبہ کے متعلق کچھ جھگڑا ہوگیا، اسی خلش میں عزالدولہ نے مطیع اللہ کا وظیفہ بند کر دیا ؀

غرضیکہ انہی فسادات ملکی اور طائف الملوکی کے باعث مطیع اللہ کو ۳۶۳ھ میں خلافت سے دست بردار ہونا پڑا ؀

سنہ ۳۶۳ھ تا سنہ ۳۸۱ھ

عبدالکریم الطائع اللہ
عہد خلافت سترہ سال نو ماہ

ہم لکھ چکے ہیں، کہ عزالدولہ ترکی نژاد سردار کا اقتدار یہاں تک بڑھ گیا تھا، کہ خلیفہ وقت اُس کے ہاتھ میں کٹھ پتلی کی طرح رہتا تھا، چنانچہ اسی نے المطیع اللہ کو تخت خلافت سے اُتار کر اس معزول خلیفہ کی بجائے الطائع اللہ کو تخت خلافت پر بٹھایا ؛

سنہ ۳۶۴ھ میں جبکہ غزنی میں التپگین[1] اپنی خود مختار حکومت کا عہد ختم کرکے راہیٔ بقا ہوا، تو عزالدولہ کے مصاحب سبکتگین نے (جو اس سے پہلے التپگین کا غلام تھا) غزنی کا تختِ حکومت حاصل کرنے کی کوشش کی، چنانچہ ان دنوں سبکتگین بغداد میں تھا، اور عزالدولہ سے اُس کی کچھ بگڑ گئی تھی، اس لئے سپہ سالار عزالدولہ کی طرف سے جب سبکتگین کا مقابلہ کرنے کیلئے بغداد میں آیا، تو عضدالدولہ کو شہر بغداد کچھ ایسا بھایا، کہ یہیں کی حکومت کیلئے جی للچایا، اور وُہ عزالدولہ کے خلاف ہوگیا ؛

سنہ ۳۶۶ھ میں المستنصر باللہ بادشاہِ اندلس فوت ہوگیا، اور اُس کی جگہ اس کا بیٹا ہشام تختِ اندلس پر متمکن ہوا ؛

ہندوستان میں اسلامی حکومت
خاندان سلجوق (ترک) کا پہلا بادشاہ
سبکتگین سنہ ۳۶۶ھ مطابق سنہ ۹۷۷ء میں

سنہ ۳۶۶ھ مطابق سنہ ۹۷۷ء کے زمانہ میں التپگین کے بعد اس کا سابق غلام اور عزالدولہ کا مصاحب خاص سبکتگین غزنی کے تختِ حکومت پر متمکن ہوا ؛

سبکتگین چونکہ خاندانِ سلجوق سے تھا، اور یہ خاندان ہندوستان کی اسلامی حکومت کا پہلا خاندان ہے، اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے، کہ خاندان سلجوق کی تاریخ بیان کردی جائے ؛

[1] قوم سلجوق (ترک) سے تھا ؛ ۱۲

ایک شخص مسمی سلجوق تھا پہلے اس کے خاندان کے لوگ ماوراءالنہر (تاتار) میں رہتے تھے، پھر خراسان میں آکر آباد ہوئے، اس کے بعد جنوبی ایشیا میں ایرانی، کرمانی اور رومی نسب سے حکومت کرتے رہے ؛

بعض مورخین اس طرح لکھتے ہیں، کہ تاتاری افسروں میں سے ایک افسر بیگو قبچاق بحیرہ شام کے قریب رہتا تھا، جو بڑا بہادر اور سب کے دل چلاتا تھا، جب اُس کا باپ مرگیا، تو بیگو نے سلجوق نامی کی پرورش صرف اس خیال سے کی، کہ وہ اپنے باپ کے موافق نکلے گا، چنانچہ ایسا ہی ہوا ؛

لیکن جب سلجوق اپنی بہادری اور شجاعت کے باعث مشہور ہو گیا، تو وہ اپنے مالک سے خودسر اور گستاخ ہو گیا، اُس کی اس گستاخی سے متنفر ہو کر بیگو نے سلجوق کو اپنے مُلک سے نکال دیا، سلجوق نے وہاں سے نکل کر سمرقند اور اُس کے گرد و نواح میں ایک چھوٹی سی بادشاہت قائم کی، اور خود مسلمان ہو گیا، چنانچہ اُس کی بدولت دین اسلام اس نواح میں پھیلا آخر ایک سو سات برس کی عمر میں ایک تاتاری کے ہاتھ سے مارا گیا، اُس کے کئی بیٹے ہوئے، اور اُس کی اولاد سلجوق کہلائی ؛

غرضیکہ سبکتگین اسی سلجوق خاندان کا ایک رحم دل ہونہار، مدبر، دلیر تھا، جو غزنی کا تخت حاصل کرکے، شمالی ہندوستان کی طرف بڑھا ؛

ان دنوں شمالی ہندوستان پر راجہ جے پال کا قبضہ تھا، جس کا دارالخلافہ اُن دنوں لاہور تھا، ہندوستان اور سندھ کے راجے محمد قاسم کے وقت سے ہی بہادران اسلام کی شجاعت کا لوہا مانے ہوئے تھے، اگرچہ محمد قاسم کے شجاعانہ حملوں کو اس وقت تقریباً اڑھائی سو سال سے کچھ سال اوپر ہی عرصہ گذر چکا تھا، لیکن اسلامی تلواروں کی جھنکاریں ابھی تک ہندو راجوں کے کانوں میں سنائی دیتی تھیں، جس سے اُن کے دل دہل جاتے تھے ؛

یہی وجہ تھی، کہ راجہ جے پال سبکتگین کا نام سنتے ہی خوف کھانے لگا، اور اس کے طوفانِ فتوحات کو روکنے کیلئے وہ درہ خیبر تک جا پہنچا، لیکن شیروں کا مقابلہ شیر ہی کر سکتے ہیں، شیر دل بہادر اسلام کے پنجہ سے چھوٹنا آسان تو تھا ہی نہیں غرضیکہ سبکتگین نے جے پال کو وہیں گھیر لیا، سبکتگین پھر بھی مسلمان تھا، جو اُس نے مذہب اسلام کے احکام کے مطابق گھر پر پہنچے ہوئے مشرک دشمن کو تاوان کے اقرار پر چھوڑ دیا، ورنہ کوئی بتا سکتا ہے، کہ میدان جنگ میں اپنے بالمقابل دشمن کو کوئی زندہ چھوڑ سکتا ہے ؛

لیکن جے پال تو مسلمان نہ تھا، جو اس احسان کو یاد رکھتا، اور اپنے وعدے کا پاس کرتا، اُس نے لاہور میں آتے ہی تاوان ادا کرنے سے انکار کر دیا، سبکتگین کو یہ بدعہدی اس قدر ناگوار گزری کہ وہ لفظ انکار سنتے ہی راجہ جے پال کی سرکوبی کیلئے سیدھا پشاور آ گیا ؛

جے پال کا دل اگرچہ بہادرانِ اسلام کے ساتھ مقابلہ کرنے کیلئے نہ جمتا تھا لیکن اُس نے دیگر ہندوستان کے راجوں کی امداد پر اپنے دل کو مضبوط کر لیا تھا، چنانچہ جے پال کی مدد کیلئے دہلی، اجمیر، کالنجر وغیرہ کے کئی راجے آئے، لیکن یہ سب کے سب بہادرانِ اسلام کے حملوں کی تاب نہ لا سکے، بہادر سبکتگین نے نہ فقط اس مجموعی لشکر کو شکست فاش دی، بلکہ اپنے دشمن راجہ جے پال کو بھی گرفتار کر لیا، سبکتگین واقعی بڑا رحمدل بادشاہ تھا، جے پال نے پھر معافی مانگ کر خراج ادا کرنے کا وعدہ کیا، سبکتگین نے پھر اس کی جان بخش دی ؛

افسوس کرنا پڑتا ہے، کہ یہ رحمدل بہادر بادشاہ پشاور پر قبضہ کر کے فتح و نصرت کے پرچم لہراتے ہوئے غزنی کو واپس جا رہا تھا، کہ راستہ میں ہی اس کا لوائے زندگی سرنگوں ہو گیا، یعنی اس دار فانی کو چھوڑ کر عالم جاودانی کو چل بسا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ

راجعون ہ ادھر ۳۸۱ھ میں خلیفہ الطائع اللہ نے شب عید الفطر کو اس جہان فانی سے … رحلت کی ؛

۳۸۱ھ تا ۴۲۲ھ

ابو العباس احمد القادر باللہ
عہد خلافت اکتالیس ۴۱ سال ۳ ماہ

الطائع اللہ کو تخت سے اُتارنے کے بعد لوگوں نے احمد اللہ قادر باللہ کو اپنا خلیفہ منتخب کیا، چنانچہ ماہ شوال ۳۸۱ھ میں ایک دربار منعقد کیا گیا، اور بہاء الدولہ اور القادر باللہ نے آپس میں وفاداری کی قسمیں کھائیں، اور ہر ایک ممالک میں القادر باللہ کی بیعت لی گئی ؛

مکہ شریف میں ابو الفتوح الحسن بن جعفر علوی نے القادر باللہ کی بیعت لی ؛ اس زمانہ میں بغاوت کا زور کم تھا، ہر طرف انتظام امن کی کوشش جاری تھی، اندلس میں بھی

اندلس میں حکومت بنی اُمیہ ۴۲۹ھ تک

اگرچہ شاہی حکومت کا خاتمہ ہو کر طوائف الملوکی آزاد سلطنت کا آغاز ہو چکا تھا، تاہم یہ مُلک اس وقت بھی بہادران اسلام کے قبضے میں ہی تھا، اب اس جگہ مناسب معلوم ہوتا ہے، کہ اندلس کی حکومت اسلامی پر آغاز سے اس وقت تک ایک نظر نذرِ ناظرین کی جائے ؛

”اندلس پر مسلمانوں کو قبضہ کئے ہوئے تقریباً ۳۰۰ سو سال کا عرصہ ہو چکا تھا، اور اتنا عرصہ نہایت انتظام و استحکام کے ساتھ مسلمانوں پر اندلس کا تسلط اس لئے رہا، کہ گذشتہ زمانہ کے اولو العزم اور بہادر مسلمان نہایت شائستہ تھے، اور حکام یورپ اس وقت جہالت کے اندھیرے میں پڑے ہوئے تھے، اندلس کے عرب اگرچہ طبعاً جنگی واقع ہوئے تھے لیکن اُن کی ملنساری اور صلح کل پالسی، خوش خلقی کی کامیابیوں نے فتحمندی سے زیادہ اُن کو کامیاب کر دیا، ان مسلمان عربوں نے یہ شائستگی کے اطوار اور علم و ہنر اپنے حوصلہ اور شوق سے حاصل کئے تھے، نہ کہ اہل فرنگ کی طرح، کیونکہ اُس جہالت کے زمانہ

میں یورپ کے باشندوں نے جو کچھ حاصل کیا، شارل تین کے جبر سے کیا تھا، نہ کہ اپنے شوق طبعی سے ؛

تحصیل علوم و فنون یا فن تجارت و زراعت میں جو مفید صلاح ان لوگوں کو دی جاتی تھی، وہ بڑی شکرگذاری اور احسانمندی کے ساتھ اس صلاح کو مانتے تھے ؛

سنہ ۹۲ھ مطابق سنہ ۷۱۱ء سے سنہ ۱۳۶ھ مطابق سنہ ۷۵۵ء تک جو کچھ تمدن و تہذیب کی آبیاری اندلس میں ہوئی، وہ عبدالرحمٰن اوّل کی تاثیر ترتیب مستقل مزاجی استحکام حکومت کا باعث ہوئی جس سے اندلس میں نخل اسلام بار آور ہوا ؛

مسلمان شاہان اندلس کی ترقی وکامیابی کے دو باعث تھے، ایک تو یہ کہ وہاں کے مسلمان اُن کے احکام وارادہ کی اصلیّت کو بخوبی جانتے تھے، اور دل سے اُن کی اطاعت کرتے تھے، دوم وہ لوگ صحیح معنوں اور دلی اعتقاد سے دین کو دنیا سے بہتر سمجھتے تھے، ان کی شریعت اسلامی خواہش پر غالب تھی ؛

علاوہ اِن وجوہات کے یہ بات بھی تھی، کہ وہاں کا ملکی قانون مذہبی قانون سے الگ تھا، ؛

چنانچہ عبدالرحمٰن ثانی نے جب یہاں کی حکومت کی ہے، تو اُنھوں نے انتظام ملکی کو مدّنظر رکھ کر حج کرنے کیلئے بھی مکہ شریف میں جانا چھوڑ دیا، بلکہ خاص شہر قرطبہ میں ایک لاکھ دینار خرچ کرکے ایک عالی شان اور ایسی خوبصورت مسجد بنوائی، کہ لوگ دُور دُور سے اُس کی زیارت کیلئے شہر قرطبہ میں آنے لگے، اور بہت سے لوگ اس مسجد کو معبد عظیم سمجھ کر اسی شہر میں آبسے ؛

غرضیکہ اس حکمران نے عام لوگوں کے ذہن نشین کر دیا، کہ ہمارا خاندان شرافت و نجابت کے اعتبار سے قابل تعظیم وتکریم ہے ؛

چنانچہ اسی وجہ سے علوی اور عباسی خاندان کے حکمران اُس کا بال بھی بیکا نہ کر سکے

اور یہ خاندان برسوں تک اس مُلک میں حکومت کرتا رہا ؛

اگر کوئی مذہبی فتنہ بھی یہاں بپا ہوا، تو اس دُور اندیش اور مدبر بادشاہ نے اِن عقائد مذہبی میں کبھی دخل نہ دیا ؛

جو کچھ کیا حکمت اور اخلاق سے کیا، اسی واسطے اِس کے عہد میں قتل اور خونریزی کی نوبت نہ آئی ؛

اِس خاندان میں دو خوبیاں اور بھی تھیں، ایک تو دُور اندیشی، دوسری متحمل مزاجی، عدل و انصاف اس خاندان کا شیوہ تھا ؛

اگرچہ شاہی شان و شوکت بھی تھی، لیکن غرور تمکنت نہ تھی ؛

اندلس کے شاہانِ اسلام کے اُصولِ سلطنت وہی تھے، جو اور خلفاء اور شاہانِ اسلام کے تھے، تاہم اِن چند باتوں میں یہ خاندان ممتاز تھا، (۱) حکم شاہی ہر ایک امر کی نسبت سیف قاطع کی مانند تصور کیا جاتا تھا، رعایا حکم شاہی کی تعمیل کو دین و دُنیا کی سرفرازی سمجھتی تھی (۲) ہر ایک مہم دربار شاہی کے مشورہ سے سرانجام ہوتی تھی، (۳) دولت عثمانیہ کی طرح حاجب بمنزلہ وزیر اعظم متصور ہوتا تھا، (۴) ہر ایک صوبہ میں جُدا جُدا حاکم مقرر تھے (۵) قرآن مجید اور حدیث شریف اور صحابہ کرام کے فیصلوں کے مطابق عدالت ہوتی تھی، (۶) ہر ایک مقدمات کا فیصلہ اگرچہ قاضیوں کے اختیار میں تھا، مگر مرافعہ میں بادشاہ کا حکم قاضی کا فیصلہ منسوخ کر سکتا تھا، (۷) بادشاہ اپنی اولاد میں سے لائق بیٹے کو ولی عہد کر کے اپنی زندگی میں اُسے شریک حکومت کرتا تھا ؛

چونکہ باقی اصول اس سلطنت کے بھی وہی تھے، جو کہ ایشیائی سلطنتوں کے تھے اس لئے انجام کار اس میں بھی وہی خرابیاں پیدا ہوئیں، جو ایشیائی سلطنتوں میں ہوئی ہیں ؛

تاہم یہ دلیر اور مستقل مزاج مسلمان تھے، اگرچہ چاروں طرف اُن کو اپنے اور بیگانے دشمن ہی دشمن نظر آتے تھے، لیکن اُن کے ہر ایک کام اور تعمیل قانون میں جو استحکام تھا

وہ اُن کے ہم عصر کسی بادشاہ میں نہ تھا، قرطبہ میں ایک جرار لشکر ہر وقت مسلح اور تیار رہتا تھا، بحری سرحد کی حفاظت کیلئے جہازوں کا بیڑہ بادبان چڑھائے ہر وقت موجود رہتا تھا، مدبرانہ تدابیر سے تجارت کا بازار گرم تھا، زمینیں سرسبز تھیں، زراعت کا اچھا انتظام تھا، آبادی اس کثرت سے تھی، کہ دیگر شاہانِ ممالک رشک کھاتے تھے، محاصل سالانہ اگرچہ دو کروڑ روپیہ کے قریب تھا، لیکن اس قلیل آمدنی پر قرطبہ کو وہ رونق اور شان و شوکت حاصل تھی، کہ ممالک مشرقیہ ایشیا میں اس کے مقابل کوئی شہر نہ تھا ؛

اندلس میں در عہد حکومت اسلامی ادب، علوم، فنون

تمام علمائے یورپ اس بات کو مانتے ہیں، کہ یونان کے بعد علم و فنون کا وارث عرب ہوا ہے، جب رومیوں کی سلطنت کے حصہ میں جہالت چھا گئی، تو علم اللسان اور علم فلسفہ نے عرب میں جا کر سکونت اختیار کر لی ؛

اقوام عالم کی تاریخ اور اُن کے اقبال و ادبار کے انقلابات دیکھئے یورپ گویا اپنی آغاز تحصیل میں مسلمان حملہ آوروں کا ممنون احسان ہے، جن کی وجہ سے ہر ایک علم کی ہر ایک شاخ یہاں بڑے جوش اور کامیابی سے سرسبز اور بارآور ہوئی، یہ تھوڑی سی بات نہیں ہے کہ یونان کا خزانہ علوم عربوں کی آبادی میں آ کر محفوظ رہا ؛

جن لوگوں نے اندلس کو فتح کیا تھا، وہ تو علم سے بے بہرہ تھے، مگر عبد الرحمن ابن معاویہ سے علم کا چرچا شروع ہوا، اُس نے خود علم کو حاصل کیا، اور اُس کی اولاد نے کئی مدرسے تعمیر کئے، اور تدریس جاری کی، کتب خانے ترتیب دیئے، اُن کی سخاوت اور فیاضی علم ضرب المثل ہے، اور اُنہیں کی کوشش سے جو برابر جاری رہی، ان ملکوں میں علوم و فنون داخل ہوئے، اور بہ نسبت ممالک اسلامیہ کے علم کا دریا اس سرزمین پر بڑے زور و شور سے جاری رہا، جس میں ہر قسم کے علوم و فنون اور ہر جگہ کے رہنے والے سیراب ہوتے رہے ؛

بیان طویل ہو رہا ہے، اور ہمیں اختصار کو مدنظر رکھنا ہے، ورنہ ہم بتاتے، کہ اس

ملک میں صرف عرصہ تین سو سال میں کتنی یونیورسٹیاں تھیں، اور اُن میں کیسے کیسے لوگ پیدا ہوئے، جن کی تصانیف اس وقت بڑے بڑے عالموں کا نصاب تعلیم ہے ؎

غرضیکہ اُندلس میں فاتح اُندلس طارق بن زیاد سے لیکر ہشام المویدؔ تک گویا ۹۲ھ سے ۴۲۲ھ تک کُل تین سو تیئس (۳۲۳) سال کے عرصہ میں تو کوئی انقلاب نہ آیا تھا لیکن ۴۲۲ھ میں بعد مارے جانے ہشام المویّد باللہ کے یہاں بھی طوائف الملوکی کا دور دورہ ہوگیا جس شخص میں طاقت ہوئی، جس کی لاٹھی اُسی کی بھینس کے مقولہ کے مطابق اندلس کا بادشاہ بن بیٹھا ؎

غرضیکہ القادر باللہ کے عہد خلافت کے پہلے سال یعنی ۳۸۱ھ میں اُندلس کا بادشاہ ہشام ثانی المویّد اللہ تھا، اس نے ۳۹۳ھ میں وفات پائی پھر عبدالملک مظفر بادشاہ ہوا، وہ ۳۹۶ھ میں راہیٔ بقا ہوا، اُس کے بعد عبدالرحمٰن ناصر نے زمام حکومت سنبھالی لیکن ۴۰۰ھ میں اس سے محمد ابن ہشام نے سلطنت چھین لی ۴۰۳ھ کو ہشام المویّد کو پھر رعایا نے تخت پر بٹھایا، اور ۴۲۲ھ میں اُس کے مرتے ہی اس شاہی خاندان کا خاتمہ ہوگیا، اور اندلس میں طوائف الملوکی حکومت قائم ہوگئی ؎

انہیں دنوں میں شاہ سبکتگین کا شجاع اور دلیر بیٹا سلطان محمود غزنوی ہندوستان پر حملہ آور ہوا، یہ بہادرِ اسلام، جہاد اسلام کا اسقدر شائق تھا، کہ اس نے اپنی ۳۳ سال کی حکومت میں ہندوستان پر سترہ حملہ کئے ہیں، لہٰذا ہم ان حملوں میں سے چند ایک مشہور واقعات لکھتے ہیں ؎

سلطان محمود غزنوی کے ہندوستان پر حملے

چنانچہ ۳۹۱ھ مطابق ۱۰۰۱ء میں سلطان محمود نے راجہ جے پال کی سرکوبی کیلئے پہلا حملہ کیا جے پال شکست کھا کر آگ میں جل مرا ؎

اس شکست فاش اور راجہ جے پال کی موت نے ہندوؤں کے جوش انتقام

کو مشتعل کر دیا، اس لئے نہ فقط تمام راجگان ہند نے بلکہ ہندو قوم کی عورتوں تک نے سلطان محمود کے خلاف ایڑی چوٹی تک کا زور لگا کر راجہ انند پال کی سپہ سالاری میں سلطان محمود سے پشاور واپس لینے کی کوشش کی، لیکن بہادرِ اسلام محمود کو اس اجتماع سے کیا خوف ہوتا، اُس نے اپنی جرار فوج کے ساتھ ہندو لشکر کا ایسا مقابلہ کیا، کہ سوائے بھاگنے کے ہندوؤں کو اور کچھ نہ بن آئی ؛

اس معرکہ میں انند پال تو قتل ہو گیا، لیکن چند ہی سال بعد اُس کے بیٹے جیپال نے راولپنڈی کے قریب شیر دل بہادر اسلام محمود سے پھر مقابلہ کیا، لیکن وہ بھی شکست کھا کر اجمیر کی طرف بھاگ نکلا ؛

۳۹۹ھ مطابق ۱۰۰۸ء میں پنجاب کے اضلاع کانگڑہ میں ایک قصبہ نگر کوٹ کے مندر پر اس بہادرِ اسلام نے حملہ کیا، کیونکہ سلطان محمود کی نظر میں یہ بُت خانہ شرک کا مرکز تھا، اس لئے اس پر حملہ کیا گیا تھا، اس مجاہد اسلام کو یہاں سے بہت ساز و جواہر مالِ غنیمت میں ملا ؛

۴۰۹ھ مطابق ۱۰۱۸ء میں اسی طرح کشمیر اور متھرا کی طرف حملہ آور ہوا، لیکن ۴۱۰ھ مطابق ۱۰۱۹ء میں راجہ قنوج نے سلطان محمود کے آگے اپنا سر تسلیم خم کر دیا، اس لئے اُس کی سلطنت اُسے واپس دیدی ؛

متھرا والوں نے چونکہ سرکشی کی تھی، اس لئے اُن کو خوب سزا دی گئی، اُن کے مندروں کی تمام مورتیاں توڑ دی گئیں، جن سے لاکھوں روپے زر و جواہر کی صورت میں حاصل ہوئے ؛

۴۱۴ھ مطابق ۱۰۲۳ء مجاہد اسلام ملتان سے اجمیر پہنچا، اس وقت اجمیر ہندو راج ہندو قوم ہندو مذہب کا گویا سنٹر تھا، لیکن اس شیر دل بہادر اسلام کی آمد کا حال سنتے ہی وہاں کا راجہ اور تمام رعایا اسقدر خوف زدہ ہوئی، کہ سب لوگ

شہر کو خالی کر کے جس طرف جس کے سینگ سمائے، بھاگ گئے ؛

سلطان محمود کو بلا کسی مزاحمت کے اجمیر کی تمام دولت مل گئی، وہاں سے ہندوؤں کے بُت پرستوں کے مقبول مندر سومنات کی طرف بڑھا، سلطان محمود جب اُس مندر میں داخل ہونے لگے، تو راجپوت فوج نے اِن کا مقابلہ کیا، لیکن دو روز کی لڑائی کے بعد بہادر سلطان راجپوتوں کو شکست فاش دیکر مندر میں داخل ہو گیا ؛

مندر کے پوجاریوں نے بُت توڑنے کے عوض لاکھوں روپے پیش کئے، لیکن اِس مجاہد اسلام نے اِن کو یہ جواب دیا، کہ میں بُت شکن کہلانا پسند کرتا ہوں، بُت فروش بننا نہیں چاہتا، کہتے ہیں، کہ اِن بتوں میں سے (اُس رقم سے جو پوجاریوں نے پیش کی) کئی گنا زیادہ کا زر و جواہر برآمد ہوا، سچ ہے، کہ جو شخص دین کیواسطے دُنیا کو چھوڑتا ہے، دُنیا اُس کے پیچھے خواہ مخواہ دوڑتی ہے ؛

سنہ ۴۲۲ھ تا سنہ ۴۶۷ھ

القائم بامر اللہ عہد خلافت ۴۵ سال ۸ ماہ	اِس خلیفہ کے عہد خلافت میں سنہ ۴۲۹ھ والئی مصر الظاہر عبیدی فوت ہو گیا، اور اُس کی جگہ اُس کا ہفت سالہ بیٹا بادشاہ مصر بنایا گیا،

اُس نے ساٹھ برس اور چار مہینے سلطنت کی، ذہبی کا قول ہے، کہ اتنی مدت کسی مسلمان بادشاہ نے سلطنت نہ کی ؛

سنہ ۴۵۶ھ میں سلطان ابراہیم سلجوقی اور والئے خراسان ظفر بیگ کی (جو آپس میں بھائی تھے) جنگ ہوئی، مگر صلح ہو گئی، لیکن ایک ہی سال کے بعد جعفری کی جگہ اُس کا بیٹا الپ ارسلان والئے سلطنت بن گیا ؛

سنہ ۴۵۹ھ میں مدرسہ نظامیہ بغداد میں پایۂ تکمیل کو پہنچا، اور شیخ ابو اسحاق شیرازی اُس کے صدر مدرس مقرر ہوئے ؛

۴۶۱ھ میں جامع مسجد دمشق میں آگ لگ گئی، اور درودیوار اور چھت کا سب کام خراب ہو گیا ؛

۴۶۵ھ سلطان الپ ارسلان قتل ہوا، اور اُس کی سلطنت جلال الدولہ نے سنبھالی، اُس نے نظام الملک کو اپنا وزیر بنایا، اور اُس کو اتابک (یعنی امیر) کا خطاب دیا، ۴۶۶ھ بغداد میں سخت طغیانی آئی، دریائے دجلہ تیس گز سے بھی زیادہ چڑھ گیا جان و مال کا سخت نقصان ہوا، لوگ کشتیوں میں پناہ گزیں ہوئے، نماز جمعہ دو جمعہ تک کشتیوں میں ہی پڑھی گئی ؛

۴۶۷ھ میں بباعث فصد اور زیادتی خون بہ جانے کے خلیفہ القائم بامر اللہ جانبر نہ ہو سکے، اور اسی ضعف خون کے باعث جان بحق ہوئے ؛

۴۶۷ھ تا ۴۸۷ھ

المقتدی بامر اللہ
عہد خلافت ۲۰ سال

اس خلیفہ کے عہد خلافت کے تیسرے سال ابو نصر بن استاذ ابو القاسم القشیری الاشعری بغداد شریف میں آئے اور مدرسہ نظامیہ میں وعظ کیا، چونکہ اُنہوں نے اپنے وعظ میں عقائد اشعریہ کی تلقین میں تمام دلائل اشعریہ بیان کئے اس لئے حنبلین میں مذہبی جوش پیدا ہو گیا جس کی وجہ سے ایسا فساد برپا ہوا، کہ دونوں فریقوں میں سے کئی لوگ اس فساد میں قتل ہوئے ؛

اسی سال اور اسی فتنہ کے باعث خلیفہ نے اپنے وزیر فخر الدولہ کو معزول کر دیا، کیونکہ وہ حنبلی تھا، اور اُس کی جگہ ابو شجاع کو مامور کیا گیا ؛

۴۷۷ھ میں سلیمان بن قلتمش سلجوقی والئے قونیہ نے شام کی طرف چڑھائی کی اور انطاکیہ پر قابض ہو گیا ؛

۴۸۴ھ میں جزیرہ صقلیہ جو ۲۰۰ھ میں بہادران اسلام نے اپنا خون بہا کر فتح کیا

تھا، اس پر اس طوائف الملوکی سے فائدہ اُٹھا کر اہل روم نے پھر قبضہ کر لیا ؛

۴۸۷ھ میں خلیفہ المقتدی کا انتقال ہو گیا، بعض مؤرخین کا قول ہے، کہ اسے بھی زہر دیا گیا تھا، اس کے وقت میں سلطنت اسلام کو رونق ہوئی، اکثر بُرے کام دُور کئے اور عمدہ کام عمل میں آئے، گانا بجانا موقوف کر دیا، نہایت دیندار خلیفہ تھا، رعایا اس کے عہد حکومت میں بہت خوش تھی ؛

۴۸۷ھ تا ۵۱۲ھ

المستظہر باللہ عہد خلافت چوبیس سال تین ماہ

اس خلیفہ کے عہد خلافت کے دوسرے سال یعنی ۴۸۹ھ میں احمد خاں والئے سمرقند قتل کیا گیا، کیونکہ وہ کھلا کھلا زندیق تھا امرا نے اسے گرفتار کر لیا، اور فقہا نے اس کے قتل کا فتویٰ دیا ؛

۴۹۰ھ میں سلطان ارغوان بن ارسلان سلجوقی والئے خراسان مارا گیا، اور سلطان برکیاروق نے اُس کی مملکت پر قبضہ کر لیا ؛

اسی سال نیقیہ پر جن کو روم کی سب فتوحات سے پہلے بہادران اسلام نے فتح کیا تھا، اہل روم کا تسلط ہو گیا ؛

۴۹۲ھ میں اصفہان میں باطنیوں کا خوب زور ہوا، اسی سال اہل روم [illegible] س [illegible] مقدس کو فتح کر لیا، اور بہت سے یہودیوں کو ایک کنیسہ میں بند کر کے آگ لگ [illegible] ؛

اسی سال حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دست مبارک کا لکھا ہوا قرآن شریف دمشق میں لایا گیا، اور اُس کی زیارت کیلئے دُور دراز سے لوگ آئے بعد زیارت قرآن شریف کو جامع مسجد کے ایک حجرہ میں رکھا گیا ؛

۴۹۴ھ میں باطنیوں کا عراق میں بہت زور ہوا، اُنھوں نے اپنے سینکڑوں مخالفوں کو قتل کر ڈالا ؛

اسی سال اہل روم نے سروج، حیفا، ارسوف اور قیساریہ پر قبضہ کر لیا۔

سنہ ۴۹۵ھ میں نہاوند کے مضافات میں سے ایک شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا، بہت سے لوگوں کو اس نے بہکایا، آخر قتل کر دیا گیا۔

سنہ ۵۰۰ھ میں قلعہ اصفہان باطنیہ فرقہ کے لوگوں نے گرا دیا، بہت سے لوگوں کو قتل کیا۔

سنہ ۵۰۳ھ فرقہ باطنیہ نے شیراز پر حملہ کر کے اس پر اپنا تسلط جما لیا۔

سنہ ۵۰۴ھ میں اہل روم نے طرابلس کو بھی فتح کر لیا، اور شام کے اکثر حصوں پر قابض ہو گئے۔

سنہ ۵۱۲ھ میں خلیفہ المستظہر باللہ نے بتاریخ تیرہ ربیع الاول اس دار فانی سے انتقال کیا۔

ابن اثیر کہتے ہیں، کہ مستظہر نہایت ملائم طبیعت، کریم الاخلاق نیک کاموں میں جلدی کرنے والا خوشخط انشا پرداز تھا، ان فنون میں اپنا ہمسر نہ رکھتا تھا، علم وسیع رکھتا تھا، شجاع سخی، علما و صلحا پر جان دینے والا تھا، بدقسمتی سے اسے اپنے ایام خلافت میں چین نہ ملا، اور ہمیشہ جنگوں کا منہ دیکھنا پڑا۔

سنہ ۵۱۲ھ تا سنہ ۵۲۹ھ

ابو الفضل منصور المسترشد باللہ عہد خلافت ۱۹ سال

خلیفہ المستظہر باللہ مرحوم کے بعد اس کا بیٹا ابو الفضل منصور المسترشد باللہ تخت خلافت پر بیٹھا، بڑا باہمت و جری، صاحب الرای باہیبت شخص تھا، امور خلافت کو ایک خوبصورتی سے ترتیب دیا، رسم خلافت کو از سر نو زندہ کر دیا، ارکان شریعت کو مضبوط کیا، خود بنفس نفیس جنگوں میں شریک ہوا، ابتدا میں نہایت عابد زاہد تھا صوف کے کپڑے پہنتا تھا، اپنے مکان میں عبادت کیلئے ایک الگ جگہ بنائی ہوئی تھی، اس کے علم اور فضل کی نسبت اتنا کہہ دینا کافی ہے، کہ ابن صلاح اور ابن سبکی نے اسے طبقات شافعیہ میں ذکر کیا ہے۔

اس کے عہد خلافت میں نہایت بدامنی پھیلی ہوئی تھی، اور ہر طرف سلجوقیوں کا

دور دورہ تھا۔

چنانچہ ۵۲۹ھ میں مسعود بن ملک شاہ سلجوقی نے خلیفہ وقت سے بھی جنگ کی اور اسی جنگ میں جبکہ المسترشد باللہ کو تخت خلافت پر بیٹھے انیس سال گذر چکے تھے آخری سال ۵۲۹ھ میں مسعود سے لڑتا ہوا میدان جنگ میں مارا گیا۔

۵۲۹ھ تا ۵۵۵ھ

ابوجعفر منصور الراشد باللہ والمقتفی لامر اللہ عہد خلافت پچیس سالی	المسترشد باللہ کے بعد اس کا فرزند ابوجعفر منصور الراشد باللہ تخت خلافت پر بیٹھا لیکن ابھی اُسے تخت خلافت سنبھالے ایک سال بھی پورا نہ ہوا تھا کہ سلجوقی فرمانروا مسعود نے بغداد پر

تسلط قائم کر کے الراشد باللہ کو تخت سے اُتار دیا۔ اُس کی جگہ اُس کے چچا محمد المقتفی لامر اللہ کو مامور کیا۔ المقتفی نے پچیس ۲۵ سال خلافت کی اور ماہ ربیع الاول ۵۵۵ھ میں جان بحق ہوا۔

۵۵۵ھ تا ۵۶۶ھ

یوسف المستنجد باللہ عہد خلافت گیارہ سالی	خلیفہ المقتفی باللہ کے بعد اس کا بیٹا یوسف المستنجد باللہ تخت خلافت پر متمکن ہوا۔ اس کے عہد خلافت ۵۶۳ھ میں سلطان نورالدین نے مصر پر

حملہ کرنے کیلئے اپنی فوج روانہ کی۔ اہل مصر نے شکست کھائی۔ اور مصر فتح ہو گیا۔

۵۶۴ھ میں اہل روم نے مصر پر حملہ کیا۔ بلبیس پر قبضہ کر کے قاہرہ کو محصور کیا۔ والئی مصر نے قاہرہ میں آگ لگا دی۔ اور پھر سلطان نورالدین سے مدد مانگی۔ سلطان نے اپنے سپہ سالار اسدالدین کو روانہ کیا۔ جب انگریزوں کو اس کمک کی خبر ملی، تو وہاں سے بھاگ کھڑے ہوئے۔

۵۶۶ھ میں ۸ ماہ ربیع الثانی کو خلیفہ المستنجد نے انتقال کیا۔

۵۶۶ھ تا ۵۷۵ھ

المستنجد کے مرنے کے بعد اس کا بیٹا المستنفی بامر اللہ تخت خلافت پر جلوہ فرما ہوا، اس کے عہد خلافت کے پہلے ہی سال یعنی ۵۶۶ھ	المستنفی بامر اللہ عہد خلافت نو سال

میں حامی دین متین سلطان سلطان صلاح الدین یوسف بن ایوب نے سلطنت خاندان ایوبیہ کی بنیاد ڈالی ہے۔

ہم پہلے لکھ چکے ہیں، کہ خاندان فاطمیہ اسمٰعیلیہ کا خاتمہ ہونے کے ساتھ ہی جس اولالعزم شخص سے ایک ایسی اسلامی حکومت کی بنیاد پڑی، جس نے خدمات اسلام کو بہترین طور انجام	خاندان ایوبیہ کا پہلا بادشاہ سلطان صلاح الدین یوسف بن ایوب ۵۶۶ھ تا ۵۸۹ھ مطابق ۱۱۷۱ء تا ۱۱۹۴ء

دیا، اس بہترین اسلامی سلطنت کا پہلا بادشاہ خاندان ایوب کا چشم وچراغ حامی دین متین سلطان صلاح الدین ابن ایوب تھا جس کی شجاعت وذہانت اور اسلامی خدمت نے خاندان ایوبی کی بنیاد قائم کر دی ہے۔

سلطان صلاح الدین گردستانی نے ملک مصر پر اپنا قبضہ کر کے پہلے تو اس ملک کو دشمنوں اور باغیوں سے صاف کیا، پھر شام پر چڑھائی کی، چنانچہ ملک شام و بیت المقدس کے سوا مضافات کے سب شہر فتح کر کے مسلمانوں پر بڑا احسان کیا، ان سے نہایت عمدہ سلوک سے پیش آیا، یہ دلیر انسان اسلام کا مجاہد اعظم تھا، یہ اس کا دلی خیال تھا، کہ عیسائی لوگ ان شہروں میں نہ بسنے پائیں، بلکہ ان کی بیخ و بنیاد ملک شام سے اکھیڑ دی جائے ہے۔

اس کے عہد میں کئی شاندار عمارتیں تعمیر ہوئیں، اور اسلام میں نمایاں ترقی ہوئی مورخین کا قول ہے، کہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بعد ملک مصر کا کوئی بادشاہ ایسا دیندار اور منصف مزاج نہ تھا، جیسا کہ صلاح الدین تھا ہے۔

اِس کا دربار اس کی مجلس ہزل اور عیش و نشاط سے بالکل خالی تھے برخلاف اس کے علماء فضلاء کا مجمع رہتا تھا ؛

صلاح الدین کو بہاء الدین قرقوش پر بہت اعتماد تھا اور اصل وہ تھا بھی اسی قابل کیونکہ انتظام سلطنت اور اُمور مملکت میں جیسا مدبر، جیسا عالی دماغ، جیسا شائستہ اور مہذب شخص ہونا چاہیئے، قرقوش ان سب صفات سے متصف تھا ؛

۲۲ برس صلاح الدین نے ایسی پُر رُعب بادشاہت کی اور ایسی زبردست فتوحات کیں، کہ ہر ایک فاتح اُس فاتح اعظم کو عزت کی نظر سے دیکھتا اور احترام کے الفاظ سے اس کو یاد کرتا ہے، ۵۸۹ھ میں اس دُنیائے فانی سے عالم جاودانی کو سدھارا ؛

صلاح الدین کے بعد اس کا بیٹا ملک العزیز عثمان ۵۸۹ھ میں تخت مصر پر جلوہ آرا ہوا جس نے ۵۹۶ھ میں وفات پائی، اور اُس کے بعد الملک المنصور محمد بن عثمان سریر آرائے مصر ہوئے، جو صغیر سنی کے باعث اسی سال میں حکومت سے سبکدوش کیے گئے، اُن کے بعد یہ بار سلطنت الملک العادل سیف الدین ابوبکر پر رکھا گیا، جو ۶۱۵ھ میں راہیئے بقا ہو کر اس بار سے سبکدوش ہوئے ؛

اُن کی وفات کے بعد الملک الکامل محمد ابن العادل حکومت مصر پر متمکن ہوئے جنہوں نے ۶۳۵ھ میں اس دار فانی سے رحلت کی، اور اُن کے بعد الملک العادل ابوبکر الکامل مامور ہوئے، جو ۶۳۷ھ میں معزول کیئے گئے، اور اُن کی جگہ الملک الصالح ایوب نجم الدین کو تفویض کی گئی، یہ عادل بادشاہ ۶۴۷ھ میں رہگزار عالم بقا ہوا، اور اُنکی جگہ ملک المعظم توران شاہ تخت مصر پر جلوہ افروز ہوئے، لیکن اس بادشاہ کو ابھی تخت حکومت سنبھالے دو ہی مہینے ہوئے تھے، کہ معزول کیے گئے، اور پھر مقتول ہوئے ؛

اِس کے بعد تخت حکومت پر ملک صالح کی کنیز ملکہ شجرۃ الدر رونق افروز ہوئی، لیکن تین مہینے کے بعد انہیں نسوانی کمزوری کے باعث خود ہی تخت حکومت سے دست بردار ہونا پڑا ؛

خاندانِ ایوبی کے آخری بادشاہ ملک الاشرف موسیٰ بن یوسف نے تختِ حکومت سنبھالا، لیکن وُہ حکومت کا اہل نہ تھا، اسلیے تخت سے اُتار دیا گیا، اور اسی پر خاندانِ ایوبیہ کا خاتمہ ہو گیا، اُس کے بعد مصر کی تخت حکومت غلامانِ دولت کردیہ کے ہاتھ آئی ؛

۵۷۵ھ تا ۶۲۲ھ

احمد الناصر الدین اللہ
عہد خلافت ۴۷ سال

المستضیٔ بامر اللہ کے بعد اس کا بیٹا احمد الناصر الدین اللہ نے تخت خلافت کو سنبھالا، اس خلیفہ کے عہد خلافت کے تیسرے سال یعنی ۵۷۲ھ مطابق ۱۱۷۶ء میں خاندان غوری کے بادشاہ شہاب الدین ابن سام نے ہندوستان کی طرف حملہ کیا، کیونکہ سلطان محمود غزنوی کی اولاد اپنی ناقابلیت کے باعث سلطنت کو سنبھال نہ سکی، محمود کے دونوں لڑکے محمد اور مسعود اپنی نااتفاقی کے سبب کچھ نہ کر سکے، آخر خاندانِ سلجوق میں سے بہرام شاہی ایک شخص نے ۱۱۱۸ء میں تخت غزنی سنبھالا، اس نے بہت کچھ کوشش کی کہ کسی طرح یہ مُلکی فساد فرو ہو جائے، لیکن اُس کی کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی، بلکہ ۱۱۵۲ء میں باغیوں نے غزنی کو لوٹ کر جلا دیا ؛

بہرام اسی آتش فساد سے بھاگ کر پنجاب میں پہنچا، اور یہیں اُس نے سکونت اختیار کر لی، چنانچہ ۵۷۲ھ مطابق ۱۱۷۶ء میں اس کے خاندان میں خسرو ملک لاہور کا بادشاہ تھا اور انہی دنوں میں غوری خاندان کا ایک بادشاہ شہاب الدین بن سام (جو محمد غوری کے نام سے بھی مشہور ہے) جو سلطان غیاث الدین غوری کا بھائی تھا، اُس نے ۵۷۲ھ مطابق ۱۱۷۶ء میں ہند پر حملہ کیا ؛

فاتح ہند سلطان شہاب الدین غوری
کی اسلامی حکومت ہندوستان میں
۵۷۲ھ تا ۶۰۲ھ مطابق ۱۱۷۶ء تا ۱۲۰۶ء

اِس حملہ کے کچھ سال بعد خاندان سلجوق کے آخری بادشاہ خسرو ملک کو بھی اپنی اطاعت گذاری پر مجبور کیا، لیکن اُس نے شہاب الدین غوری کے زیر اطاعت رہنے

کی بجائے مقابلہ کی ٹھانی، جس کا نتیجہ یہ ہوا، کہ ۵۸۲ھ مطابق ۱۱۸۶ء میں لاہور کا شہر بھی اس کے ہاتھ سے نکل گیا، اور خود بحالت قید غزنی کو روانہ کیا گیا، خسرو کا کانٹا دور ہو جانے پر شہاب الدین کو بہت کچھ اطمینان ہو گیا، کیونکہ تمام ہندوستان میں سوائے ہندو راجوں کے اس کے بالمقابل کوئی بہادر مسلمان نہ تھا، اس لئے دلجمعی اور اطمینان کے ساتھ ہندوستان کو فتح کرنے کی تدابیر کرنے لگا ؛

ان دنوں تمام ہندوستان میں دہلی، قنوج، اجمیر یہ سب سے بڑی ریاستیں تھیں، لیکن دہلی کے راجہ کو چونکہ قنوج اور اجمیر کے والیان ریاست پر بزرگانہ فوقیت حاصل تھی یعنی والئے قنوج جے چند، اور اجمیر کا راجہ پرتھوی راج (جو رائے پتھورا کے نام سے بھی مشہور ہے) یہ دونوں راجے دہلی کے راجہ کے نواسے تھے، اس لئے بخیال لوب ولحاظ یہ دونوں سلطنتیں بھی دہلی کے ماتحت تھیں، اس لحاظ سے در اصل ایک دہلی کی سلطنت ہی ایسی تھی، کہ جو ہندو راج کا مرکز کہلائی جا سکتی تھی، لیکن جب دہلی کے راجہ نے آخری عمر میں اپنے نواسہ پرتھوی راج کو اپنا ولیعہد اور متبنیٰ بنایا، تو اس وقت سے سلطنت دہلی اور اجمیر تو ایک ہو گئی تھی، لیکن جے چند والئے قنوج کے دل میں پرتھوی راج کی قدر و منزلت ہونے کی کاوش اور دہلی کی حکومت ملنے کا حسد پیدا ہو گیا تھا ؛

اس میں کچھ شک نہیں کہ پرتھوی راج جے چند سے زیادہ بہادر اور دلیر تھا، لیکن ہماری نظر میں راجہ دہلی نے یہ سخت غلطی کی جو ایک نواسہ کو تو اسقدر چاہا، اور دوسرے کو بالکل دل سے بھلا دیا، اس غلطی کا نتیجہ نااتفاقی کی صورت میں ظاہر ہوا، اور اس نااتفاقی سے ہی ہندوستان ہندوؤں کے ہاتھ سے جاتا رہا ؛

غرضیکہ شہاب الدین غوری تمام امور مملکت کو مدنظر رکھ کر ۱۱۹۰ء میں شمالی ہند پر حملہ کرنے اٹھ کھڑا ہوا، یہ وہی دن تھے، جب احمد الناصر الدین اللہ خلیفہ بغداد تھے ؛

اس وقت پرتھوی راج بھی شہاب الدین کے حریف تھے، چونکہ ہندو راج کا مرکز

دہلی تھا، اور دہلی کے والی پرتھوی راج تھے، اس لئے ایک سو سے زیادہ راجے اپنی اپنی فوج لیکر پرتھوی راج کی مدد کیلئے تھانیسر کے میدانِ جنگ میں آپہنچے، لیکن جے چند مندرجہ بالا وجوہات کے باعث پرتھوی راج سے اسقدر ناراض تھا، کہ اُس نے محض اسی حسد سے ہندو راج کی بھی مدد نہ کی ؛

آخر ۵۹۰ھ مطابق ۱۱۹۲ء میں شہاب الدین غوری اپنی فوج کو لیکر تھانیسر کے میدان میں پہنچ گیا، اور اس میدان میں دونوں فوجوں میں گھمسان کی لڑائی ہوئی، ؛

پرتھوی راج نے اگرچہ بہت کچھ بہادری دکھائی، لیکن بہادرانِ اسلام کی شمشیر خارا شگاف کے آگے، اُس کی بہادری دھری رہ گئی، جب بڑے بڑے ہندو سوما خاک و خون میں تڑپتے نظر آئے، تو پرتھی راج کی فوج کے پاؤں اُکھڑ گئے ؛

یہ حالت دیکھ کر پرتھی راج بھاگا، تو ساتھ ہی فوج نے بھی پیٹھ دکھائی، شہاب الدین اس کامرانی کے بعد قطب الدین ایبک کو اپنے مفتوحہ علاقہ کا نائب بنا کر خود غزنی میں چلا گیا ؛

۱۱۹۴ء میں شہاب الدین غوری نے غزنی سے واپس آکر جے چند کی سلطنت پر بھی اپنا تسلط قائم کرنے کیلئے حملہ کر دیا، اگرچہ جے چند نے چاندواڑہ کے میدان میں محمد غوری کو روکا، مگر ایک فاتح کے شوق فتوحات کا شوق جب پرتھوی راج جیسے بہادر سے نہ رُک سکا تو جے چند سے کیا رُکتا، آخر جے چند شکست کھا کر اسی میدان جنگ میں قتل ہو گیا

اِن دونوں بڑی سلطنتوں کو فتح کرنے کے بعد سلطان شہاب الدین غوری نے بنگال اور بہار پر اپنا قبضہ کرنا چاہا، چنانچہ ۱۲۰۳ء میں بنگال کے دار الخلافہ ندیا پر بختیار خلجی نے حملہ کر کے اس کو فتح کیا، اور قطب الدین ایبک نے گجرات گوالیار اور کالنجر پر تسلط کر کے اپنی بہادری کا ثبوت دیا ؛

۱۲۰۶ء میں گھڑ قوم نے بہادرانِ اسلام سے بغاوت کی، اُن کی سرکوبی کیلئے محمد غوری خود اپنی فوج ظفر موج لیکر روانہ ہوا، اور دریائے سندھ سے پار ہو کر اُن باغیوں

کو شکست دی لیکن عمر میں اتنی ہی فتوحات لکھی تھیں، جب محمد غوری اپنا پرچم فتح اڑاتے ہوئے، واپسی کے وقت دریائے سندھ کو عبور کرنے لگا، عین اُسی وقت باغیوں کے ایک گروہ نے اُسے ہلاک کر دیا ۔

فاتح ہند سلطان شہاب الدین غوری کی وفات کے بعد اُس کے بھتیجے محمد غوری (جو شہر غور میں حاکم تھا) اگرچہ ہندوستان کی مفتوحہ سلطنت کا والی بنا لیکن وہ ہندوستان میں نہیں رہ سکا، اسلئے قطب الدین (جو ایک ترکی غلام تھا) نے ہندوستان پر حکومت کی، اور اسی کا خاندان قطب الدین ایبک کے نام سے ہندوستان کا حکمران بنا ۔

لیکن دار الخلافت بغداد خلیفہ وقت احمد الناصر الدین باللہ کے عہد خلافت میں خلفائے بنی عباسیہ میں اب کسی طرح قوت و سطوت باقی نہ رہی تھی، صرف قوم سلجوق کی قسمت کا ستارہ اوج پر تھا، باقی ہر طرف نزاعات بدعات کے طوفان امڈے ہوئے تھے، ایسے پُر آشوب زمانہ میں ہی احمد الناصر الدین اللہ نے اپنے عہد خلافت کے سنتالیس ۴۷ سال پورے کئے، اور آخر ۶۲۲ھ میں اس دار فانی سے چل بسا ۔

سنہ ۶۲۲ھ تا سنہ ۶۲۳ھ

محمد الظاہر بامر اللہ عہد خلافت ۹ ماہ	احمد الناصر الدین اللہ کے بعد جب اسکے بیٹا محمد الظاہر بامر اللہ کو تخت خلافت ملا، اُس وقت اس خلیفہ کی عمر باون ۵۲ سال کی

تھی، آپ نے اپنے عہد خلافت میں میدان جدال و قتال گرم نہیں کیا، لوگوں نے پوچھا آپ ملکی فتوحات کیطرف کیوں توجہ نہیں کرتے جواب دیا، کھیت تو سوکھ ہی چکا ہے، اَب کیا حاصل، لوگوں نے یہ اشارہ آپ کی عمر کی طرف سمجھ کر درازی عمر کی دعائیں دیں، لیکن ہمارا خیال ہے، کہ اُنھوں نے یہ اشارہ سلطنت کی طرف کیا ہوگا کیونکہ اُس وقت ملک میں اسقدر بغاوتیں رونما ہو چکی تھیں، جن کا دبانا اِن کے

بس کا روگ تھا، اور نہ اُنہیں اس سلطنت کی سرسبزی کی اُمید ہی تھی، آخر اسی غم والم میں آپ صرف ۹ ماہ تخت خلافت پر بیٹھ کر راہیٔ بقا ہوئے ؀

سنہ ۶۲۳ھ تا سنہ ۶۳۹ھ

ابو جعفر المستنصر باللہ عہد خلافت سترہ سال

خلیفہ الظاہر کے بعد اس کا بیٹا ابو جعفر المستنصر باللہ خلیفہ ہوا جس کے عہد خلافت کے وقت یعنی سنہ ۶۲۳ھ مطابق سنہ ۱۲۴۱ء میں ہندوستان میں اسلامی حکومت خاندان افغان سے وابستہ تھی، اور اس سال خاندان غلامان میں سے التمش کا پوتا علاؤالدین ہندوستان کا بادشاہ تھا ؀

خاندانِ غلاماں کی اسلامی حکومت ہندوستان میں سنہ ۱۲۰۶ء سے سنہ ۱۲۹۰ء تک

خاندانِ غلاماں کی سلطنت ہندوستان میں سنہ ۱۲۰۶ء سے سنہ ۱۲۹۰ء تک رہی، جسے قطب الدین ایبک نے شروع کیا، اور کیقباد نے ختم کیا، اور ابو جعفر المستنصر باللہ نے سنہ ۶۳۹ھ میں اس دار فانی سے سفر آخرت کیا ؀

سنہ ۶۳۹ھ تا سنہ ۶۵۶ھ

خلفائے عباسیہ کا آخری خلیفہ المعتصم باللہ عہد خلافت تقریباً سولہ سال

ابو جعفر المستنصر باللہ کے بعد اس کا بیٹا المعتصم باللہ خلیفہ ہوا جو خلفائے عباسیہ کا سب سے پچھلا خلیفہ تھا، اس کے عہدِ خلافت میں شیعہ سُنی کا جھگڑا زوروں پر تھا، دونوں فرقے تعصبات میں منہمک تھے، سلجوقی سُنیوں کے مددگار تھے، اور دیلمی شیعوں کے انہی دو ذی اقتدار قوموں کی حمایت کے باعث یہ مذہبی فساد روز بروز بڑھتا جاتا تھا، المعتصم گو سُنی عقائد کا حامی تھا لیکن اُمور مملکت اور انتظام سلطنت سے غافل تھا، قدرت نے عجیب تقسیم کر دی تھی اُدھر دو متذکرۃ الصدر دو معزز قومیں شیعہ سُنی کی حمایت دار تھیں، اور ادھر خلیفہ سُنی تھا، اور

وزیر سلطنت شیعہ، مگر ابن علقمی وزیر خلافت کی یہ کوشش تھی، کہ سُنّی خلافت ہی کا خاتمہ کر کے سنیوں کی طاقت ہمیشہ کیلئے پامال کر دی جائے ؛

دُنیا میں ان دنوں تاتاریوں کا زور تھا، اُنہوں نے تمام ایران میں بازار قتل گرم کر رکھا تھا، دیلمی سلطنت باطینہ کو پامال کر چکے تھے ؛

چنانچہ ابن علقمی نے تاتاری سپہ سالار ہلاکو خاں کو عراق و بغداد میں بلایا ؛

المستعصم کو اس بات کی بھی خبر نہ ہوئی، کہ خلافت کے پاس جو کچھ فوجی قوت باقی تھی، ابن علقمی نے اس کو بھی ہٹا دیا، ہلاکو خان نے اپنے لشکر تاتار خونخوار کے ساتھ آتے ہی شہر بغداد کا محاصرہ کر لیا ؛

خلیفہ کو جب ہوش آیا جب کہ اپنے آپ کو محصور پایا، آخر امان مانگ کر جان بچائی اور جس وقت تاتاری جنگجو کے عہد و پیمان پر بھروسہ کر کے خلیفہ وقت اپنے عزیز و اقارب وارکانِ دولت وغیرہ کو ملنے گیا، تو اُن سے بدعہدی کی گئی، یعنے خلیفہ وقت اور اُس کے سب جان نثار ساتھی، سب گرفتار کئے گئے، اور نہایت بیدردی کے ساتھ قتل کئے گئے، یعنی خلیفہ المستعصم کی جان کے ساتھ خلافت عباسیہ کا بھی خاتمہ ہو گیا، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن ٥

یہ واقعہ ۶۵۶ھ ماہ صفر کی ۲ تاریخ اور بدھ کے دن کا ہے ؛

اس کے بعد تاتاری لٹیروں نے بغداد کو خوب لوٹا، سارے شہر میں آگ لگا دی عالی شان عمارتیں جلا کر خاکستر کیں، کتب خانے جلائے، غرضیکہ چھ سو برس میں خلفائے عباسیہ نے جو کچھ علمی اور دُنیوی دولت حاصل کی تھی، وہ سب کی سب، دم بھر میں تباہ و برباد ہو گئی ؛

۶۵۶ھ تا ۹۲۳ھ

غرضیکہ ۶۵۶ھ میں بغداد کے آخری خلیفہ المستعصم باللہ کو جب تاتاریوں نے شہید کر دیا، تو اُس وقت گویا خلافت بھی شہید ہو چکی تھی، اس وقت کوئی کسی کا خلیفہ نہ تھا، اور نہ بننا چاہتا تھا، ہر جگہ کے مسلمانوں کو اس بات کا احساس ہو رہا تھا، کہ بغیر خلافت رہنا ایسا ہی ہے، جیسے کوئی فوج بغیر سپہ سالار یا بغیر اوزار ہو یا جیسے بھیڑوں کا وُہ ریوڑ جو چرواہے کے نہ ہونے سے جنگل میں منتشر ہو جاتا ہے ؛

انہی دنوں میں تاتاری لوگوں نے جب عراق سے بڑھ کر شام میں غارتگری شروع کر دی، تو فرمانروائے مصر نے اپنی جان پر کھیل کر ان خونخوار لوگوں سے مقابلہ کیا، اور مقابلہ بھی ایسا کیا، کہ تاتاری وہاں سے بھاگ گئے لیکن مصر والوں نے بھی چُن چُن کر اُنکو قتل کیا، مصر کی اس فتح کی خبر جب عراق کے مسلمانوں کو ہوئی، تو وُہ اِس فتح سے بہت خوش ہوئے، کیونکہ اُن کو تاتاریوں نے بیخانماں برباد کر دیا تھا، اور وُہ جنگلوں میں بھٹکتے پھرتے تھے، انہیں میں خاندان بنی عباسیہ کا ایک خلیفہ زاد بھائی بھی تھا، جو المستعصم کے چچا اور المستنصر کے بھائی تھے، چنانچہ ایسے لوگ خانہ بدوشی کی زندگی بسر کر رہے تھے، مسلمانانِ مصر سے تاتاریوں کی شکست کی خبر سنتے ہی خاندانِ عباسیہ کے آخری سہارے یعنی ابوالقاسم اپنے چند عزیز و اقارب اور بدوی سرداروں کو ہمراہ لیکر مصر کی طرف چلے ؛

یہ چھوٹا سا قافلہ ۶۵۹ھ کو قاہرہ (مصر) میں داخل ہوا، سلطان مصر علماء کو ساتھ لے کر اُن کے استقبال کو نکلا، اور بڑی قدر و منزلت سے اُن کو مصر میں داخل کیا گیا اس قافلہ کے داخل مصر ہونے کے گیارہ روز بعد ۱۲ رجب ۶۵۹ھ میں شہر مصر کے قصرِ جبل میں ایک دربار عام ہوا، جس میں سلطان مصر ملک الظاہر اور تمام علما قضاۃ اور

اکابرین شہر اس دربار میں شریک ہوئے ۔

اس مجمع کے سامنے ابوالقاسم نے کھڑے ہو کر اپنا نام و نسب ظاہر کیا، اور قاضی قضاۃ مصر نے جو تمام علماء میں ممتاز تھے، کھڑے ہو کر ابوالقاسم کے بیان کی تصدیق کی ۔

اس تصدیق کے ہوتے ہی سب سے پہلے وہاں شیخ الاسلام عزالدین بن عبدالسلام نے اُن کے ہاتھ پر بیعت خلافت کی، بعد ازاں سلطان مصر ملک الظاہر نے بیعت کی، اس کے بعد قاضی تاج الدین نے، اور اُن کے بعد تمام علماء و روساء نے ۔

چنانچہ ابوالقاسم کو اہل مصر نے خلیفہ مقرر فرمایا، اور آپ نے المستنصر باللہ کا لقب اختیار کیا، اس طرح مصر میں خلافت عباسیہ کا دوسرا دور شروع ہوا، لیکن اس وقت اس بات کا کسی کو خیال نہ تھا، کہ آئندہ خلیفہ کا قیام قاہرہ ہی میں رہے گا، بلکہ یہ سمجھا گیا تھا، کہ نئے خلیفہ کے ہاتھ پر بیعت اگرچہ مصر میں ہوگی لیکن وہ عراق میں واپس جا کر دارالسلام بغداد میں اپنے آبائی مسند خلافت پر جلوس کرے گا ۔

چنانچہ چند ہی روز بعد المستنصر باللہ نے سلطان مصر سے بغداد جانے کی اجازت مانگی، سلطان نے فقط اجازت ہی نہ دیدی، بلکہ مجاہدین کا ایک لشکر جرار لیکر خلیفہ کے ساتھ کر دیا، تاکہ شام کے انتہائی حدود تک پہنچا آئے ۔

الغرض ملک الظاہر اور المستنصر باللہ دونوں نے قاہرہ سے روانہ ہو کر ذیقعد ۶۵۹ھ کو دمشق میں قیام کیا، اور وہاں جمعہ کی نماز دونوں نے ساتھ ادا کی، اور اس کے بعد ملک الظاہر مصر میں واپس آگیا، اور المستنصر باللہ مجاہدین کے ساتھ آگے بڑھا، اسلئے کہ عراق کو مغلوں سے مقابلہ کر کے لینا تھا ۔

یہ لوگ ابھی علاقہ الجزیرہ کے شہر ہیت تک پہنچے تھے، کہ وہاں تاتاریوں کے ایک لشکر عظیم سے سامنا ہو گیا، اس معرکہ میں مسلمان اگرچہ جان پر کھیل کر لڑے مگر دشمن

کا لشکر زبردست تھا شکست کھائی، اور بہت سے مسلمان شہید ہوئے، اسی جنگ میں خلیفہ المستنصر باللہ کا پتہ نہ لگا، کہ وہ کیا ہوئے، یہ المناک واقعہ ۳ محرم ۶۶۰ھ مطابق ۱۲۶۱ء کو درپیش آیا ۔

المستنصر کے ساتھ جو لوگ بھاگ کر جان بچا سکے اُن میں ایک ابو العباس احمد عباسی بھی تھا، جو خلیفہ المسترشد باللہ کی نسل میں سے تھا، وہ بھاگتا ہوا راجیرین جا پہنچا اور عیسیٰ بن مہنا نام وہاں کے حاکم سے ملا، عیسیٰ نے اُس کی اطلاع مصر میں ملک الظاہر سے کی، اور اُس نے اُسے فوراً بلا لیا ۔

ابو العباس ۲۷ ربیع الثانی ۶۶۰ھ میں قاہرہ داخل ہوا، جہاں نہایت ذوق و شوق سے اس کا استقبال کیا گیا، اور قلعہ جبل میں ٹھہرایا گیا، چند روز کے بعد ۸ محرم ۶۶۱ھ میں سلطان مصر نے ایک عظیم الشان دربار کیا، اور اس دربار میں جب ابو العباس نے اپنے نسب کو ثابت کر دیا، تو سب نے اُس کو خلیفہ تسلیم کر لیا، اور اُس کے ہاتھ پر بیعت کی گئی ۔

اس خلیفہ نے اپنے لئے الحاکم بامر اللہ کا لقب اختیار کیا، اس کی یہ حالت رہی کہ ہمیشہ لوگوں کو تاتاریوں پر جہاد کرنے کیلئے اُبھارتا رہتا تھا، آخر ۸ جمادی الاولیٰ ۷۰۱ھ مطابق ۱۳۰۱ء میں اس کا انتقال ہو گیا، اور اُس کی جگہ اس کا فرزند ابو الربیع سلیمان مامور ہوا، جس نے المستکفی باللہ کا لقب اختیار کیا، یہ واقعات چودھویں صدی عیسوی کے شروع سال کے ہیں، ان دنوں ہندوستان میں خاندان غلامان[۱] کی اسلامی حکومت کا خاتمہ ہو گیا، اور خاندان خلجی کی سلطنت کا بانی جلال الدین خلجی ہند کے تخت پر جلوہ فرما تھا، جو فیروز شاہ کے لقب سے ملقب ہوا، یہ اگرچہ ۷۵ سال کا بوڑھا تھا، لیکن بڑا دلیر اور بہادر تھا، اس

ہندوستان میں خاندان خلجی کی اسلامی حکومت ۱۲۹۰ء تا ۱۳۲۰ء

ص۱ خاندان غلامان کا حال گذشتہ صفحات پر ۶۲۳ھ سے ۶۸۹ھ تک کے ماتحت لکھا جا چکا ہے ۔ ۱۲

نے دکن کی ریاست پر حملے کئے، اور ریاست دیوگری (جو اس وقت دولت آباد کے نام سے مشہور ہے) کے راجہ کو شکست دی، اور ۱۲۹۵ء میں فوت ہو گیا ؛

جلال الدین خلجی کے بعد اس کا لڑکا علاؤ الدین خلجی ہند کے تخت حکومت پر جلوہ آرا ہوا، جس نے بڑی خوش اسلوبی سے ۱۳۱۵ء تک ہندوستان پر حکومت کی اس کے عہد حکومت میں تجارت کو نمایاں ترقی ہوئی، راجپوتوں کو اس نے پامال کر دیا، قلعہ چتوڑ کو سر کیا، راجہ چتوڑ گڈھ کی رانی پدمنی پر عاشق ہوا، جیسلمیر کا قلعہ بھی اسی نے فتح کیا یہ بادشاہ اگرچہ بے علم تھا، لیکن اس نے اپنے ۲۰ سال کے عرصہ حکومت میں بہادرانِ اسلام کی دھاک بٹھا دی، آخر ۱۳۱۵ء میں راہئی بقا ہوا، اور اس کے بعد جلال الدین خلجی کا بھتیجا شہاب الدین عمر ۱۲۹۵ء میں تخت حکومت پر بیٹھا، اور ملک کافور نے اس کا بہت ساتھ دیا، چنانچہ مہاراشٹر کو اسی نے تسخیر کیا تھا ؛

ریاست دیوگری کا راجہ سرکش ہو گیا تھا، اس نے راجہ دیوگری کو شکست دیکر دکن میں پھر اسلامی پرچم لہرایا، خضر خان اور دیول دیوی کا مشہور واقعہ اسی کے عہد سلطنت اور دیوگری کی مہم میں واقع ہوا ہے، جو اس طرح سے ہوا، کہ کملا دیوی جو علاؤ الدین کی بیوی تھی، اسنے یہ خواہش ظاہر کی، کہ میری لڑکی دیول دیوی کو میرے پاس بھیجدو جب راجہ کو یہ خبر ملی کہ شاہی سپہ سالار کملا دیوی کی خواہش کے مطابق دیول دیوی کو مجھ سے چھین کرلے جانا چاہتا ہے۔ اُس نے دیول دیوی کو چھپا دیا، مگر اتفاق سے دیول دیوی شاہی لشکر کے ہاتھ آ گئی، اور اپنی ماں کملا دیوی کے پاس پہنچا دی گئی ؛

لیکن یہاں علاؤ الدین کا بیٹا خضر خاں اس کو دیکھ کر عاشق ہو گیا تھا اس نے اپنے لئے دیول دیوی کو حاصل کرنے کی کوشش کی، آخر کامیاب ہو گیا اور دیول دیوی خضر خاں کے ساتھ منسوب ہو گئی ؛

ملک کافور نے علاوہ اس کے اور بھی بہت سی فتوحات کیں، لیکن سلطنت کی

طمع سے اِس نے اپنے آقا یعنی بادشاہ ہند شہاب الدین عمر کو زہر دے کر ہلاک کر دیا، یہ واقعہ ۱۳۱۶ء کا ہے ؛

شہاب الدین کے مرنے کے بعد علاؤالدین خلجی کا بیٹا مبارک ۱۳۱۶ء میں تختِ حکومت پر جلوہ افروز ہوا لیکن یہ بادشاہ عیش پرست تھا اسلئے سلطنت کا انتظام نہ کر سکا، جس کا نتیجہ یہ ہوا، کہ اس خاندانِ خلجی کی سلطنت میں بدنظمی پھیلی اور چاروں طرف سے بغاوت کے آثار نمایاں ہو گئے، مبارک خود تو کاروبار سلطنت میں کیا منہمک رہتا، اُس نے اپنے ایک غلام خسرو خاں کو اُمورِ مملکت و انتظام سلطنت کے لئے مقرر کر رکھا تھا لیکن اس نے نمک حرامی کی یعنی ۱۳۲۰ء میں ملک مبارک کو قتل کر کے خود بادشاہ بن بیٹھا، اور خضر خاں کی بیوہ دیول دیوی سے شادی کر کے ناصر الدین کا لقب اختیار کیا، اور اپنے آقا کے خاندانِ خلجی پر اِس قدر ظلم کئے، کہ خلجی خاندان کا ایک بچہ تک اس نے زندہ نہ چھوڑا، رعایا تک اِس کے ظلم سے تنگ آگئی، لوگوں نے تنگ آکر آخر لاہور کے صوبیدار غازی بیگ تغلق کو پیغام بھیجا، اور انہی نے اِس مردود کا خاتمہ کر کے ہندوستان میں خاندانِ تغلق کی حکومت کا آغاز کیا ؛

گویا ۷۲۰ھ مطابق ۱۳۱۹ء کے زمانہ میں ہندوستان میں اسلامی حکومت کی تو یہ حالت تھی، اور مصر کا بادشاہ اُن دنوں ملک الناصر تھا، المستکفی مسلمانوں کا خلیفہ تھا، جو ملک الناصر سلطان مصر کی ہی کوشش سے بنایا گیا تھا یہی وجہ تھی، کہ ملک الناصر اور المستکفی کے تعلقات ایسے گہرے تھے، کہ خلوت و جلوت میں دونوں ہمیشہ ساتھ رہتے تھے، اور ساتھ ہی اُٹھتے بیٹھتے شکار کو جاتے، تاتاریوں کے مقابل جہاد پر بھی دونوں گئے تھے، غرضیکہ بالکل بھائی بھائی نظر آتے تھے لیکن ۷۳۶ھ میں حاسدوں نے اِن میں تفرقہ ڈال دیا، اور المستکفی ملک الناصر سلطان مصر کے حکم سے

قوص میں بھیجدیا گیا، اور اسی جگہ اُس نے بقیہ زندگی پوری کی ؛

ہندوستان میں خاندان تغلق کی اسلامی حکومت ۱۳۲۱ء تا ۱۴۱۲ء

ان دونوں خاندان تغلق کا پہلا بادشاہ غیاث الدین بلبن تخت ہند پر جلوہ افروز تھا، جو ۱۳۲۱ء میں خاندان غلامان کے آخری ظالم بادشاہ ملک عادل کو شکست دیکر ہندوستان کی حکومت پر قابض ہوا تھا، اس نے اگرچہ صرف ۴ سال حکومت کی، لیکن ملک میں امن و امان قائم کر دیا، کہتے ہیں، کہ اس نیک صفات بادشاہ کی ہلاکت کا باعث ۱۳۲۵ء میں اپنا بیٹا جونا خان ہوا، لیکن در اصل وہ اپنی موت مرا ہے ؛

۱۳۲۵ء میں غیاث الدین بلبن کے مرنے بعد اس کا بیٹا جونا خان تخت ہند پر جلوہ افروز ہوا، جس نے اپنا لقب محمد تغلق قرار پایا، اس کے عہد سلطنت میں ہی دکن میں ظفر خان نامی ایک افغان نے سلطان علاؤ الدین بہمنی نے بہمنی القاب سے ملقب ہو کر سلطنت بہمنی کی بنیاد ڈالی ؛

۱۳۴۹ء میں سندھ کے مغربی شہر محمد تغلق کے ہاتھ سے نکل گئے، اُن کی سرکوبی کیلئے تیاری ہی کر رہا تھا، کہ بخار میں مبتلا ہو گیا، اور اسی بخار میں ۱۳۵۱ء میں جان بحق ہوا ؛

۱۳۵۱ء میں محمد تغلق مرحوم کا چچا زاد بھائی فیروز تغلق سریر آرائے سلطنت ہوا، فیروز تعلیم یافتہ شخص تھا، اُس نے تمدن ہند کو اسلامی رنگ میں لانے کی بڑی کوشش کی ہے، انتظام سلطنت امور مملکت میں بھی سابقہ شاہان ہند سے کوئی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا، مذہب اسلام کا خادم تھا، مگر تمام رعایا کو خوش رکھتا تھا، اور نہایت رحم دل بادشاہ تھا ؛

لیکن اس رحمدلی کا نتیجہ یہ ہوا، کہ اڑیسہ بہار اور بنگال کے ہندو راجے خود مختار ہو گئے، جن کی وجہ سے اسلامی سلطنت کا بہت سا حصہ نکل گیا ؛

۱۳۸۸ء میں فیروز تغلق اپنے آپ تختِ ہند سے دست بردار ہو گیا، اور اپنی جگہ اپنے لڑکے ناصر الدین کو مامور کیا، ۱۳۸۸ء میں فیروز تغلق نے وفات پائی، اور اس کے مرنے پر اُس کی اولاد میں نفاق پڑ گیا، اور اس کا نتیجہ یہ ہوا، کہ اس خاندان کی سلطنت کا خاتمہ ہو گیا ؛

ادھر ان دنوں مصر و بغداد میں خلافت اسلامی کا یہ حال تھا، کہ سلطان مصر ملک الناصر نے خلیفہ المستکفی کو قوص بھیجا تھا، تو اُس کے ساتھ ہی اُس کو اس بات کی بھی وصیت کر دی گئی تھی، کہ اُن کے بعد اُن کا بیٹا احمد خلیفہ بنایا جاوے ؛

لیکن خلیفہ المستکفی نے سلطان مصر کے اس مشورہ کو نہ مانا، اور اسی ناراضگی میں خلیفہ المستکفی جان بحق ہوا ؛

اس کے مرنے بعد ۳ رمضان ۷۴۰ھ میں خلیفہ المستکفی کے بھتیجے ابراہیم کو سلطان ملک الناصر نے خلیفہ مقرر دیا ؛

چنانچہ یہ خلیفہ الواثق باللہ کے لقب سے ملقب ہوا، اس واقعہ کو ابھی ایک ہی سال گذرا تھا، کہ سلطان مصر ملک الناصر مرض موت میں گرفتار ہو گیا، اور اس وقت اپنے کئے پر پچھتاتے ہوئے مرتے وقت یہ وصیت کر دی، کہ الواثق باللہ خلافت سے معزول کر دیا جائے، اور اُس کی جگہ المستکفی کے بیٹے احمد کو خلیفہ بنایا جائے ؛

چنانچہ ملک الناصر کی وفات کے بعد جب ملک الناصر کا بیٹا ابوبکر منصور سلطان مصر ہوا، تو اُس نے ایک بڑا بھاری دربار منعقد کر کے خلافت کے متعلق علمائے سے بحث کی، اور جب المستکفی کے بیٹے احمد کی موافقت میں فیصلہ ہوا، تو الواثق باللہ کو خلافت سے معزول کر دیا گیا، اور اُس کی جگہ احمد کو مامور کیا گیا، احمد نے خلیفہ ہوتے ہی المستنصر باللہ کا لقب اختیار کیا، اور ۷۵۳ھ مطابق ۱۳۵۲ء میں اُس نے وفات پائی ؛

چونکہ خلیفہ المستنصر باللہ نے اپنے بعد کسی کو خلیفہ بنانے کی وصیت نہیں کی تھی،

اس لئے علمائے اسلام نے آپس میں مشورہ کرکے اُس کے بھائی ابو بکر بن المستکفی باللہ کو خلیفہ قرار دیا، جو المعتضد باللہ کے لقب سے ملقب ہوا، اس خلیفہ نے دس سال خلافت کرکے ۸، جمادی الاوّل ۷۶۳ھ مطابق ۱۳۶۱ء کو انتقال کیا، اور انتقال کرتے وقت اپنے بیٹے ابو عبداللہ محمد کو اپنا جانشین مقرر کر گیا، جس نے المتوکل علی اللہ کا لقب اختیار کیا یہ وہ دن تھے، جبکہ مصر کے تختِ حکومت پر ملک الظاہر برقوق متمکن تھا ؎

۷۸۵ھ میں اُسے یہ معلوم ہوا، کہ میرے قتل کی سازش کی گئی ہے، جس میں خلیفہ المتوکل علی اللہ بھی شامل ہے، اس خبر کے سنتے ہی ملک الظاہر والی مصر نے تمام علماء اور فضلا کو جمع کرکے اُن سے خلیفہ المتوکل علی اللہ کو معزول کرنے کیلئے کہا، لیکن علمائے اسلام نے ملک الظاہر کی خواہش کے مطابق ایسا فتویٰ دینے سے انکار کر دیا، اس پر سلطان مصر نہایت برافروختہ ہوا، اور اُس نے جبراً اپنے حکم سے اس خلیفہ کو معزول کرکے ایک قلعہ میں قید کر دیا، بعدہٗ اُس کی جگہ الحاکم بامر اللہ کے پوتے عمر بن ابراہیم کو مامور کیا ؎

عمر نے خلیفہ وقت ہوتے ہی الواثق باللہ کا لقب اختیار کیا، لیکن چند روز کے بعد سلطان مصر ملک الظاہر کو اپنی اس بے اعتدالی کا افسوس ہوا، تو اُس نے خلیفہ سابق المتوکل علی اللہ کو قید سے رہا کرکے اپنے محل میں بلایا، اور نہایت عزت اور حرمت سے رکھا، مگر خلیفہ وقت الواثق باللہ ہی رہا ؎

آخر جب ۲۹، شوال ۷۸۸ھ مطابق ۱۳۸۶ء کو الواثق نے انتقال کیا، تو اُس کے مرنے پر لوگوں نے سلطان مصر سے استدعا کی، کہ اب المتوکل علی اللہ کو ہی خلیفہ مقرر کیا جاوے لیکن سلطان مصر نے رعایا کی اس استدعا پر سماعت نہ کی، بلکہ الواثق باللہ کی جگہ اُس کے بھائی زکریا کو خلیفہ مقرر کیا گیا، جس نے المعتصم باللہ کے لقب سے اپنے آپکو ملقب کیا ؎

لیکن رعایا المتوکل علی اللہ کو خلیفہ بنانا چاہتی تھی، کچھ تو رعایا کی پاس خاطر اور کچھ

ازراہ ترحم سلطان مصر نے ایک سال بعد المعتصم باللہ کو خلافت سے معزول کر کے المتوکل علی اللہ کو خلیفہ مقرر کیا ؛

۸۰۸ھ مطابق ۱۴۰۵ء میں خلیفہ المتوکل علی اللہ نے اس دار فانی سے رحلت کی ؛ یہ خلیفہ دولتمندی اور صاحب اولاد ہونے میں نہایت ہی خوش قسمت تھا، اس کے ایک سو لڑکے تھے، جن میں چار کو مسند خلافت پر جگہ ملی ؛

خلیفہ المتوکل علی اللہ کے ہی زمانہ میں خاندان عثمانیہ کی سلطنت کی بنیاد روم میں پڑ چکی تھی، اور عثمان خان کا بیٹا بایزید خان حکومت کر رہا تھا، مگر ابھی خاندان عثمانیہ کے کسی حاکم کی یہ مجال نہ تھی، کہ اپنے آپ کو سلطان یا بادشاہ کہلائے، کیونکہ جب تک دربار خلافت کسی بادشاہ یا سلطان کو تسلیم نہ کرے، اس وقت کوئی بادشاہ یا سلطان نہیں کہلا سکتا تھا ؛

چنانچہ ان دنوں اس وقت روم میں تو خاندان عثمانیہ کی بنیاد پڑ چکی تھی، اور اس طرف ہندوستان میں تاتاری حملوں کے بعد تاتاری قوم کا سردار سمرقند سے ہندوستان پر حملہ آور ہوا تھا،

قبل اس کے امیر تیمور اور اس کے حملہ ہندوستان کے حالات لکھے جائیں مناسب معلوم ہوتا ہے، کہ تاتاری قوم کی مختصر تاریخ بیان کر دی جائے ؛

> تاتاری قوم اور امیر تیمور والیٔ سمرقند کے حملے ہندوستان پر ۱۳۹۸ء تا ۱۴۱۲ء

تاتاری قوم بھی دراصل ترک قوم میں سے ہے، اسلام لانے سے قبل ان کی ایسی ہی حالت تھی جیسے عرب کے خانہ بدوش بدوؤں کی، یہ لوگ بھی بدوؤں کی طرح اپنی زندگی ایشیا کے بیابانوں میں گھومتے گھامتے گذارتے تھے، عہد اسلامی کے قبل یہ لوگ وسط ایشیا کے جنوب میں آباد تھے، مذہب اسلام قبول کرنے کے بعد یہ لوگ مہذب بن گئے اور قوم ترک میں شمار ہونے لگے ؛

اسی قوم کا سردار ۱۳۶۹ء میں سمرقند کے تختِ حکومت پر متمکن ہوا، جس کا نام امیر تیمور تھا، جس نے ۶۲ سال کی عمر میں ایشیائے کوچک کی مسلسل فتوحات کے بعد ہندوستان کا رخ کیا ؎

امیر تیمور کو معلوم تھا، کہ ہندوستان کے دار الخلافہ دہلی کی سلطنت کمزور ہے، اس لئے وہ ایک سال کے اندر دریائے اٹک کو عبور کر کے ۱۳۹۸ء میں دہلی کے سامنے آموجود ہوا، اس وقت خاندان تغلق کا آخری سہارا یعنی فیروز تغلق کا بیٹا محمود دہلی کے تخت کو سنبھالے ہوئے تھا، بھلا وہ بیچارہ کم سن اور ناتجربہ کار بے سرو سامان امیر تیمور جیسے ترک کا بھلا کیا مقابلہ کرتا، پھر دہلی کے دروازہ پر دشمن پہنچا ہوا، آخر محمود کو شکست فاش ہوئی، اور گجرات کی طرف بھاگ نکلا اور امیر تیمور نے ہندوستان میں اپنے نام کا ڈنکا بجادیا، مگر امیر تیمور صرف ۱۵ یا ۲۰ روز دہلی میں ٹھہرا، بہت سامال ومتاع لے کر سمرقند کو واپس لوٹ گیا ؎

اور ہندوستان پر خضر خان کو اپنا نائب مقرر کر گیا ؎

امیر تیمور کے واپس چلے جانے کے بعد سلطان محمود گجرات سے پھر دہلی میں واپس آیا لیکن ۱۴۱۲ء میں مرگیا ؎

خاندان سادات کی حکومت
اسلامی ہندوستان پر ۱۴۱۲ء تا ۱۴۵۱ء

محمود کے مرنے کے بعد ارکین سلطنت نے دولتخاں لودھی کو بادشاہ بنایا، لیکن امیر تیمور کے نائب خضر خان نے تخت پر نہ بیٹھنے دیا، اس لئے تختِ ہند پر خضر خان قابض ہو گیا، خضر خان کے بعد یکے بعد دیگرے اُس کے تین جانشین ہندوستان کے تخت پر متمکن ہوئے، اور یہی جانشینی خاندانِ سادات کے نام سے مشہور ہوئی ؎

ہم پہلے لکھ چکے ہیں، کہ اس وقت اسلامی سلطنت کے کسی والی کو سلطان یا بادشاہ کے لقب سے اسوقت تک ملقب نہ کیا جاتا تھا جبتک کہ دربار خلافت کی طرف سے

یہ خطاب حاصل نہ کیا جائے ؛

چنانچہ روم میں خاندانِ عثمان کا جو بادشاہ اس وقت سر یرآرا تھا، اس کا نام بایزید خاں تھا، چنانچہ بایزید نے خطاب شاہی حاصل کرنے کیلئے خلیفہ وقت المتوکل علی اللہ کے پاس بہت سے تحائف بھیجکر التجا کی، کہ اُسے شاہی القاب سے ملقب کیا جائے، آخر بایزید خان کی التجا قبول ہوئی، اور خلیفہ وقت نے اُسے ۷۹۷ھ میں سلطانِ روم کا خطاب دیا ؛

لہذا اس وقت سے آل عثمان کے فرمانروائے روم سلطانِ روم کے القاب سے ملقب ہوئے ؛

المتوکل نے اگرچہ شروع سے ہی اپنے بیٹے احمد کو اپنا جانشین قرار دے دیا تھا، بلکہ اس کا القاب المعتمد علی اللہ نے خود ہی تجویز کر دیا تھا، لیکن کسی وجہ سے چند روز بعد اُس کو اس ولی عہدی سے محروم کر کے اپنے دوسرے بیٹے ابوالفضل کو ولی عہد قرار دیا، چنانچہ خلیفہ المتوکل علی اللہ کے بعد وہی خلیفہ ہوا، اور اُس نے اپنے آپ کو المستعین باللہ کے القاب سے ملقب کیا ؛

لیکن المستعین باللہ آٹھ سال خلافت کر کے ۸۱۶ھ مطابق ۱۴۱۳ء میں معزول کر دیا گیا، اور اُس کی جگہ اُس کا بھائی داؤد خلیفہ مقرر کیا گیا، جس نے اپنا لقب المعتضد باللہ قرار دیا ؛

معزول خلیفہ المستعین باللہ اسکندریا چلا گیا، المعتضد پورے تین برس تک خلیفہ رہا، اور جب اُس کی موت کا وقت قریب آیا، تو اُس نے اپنے بھائی ابوالرابیع سلیمان کو اپنا جانشین قرار دیا، ۴ ربیع الاول ۸۴۵ھ کو خلیفہ المعتضد باللہ کے مرنے پر ابوالرابیع نے المستکفی باللہ کے لقب سے خلافت کی اور آخر ذی الحجہ ۸۵۴ھ مطابق ۱۴۴۹ء میں وفات پائی، اُس کی جگہ اس کا بھائی ابوالبقا حمزہ القائم

بامر اللہ کے لقب سے خلیفہ مامور ہوا ؛

یہ وہ زمانہ تھا، جبکہ ہندوستان میں خاندانِ سادات کی حکومت کا خاتمہ ہونے کے بعد خاندانِ لودھی کی حکومت تھی، اور لودھی خاندان کا پہلا بادشاہ علاؤ الدین بہلول لودھی تختِ حکومت پر جلوہ افروز تھا ؛

خاندان لودھی کی اسلامی حکومت ہندوستان میں ۱۴۵۱ء تا ۱۵۲۶ء

بہلول لودھی نہایت عقلمند اور شائستہ مزاج بادشاہ تھا، اُس نے تختِ ہند پر متمکن ہوتے ہی سلطنت کی بدانتظامیوں کو دُور کیا، چھبیس سال کے عہدِ حکومت میں جونپور کو فتح کیا، اس کے بعد ۱۵۲۶ء میں اس کا بیٹا سکندر لودھی تختِ ہند کا جانشین ہوا، جس کی عہدِ سلطنت میں ہندو مسلمان ایک ہو گئے، گویا خلافت عباسیہ کے خاتمہ اور آل عثمان کی سلطنت کے آغاز میں ہی سکندر لودھی تختِ ہند پر جلوہ فرما تھا، اس کے باقی حالات ہم خلافت آل عثمان میں لکھیں گے، کیونکہ ۱۵۱۷ء میں ہی خلافت سلاطین ترکان آل عثمان سے وابستہ ہو گئی تھی ؛

پچھلے صفحات میں ہم لکھ چکے ہیں، کہ ۸۴۹ھ میں القائم بامر اللہ مسلمانوں کا خلیفہ تھا ؛

اسی القائم کے عہدِ خلافت میں ایک دفعہ مصری فوج سلطانِ مصر کے خلاف ہو گئی تھی، اس بغاوت میں خلیفہ نے بھی فوج کا ساتھ دیا تھا، لیکن سلطانِ مصر نے جب فوج کی اس سرکشی پر فتح پائی، تو القائم مارے شرم کے سلطانِ مصر کو منہ نہ دکھا سکا، اور اسی شرمندگی میں خود ہی ۸۵۹ھ مطابق ۱۴۵۴ء میں عہدِ خلافت سے دست بردار ہو گیا، اس پر مسلمانوں نے اس کے بھائی ابو العباس یوسف کو اپنا خلیفہ مقرر کیا، جس نے اپنا لقب المستنجد باللہ قرار دیا، معزول خلیفہ القائم القاہرہ کو چھوڑ کر اسکندریہ میں چلا گیا، اور وہیں ۸۶۳ھ میں جان بحق ہوا ؛

المستنجد باللہ نے ۴ محرم ۸۸۴ھ مطابق ۱۴۷۹ء کو دنیا سے رحلت کی اور اپنے بھتیجے سیدی عبدالعزیز ابوالخیر یعقوب بن متوکل کو اپنا جانشین قرار دیا، جس نے المتوکل علی اللہ کا لقب اختیار کر کے تقریباً ۵۰ سال تک خلافت کی آخر ماہ محرم ۹۲۳ھ مطابق ۱۵۱۷ء کو آل عثمان کا صاحب عظمت و جبروت تاجدار سلطان سلیم خان عساکر مصر کو شکست دے کر قاہرہ میں داخل ہوا، اور مصر و شام کے ساتھ عرب اور حرمین شریفین کی حکومت بھی اس کے قبضہ تصرف میں ہو گئی ان فتوحات کے بعد سلطان سلیم خلیفہ عباسی المتوکل علی اللہ سے ملا اور بہ لطف و مرحمت پیش آیا، اور اُس کو اپنے ساتھ قسطنطنیہ میں لے گیا ؎

ان مہربانیوں کے معاوضہ میں خلیفہ المتوکل علی اللہ نے دعوئے خلافت سے دست بردار ہو کر خلافت اسلامیہ کا حق سلطان سلیم کو تفویض فرمایا، اور جو علامات و تبرکات خلافت خزانہ خلافت میں علامات خلافت کے طور پر تھے، وہ سب فتحمند سلطانِ روم کے حوالے کر دیئے، ان تبرکات میں سے ایک عہدِ رسالت کا علم مبارک تھا، اور ایک حضور پر نور آنحضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تلوار تھی، اور ایک حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر مبارک تھی، چنانچہ اس وقت سے سلطان سلیم نے اپنے القاب میں امیر المؤمنین، خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، اور خادم حرمین شریفین کے خطابات اضافہ کئے ؎

حکومت بنی عباسیہ کے اسباب زوال

ہم پہلے بھی لکھ چکے ہیں، کہ خلیفہ معتصم باللہ عباسی نے ملک مصر میں لوف اشرقیہ اور وقیلیہ کے رہنے والوں سے ایک جماعت بنا کر انہیں اپنی فوج میں بھرتی کیا تھا، اور اس کا نام معزلی رکھا تھا، اس کے علاوہ سمرقند، افسروستر اور فرغانہ سے بھی بہت سے آدمی اکٹھے کر کے اُن کو بھی فوجی خدمت میں رکھا تھا؛ اور اُن کا نام فراغنہ مقرر کیا تھا، جو زیادہ تر اس کے حاشیہ میں رہتے تھے، یہ دونوں جماعتیں اُن گروہوں کے علاوہ تھیں، جو اُس کے یہاں خالص عربی فوجوں سے موجود تھے؛

خلیفہ معتصم باللہ کے بعد اور خلفاء نے بھی نئے نئے گروہ تیار کئے اور دوسری قوموں کے لوگوں کو اپنے یہاں اتنا رسوخ اور اقتدار بخشا جس کے سبب سے خلافت عباسیہ میں بہت سے مختلف عنصر پیدا ہو گئے؛

چونکہ امور مملکت و انتظام سلطنت میں رکاوٹ ڈالنے والے اجنبی ہاتھ کثرت ہو گئے تھے، جس کا نتیجہ یہ ہوا، کہ خلفائے عباسیہ کمزور ہوتے گئے، اعمال و حکام اپنے اپنے صوبوں اور ملکوں میں رفتہ رفتہ خود مختار ہوتے گئے، خلفاء کی سلطنت نیز حکمرانی کا دائرہ سمٹتے سمٹتے اس قدر تنگ ہو گیا، کہ صرف دجلہ اور فرات کے مابین کا حصہ ان کی قلمرو میں داخل رہ گیا، مگر چوتھی صدی ہجری شروع بھی نہ ہونے پائی تھی، کہ یہ قلمرو بھی اُن کے قبضہ اقتدار سے باہر ہو گئی اب محض شہر بغداد خلیفہ اسلام کے زیر حکومت تھا، اور اس میں بھی اُس کی کامل حکومت نہ تھی، چنانچہ نمونے کے طور پر ہم اس وقت کی اسلامی حکومت کے دو ٹکڑے جو چوتھی صدی ہجری کے پہلے ربع حصہ میں راضی باللہ کے عہد میں ہو چکے

ستھے، ذیل میں دکھاتے ہیں

اسلامی حکومت کے حصے خلیفہ راضی باللہ کے عہد خلافت

سنہ ۳۲۲ھ میں

ممالک اسلامیہ	اور اُن کے احکام
بصرہ (عراق عرب)	ابن رائق کے قبضہ میں ....
خورستان	بریدی 〃
فارس	علاؤ الدین بن بویہ 〃
کرمان	ابی علی محمد بن الیاس 〃
رے، اصفہان اور کوہستان ..	رکن الدولہ بن بویہ 〃
موصل، دیار بکر، مضر اور ربیعہ مصر و	بنی حمدان 〃
شام	رخشید 〃
خراسان اور ماورالنہر	سامانی خاندان 〃
طبرستان اور جرجان	دیلیمون 〃
بحرین اور یمامہ	قرامطہ 〃

اور جس وقت خلافت بنی عباس کے ہاتھوں میں پہنچی ہے اس وقت اسلامی ممالک کی ترتیب مندرجہ ذیل تھی :۔

کل اسلامی حکومت جس وقت بنی عباسیہ کا اس پر قبضہ ہوا

نام ملک	اور اُس کے ماتحت علاقے
(۱) کوفہ	مضافات سواد وغیرہ
(۲) بصرہ	مہرجان، قباد کنارہ دجلہ تک اور وہ حصۂ ملک جو دجلہ کے اُس پار بحرین اور اُس کا علاقہ عمان تک چلا گیا ہے :۔
(۳) حجاز	یمامہ
(۴) یمن	
(۵) اہواز	اور سوزیانا
(۶) فارس	
(۷) خراسان	
(۸) موصل	
(۹) جزائر	مابین النہرین، آذربائیجان آرمینیا
(۱۰) شام	
(۱۱) مصر	
(۱۲) افریقہ	
(۱۳) ملک سندھ	
(۱۴) اُندلس	

خاندانِ عباسیہ کے عہدِ خلافت کے زمانہ ترقی میں مملکت اسلامی کا دائرہ بہت وسیع ہو گیا تھا، یہاں تک کہ عہدِ اسلام میں آج تک جتنی وسعت اسلامی قلمرو کو حاصل ہوئی ہے، وہ سب سے زیادہ اسی عہد میں تھی، اگرچہ بعض صوبے عباسیوں کی حکمرانی سے خارج ہو کر خود مختار بن گئے تھے، لیکن یہ سب صوبے خلافت کے زیر اثر تھے، اور خلیفہ کا خطبہ ہی پڑھا کرتے تھے ؛

ہمارے خیال میں خواہ کتنی ہی جداگانہ حکومتیں کیوں نہ رہی ہوں، پھر بھی اسلامی سلطنت تو بہر حال قائم تھی، اور مسلمان لوگ ہی اس پر حکمران تھے، عباسی مملکت کی حدود شمال میں ترکستان کے بالائی حصہ تک ایشیا میں اور کوہستان پانیر تک سپین میں، جنوب میں بحر عرب بحر اعظم ہندوستان اور صحرائے افریقہ تک، مشرق میں ملک سندھ اور پنجاب تک، ملک ہندوستان میں اور مغرب میں زطالطک روشن تک پھیلی ہوئی تھیں، اور اس کا رقبہ یورپ کے رقبہ سے دوگنا تھا، اس وسیع سلطنت کی عظمت ظاہر کرنے کیلئے ہم اس کے صوبوں کے نام لکھے دیتے ہیں، اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے، کہ ان صوبوں کے متعلق کتنے شہر ہونگے ؛

خلافت عباسیہ کی ترقی کے زمانہ میں اقالیم اسلامی

نمبر شمار	نام صوبہ	نمبر شمار	نام صوبہ	نمبر شمار	نام صوبہ	نمبر شمار	نام صوبہ
۱	سواد	۱۲	ہمدان	۲۳	طبرستان	۳۴	طریق فرات
۲	اہواز	۱۳	ماسیذان	۲۴	تکریت	۳۵	قنسرین عواصم
۳	فارس	۱۴	سرخان قذق	۲۵	شہرزور	۳۶	حمص
۴	کرمان	۱۵	ایغارین	۲۶	صامغان	۳۷	دمشق
۵	مکران	۱۶	قم اوکاذان	۲۷	موصل	۳۸	اروان
۶	اصفہان	۱۷	آذربائیجان	۲۸	دیار ربیعہ	۳۹	فلسطین
۷	سجستان	۱۸	رے	۲۹	ازرن	۴۰	مصر
۸	خراسان	۱۹	قزومن	۳۰	طردن	۴۱	حرمین شریفین
۹	حلوان	۲۰	زنجان	۳۱	آرمینیا	۴۲	یمن
۱۰	کوفہ	۲۱	قومس	۳۲	آمد	۴۳	یمامہ اور بحرین
۱۱	بصرہ	۲۲	جرجان	۳۳	دیار مصر	۴۴	عمان

یہ صوبے اندلس کی سلطنت کے علاوہ ہیں جس کے حکمران مسلمان تھے۔

اسلامی اقالیم کی مردم شماری

یہ بات ہماری طاقت سے باہر ہے، کہ ہم اسلام کے زمانہ ترقی کی مردم شماری بتلا سکیں، کیونکہ خلافت راشدہ کے بعد ہمیں کسی تاریخ سے مسلمانوں کی مردم شماری معلوم نہیں ہو سکی، اور نہ کسی مؤرخ نے اس کو صحیح طور لکھا ہی ہے ؛

اس لئے ہم ان دنوں کی مردم شماری کا نقشہ پیش کئے دیتے ہیں، اسی اندازہ کے مطابق اسلام کے زمانہ ترقی کی مردم شماری کا پتہ لگ سکتا ہے، جبکہ ہر طرح اسلام ہی اسلام نظر آتا تھا ؛

نام ملک	آبادی	نام ملک	آبادی
ایران	۹۰۰۰۰۰۰	ممالک مصر	۱۰۰۰۰۰۰۰
افغانستان	۴۰۰۰۰۰۰	نوبیہ سوڈان	۱۰۰۰۰۰۰
بلوچستان	۵۰۰۰۰۰	طرابلس العرب	۱۰۰۰۰۰۰
سندھ	۳۰۰۰۰۰۰	خرایدعرب	۴۴۲۹۰۰۰
ترکستان	۴۰۰۰۰۰۰	ٹیونس	۱۵۰۰۰۰۰
اناطولیا	۵۰۰۰۰۰۰	مراکو	۹۰۰۰۰۰۰
آرمینیا	۳۵۰۰۰۰۰	سپین	۱۷۰۰۰۰۰۰
عراق	۲۵۰۰۰۰۰	قبرس	۲۰۹۰۰۰
شام	۲۷۱۱۰۰۰	کریٹ	۲۹۴۰۰۰
جزیرہ عرب	۵۰۰۰۰۰۰		

علامات خلافت اور اُن کی تاریخ

خلافت کی تین علامتیں تھیں، (۱) چادر مبارک (۲) انگوٹھی (۳) عصا مبارک - لہٰذا ہم ان علاماتِ خلافات کے متعلق الگ الگ بیان عرض کرتے ہیں :۔

چادر مبارک

یہ چادر مبارک حضور پرنور حضرت محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تھی جسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اوڑھا کرتے تھے، یہی چادر مبارک حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے کعب بن زبیر کو عطا فرمائی تھی، چنانچہ کعب کے گھرانے میں یہ چادر مبارک اس وقت تک موجود رہی، جبکہ امیر معاویہؓ بن ابی سفیان نے اپنی خلافت کے زمانہ میں خاندان کعب سے یہ چادر مبارک چالیس ہزار درم دیکر لے لی :۔

اس کے بعد خاندانِ اُمیہ اور عباسیہ خلفاء میں وراثتاً منتقل ہوتی رہی، بعض مورخوں نے لکھا ہے، کہ خلفائے عباسیہ سے تاتاریوں نے لے لی، بہرحال کسی کے پاس رہی ہو، اب تک یہ چادر مبارک آستانہ (استنبول) کی سرائے قدیمہ کے اندر تبرکات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں موجود ہے :۔

انگوٹھی یا مُہر

حضور پُرنور ہادیٔ اسلام آنحضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ تبلیغ اسلام میں جب قیصر وکسریٰ کو دعوتِ اسلام کے خطوط لکھے گئے، تو اس وقت ہادیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک چاندی کی مُہر بنوائی، اُس کے نگینہ کی جگہ "محمد رسول اللّٰہ" صلی اللہ علیہ وسلم کا متبرک کلمہ کھدوا دیا :۔

یہ مُہر حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات حسرت آیات کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تفویض ہوئی، اور ان کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پھر حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ سے چاہ میں گر گئی، جب نہایت تلاش کرنے پر بھی یہ انگوٹھی مبارک نہ ملی، تو حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک اور مُہر بنوالی ؛

غرضیکہ جتنے خلفا ہوئے سب اپنی مہریں بنواتے چلے گئے، لیکن خلفا مہروں پر اپنا نام نہیں کھدواتے تھے، بلکہ ایسا کلمہ کھدواتے تھے، جس میں خُدا کی حمد و ثنا یا پند نصیحت پر مبنی ہوتا تھا، چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی مُہر پر نعم القدر (یعنی اللہ ہی سب سے بڑھ کر قادر ہے) کندہ تھا، اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مہر پر، کفی بالموت واعظًا یا عمرؓ (یعنی اے عمر موت کا واعظ ہے) منقوش تھا، حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی انگوٹھی لتصبرن او لتندمن (یعنی یا صبر یا ندامت) اور حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہٗ کی مہر الملک اللہ (یعنی ملک اللہ ہی کا ہے) کندہ تھا ؛

خلفائے بنی اُمیّہ اور بنی عباس بھی اس طریق کار کے پابند رہے، ان میں سے ہر ایک کے واسطے ایک خاص فقرہ تھا، جس سے اُس نے اپنی مہر پر کندہ کرایا تھا، اور اکثر اس مہر کی عبارت میں اور خلیفہ کے نام میں کوئی معنوی مناسبت بھی ہوا کرتی تھی، جیسے کہ مامون الرشید کی مہر کا نقش تھا، کہ عبد اللہ یومن باللہ مخلصًا۔ (یعنی بندہ خدا، خُدا پر اخلاص کے ساتھ ایمان لایا ہے) اور واثق باللہ کی مہر پر "اللہ ثقۃ الواثق" (یعنی خُدا کا بھروسہ پکا ہے) کندہ تھا، متوکل علی اللہ کی انگوٹھی پر (علی اللہ توکلت) (یعنی میرا بھروسہ اللہ پر ہے) اور معتمد باللہ کی خاتم پر "اعتمادی علی اللہ وھو حسبی" کندہ تھا، ؛

اور ان دونوں تبرکات علامات کو خلافت سے تعبیر کیا جاتا ہے، جو آستانۂ علیہ کے محل سرائے قدیمہ کے اندر ایک خاص کمرہ میں چاندی کے صندوق کے اندر محفوظ ہیں، اور وہ تبرکات حسب ذیل ہیں ؛

(۱) چادر مبارک (نبی صلی اللہ علیہ وسلم) (۲) دندان مبارک نبی صلی اللہ علیہ وسلم (۳) موئے مبارک نبی صلی اللہ علیہ وسلم (۴) پاپوش مبارک نبی صلے اللہ علیہ وسلم (۵) علم نبوی صلے اللہ علیہ وسلم (۶) دو لوہے کے برتن جس میں حضرت خلیل اللہ علیہ السلام زمزم کا پانی پیا کرتے تھے، (۷) امام ابی حنیفہ کا جبہ مبارک (۸) سیدنا حضرت یحییٰؑ کا ذراع، ان تبرکات کی ہر سال رمضان شریف کی ۱۵ تاریخ کو زیارت ہوتی ہے، جلالتمآب سلطان المعظم اپنے جلوس سواری کے محل موصوفہ بالا کی جانب تشریف لے جا کر وہاں رسم زیارت ادا فرماتے اور ان متبرک چیزوں سے برکت حاصل کرتے ہیں، اس موقعہ پر سلطنت کے بڑے بڑے اراکین اور عہدہ دار بھی سلطان کے ہمرکاب ہوتے ہیں ؛

عصا مبارک

خلافت کی تیسری علامت عصا ہے، جس وقت کوئی نیا خلیفہ مسند خلافت پر متمکن ہوتا ہے، تو چادر، انگوٹھی، عصا، اس کے سامنے پیش کیا جاتا تھا، بنی امیہ اور بنی عباسیہ کے عہد کا ہمیشہ یہی دستور جاری رہا ؛

خلیفہ سے بیعت کرنیکا طریقہ

بیعت کے معنے اقرار اطاعت ہیں، جب کسی شخص نے کسی امیر سے بیعت کی تو گویا اُس نے اُس کی فرمانبرداری کا اقرار کرلیا، بلکہ اپنی ذات کے تمام معاملات کا اُسے مختار بنا دیا ؛

اہل عرب کا دستور تھا، کہ جب وُہ کسی امیر سے بیعت کرتے تھے، اپنے ہاتھوں کو اس کے ہاتھ میں دیتے اِس طرز عمل سے اقرار کی مضبوطی کا اظہار مقصود ہوتا تھا ؛

اسلام میں سب سے پہلے بیعت عقبہ ہوئی، اور اسی بیعت کے اصول پر بیعت کا طریقہ جاری ہوا ؛

جس وقت انصار نے حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم سے مقام عقبہ میں بیعت کی ہے، تو انہوں نے یوں کہا تھا، یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہم لوگ آپ کو پناہ دہی سے اس وقت تک بے تعلق ہیں، جب تک کہ آپ ہمارے ہاں تشریف نہ لے چلیں"، لہٰذا جب آپ ہمارے وطن میں پہنچ جائیں گے، تو ہماری پناہ میں آجائیں گے، "اس وقت جن باتوں سے ہم خود اپنا اور اپنے بال بچوں کا بچاؤ کرتے ہیں، آپ کو بھی اُن باتوں سے محفوظ رکھیں گے، نیز ہم نے بیعت کی اس اقرار پر، کہ خُدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائینگے، چوری نہ کرینگے، زنا نہ کرینگے، اپنی اولاد کو قتل نہ کرینگے اور کسی پر بہتان نہ باندھیں گے، اور نہ کسی امر معروف میں نافرمانی کرینگے، جس زمانہ میں ابو مسلم خراسانی نے بنی عباس کے لئے بیعت طلب کرنی شروع کی، تو اس کا مضمون یہ تھا ؛

"میں تم سے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل بیت اللہ کی رضامندی کے لئے ان کی اطاعت کرنے پر بیعت لیتا ہوں، اور اس قول کے

نباہنے کے لئے خداوند پاک کا تم پر عہد اور میثاق ہے، تم روزینہ کا مطالبہ نہ کرو گے، اور نہ کسی قسم کا لالچ کرو گے، جب تک کہ تمہارے حکام از خود نہیں روزینہ دینا شروع نہ کریں، اگر تم اس کے خلاف کرو، تو تمہاری عورتوں پر طلاق، غلام کا آزاد کرنا، اور پیادہ کعبۃ اللہ کا سفر کرنا لازم ہوگا"۔

جب کسی خلیفہ کی بیعت ہوتی تھی، تو اس کا دستور یہ تھا کہ سب سے پہلے اکابر سلطنت بیعت کرتے تھے، اور اُن کے بعد اصحاب مناصب میں سے جو اُن سے دوسرے درجہ پر ہوتے تھے۔

عباسی حکومت میں سب سے پہلے خلیفہ سے بیعت کرنے والے فوجی لوگ اور سپہ سالار اور بغداد کے قاضی ہؤا کرتے تھے، اور اکثر اوقات ان لوگوں سے قسم لینے پر فوج کا میر منشی مقرر ہوتا تھا، اور لوگوں کا نام لے کر پکارا جاتا تھا، اس کے بعد وزیر یا اُس کا قائم مقام اُٹھ کر خلیفہ کے سر پر اپنے ہاتھوں سے عمامہ باندھتا تھا، اور اُسے چادر اڑھاتا تھا، جس وقت بیعت کی کارروائی ختم ہوجاتی، تو خلیفہ کے روبرو بہت سے القاب پیش کئے جاتے تھے، جن میں سے کسی ایک لقب کو پسند فرما کر وُہ اپنے آپ کو ملقب کرتا تھا۔

اِس قسم کے القاب صرف زمانہ اسلام میں ہی ایجاد ہوئے تھے، عباسی حکومت کے پہلے دور میں یہ القاب بہت ہی سادے ہؤا کرتے تھے، مثلاً امین، مامون رشید، وغیرہ مگر جب معتصم کا زمانہ آیا تو ایک بزرگی کا نام بھی اس کے لقب پر بڑھایا گیا، اور اس کا نام المعتصم باللہ قرار پایا، اس کے بعد خلفائے عباسیہ کے تمام القاب اسی قسم کے رکھے جانے لگے، جب خلیفہ سے اُس کے محل میں بیعت کر لی جاتی، تو پھر خلافت کا جلوس اُس کے سامنے حاضر کیا جاتا، جس میں بہت سے گھوڑے ہوتے تھے، جو جڑاؤ ساز و سامان سے آراستہ اور اُن کے سائیس بھی

زرق و برق کی وردیوں سے ملبوس ہوا کرتے تھے ؛

پھر خلیفہ کو خاص سواری پر سوار کرایا جاتا، اور بڑے بڑے عمائد سلطنت گھوڑوں پر اُس کے گرد حلقہ باندھ لیتے خلیفہ کے روبرو ایک شخص ننگی تلوار لئے پا پیادہ چلتا، اور فوجیں سر راہ دورویہ صف بستہ رہتیں، انہیں صفوں کے بیچ میں شاہراہ پر مرکب خلافت قصر خلافت تک جاتا جو کہ بغداد شریف کا دیوان عام تھا ؛

خلیفہ کے دیوان عام میں جلوس کرنے کے بعد حسب حالت و موقع ممالک غیر اور صوبجات ماتحت سے تہنیت جلوس پیش کرنے کے لئے آنے والے وفد حاضر دربار ہوتے، اور لوگ تہنیت نامے پیش کرتے تھے ؛

ولی عہد کی بیعت خلفاء اپنے بیٹوں کے واسطے ولی عہد کی بیعت لیا کرتے تھے یا اولاد نہ ہونے یا اُس کے صغیر سِن ہونے کی صورت میں اپنے بعد قرابتداروں کو ولی عہد بنایا کرتے تھے ؛

نیز خلفاء کو جس وقت ایسا کرنا منظور ہوتا، کہ کئی شخصوں کو ولیعہدی کیلئے نامزد کریں، تو اپنے ارادہ کو اہل الرائے لوگوں سے ظاہر کر کے اُن سے مشورہ لیتے، جس طرح کہ خلیفہ منصور عباسی نے کیا، کیونکہ اُس نے جس وقت اپنے فرزند مہدی کے لئے بیعت لینی چاہی، اور جعفر اس معاملہ میں اس پر معترض ہوا، تو منصور نے لوگوں کو حاضر ہونے کا حکم دیا، چنانچہ متعدد لوگوں نے جمع ہو کر تقریریں کیں، اور سب نے مہدی کی تائید کی، اس لئے مہدی کی بیعت غالب رہی ؛

خلفاء کا یہ بھی دستور تھا، کہ جب اپنے بیٹوں یا بھائیوں میں سے ایک سے زائد شخصوں کو خلافت کے قابل دیکھتے تھے، تو ایک بیٹے یا بھائی سے ولیعہدی کی بیعت لیتے اور شرط لگا دیتے، کہ اس کا جانشین فلاں یا

فلاں شخص ہو ؛

جیسا کہ یزید بن عبد الملک نے کیا، یعنی جس وقت اپنے ولی عہد کی بیعت لینی چاہی، چونکہ اس وقت اس کا بیٹا بہت ہی کم عمر تھا، تو اس نے اپنے بھائی ہشام سے اس شرط پر بیعت کی، کہ اس کے بعد میرا بیٹا ولید بن یزید جانشین ہو ؛

اکثر صورتوں میں جبکہ کوئی ضروری، اور لازمی بات خیال میں آجاتی، تو وقتاً فوقتاً شرائط بیعت میں کچھ تغیر و تبدل بھی ہو جاتا تھا، کبھی ایسا بھی ہوتا، کہ خلیفہ اپنے کسی بیٹے کو ولیعہدی کی بیعت لیتے ہوئے اس شخص کو نامزد کر دیتا، جو ولیعہد کا جانشین ہو سکے، اور ولیعہد کو اختیار دیتا تھا، کہ وہ چاہے تو نامزد شدہ شخص کو خلیفہ بنائے اور چاہے نہ بنائے ؛

جیسے کہ خلیفہ ہارون الرشید نے اپنے بیٹے مامون الرشید کے لئے ولی عہدی کا حکم لکھتے وقت اُس کے بعد اپنے دوسرے فرزند قاسم کو نامزد کرتے ہوئے مامون الرشید کو یہ اختیار دیدیا تھا، کہ اگر اس کی مرضی ہو تو قاسم کی ولیعہدی قائم رکھے ورنہ اُسے علیحدہ کر دے ؛

دولت عباسیہ کی ثروت

زمانہ عروج میں

اس میں کچھ شک نہیں کہ خلفائے راشدین کا عہد اسلامی تاریخ میں آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہے، یہ مبارک زمانہ حقیقی انصاف اور خدا ترسی کا دور تھا، اس دور میں حکومت حق پسندی، راستبازی اور سچی غیرت مندی کے قابلِ قدر اصول پر قائم تھی، اس وقت کے مسلمان دینداری میں نہایت راسخ تھے، اور دُنیا کو حقیر سمجھنا، ان کا شیوہ تھا، یہ وہ زمانہ ہے جس کو اس کے مابعد مسلمانوں نے اپنے طرز عمل کا رہنما بنایا، اور اُس کی پیروی کو اپنا فخر سمجھا، اور جس وقت کسی اسلامی حکومت نے اُن اصول کے خلاف ورزی کی، تمام مسلمان پبلک برافروختہ ہو جاتی تھی، اور حکومت سے شاہراہ حق کی طرف رجوع کرنے اور خلفائے راشدین کے نقش قدم پر چلنے کی خواہش کرتے تھے، ان برگزیدہ حکمرانوں کے بعد اسلامی حکومت کا طرز عمل بدل گیا، اور دینی خلافت کی جگہ دنیوی ملکداری کے قانون قائم ہو گئے، خلفا اور اُن کے عاملوں (گورنروں) کے دلوں میں حرص وطمع نے گھر کر لیا، اور وہ ہر ایک جائز اور ناجائز وسیلہ سے صرف مال و دولت کا جمع کرنا اپنا اصلی مقصد خیال کرنے لگے۔

لیکن یہ بھی ماننا پڑتا ہے، کہ خلفائے راشدین کے بعد مسلمان حکمرانوں کے نزدیک مال کا جمع رکھنا ایک ضروری امر تھا، تاکہ فتوحات میں ملک کا خزانہ مدد دے سکے۔

چنانچہ اندلس کے مشہور بادشاہ عبدالرحمٰن بن الناصر جس نے ۳۰۰ھ سے

سنہ ۳۵۰ھ تک فرمانروائی کی، اس نے سنہ ۳۴۰ھ تک تقریباً دو کروڑ دینار ملکی خزانہ میں جمع کئے تھے، اس کے زمانہ میں اندلس کے سالانہ محاصل خراج وجزایہ چون لاکھ اسی ہزار دینار تھے، اور بازاروں اور مستخلص کی آمدنی سات لاکھ پینسٹھ ہزار دینار تھی، جس کی تمام میزان باسٹھ لاکھ پنتالیس ہزار دینار ہوتی ہے، اور یہ رقم مال غنیمت کے خمس کی آمدنی سے علاوہ تھی، جو بکثرت آیا کرتے تھے، اور خلیفہ مامون الرشید کے ایام میں ملکی لگان کا جسقدر روپیہ خزانہ میں ہر سال آیا کرتا تھا اتنا کسی اسلامی یا غیر اسلامی حکومت کے یہاں کبھی جمع نہیں ہوا، ہم کو اس محاصل کی مقدار ابن خلدون کے مقدمہ سے معلوم ہوئی ہے، جس کو وہ سلطنت کے مالی دفتر سے نقل کرتا ہے، لہٰذا اس کے بعد اس جلد کو ختم سمجھیں ؟

نام ممالک	تعداد درہم	دیگر سامان
سواد	۲۷۸۰۰۰۰۰	بخران کے ۲۰۰ حصے اور ۲۴۰ رطل گل مختوم
کسکر	۱۱۶۰۰۰۰۰	
کوروجلہ	۲۰۸۰۰۰۰۰	
حلوان	۴۸۰۰۰۰۰	
رہواز	۲۵۰۰۰۰۰۰	۳۰۰۰۰ رطل شکر
فارس	۲۷۰۰۰۰۰۰	۳۰۰۰۰ قرابے عرق گلاب کے بیس ہزار رطل روغن سیاہ کے

میزان نقدیات ۱۱۷۰۰۰۰۰۰ درہم

لیکن بقول سے مال، و دولت چلتی پھرتی چھاؤں ہے۔ چنانچہ خلفاء عباسیہ کی یہ ثروت و عظمت اور مملکت کی وسعت آل عثمان میں منتقل ہونے کے اسباب پیدا ہوتے ہیں ان میں سب سے بڑا سبب خلفاء عباسیہ کے مصرفِ دولت کا اسراف تھا۔

جس نے چھ سو سال کی یہ اسلامی حکومت (عباسیہ) کو اسی اسراف کی بدولت ہی آل عثمان میں منتقل کر دیا۔

اس میں شک نہیں کہ روحانی طاقت (خلافت) کے بعد استحکام حکومت کے لئے مسلمانوں کو دولت کی بھی ضرورت تھی اور ہے۔

لیکن اس دولت کو سلاطین سلطنت کا بجائے استحکام سلطنت کے اپنی ذاتی عیش و عشرت میں صرف کرنا ہی حکومت و سلطنت کی تباہی کا باعث ہے۔

ختم شد جلد چہارم خلفاء عباسیہ

۷۲۵

۷۸۶

وعد اللہ الذین آمنوا منکم وعملوا الصالحات لیستخلفنہم فی الارض

تاریخ اسلام

جلد پنجم

سنہ ۹۲۳ھ تا سنہ ۱۳۴۴ھ

مطابق

سنہ ۱۵۱۷ء تا سنہ ۱۹۲۶ء

متعلقہ

مکمل تاریخ سلاطین عثمانیہ و ترکان احرار

مؤلفہ

(عبدالرحمن صاحب شوق امرتسری)

بعد حصول حقوق

برائے فرم

حاجی ملک دین محمد اینڈ سنز تاجران کتب و پبلشرز کشمیری بازار لاہور

جس کو

ملک محمد عارف پرنٹر نے اپنے مطبع دین محمدی پریس ۱۷ نمبر سرکلر روڈ لاہور سے

طبع کرا کر کشمیری بازار لاہور سے شائع کیا

سلاطین عثمانیہ و ترکانِ احرار کے متعلق و لقب خلافت کی نسبت

چند معروضات

سلطنت عباسیہ کے زوال کے بعد اگرچہ ہلاکو خاں کے ہلاکت خیز حملۂ بغداد کے وقت بلادِ مغرب و مصر میں نہ صرف خلافت کا نام باقی تھا۔ بلکہ سلطان سلیم نے مصر فتح کرتے ہی پہلے تو اُس نے خلافت کا ہی خاتمہ کر دیا تھا۔ مگر پھر خلیفۃ المسلمین کا لقب اختیار کر لیا۔

چنانچہ سلطان سلیم کے بعد بتدریج تمام سلاطین کے بعد جب سلطان وحیدالدین نے اس لقب خلافت کو معاہدِ وسیورے میں اغیار کے حوالہ کر کے وطن پرستوں کا بھی قلع قمع کرنا چاہا۔

تو سنہ ۱۹۱۹ء میں ایک مردِ مجاہد (اتاترک مصطفیٰ کمال) اٹھا۔ اُس نے اعلان جمہوریت کرتے ہی یکم مارچ سنہ ۱۹۲۴ء کو اسمبلی کا افتتاح کرتے ہوئے صاف لفظوں میں کہہ دیا۔

"کیا یہ واقع نہیں ہے کہ اسی خلافت کے لئے ترکوں نے ہر جنگ میں شامل ہو کر اپنی ہستی کو مٹا دیا لیکن اب ترک جو کچھ جد و جہد کریں گے خلافت کے لئے نہیں بلکہ اپنی قومی بقا کے لئے کریں گے۔

اس کے بعد جب تحریکِ خلافت کے وقت مسلمانانِ عالم نے اِس مردِ مجاہد کو پھر خلیفہ بنانا چاہا۔ تو انہوں نے یہ کہہ کر۔۔

موجودہ وقت میں خلافت کا وجود مذاق کے مترادف ہے کیونکہ مسلمانانِ عالم مختلف حکومتوں کے ماتحت ہیں بحیثیت خلیفہ اگر میں کوئی ایسا فتویٰ مسلمانوں کو دوں جو ان کی حکومت کے منافی ہو تو اس حکمِ خلافت اور خلیفۃ المسلمین کی کیا وقعت رہ جاتی ہے۔

اس برائے نام لقب خلافت کا خاتمہ ہی کر دیا۔

شوقؔ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تاریخِ اسلام

جلد پنجم

۹۲۳ھ تا ۱۳۴۴ھ

مطابق

۱۵۱۷ء تا ۱۹۲۶ء

مع

مکمل تاریخ آل عثمانیہ و ترکان احرار

خلافت عباسیہ کا گذشتہ تیسرا دور جس کی مدت قیام تقریباً تین سو سال تھی وہ زمانہ تھا جبکہ سیاسی اقتدار کا خاتمہ ہو چکا تھا، اور خلافت کے شاہانہ حقوق سلب ہو چکے تھے اس وقت اسلام کا سیاسی اور دینوی اقتدار جس کا مسلسل طور پر اس زمانہ تک جاری ساری ہوتا چلا آتا نظری طور پر فرض کر لیا گیا ہے مصر کے مملوک سلطانوں اور دیگر مسلمان حکمرانوں کے قبضہ میں تھا، اسی اقتدار حکومت کے باعث ۸۰۹ھ مطابق ۱۴۰۶ء میں سلطان مصر ملک الظاہر نے جس طرح المتوکل علی اللہ کو خلیفۃ المسلمین بنا دیا تھا، اسی طرح اس زمانہ میں جبکہ خاندان آل عثمان کی بنیاد پڑ چکی تھی، اور خاندان عثمان کا بیٹا بایزید خاں[1]

---

[1] انگریزی و دیگر مورخوں نے بایزید یلدرم کے نام سے اس بادشاہ کو لکھا ہے ۱۲

۷۹۷ھ میں روم پر حکومت کر رہا تھا، بایزید خان کی استدعا کے مطابق خلیفہ المتوکل علی اللہ نے اُسے سلطان روم کے خطاب سے ممتاز فرمایا تھا، اس واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ سلطان آل عثمان کو مصر کے دربار خلافت سے ہی خلافت اسلام نہیں ملی بلکہ اس سے پیشتر بادشاہی بھی اُسی دربار سے ملی تھی ؛

خاندان آل عثمان کا آغاز حکومت و سلطان روم کا خطاب ۷۹۷ھ مطابق ۱۳۹۴ء

خاندان عثمان و خلافت

انقلاب زمانہ دیکھئے، کہ ایک وقت وہ تھا، جب ۷۹۷ھ میں خاندان عثمان کے حاکموں نے بڑی التجا سے خلیفہ وقت سے خطاب "شاہی سلطانِ روم" حاصل کیا تھا، اس کے واقعہ کے صرف ایک سو چھبیس برس کے بعد یعنی ۹۲۳ھ میں جب آل عثمان کا صاحب عظمت تاجدار سلطان سلیم خان "سلطان روم ہوا" اس وقت خلیفہ وقت یعنی سید عبد العزیز ابو العز یعقوب بن متوکل نے حق خلافت سے دست بردار ہو کر خلافت اسلامیہ کے کل حقوق سلطان سلیم کو تفویض کر دیئے ؛

یہ عجیب بات ہے ۷۹۷ھ میں بھی خلیفہ وقت المتوکل علی اللہ ہی تھے، جنہوں نے خاندان عثمان کو "سلطان روم" کے لقب سے سرفراز کر کے بادشاہ تسلیم کیا تھا، اور ۹۲۳ھ میں بھی خلیفہ وقت المتوکل علی اللہ کے لقب سے ہی ملقب تھے، جنہوں نے خاندان عثمان کو خلیفہ اسلام سے بھی ممتاز کر دیا ؛

چنانچہ جب سلطان سلیم نے خلیفہ کا لقب اختیار کر لیا، تو علمائے شریعت کی جماعت میں اس حق کے متعلق اختلاف آرا پیدا ہو گیا، لیکن آخر ہر طرح کے مباحثہ اور رد و کد کے بعد اُس کی جانشینی تسلیم کر لی گئی، بلکہ مکہ معظمہ میں بھی اُسے خلیفہ اسلام جائز مانا گیا ؛

اس کے بعد سے پھر کبھی کسی نے سلاطین عثمانیہ کے حق خلافت پر اعتراضات

یا تنازعات پیدا نہیں کئے، یہ ایک تاریخی حقیقت ہے، جس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں، فرقہ اہل سنت والجماعت نے بھی جائز خلیفہ تسلیم کیا اور اُس کی نظیر میں یہ واقعہ پیش کیا گیا، کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے انتقال کے وقت حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنا جانشین خلیفہ نامزد کیا تھا، متوکل علی اللہ چونکہ خاندان عباسیہ کا آخری جانشین تھا، اور مصر میں اُس کی خلافت مسلم طور مانی جا چکی تھی اس لئے اسے پورا شرعی اور قانونی حق حاصل تھا، کہ سب سے طاقتور مسلمان بادشاہ کو منصب خلافت حوالہ کر کے خود علیحدہ ہو جائے ؞

سلطان سلیم خان کے خاندان کا حق خلافت صرف متوکل کی نامزدگی ہی پر مبنی نہیں بلکہ اُس کی نامزدگی کو تمام اسلامی دنیا نے بھی جائز تسلیم کیا ہے ؞

سلیم نے اس امر میں اہل العقد کی شرعی و قانونی منظوری حاصل کی، اور اس کی یہ دلیل پیش کی گئی، کہ جماعت اہل العقد مدینہ شریف سے منتقل ہو کر دمشق اور دمشق سے بغداد اور پھر بغداد سے قاہرہ چلی گئی تھی، اس لئے اسے قاہرہ سے قسطنطنیہ جائز طور پر منتقل کیا جا سکتا ہے ؞

سلطان سلیم نے قاہرہ میں جامع ازہر کے علماء کی، اور مسجد ایوب میں ترکی علماء کی مجلس قائم کی جنہوں نے اسے خلیفہ منتخب کیا، یہی طریقہ انتخاب اس وقت بھی قسطنطنیہ میں مروج ہے، کہ ہر سلطان اپنی جانشینی کے وقت اپنی منظوری حاصل کرتا ہے اور جامع ایوب میں شیخ الاسلام کے ہاتھوں سے علامات خلافت اُسے تفویض ہوتے ہیں[۵] ؞

اس میں کچھ شک نہیں، کہ ترکوں نے خلافت کو حاصل کر کے اگلی سی وہ شان و شوکت حاصل کر لی جو مامون الرشید و معتصم کے بعد اُن سے رخصت ہو گئی تھی، چونکہ اصل میں تاتاریوں کے حملے سے صدیوں پہلے ہی عربوں کا دور ختم ہو چکا تھا، اس لئے المعتصم کے چند ہی روز بعد سے خلافت اگر برائے نام باقی رہ گئی تھی، تو وہ بھی

۵؎ افسوس ہے کہ موجودہ زمانہ میں مغربی تمدن کے زیر اثر علامات خلافت و عہدہ خلافت کو نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ (شوق)

سلجوقیوں اور دیلمیوں کی قوت سے ؛

بغداد کی تباہی کے بعد جو فقط نام کی خلافت مصر میں قائم تھی، مذہبی عنوان سے چاہے اس کا جس قدر ادب و احترام کیا گیا تھا، مگر اصل میں وہ سلاطین مصر کے ہاتھ کٹھ پتلی تھی، جس خلیفہ کو وہ چاہتے مسند خلافت سے دھکیل دیتے، اور جس کے سر پر چاہتے جانشینی رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عمامہ رکھ دیتے تھے ؛

سنہ ۹۲۳ھ تا سنہ ۹۲۶ھ

مطابق

سنہ ۱۵۱۷ء تا سنہ ۱۵۲۰ء

سلطان سلیم خان تاریخ خلافت محرم سنہ ۹۲۳ھ عہد حکومت تقریباً ۴ سال

غرضیکہ شاہ روم خلیفۃ المسلمین سلطان سلیم (جو پچاس سال کی عمر میں سابق سلطان روم بایزید کے بعد تخت روم پر جلوہ افروز ہوا تھا) کے عہد حکومت کے پہلے ہی سال یعنی سنہ ۹۲۳ھ میں جب سلیم کی تاجپوشی و منصب خلافت کے متعلق تمام بادشاہوں نے تہنیت نامے بھیجے تو شاہ ایران شاہ اسمٰعیل صفوی کی طرف سے کوئی تہنیت نامہ نہ پہنچا، اس کی وجہ یہ تھی کہ شاہ سلیم نہایت متعصب سنی تھا، اور اہل تشیع سے اس کو دلی عداوت تھی، تقریباً ۴ ہزار اہل تشیع اس کے پاس قید تھے، اس لئے شاہ ایران نے تہنیت نامہ روانہ نہیں کیا، اور اس اظہار ناراضگی پر اس وقت تو سلیم نے کچھ خیال نہ کیا، بلکہ کچھ دن بعد شاہ ایران کی خدمت میں بطور نذر چند تحفے ایلچی کے ہاتھ روانہ کئے، مگر اس کے عوض شاہ ایران نے شاہ سلیم کے پاس ایک طلائی حقہ افیون سے بھرا ہوا اپنے ایلچی کی معرفت روانہ کیا، شاہ سلیم یہ دیکھ کر نہایت غضبناک ہوا اُسی وقت ایران کے ایلچی کو قتل کر کے ایک لاکھ چالیس ہزار لشکر کے ساتھ شاہ ایران اسمٰعیل صفوی کی سرکوبی کیلئے ایران کیطرف بڑھا، لیکن اسمٰعیل صفوی تاب مقابلہ نہ لاکر تبریز کو بھاگ گیا، اور بھاگتے وقت اُس نے

کئی منزل تک جنگلوں میں آگ لگادی، تاکہ غنیم کے گھوڑوں اور اونٹوں کو چارہ نہ مل سکے، چنانچہ ترکی لشکر بہت تکلیفیں اُٹھاتا ہوا تبریز پہنچا، اور شہر کا محاصرہ کرلیا، لیکن شاہ ایران وہاں بھی مقابل نہ ہوا، آخر سلیم نے ایک روز اسمٰعیل صفوی کے پاس ایک زنانہ لباس روانہ کرکے کہلا بھیجا، کہ اگر تاب مقابلہ نہیں ہے، تو اس زنانہ لباس کو پہن لو، اگرچہ شاہ ایران میں جرار سلیم کے ساتھ مقابلہ کرنے کی طاقت نہ تھی، لیکن سلیم کی عبرت دلانے سے اُس نے مجبور ہوکر مقابلہ کیا، اگرچہ ایرانیوں نے بڑی جانبازی سے میدان کارزار گرم کیا، لیکن ترکی تلواروں کے آگے اُن کی کچھ پیش نہ چلی، بلکہ سلیم کے جانبازوں میں سے ایک نے شاہ صفوی کو ایک ہی وار میں گھوڑے سے گرادیا، لیکن ایرانیوں نے بھی اس وقت کمال دلاوری دکھلائی جس وقت شاہ ایران، ترکی سپاہ کے نرغہ میں تھا، ایک ایرانی سوار اس نرغے میں گھس آیا، اور اُس نے بڑی پھرتی سے شاہ اسماعیل کو اپنا گھوڑا دیدیا، اگرچہ وُہ ایرانی سوار خود مارا گیا، لیکن اُس نے شاہ ایران کو بچادیا، چنانچہ شاہ اسماعیل صفوی تو اس طور میدان جنگ سے اپنی جان بچاکر شہر تبریز میں گھس گیا، مگر سلطان سلیم کے لشکر نے ایرانیوں کو پوری شکست دی، اور شاہ ایران کے خیموں کو لوٹا، اسی لوٹ میں بیگم ایران یعنی شاہ صفوی کی ملکہ سلیم کے ہاتھ آئی، جو کہ ایک ترک جانباز مسمی جعفر چلبی کو بخش دی گئی، شاہ ایران کو جب اس بات کی خبر پہنچی، تو وُہ اسی صدمہ سے جان بحق ہوگیا ؎

اِس فتح یابی کے بعد سلطان سلیم شہر اماسیا سے ہوتا ہوا کوماخ میں پہنچا اور علاؤالدولہ سردار ترکمان پر بسر کردگی، سینا پاشا حملہ کرکے اُس کو قتل کرادیا ؎

۹۲۶ھ مطابق ۱۵۱۹ء میں ینگ چری[1] فوج کے سپاہیوں نے قسطنطنیہ میں

[1] ینگ چری ترکی لفظ ہے، ینگ بمعنی نو اور چری بمعنی سپاہ، چنانچہ اس فوج میں ۱۵ سال سے ۲۰ سال تک کے جوان بھرتی ہوتے تھے اس لئے ینگ چری نام سے یہ فوج مشہور ہوئی ؎

یہاں تک بغاوت کردی، کہ صدر اعظم کا گھر لوٹ لیا، یہ خبر سنتے ہی سلطان سلیم نے اسلام بول میں پہنچکر مجرموں کو قتل کیا، اور اس بغاوت کو فرد کرکے ماردین، سجار، موصل و دیگر شہروں کو فتح کرتا ہوا مصر میں پہنچا، اس وقت مصر کے تخت پر قانصو متمکن تھا، اس کی طرف سے مغل بیگ سفیر سلطان سلیم کے پاس پہنچا اور اور اُس نے عزیز مصر کی طرف سے اشتعال انگیز گفتگو کی جس پر سلیم نے اُس کو بے عزت کیا، جب بادشاہ مصر کو یہ حال معلوم ہوا، تو اس نے سلطان سلیم کے ساتھ اعلان جنگ کردیا، قانصو کی عمر اگرچہ اس وقت اسی سال کی تھی، لیکن وہ بڑا دلیر شخص تھا، اس معرکہ کارزار میں مصری فوج کا سپہ سالار بنکر مقابل ہوا، لیکن ترکی تلوار سے اپنی جان نہ بچا سکا، عزیز مصر کے قتل ہوتے ہی مصری لشکر کے پاؤں اکھڑ گئے، اور سلطان سلیم کی فتح ہوئی ؎

مصر کے بعد، حلب، حمص، دمشق، اور شام کا تمام علاقہ بہادر سلیم نے فتح کرلیا، اور تمام امرائے عرب سے ملاقات کی ؎

پھر کوہ لبنان میں زیارت مقامات متبرکہ سے مشرف ہو کر جامع امویہ کو دیکھا اور مسجد امویہ کے لئے پچاس ہزار قرش عطا کئے ؎

۹۲۵ھ مطابق ۱۵۱۹ء میں سابق والئی مصر قانصو کی شکست و قتل کے وقت مصر کا تخت حکومت شاہ طومان نے سنبھال لیا تھا، چونکہ اُس نے سلطان سلیم کی اطاعت منظور نہ کی، اس لئے سلیم نے اس پر فوج کشی کی، مصریوں نے بھی بڑی مردانگی سے مقابلہ کیا، اسی جنگ میں سپہ سالار روم سینا پاشا مارا گیا، اس پر سلطان سلیم کو طیش آگیا، ترکی تلواریں بجلی کی طرح دشمنوں کے سر پر چمکنے لگیں ؎

جب ہزاروں مصری خاک و خون میں تڑپنے لگے، تو مصری فوج ہوش و حواس کھو کر بدحواسی کے عالم میں بھاگی، والئی مصر طوماس نے جب یہ حالت دیکھی، تو

وُہ عرب کی طرف بھاگ کھڑا ہوا، سلطان سلیم کو دوسری دفعہ مصر فتح کئے ابھی تھوڑا ہی عرصہ گذرا تھا، کہ طوماس نے عرب میں جا کر ایک زبردست لشکر آراستہ کیا، اور اس لشکر کے ساتھ پھر مصر پر قابض ہو گیا ؛

یہ سُنکر سلطان سلیم نے مصطفےٰ پاشا کو طومان کے پاس یہ کہلا کر بھیجا، کہ وُہ سیدھی طرح اطاعت گذار ہو جائے، لیکن طوماس نے رومی سفیر مصطفےٰ پاشا کو قتل کر دیا، اس لئے سلطان سلیم کو پھر تلوار اُٹھانا پڑی، اور مصریوں کو بہت بُری طرح رگیدا، طوماس پھر بھاگنے کو تھا، لیکن ایک مصری سردار نے اُسے گرفتار کر کے سلیم کے پیش کر دیا، اور سلطان سلیم کے حکم سے اسی وقت قتل کر دیا گیا،

اب ۹۲۶ھ مطابق ۱۵۲۰ء کا زمانہ تھا، سلطان سلیم نے اس دفعہ مصر کو فتح کر کے مصر کی حکومت پر امیر الامرا خیر بک کو نائب السلطنت مقرر کر کے ہر طرف سے طوائف الملوکی دُور کی، اور ایک زبردست سلطنت قائم کر دی، جس کے آگے ڈنیوب دجلہ تک، دریائے پرتھ سے نیل تک، اور بحر اسود سے ہند تک تمام ممالک اور کُل قومیں سر جھکائے ہوئی تھیں ؛

ہندوستان میں خاندان سادات لودھی کی اسلامی حکومت کے فرمانروا ابراہیم لودھی کا عہد حکومت ۱۵۱۷ء سے

ہم تاریخ اسلام کے حصہ چہارم کے آخری صفحات پر لکھ چکے ہیں، کہ ۱۴۸۹ء سے ۱۵۱۷ء تک سکندر لودھی تخت ہند پر متمکن رہا، اس زمانے میں ہندوؤں اور مسلمانوں کا رابطہ اتحاد مضبوط ہو گیا تھا ؛

کبیر اور اس کا صلح کل مذہب

کیونکہ اس وقت کبیر پنتھ کو عام لوگ صلح کل مذہب خیال کرتے تھے، کبیر ایک پارسا بزرگ تھے، جو قوم کے جلاہے تھے، ۱۳۹۸ء میں پیدا ہوئے، اور بڑے ہو کر رامانند کے چیلوں میں شامل ہو گئے، اس بزرگ نے صلح کُل مذہب کی تلقین کرتے ہوئے ہندو مسلم کا اتحاد کیا، آخر ۱۴۴۸ء میں فوت ہو گئے

ان کے بعد بھی ان کا صلح کل مذہب رائج رہا، یہی وجہ تھی، کہ لودھی کے عہد حکومت میں ہندو مسلم قوموں کا چولی دامن کا ساتھ تھا، آخر سکندر لودھی نے ۹۲۳ھ مطابق ۱۵۱۷ء میں وفات پائی، اور اس مرحوم کا بیٹا ابراہیم لودھی تخت ہند کا جانشین ہوا، یہ خاندان لودھی کا آخری بادشاہ تھا، اور نہایت تند مزاج تھا ؛

تخت حکومت پر بیٹھتے ہی اُسے اپنے بھائی جلال خاں کے ساتھ معرکہ آرا ہونا پڑا اس معرکہ کارزار میں جلال خاں شکست کھا کر مارا گیا جس کے قتل ہوتے ہی ملک میں پھر بدانتظامی پھیل گئی اور ساتھ ہی بہار اور پنجاب میں بھی فتنہ و فساد کی آگ بھڑک اُٹھی ؛

اسی فساد کے متعلق صوبہ دار پنجاب دولت خان (جو بادشاہ ابراہیم لودھی کا رشتہ دار بھی تھا) نے کابل کے بادشاہ بابر (جو تیمور کی نسل سے تھا) کو ہندوستان پر حملہ کرنے کی تحریک کی ؛

یہ واقعات سلطان سلیم کے آخری عہد حکومت کے ہیں، انہی دنوں میں یعنی ۹ شوال ۹۲۶ھ مطابق ۱۵۲۰ء میں بہادر سلیم نے اس دنیائے فانی سے عالم جاودانی کو لبیک کہا ؛

سنہ ۹۲۶ھ تا سنہ ۹۷۴ھ
مطابق
سنہ ۱۵۲۰ء تا ۱۵۶۶ء

سلطان سلیمان خان ثانی تاریخ خلافت شوال ۹۲۶ھ عہد حکومت تقریباً ۴۸ سال

سلطان سلیم کے بعد اس کا بیٹا سلطان سلیمان جانشین ہوا، اس کا عہد سلطنت بڑا شاندار اور با اقبال تھا اور خود بھی بڑا بہادر تھا، ۱۲ دفعہ خود میدان جنگ میں لڑا اور فتحیاب ہوا، اسی کے عہد سلطنت میں فرانسیسیوں نے باب عالی خلافت کے درمیان تعلقات و دوستی قائم کئے ؛

ان دنوں فرانس کا بادشاہ فرانسین اول تھا جس کی چارلس شاہ اسٹریا سے رقابت

تھی، اور چارلس ان دنوں قرابتوں اور مختلف اسباب سے اسپین، ہالینڈ جرمنی، اور جنوبی اٹلی پر متصرف ہوگیا تھا، جس کے باعث فرانس کی مملکت بالکل محصور ہوگئی تھی شاہ فرانس کو اپنی یہ نازک حالت دیکھ کر سوائے اس کے کسی بات میں مضر نظر نہ آیا، کہ وُہ خلافت اسلامیہ کو اپنے حال پر مہربان کرے، چنانچہ اس نے سلیمان عالی شان

شاہ فرانس کی سفارت باب عالی میں

کے دربار میں سفارت بھیجی جس کو سلطان کی باریابی حاصل ہوئی ....

سلطان سلیمان نے ماہ ربیع الثانی ۹۳۲ھ میں فرانس کو جو مکتوب ارسال کیا ... ہے، وُہ تاریخوں میں موجود ہے، مناسب معلوم ہوتا ہے، کہ اس مکتوب کی پوری نقل یہاں درج کردی جائے، تاکہ ناظرین کو معلوم ہوسکے کہ ان دنوں خلافت عثمانیہ کی شان کیسی ارفع واعلیٰ تھی، لہٰذا وہ مکتوب یہ ہے :-

نیابت حضرت الٰہی جلت قدرت وعلمت کلمتہ ومعجزات کثیر البرکات سردار گروہ انبیاء و مقتدائے طائفہ اصفیا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم وبقوت مقدس ارواح حامیان اربعہ ابوبکرو عمر وعثمان وعلی رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور جملہ اولیاء اللہ میں سلطانوں کا سلطان خاقانوں کی برہان بادشاہوں کو تاج پہنانے والا اور زمین پر سایہ الٰہی سلطان بحر ابیض وبحر اسود و اناطولیا ورومیلہ وفرمان روم وولایۃ ذی القدریہ ودیار بکر وکردشان وآذربائیجان وعجم وشام وحلب ومصر ومکہ ومدینہ شریف وبیت المقدس وجملہ بلاد عرب ویمن ودیگر ممالک کثیرہ جن کو میرے محترم آباو ذی عظمت اجداد انار اللہ براہینہم نے اپنی قوت قاہرہ سے فتح کیا تھا، اور بہت سے اور شہر جن کو میری عظمت کے بازو نے نصرت شمشیر سے فتح کیا، میں ہوں سلطان سلیمان خاں بن سلطان سلیم خان بن سلطان بایزید خان بجانب فرانسیس فرنسیس شاہ ولایت فرانسا جو خط تم نے بھیجا ہے مع تمہارے خادم فرانقیال بشرط کے ملجائے سلاطین کے آستانہ پر پہنچا، وُہ واقعات بھی معلوم ہوئے، جو تم نے زبانی کہلا بھیجے ہیں، اور ہمیں اس کی بھی خبر ہوئی، کہ تمہارا دشمن تمہارے شہروں

پر غالب آ گیا، اور تم گھرے ہوئے ہو، اور اس جانب سے اس بارے میں مدد و توجہ کے خواستگار ہو خصوصاً اپنی رہائی کے بارے میں جو کچھ تم نے کہا ہے وہ سب ہمارے شاہانہ دربار کے تخت کے سامنے آستانہ پر پیش کر دیا گیا ۔

میرا علم شریف تفصیل کے طور پر اس سے آگاہ ہو گیا، اور بوجہ احسن منکشف ہوا، بادشاہوں کا قید ہونا، اور تنگی میں پڑنا، کوئی تعجب کی بات نہیں ہے، لہٰذا تم خاطر جمع رکھو، اور پریشان نہ ہو اس لئے کہ میرے بزرگ آبا اور سراپا جلال و اجلال اجداد خدا ان کے مرقدوں کو نورانی کرے کبھی جنگ و پیکار سے خالی نہ رہے، شہروں کو فتح کرتے اور دشمنوں کو بھگاتے رہتے اور ہمارا بھی یہی شعار ہے، اس لئے کہ ہم ان کے نقش قدم پر چلتے ہیں، اور ہمیشہ دشوار گذار شہروں کو اور مضبوط قلعوں کو فتح کرتے رہتے ہیں، ہمارے گھوڑے شب و روز کسے کھڑے رہتے ہیں، ہماری تلواریں ہمیشہ میان کے باہر رہا کرتی ہیں، اور حق سبحانہ و تعالیٰ اپنے ارادے اور اپنی مشیت سے کامیابی کو آسان کر دیتا ہے، باقی حالات و واقعات کو تم اپنے خادم کی زبان سے معلوم کرو گے، پس تمہیں اتنا ہی معلوم رہے" ۔

اس مکتوب گرامی میں سلطان سلیمان نے اگرچہ کسی بات کا وعدہ کیا ہے، اور نہ کوئی کارروائی اپنے ذمہ لی ہے، مگر ان دنوں فرمانروائے اسلام کے دو کلمے تسلی بھی یورپ کے مغلوب کرنے کے لئے کافی سمجھے جاتے تھے، چنانچہ دوسرے ہی سال شعبان خان نے ہنگاریہ پر حملہ کر دیا، موہکز کے میدان میں شاہ ہنگاریہ کو ایسی فاش شکست دی کہ سارا ہنگاریہ مطیع فرمان ہو گیا ۔

پھر بوڈاپسٹ میں داخل ہو کر سلطان سلیمان نے جان زابولی کو تاج بخشی کر کے ہنگاریہ کا بادشاہ بنا دیا، اور دارالخلافت قسطنطنیہ میں واپس آ گیا، اس کے بعد ترکوں، اور سلطنت فرانس میں ایک خاص معاہدہ ہو گیا، جس کی رو سے عام عیسائیوں کو امن

دامان اور حفاظت کے ساتھ زیارت بیت المقدس کی آزادی دی گئی اور عیسائیوں کی ہر طرح سے بے انتہا خاطر داشت کی گئی۔

سنہ ۹۳۱ھ مطابق سنہ ۱۵۲۴ء میں سلطان سلیمان خان عجم میں آیا، بغداد فتح کیا اور مقبرہ امام اعظم ابوحنیفہ کو از سر نو تعمیر کیا۔

سنہ ۹۴۰ھ مطابق سنہ ۱۵۳۳ء میں خیر الدین پاشا وزیر سلطان سلیمان خان نے شہر ٹونس افریقہ فتح کیا، مگر شاہ ٹونس نے بادشاہ اسپین سے مدد لیکر اپنا ملک پھر واپس لے لیا۔

سنہ ۹۴۴ھ مطابق سنہ ۱۵۳۶ء میں اپنے بحری کمانڈر انچیف اور وزیر اعظم خیر الدین پاشا کی وساطت سے ۲۵ جزائر نیادقہ سے فتح کئے۔

سنہ ۹۵۳ھ مطابق سنہ ۱۵۴۶ء میں سلطان نے اپنے سفیر علاؤ الدین کو شاہ ہند وچین کے درباروں میں بھیجا تاکہ وہ اپنے تمام شہروں کے خطیبوں کو حکم دیں، کہ ہر ایک امام مسجد خطبہ میں خلیفۃ المسلمین سلطان سلیمان کے نام کو شامل کرے۔

چنانچہ سلطان کا سفیر جہاں جہاں گیا، وہاں وہاں کے مسلمانوں نے بادشاہ اسلام سلطان ٹرکی کے سفیر کی حیثیت سے اس کی بڑی عزت وخاطر کی، ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں نے اس جوش وخروش سے اس کا استقبال کیا، کہ سفیر سلطانی بہت خوش ہوا، تمام بادشاہوں نے اس کے سامنے ایڈریس پیش کئے، جس میں بادشاہ اسلام کے ساتھ وفاداری واطاعت کا اظہار کیا گیا تھا۔

سنہ ۹۵۴ھ مطابق سنہ ۱۵۴۷ء میں ایران پر حملہ کیا گیا، ابھی شہر حلب پر ہی قبضہ ہوا تھا، کہ شاہ ایران نے صلح کی درخواست کی... جو منظور کی گئی۔

سنہ ۹۶۰ھ مطابق سنہ ۱۵۵۳ء میں سلطان کے بیٹے مصطفےٰ ابن سلیمان نے اپنے باپ سے بغاوت کی اس جرم میں اس کو قتل کیا گیا۔

سنہ ۹۶۳ھ مطابق سنہ ۱۵۵۶ء میں مسجد سلیمانیہ تعمیر کی گئی، اور اسی سال سلطان کا دوسرا

بیٹا بایزید بھی باغی ہو گیا، اور میدان جنگ میں شکست کھا کر ایران کو بھاگا، اور وہیں سلطان کے حکم سے قتل کر دیا گیا ؛

۹۷۰ھ مطابق ۱۵۶۲ء میں برِ اعظم افریقہ پر فوج کشی کی گئی، اور بہت فتوحات حاصل ہوئیں، اس کے بعد بلغراد پر حملہ کیا گیا، اور یہ دولت عثمانیہ کے خاص شباب کا زمانہ تھا، خیر الدین پاشا کے وزیر اعظم و سپہ سالار بحری کے مطیع بن جانے سے سلطنت خلافت کی بحری قوت یک بیک اسقدر ترقی کر گئی تھی، کہ ساری دُنیا میں سب سے اوّل درجے کی بحری قوت دولت عثمانیہ کی تھی، اور بحیرہ روم میں ترکوں کی ایسی سطوت قائم ہو گئی تھی، کہ دُور سے ہلالی پرچم دیکھتے ہی دشمنوں کے حواس جاتے رہتے اور کسی کو بجز ہتھیار رکھ دینے اور ہاتھ پاؤں ڈال دینے کے کسی کام میں مضرت نظر آتا تھا ؛

اسی سلسلہ میں ٹونس، طرابلس اور الجزیرہ، سوہزار ائے آل عثمان کے زیر نگین ہو گئے، بعد ازاں پورا جزیرہ نمائے عرب بھی قلمرو خلافت میں شامل ہو گیا ؛

ہندوستان میں اسلامی حکومت پرتگیزوں کی شکست حکومت خاندان لودھی کا خاتمہ اور خاندان مغلیہ کا آغاز ظہیر الدین بابر ۱۵۲۶ء تا ۱۵۳۰ء

پچھلے صفحات میں ہم بیان کر چکے ہیں کہ ۱۵۱۷ء میں ابراہیم لودھی کے تخت ہند پر متمکن ہوتے ہی ہندوستان میں فتنہ و فساد کی آگ پھر بھڑک اٹھی تھی، اور دولتخان صوبہ دار لاہور نے بابر کو ہندوستان پر حملہ آور ہونے کی تحریک کی تھی ؛

قبل اس کے کہ ہم خاندان لودھی کی حکومت کے خاتمہ اور خاندان مغلیہ کا ذکر کریں مناسب معلوم ہوتا ہے، کہ ان دنوں کی دیگر اسلامی سلطنتوں کا مختصر حال بھی تحریر کر دیں، گذشتہ خاندان تغلق کے عہد سلطنت کی بدنظمی کے باعث ہندوستان میں بہت سی خود مختار حکومتیں قائم ہو گئی تھیں، اور پرتگیزوں نے بھی ہندوستان

میں اپنے پاؤں جما لئے تھے، جو اگرچہ احاطہ بنگال تک محدود تھیں، تاہم گجرات میں بھی اُن کے کئی چھوٹے چھوٹے صوبے تھے ۔

وسطی حصہ میں ہندو راجاؤں کی حکومت تھی، لیکن پندرہویں صدی کے آغاز میں احمد شاہ نے احمد آباد کی بنیاد ڈالی، پانچ میل مدور فصیل اور ایک شاندار مسجد اُس نے تعمیر کرائی ۔

احمد شاہ کے بعد بہادر شاہ والئے گجرات ہوا، اور ۱۵۳۳ء نے جب ہمایوں نے گجرات کے حکمران بہادر شاہ پر حملہ کیا، تو اُس نے فوراً ایک سفیر سلطان سلیمان کی خدمت میں روانہ کیا، اور خلیفہ سے مدد کی درخواست کی چنانچہ ۸۰ جہازوں کا ایک جنگی بیڑا ۱۵۳۸ء میں بھیجا گیا جس نے ایک کامیاب جنگ کے بعد نہ فقط بہادر شاہ کی مدد کی بلکہ جابجا پرتگیزوں کو بھی ہندوستان کی بندرگاہوں سے مار کے نکال دیا ۔

بابر امیر تیمور کی اولاد میں سے تھا، اور شاہ فرغانہ[۱] عمر شیخ مرزا کا بلند اقبال بیٹا تھا ابھی بارہ ہی برس کا ہوا تھا، کہ باپ کا سایہ سر سے اُٹھ گیا، اس چھوٹی سی عمر میں بابر کو نہایت مصائب و مشکلات کا سامنا کرنا پڑا، لیکن اس نے بھی بڑے استقلال کے ساتھ مقابلہ کیا، ۱۴۹۷ء میں چودہ برس کی عمر میں اس نے سمرقند پر قبضہ کر لیا، مگر قوم ازبک نے اُسے پھر وہاں سے نکال دیا، اس بہادر نونہال نے پھر ہمّت کی، اور ۱۵۰۴ء میں کابل کے افغانوں کو شکست دی، اور اپنے جنگجو بہادر ترکی جوانوں کی مدد سے بدخشاں اور قندھار پر قابض ہو گیا، اسی اثنا میں دولت خان صوبہ دار لودھی کے پیغام سے اسے ہندوستان پر حملہ آور ہونے کی جرأت ہوئی، چنانچہ کابل سے فتح کا ڈنکا بجاتا ہوا، پشاور پہنچا، اور تھوڑے ہی عرصہ میں لاہور پر بھی اس کا

[۱] فرغانہ ترکستان کی حدود میں ہے، جسے اسلامی عربی مورخوں نے خوقند کے نام سے تعبیر کیا ہے، ۱۲ ۱۲ ۱۲

تسلط ہو گیا، اس وقت ابراہیم لودھی آگرے میں تھا، بابر کی فتوحات کا حال سنکر اُسے سخت حیرت ہوئی، اور وہ آگرے سے دہلی میں آگیا ؛

شاہی فوج نے پانی پت کے میدان کارزار میں پڑاؤ ڈالا، راجہ گوالیار بھی ابراہیم کی مدد کے لئے ساتھ تھا ؛

بابر نے اپنے بہادر ترکوں کے ساتھ مشرق کی طرف چند میل کے فاصلے پر مقام کیا ؛

اگرچہ بابر کی فوج پچیس ہزار کے لگ بھگ تھی، اور اُس کے مقابل ۸۰ ہزار فوج تھی، لیکن بہادر بابر کے استقلال میں ذرا بھی فرق نہ آیا ؛

غرضیکہ ۱۵۲۶ء میں لڑائی شروع ہوئی، اور ایسی خونریز لڑائی ہوئی جس کی سُرخی آج تک صفحات تاریخ پر روشن ہے ؛

ابراہیم بھی بڑی بہادری سے لڑا، اُس کی فوج کے پاؤں کئی بار اکھڑ گئے لیکن اُس نے ہر دفعہ کوشش کرکے اور خود میدان کارزار میں کود کر اپنی فوج کے پاؤں جمائے اور اسی بہادری، اور جانفروشی میں آخر جان بحق ہوا، اس لڑائی میں ۱۵ ہزار افغان مارے گئے، اور فاتح اکبر فتح کا علم لہراتے ہوئے دہلی میں داخل ہوا ؛

فتح دہلی کے بعد اُس کے بیٹے ہمایوں نے جونپور اور بنگال و صوبہ بہار کا ایک حصہ فتح کر لیا ؛

ابھی بابر کی بہادر فوج کو اچھی طرح سستانے کا موقعہ نہ ملا تھا، کہ راجہ میواڑ رانا سانگا نے تمام راجپوت راجاؤں کو اپنے ساتھ ملا کر بابر سے اعلان جنگ کر دیا ؛

چنانچہ ۱۵۲۷ء میں فتح پور سیکری (آگرہ) کے قریب کنواہہ کے میدان میں معرکہ کارزار گرم ہوا ؛

راجپوت بڑے جوش و خروش سے لڑے، لیکن ترکی تلواروں نے بھی اُن کے

منہ پھیر دیئے، بابر کے بہادر ترک جس طرف حملہ کرتے تھے، راجپوتوں کو درہم برہم کر دیتے تھے، جب ہزاروں راجپوت خاک و خوں میں تڑپنے لگے، تو یہ حالت دیکھ کر رانا سانگا میدانِ جنگ سے جان بچا کر بھاگ نکلا، اور یہ میدان بھی بابر کے ہاتھ آیا ؛

۱۵۲۸ء میں رانا سانگا کو شکست فاش دینے کے بعد بابر نے رانا سانگا کے ایک سردار میدنی رائے پر چڑھائی کی، جو چندیری کے مشہور سنگین قلعے میں مقیم تھا، یہاں بھی راجپوت دل کڑا کر کے لڑے، لیکن بہادر ترکوں نے سب کو موت کے گھاٹ اتار کر میدنی رائے کو بھی قتل کر دیا، جس کے مرتے ہی باقی راجپوت سر پر پاؤں رکھ کر بھاگے، اور بابر نے اس قلعہ کو بھی فتح کر لیا ؛

ادھر لودھی کے شہزادہ محمود نے بہار پر قبضہ کر رکھا تھا، بابر نے اُس کو بھی اپنا مطیع بنا لیا، غرضیکہ صرف چار سال کے اندر بابر نے افغانستان، پنجاب، و بہار، بنگال پر قبضہ کر لیا ؛

۱۵۳۰ء میں ہمایوں سخت بیمار ہو گیا، کہتے ہیں، کہ بابر نے اُس کے پلنگ کے اردگرد پھرتے ہوئے درگاہ ایزدی میں یہ دعا کی، کہ اُس کی بیماری مجھے لگ جائے، میں مر جاؤں اور میرا بچہ اچھا ہو جائے، چنانچہ ایسا ہی ہوا، کہ ہمایوں اچھا ہو گیا، اور بابر بستر مرگ پر جا لیٹا، یعنی ۲۶ر دسمبر ۱۵۳۰ء کو بابر اس دارِ فانی سے رحلت کر گیا ؛

ہمایون ۱۵۳۰ء تا ۱۵۵۶ء | بابر کا بیٹا ہمایوں فیاض اور بہادر تھا، لیکن ساتھ ہی اس کے انتظام سلطنت سے ناواقف تھا، اس لئے اُس نے اپنے معتمد شیر خان پر اعتماد کیا، شیر خاں پہلے سکندر لودھی کا نمک خوار تھا، اور ما بعد بابر کا جان نثار بن گیا تھا ؛

ہمایوں کے عہد سلطنت میں ملک میں بدامنی پھیل رہی تھی، اسی بدامنی میں معتمد شیر خاں بھی ہمایوں سے باغی ہو کر تمام بنگال پر قابض ہو گیا :۔

جب ہمایوں کو اپنے بے وفا معتمد شیر خان کا یہ حال معلوم ہوا، تو وہ بنگال کیطرف بڑھا، اتنے میں شیر خاں وہاں سے سب مال و اسباب لیکر چلدیا :۔

انہی دنوں میں برسات شروع ہو گئی، جس کی وجہ سے شاہی فوج کو بخار نے اسقدر پریشان کیا، کہ ہر روز بہت سے آدمی مرتے گئے، اس وجہ سے ہمایوں کو وہاں سے لوٹنا پڑا، اور لوٹتے وقت ہمایوں دریائے گنگ میں ڈوبنے لگا تھا، مگر ایک سقے کی مدد سے جس کا نام نظام تھا، بچ گیا، اسی احسان کے بدلے ہمایوں نے نظام کو دو پہر کی سلطنت کرنے کا اختیار دیا تھا، نظام نے چمڑے کا سکّہ چلایا، جس میں سونے کی کیلیں جڑی ہوئی تھیں، اور اُس نے اپنے خویش و اقارب کو خوب مالا مال کر دیا :۔

ہمایوں جب آگرہ میں پہنچا، تو اُسے معلوم ہوا، کہ شیر خاں نے پھر سب بنگال و بہار پر قبضہ کر لیا ہے، چنانچہ ایک سال کے بعد ہمایوں پھر ایک فوج لیکر شیر خاں کی سرکوبی کیلئے بڑھا، اس وقت شیر خان نے شیر شاہ کے نام سے اپنے آپ کو موسوم کیا تھا :۔

آخر قنوج کے قریب جنگ ہوئی، لیکن ہمایوں نے شکست کھائی، ہمایوں وہاں سے بمشکل آگرے میں پہنچا، اور وہاں سے اس خیال سے لاہور آیا، کہ شائد اس کا بھائی کامران کچھ امداد کرے، مگر کامران اپنے بھائی ہمایوں کو اکیلا چھوڑ کر کابل کو چل دیا :۔

اب ہمایوں کو سخت مصائب کا سامنا تھا، وہ سندھ کے ریگستانوں سے ہوتا ہوا، راجہ جودھ پور سے امداد کا طالب ہوا، لیکن یہاں بھی وہ ناکام ہوا، پھر

امرکوٹ کا رُخ کیا، اور اسی جگہ ۱۴ اکتوبر ۱۵۴۲ء کو ملکہ حمیدہ بانو کے بطن سے اُس کے ہاں اکبر اعظم پیدا ہوا ؎

امرکوٹ کے راجہ نے ہمایوں کو کچھ فوج دی، تاکہ وہ سندھ کو پھر فتح کرسکے، لیکن ہمایوں کا ستارہ گردش میں تھا، اس لئے وہ سیدھا قندہار کی طرف چل دیا، قندہار میں اس کا بھائی عسکری تھا، اور اُس سے ہمایوں کو بہت کچھ امید تھی، لیکن جب وہ بھی ہمایوں کے درپے آزار ہوا، تو ہمایوں اپنے چھوٹے بچے اکبر کو پیچھے چھوڑ کر فارس کی طرف بھاگا، اور اکبر اپنے ظالم چچا عسکری کے ہاتھ آگیا، اس کے آگے کا حال ہم پھر لکھیں گے، سردست شیر خاں کا حال لکھنا ضروری معلوم ہوتا ہے، جس نے حکومت خاندان سوری کی بنیاد ڈالی ؎

شیر خان سوری ۱۵۴۰ء تا ۱۵۴۵ء شیر شاہ اگرچہ غاصب بادشاہ تھا، لیکن بڑا سمجھدار اور لائق تھا، اُس نے ملکی بدامنی دُور کرنے میں بہت کوشش کی ملک کا باقاعدہ انتظام کیا، رفاہ عام کے لئے، بہت اچھے کام کئے، سڑکیں بنوائیں کنوئیں کھدوائے، سرائیں تعمیر کرائیں، درخت لگوائے، مسجدیں بنوائیں، پل باندھے، غرضیکہ رعایا کے آرام کے لئے بہت کچھ کیا، اس کے علاوہ قوانین دیوانی و فوجداری مروج کئے، عدالتیں قائم کیں، اُس نے اپنے آخری عہدِ حکومت میں بنگال کے فتنہ فساد کو ہمیشہ کیلئے فرو کرنا چاہا، اور مارواڑ میں راجپوتوں سے سخت مقابلہ کیا، آخر ۱۵۴۵ء میں بندھیل کھنڈ میں کالنجر کا محاصرہ کرتے ہوئے ایک سرنگ پھٹ جانے سے جان بحق ہوا ؎

سلیم شاہ ۱۵۴۵ء تا ۱۵۵۲ء شیر شاہ کے بعد اس کا بیٹا سلیم شاہ جانشین ہوا، اگرچہ اپنے باپ کی کچھ نیک خصلتیں اس میں پائی جاتی تھیں، لیکن وہ

شیر شاہ جیسا قابل نہ تھا، تاہم اس نے نو سال سلطنت کی، اور آخر ۱۵۵۳ء میں مر گیا۔

محمد عادل شاہ ۱۵۵۳ء تا ۱۵۵۶ء

سلیم شاہ کے بعد اس کا خورد سال بیٹا محمد عادل شاہ تخت نشین ہوا، مگر چند دنوں کے بعد ہی اپنے ماموں عادل شاہ کے ہاتھ سے مارا گیا، اور محمد عادل نے تخت پر قبضہ کر لیا۔

یہ بادشاہ بڑا بے رحم تھا، اور پرلے درجے کا فضول خرچ، شرابی اور عیاش تھا، اس ناعاقبت اندیشی کے باعث نہ فقط خزانہ شاہی ختم ہو گیا، بلکہ ملک میں بدامنی کا طوفان امڈ آیا۔

چنانچہ عادل کے ایک رشتہ دار ابراہیم نے بھی بغاوت برپا کی اور وہ دہلی اور آگرہ پر قابض ہو گیا، پنجاب سکندر نے دبا لیا، اور وہاں سے اس نے ابراہیم پر حملہ کیا، اگرچہ سکندر نے ابراہیم پر فتح پائی، لیکن یہ فتحیابی قائم نہ رہی کیونکہ ہمایوں اب افغانستان میں اپنے پاؤں پر کھڑا ہو چکا تھا، اور موقع پاکر اپنی کھوئی ہوئی سلطنت حاصل کرنے کے لئے ہندوستان کی طرف آ رہا تھا۔

چنانچہ ابراہیم سوری سکندر سے شکست کھانے کے بعد کالپی کی طرف بھاگا، جہاں اسے ہیمو کی سپاہ سے مقابل ہونا پڑا، ہیمو نے بھی اسے شکست دی۔

ادھر بنگال میں محمد شاہ نے سر اٹھایا تھا، اس لئے ہیمو کو بنگال کی طرف لوٹنا پڑا، اور محمد شاہ کو شکست دے کر اس کا تعاقب کر کے بندھیل کھنڈ میں اسے مار ڈالا، اس کے بعد ہیمو آگرہ کی طرف بڑھا، اور آگرہ و دہلی دونوں شہروں پر قابض ہو گیا، ہم ابھی لکھ چکے ہیں، کہ ہمایوں ہندوستان پر حملہ

آور ہونے کے لئے آرہا تھا، چنانچہ وہ کابل سے دہلی کو روانہ ہوا، سرہند کے مقام پر ۱۵۵۵ء میں سب سے پہلے سکندر سوری سے اس کا مقابلہ ہوا، مگر ہمایوں کو اس معرکہ میں فتح ہوئی، اور سکندر شوالک کی پہاڑیوں کی طرف بھاگ گیا ؛

ہمایوں اس فتح کے بعد صرف چھ مہینے کے قریب زندہ رہا، اور جاں بحق ہوا ؛

اکبر اعظم عہد سلطنت ۱۵۵۶ء تا ۱۶۰۵ء

اکبر ابھی چودھویں برس میں تھا، کہ باپ کے مرنے پر اُسے تخت ہند پر متمکن ہونے کے لئے ایک معرکہ کارزار میں شامل ہونا پڑا، اس کی وجہ یہ تھی، کہ ہمایوں کے آخری وقت میں اکبر اپنے باپ کے پاس نہ تھا، بلکہ اپنے اتالیق بیرم خاں کے پاس مقام کلانور ضلع گورداسپور پنجاب میں مقیم تھا، اس موقعہ سے عادل شاہ کے وزیر ہندو سپہ سالار ہیمو نے فائدہ اٹھا کر دہلی اور آگرے کو فتح کر کے پنجاب کی طرف رُخ کیا، اس لئے اکبر کو سخت مشکل پیش آئی، اودھر تو باپ کی موت کا تازہ غم اور اودھر سلطنت ہاتھ سے نکل جانے کا صدمہ کئی مشیروں اور سرداروں نے صلاح دی، کہ کابل میں جا کر فوج فراہم کر کے پھر دشمن سے مقابلہ کیا جائے لیکن بیرم خان نے اکبر کو یہیں سے ہیمو کے ساتھ جنگ کرنے کی صلاح دی، جو اکبر کو بھی پسند آئی ؛

ہیمو اب دہلی پر قابض تھا، اور اکبر کے جرنل تردی بیگ کو وہاں سے نکال چکا تھا، آخر دونوں فوجوں کا پانی پت کے میدان میں ۱۵۵۶ء کو پھر مقابلہ ہوا، بیرم خان نے بڑی شجاعت سے ہیمو کا مقابلہ کیا، اور نہ فقط اس کو شکست فاش دی، بلکہ گرفتار کر لیا، جو قتل کر دیا گیا ؛

اب اگرچہ اکبر کو دہلی کا تخت مل گیا تھا، لیکن سکندر سوری ابھی پنجاب میں باقی تھا، ہیموں کے بعد اکبر نے سکندر کا پیچھا کیا، اور اُسے شوالک کی پہاڑیوں کے قلعہ مانکوٹ میں گھیر لیا، آخر چھ ماہ کے محاصرے کے بعد سکندر نے اطاعت منظور کی اور بنگال کی طرف چلا گیا ؛

اکبر کا عہد سلطنت ہم پھر لکھیں گے، کیونکہ ہمیں اپنی اسلامی تاریخ کی ترتیب کے مطابق پہلے سلطان سلیمان خاں ثانی کے بعد اُس کے جانشین کے حالات لکھنے ہیں ؛

یہاں مجھے اتنا اور عرض کرنے کی اجازت دیجئے کہ گیارہویں صدی ہجری یا پندرہویں صدی عیسوی میں مسلمانوں کی حکومت کی ترقی کا زمانہ تھا، اور ہر ایک شہر میں اسلامی شان و شوکت نمایاں تھی، ہمارے مکرم مولانا محمد عبداللہ چغتائی لیکچرار اسلامیہ کالج نے صرف شہر لاہور کی مساجد کے کتبے تحقیق فرمائے ہیں، جو اس زمانہ یعنی عہد مغلیہ میں تعمیر ہوئی تھیں، لہٰذا چغتائی صاحب کا تاریخی اقتباس ذیل میں درج کیا جاتا ہے ؛

ہر خیال و ہر تحریر ماحول اور خارجی اثرات کے تابع ہوتی ہے، ذیل کی تحریر اس ماحول کا نتیجہ ہے، جس میں مَیں رہتا ہوں، میں اپنے اردگرد جو کچھ دیکھتا ہوں وہ زبان حال سے "فاعتبروا یا اولی الابصار" کا درس دے رہا ہے، مشرق میں مسجد چینیا نوالی (محلہ چابکسواراں)، جنوب میں حویلی نواب میاں خاں ولد نواب سعد اللہ خاں، مغرب میں ٹکسالی بازار رنگ محل (و ملک ایاز کا مزار جو سلطان غزنوی کی یادگار ہے، شمال میں طلائی مسجد غرضیکہ یہ حدود ہر وقت صاحب بصیرت سے مقتضی رہتے ہیں، کہ اُن کی یاد کو جس طرح بھی ہو سکے زندہ رکھا جائے یہ آثار اب حوادث زمانہ کی وجہ سے مٹ رہے ہیں، آئندہ نسلیں ان کے

متعلق لوگوں سے قصے اور کہانیاں سنا کرینگی، یہ عبرت آموز یادگاریں جو سبق ہم کو سکھاتی ہیں، اور جو واقعات وہ زبانِ حال سے کہہ رہی ہیں، ان کا مرقع پیش کرنا اس وقت مجھے مقصود ہے عہدِ مغلیہ کی بعض مساجد کے کتبات کی کیفیت ملاحظہ ہو:۔

(۱) مسجد چینیا نوالی (محلہ چابکسواراں) یہ مسجد ہمارے محلہ میں ہے، اس پر کاشی کاری نہایت اعلیٰ درجہ کی ہے، جو اس عہد کے فنِ تعمیر کا لاہور میں ایک امتیازی نشان ہے، جو کسی اور شہر کو ہند میں نصیب نہیں ہے، یہ مسجد حویلی نواب میاں خاں کے ساتھ دیوار بہ دیوار جانب جنوب بالکل ملحق ہے، گویا کہ اس وقت کی رونق اور مسجد کی کمی محسوس کر کے تعمیر کی گئی تھی، حسب ذیل کتبات اس کے تین محرابوں پر ہیں "۔ محراب شمال کی پیشانی پر سے

"این معبد جان کہ صورتش روحانیست
در معنی ظلِ کعبہ ربّانیست"

ان دونوں مصرعوں کے درمیان ہیں :۔ انما یعمر مساجد اللّٰہ من اٰمن باللّٰہِ الصمد الماجد ۱۰۷۹ھ ان کے اوپر محراب کے تینوں طرف اشعار ذیل ہیں :۔

وصف مسجد قلم چو پردازد	فکر بر اوج آسمان تازد
تا بدی انتخاب جلوہ طور	چشم بد از تجلّے او دُور
چوں خیالش بدل دوچار شود	سینہ سپر شق نو بہار شود
از بیاضِ جبیں او خنداں	صبح امید آرزو منداں
میکند از شارہ ابرو	طاق او کار تیغ بہر عدو
کندش صاحب کاہ بود	پیر فخر شس بر اوج ماہ بود

درمیان کی بڑی محراب کے گرد ذیل کی تحریر ہے :۔

"حمد و سپاس بہ ربع پاک وصلوٰۃ وسلام صاحب لولاک دستور بنا نند،
کہ بنائے زندگانی بر آبست و خانہ عمر خراب رفیق شفیق حسن عمل است و قاطع
طریق طول امل جنذا حال ہوشیارانی کہ دریں ویرانہ بے اساس تعمیر خانہ دین
پرداختہ اند و بخیہ جاری انہار بواطن جو در اادبجار انوار آلہی لبریز ساختہ و
خوشا وقت بیدارانی کہ چشم ازخواب غفلت سر مالیدہ بر اجابت داعی
اللہ شتافتہ اند و بہرۂ وافر از خوان احسان کریم مطلق یافتہ فیض صلوٰۃ جماعت
کہ بہفتاد درجہ از فرد افضل است و نقد وقت ایں ابرار است و فضل
تکبیرۂ اولی کہ از دنیا و مافیہا اولی است بقیہ روزگار اخبار فنعم العبد
المعابد المطیع ولنعم الفیض عام اتمام بنائے ھذا المسجد المنیع
وھو عمیم الفیض واللہ المفیض واللہ المفیض۔ کتبہ میر مرتضیٰ"

یہ کتبہ ابتدا اور آخر سے ضائع ہونا ۱۸۱۰ھ شروع ہو گیا، اور درمیان میں سے
مدھم پڑتا جاتا ہے، بظاہر صرف اور چند برسوں کا مہمان ہے، اس کے نیچے افضل
الذکر اور حقًا لکھا ہوا ہے، اور دو عدد طاقچے بھی بڑی محراب اور جنوبی و شمالی
محراب کے درمیان ہیں، جن میں کچھ احادیث خط نسخ میں ہیں، مسجد کے اندر بھی نقش
و نگار ہیں، لیکن کوئی کتبہ نہیں ہے:

جنوبی محراب کی پیشانی پر:

ہر خشت نہ فرش اوست مہر گردوں	چوں ماہ جباہ ساجداں نورانی است

ان دونوں مصرعوں کے درمیان:- المساجد للہ فلا تدعو مع اللہ

اس کے اوپر محراب کے گرد اشعار ذیل ہیں:

بس کہ استاد نقش کاشی بست	گل او نقش نو بہار شکست
کردہ مہر شش درون ماہ وطن	از پے سجدہ شد چنیں ہمہ تن

کرسی کردہ بہر خود مسکن — کہ بلند است چوں زمین سخن
شاہدانہ نشستہ بر کرسی — عرش زادیست گر نسب پرسی
سال ایں بیت جامع مجمع — بو سپیتی بعلم حق مودع
مجمع سالکان راہ اللہ — جامع سرّ لا الہ ۱۰۸۰ھ

یہ مسجد اس قدر وسیع تھی، کہ اس کا بہت سا حصہ گر چکا ہے، اب ایک صحن اور اندرونی حصہ باقی رہ گیا ہے، کہا جاتا ہے، کہ اس کے دروازے پر شعر ذیل بھی درج تھا۔ ؎

طرفہ معمار خرد تاریخ سال — گفت زیبا مسجد از فراز خان

اس مسجد کی تعمیر ۱۰۷۹ھ میں شروع ہوئی، اور ۱۰۸۲ھ میں ختم ہوئی۔ اس کا بانی افراز خان عہد عالمگیر میں پنجہزاری منصب پر سرفراز تھا۔ ؎

مسجد محمد صالح کمبو چینیانوالی (موچی دروازہ) یہ مسجد شاہجہان کے عہد میں ان کے مشہور و معروف مؤرخ و اہلکار محمد صالح کمبو نے تعمیر کرائی، اور اس مسجد کے قریب ہی اُن کا مکان رہائشی تھا، اس کے باہر کے کتبے بالکل خراب ہو گئے ہیں، اگر ان کی کوئی حفاظت نہ کی گئی، تو وہ محو ہو جائیں گے اشتہارات لگانیوالوں نے ان کو اپنا بورڈ یا دیوار برائے اشتہارات بنا رکھا ہے، افسوس کہ مسجد کے متولیاں وغیرہ بھی اس سے بیخبر ہیں، اسکے دروازے پر تین کتبات ذیل ہیں :-

بانی ایں مسجد زیبا بنا — بندہ آل محمد صالح است
سال یکہزار و ہفتاد ہجری

یہ مسجد بھی متذکرہ بالا چینیانوالی کی طرح کاشی کاری سے مزین ہے، مگر بہت چھوٹی ہے، جس کے تینوں محرابوں کے کتباب حسب ذیل ہیں :-

شمالی محراب پر ؎

درزی کرد　　　　صبح راگرد و نفس انگشت غیرت در دہاں

از صفاد نور پاشی دیدہ عالم تو ئی　　　　پیش و پس صفہا کے طاعت از مژگان عیاں

شکل محرابت کمال ابروئے ایمان بود　　　　وز دعائے مستجاب آمادہ تیر ایں کماں

من نگویم کعبہ لیک ایں قدر دانم کہ ہست　　　　جبہ او تادِ عاشق ایں　آستاں

اے ستونت شمع کافوری بزم اولیا　　　　منبر والات در رفع عملہا زد باں

درمیان کی محراب کے گرد یہ تحریر ہے :-

"للّٰہ الحمد والمنہ کہ ایں مقام محمود و ایں کعبہ مقصود کہ صحن صفا مسکنش چوں طبق آفتاب لباب از نور است و بام تا شام از پیشانی نورانی ہر محرابش کہ مانند جبیں روشن ضمیراں نور آباد بساں جوہر آئینہ مصفا ہست انوار صفیہ صبح صادق بروز ظہور و حسن سعی فدوی آل محمد صالح در سال ہزار و ہفتاد و نہ ہجری　ـت اتمام یافت امید کہ بمقتضائے درستی نیت علت رفع پایہ حسنات باعلیٰ درجات و وسیلہ قبول عبادت و حصول مرضیات حضرت اہب العطیات گردیدہ، ناصیہ ہر نیکبختی کہ بسجود ایں نمودار بیت المعمور نورانی شود مانند جبہہ کشادہ روئے دہر ہرگز جبیں ملال و روئے ترکی کدورت نہ بیند. و دست نیاز ہر حاجتمند کہ دریں مکان فیض نشان بلند گردد، آرزوہائے دلش پیش از حرکت لب و زبان بدرجہ حصول انجامد۔"

اس کے نیچے درمیاں میں کلمہ توحید اور اس کے اخیر میں ۱۰۷۹ھ اور کلمہ کے دونوں کونوں پر اللہ وافی واللہ شافی ہے، اور اس کے نیچے درمیان محراب میں ہے ؎

محمد عربی کابروئے ہر دو سرا است　　　　کسیکہ خاک درش نیست خاک بر سر او

اس کے جنوبی محراب پر اشعار ذیل ہیں :

آسماں فیض را صبح سعادت پرتوی　　　　آفتابت روئے نورانی طاعت پیشگاں

داد ایں حرمت لاہور را فیض حرم | سر خوشت ساکنانش منت حفظ الامان
مسجد آرائیست بیر بیدا ماش جبرئیل | خلوت روحانیاں را شمع بادیہ بے دخان
رائگاں فیض سماوی را کجا داری قبول | طاعت مقبول بالائے فرستی پیش ازاں
بر بنا زت صورت اتمام فائض نا شدہ | ہیبر ندا اجزاش ایک بیک تا فلاک الامان
تا ہمیشہ قبلہ اسلام سمت کعبہ است | قبلہ گاہ مومناں باد اجابت جاوداں

مسجد کے اندر کی محرابوں پر اللہ تعالیٰ کے ننانوے اسمائے لکھے ہیں ؂

(۲۳) مسجد وزیر خاں | یہ مسجد نہایت مشہور و معروف وسط شہر میں بانی مسجد نواب وزیر خان کے نام سے آج تک مشہور ہے، اس پر بھی کاشی کاری اپنی خاص امتیازی شان سے اسی آب و تاب سے موجود ہے، جس کا جواب عراق و عجم میں بھی ملنا مشکل ہے۔ اس کے ساتھ بہت بڑا چوک چوک وزیر خاں کے نام سے مشرق رویہ ہے، اور اس کا اصل دروازہ مشرق کی طرف ہے، جس پر کتبات ذیل ہیں اور وہ اس قدر بڑے نہایت موزوں طریق سے کاشی میں لکھے ہیں، کہ دور سے بھی پڑھے جا سکتے ہیں ؂

دروازہ کے جنوب کی طرف :-

درعہد ابو المظفر صاحب قران ثانی | شاہجہان بادشاہ غازی اتمام یافت
بانی بیت اللہ ثانی فدوی باخلاص | مرید خاص الخاص قدیم الخدمت وزیر خاں

ان سطور کے نیچے ایک چھوٹا سا بخارچہ ہے اور اسکے نیچے پھر کتبہ ذیل ہے :-

ایں خانہ کہ ہست چوں فلک مظہر فیض | دارد چوں حریم کعبہ سر در سر فیض
بر چہرہ اہل قبلہ ایں در بمراد | تا حشر کشادہ باد چوں در فیض

دروازے کے شمال کی طرف ان مذکرہ بالا کتبات کے جواب ہیں :-

سال تاریخ بنائے مسجد عالی مقام | از خرد جستم بگفتا گاہ اہل فضل

تاریخ ایں بنائے چو پرسیدم از خرد | گفتا بگو کہ بانی مسجد وزیر خان ۱۰۴۴ھ

اسی کے نیچے ایک بخار چہ ہے، اور اس کے نیچے کتبہ ذیل ہے ۱۰۴۴ھ

دہقان وسود بخشر اے نیک سرشت | در مزرعہ آں جہاں ہر آں چیز کہ کشت

درباب عمل بنائے خیرے بگذار | کا خرہمہ ا ہست ازیں در بہشت

دروازہ کے درمیانی محراب میں پیشانی پر بڑی جلی قلم نستعلیق میں افضل الذکر الخ کتبہ اور اس کے نیچے ۱۰۴۵ھ ہے۔

اس دروازہ کی سیڑھیاں چڑھ کر جب اندر آتے ہیں، تو ایک صحن ملتا ہے جو دونو شمال جنوب ردیہ راستوں کو ملاتا ہے، گویا کہ مسجد کے دو اور دروازے بھی ہیں لیکن اصل دروازہ مشرقی ہی ہے، اس صحن اور راستوں میں کچھ حجرے اور دکانیں بھی ہیں، جو غالباً بطور مسافر خانہ کے تعمیر کی گئی تھیں، جن میں اب بھی ویسے ہی لوگ رہتے ہیں، اوپر کی چھت پر ایک طرف امام مسجد قاری شمس الدین بخاری رہتے ہیں۔ جو خصوصیت سے اس مسجد کی زینت بلکہ ان سے قرآن کریم کی تلاوت سن کر اس مسجد کی کچھ پرانی شان بھی دلوں میں عود کر آتی ہے، اللہ تعالےٰ انہیں یہاں مطمئن اور قائم رکھے، پھر اس کے بعد ہم اصل مسجد میں جوتے اُتار کر داخل ہوتے ہیں، یہ شاہی مسجد لاہور سے رقبہ میں چوتھائی معلوم ہوتی ہے، انسان داخل ہوتے ہی تصور کرتا ہے، کہ میں ایک اور دُنیا میں آگیا، جدھر نظر اُٹھائے کاشی کاری مختلف رنگوں میں نظر آتی ہے، اور کوئی جگہ نہیں چھوڑی، مسجد کے صحن میں ایک بڑا حوض برائے وضو اور اس کے آگے چل کر مسجد کے تین محراب ہیں جن پر کتبات ذیل ہیں:۔

سلہ قاری صاحب ۱۹۲۰ء میں پشاور چلے گئے، اور ان کے نعم البدل حافظ قاری حکیم مولوی سید محمد احمد خلف اکبر مولانا مولوی امیر شریعت مفتی اعظم حضرت سید ابو محمد محمد دیدار علی شاہ صاحب خدمت خطبات و امامت و درس و تدریس کو انجام دے رہے ہیں ۱۲۔

شمال کی طرف کی محراب کی پیشانی کو تین حصوں میں تقسیم کیا ہے :-

"اذ جعلنا البیت الخ" "واذ یرفع الخ" "قد نری تقلب"

اس کے آخر میں کاتب نے نہایت خوبصورتی سے تین سطروں میں لکھا ہے "اللّٰھم اغفر لنا ظرہ وکاتبہ امین" پھر اس کے نیچے دو طاقچے ہیں، ایک میں تو کلمہ توحید واللہ، محمد، صلی اللہ علیہ وسلم، ابوبکر، عمر، عثمان، علی، حسنین، رضی اللہ تعالیٰ عنہم، خط طغری میں لکھا ہے، اور دوسرے نیچے والے میں حدیث المومن فی المسجد الخ ہے، وغیرہ۔

درمیان کی محراب میں سورہ انا فتحنا الخ ہے پھر اس کے نیچے آیۃ الکرسی ہے، اور ساتھ ہی کتبہ محمد شریف لکھا ہے، پھر اسی طرح علاوہ اس کے بھی اندر کے رخ تینوں طرف قرآن شریف سے کچھ من جاء بالحسنۃ الخ ہے۔

جنوبی محراب کی پیشانی پر اسی طرح تین حصے ہیں :-

"ان اول بیتا الخ - انما یعمر مساجد الخ - المسجد اسس علی التقوی الخ"

ان کے اخیر میں کاتب نے اپنا نام اس طرح لکھا ہے جو نیچے سے پڑھنے سے اوپر تک آتا ہے :-

کتبہ حاجی یوسف کشمیری غفر اللہ لہ ۱۲۸۱ھ

اسی طرح ان کے نیچے بھی درمیانی دیوار میں دو طاقچے ہیں، اوپر والے میں مذکرہ بالا کی طرح کلمہ توحید وغیرہ ہے، اور اس کے نیچے والے میں حدیث صلی اللہ علیہ وسلم من ادرک الاذان الخ ہے وغیرہ

مسجد کے اندر نرالے نقش و نگار ہیں، جو انتہا درجے کے دلفریب ہیں ان کے علاوہ بے شمار آیات قرآن و احادیث اور درود شریف سے دیواروں کو زینت دی گئی ہے، غرضیکہ جہاں موزوں جگہ ملی ہے، وہیں کچھ نہ کچھ موزونیت کے لحاظ سے نسخی ریختہ کاری میں لکھ دیا ہے، اور آدمی دیکھتا ہوا اور اللہ کی قدرت کا مشاہدہ

کرتا ہوا واپس آجاتا ہے، اور واپسی پر نہایت اعلیٰ شان میں کاشی کا بہترین نمونہ جو ہو سکتا ہے، دروازے پر نظر آتا ہے ؎

محمد عربی کابروئے ہر دو سراست کسیکہ خاک درش نیست خاک برسر اوست

اس مسجد کے چار بلند مینار ہیں، ان پر بھی کاشی کاری ہے غرضیکہ اس امتیازی شان میں سرتا پا سرشار ہے۔

(۴) مسجد دائی انگا

یہ عالی شان مسجد لاہور سٹیشن کے دیوار بدیوار پلیٹ فارم نمبر ۲ کے مشرقی طرف ہے، پہلے اس میں ریلوے کا دفتر تھا، کچھ اور بھی دفتر وغیرہ رہے، مگر اب محکمہ آثار قدیمہ نے اپنے قبضہ میں لے لیا ہے، اور خوب آباد ہے، حوض بھی ایک طرف ہے، اس پر بھی کاشی کاری ایک خاصی اہمیت رکھتی ہے، اس کے تین محراب ہیں جن کے کتبات حسب ذیل ہیں :۔

جنوبی محراب کے گرد سورہ بقرہ کا اخیر رکوع ہے، درمیانی محراب کے گرد سورہ عشر یہ سب ابھی تک باوجود اس مسجد پر اس قدر انقلابات کے صاف پڑھے جاتے ہیں، مگر دھان چند روزہ ہیں، درمیانی محراب میں غالب کاری کے بجائے تین حصے کر کے الگ تحریر میں درج کی ہیں، کلمہ توحید اس کے نیچے اللہ، محمدؐ، ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ، حسنینؓ، یہ بعینہ اسی کتبہ کی نقل ہے، جو مسجد وزیر خان کے طاقچہ میں اوپر خط طغرا میں بیان ہو چکا ہے :۔

دائیں طرف :۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ علی محمد صاحب العالمین ومحبوب المشرقین والمغربین الذی شرف لہ الفرد الصمد قال من لدن العرش الی تحت الارضین کلھم یطلبون رضائی وانا اطلب رضاءك یا محمدؐ

بائیں طرف :۔

اللّٰہمّ صل علی محمد نبی الحرمین و رسول الثقلین المتجلی بخلتین قال لہ الواحد الاحد یا نور نوری و یا سر سری و یا قرائن معرفتی فدیت ملکی علیک یا محمد"

جنوبی محراب کے بیچ کے حصے میں دونوں کونوں پر یہ مرقوم ہے :-

باھتمام خو مقبول　　　کتبہ ابراہیم

باتمام رسید　　　سنہ ۱۰۴۵ھ

دائی انگا کا اصل نام زیب النسا تھا، یہ شاہجہان کی دودھ پلائی تھی، اور وہ بہت عزت و اکرام کی نگاہ سے دیکھی جاتی تھی، یہ اسقدر لاہور میں مشہور معلوم ہوتی ہیں، کہ اِنکے نام سے ایک محلہ تھا، جو مسجد کے قریب جہاں اب ریلوے یارڈ ہے اور بہت عمدہ عمدہ مکانات ہیں، ان کا مقبرہ بھی لاہور میں گلابی باغ کے اندر نہایت شاندار مکعب شکل کا کاشی کاری کی جان ہے، اس کے اندر غلام گردش میں سورہ انا فتحنا کا اول حصہ لکھا ہوا ہے، اور کاتب کا نام محمد صالح سنہ ۱۰۴۲ھ لکھا ہے ؛

(۵) مسجد مریم زمانی (بیگم شاہی) یہ مسجد مستی دروازہ کے اندر مریم زمانی جہانگیر کی والدہ کی تعمیر کردہ ہے، غالباً اسی وجہ سے بیگمشاہی کے نام مشہور ہے یہ مسجد ریختہ کاری کا اعلیٰ نمونہ ہے، اور اس پر چینی وغیرہ کا کام کہیں کہیں ہے اس کے شمالی دروازہ پر کتبہ ذیل ہے، جو آج کل بالکل غیر آباد ہے :-

منت ایزد را کہ آخر گشت کار از ابتدائے　　　ہم بتوفیق خدا حکم صاحب شدے

حضرت مریم زمانی بانی ھذا المکاں　　　کز عنایات الٰہی ساختہ جائے ہدے

از پئے تاریخ ایں بنائے چوں بہشت　　　فکر ہیکر دم کہ آخر یافتم خوش مسجدے

مسجد کے مشرقی دروازہ پر جو آج کل اصل دروازہ شمار کیا جاتا ہے یہ تحریر ہے سنہ ۱۰۲۳ھ

شاہ عالمگیر نورالدین محمد بادشاہ　　　بادیا رب در جہاں روشن چو نو مہر ماہ

ان محرابوں پر کچھ تحریر ہے جو مدھم پڑ گئی ہے، بعض نے اس مسجد کو مسجد جہانگیر

بھی لکھا ہے، جو غلط ہے ؛

(۶) مسجد شاہی عالمگیر اعظم | اس مسجد کے متعلق اتنا کہنا کافی ہے، کہ جہاں قرطبہ وغیرہ کی مساجد کو وسیع ہونے کی وجہ سے دنیا میں خاص امتیاز کا درجہ حاصل ہے، وہاں یہ مسجد بھی کچھ کم حیثیت نہیں رکھتی، یہ مسجد عالمگیر نے خصوصیت سے اس سامان سے تعمیر کرائی جو دارا شکوہ نے اپنے پیر و مرشد حضرت میاں میر رح کے مزار کی خاطر جمع کیا تھا، عالمگیر نے مسجد بھی تعمیر کرائی، اور مقبرہ بھی ایک خاص شان سے تعمیر کرا دیا، اس کے دروازے کی پیشانی پر جو بہت بلند چبوترے پر واقع ہے، سنگ مرمر کی سل پر سنگ موسٰی میں کتبہ ذیل کندہ ہے :-

"مسجد ابو ظفر محی الدین محمد عالمگیر بادشاہ غازی ۱۰۸۴ھ

باہتمام کمترین خانہ زاداں فدائی خاں کوکا اتمام یافت"

یہ مسجد تمام سرخ سنگ خارا کی تعمیر ہے، اور چار بلند مینارے ہیں درمیان کی محراب پر چھوٹی سی سنگ مرمر کی سل میں افضل الذکر الخ کندہ ہے ؛

(۷) مسجد ٹکسالی دروازہ | یہ مسجد عبد اللہ خاں نائب فدائی خاں کو مہتمم مسجد شاہی کی تعمیر کردہ ہے، مگر بہت چھوٹی سی ہے، یہاں قریب ہی ٹکسال ہوتی تھی، اس پر بھی کاشی کا کام ہے، اب صرف درمیانی محراب کے گرد آیۃ الکرسی کے آگے تک آیات قرآنی کا سراغ ملتا ہے، باقی کچھ پتہ نہیں چلتا ؛

(۸) مسجد خواجہ ایاز | یہ مسجد خشت و ریختہ میں بنی ہوئی، باغبانپورہ میں مشرق و شمال کیطرف ہے، مادھو لال حسین رح کے مزار کے قریب ہے، خواجہ ایاز کے متعلق کہا جاتا ہے، کہ نواب علی مردان خاں کے ماتحت شالامار کی تعمیر میں کام کرتا تھا، اس نے اپنی یاد میں یہ مسجد بنوائی، اس میں ایک حوض بھی ہے اور درمیانی محراب کے اوپر اب صرف ایک سنگ مرمر کی سل نظر آتی ہے، جس پر ایک کتبہ خط طغریٰ میں ہے :-

صلوا فی مسجد اسس بنیانہ علی التقوٰی سنہ ۱۰۹۲ھ

سنہ تعمیر غالباً یہی ہے، کہا جاتا ہے، کہ اس پر بندہ درگاہ خواجہ ایاز بھی تحریر تھا، اب یہ خوب آباد ہے، باغبانپورہ کے لوگ اسے خواجہ ایاز کی مسجد بولتے ہیں۔ علاوہ ان چند تواریخی مساجد قدیم کے اسوقت بھی تقریباً ۴۴ مساجد لاہور شہر میں ہیں۔

اس اقتباس سے صرف ایک شہر لاہور میں جس قدر شان اسلامی نظر آتی ہے وہ اس امر کا بیّن ثبوت ہے، جو ہم اوپر عرض کر چکے ہیں ؛

سنہ ۹۷۴ھ تا سنہ ۹۸۲ھ

مطابق

سنہ ۱۵۶۶ء تا سنہ ۱۵۷۴ء

سلطان سلیم خان ثانی ۹۷۴ھ تا ۹۸۲ھ عہد خلافت تقریباً نو سال

رفیع الشان سلطان سلیمان خان مرحوم کے بعد اس کا بیٹا سلطان سلیم خان جانشین ہوا، اس نے اپنے عہد سلطنت کے پہلے ہی سال امام صنعا پر حملہ کیا، اور اس کو شکست دی اُس کے بعد زوسقتا نامی یہودی ندیم کے کہنے مطابق جزیرہ قبرص پر چڑھائی کی، اور اس جزیرہ کو بھی فتح کیا، اس فتحیابی نے شاہ ہسپانیہ اور یورپ کو سلطان سلیم سے مشتعل کر دیا، اور اُس نے اپنے جرار لشکر کے ساتھ سلطان کا مقابلہ کیا، اس جنگ میں سلطان سلیم خاں نے بہت نقصان اُٹھایا، ہسپانیہ نے سلطان کے ۲۲۴ جنگی جہاز تباہ کر کے اُسے شکست فاش دی، کیونکہ سلطان سلیم خان شراب خور اور عیاش تھا، اس زمانہ میں نوعمر اکبر نے ہندوستان میں اپنی فتوحات کا ڈنکا بجانا

اکبر کی فتوحات ہند

شروع کر دیا تھا، اکبر اگرچہ نوعمر تھا، لیکن نہایت ذہین

اور عالی دماغ تھا، اُس نے مُلکی حالت کو راست کرنے کیلئے جب غور کیا، تو اُس کے ذہن میں فوراً یہ بات آگئی، کہ خاندان مغلیہ کی بنیاد پختہ کرنے کیلئے ہر مذہب وملت کے لوگوں کو اپنا جاں نثار بنانا چاہیئے، لیکن اکبر ابھی تک اپنے استاد بیرم خان کے ماتحت تھا، اس لئے اکبر کو اپنے خیالات پر عمل کرنے کا موقعہ نہ ملا ؛

بیرم خان ظالم و جابر شخص تھا، اور کئی طرح کی بدعنوانیوں سے اُس نے رعایا کو بیزار کر دیا، جب اکبر کو رعایا کی مصیبت کا حال معلوم ہوا، تو اُس نے بیرم خاں کو تخت حکومت سے معزول کر کے خود عنان سلطنت سنبھالی، اس پر بیرم خاں نے بغاوت کر دی، لیکن اکبر کے جانثاروں نے اُسے گرفتار کر لیا، اور جب وہ اکبر کے پیش کیا گیا، تو اکبر نے استادانہ ادب کی خاطر سے جان بخش کے بیرم خان کو مکہ شریف روانہ کر دیا، چونکہ بیرم خاں اپنے بہت سے دشمن بنا چکا تھا، اس لئے ابھی وہ گجرات تک بھی نہ پہنچنے پایا تھا، کہ کسی پُرانے دشمن نے اس کو ہلاک کر دیا ؛

یہ ۱۵۶۱ء کا واقعہ ہے، انہی دنوں میں یعنی پانی پت کی دوسری لڑائی کے پانچ ہی برس بعد اکبر نے دہلی، آگرہ، پنجاب، اجمیر، گوالیار، لکھنؤ، جون پور پر اپنا تسلط جما لیا ؛

اسی اثنا میں بنگال میں شیر شاہ ثانی نے سر اُٹھایا، اور اکبر نے اپنے وفادار جرنیل خاں زماں کو اس کی سرکوبی کیلئے بھیجا جس نے بنگال پہنچتے ہی شیر شاہ ثانی کو شکست فاش دی ؛

۱۵۶۲ء میں اکبر نے راجہ بہاری مل والئے امبیر (جے پور) کی لڑکی سے شادی کی، اور اُس کے لڑکے بھگوان داس کو سلطنت کے معزز عہدے پر مامور کیا ؛

۱۵۶۷ء میں اکبر نے چتوڑ پر حملہ کیا، وہاں رانا سانگا کا بیٹا اودے سنگھ حکومت کر رہا تھا، راجپوتوں میں میواڑ کی ریاست سب سے طاقتور تھی، لیکن جب بابر حملہ آور ہوا تو راجہ اودے سنگھ تاب مقابلہ نہ لا کر اراولی کی پہاڑیوں کی طرف بھاگ گیا، مگر اس کا بہادر جرنیل جے مل چتوڑ گڑھ میں محصور ہو گیا ؛

اکبر نے قلعہ چتوڑ پر بڑی بہادری سے حملے کئے، لیکن راجپوتوں نے بھی جوانمردی سے اُن کے حملوں کو روکا، کئی روز تک یہ معرکہ کارزار گرم رہا آخر کار ایک رات جبکہ جے مل قلعہ کی فصیل پر اپنی دشمن کی فوج کا جائزہ لے رہا تھا، بہادر اکبر نے اُس کو تیر کا نشانہ بنایا، جس کے لگتے ہی جے مل کی روح پرواز کر گئی ؛

جے مل کے مرتے ہی راجپوتوں کے حوصلے پست ہو گئے، اور اکبر نے قلعہ چتوڑ کو فتح کر لیا ؛

اودے سنگھ چتوڑ کو ہاتھ سے کھو کر چند روز بعد اودے پور میں آ گیا تھا، اور وہیں سپرد خاک ہو گیا، اس کے مرنے کے بعد اس کا بہادر بیٹا رانا پرتاب جانشین ہوا، اسے چتوڑ اور راجپوتوں کی شکست کا اس قدر افسوس ہوا کہ اس نے قسم کھالی، کہ جب تک چتوڑ مسلمانوں سے واپس نہ لونگا، گھاس پھوس کے بستر پر سوؤں گا، اور پتوں پر کھانا کھاؤنگا ؛

سنا ہے کہ آج تک اس خاندان کے راجے رانا پرتاب کی قسم کا لحاظ کرتے ہیں، اگرچہ ریشمی اور مخملی بستروں پر استراحت کرتے ہیں لیکن بستر کے نیچے کچھ گھاس پھوس بھی بچھا لیتے ہیں، نیز اگرچہ سونے اور چاندی کے برتنوں میں کھانا تناول کرتے ہیں، مگر ان پر پتے ضرور رکھ لیتے ہیں ؛

لیکن افسوس ہے، کہ رانا پرتاب جیسے بہادر کی یہ قسم نہ جیتے جی پوری ہوئی، اور نہ اس کے خاندان کو اس قسم کے پورا کرنے کی توقع ہے، رانا پرتاب یوں تو بہادر تھا،

لیکن اُسے کھُلے میدان میں شاہی فوج سے لڑنے کی کبھی جرأت نہ ہوئی، ہمیشہ غنیم کی بیخبری میں چھاپے مارتا رہا ہے ؎

۱۵۷۶ء میں اکبر نے راجہ مان سنگھ کو اودے پور کی مہم پر روانہ کیا، جس نے ہبھل میر اور کندے کے قلعوں پر ۱۵۷۷ء میں قبضہ کر لیا ؎

رانا پرتاپ کو مان سنگھ کے مقابلہ کی بھی جرأت نہ ہوئی، چنانچہ وہ اپنی بیوی بچوں سمیت پہاڑوں میں جا چھپا، اور بہت سے مصائب برداشت کرنے کے بعد اُس نے جب دیکھا کہ شاہی فوجیں واپس ہو گئی ہیں، اور اب کچھ عرصہ تک شہنشاہ اکبر اودے پور پر حملہ آور نہیں ہو سکتا، تو رانا پرتاب پھر اودے پور میں داخل ہو کر اودے پور کے تخت پر بیٹھ گیا ؎

۱۵۶۸ء میں اکبر نے رنتھمبور اور کالنجر فتح کیے ؎

۱۵۶۹ء میں راجہ جے پور کی لڑکی اور اکبر کی بیوی کے بطن سے سلیم پیدا ہوا اور اسی سنہ میں اکبر نے فتح پور سیکری کی بنیاد ڈالی ؎

۱۵۷۲ء میں اکبر نے احمد آباد گجرات کے خود مختار بادشاہ مظفر شاہ پر حملہ کیا، مگر اُس نے اطاعت قبول کر لی ؎

۱۵۷۳ء میں جب مظفر شاہ اکبر سے پھر باغی ہو گیا، تو اُس کی سرکوبی کیلئے اکبر نے مرزا خان کو روانہ کیا، جس نے ۱۵۷۳ء میں مظفر شاہ کو احمد آباد کے قریب شکست دے کر کاٹھیاواڑ کی طرف بھگا دیا، اس کے بعد ملک گجرات بھی سلطنت مغلیہ میں شامل ہو گیا ؎

اسی ۱۵۷۳ء میں شہنشاہ اکبر گجرات کو چھوڑ کر آگرے میں واپس آ گیا، کیونکہ ان دنوں بنگال میں بغاوت پھیل گئی تھی، اور داؤد خاں حاکم بنگال اکبر کا مخالف تھا، اکبر نے ہر چند چاہا، کہ وہ اطاعت گذار ہو جائے، لیکن داؤد خان اپنی

مخالفت سے باز نہ آیا، آخر ٹوڈرمل کی سرکردگی میں داؤد خان کی سرکوبی کیلئے مہم روانہ ہوئی ؛

پہلے تو داؤد خاں نے اطاعت گذار بنکر صلح کر لی، لیکن تھوڑے ہی دنوں بعد وہ پھر سرکش ہو گیا، شاہی فوجوں نے پھر اس کو مغلوب کیا، آخر گرفتار ہو کر قتل کر دیا گیا، داؤد خاں کے مرتے ہی افغانی خاندان کا خاتمہ ہو گیا، بلکہ بنگال اور بہار پر اکبر کا تسلط ہو گیا، اس کے بعد تین سال تک کوئی مہم نہیں ہوئی، اور اسی زمانہ میں سلطان سلیم خان ثانی نے ۲۰ ماہ شعبان ۹۸۲ھ مطابق ۱۵۷۴ء پچاس برس کی عمر میں وفات پائی ؛

۹۸۲ھ تا ۱۰۰۳ھ

مطابق

۱۵۷۴ء تا ۱۵۹۶ء

مراد خان ثالث ۹۸۲ھ تا ۱۰۰۳ھ عہد خلافت تقریباً اکیس سال

سلطان سلیم کے فوت ہونے پر اس کا بیٹا مراد خاں ثالث جانشین ہوا، اس کے باپ کے عہدِ خلافت میں ہی سلطنت آل عثمان کی حالت خراب تھی، مراد خاں اپنے باپ سے بھی بڑھ کر عیاش طبع تھا، اس نے تخت پر بیٹھتے ہی اپنے پانچ بھائیوں کو بے گناہ اور بے قصور قتل کرا دیا، بعض امراء سلطنت کو معزول کیا، غرضیکہ اندھا دھند جو جی میں آتا وہی کرتا رہا۔

۱۵۷۶ء میں مراد خان کو جب یہ خبر ملی، کہ شاہ ایران کو کسی نے زہر سے ہلاک کر دیا، اور اس کے بیٹے کو بھی فوج نے مار ڈالا، تو مراد خاں نے اس موقع سے فائدہ اُٹھانے کیلئے شہر تفلیس پر فوج روانہ کی، اور اس مہم میں گرجستان

کا علاقہ فتح ہوا ؛

۱۵۷۹ء میں شہنشاہ ہند دلاور اکبر پنجاب میں وارد ہوا، کیونکہ شہزادہ

اکبر کی بقیہ فتوحات ہند

حکیم مرزا حاکم کابل نے بغاوت اختیار کی تھی لیکن اکبر کے آتے ہی اُس نے اطاعت قبول کر لی ؛

انہیں دنوں میں اکبر نے ملک دکن کی طرف توجہ کی اور دربار احمد نگر کے تمام امراء نے اکبر کا ساتھ دیا، اسی زمانہ میں حکیم مرزا کی جگہ راجہ بھگوان داس کے لڑکے راجہ مان سنگھ کو کابل کا گورنر مقرر کیا گیا ؛

۱۵۸۶ء میں اکبر نے ملک کشمیر کو فتح کیا، اور بعد فتح یابی کشمیر جنت نظیر کی سیر سے مسرور ہوا ؛

۱۵۹۲ء میں سندھ فتح ہوا، اور اڑیسہ کی فتح سے سارا بنگال قبضے میں آ گیا ؛

۱۵۹۳ء میں مظفر شاہ فوت ہو گیا، تو ملک گجرات میں کسی قسم کی بغاوت باقی نہ رہی ؛

اس زمانہ میں ہندوستان میں اکبر کی سلطنت اسلامی ایک طرف افغانستان وکشمیر سے لیکر خلیج بنگال تک پھیل گئی اور دوسری طرف وسط ہند، گجرات اور سندھ تک صرف دکن پر اب تک پورا تسلط نہ ہوا تھا، اس لئے ۱۵۹۵ء میں اکبر کو دکن کا خیال آیا، احمد نگر میں اس وقت بہت بدنظمی تھی، کیونکہ ابراہیم نظام شاہ کی وفات کے بعد ایک نابالغ لڑکا تخت پر بیٹھا تھا، اراکین سلطنت اس سے ناخوش تھے، بلکہ وزیر نے خود اکبر سے مدد کی درخواست کی چنانچہ اکبر نے شاہزادہ مراد کو احمد نگر کیطرف روانہ کیا

چاند بی بی والئی بیجاپور

احمد نگر کا وزیر اس وقت بیجاپور میں تھا، اور احمد نگر کی عنانِ حکومت چاند بی بی کے ہاتھ میں تھی ؛

چاند بی بی بڑی مستقل مزاج اور بہادر عورت تھی اُس نے اپنے بھتیجے بہادر نظام شاہ کے حلاقے کی مردانہ وار حفاظت کی، مغلوں نے ایک دفعہ زمین دوز

سُرنگ لگا کر فصیل میں بڑا بھاری شگاف کر دیا تھا، لیکن یہ بہادر ملکہ تلوار کھینچ کر اُس شگاف پر جا کھڑی ہوئی، اور دشمنوں کے حملے کو بڑی دلیری سے روکا ہ

چنانچہ مراد نے بھی بہت کوشش کی لیکن قلعہ فتح نہ کر سکا، البتہ برار کا صوبہ جو حال ہی میں فتح ہو چکا تھا، شاہ احمد نگر نے اکبر کو دینا منظور کر لیا، اور اسی شرط پر صلح ہو گئی ہ

یہ واقعات سنہ ۱۵۹۶ء تک کے ہیں، اور اسی سن میں یعنی ۸ جمادی الاول سنہ ۱۰۰۳ھ میں مراد خان ثالث نے وفات پائی ہ

سنہ ۱۰۰۳ھ تا سنہ ۱۰۱۲ھ

مطابق

سنہ ۱۵۹۶ء تا سنہ ۱۶۰۳ء

> محمد خان ثالث سنہ ۱۰۰۳ھ تا سنہ ۱۰۱۲ھ
> عہد خلافت تقریباً نو سال

مراد خان ثالث کے مرتے وقت اس کا بیٹا محمد خان ثالث قسطنطنیہ میں نہ تھا، بلکہ شہر مانیز میں تھا لیکن اس کی والدہ صفیہ سلطان بڑی قابل اور دُور اندیش عورت تھی، اُس نے اپنے خاوند کے مرنے کی اطلاع جب تک کسی ارکین سلطنت تک کو نہ دی جب تک اس کا بیٹا محمد خان ثالث ساتویں روز قسطنطنیہ میں نہ پہنچ گیا ہ

محمد خان ثالث عادت و اطوار کے لحاظ سے اپنے باپ سے بھی بڑھا ہوا تھا، اگرچہ اُسے شراب سے نفرت تھی، لیکن افیونی ضرور تھا، اور ساتھ ہی ظالم اظلم ہ

تخت پر متمکن ہوتے ہی اپنے انیسؔ چھوٹے بڑے بھائیوں کو قتل کر کے باپ کی قبر کے ساتھ دفن کر دیئے ہ

۱۵۹۶ء میں شاہ عباس سے لڑائی چھڑ گئی، قریب تھا، کہ اسلامی فوجیں شکست کھا لیں لیکن مراد خان ثالث کے دل میں کچھ غیرت آئی، فوراً خود میدان جنگ میں آیا، اور اپنی سپاہ کو بڑھاتا ہوا شہر ارلو پر قابض ہو گیا ؛

سوائے اس لڑائی کے عیش پرست بادشاہ نے نہ کسی سے جنگ کی اور نہ خود میدان جنگ میں اسے جانا ہی پڑا ؛

فیضی و ابو الفضل و شہزادہ سلیم

فیضی و ابو الفضل شیخ مبارک عرب کے دو بیٹے ہیں جو اپنے علم و عمل سے دنیا بھر میں مشہور ہیں، علامہ فیضی علم ادب حکمت شاعری میں ماہر اکمل ہونے کے علاوہ کئی زبانوں پر حاوی تھے چنانچہ سنسکرت کی کئی ایک کتابوں کا ترجمہ آپ نے کیا، جن میں بھگوت گیتا اور مہابھارت بھی شامل ہیں، اور ابو الفضل، علم سیاست دان و دیگر علوم و فنون میں شہرہ آفاق تھا ؛

۱۵۶۸ء میں جبکہ اکبر چتوڑ کا محاصرہ کر رہا تھا، انہی دنوں میں اکبر نے فیضی کی شہرت سنی اور فوراً طلب کر کے اُسے ملک الشعرا کے خطاب سے سرفراز فرمایا، بلکہ اراکین سلطنت میں شمار ہونے لگے، لیکن فیضی کی عمر نے وفا نہ کی سات سال کے بعد رحلت کی فیضی کی سفارش سے ہی ابو الفضل بھی دربار اکبری میں داخل ہوا تھا، چونکہ نہایت ذہین اور عالی دماغ فاضل اجل تھا، اسلئے اکبر نے اس کی بڑی قدر و منزلت کی، حتے کہ ابو الفضل وزیر اعظم ہو گیا،

اکبر کو اگرچہ شہزادہ سلیم سے ازحد محبت تھی، لیکن اُس کی حد سے زیادہ شراب خوری سے وہ سخت متنفر تھا، ایک دو دفعہ سلیم نے اپنے باپ سے بغاوت بھی کی لیکن پھر سنبھل گیا، ابو الفضل چونکہ دربار اکبری کا وزیر اعظم تھا، اور تمام شاہی احکام ابو الفضل کے قلم سے جاری ہوتے تھے، اس فرض منصبی کے بموجب

شہزادہ سلیم کی بدعنوانیوں پر ابوالفضل نے جب تہدید و نصیحت آمیز احکام شہزادہ سلیم کے نام جاری کئے تو سلیم ابوالفضل کے خون کا پیاسا ہو گیا۔ چنانچہ جب ابوالفضل دکن سے واپس آرہا تھا، تو شہزادہ سلیم نے راجہ نرسنگھ دیو والئی ریاست اورچھہ (بندیل کھنڈ) کے ہاتھ سے ابوالفضل کو قتل کرادیا ؛

اکبر کو اپنے لائق وزیر باتدبیر کی موت کا بہت رنج ہوا لیکن سلیم پر کسی قسم کا شک نہ ہوا، البتہ راجہ نرسنگھ سے اکبر نے بدلہ لیا ؛

یہ وہ دن تھے، جبکہ محمد خاں ثالث کی بدانتظامی سے عثمانی سلطنت پر فوج کی قوت اسقدر غالب آگئی تھی، کہ اگر ینگ چری فوج سلطنت کا ساتھ نہ دیتی، تو اسی وقت سلطنت عثمانی درہم برہم ہو جاتی -

آخر ماہ رجب ۱۰۱۲ھ مطابق ۱۶۰۳ء میں محمد خاں ثالث ۳۷ برس کی عمر میں اس دنیا سے سدھارے ؛

سنہ ۱۰۱۲ھ تا سنہ ۱۰۲۶ھ
مطابق سنہ ۱۶۰۳ء تا سنہ ۱۶۱۷ء

احمد خان اوّل بن محمد خان
۱۶۰۳ء تا ۱۶۱۷ء
عہد خلافت ۱۴ سال ۵ ماہ

محمد خاں ثالث کی وفات کے بعد اس کا بیٹا احمد خاں اوّل تخت خلافت عثمانیہ پر متمکن ہوا، اگرچہ یہ بادشاہ بھی عیاش طبع تھا، لیکن جنگ جو بھی تھا ؛

تیرہ برس کی عمر میں تخت نشین ہوتے ہی اس کو میدان کارزار گرم کرنا پڑا کیونکہ ۱۶۰۳ء میں عباس صفوی بادشاہ ایران نے تبریز، اریفان، اور قلعہ حرص وغیرہ پر قبضہ کر لیا تھا، تو احمد خان اوّل اپنی فوج کا سپہ سالار بن کر شاہ ایران کے مقابلے کو نکلا ؛

اسی اثناء میں حجر کے لوگوں نے اپنے بادشاہ غسا کے ظلم و ستم کی شکایت کی

اس لئے اس کی سرکوبی کے لئے بھی فوج روانہ کی گئی ؎

۱۶۰۵ء میں فروصہ میں اکر شاہ غسانے خراج دینے کی شرط قبول کر کے صلح کر لی،

۱۶۰۶ء میں مراد پاشا کو سپہ سالار مقرر کر کے اکراد اور لبنان کے حاکموں کی سرکوبی کے لئے بھیجا، مراد پاشا کے پہنچتے ہی حاکم لبنان امیر فخر الدین نے تو تاب مقابلہ نہ کرنے کے بعد شکست کھائی، اور وُہ حلب میں بھاگتے ہوئے مارا گیا ؎

۱۶۲۱ء میں شاہ ایران سے پھر جنگ چھڑ گئی، لیکن احمد خاں نے بڑی مردانگی سے ایرانیوں کا مقابلہ کر کے شہر تبریز چھین لیا، اور شاہ عباس نے مجبوراً صلح کر لی ؎

شہنشاہ اکبر کی وفات اور جہانگیر کا عہد حکومت ہندوستان میں ۱۶۰۵ء تا ۱۶۲۷ء

شہنشاہ اکبر کے لئے بیٹوں کی نااتفاقی و ناقابلیت سوہان روح تھی، کیونکہ مراد اور دانیال تو شراب خوری کی زیادتی کے باعث فوت ہو چکے تھے، سلیم کا یہ حال تھا، کہ اراکین سلطنت اور تمام رعایا اُس کی بدعنوانیوں سے اس قدر ناراض تھی، کہ وہ سلیم کی بجائے اُس کے بڑے بیٹے خسرو کو ولیعہد بنانا چاہتے تھے، لیکن شہنشاہ اکبر کو اپنے بیٹے سلیم اور پوتے خسرو کے باہمی رشک و حسد کی خرابی کا حال معلوم تھا، اس لئے اُس نے شہزادہ سلیم کو ہی اپنا جانشین قرار دیا ؎

۱۶۰۵ء کا واقعہ ہے جبکہ اکبر آگرہ میں تھا، انہی دنوں میں وہ بیمار ہو گیا، اور ایسا بیمار ہوا کہ ۱۶۰۵ء میں ہی اس دنیائے فانی سے عالم جاودانی کو سدھارا ؎

چنانچہ شہنشاہ اکبر کے بعد ہند کے تخت حکومت پر شہزادہ سلیم متمکن ہوا، اور اُس نے اپنے آپ کو نور الدین محمد جہانگیر کے لقب سے ملقب کیا، تخت پر بیٹھتے ہی اُس کی جوانی کی بدعنوانیاں رحم و شفقت سے بدل گئیں، حالانکہ خود بلا کا مے نوش تھا، لیکن شراب و دیگر منشی چیزوں کے استعمال کرنے ممانعت کر دی محاصل چنگی وغیرہ کے نقائص دُور کئے، مجرموں کی سزاؤں میں تخفیف سے کام لیا،

شاہی ایوان میں اپنے کانوں مظلوموں کی فریاد سننے کے لئے محل کی دیوار سے ایک زنجیر لٹکا دی جس کے کھینچنے سے بادشاہ کے کمرے میں چند سونے کی گھنٹیاں بجنے لگتی تھیں، جس سے جہانگیر بہت جلد فریادی کی فریاد خود سُن سکتا تھا ؛

۱۶۰۶ء میں جہانگیر کے بیٹے خسرو نے بغاوت کی، اور اُس نے لاہور پر قبضہ کرنا چاہا، لیکن جہانگیر نے جب اس کا تعاقب کیا، تو وُہ کابل کی طرف بھاگا، اور شاہی سواروں نے اُسے راستے میں ہی گرفتار کر لیا، جہانگیر نے اس جرم کے بدلے اُسے قید کر دیا ؛

۱۶۱۰ء میں دکن میں بغاوت پھیلی وُہ اس لئے کہ شاہ احمد نگر نے اپنے وزیر (ملک عنبر حبشی) کے فہم ذکا پر بھروسہ کر لیا، ملک عنبر نے اپنی خوش تدبیر سے مرہٹوں کو اپنے ساتھ ملا لیا تھا، بلکہ ایک دفعہ جنوبی ہندوستان میں شاہی جرنیل خان خاناں کو شکست بھی دی تھی، لیکن اس دفعہ جہانگیر نے خان جہاں لودھی کو اس کی سرکوبی کے لئے روانہ کر دیا ؛

نور جہاں ۱۶۱۱ء میں جہانگیر نے نور جہاں سے شادی کی، اور اُس کے عشق میں ایسا محو ہوا، کہ تمام کاروبار سلطنت نور جہاں کے حوالے کر دیا، نور جہاں مرزا غیاث الدین ایرانی کی خوبصورت لڑکی تھی، جو سفر میں پیدا ہوئی، والدین مصیبت کے مارے سفر کر رہے تھے، اس لڑکی کا اُٹھانا بار معلوم ہوا، اور ماں نے اپنے کلیجے پر پتھر رکھ کر اس کلیجہ کے ٹکڑے کو زمین پر ڈال دیا، میاں بیوی اپنی دودھ پیتی بچّی کو میدان میں چھوڑ کر جب کچھ دُور نکل گئے، تو پیچھے اُس میدان میں ایک قافلہ پہنچا، جہاں یہ خوبصورت بچی دودھ کے لئے بلک رہی تھی، قافلہ والوں نے اس بچی کو اُٹھا لیا، لیکن اس میدان میں دودھ کہاں سے ملتا، اتنے میں ادھر سے ایک سوار آیا، اُس نے اس لڑکی کو دیکھ کر کہا، کہ جدھر سے میں آ رہا ہوں، کوئی دو میل کے فاصلے پر مصیبت زدہ

میاں بیوی جارہے ہیں، اگر اُن کے سپرد اس بچی کو کردیا جاوے، تو شاید بچ جاوے چنانچہ قافلہ والوں نے ایسا ہی کیا، اپنا ایک سوار بھیجکر مرزا غیاث اور اُس کی بیوی کو واپس لوٹا کر یہ لڑکی اُن کے سپرد کردیگئی ؛

اگرچہ والدین نے اپنی بچی سے لاعلمی ظاہر کی تھی، مگرماں کی ماتا کب چھپ سکتی ہے غرضیکہ قافلہ والوں نے مرزا غیاث کو اپنے ہمراہ ہندوستان میں لاکر دربار اکبری میں نوکر کرادیا، اور یہ لڑکی یعنی مہرالنساء ناز و نعم سے پرورش پانے لگی، ہوتے ہوتے دس برس کی ہوگئی، اور کبھی کبھی اپنی ماں کے ساتھ مہرالنساء بھی محلات شاہی میں جاتی تھی انہیں دنوں میں جہانگیر مہرالنساء کو دل دے بیٹھا تھا، لیکن اکبر کو جب اس بات کی خبر ہوئی، تو اُس نے علی قلی خان شیر افگن جاگیردار بنگال سے مہرالنساء کی شادی کردی، لیکن جہانگیر مہرالنساء کو نہ بھولا، تخت پر بیٹھتے ہی اُس نے ہرچند کوشش کی، لیکن مہرالنساء نے اس بات کو گوارا نہ کیا، کہ وہ اپنے خاوند شیر افگن کو چھوڑ دے بلکہ خاوند کے مارے جانے پر بھی برابر چھ سال تک مہرالنساء نے شہنشاہ ہند جہانگیر کو قبول نہ کیا، لیکن جب جہانگیر نے اپنی محبت سے مہرالنساء کو سخت مجبور کیا، تو ۱۶۱۱ء میں بادشاہ کے عقد میں آگئی، ؛

مہرالنساء کے ملکہ ہند بنتے ہی جہانگیر نے اس کو نور جہاں کے نام سے موسوم کیا، اور کل انتظام سلطنت اُسی کے سپرد کردیا، نورجہاں جیسی خوبصورت تھی ویسی ہی ذہین اور عالی حوصلہ عورت تھی، اس نے اس خوبی سے کاروبار سلطنت چلایا کہ جہانگیر خود حیران تھا ؛

۱۶۱۳ء میں شاہزادہ خرم کو جہانگیر نے رانا اودے پور کی سرکوبی کے لئے بھیجا، اور خرم نے رانا اودے پور کو شکست فاش دی ؛

اسی فتح یابی پر جہانگیر نے شہزادہ خرم کو شاہجہان کے خطاب سے ممتاز فرمایا ؛

اسی سن میں یعنی ۱۶۱۲ء میں پارلیمنٹ برطانیہ کے ممبر سر طامس رو کو شاہ جیمز اوّل نے جہانگیر کے دربار میں بحیثیت سفیر بھیجا، تاکہ ایک تجارتی عہدنامہ مرتب کیا جاوے، جس میں انگریز تاجروں کو ہندوستان میں آنے کی کچھ مراعات دی جائیں ؂

سر طامس رو سفیر برطانیہ
انگریزوں کا داخلہ ۱۶۱۳ء
کے ہندوستان میں

چنانچہ سر طامس رو کئی سال دربار جہانگیر میں رہا، آخر اس نے اپنے صبر و استقلال سے کامیابی حاصل کر لی، یعنی انگریزوں کو عہدنامہ کی رو سے ہندوستان میں اس بات کی اجازت ملگئی، کہ جہاں چاہیں تجارت کریں ؂

علاوہ اس کے سورت کھمبایت گوگو اور احمد آباد میں چار تجارتی کوٹھیاں انگریزوں کو تعمیر کرنے کی اجازت مل گئی ؂

۱۶۱۶ء میں ملک عنبر کی گوشمالی کیلئے جہانگیر نے شاہجہان کو روانہ کیا، اس مہم میں شاہجہان نے اپنے سیدبھائی خسرو کو بھی اپنے ساتھ لے جانے کی اجازت چاہی، اور اسی مہم میں خسرو فوت ہوگیا بعض مورخین نے لکھا ہے، کہ شاہجہان نے ہی خسرو کو زہر سے ہلاک کر دیا تھا، کہ ولیعہدی کا کانٹا نکل جائے ؂

۱۶۱۷ء ۱۵ ماہ نومبر مطابق ۱۶ ذی القعدہ ۱۰۲۶ھ میں احمد خاں اوّل نے اس جہان سے رحلت کی ؂

سنہ ۱۰۲۶ھ تا سنہ ۱۰۲۷ھ

مطابق

سنہ ۱۶۱۷ء تا سنہ ۱۶۱۸ء

مصطفیٰ خاں
عہد حکومت تقریباً ۴ ماہ

سلطان احمد خان اوّل نے مرتے وقت اپنے بیٹے کی خورد سالی کے باعث اپنے بھائی مصطفیٰ خان کو جانشین مقرر کیا تھا اس لئے مصطفیٰ خان سریر آرائے سلطنت ہوئے، لیکن یہ سلطان اسقدر زن پرست تھا، کہ دن بھر عورتوں میں ہی رہا کرتا تھا، اس لئے ارا کین سلطنت نے اس کو معزول کر کے احمد خاں اوّل کے بیٹے عثمان ثانی کو تخت پر مامور کیا ؛

سنہ ۱۰۲۷ھ تا سنہ ۱۰۳۲ھ

مطابق

سنہ ۱۶۱۸ء تا سنہ ۱۶۲۲ء

عثمان ثانی بن احمد خان اوّل
سنہ ۱۰۲۷ھ تا سنہ ۱۰۳۲ھ عہد خلافت ۵ سال

عثمان ثانی نے ۱۵ برس کے سن میں عنانِ سلطنت سنبھالی اور نہایت مستقل مزاجی سے حکومت کرنے لگا ؛

عہدِ سلطنت کے پہلے ہی سال خلیل پاشا کی سرکردگی میں ایران کی طرف فوج کشی کی، جب خلیل پاشا اردبیل تک پہنچا تو اس سے شاہ عباس شاہ ایران نے صلح کر لی، لیکن سلطان عثمان ثانی اس صلح پر اسقدر ناراض ہوا، کہ خلیل پاشا کو معزول کر کے اسی وقت چلپی پاشا کو سپہ سالار کا عہدہ بخشا، چلپی پاشا بڑا بہادر تھا، اس نے والی بولونیا سے مقابلہ کیا، جس نے غنیم کی دس ہزار فوج کو

موت کے گھاٹ اُتارا اور دس ہزار سپاہی اسیر کر کے اسلام بول میں حاضر کئے ؎

سنہ ۱۰۳۱ھ میں ان فتوحات کے بعد سلطان عثمان ثانی نے مفتی شہر کی خوبصورت بیٹی سے نکاح کیا، لیکن اس نکاح کے متعلق اراکین سلطنت و سرداران فوج اور شاہی خاندان والے سلطان عثمان سے برگشتہ ہو گئے، کیونکہ وہ لڑکی غیر کفو کی تھی ؎

انہی برگشتگی کے دنوں میں سلطان عثمان نے حج کعبہ کا ارادہ کیا، لیکن فوج میں یہ افواہ مشہور ہو گئی ... کہ سلطان عثمان نئی فوج بھرتی کرنے کے لئے جا رہا ہے، اس افواہ کے اُڑتے ہی فوج میں بغاوت پھیل گئی اور فوج نے کیمپ سلطانی کو گھیر کر سلطان عثمان کو قتل کر ڈالا ؎

سنہ ۱۰۳۲ھ تا سنہ ۱۰۴۹ھ

مطابق

سنہ ۱۶۲۳ء تا سنہ ۱۶۴۰ء

سلطان مراد خاں
سنہ ۱۰۳۲ھ تا سنہ ۱۰۴۹ھ
عہد حکومت ۱۷ سال

سلطان عثمان ثانی کے قتل ہوتے پر پہلے تو اراکین نے احمد خاں اوّل کے بھائی مصطفےٰ خان کو تختِ حکومت پر بٹھایا، لیکن اس پر زنانہ پن اس قدر حادی تھا، کہ وہ حکومت کا بار اٹھانے کے ناقابل ثابت ہوا، اس لئے احمد خان کے خورد سال بیٹے سلطان مراد خاں کو تخت خلافت پر ماُمور کیا گیا، اس سلطان کی عمر بھی پندرہ برس کی تھی، اس کے عہد میں شاہ ایران نے بغداد پر حملہ کیا، شہر میں سخت قتل و خونریزی کی، وہاں کے حاکم ابو بکر پاشا کو زندہ جلایا، سرداران لشکر کو گرفتار کر کے

پھانسی پر لٹکایا، بغداد پر قبضہ کر کے عباس صفوی شاہ ایران نے موصل پر چڑھائی
کی اور اسے بھی فتح کر لیا، آخر ۱۰۳۵ھ میں شاہ عباس نے اصفہان میں رحلت
کی جب روم میں اس کی وفات کی خبر پہنچی تو خسرو پاشا ایک لاکھ پچاس ہزار
فوج کے ساتھ عجم کو روانہ ہوا، اور سب سے پہلے اس نے موصل کو فتح کیا ادھر
روم میں فساد برپا ہو گیا، کیونکہ حاکم ایران امیر فخرالدین نے شاہ فرانس کو اپنے ساتھ
ملا لیا تھا، اس لئے خسرو پاشا کو ایران کی مہم سے واپس آنا پڑا ؛

حاکم لبنان کی سرکوبی کیلئے احمد شاہ مقرر کئے گئے تھے، جس نے امیر فخرالدین
حاکم لبنان کو شکست دے کر معہ اس کے دو بیٹوں امیر مسعود اور امیر حسین تینوں
باپ بیٹوں کو گرفتار کر لیا ؛

جب یہ تینوں سرکش دربار خلافت میں پہنچے، تو سلطان مراد نے جان بخش کر ان
کو نظر بند کر دیا ؛

لیکن تھوڑے دنوں بعد امیر فخرالدین کے پوتے نے شہر بیروت پر حملہ کر دیا،
اور اسی جرم میں پہلے تو تینوں باپ بیٹوں کو قتل کرنے کا سلطان نے حکم دیدیا تھا
لیکن ارکین سلطنت کی سفارش سے امیر مسعود اور امیر حسین کی جان بخشدی گئی، اور
امیر فخرالدین کو قتل کیا گیا ؛

۱۰۴۶ھ میں سلطان مراد خان خود عربی سپہ سالار کی وردی میں ایک لاکھ سپاہ
لے کر بغداد میں آیا، اور روضہ امام ابو حنیفہؒ کے قریب خیمہ زن ہوا، فوج ایران
دجو بغداد میں تھی، اور لشکر سلطانی میں مڈبھیڑ ہوئی، لیکن بہادر سلطان کے بہادر
جاں نثاروں نے پچاس ہزار ایرانی خاک وخون میں ملا کر اور ایک ہزار کو اسیر
کر کے بغداد کو فتح کر لیا ؛

مگر اس فتح کے بعد قسطنطنیہ میں آ کر مرض بخار میں مبتلا ہو گیا، یہ وہ زمانہ تھا جب

ولیعہد سلطنت ہند ہونے کے لئے شہزادگان کی چپقلش اور جہانگیر

شہنشاہ جہانگیر تخت ہند کے لئے اپنا جانشین منتخب کرنے کی مشکلات میں پھنسا ہوا تھا، کیونکہ جہانگیر کی چہیتی ملکہ نورجہان کی تو یہ خواہش تھی، کہ شہزادہ شہریار ولیعہد سلطنت ہو۔ وہ اس لئے، کہ شہزادہ شہریار نورجہان کی پچھلی بیٹی (جو شیر افگن سے تھی) سے بیاہا ہوا تھا ؛

ادھر شاہزادہ پرویز کی یہ خواہش تھی، کہ میں ولی عہد بنوں، بادشاہ اگرچہ دل سے شاہ جہاں کو ہی ولی عہدی کے قابل سمجھا تھا، لیکن وہ نورجہاں کے بس میں ایسا ہی تھا، جیسے عقل کے بس میں خیالات، یا روح کے ماتحت دل، چنانچہ نورجہاں نے جہانگیر کو اس بات پر آمادہ کر لیا، کہ شاہجہاں کو قندھار کی مہم پر روانہ کر کے شہریار کو ولیعہد بنا دیا جاوے ؛

لیکن شاہ جہاں بھی ان حیلوں سے خبردار رہتا تھا، چنانچہ اس نے قندھار کی مہم پر جانے سے انکار کر کے بغاوت شروع کر دی ؛

اس وقت مہابت خاں بھی شاہجہان کے ساتھ مل گیا، اور دونوں نے دکن میں جا کر بغاوت کا پروگرام مرتب کرنا شروع کیا ؛

اس اثناء میں بیچارہ پرویز جان بحق ہو گیا، اس کے مرنے بعد شہریار اور شاہجہان یہ دونوں تخت ہند کے لئے لڑنے لگے، اسی فتنہ و فساد کے زمانہ میں جہانگیر جو دمے کی بیماری میں مبتلا تھا، ۱۶۲۷ء میں لاہور آتے ہوئے ۵۹ سال کی عمر میں فوت ہو گیا، اور شہر لاہور کے قریب موضع شاہدرہ میں دفن کیا گیا ؛

ہندوستان کی اسلامی حکومت شاہجہان کے عہد میں ۱۶۲۷ء تا ۱۶۵۸ء

جہانگیر کے فوت ہونے پر شاہجہان دکن میں تھا، اس لئے شہریار نے لاہور پر قبضہ کر لیا، اس کے

بعد کچھ فوج لیکر آگرے کی طرف روانہ ہوا، اسی اثنا میں شاہ جہان کو اپنے باپ کے مرنے کی خبر ہوئی، اور وہ دکن سے آگرہ کی طرف روانہ ہوا، اور ساتھ ہی اپنے رفیق مشیر آصف خان کو لکھ بھیجا، کہ جس طرح بنے شہر یار کو قتل کر دیا جاوے، چنانچہ آصف خان نے ایسا ہی کیا، اور شہر یار کا کام تمام ہو گیا، ؛

شہر یار کے مرتے ہی نور جہاں کے سب منصوبے خاک میں مل گئے، اور شاہجہان نے تخت پر بیٹھتے ہی نور جہاں کا بیش قرار وظیفہ مقرر کر دیا ؛

۱۶۲۸ء میں شاہجہان نے بڑی دھوم دھام سے جشن تاجپوشی منعقد کیا، اس کے بعد دکن کے سپہ سالار خان جہان لودھی نے سر اٹھایا، اور چند مرہٹے سرداروں کی مدد سے فوج شاہی کو شکست دے کر دکن کے بادشاہوں کو بھی اُس نے اپنے ساتھ ملانا چاہا، لیکن کسی نے اس کا ساتھ نہ دیا، آخر شاہی فوج نے اُسے کالنجر کے میدان جنگ میں قتل کر دیا ؛

۱۶۳۲ء میں شاہی فوج نے بیجاپور کا محاصرہ کیا، لیکن محصورین نے ایسا پر زور مقابلہ کیا، کہ شاہی فوج کو وہاں سے ناکام واپس آنا پڑا ؛

۱۶۳۳ء میں مہابت خاں نے دولت آباد پر قبضہ کر لیا، اور احمد نگر کے نابالغ بادشاہ کو گوالیار کے شاہی قید خانے میں نظر بند کر دیا ؛

۱۶۳۵ء میں شاہجہان خود دکن کی مہم پر روانہ ہوا، اور ۱۶۳۶ء میں محمد عادل شاہ نے ۲۰ لاکھ روپیہ سالانہ خراج دینے پر صلح کر لی، اسی اثنا میں ریاست گولکنڈہ بھی اطاعت گذار ہو گئی ؛

ان فتوحات کے بعد شاہجہان ۱۶۳۷ء میں آگرہ میں واپس آ گیا ؛

۱۶۴۰ء، ۹ ماہ فروری مطابق ۱۶ شوال ۱۰۴۹ھ میں سلطان مراد خان راہی ملک بقا ہوا ؛

سنہ ۱۰۴۹ھ تا سنہ ۱۰۵۸ھ

مطابق

سنہ ۱۶۴۰ء تا سنہ ۱۶۴۸ء

ابراہیم خان اوّل ۱۰۴۹ھ سے ۱۰۵۸ھ تک عہد سلطنت ۹ سال

ابراہیم خان سلطان مراد خان ثانی کا بھائی تھا، اُسے سوائے عورتوں کی صحبت میں دن رات رہنے کے دنیاوی کاروبار کا بھی سلیقہ نہ تھا، تو حکومت کا بار کیسے اُٹھا سکتا، ارکین سلطنت نے جب مجبور کر کے اسے تخت سلطنت پر مجبور کیا، تو تمام کاروبار سلطنت وزراء سلطنت کے حوالے کر کے خود حسینوں کی جھرمٹ میں رہنے لگا، تاہم ارکینِ سلطنت وجاں نثارانِ خلافت نے بڑی خوش اسلوبی سے سلطنت کا انتظام کیا۔

چنانچہ ۱۰۵۴ھ میں جب انگریزوں نے روم کے جہازوں پر دست درازی کی تو دربار روم نے چار سو جنگی جہاز انگریزوں کی سرکوبی کے لئے روانہ کئے اور کامیاب ہو کر واپس آئے۔

۱۰۵۶ھ میں عیسائیوں کو کئی ایک لڑائیوں میں شکست دی، لیکن سردارانِ فوج اپنے سلطان ابراہیم سے اُس کی لذات نفسانی کی بدعنوانیوں سے نہایت برگشتہ ہو گئے تھے، اس لئے اس کی جان لینے پر آمادہ ہو گئے، ابراہیم کو جب اس بات کی خبر لگی، تو اُس نے بعض سرداران کو زر کثیر دے کر اپنی جان بچالی، تاہم اُسے زنان خانہ میں ہی قید کر دیا گیا، اور چند افسرانِ شاہی نے سلطان کو قید سے باہر نکالنا چاہا، لیکن جن افسروں کی رائے سے وُہ قید کیا گیا تھا، اُنہوں نے اس کو قید خانہ میں ہی قتل کرا دیا، یہ واقعہ ۱۸ رجب ۱۰۵۸ھ مطابق ۲۸ جولائی ۱۶۴۸ء میں واقع ہوا۔

سنہ ۱۰۵۸ھ تا سنہ ۱۰۹۹ھ

مطابق

سنہ ۱۶۴۸ء تا سنہ ۱۶۸۷ء

محمد خان رابع ۱۰۵۸ھ سے ۱۰۹۹ھ تک عہد سلطنت ۳۹ سال

اپنے باپ سلطان ابراہیم مقتول کے بعد اس کے خورد سال بیٹے محمد خان رابع کو ارکین سلطنت نے تخت پر بٹھایا، پہلے تو اس کی والدہ کوسم سلطان نے اپنے سے خورد سال بیٹے کی بجائے سلطنت پر حکومت کرنی چاہی، لیکن امرائے سلطنت نے عورت کے ماتحتی قبول نہ کی، اور اس کش مکش میں سلطانی خواجہ سرا نے قتل کر دیا ؛

چنانچہ سنہ ۱۰۶۷ھ تک محمد خان کی نابالغی میں ملک میں بد امنی کا طوفان اٹھ رہا، کئی امرا و ارکین سلطنت قتل ہوئے ؛

آخر موُلی محمد وزیر سلطنت نے اپنی قابلیت سے اس طوفان بے تمیزی کو دُور کرکے ملک کا خاطر خواہ انتظام کیا، بلکہ جزیرہ تین دوس وغیرہ فتح کئے ؛

سنہ ۱۰۲۳ھ میں بلاد سرب پر فوج کشی کی گئی، اس معرکہ میں ایک لاکھ پچیس ہزار عیسائی کام آئے اور اسلامی لشکر فتحیاب ہو کر قسطنطنیہ میں لوٹا ؛

موُلی محمد وزیر نہایت باتدبیر اور بہادر وزیر تھا، اس نے عثمانی عظمت کو از سر نو زندہ کر دیا، لیکن اس کی زندگی نے وفا نہ کی جو سنہ ۱۰۷۲ھ میں جان بحق ہوا، اس وزیر باتدبیر کے بعد کے سلطان نے اُس کے بیٹے احمد پاشا کو اپنا وزیر بنایا، اُس نے بھی اپنے باپ کی طرح شاہی حق نمک ادا کیا ؛

قلعہ گریڈ جو ۲۲ برس تک فتح نہ ہوا تھا، احمد پاشا نے اُسے سنہ ۱۰۷۹ھ میں فتح کر لیا ؛

۱۰۸۲ھ ماہ رمضان کے وسط میں سلطان محمد رابع کے مشکوئے معلیٰ میں ایک لڑکا پیدا ہوا، جس کا نام سلطان احمد رکھا گیا ؛

۱۰۹۲ھ میں احمد پاشا وزیر بیس برس چھ ماہ وزارت کر کے فوت ہو گیا اس کے مرتے ہی سپاہ ینگ چری سلطان محمد رابع سے ناراض ہو گئی جس کی وجہ سے سلطان محمد رابع کو تخت سے علیحدہ ہونا پڑا ؛

یہ ۱۶۸۸ء کا زمانہ تھا، جبکہ فرانس کے تخت پر لویز چہار دہم متمکن تھا اور ہندوستان کے تخت حکومت پر ابو المظفر محی الدین اورنگ زیب عالمگیر جلوہ افروز تھا ؛

اورنگ زیب عالمگیر ۱۶۵۸ء میں اپنے باپ شاہ جہان کے مرنے پر ہندوستان کا شاہنشاہ بنا، اور ۱۶۵۹ء میں اس نے اپنا جشن تاجپوشی منعقد فرمایا ؛

اورنگ زیب عالمگیر کی اسلامی حکومت ہندوستان میں ۱۶۵۸ء تا ۱۷۰۷ء

یہ بادشاہ دیندار مسلمان اسلام کا خادم شرع شریف کا پابند اور مذہب کا عالم باعمل تھا، اس کی مذہبی تصنیف فتاوٰی عالمگیری علماء اسلام کے مذہبی کورس میں داخل ہے، جس سے عالمگیر کی مذہبی واقفیت کا اندازہ ہو سکتا ہے ؛

اورنگ زیب عالمگیر نے ملک کی بدامنی دُور کرنے کے لئے جس مستقل مزاجی اور اولوالعزمی اور دلاوری کا ثبوت دیا ہے، اُسے مخالفین اسلام نے عالمگیر کو ظالم، جابر بادشاہ کے نام سے تعبیر کیا ہے ؛

اس میں کچھ شک نہیں کہ عالمگیر نے اپنے بھائیوں کو بغاوت کے جرم میں قتل کرایا، ایک ایسے بادشاہ کے لئے جو ملک سے فتنہ وفساد کی آگ ہمیشہ کیلئے بجھانا چاہتا ہو، یہ کوئی جرم نہیں ہے بلکہ انصاف پسند لوگ یوں کہہ سکتے ہیں، کہ اورنگ زیب عالمگیر نے ملک میں امن قائم کرنے کے لئے اپنے بھائیوں کو ہندوستان پر قربان کر دیا، پھر ایسے وقت میں جبکہ تمام

ہندوستان میں بدانتظامی کا طوفان امڈا ہوا تھا، اور یہ طوفان مُلک کیلئے اس قدر خطرناک تھا جس کے ثبوت میں کسی انگریز مورّخ کا ایک ہی فقرہ لکھ دینا کافی ہوگا "اس طوفان کو روکنے کیلئے" اورنگ زیب کے لئے سوائے اس کے اور کوئی چارہ نہ تھا، کہ یا تو وہ خود اپنے آپ کو ہلاک کر دیتا، یا اپنے باغی خاندان کو قتل کر دیتا" ؛

اورنگ زیب عالمگیر کی فتوحات میں اس کے لائق جرنیل میر جملہ کا بڑا حصہ ہے، امیر جملہ نے آسام تک فتح کر لیا تھا، لیکن ملک کی دشوار گذاری کی وجہ سے وہاں دیر تک اسلامی تسلّط نہ رہ سکا، لیکن ۱۶۶۳ء میں میر جملہ جان بحق ہوا، اور اس کی جگہ عالمگیر کے ماموں شائستہ خان مقرر ہوئے ؛

۱۶۶۶ء میں اُسے چاٹگانگ و پرتگال کے بحری ڈاکوؤں کی سرکوبی کیلئے عالمگیر نے روانہ کیا ؛

اسی اثنار میں انگریزوں نے ہگلی اور قاسم بازار میں اپنی تجارتی کوٹھیاں بنائیں شائستہ خان نے انگریزوں کو بہت تنگ کیا، آخر ۱۶۸۶ء میں انگریزوں نے مقابلہ بھی کیا، لیکن شاہی فوج کا مقابلہ نہ کر سکے ؛

۱۰۹۹ھ تا ۱۱۰۲ھ

مطابق

۱۶۸۷ء تا ۱۶۹۱ء

سلیمان خان ثالث بن ابراہیم ۱۰۹۹ھ سے ۱۱۰۲ھ تک عہد سلطنت ۳ سال ۹ ماہ	محمد خان الرابع کے معزول ہوتے ہی سلطان ابراہیم کا بیٹا سلیمان خان ثالث ۴۵ برس کی عمر میں خلافت پر متمکن ہوا، اس سلطان کے عہد حکومت سے کے پہلے

ہی سال باغی فوج نے وزیر سیاوش پاشا کو قتل کر کے سلطنت میں فساد برپا کر دیا، جس کی وجہ سے والیٔ غسانی نے ۱۰۹۹ھ شہر بلغراد کو اپنے قبضے میں کر لیا ۔

سلطان سلیمان کو جب یہ خبر ہوئی، تو اس پر فوج کشی کر کے تلوار کے زور بلغراد کو واپس لے لیا، اس فتح یابی کے بعد ایسا کوئی واقعہ وقوع میں نہیں آیا جو قابل تحریر ہو ۔

آخر ۲۶ شعبان ۱۱۰۲ھ مطابق ۲۲ جنوری ۱۶۹۱ء سلطان سلیمان خان مرض استسقا سے جانبر نہ ہو سکا ۔

سنہ ۱۱۰۲ھ تا سنہ ۱۱۰۶ھ

مطابق

سنہ ۱۶۹۱ء تا سنہ ۱۶۹۵ء

احمد خان ثانی بن ابراہیم
۱۱۰۲ھ تا ۱۱۰۶ھ
عہد سلطنت ۴ سال

سلیمان خان ثالث کی رحلت کے بعد سلطان ابراہیم کے دوسرے بیٹے احمد خان ثانی کو تخت خلافت تفویض ہوا ۔

احمد خان نے عنان سلطنت سنبھالتے ہی حکیم ہاشی کو سلطان سلیمان کے مار ڈالنے کے شبہہ میں قید کر دیا ۔

اور اسی سال شاہ غسا کی سرکوبی کے لئے مصطفےٰ پاشاہ کو روانہ کیا گیا، اگرچہ مصطفےٰ پاشا بڑا دلیر اور جانباز سپہ سالار تھا لیکن غنیم کی فوج سے ایک گولی لگنے کے باعث مصطفےٰ پاشا جاں بحق ہوا، اُس کی جگہ علی پاشا منصب وزارت پر سرفراز ہوا، لیکن اس کی تندمزاجی سے امرائے سلطنت ناراض تھے، اسلئے

سلطان نے اُسے منصب وزارت سے معزول کر کے جزیرہ قبرس میں بھیجدیا، اور اس کی بجائے حاجی علی کو وزیر سلطنت مقرر کیا ؎

سنہ ۱۱۰۴ھ میں شاہ غسانے موقعہ پاکر پھر بلغراد پر قبضہ کرلیا، سلطان احمد خان نے اسلام بول سے اُس کی سرکوبی کیلئے لشکر جرار روانہ کیا ؎

اسی سال قسطنطنیہ میں آگ لگی اور شہر کا چوتھا حصہ جلکر خاکستر ہو گیا، شاہ غسا نے فوج خلافت کے مقابلہ کی تاب نہ لاکر شاہ برطانیہ اور شاہ ہالینڈ کے ذریعے صلح کرلی ؎

سنہ ۱۱۰۵ھ میں قسطنطنیہ میں دوبارہ آگ لگی، اس سے شہر کا ایک حصہ نذر آتش ہو گیا ؎

سنہ ۱۱۰۶ھ ۲۲ جمادی الثانی مطابق ۲۷ جنوری سنہ ۱۶۹۵ء سلطان احمد خان ثانی بھی بعارضہ استسقا اس دار فانی سے چل بسا ؎

سنہ ۱۱۰۶ھ تا سنہ ۱۱۱۵ھ

مطابق

سنہ ۱۶۹۵ء تا سنہ ۱۷۰۳ء

مصطفٰے خان ثانی سنہ ۱۱۰۶ھ تا سنہ ۱۱۱۵ھ
عہد سلطنت ۹ سال

احمد خان ثانی کے بعد محمد خان رابع کا بیٹا مصطفٰے خان ثانی تخت خلافت پر جلوہ افروز ہوا ؎

اس سلطان نے تخت پر بیٹھتے ہی رعایا، کو ایک فرمان کے ذریعے جہاد اسلام پر توجہ دلائی، اور ایک لشکر جرار کے ساتھ حسین پاشا کو اسلام کے دشمنوں کی سرکوبی کیلئے روانہ کیا، حسین پاشا نے بحر ابیض میں جاکر جزیرہ سافس کو فتح کرلیا ؎

اس کے بعد سلطان مصطفیٰ خان نے خود والیٔ غسا پر چڑھائی کی اور اُس کو شکست فاش دی، عیسائیوں کے بہت سے قلعے منہدم کر ڈالے ؎

انہیں دنوں میں سلطان کو یہ خبر ملی کہ زار روس نے قلعہ ازدف کا محاصرہ کر لیا ہے، یہ خبر سنتے ہی اس کی مدافعت کے لئے اسلامی فوجوں نے قسطنطنیہ سے کوچ کیا، اور میدان کارزار میں پہنچکر تیس ہزار روسی سپاہ کو موت کے گھاٹ اُتارا، اس مہم میں سلطان بذات خود شریک تھا، قلعہ ازدف پر قبضہ کر کے ایک لاکھ جانباز سپاہیوں کے ساتھ سلطان نے والی غسا پر زبردست حملہ کر کے اُس کو بھی شکست دی ؎

سنہ ۱۱۱۰ھ میں والی غسا نے مسلمانوں سے پھر لڑائی چھیڑ دی، اس دفعہ سلطان نے اُس کی سرکوبی کے لئے الماس پاشا کو روانہ کیا، لیکن یہ سپہ سالار راستے میں ہی جان بحق ہوا، چنانچہ الماس پاشا کی جگہ سلطان مصطفیٰ خاں نے لی فوج خلافت نے میدانِ جنگ میں محشر بپا کر کے شہر اورنہ پر قبضہ کر لیا، آخر شاہ برطانیہ اور ہالینڈ نے صلح کرا دی ؎

اِن فتوحات کے بعد سنہ ۱۱۱۵ھ میں فوج میں بغاوت شروع ہو گئی سلطان مصطفیٰ خاں کو سوائے اس کے اور کوئی چارہ نہ تھا، کہ وُہ تخت سے دست بردار ہو جائے، اس لئے وُہ خود بخود تخت سے دست بردار ہو گیا ؎

سنہ ۱۱۱۵ھ تا سنہ ۱۱۴۳ھ

مطابق

سنہ ۱۷۰۲ء تا سنہ ۱۷۳۰ء

احمد خان ثالث سنہ ۱۱۱۵ھ تا سنہ ۱۱۴۳ھ	سلطان مصطفیٰ خاں فوج کی بغاوت کے باعث
عہد سلطنت ۲۸ سال	

تخت خلافت سے دست بردار ہو گیا تھا، اور اپنی جگہ اس نے اپنے بھائی احمد خان ثالث کو تفویض کر دی تھی، جس کے ایک سال بعد مصطفےٰ خاں نے رحلت کی ؎

احمد خان ثالث نے عنانِ سلطنت سنبھالتے ہی فوجی بغاوت کے فرو کرنے کی ازحد کوشش کی، لیکن یہ طوفان سرکشی کئی سال تک جاری رہا، جس میں شیخ الاسلام تک قتل کئے گئے، گویا اس وقت کئی وزرائے سلطنت معزول ہوئے بہت سے اُمرائے شہر جلاوطن کئے گئے، گویا اس وقت سلطنت کا تمام انتظام باغی سرغنوں کے ہاتھ میں تھا، اور سلطان ایک کٹھ پتلی بنا بیٹھا، سب کچھ دیکھتا تھا، لیکن دم نہ مار سکتا تھا ؎

آخر کئی وزرائے سلطنت کے تغیر و تبدل کے بعد علی پاشا وزیر سلطنت مقرر ہوئے، جس نے عہدہ وزارت حاصل کرتے ہی فوج کو میدانِ جنگ کی طرف روانہ کر دیا، چنانچہ ۱۱۱۵ھ میں شاہان یورپ سے کئی لڑائیاں ہوئیں، لیکن فوج کی نااتفاقی اور ملکی بد امنی کے باعث عیسائیوں نے اسلامی سلطنت پر دست درازی شروع کر دی ؎

لہٰذا زار روس پیطرس کی سرکوبی کے لئے محمد پاشا مقرر ہوئے لیکن آپس میں صلح ہو گئی، بلکہ پچیس سال کا میعادی صلحنامہ سلطانِ روم اور زار روس میں مرتب ہو گیا ؎

۱۱۲۷ھ میں اکثر بلاد اور جزائر بناوقہ پر فوج کشی کی گئی، اور فتحیابی ہوئی، اس سن میں والئی عنسا نے پھر عہد شکنی کر کے اسلامی سلطنت پر دانت جمائے اسلامی فوج کا سپہ سالار علی پاشا والئی عنسا کی سرکوبی کے لئے مقرر ہوا لیکن وہ مارا گیا، اور اسلامی فوج کو شکست ہوئی، اس کے بعد سلطان نے

خلیل پاشا گورنر بغداد کو سپہ سالار مقرر کیا، خلیل پاشا اورنہ کے راستے سے یلغزاد میں پہنچا، لیکن وُہ بھی فتحیاب نہ ہوُا، اس لئے سلطان نے اُس کو معزول کر کے اُس کی جگہ محمد پاشا کو روانہ کیا، اس سپہ سالار کو بھی چند ماہ کے اندر برخواستگی کا حکم پہنچا، اور اس کی جگہ ابراہیم پاشا نے لی، اس بدانتظامی سے فتحیاب ہونا مشکل ہو گیا آخر ۱۱۲۵ھ میں والیٔ عثمان سے صلح ہو گئی ؛

اس مہم سے آتے ہی لشکر روم نے ایران کی راہ لی، ابھی نہاوند اور تبریز تک ہی لشکر پہنچا تھا، کہ شاہ ایران نے پیام صلح بھیجا، لیکن سلطان روم نے صلح کیلئے یہ شرائط پیش کیں، کہ مملکت روم کے جتنے شہر ایران نے دبائے ہیں وُہ واپس دیئے جائیں، ابھی شرائط صلح پر غور ہو رہا تھا، کہ اسی اثنا میں شاہ ایران جان بحق ہو گیا، اور اُس کی جگہ اُس کا بیٹا شاہ طہماسپ ثانی تخت ایران پر بیٹھا جس نے ان شرائط کو مسترد کر کے اپنے سپہ سالار نادر شاہ کو لشکر روم سے مقابلہ کرنے کیلئے تبریز بھیجا، نادر شاہ نے آتے ہی ایک زبردست حملہ کر کے فوج سلطانی کو شکست دی ؛

۱۱۴۳ھ میں فوج میں پھر بغاوت کا طوفان اُمڈ آیا، اسی طوفان بے تمیزی میں سپہ سالار لشکر روم ابراہیم پاشا قتل ہو گئے، اور چند سال بعد باغیوں نے سلطان احمد خان کو بھی تخت سے اُتار دیا ؛

۱۱۴۳ھ تا ۱۱۶۸ھ

مطابق

۱۷۳۰ء تا ۱۷۵۴ء

محمد خامس عرف محمود خان ۱۱۴۳ھ تا ۱۱۶۸ھ عہد سلطنت ۲۵ سال	سلطان احمد خان نے ملکی بد امنی اور فوجی بغاوت سے تنگ آ کر اپنے آپ کو تخت خلافت سے دست بردار

کر دیا تھا، اس کے بعد باغیوں نے محمد خامس عرف محمود خان کو تخت پر بٹھایا، اس اثنا میں چھ ہزار سپاہی آپس میں قتل ہوئے، کئی پادشاہ پھانسی پر لٹکائے گئے، کئی وزرار معزول ہوئے، آخر کار ابراہیم پاشا والئی حلب نے اس فتنہ وفساد کی آگ کو کسی قدر ٹھنڈا کر دیا تھا، لیکن باغیوں نے اُسے بھی قتل کر دیا، اس کے بعد عثمان پاشا حاکم مصر قسطنطنیہ کی طرف روانہ ہوا، تاکہ اس طوفان کو روکے، لیکن راستے میں شاہ ہسپانیہ نے اُس کے کئی جہاز درہم برہم کر دیئے بلکہ عثمان پاشا اور اُس کے ساتھیوں کو گرفتار کر کے شہر مالطہ میں پہنچا دیا گیا، عثمان پاشا دشمنوں سے لڑتے ہوئے وہاں مجروح ہو گئے، آخر ایک شخص ارنو د فرانسیسی نے اُن کو اپنے گھر میں پناہ دی جب وہ اچھے ہو گئے، تو مصر کی طرف بھاگ آئے، جب عثمان پاشا مصر پہنچے، تو اپنے محسن ارنود کو بہت کچھ انعام واکرام دیا، کچھ روز بعد مصر سے قسطنطنیہ میں آکر بغاوت کو فرو کیا ؛

چنانچہ ۱۱۴۵ھ میں ایران پر چڑھائی کی، اور نواح بغداد میں ایرانیوں کو شکست فاش دی، اس کے آگے کردستان تک پہنچکر مراجعت کی ؛

۱۱۴۵ھ میں سلطان روم نے عارف پاشا، ابراہیم پاشا، رستم پاشا، احمد پاشا کو کثیر فوج کے ساتھ ملک ایران پر حملہ کرنے کے لئے مقرر کیا، ان سردارانِ لشکر نے کرمان، شاہ دستا، اردلان، ہمدان فتح کئے، اور ایرانی لشکر کو شکست فاش دی، پھر بڑھکر کاشان تک قبضہ کر لیا، یہ حالت دیکھ کر شاہ ایران نے صلح کرنی چاہی، لیکن نادر شاہ (جو اس وقت سلیسان کا حاکم اعلیٰ تھا) نے صلح کرنے سے انکار کر دیا، بلکہ شاہ طہماسپ ثانی کو تخت ایران سے معزول کر کے اس کے بیٹے عباس ثالث کو مامور کیا، اور شاہ روم کے ساتھ اعلانِ جنگ کر دیا، چنانچہ نادر شاہ نے اپنے جان نثار ایرانی بہادروں کے ساتھ بغداد کا محاصرہ کر لیا، سلطان روم کو

جب اِس بات کی خبر ہوئی، تو عثمان پاشا کو اسی ہزار کا لشکر جرار دیکر نادر شاہ کے مقابلہ کے لئے روانہ کیا ؛

۱۱۴۶ھ ماہ صفر میں دریائے دجلہ کے قریب دونوں فوجوں میں زبردست لڑائی ہوئی، نادر شاہ کی فوج نے اگرچہ بڑی دلاوری سے مقابلہ کیا، لیکن رومی لشکر نے اُن کو شکست دی ؛

۱۱۴۹ھ میں مسلمانوں کو زار روس سے لڑنا پڑا، نادر شاہ نے اس موقعہ سے فائدہ اُٹھا کر سلطنت روم کے علاقہ کرلوک تک تسلّط کر لیا، شاہ روم نے ناچار صلح کی درخواست کی، آخر اس شرط پر صلح ہو گئی، کہ سلطان مراد چہارم کے وقت میں جو سرحد روم و ایران کی تھی، وہی قائم رہے ؛

اور زار روس سے بھی ایسی ہی شرائط پر صلح کی گئی، کہ بحر اسود میں رومی جہاز نہ آنے پائیں، اور جتنے شہر سلطان روم کے زار روس نے دبائے ہیں، وہ واپس کئے جائیں، یہ صلحنامہ شہر بلغراد میں مرتب ہوا ؛

۱۱۵۳ھ میں شاہ سویڈن سے بھی صلح ہو گئی ؛

مگر ۱۱۵۰ھ میں محمد بن عبد الوہاب اور امیر سعود نے ملک عرب میں فتنہ و فساد کی آگ بھڑکا دی ؛

۱۱۶۷ھ ماہ صفر میں مطابق ۱۳ دسمبر ۱۷۵۴ء سلطان محمد خامس عرف محمود خان نے ۵۸ برس کی عمر میں رحلت کی ؛

سنہ ۱۱۶۸ھ تا سنہ ۱۱۷۱ھ

مطابق

سنہ ۱۷۵۴ء تا سنہ ۱۷۵۷ء

عثمان خان ثالث
سنہ ۱۱۶۸ھ تا سنہ ۱۱۷۱ھ
عہد سلطنت تقریباً ۴ سال

سلطان محمد خامس محمود کی رحلت کے بعد عثمان خان ثالث تخت نشین ہُوا، یہ سلطان محمد خامس کا بھائی اور مصطفیٰ خان ثانی کا بیٹا تھا، یہ سلطان عزلت پسند تھا اس لئے اس نے سعید آفندی کو اپنا وزیر مقرّر کر کے تمام کاروبار سلطنت اُس کے حوالے کر دیا ؂

اب سعید آفندی ہی گویا سلطان روم تھا، لیکن اُسے آئیندہ کے لئے بھی اپنے ہی خاندان میں حکومت رکھنے کا خیال پیدا ہُوا، اس لئے سعید آفندی نے شاہی خاندان میں سے ولی عہدِ سلطنت محمد بایزید کو قتل کرا دیا ؂

سنہ ۱۱۵۵ھ میں قسطنطنیہ میں آتشزدگی سے دو ثلث حِصّہ شہر کے مکانات خاکستر ہو گئے، اسی میں صدر اعظم کا محل بھی نذر آتش ہو گیا ؂

سنہ ۱۱۷۱ھ میں سلطان نے سعید آفندی کو معزول کر کے محمد راغب پاشا کو اپنا وزیر مقرر کیا، جس نے سلطنت کا انتظام اچھا کیا، شراب نوشی بند کی مسجد جامع عثمانی جس کی بِنا محمد خامس محمود نے رکھی تھی، اُسے مکمل کیا ؂

آخر سنہ ۱۱۷۱ھ میں سلطان عثمان خان ثالث کا انتقال ہو گیا ؂

سنہ ۱۱۷۱ھ تا سنہ ۱۱۸۷ھ

مطابق سنہ ۱۷۵۷ء تا سنہ ۱۷۷۴ء

مصطفیٰ خان ثالث ۱۱۷۱ھ سے ۱۱۸۷ھ تک عہد سلطنت ۱۶ سال ۸ ماہ	سلطان عثمان خان ثالث کے بعد مصطفیٰ خان ثالث تخت خلافت پر مامور کئے گئے ؎

اس سلطان نے سابق وزیر سلطنت راغب پاشاہی کو اپنا وزیر مقرر کیا، بلکہ راغب پاشا وزیر سے اپنی بہن صالحہ سلطان کا نکاح کرا دیا، راغب پاشا نہایت منتظم اور صاحب تدبیر شخص تھا، اس کے عہد میں باغیوں کی بغاوت فرو ہوگئی تھی، فتوحات ملکی کی طرف راغب ہی ہوا تھا، کہ راغب پاشا کی زندگی کا پیمانہ لبریز ہوگیا ؎

اس کے مرتے ہی ملک بھر میں پھر شورش ہوگئی، کئی وزیر یکے بعد دیگرے بحال اور معزول ہوئے ؎

سنہ ۱۱۸۳ھ تک یہی بدانتظامی رہی، اور اسی اثنار میں زار روس نے جنگ چھیڑ دی لیکن سلطانی فوج نے اس کو شکست دی ؎

آخر سنہ ۱۱۸۷ھ ماہ ذی قعد مطابق سنہ ۱۷۷۳ء میں مصطفیٰ خان ثالث بھی راہی بقا ہوا،

سنہ ۱۱۸۷ھ تا سنہ ۱۲۰۳ھ

مطابق سنہ ۱۷۷۴ء تا سنہ ۱۷۸۹ء

سلطان عبد الحمید خان ۱۱۸۷ھ سے ۱۲۰۳ھ تک عہد سلطنت ۱۶ سال	مصطفیٰ خان ثالث کی وفات کے بعد سلطان عبد الحمید خان اوّل تخت خلافت پر رونق افروز ہوا یہ سلطان

مصطفےٰ خان ثالث کا بھائی تھا، جو نہایت رحم دل اور صلح جو شخص تھا، اس کے تخت نشین ہوتے ہی مصر کے حاکم اعلیٰ علی بیگ نے اہالیانِ مصر پر بہت ظلم و ستم کرنا شروع کیے، اور سلطان روم نے اس کو تادیب کی ۔

فوج کی بغاوت سے اگرچہ عثمانی سلطنت میں زوال آگیا تھا، تاہم شاہان یورپ سے صلح ہو چکی تھی، اس لئے کچھ دنوں تک جدال و قتال بند رہا ۔

البتہ عرب میں کچھ فتنہ و فساد پیدا ہو گیا تھا، جس کو حسین پاشا نے فرو کر دیا ۱۷۸۸ء میں والی غسانے پھر عہد شکنی کر کے جنگ چھیڑ دی، جس کی سرکوبی کے لئے یوسف پاشاہ اور علی پاشا مقرر ہوئے، یوسف پاشا بڑا دلیر سپہ سالار تھا، اس نے لشکر غسا کو شکست دیکر قلعہ شیش وغیرہ پر تسلط کر لیا ۔

۱۷۸۹ء میں روس نے بھی اعلان جنگ کر دیا، جس کو شاہین پاشا نے شکست دی اور اسی سال میں سلطان روم عبد الحمید نے اس جہان فانی سے عالم جاودانی کو لبیک کہا ۔

سنہ ۱۲۰۳ تا سنہ ۱۲۲۲

مطابق

۱۷۸۹ء تا ۱۸۰۷ء

سلیم خان ثالث ۱۲۰۳ھ سے ۱۲۲۲ھ تک عہد سلطنت تقریباً ۱۹ سال

سلطان عبد الحمید اوّل کے مرنے بعد سلطان مصطفیٰ خان ثانی کا بیٹا سلطان سلیم خان ثالث تخت خلافت پر متمکن ہوا، یہ سلطان بہادر اور منتظم تھا ۔

عنانِ سلطنت سنبھالتے ہی سب سے پہلے اس نے فوج کا انتظام کیا، اور ایک لاکھ پچاس ہزار جانباز سپاہی جمع کئے ۔

۱۲۱۵ء میں شاہ غسا اور روس پر چڑھائی کی گئی، آخر کئی مہینے کی خونریز لڑائی کے بعد سپہ سالار روس نے صلح کر لی ؛

لیکن ملکہ کیتھرائن رجو ۱۷۶۹ء میں اپنے شوہر پطرس سوم کو زہر دے کر خود تخت روس پر بیٹھ گئی تھی، یہ صلح منظور نہ کی، بلکہ ایک لشکر جرار قلعہ اسماعیل پر روانہ کر دیا اس قلعہ میں صرف تین ہزار کی تعداد میں اسلامی فوج تھی، روسی لشکر نے اس قلعہ پر اسقدر یورش کی، کہ قلعہ کا خندق مسلمان سپاہیوں کی لاشوں سے بھر گیا غرضیکہ قلعہ کی تمام محافظ فوج میں سے صرف ایک سپاہی کسی طرح بچ گیا جس نے قسطنطنیہ میں آکر اس ہولناک واقع کی خبر دی. اور اسلامی فوج میں انتقام کی آگ بھڑک اٹھی، قریب تھا، کہ ملکہ کیتھرائن اور اس کی روسی فوج کو پامال کر دیا جاتا، لیکن شاہ برطانیہ و شاہ پرشیا نے بیچ و بچاؤ کر کے صلح کرا دی فوج میں چونکہ انتقام کی آگ بھڑک رہی تھی، اس لئے انہوں نے اس صلح کو ناپسند کیا، بلکہ اسی سلسلہ میں یوسف پاشا کو عہدہ وزارت سے معزول کر دیا گیا، ان دنوں فرانسیس کا بادشاہ بوناپارٹ تھا، جو انگریزوں میں بڑا مدبر اور بہادر بادشاہ گذرا ہے، سلطان روم نے اس سے عہد استوار قائم کر کے اپنی فوج کے چند افسروں کو بوناپارٹ کے پاس قواعد جنگ کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے روانہ کیا ؛

لیکن اس بات سے ینگ چری فوج بدظن ہو گئی، اور انہوں نے بغاوت شروع کر دی ؛

۱۲۰۲ھ میں اورخان نے قسطنطنیہ میں بھی قواعد دان فوج تیار کر لی، اور جنہوں نے جنگ عکہ میں بڑی بہادری دکھلائی ؛

ادھر شہر قرمان میں قاضی پاشا کے زیر نظام ۱۶ ہزار سپاہی قواعد دان ہو چکے

تھے، سلطان روم نے ینگ چری فوج کی بغاوت دُور کرنے کے لئے قاضی پاشا کو معہ قواعد دان فوج کے اسلام بول میں بُلایا ؛

جس کے آتے ہی ینگ چری فوج نے طوفان برپا کر دیا، قاضی پاشا قتل ہوتے ہوتے بچ گئے، کئی مکان جلا دیئے گئے، قہوہ خانوں اور مسجدوں میں باغیوں نے ارا کین سلطنت کے متعلق زہر اُگلا، وزرار امرار اور سلطان پر کافر، ملحد، بے دین کے آوازے کسے گئے ؛

سلطان روم نے سوائے اس کے کوئی چارا نہ دیکھا، کہ قاضی پاشا کو قہرمان کیطرف واپس روانہ کر دیا، اور باغیوں کو تسلّی وتشفی دیکر اپنے قابو میں کر لیا ؛

ادھر بونا پارٹ نے انگریزوں کا ناطقہ بند کر رکھا تھا، اُنھوں نے سلطان روم کو بونا پارٹ سے علیحدہ کر کے اپنے ساتھ ملانا چاہا، لیکن سلطان روم نے بونا پارٹ سے نہ بگاڑی، اس انکار پر شاہانِ یورپ نے ملکر سلطان روم پر چڑھائی کی، اسی مہم میں شہر اسکندریہ پر قبضہ کر لیا، لیکن محمد پاشا حاکم مصر نے اپنی تیغ جوہر دار چمکا کر اسکندریہ کو پھر واپس لے لیا ؛

۱۲۲۱ھ سلطان سلیم خان ثالث نے پھر فوج نظام کو ترتیب دینا شروع کیا، لیکن بحر اسود میں اس جدید فوج کا ایک بھاری دشمن پیدا ہو گیا جس کا نام قبیقچی اوغلی تھا، یہ اپنی ینگ چری فوج کے ساتھ قسطنطنیہ کی طرف روانہ ہوا، تاکہ اس جدید فوج کے حامیوں کو خاک وخون میں ملا دے قبیقچی کلھے گروہ جو فوج یمق کے نام سے مشہور تھا، جب قسطنطنیہ کے پاس پہنچا، تو اس گروہ نے قسطنطنیہ کی ینگ چری فوج کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا، اور ان باغیوں نے قسطنطنیہ کا محاصرہ کر لیا، تمام وزرا اور امرار سلطنت قتل کر ڈلے، شیخ الاسلام نے بھی قبیقچی کا ساتھ زیادہ اس لئے دیا، کہ وُہ بھی اسلامی فوج کی وردی کے بالمقابل عیسائیوں

کی وردی میں فوج کو دیکھنا پسند نہ کرتا تھا ؛

ینگ چری فوج کے سپاہیوں نے رعایا کو بھی اسلامی تمدن کا حوالہ دیتے اور اہل یورپ کی تقلید سے نفرت پیدا کرتے ہوئے اپنے ساتھ ملا لیا جس کا آخری نتیجہ یہ ہوا، کہ ۱۲۲۳ھ میں سلطان سلیم خان ثالث کو تخت سے اتار کر قید کر دیا گیا، ترکی کا زوال اسی گذشتہ سترھویں اور اٹھارہویں صدی میں ہوا ہے جس کے متعلق جریدہ اخبار زمیندار کا مندرجہ ذیل اقتباس جو ناظرین کی تاریخی معلومات میں اضافہ کا باعث ہے، یہاں درج کیا جاتا ہے ؛

سلیمان کے بعد دیگر سلطانوں نے فوجی طاقت بڑھانے میں دلچسپی لینی چھوڑ دی ایران کے ساتھ متعدد جنگیں ہوئیں، لیکن نقصان اور فوائد کے برابر ہونے سے توازن قایم رہا سطوا خورک میں ۱۶۰۶ کی صلح اور وارسا کے عہدنامہ کی رو سے جنگوں کا خاتمہ ہو گیا، اور سابقہ مقبوضات طرفین کے قبضہ میں بدستور رہے، اس عہدنامہ کی ایک دفعہ کی رو سے آسٹریا ترکی کی باجگذاری سے آزاد ہو گیا، اکریٹ کے حصول پر وینس کے ساتھ ۱۶۴۴ سے ۱۶۶۹ تک جنگوں کا خاتمہ ہو گیا، خاندان کیوپرلی میں وزارت آنے کی وجہ سے زوال سلطنت کچھ دیر تک رک گیا یہ سلسلہ ۱۶۵۶ سے ۱۶۷۶ تک قائم رہا ؛

۱۶۸۳ء سے ۱۷۷۴ء تک پھر نقصان ہونا شروع ہوتا ہے، ۱۶۸۲ میں جب دنیا کو دوبارہ حاصل کرنے کی کوشش کی گئی، تو سخت ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا روس آسٹریا اور وینس سے ۱۶۹۹ء کی لڑائیوں میں شدید مقبوضاتی نقصان اٹھانا پڑا (صلحنامہ کارلووٹس) ۱۷۱۰ء سے ۱۷۱۸ء تک آسٹریا کی لڑائی میں روس اور آسٹریا سے چند علاقہ جات دوبارہ حاصل کئے (صلحنامہ بلگراد) ترکی نے ایک جدید عہدنامہ ۱۷۴۰ میں فرانس سے کیا، جس کی رو سے غیر ملکی باشندوں کو بہت مراعات

سلطنت عثمانیہ میں مل گئیں ؛

۱۷۶۸ء سے ۱۷۷۴ء تک کی جنگ سخت نقصانات پر ختم ہوئی، چنانچہ تاتاری کرلیا جاتا رہا، اور روس کو عثمانیہ سلطنت میں رعائتیں مل گئیں (عہد نامہ کوچاک کینہار جی) روس کی بڑھتی ہوئی طاقت ۱۷۸۴ء قسطنطنیہ کے عہد نامہ کی رو سے رک گئی ۱۷۸۷ء سے ۱۷۹۲ء تک روس اور آسٹریا سے جو لڑائیاں ہوئیں، ان میں سخت نقصان اٹھانا پڑا، اور عہد نامہ جیسی کی رو سے روس کو چند ترکی علاقہ جات میں دخل حاصل ہو گیا ؛

اسی دوران میں ایک مذہبی وہابی فرقہ نے عرب میں اقتدار حاصل کرلیا، زمانہ ۱۶۹۱ء سے ۱۷۹۱ء تک یعنی پوری ایک صدی تک رہا، ابن عبدالوہاب اس فرقہ کا بانی تھا، اس کے پیروں نے کربلا معلیٰ اور مکہ مکرمہ کو ۱۸۰۱ء میں فتح کیا، اور مدینہ کو ۱۸۰۴ء میں تسخیر کرلیا، لیکن ان تمام علاقوں کو ابراہیم پاشا محمد علی پاشا والئی مصر کے لڑکے نے ۱۸۱۸ء میں وہابیوں سے فتح کیا، سلطان نے ابراہیم پاشا کو بہت انعام و اکرام دے کر خاص عزت کی، اگرچہ وہابی فرقہ کی سرکوبی ہو گئی، لیکن آج تک یہ فرقہ چلا آتا ہے، اور ۱۹۲۵ء میں سلطان ابن سعود نے پھر مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ پر قبضہ کرلیا ہے ؛

مقامی حاکموں کے دلوں میں خود مختاری کا جذبہ بتدریج نشوونما پاتا رہا، حتےٰ کہ ۱۸۰۰ء کے قریب احمد پاشا والئی تیپیا نے خود مختاری کا اعلان کردیا ؛

انیسویں صدی کے امور سیاسیہ (۱۷۹۲ء سے ۱۸۰۸ء تک)

سلطان سلیم سوم کی اصلاحات ۱۷۸۹ء سے شروع ہوتی ہیں، اور ۱۸۰۸ء میں ختم ہو جاتی ہیں، ترکی بادشاہوں اور مدبروں کا اصلاحات کی طرف یہ پہلا قدم ہے، فوج حکومت اور تعلیم کی اصلاح کی گئی ؛

۱۷۹۸ء اور ۱۷۹۹ء میں نپولین اعظم نے مصر پر حملہ کیا، فرانسیسیوں نے شرق

اور مغرب کے درمیان آمد و رفت کا راستہ پہلی دفعہ کھولا، چنانچہ مصر نے دوسری یورپی طاقتوں کی بھی توجہ اپنی طرف کھینچی ؂

۱۸۰۵ء میں محمد علی البانیہ مصر کا پاشا ہو گیا، نیوبا، عرب، سارمینا، کریٹ، شام اور سلیسیا پر بھی اس کی حکومت ہو گئی، ۱۸۲۲ء میں یونانی بغاوت کو فرو کرنے کیلئے سلطان نے اس سے کمک مانگی، کامیابی یقینی تھی، مگر یورپی مداخلت سے ہزیمت اٹھانی پڑی دوز بنا کی لڑائی ۱۸۲۷ء محمد علی پاشاہ نے خود ترکی پر حملے شروع کر دیئے (۱۸۳۱-۳۹) مغربی مداخلت سے قسطنطنیہ بڑی مشکل سے اس کے ہاتھوں بچا، لیکن فرانس نے محمد علی پاشا کی حمایت برابر جاری رکھی، روس نے سلطان کو ۱۸۳۳ء میں اپنی پناہ میں لیکر حفاظت کا ذمہ لیا، جس کے صلہ میں سلطان نے روس کے سوا باقی تمام اقوام پر باسفورس، درہ دانیال اور بحیرہ مارمورا کے راستے بند کر دیئے، روس نے انگلستان اور فرانس کا اتحاد ۱۸۳۶ء میں توڑ دیا، اور یہ عہد نامہ ہوا کہ تمام ترکی درے ہر قوم کے جنگی جہازوں پر مسدود کئے جائیں، محمد علی پاشا سے مصر اور نیوبا اس کے خاندان کی وراثت قرار دی گئی، ولی کا لقب جو گورنر مصر اختیار کرنے کا مجاز ہوتا تھا، خدیو یا ویسرائے تک ترقی کرے گا ؂

ریاستہائے بلقان نے بھی آہستہ آہستہ خود مختاری کا اعلان کر دیا، مانٹینگرو کی آزادی ۱۷۹۹ء میں تسلیم کر لی گئی، اور ۱۸۰۴ء میں سرویا نے بھی بغاوت شروع کی، حتیٰ کہ ۱۸۱۷ء میں وہ بھی خود مختار ہو گیا، یونانی خود مختاری کی جنگیں ۱۸۲۱ء سے ۱۸۲۹ء تک ہوئیں، اور اس کے بعد رومانیا ۱۸۷۸ء میں آزاد ہو گیا، ۱۹۰۸ء میں بلغاریہ بھی خود مختار ہو گیا ؂

روسی لڑائیوں نے آگ پر تیل کا کام دیا، ۱۸۵۴ء سے ۱۸۵۶ء کی کریمیا کی

جنگ خاص اہمیت رکھتی تھی، انگلستان اور سارڈینیا نے ترکی کی طرفداری کی ۱۸۵۶ء میں روس کی بڑھتی ہوئی طاقت رک گئی، لیکن ۱۸۷۸ء میں یورپ اور ایشیا دونوں میں اسے بہت فائدہ ہوا ؛

عبد المجید اور عبد العزیز کے عہد سلطنت میں بہت سی اصلاحات نافذ ہوئیں، پیرس کی کانگرس کے بعد ترکی کی سوشل حالت گو سدھر گئی، لیکن روپیہ کی کمی نے ترکی کی مالی حالت پر بہت برا اثر ڈالا، مالی کمزوری کی وجہ سے ۱۸۷۵ء میں بوسنہ میں بغاوت ہوگئی، اور بلغاریہ نے اس کے ایک سال بعد سر اٹھایا، روس اور ترکوں کے درمیان ۱۸۷۷ء اور ۱۸۷۸ء میں ایک وحشتناک لڑائی ہوئی، جس کے نتائج ترکی کیلئے بہت خطرناک ہوئے، چنانچہ انگلستان قبرس کا اجارہ دار ہوگیا، آسٹریا نے بوسنہ ہرس گو اور نوی بازار پر قبضہ کرلیا، ان کا مقصد مصر سے سولونیکا پہنچنے کا تھا، اٹلی کو مانٹی نگرو اور البانیہ میں دلچسپی تھی، چنانچہ اس نے ٹریپولی کو حاصل کرنے کی ٹھانی، چونکہ فرانس کو ۱۸۷۰ء میں شکست ہوچکی تھی، اس لئے اس نے صرف ٹیونس پر ہی اکتفا کیا ؛

سنہ ۱۲۲۲ھ تا سنہ ۱۲۲۳ھ

مطابق

سنہ ۱۸۰۷ء تا سنہ ۱۸۰۸ء

مصطفیٰ خان رابع ۱۲۲۲ھ سے ۱۲۲۳ھ تک عہد خلافت تقریباً ایک سال

سلطان سلیمان خان کے مقید ہونے کے بعد سلطان عبد الحمید خان اول کے بیٹے مصطفیٰ خان ثالث نے عنان حکومت سنبھالی، لیکن اس کے عہد میں بھی بغاوت کا بازار گرم رہا بلکہ سلطان سلیمان خان کو بھی قید خانہ میں قتل کر دیا گیا ؛

لیکن بیرقدار سلطنت عثمانیہ کا بھی خواہ افسر تھا، اس نے باغیوں کا قلع قمع کرنے میں بہت کوششیں کیں، سلیمان خان کے قتل کا اسے بہت افسوس ہوا، اور اگر بیرقدار سلطان محمود کو نہ بچاتا، تو وہ بھی باغیوں کے ہاتھ سے قتل ہو جاتا، لیکن بیرقدار نے قلعہ میں پہنچکر نہایت دلاوری سے سلطان محمود کو نکال لیا ؛

اور اسی بغاوت کے سلسلہ میں سلطان مصطفےٰ کو سلطنت سے معزول کر کے قید خانے میں بھیجدیا گیا، اور تخت خلافت محمود خاں کے سپرد کر دیا گیا ؛

سنہ ۱۲۲۳ھ تا سنہ ۱۲۵۵ھ

مطابق

سنہ ۱۸۰۸ء تا سنہ ۱۸۳۹ء

محمود خان سنہ ۱۲۲۳ھ تا سنہ ۱۲۵۵ھ
عہد سلطنت تقریبًا ۳۰ سال

مصطفےٰ خان رابع کے معزول ہوتے ہی محمود خان سریر آرائے خلافت ہوا، یہ سلطان نہایت منتظم مہذب اور صلح کل تھا، اگرچہ انگریزی تہذیب و تمدن کا شیدا تھا لیکن مذہب اسلام کا خادم اور مسلمانوں کا خیر خواہ بھی تھا، اسی سلطان نے مغربی اثر سے متاثر ہو کر اپنے طرز عمل سے ترکان احرار کو حب الوطنی کا پہلا سبق دیا ہے ؛

تخت نشین ہوتے ہی جو شاہی فرمان سلطان محمود نے اپنے قلم سے لکھ کر رعایا میں شائع کیا ہے، اس فرمان سے اس روشن خیال سلطان کے خیالات معلوم ہو سکتے ہیں، لہذا وہ فرمان یہ ہے ؛

آپ کو معلوم ہے" کہ دولت عثمانی کی صبح جیسی ہی نمودار ہوئی، اسی وقت سے تمام رعایا سلاطین کے زیر سایہ شادان و فرحان امن و امان سے اپنی زندگی

بسر کرتی رہی ہے، بہادرانِ اسلام کے لشکر ہیبت سے غیر اقوام کے بادشاہ لرزتے تھے، ہر ایک معرکۂ کارزار میں جانثاران اسلام معاندین پر غالب رہے، شجاعانِ اسلام نے بے پایان مال غنیمت حاصل کیا، اور پرچم ہلالی "نَصْرٌ مِّنَ اللّٰہِ وَ فَتْحٌ قَرِیْبٌ" کی برکت سے کبھی سرنگوں نہ ہوا، ۞

میں فوج ینگ چری سے نہایت خوش ہوں، کہ وہ جہاد اسلام میں سربکف ہے اور دشمنان اسلام کے لیے اُن کی شمشیر آبدار بے نیام ہے، اُن کی ان خدمات کے صلہ میں معقول وظائف مقرر کیے گئے ہیں، ساتھ ہی مجھے اس بات کا افسوس بھی ہے، کہ سابقہ اسلامی فوج نے اپنے اسلاف کا طریقہ چھوڑ دیا ہے، اور ذلت ونکبت کی خاک اپنی آنکھوں میں جھونک لی ہے، سب کے سب لہو لعب میں مصروف ہیں، اور سرتابی وعصیاں سے مالوف ہیں بعض ایسے ہیں، جنہوں نے اپنی اپنی معاش کی سندات کاہل اور بزدل لوگوں کے ہاتھ فروخت کر دی ہیں، یہی وجہ ہے، کہ حشمت واقبال نے ان سے منہ پھیر لیا ہے، جرات وشجاعت ان کے دلوں سے جاتی رہی ہے، فن سپاہ گری سے منہ موڑ رہے ہیں، یہی وجہ ہے، کہ دشمنوں نے ہمارے ملک پر دست دراز کیا ہے ۞

میں بہادر ینگ چری فوج اور ہر ایک سپاہی سے کہتا ہوں، کہ اس خواب غفلت سے ہوشیار ہو جاؤ، اطوار ناہنجار سے باز آجاؤ، جوہر شجاعت دکھاؤ اور زمانہ سلف کے جاں نثاران اسلام کے نقش قدم پر گامزن ہو جاؤ، تاکہ تم لوگوں سے سلطنت عثمانیہ کا حصار قائم رہے، اور دشمنانِ اسلام پامال ہوں ۞

میں چاہتا ہوں، کہ تمہارے خون حمیت سے نخل اسلام کو سینچوں، اور تمہاری تشنہ خون تلواروں کو دشمنانِ دین کا خون پلاؤں، مگر تم بھی اپنا فرض بجالاؤ،

تمہیں جدید قواعد دان فوج کے مقابل ہونا ہے، جدید آلات توپ و تفنگ سے مقابلہ کرنا ہے، اس لئے تم بھی قواعد دان بنو، اور جو آلات دشمنوں نے ہمارے لئے ایجاد کئے ہیں، انہیں آلات سے تم اپنے دشمنوں کو خاک و خون میں ملا دو، بس محض اسی لئے میں جدید قواعد دان فوج کا مؤید ہوں، زمانہ کے مطابق کام کرنا یہ گناہ نہیں، بلکہ خدا و رسول کا حکم ہے، والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ وسلک مسلک النبی المجتبیٰ"

اس فرمان سے تو سلطان محمود کے خیالات ظاہر ہوتے ہیں، اب اُن کا عملی نمونہ پیش کیا جاتا ہے۔

اس سلطان نے اپنی حدود سلطنت میں مختلف مذاہب کی رعایا کو اجازت دیدی، کہ اپنے مذہب کے مطابق اپنی اپنی رسومات مذہبی ادا کریں۔

عیسائی گرجوں کی خود مرمت کرادی۔

اپنے ملک میں اسکول مقرر کئے، اور کل مذاہب کے لوگوں، یعنی یہودی، عیسائی، مسلمان کو برابر بلا تعصب تعلیم حاصل کرنے کی اجازت دی۔

غلامی کے رواج کو جو اس وقت خلاف شرع جاری تھا، موقوف کردیا اور تمام گریک کو جو بطور غلامی پکڑے گئے تھے، آزاد کردیا، یہ حکم ۱۸۳۰ء میں نافذ کیا گیا تھا۔

اس نے لباس اور طریق زندگی کو بھی بدل دیا، تاکہ دیگر قومیں مسلمانوں کو حقارت سے نہ دیکھیں۔

سلطان محمود کا عہد سلطنت زیادہ تر فوجی نظام، امور انتظام سلطنت اور باہمی صلح جوئی میں گذرا ہے، لیکن ابھی وہ انہیں اصلاحات کے درپے تھا، کہ ۱۲۴۷ھ محمد علی پاشا حاکم مصر نے اپنے بیٹے ابراہیم شاہ کو تیس ہزار لشکر کے

کے ساتھ شہر عسکہ پر قبضہ کرنے کیلئے روانہ کردیا، اور کچھ بحری جہاز بھی بھیج دیئے ۔

سلطان اس خبر کے سنتے ہی ششدر رہو گیا، چنانچہ اسی وقت حسین پاشا کو فوج کا سپہ سالار مقرر کر کے محمد علی پاشا کی سرکوبی کیلئے روانہ کیا گیا ۔

لیکن ابراہیم سلطانی فوج پہنچنے سے قبل عسکہ، صیدا، بیروت پر اپنا قبضہ کر کے دمشق کی طرف بڑھ گیا تھا حتیٰ کہ اس نے دمشق کو بھی فتح کر لیا، اس کے بعد حمص کی طرف بڑھا، لیکن وہاں محمد پاشا والی حلب بموجب فرمان سلطان ابراہیم.... مقابلہ کیا، اور جنگ شروع ہو گئی، کئی روز کی خونریز جنگ کے بعد آخر محمد پاشا والئی حلب شکست کھا کر بھاگا، اور لشکر سلطانی یعنے حسین پاشا سے جاملا ۔

وہاں سے یہ دونوں سپہ سالار حلب میں پھر آئے، لیکن اہل حلب کو ابراہیم نے ایسا مطیع کر لیا تھا، کہ اُنہوں نے ان کو شہر کے اندر گھسنے نہ دیا مجبوراً ان کو انطاکیہ کی طرف جانا پڑا ۔

لیکن ابراہیم انطاکیہ میں بھی آن پہنچا، وہاں بھی لڑائی چھڑ گئی، لیکن میدان ابراہیم کے ہاتھ رہا ۔

۱۲۵۵ھ میں سلطان روم نے حافظ پاشا کو سپہ سالار مقرر کر کے ابراہیم پاشا کی سرکوبی کیلئے روانہ کیا، اتنے میں دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا ۔

اور حافظ پاشا نے ابراہیم کو شکست دی، لیکن ابراہیم نے منتشر فوج کو ایک ٹیلہ پر جمع کر کے وہاں لشکر سلطانی پر آگ برسانی شروع کر دی جس کی وجہ سے سلطانی لشکر تتر بتر ہو گیا، ابھی یہ جنگ جاری ہی تھی، کہ ۱۹ ربیع الثانی ۱۲۷۵ھ کو سلطان ذی شان محمود خان نے اس عالم فانی کو چھوڑ کر عالم جاودانی کو لبیک کہا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۔

سنہ ۱۲۵۵ھ تا سنہ ۱۲۷۷ھ

مطابق

سنہ ۱۸۳۹ء تا سنہ ۱۸۶۱ء

سلطان عبدالمجید خان
سنہ ۱۲۵۵ھ سے ۱۲۷۷ھ تک
عہدِ سلطنت تقریباً ۲۲ سال

اِس سلطان نے بھی سلطان محمود کا طرزِ عمل اختیار کیا، مغربی طرز تمدّن کا یہ اس قدر دلدادہ تھا، کہ بالکل یورپین لباس میں ملبوس رہتا، اور چھری کانٹے سے میز پر کھانا کھاتا تھا، فرانس کے طریقہ پر تمام انتظام سلطنت قائم کیا، عدالتوں کے جدید قوانین بنائے، پبلک انسٹرکشن کونسل اور یونیورسٹی قائم کی، نارمل سکول بنائے اور یورپین سلطنتوں سے اتحاد کیا ؛

غرضیکہ اس سلطان کا عہد سلطنت دور جدید کی ترقی کا نمونہ تھا، صرف دارالخلافہ قسطنطنیہ سے تیرہ اخبار فرنچ ٹرکی اور گریک زبان میں نکلتے تھے، اس کے وقت میں انگریزوں کو بڑی مراعات حاصل ہوئیں، اس لئے بندرگاہ عرب سے لیکر سرحد مصر تک انگریزوں کا اجارہ ہوگیا ؛

لیکن اہل عرب اس جدید طرز تمدّن سے متنفر تھے، اس لئے اُنہوں نے بعض انگریزوں کو حجاز مقدس میں بے ادبی کرتے ہوئے قتل کر دیا، اس بغض و انتقام میں جب انگریزوں کا جنگی جہاز بندر عدن سے جدہ میں آیا، تو ترکوں نے انگریزوں کی مدد کی، ہزاروں اہل عرب توپ کے گولوں سے اڑا دیئے گئے، اس پر جب اہل عرب نے دربار خلافت میں انگریزوں کے ظلم کی شکایت کی، تو کچھ شنوائی نہ ہوئی، اس وجہ سے اہل عرب ترکوں سے بدظن ہوگئے ؛

۱۸۵۶ء میں زار روس سے ترکوں کی ایک خونریز جنگ ہوئی، جو جنگ کیریمیا کے نام سے مشہور ہے، ترکی لشکر کا بہادر سپہ سالار عمر پاشا تھا جس نے بڑی دلاوری سے تین برس تک اس جنگ عظیم کو جاری رکھا، اس جنگ میں برطانیہ اور فرانس نے ترکوں کی مدد کی تھی، جس کا آج تک مسلمانوں پر احسان یاد دلایا جاتا ہے، لیکن جنگ کریمیا کی فتح کا سہرا اولاد عمر پاشا کے سر ہے، جس نے پسینے کے بدلے اپنا لہو بہا کر اسلامی لشکر کی لاج رکھ لی، اور روس کو شکست فاش دی ؛

ہندوستان میں سلطنت مغلیہ کا تنزل اسلامی حکومت کا خاتمہ اور انگریزوں کا تسلط ۱۷۰۷ء سے ۱۸۵۷ء تک

۱۷۰۷ء میں اورنگ زیب عالمگیر دکن سے دہلی کو واپس آرہا تھا، کہ احمد نگر کے قریب فرشتہ اجل نے اُسے آگے جانے کی مہلت نہ دی، چنانچہ اس فاتح اعظم خادم دین شاہنشاہ محی الدین نے ۹۰ برس کی عمر میں ۱۲ فروری ۱۷۰۷ء کو اس جہان فانی سے عالم جاودانی کو لبیک کہا

"اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۝

متعصب لوگ کچھ کہیں مگر انصاف پسند لوگوں کو اس بات کا اعتراف ہے کہ یہ شاہنشاہ ہند عالی دماغ، مستقل مزاج، پاکیزہ خیال، مذہب اسلام کی سادگی کا عملی نمونہ تھا، شاہی خزانے سے اپنی ذات کیلئے ایک پائی تک نہ لیتا تھا، اپنا گذارہ قرآن شریف کی کتابت اور ٹوپیاں کاڑھکر کرتا تھا، پرلے درجہ کا متقی اور پرہیزگار تھا ؛

بستر مرگ پر بھی اپنی عادت واطوار کو نہیں بدلا، چنانچہ اپنے بیٹوں کو نصیحت کی کہ میرے بعد خواہ مخواہ لڑائی جھگڑا نہ کرنا، اپنی زندگی میں بیٹوں کے لئے ملک کو اس طرح تقسیم کیا، شمالی حصہ معظم کو دیا، وسطی اور شرقی اعظم کو، اور دکن

کا علاقہ کام بخش کو ؛

لیکن باپ کے مرتے ہی بھائیوں نے تخت یا تختہ کی ٹھان لی ؛

جس وقت اورنگ زیب عالمگیر نے رحلت کی، اس وقت معظم کابل میں تھا اور اعظم باپ کے پاس کام بخش حیدر آباد دکن میں ؛

اعظم نے اپنے دونوں بھائیوں کی غیر موجودگی میں اپنی شاہنشاہی کا اعلان کر دیا اور پیش بندی کے لئے آگرہ کی طرف بڑھا، تاکہ اپنے بھائی معظم کو راستے ہی میں روک لے، لیکن اعظم خود ہی اپنے بیٹے بیدار بخت سمیت اس جنگ میں مارا گیا ؛

اعظم کے مرنے کے بعد معظم نے اپنی رسم تاجپوشی ادا کی، لیکن کام بخش نے اُسے بادشاہ تسلیم نہ کیا ؛

بہادر شاہ

آخر ۱۷۰۸ء میں کام بخش حیدر آباد دکن میں اپنے بھائی سے لڑتے ہوئے مارا گیا، اور معظم بہادر شاہ کے نام سے کل سلطنت کا تنہا وارث بن گیا؛

۱۶۷۵ء میں گورو گوبند سنگھ نے اپنے مذہبی پیشوا گورو رام داس (جنہوں نے امرتسر کی بنا ڈالی، اور سکھوں کا ایک مرکز قائم کر دیا) کی گدی سنبھالی لیکن اُنہوں نے سکھ قوم کو ایک پرجوش سیاسی گروہ بنا دیا، چنانچہ اس گروہ نے شاہی سلطنت سے چھیڑ چھاڑ کی، جس کا نتیجہ یہ ہوا، کہ گورو گوبند سنگھ جی قتل ہو گئے ؛

ان کے بعد بندا نے شاہی علاقوں کو تاخت و تاراج کرنا شروع کیا، بلکہ سرہند تک تباہ کر ڈالا، اس بات کی جب بادشاہ کو خبر ہوئی، تو بہادر شاہ ان کی سرکوبی کیلئے خود پہنچا، ؛

لہذا بندا اور اُس کے ساتھیوں کو سرمور کی پہاڑیوں میں پناہ لینی پڑی ؛

بہادر شاہ ابھی سکھوں کے تعاقب میں ہی تھا، کہ یکایک لاہور میں پہنچکر ۱۷۱۲ء میں جان بحق ہو گیا ؛

مرحوم کے چار بیٹے تھے، باپ کے مرنے بعد تخت کے لئے ان چاروں بھائیوں میں تلوار چلی، آخر سپہ سالار ذوالفقار کی امداد سے سب سے بڑے بیٹے جہاندار شاہ کو تخت ملا ؛

جہاندار شاہ

جہاندار شاہ نے تخت پر بیٹھتے ہی تیموریہ نسل کے سب مردوں کو تہ تیغ کر دیا اس فعل سے اراکین سلطنت مشتعل ہو گئے ؛

جہاندار کے بھائی عظیم الشان کا ایک لڑکا فرخ سیر بنگال میں ہونے سے بچ گیا تھا، اُس نے اراکین سلطنت کی وساطت اور حاکمان بہار و الہ آباد سید حسن علی و سید عبداللہ کی مدد سے جہاندار سے جنگ کی، اور اُسے شکست دیکر مار ڈالا، ذوالفقار خاں بھی اسی جنگ میں مارا گیا ؛

فرخ سیر

اس فتحیابی کے بعد فرخ سیر نے عنانِ سلطنت سنبھالی ؛

اس زمانہ میں دکن کا صوبہ دار نظام الملک تھا، وہ بڑا با تدبیر اور منتظم شخص تھا، اُس نے دکن میں مرہٹوں کی روز افزوں طاقت دیکھ کر مرہٹوں میں نفاق ڈالنے کی کوشش کی، ابھی وہ اسی کوشش میں ہی تھا، کہ دربار سلطنت کے جھگڑوں میں سید حسین علی حاکم دکن مقرر ہو گیا، اس لئے نظام الملک کو اپنا کام ادھورا چھوڑ دینا پڑا ؛

حسین علی نے دکن میں پہنچکر مرہٹوں کو اپنے ساتھ ملا لیا، اور فرخ سیر سے تخت چھیننے کی غرض سے آگرہ کی طرف بڑھا، فرخ سیر اگرچہ قتل ہو گیا، لیکن اس کی جگہ اُس کے چچا زاد بھائی رفیع الدرجات نے ۱۷۱۹ء میں سنبھال لی، لیکن یہ بادشاہ بھی چند مہینے زندہ رہکر داعیٔ اجل ہوا، اس کے بعد رفیع الدولہ

تخت نشین ہوا، لیکن وہ بھی بہت جلد جان بحق ہوا ؛

اس زمانہ میں سیدوں کا زور تھا، وہ جس کو چاہتے تھے، تخت پر بٹھا دیتے تھے، آخر اُن کی نگاہ بہادر شاہ کے پوتے روشن اختر پر پڑی جس کو ۱۷۲۰ء میں محمد شاہ کے لقب سے ملقب کر کے تخت پر متمکن کیا گیا ؛ | محمد شاہ

اسی اثنا میں نظام الملک دربار کی ابتر حالت ہونے کا باعث وزارت سے مستعفی ہو کر حیدر آباد دکن میں چلا گیا، اور وہاں کے حاکم کو شکست دیکر خود دکن پر قابض ہو گیا ؛

نظام الملک نے اگرچہ مرہٹوں کی طاقت مٹانے کی بہت کوشش کی، لیکن باجی راؤ نے اپنی قوم کو اسقدر طاقتور بنا لیا تھا، کہ اُنہوں نے دہلی کی طرف چڑھائی کر دی، آخر شاہی سلطنت نے مالوہ، نربدا، اور چنبل کے درمیانی علاقے دیکر اپنی سلطنت کو بچا لیا ؛

نادر شاہ | مرہٹوں سے ابھی رہائی نہ حاصل ہوئی تھی، کہ ۱۷۳۹ء میں نادر شاہ ایران سے چڑھ دوڑا، اور پنجاب کے سب دریاؤں کو عبور کر کے سیدھا دہلی کی طرف بڑھا، ادھر سے محمد شاہ بھی اپنے شاہی لشکر کے ساتھ مدافعت کے لئے نکلا، دونوں فوجیں کرنال کے میدان میں بھڑ گئیں، لیکن نادر شاہ کی خونخوار فوج کے سامنے محمد شاہ کو صلح کی درخواست کرنی پڑی، دونوں بادشاہ دہلی میں آئے، لیکن کسی نے افواہ اڑا دی کہ نادر شاہ نے محمد شاہ کو مروا ڈالا، اس افواہ کے سنتے ہی دہلی کے لوگ نادر شاہ کے جوانوں پر پل پڑے نادر شاہ نے جب یہ حالت دیکھی، تو قتل عام کا حکم دیدیا، دم بھر میں کشتوں کے پشتے لگ گئے ؛

آخر محمد شاہ اور نظام الملک وغیرہ کی استدعا پر نادر شاہ نے قتل عام موقوف کر دیا

اس ہولناک واقعہ اور نادر شاہ کی واپسی کے بعد نظام الملک بھی دکن میں واپس چلا گیا، جہاں اُسے کرناٹک کے جھگڑوں میں پھنسنا پڑا، اور اُنہی مخمصوں میں ۱۷۴۸ء میں فوت ہو گیا ؎

نادر شاہ ایران واپس جانے کے چند سال بعد مارا گیا، اور ایک سپہ سالار احمد شاہ ابدالی نامی اس کے خزانوں پر قبضہ کر کے کابل و قندہار کا مالک بن بیٹھا، اسی اثنا میں احمد شاہ نے ۱۷۴۷ء میں پنجاب پر حملہ کر کے لاہور و ملتان دبا لئے، محمد شاہ نے اپنے وزیر قمر الدین خان اور اپنے ولی عہد احمد شاہ کو اس کے مقابلے کیلئے بھیجا چنانچہ ۱۷۴۸ء میں سرہند کے مقام پر معرکہ ہوا اور سلطنت مغلیہ کی فوج نے میدان جنگ میں یہ سب سے آخری کامیابی حاصل کی ؎

احمد شاہ اس فتح کے ایک ماہ بعد محمد شاہ نے اٹھائیس سال سلطنت کر کے رحلت کی اور اس کی جگہ فاتح سرہند احمد شاہ کے لقب سے تخت نشین ہوا، لیکن امرائے دربار اور اراکین سلطنت کے باہمی تنازعات کا یہ اثر ہوا کہ شہاب الدین

عالمگیر ثانی وزیر نے اس بادشاہ کو تخت سے اتار کر اندھا کر دیا، اور اس کی جگہ جہاندار شاہ کے بیٹے عالمگیر ثانی کو تخت پر بٹھا دیا گیا ؎

شہاب الدین نے اس کام سے فراغت پا کر لاہور پر حملہ کیا، لیکن احمد شاہ ابدالی نے اس کی بجائے ہندوستان پر حملہ کر کے دہلی و متھرا کو لوٹ کر برباد کیا اور ۱۷۵۷ء میں کابل واپس چلا گیا ؎

علی وردی خان اسی بد انتظامی کے زمانہ میں علی وردی خان صوبجات بنگال، بہار اڑیسہ کا مالک بن بیٹھا، اس نے چودہ سال تک وہاں اچھی حکومت کی آخر ۱۷۵۶ء میں فوت ہو گیا ؎

سراج الدولہ اس کی جگہ اس کا نواسہ سراج الدولہ تخت نشین ہوا، اس کے

عہد سلطنت میں ایک شخص کشن داس نامی مفرور نے کلکتہ میں پہنچکر انگریزوں کے نو تعمیر قلعہ فورٹ ولیم میں جا کر پناہ لی ؛

چنانچہ سراج الدولہ نے گورنر کلکتہ کو لکھا، کہ ایک تو یہ قلعہ تعمیر نہ کیا جائے دوسرے مفرور کشن داس کو ہمارے حوالہ کر دیا جائے ؛

لیکن انگریزوں نے دونوں باتیں منظور نہ کیں، اس لئے سراج الدولہ نے قاسم بازار کی کوٹھی، پر قبضہ کر کے کلکتہ پر چڑھائی کی ؛

اگرچہ انگریزوں نے اپنی تھوڑی جمعیت سے بڑی دلاوری سے مقابلہ کیا لیکن شاہی فوج سے کہاں بچ سکتے تھے، مجبوراً قلعہ فورٹ ولیم نواب کے حوالے

واقعہ بلیک ہول[1] کر دینا پڑا، اور اس واقعہ میں جو انگریز نواب کے ہاتھ آئے کل مرد و عورتوں کی تعداد ۱۴۶ تھی، جو ایک نہایت تنگ و تاریک کوٹھری میں بند کر دیئے گئے، اسی جگہ کا نام بلیک ہول ہے۔

جب اس ہولناک واقعہ کی خبر مدراس میں پہنچی، تو وہاں کے انگریزوں کے دل میں انتقام کی آگ بھڑک اٹھی، چنانچہ انگریزوں کی برّی فوج کرنیل کلائیو کی اور بحری فوج واٹسن کی سرکردگی میں کلکتہ پہنچی، جنہوں نے کلکتہ پر قبضہ کر لیا اس کے بعد انگریز ہگلی پر بھی قابض ہو گئے ؛

جنگ پلاسی ۱۷۵۷ء میں جنگ پلاسی وقوع میں آئی، ۲۳ جون کو انگریزی فوج نے نواب کی فوج پر حملہ کیا، اور انگریزوں کو فتح ہوئی، نواب سراج الدولہ بھی اس جنگ میں مارا گیا ؛

میر جعفر نواب مرحوم کے بعد میر جعفر کو تخت حکومت ملا، لیکن میر جعفر کو بادشاہ عالمگیر ثانی کی منظوری کے بغیر نواب بنایا گیا تھا اسلئے اس نے ۱۷۵۸ء میں شہزادہ عالی گوہر شجاع الدولہ نواب اودھ کو ہمراہ لیکر بنگال پر چڑھائی کی، لیکن انگریزوں

[1] بعض مورخوں نے اس واقعہ کو غلط لکھا ہے۔ واللہ اعلم۔ شوق

سے اس کی مدد کی، اور اسی لئے شہزادہ عالی گوہر نواب شجاع الدولہ کو واپس آنا پڑا ؛

اب مرہٹوں نے ہندوستان میں اپنے پاؤں جما لئے تھے، لیکن احمد شاہ ابدالی کو یہ بات گوارا نہ ہوئی، چنانچہ اس نے تمام مسلمان نوابوں کو اپنے ساتھ ملا کر ۱۷۶۱ء میں پانی پت کے مقام پر مرہٹوں سے نہیں بلکہ تمام ہندو قوم سے کیونکہ اس جنگ میں نہ فقط مرہٹے اور ان کے پیشوا مسلمانوں سے آخری فیصلہ کرنے کیلئے جمع تھے، بلکہ مہاراجہ ہلکر اور سندھیا تک اس جنگ میں شامل تھے، مقابلہ کیا لیکن اس جنگ میں بھی مسلمانوں کو عظیم الشان فتح حاصل ہوئی بلکہ وشواش راؤ بہادر مرہٹوں کے پیشوا، اور مہاراجہ سندھیا مارے گئے، راجہ ہلکر نے بھاگ کر اپنی جان بچائی ؛

جوان بخت احمد شاہ اس فتحیابی کے بعد شہزادہ عالی گوہر کے بیٹے جوان بخت کو تخت بنگال پر بٹھا کر واپس چلا گیا ؛

۱۷۶۱ء میں انگریزوں نے فرانسیسیوں کے کل ہندوستانی مقبوضات پر قبضہ کر لیا، انہیں مقبوضات میں ایک شہر ماہی تھا، جو نواب میسور حیدر علی کی حدود سلطنت میں تھا، اس پر نواب میسور حیدر علی غضبناک ہو گیا ؛

نواب حیدر علی چنانچہ نواب حیدر علی نے مرہٹوں کو ساتھ ملا کر کرناٹک پر حملہ کر دیا، اور انگریزوں کو شکست فاش دیکر ان کا تمام علاقہ تاخت و تاراج کر دیا ؛

اس شکست کا بدلہ لینے اور مدراس کو بچانے کیلئے انگریزوں نے ۱۷۸۰ء میں مدافعانہ جنگ کی تیاری کی، اور حیدر علی نے شکست کھائی، اور ۱۷۸۲ء میں جان بحق ہوا ؛

بہادر ٹیپو سلطان حیدر علی کی وفات کے بعد ٹیپو سلطان نے مدراس پر حملہ کر دیا، مگر انگریزوں نے بہت جلد صلح کر لی، بلکہ سلطنت میسور کے تمام

فتح شدہ علاقے ٹیپو سلطان کو واپس دیدیئے گئے ۔

ٹیپو سلطان کو تخت سلطنت پر بیٹھے ابھی آٹھ ہی برس ہوئے تھے، کہ اس نے اپنی اولالعزم مردانگی سے مالابار، کورگ، کنارا اور میسور کے مضافات کے کئی ایک علاقے فتح کر لئے ۔

۱۷۸۹ء میں اس کے بعد ٹراونکور پر (جو انگریزوں کے ماتحت تھا) حملہ کر دیا، راجہ ٹراونکور نے انگریزوں سے امداد طلب کی، لیکن اس شیردل نے کسی کی پرواہ نہ کی، اور ٹراونکور کو بزور شمشیر چھین لیا، اس کے بعد کرناٹک پر حملہ آور ہوا، ٹیپو سلطان کی شجاعانہ فتوحات سے انگریز تھرا اُٹھے تھے، تاہم مرہٹوں کو ملا کر ٹیپو سلطان کا مقابلہ کیا گیا، لیکن اس بہادر کو زک دینا کوئی آسان کام نہ تھا، جب یہ غازیٔ اسلام کرناٹک کو بھی تاخت و تاراج کر کے مدراس کی طرف بڑھا، تو اس وقت ۱۷۹۱ء میں خود گورنر جنرل کثیر فوج لے کر مدراس کی طرف آئے اور بڑی خونریزی کے بعد بنگلور فتح کیا، اس کے بعد ۱۷۹۲ء میں سرنگاپٹم پر ایک زبردست حملہ کیا، لیکن ٹیپو سلطان نے بمصلحت وقت دیکھ کر صلح کر لی ۔

۱۷۸۹ء میں فرانس کی سلطنت میں ایک انقلاب عظیم واقع ہوا، اور فرانسیسیوں نے سلطنت جمہوری قائم کر لی، اس جمہوریت کے ایک جرنیل نپولین نامی نے بڑا رسوخ حاصل کر لیا، اس نے انگریزوں کو ہندوستان سے نکالنے کیلئے پہلے مصر پر حملہ کیا، اور ٹیپو سلطان سے ہندوستان کی مہم کے لئے خط و کتابت شروع کی، انگریزوں کو فرانسیسیوں کا تو اسقدر خوف نہ تھا، البتہ ٹیپو سلطان کی دہشت ضرور تھی، اس لئے گورنر جنرل لارڈ مارننگٹن نے خلیفہ وقت سلیم خان ثالث کا ایک فرمان حاصل کر کے ٹیپو سلطان کی خدمت میں ان الفاظ کے ساتھ پیش کیا، میں اعلیٰ حضرت کی خدمت میں اس کو پیش کرتا ہوں، اعلیٰ حضرت اس کو پڑھینگے

اور اس کا اس عزت کے ساتھ جس کا یہ مستحق ہے، لحاظ فرمائیں گے ۔

برطانوی حکومت کی یہ خواہش تھی، کہ بہادر ٹیپو سلطان فرانسیسیوں سے کوئی تعلق نہ رکھیں، چنانچہ اس دوستانہ تنبیہہ کا ٹیپو سلطان پر کافی اثر پڑا، اور اُس نے خلیفہ وقت کو ان الفاظ میں جواب دیا ۔

"چونکہ فرانسیسی قوم کے تعلقات باب عالی سے کشیدہ ہو گئے ہیں، اور اُنہوں نے اپنے کو باب عالی کا مخالف بنالیا ہے، اس لئے وہ پیروان دین اسلام کے دشمن ہیں، اور تمام مسلمانوں کو اُن کی دوستی سے انکار کر دینا چاہیئے" ۔

لیکن ساتھ ہی اس کے گورنر جنرل ہند کے نام و پیام پر ٹیپو سلطان نے کوئی توجہ نہ کی، لہذا انگریزوں نے ۱۷۹۹ء میں جنگ شروع کر دی ۔

ٹیپو سلطان اسی لڑائی میں لڑتا ہوا جاں بحق ہوا ۔

ٹیپو سلطان سے پیچھا چھڑا کر انگریزوں نے مرہٹوں کی طرف توجہ کی اور اودھ کا علاقہ جس پر ان دنوں نواب سعادت علی خان کی حکومت تھی، اپنے ماتحت کر لیا ۔

۱۸۰۸ء میں نپولین شہنشاہ فرانس نے ایک سفارت ایران میں بھیجی جس سے انگریزوں میں تشویش پھیلی، اور لارڈ منٹو، والیان پنجاب کابل اور ایران سے دوستانہ تعلقات قائم کرنے کے لئے مجبور ہوئے ۔

چنانچہ سر جان میلکم کو ایران بھیجا گیا، اگرچہ فرانسیسی رسوخ ایران میں زور پکڑ گیا تھا، مگر انگریزی پالیسی میں کامیاب ہو گئے ۔

ہند میں اسلامی سلطنت کا آخری بادشاہ بہادر شاہ اور ۱۸۵۷ء کا غدر

۱۸۵۷ء میں اگرچہ سلطنت انگریزی کو ہندوستان میں قائم ہوئے تقریباً ایک سو سال ہو گیا تھا، اور ظاہرا طور پر ہر طرف امن وامان تھا، تاہم بعض پرانے خیال کے لوگ انگریزی سلطنت کے جدید قوانین سے غیر مانوس تھے، اور انگریزوں کے متعلق طرح طرح کے

من گھڑت فسانے بھی عوام کی زبان پر تھے، چنانچہ جن دنوں انگریزی فوج کو نئی قسم کی بندوقیں دی گئیں، جن کے کارتوس چڑھائے جانے سے پیشتر چکنے کئے جاتے تھے ؛

لہٰذا اس کے متعلق عوام میں یہ افواہ بہت سرعت کے ساتھ پھیل گئی، کہ ان کارتوسوں میں ایسے جانوروں کی چربی استعمال کی گئی ہے، جو ہندوؤں اور مسلمانوں کے مذہب میں مطلق حرام ہیں، اور وہ اس لئے استعمال کی گئی ہے، کہ ہندو اور مسلمانوں کا مذہب خراب کیا جائے ؛

اس افواہ کا پھیلنا تھا، کہ فوج باغی ہو گئی ؛

بہادر شاہ آخری شاہ دہلی ان دنوں لال قلعہ میں رہتا تھا، اس کے کانوں میں بھی یہ بات پہنچائی گئی، اور اس سے کہدیا گیا، کہ اگر آپ انگریزوں سے مقابلہ کریں، تو نہ فقط تمام رعایا آپ کے ساتھ ہے، بلکہ تمام والیانِ ریاست پنجاب کے علاوہ ایران اور روس بھی انگریزوں کے خلاف آپ کی مدد کریگا ؛

اگرچہ بادشاہ کو یہ بات پسند نہ آئی، لیکن آپکی بیگم زینت محل انگریزوں کو اچھی نظر سے نہ دیکھتی تھی، اس کی وجہ یہ بتلائی گئی ہے، کہ اس کے بیٹے جوان بخت کو انگریزوں نے ولیعہد بنانا منظور نہ کیا تھا، چنانچہ زینت محل نے باغیوں کا ساتھ دیا، اور فوج نے اگلے ہی دن جیل خانے پر حملہ کر کے اپنے ان ساتھیوں کو چھڑا لیا، جو یہ کارتوس استعمال نہ کرنے کے جرم میں قید کر دیئے گئے تھے، اس کے بعد ۱۰ مئی ۱۸۵۷ء میں میرٹھ میں بھی بغاوت ہو گئی ؛

کانپور میں باغیوں نے بہت سے انگریزوں کو قتل کیا ؛

دہلی میں ۵ مہینے تک باغیوں نے حکومت کی، آخر جرنیل ولسن میرٹھ سے کوچ کر کے دہلی کی جانب بڑھے ؛

اگلے دن جرنیل برنارڈان کی بجائے سپہ سالار مقرر ہوئے، اور ۸ جون کو باغیوں نے باو کی سرائے پر شکست کھائی ۔

اگست ۱۸۵۷ء میں جرنیل نکلسن پنجاب سے کمک لیکر دہلی پہنچے، چند دنوں میں قلعہ شکن توپیں بھی پہنچ گئیں، ۱۴ اگست کو دہلی پر دھاوا کیا گیا، بہادر شاہ نے ہمایوں کے مقبرہ میں پناہ لی، جہاں سے انگریزوں نے اُنہیں گرفتار کر کے رنگوں میں نظر بند کر دیا ۔

اس فساد سے فارغ ہو کر باغیوں کو عبرتناک سزائیں دی گئیں، اور تمام ملک ہندوستان پر انگریزوں نے اپنا تسلط کر لیا ۔

اسی ۱۸۵۷ء میں برطانوی حکومت نے سلطان عبدالمجید سے مسلمانان ہندوستان کے نام اس مضمون کا ایک فرمان حاصل کیا کہ مسلمانان ہندوستان کو انگریزوں کے ساتھ صلح و آشتی کے ساتھ رہنا چاہیے، کیونکہ انگریز اُن کے خلیفہ کے دوست ہیں، اس فرمان کا مسلمانوں پر۔۔۔ عظیم الشان اثر پڑا یعنی اُس وقت سے ہندوستان کے تمام مسلمان انگریزوں کو اپنے دوست اور محافظ کی نظر سے دیکھنے لگے

سلطان عبدالمجید خان کا عہد سلطنت عہد انقلاب تھا جس میں سلطان نے نمایاں فتح حاصل کی ۔

علاوہ ملکی انتظام کے اس سلطان نے مسجد نبوی اور حرم مدینہ شریف کی عمارات پر بہت روپیہ خرچ کیا، دیگر مقامات مقدسہ کی بھی حفاظت کی ۔

آخر ۱۷ ذی الحجہ ۱۲۷۷ھ مطابق ۱۸۶۱ء اس جہان فانی سے عالم جاودانی کو سدھارے ۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۝

سنہ ۱۲۷۷ھ تا سنہ ۱۲۹۳ھ

مطابق

سنہ ۱۸۶۱ء تا سنہ ۱۸۷۶ء

سلطان عبدالعزیز خان ۱۲۷۷ھ تا ۱۲۹۳ھ
عہد خلافت ۱۵ سال ساڑھے سات ماہ

سلطان عبدالمجید خان کی وفات حسرت آیات کے بعد اس کا بھائی سلطان عبدالعزیز خان تختِ خلافت پر جلوہ افروز ہوا ؛

یہ اپنے بھائی سے بھی زیادہ یورپ کا مقلد تھا چونکہ اس کا وزیر علی پاشا بھی انگریزی تعلیم یافتہ تھا، اس لئے بالکل یورپین لباس اور یورپ کے طرز معاشرت کی تقلید اس کے عہد میں جاری ہوئی ؛

سلاطین یورپ سے اس سلطان نے اسقدر ربط وضبط بڑھایا کہ ۱۸۶۷ء میں دارالسلطنت فرانس کے خوبصورت شہر پیرس میں بطور مہمان شاہی دعوت میں شامل ہوا، فرانس کی سیر وسیاحت کے بعد لنڈن میں ملکہ وکٹوریہ سے ملاقات کی، اور وہاں کی شاہی دعوتوں میں شمولیت کی ؛

۱۸۶۹ء میں شاہ ایڈورڈ اور اُن کی لیڈی صاحبہ جوان دنوں پرنس آف ویلز اور پرنسس آف ویلز یعنی ولی عہد اور ولی عہد کی بیگم قسطنطنیہ میں سلطان عبدالعزیز کے ہاں مہمان ہوئے اور سب نے ایک میز پر کھانا تناول فرمایا ؛

پھر ایمپرس جوزف یعنی شاہ اسٹریا بھی سلطان کے ہاں مہمان ہوئے، اور ان کو اپنے ہی محل میں جگہ دی، دن رات کھانے پینے کی باہم صحبت رہی، غرضیکہ اس سلطان نے اہل یورپ کو اپنی سلطنت میں ہر طرح کا اقتدار بخشا، اور یورپ کی تقلید میں منہمک رہا ؛

لیکن ساتھ ہی اس کے اس سلطان ذیشان کو مذہب اسلام کا بھی پاس تھا، دیارِ روم میں جس قدر اہل عرب تھے، سب کو رہا کر دیا، اپنی فوجی طاقت مضبوط کی، جدید آلات جنگ مہیا کئے، تار برقی، برقی روشنی، وغیرہ سے شہر کو آراستہ کیا ؛

سلطنت کا نہایت عمدہ انتظام کیا، عہدہ دارانِ سلطنت کے نام رحم و انصاف کے احکام جاری کئے، مصر و اسکندریہ میں خود جا کر امورات ملکی و انتظام سلطنت کو جانچا

سابق سلطان روم عبد المجید خان کی جتنی کنیزیں تھیں، ان کو بعد انقضائے ایام عدّت حسب خواہش نکاح ثانی کرنے کی اجازت دی ؛

اور خود سوائے ایک منکوحہ بیگم کے کسی دوسری عورت سے شادی نہ کی۔

غرضیکہ یہ سلطان عبد العزیز خان اگرچہ نئی روشنی کا دلدادہ تھا، تو ساتھ ہی مذہب اسلام کا پابند بھی تھا ؛

لیکن ملکی شورش سے ایسا ہر دلعزیز، دیندار اور متقی سلطان بھی نہ بچ سکا، چنانچہ اس کے آخری عہدِ سلطنت میں روس، اور دیگر دول یورپ کی سازشوں اور فتنہ انگیزیوں سے ایسے ہنگامے برپا ہو گئے، کہ ارکین سلطنت روم نے ۷ جمادی الاوّل ۱۲۹۳ھ مطابق ۱۸۷۶ء میں سلطان عبد العزیز کو تخت خلافت سے معزول کر دیا ؛

سنہ ۱۲۹۳ھ تا سنہ ۱۲۹۳ھ

مطابق

سنہ ۱۸۷۶ء تا سنہ ۱۸۷۶ء

سلطان مراد خان خامس
عہد خلافت چند ماہ

سلطان ذیشان عبد العزیز خان کی بجائے مراد خان خامس کو تخت خلافت پر متمکن کیا گیا، لیکن جب ملکی شورش کو سلطان عبد العزیز خان جیسا بیدار مغز روشن دماغ سلطان فرو نہ کر سکا تو مراد خان

(جو اپنی دماغی خرابیوں اور کمزوریوں کے باعث ناتواں تھا) ملکی بغاوت کا کیا انتظام کرتا، اس لئے اس سلطان کو بھی اراکین سلطنت نے چند ماہ کے اندر تخت سے اُتار دیا ؎

سنہ ۱۲۹۳ھ تا سنہ ۱۳۲۶ھ

مطابق

سنہ ۱۸۷۶ء تا سنہ ۱۹۰۹ء

سلطان عبد الحمید خان
سنہ ۱۲۹۳ھ تا سنہ ۱۳۲۶ھ
عہد سلطنت ۳۳ سال

سلطان مراد خان خامس کی معزولی کے بعد سلطان عبد الحمید خان کو تخت خلافت تفویض کیا گیا ؎

یہ سلطان ذیشان اگرچہ بڑا مدبر اور روشن دماغ تھا، لیکن اس کا عہد سلطنت دولت عثمانیہ کیلئے نہایت خطرناک ثابت ہوا، وہ اس لئے، کہ یورپ کے عالمگیر انقلاب نے بہ لحاظ قرابت سلطنت عثمانیہ کو ایک طرح سے بالکل ہٹا دیا ؎

چنانچہ سلطان عبد الحمید خان کے عہد سلطنت کے دوسرے ہی سال یعنے سنہ ۱۸۷۷ء میں زار روس نے سلطنت عثمانیہ سے جنگ چھیڑ دی، لیکن اس ہولناک جنگ میں باوجود قدیم دوستانہ کے نہ تو فرانس نے ٹرکی کی مدد کی اور نہ برطانیہ نے ؎

آخر جب ٹرکی کو شکست ہوئی، اور اُس کے دشمن روس کی طاقت بڑھ گئی، تب انگریزی سلطنت نے ہاتھ پاؤں ہلائے، اور اُس کے مقابلہ پر آمادہ ہو گئے اس جنگ کے بعد عہد نامۂ سین ٹیفانو کی شرائط صلح نے تمام یورپ میں لرزہ ڈال دیا، اور اخبارات نے حقارت آمیز مضامین کا ایسا طوفان برپا کیا، کہ کوئی وزارت ایک لمحہ کیلئے بھی نہیں ٹھہر سکی ؎

خفیہ معاہدہ

اس مجلس مشاورت کے جمع ہونے سے ایک ماہ پہلے برطانوی وزیر اعظم نے سلطان عبدالحمید خاں سے بذریعہ ایک خفیہ عہدنامہ کے جزیرہ قبرس اس صلہ میں لے لیا، کہ وہ ہمیشہ عثمانی سلطنت کے اقتدار کی عزت کرینگے اور اس مجلس مشاورت میں جو برلن میں منعقد ہوگی، ترکی حکومت کی تائید کرینگے اس خفیہ عہدنامہ کے ٹھیک ایک ماہ بعد برلن میں مجلس مشاورت بیٹھی، اور شروع میں یہ تجویز ہوئی، کہ ہر سفیر کو ایک ابتدائی اقرارنامہ اس بات کا کرنا چاہیئے، کہ اسکی حکومت متنازعہ فیہ مسئلہ کے متعلق ہر قسم کے پوشیدہ معاہدہ سے آزاد ہے، اس بات کو سنکر ڈسریلی اور سالبری سفیروں کی سٹی گم ہوگئی، اور وہ اس سے انکار نہ کرسکے، بلکہ دوسرے سفیروں کی طرح ان کو بھی اس بات سے اتفاق کرنا پڑا، ابھی مجلس مشاورت کا کام ختم نہ ہوا تھا، کہ ۹ جولائی کو لندن کے اخبار گلوب نے خفیہ عہدنامہ کا بھانڈا پھوڑ دیا، بلکہ عہدنامہ کی دفعات کی اصل عبارت بھی شائع کردی،

یہ بات خیال میں بھی نہیں آسکتی تھی کہ اس وقت برلن میں استعجاب اور بدنامی ہوئی ہوگی، فرانس اور روس نے اعلان کردیا، کہ ان کی سخت توہین کی گئی اور یہ دونوں سفیر صاف اور صریح جھوٹ کے مجرم ٹھہرے ؛

ادھر ڈسریلی نے بیماری کا بہانہ کرکے بستر استراحت پر پاؤں پسار لئے اور کئی دن تک مجلس مشاورت میں نہ آیا، آخرکار بسمارک نے ڈسریلی کی مدد کی اور مفصلہ ذیل باتوں کا تصفیہ کیا جس پر فرانس اور انگلستان دونوں رضامند ہوگئے ؛

(۱) فرانس کو اجازت ہے کہ قبرس کے معاوضہ میں جیسے ہی اس کو پہلا مناسب موقعہ ملے ٹیونس پر قبضہ کرلے، انگریز اس کی کوئی مخالفت نہ کریں گے ؛

(۲) انگریز شام میں فرانس کے خاص حقوق تسلیم کرتے ہیں ؛

(۳) مصر کے مالی انتظام میں فرانس کو بھی انگریزوں کے برابر حق ہوگا ؛

مسٹر بلنٹ (جو آزادیٔ اقوام کے ایک سرگرم حامی ہیں) کا مقولہ ہے" کہ وُہ تمام جرائم جن کا ارتکاب شمالی افریقہ اور مشرقی آزادی سلب کرنے کے لئے کیا گیا ہے، اور جن کو ہماری نسلوں نے دیکھا ہے، ان میں آدھے بالواسطہ یا بلاواسطہ قبرس کی سازش سے تعلق رکھتے ہیں" ؛

غرضیکہ قلم کی ایک ہی جنبش سے انگلستان نے اپنے حلیف سلطان روم کے دو نہایت زرخیز صوبے فرانس کے سپرد کر دیئے ؛

۱۸۸۲ء میں سلطنت برطانیہ نے مصر پر قبضہ کر لیا، حالانکہ مصر کا صوبہ صدیوں سے ترکی حکومت کا جزوِ اعظم تھا ؛

مصر و زاغلول پاشا

اس پر انگریزوں نے جس طرح قبضہ کیا وُہ ایک ہولناک جرم ہے جو انگریزی تاریخ کے صفحات پر ہمیشہ نہ مٹنے والا داغ رہے گا ؛

مسٹر لوئیس ایلٹن جو معاملات خارجہ میں ایک مستند مدبر مانے جاتے ہیں، ان کا مقولہ ہے، کہ" انگلستان بلاشبہ زیادتی پر تھا ؛

اس سے کون انکار کریگا، کہ حکومت مصر نے اپنے جائز حقوق کے اندر اسکندریہ کی حفاظت کیلئے اپنے قلعے تعمیر کئے تھے" ؛

قبل اس کے کہ مصریوں کی طرف سے کچھ زیادتی ہو، انگریزی جنگی جہاز مصر کیلئے سمندر میں لنگر انداز ہو گئے، اور مصری حکومت کو الٹی میٹم دیا گیا ؛

یہ وُہ زمانہ تھا، جب شیر دل زاغلول پاشا ایڈووکیٹ تھے، اس کے بعد مجلس قوانین کے پریذیڈنٹ منتخب ہوئے، اسی وقت سے انکی قیمتی زندگی کا مبارک دَور شروع ہوتا ہے، اگر وُہ اس وقت میدان جنگ میں ہوتے تو ہمارا خیال ہے، کہ مصر کو انگریز آسانی سے نہ لے سکتے، افسوس ہے، کہ یہاں ہم زاغلول پاشا کی سوانح حیات و دیگر حالات لکھنے سے مجبور ہیں ؛

البتہ اگلے صفحات پر جدید ترکی اور ترکانِ احرار کے عنوان کے تحت زاغلول پاشا کی بیش بہا قومی خدمات ہدیہ ناظرین کرینگے ؛

غرضیکہ انگریزوں نے حکومت مصر کو الٹی میٹم دیتے ہی جنگ شروع کردی اسکندریہ میں یورپینوں کا قتل نہ صرف انگریزی جہازات کی آمد اور اعلان جنگ کے بعد ہوا، بلکہ یہی دونوں باتیں اس قتل کا باعث ہوئیں ؛

اس بہانہ ساز جنگ کے متعلق جب دار العلوم میں مسٹر گلیڈ سٹون سے سوال کیا گیا "کہ اعلانِ جنگ کس کو دینا چاہیئے تھا، سلطان کو یا خدیو کو یا عربی پاشا کو" تو انہوں نے جواب دیا "کوئی جنگ تو ہے نہیں اسکندریہ کی گولہ باری ایک حفاظتی تدبیر ہے اور انگریزی جہازات کا یہ فعل صرف مدافعانہ ہے، نہ کہ اعلانِ جنگ ؛

لیکن یہ کس قدر افسوسناک بات ہے، کہ اس مدافعانہ فعل کی بدولت نہ صرف ایک قدیم شہر تباہ و برباد ہوا بلکہ اس کے بعد ہی مصر پر حملہ شروع ہوا، سوڈان پر چڑھائی کی گئی، اور چالیس ہزار دلیر انسان جو اپنی آزادی کے لئے کوشاں تھے شہنشاہیت کی قربانگاہ پر بھینٹ دیئے گئے ؛

مگر مسٹر گلینڈسٹون کی ایمانداری اور راستبازی پر اس ہولناک واقعہ کا کچھ اثر نہ پڑا، البتہ جان براٹ نے جو اس کی وزارت کا ایک ممبر تھا، علی الاعلان کہدیا، کہ انگلستان نے قانون بین الاقوام اور معاہدات دونوں کی خلاف ورزی کی ہے، اس فعل سے عوام کا اعتبار کھو دیا ہے، اور اقرار ناموں کو توڑ ڈالا ہے ؛

پھر ان ضمانتوں اور وعدوں کی بابت جو برطانوی حکومت نے وقتاً فوقتاً مصر کو جلد سے جلد خالی کرنے کی بابت کئے ہیں جس قدر مبہم کہا جائے، بہتر ہے ؛

ایک دفعہ دار العلوم میں تقریر کرتے ہوئے گلیڈسٹون نے کہا "کہ بلا شبہ دنیا کی تمام چیزوں میں مصر کا غیر معین قبضہ ایک ایسی چیز ہے، جس کے کرنے پر ہم

تیار نہیں ہیں، یہ ہز مجسٹی کی حکومت کے تمام اصولوں اور ان وعدوں کیخلاف ہو گا، جو ہم نے یورپ سے کئے ہیں ؛

پھر اس کے دو برس کے بعد لارڈ گرینویل نے مصری مراسلت نمبر ۲۲ بی ۱۳ محررہ ۱۹ جون میں یہ فقرہ تحریر کیا، کہ ہز مجسٹی کی حکومت نے یہ تصفیہ کر لیا ہے کہ افواج ۱۸۸۸ء کے شروع میں واپس کر لی جائیں ؛

افسوس کہ باوجود اس قسم کے بہت سے وعدوں اور ضمانتوں کے مصر کا غیر معیّن قبضہ برابر جاری رہا، بلکہ یہاں تک کہ گذشتہ جنگ میں الحاق کا بہانہ ڈھونڈ کر مصر کو شہنشاہیت میں ہضم کر لیا گیا ؛

ہمیں نہایت رنج سے کہنا پڑتا ہے، کہ کسی قوم کے شاہنشاہانہ برتاؤ کی تاریخ میں یقیناً ایسے صاف اور صریح وعدے اور ضمانتیں جو بعد میں اس طریقے سے توڑے جائیں نہ ملیں گے ؛

روم کی تباہی کے الم ناک واقعات بہت طول ہیں، جن کو ہم نہایت اختصار کے ساتھ معرض تحریر میں لائے ہیں، اتنی ہی تباہی کیا کم تھی، کہ ۱۸۹۷ء میں یونان نے بھی حرص آز نکالے، لیکن سوختہ دل ٹرکی نے اب تخت یا تختہ کی ٹھان لی تھی، ترکی تلواریں بجلی کی طرح اس نئے غنیم پر چمکیں، اسلامی فوج کی یہ حالت تھی، کہ گویا وہ ہر چیز کو جو ان کے سامنے آئے گی بہالے جائیگی، اور قریب تھا، کہ بہادر ترک یونانی دارالسلطنت کو بھی لے لیتے لیکن ان کی فاتحانہ رفتار کو دول یورپ نے بہ سرکردگی، انگلستان روک دیا نتیجہ یہ ہوا، کہ تھسلی یونان کو واپس دیا گیا، اور جزیرہ کریٹ کے انتظام کے لئے ایک یونانی گورنر مقرر کیا گیا ؛

یہ انصاف تھا، جو فاتح ترکوں کے ساتھ کیا گیا، کیا اس وقت برطانوی

وزیر اعظم نے جنگ بلقان کے متعلق یہ اعلان نہیں کیا، کہ فاتح کو اس کی مفتوحات کے ثمرہ سے محروم نہیں کرنا چاہیئے ؛

ینگ چری فوج اب وہ فوج نہ رہی تھی یورپ کی تقلید نے اُن کو بدل دیا تھا، اُنہوں نے انگریزی، جرمنی، فرانسیسی تمدّن قبول کرنے سے ملکی خدمت کو اپنا طغرائے امتیاز قرار دے لیا تھا، ان میں فتحی بے، شکری بے، نیازی بے، انور بے، مصطفٰے کمال، غازی محمود شوکت، طلعت پاشا وغیرہ[1] جیسے مقتدر افراد پیدا ہو گئے تھے ؛

ینگ ٹرکش پارٹی ۱۹۰۴ء

جب ان حریت نواز خادمان ملک نے اپنے ملک کو خطرات میں دیکھا، تو طلعت پاشاہ نے ۱۹۰۴ء میں ینگ ٹرکش ایسوسی ایشن کے نام سے ایک انجمن کی بنیاد ڈالی، جس کا صدر دفتر پہلے تو پیرس میں مقرر ہوا مگر بعد میں سالونیکا میں منتقل کر دیا گیا، ان پرستاران حریت نے فیصلہ کر لیا کہ جس طرح ہو سکے اپنے اثر کو فوج میں پھیلایا جاوے، چنانچہ یہ مخلص خادمان ملّت اپنے ارادے میں کامیاب ہو گئے یعنی ایک ہزار فوجی افسر ان انجمن میں داخل ہو گئے، اور جس کا سب سے پہلا اثر مقدونیہ میں ظاہر ہوا ؛

اس بغاوت کے فرد کرنے سے سلطان عبد الحمید نے عزیز بے کو روانہ کیا، اگرچہ عزیز بے نے چند باغیوں کو گرفتار کر لیا، لیکن شورش کو مٹانے میں کامیاب نہ ہوئے ؛

۱۹۰۴ء کا عالمگیر انقلاب بہت مدّت تک یاد رہے گا، اسی سن میں ٹرکی کے بعض اضلاع میں یکایک بغاوت کا تلاطم خیز طوفان اٹھا، باغیوں نے مقدونیہ پر اپنا اقتدار پیدا کر کے ایڈریانوپل و مناستر کو اپنا مرکز قرار دیا ؛

---

[1] ان مقتدر ترکان احرار کے ملکی کارنامے آئندہ صفحات پر ملاحظہ فرمائیں ۱۲ ؛

ادھر اس بغاوت سے فائدہ اُٹھانے کے لئے بلغاریہ نے ترکی کے مشہور شہرہ زانوہ اور دائرہ میں لشکر فراہم کرکے ایڈریانوپل پر حملہ کرنے کی تیاریاں شروع کردیں، اس خوفناک ہلچل سے اہل شہر اور حکومت میں سخت اضطراب ہوا

حکومت دستوری کے لئے جد و جہد

ادھر تو سلطنت عثمانی اس مصیبت میں پھنسی ہوئی تھی، اُدھر ترکان احرار کی انجمن اتحاد و ترقی میں یہ تجویز پاس ہو چکی تھی کہ سلطان عبدالحمید خان ملک میں دستوری حکومت کا قیام منظور کریں، تاکہ دیگر ممالک کی طرح ترکی بھی شخصی ظلم و استبداد سے نجات حاصل کرے، لیکن یہ کام جس قدر مفید تھا، اسی قدر اہم بھی تھا، سلطانی جاسوس انقلاب پسندوں کی تلاش میں سرگرم تھے، اور ترکان احرار بھی اس اندیشہ سے بے فکر نہ تھے ؛

چنانچہ سلطان عبدالحمید نے مقدونیہ کے اعلیٰ افسروں کے نام احکام جاری کئے کہ تمام مشتبہ لوگوں کو گرفتار کرکے آستانہ بھیجا جائے، اور جنرل شمسی پاشا کو سپہ سالار بنا کر مناستر بھیجا گیا، تاکہ وہ باغیوں کی سرکوبی کرے ؛

لیکن انجمن اتحاد ترقی کا اثر ایسا نہ تھا، جو زائل ہو جاتا، چنانچہ شمسی پاشا نے مناستر پہنچتے ہی سلطان عبدالحمید کو اس مضمون کا عریضہ لکھا، "باغیوں کے متعلق کسی قسم کی اطلاع کا پہنچانا بہت مشکل ہے، ملک میں بغاوت کا اثر مکمل ہو چکا ہے، تمام باشندے انجمن اتحاد ترقی کے ہواخواہ ہیں ؛

ادھر انور بے مناستر میں قیام پذیر تھے، جو دستوری حکومت قائم کرنے والوں حریت نواز ترکان احرار کی صف اول میں تھے، جب انور پاشا کو شمسی پاشا کے آنے کی خبر ہوئی تو، ۷ جولائی ۱۹۰۸ء کو شمسی پاشا سے ملکر انور پاشا نے صاف لفظوں میں کہدیا، کہ اگر تم مناستر سے ایک منزل بھی آگے بڑھے، تو تمہاری زندگی کا خاتمہ کردیا جائیگا، چنانچہ ایسا ہی ہوا، شمسی پاشا دوسرے ہی روز قتل

کر دیئے گئے ؛

سلطان عبدالحمید کو جب یہ حال معلوم ہوا، تو انہوں نے شمسی پاشا کی جگہ عثمان پاشا کو مامور کر کے روانہ کیا، اور انور بے کو پھانسنے کے لئے، ایک بڑے عہدہ کا لالچ دیکر شاہی دعوت میں قسطنطنیہ بلایا گیا، لیکن انور بے بڑے ہوشیار تھے، وہ سمجھ گئے، کہ کچھ دال میں کالا ہے، اس لئے انہوں نے اس سلطانی دعوت کو قبول نہ کیا ؛

ان حالات نے سلطان عبدالحمید کو سخت برگشتہ کر دیا، اور وہ اپنی کھوئی ہوئی طاقت کو دوبارہ حاصل کرنے اور ترکان احرار کی بغاوت کو فرو کرنے کیلئے سختی پر کاربند ہو گئے ؛

ادھر انقلاب پرستوں کا بھی زور تھا، مقدونیہ و مناستر کا سب پہاڑی علاقہ ترکان احرار کے قبضہ میں تھا، انہوں نے فوراً ایک جلسہ میں یہ بات طے کر لی کہ جس طرح بھی ہو سکے سلطان عبدالحمید خاں کو تخت سے معزول کر دینا چاہیئے چنانچہ ترکان احرار نے ہر طرف سے فوجی جمعیت جمع کی، اس انقلاب کے دو مشہور لیڈر انور پاشا اور حقی بے برلن اور وائنا سے عین وقت پر سالونیکا پہنچ گئے ؛

وہاں سے انور بے نے ایک برقی پیغام تمام فوجی مرکزوں سے ایک ہی وقت میں سلطان عبدالحمید کی خدمت میں بھجوا دیا، جس میں دستوری حکومت کے قیام کا مطالبہ کیا گیا تھا، یہ پیغام ایک قسم کا الٹی میٹم تھا ؛

اس پیغام کے بعد نیازی بے مناستر سے اپنی فوج لے کر سالونیکا کو بڑھے اور سالونیکا سے انور بے، حقی بے، وغیرہ کے ساتھ شوکت پاشا نے تمام لشکر کا سپہ سالار مقرر ہو کر دارالسلطنت عثمانی یعنی قسطنطنیہ کی طرف رخ کیا ؛

غرضیکہ ترکان احرار کے اس لشکر جانباز نے ۲۲ اپریل ۱۹۰۹ء کو خشکی کی جانب سے نیم دائرہ کی شکل میں قسطنطنیہ کا محاصرہ کر لیا، اور جنگی جہازوں نے تمام بحری گھاٹ اور ناکے روک لئے۔

سلطانی محل کے محافظ دستہ نے اس لشکر جرار کا مقابلہ کرنا چاہا، مگر تین گھنٹہ کی معمولی گولا باری کے بعد دشمنوں نے سفید جھنڈا بلند کر کے ہتھیار رکھدیئے اس کارروائی کا نتیجہ یہ ہوا، کہ سلطان عبدالحمید خان[1] ۳۳ سال کی باہیبت سلطنت کرنے کے بعد تخت سے معزول کئے گئے، اور ترکان احرار کے سپہ سالار محمود شوکت پاشا نے ۲۸ اپریل ۱۹۰۹ء میں سلطان محمد خامس کو تاجپوشی کی کی مبارکباد دی۔

سنہ ۱۳۲۶ھ تا سنہ ۱۳۴۴ھ

مطابق

سنہ ۱۹۰۹ء تا سنہ ۱۹۲۶ء

سلطان محمد خامس سلطان روم و ترکان احرار سنہ ۱۳۲۶ھ تا سنہ ۱۳۴۷ھ

ترکان احرار نے سلطان عبدالحمید خان کو معزول کر کے اُن کے بھائی محمد ارشاد آفندی کو تخت خلافت پر متمکن کیا، جو محمد خامس کے لقب سے اس وقت یعنی سنہ ۱۹۲۶ء تک سریر آرائے سلطنت ہیں۔

اس بالغ النظر سلطان نے ترکان احرار کا ساتھ دیا، لیکن آپس کی پھوٹ نے اس سلطان کے عہد میں سلطنت عثمانی کی رہی سہی عظمت کا بھی خاتمہ کر دیا وہ تمام واقعات سنہ ۱۹۰۹ء سے سنہ ۱۹۲۶ء تک ان سترہ سالوں میں ترکی اور یورپ میں جو کہ رونما ہوئے، وہ سب حالات عنوان ترکان احرار کے تحت

[1] جواب تک یعنی ۱۹۲۶ء تک وینس میں سکونت پذیر ہیں اور ماسی معزول خلیفہ کے گھرانے کی دو شہزادیاں شہزادگان دکن سے منسوب ہوئی ہیں ۱۲ (ش ق)

لکھدیئے گئے ہیں، اس لئے یہاں پر اس کا اعادہ لاحاصل ہے، لیکن اس انقلاب میں یورپ نے دولت عثمانیہ کو بالکل فنا کردیا ہے ‌‌
چنانچہ اٹلی نے طرابلس العرب پر بے سبب اور بغیر پوچھے قبضہ کرلیا، سب شاہان یورپ نے اٹلی کی ہی تاکید کی، مظلوم ٹرکی کو کسی نے بھی نہ پوچھا ؛
حالانکہ انگلستان غالباً اپنے قبضہ مصر کی وجہ سے ۱۸۸۰ء میں اٹلی کے الحاق طرابلس کو منظور کرچکا تھا، مگر جب اٹلی نے بے سمجھے بوجھے سلطان روم کے اس افریقی صوبہ پر چڑھائی کردی، تو ہماری سرکار دولت مدار نے نہ صرف اٹلی کے اس جرم سے چشم پوشی کی، بلکہ اس کی مدد کی، جیسے کہ فورٹ نائٹلی ریویو مارچ ۱۹۱۲ء نے اقرار کیا ہے" کہ برطانوی محکمہ خارجہ خود اس سازش میں شریک تھا" چنانچہ لکھا ہے "اس میں بہت کم شک کی گنجائش ہے، کہ کچھ نہ کچھ سمجھوتہ ہوچکا تھا، اغلب معلوم ہوتا ہے، کہ انگلستان اس بات پر راضی ہوگیا تھا، کہ وہ ترکی فوجوں کو مصر سے نہ گزرنے دیگا، اور جہاں تک ممکن ہوگا، آلات حرب اور دیگر سامان جنگ کو بھی اس راستہ سے نہ گذرنے دیگا، معلوم ہوتا ہے، کہ انگلستان نے یہ بھی ذمہ داری لی تھی، کہ وہ مصر کو بالکل غیر طرفدار رکھے گا، اور باب عالی کو اپنے ماتحت مصر سے کوئی امداد نہ لینے دیگا ؛
ہنگامہ [illegible] شروع ہونے کے ساتھ ہی لارڈ کچنر کا مصر بھیجا جانا محض حسن اتفاق سے تعبیر نہیں کیا جاسکتا، وہ اس لئے کہ قاہرہ میں لارڈ کچنر کا ایک حکم تو یہ تھا، کہ وہ کسی عثمانی فوج کو مصر سے نہ گذرنے دیں اور دوسرے طرابلس کے مسلمانوں کو کسی قسم کی مدد نہ پہنچائیں، لارڈ کچنر نے اس خیال سے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ترکی فوجیں طرابلس جاتے ہوئے وادی نیل سے گذرنے کا مطالبہ کریں، اس خطرہ کا مقابلہ کرنے کے لئے نہر سویز کے مشرقی جانب

ریگستان میں برابر قلعوں کا ایک سلسلہ قائم کر دیا ؛

اس بات سے کون انکار کر سکتا ہے، کہ اگر ترکی فوجوں کو مصر سے ہو کر راستہ مل گیا ہوتا، تو آج طرابلس اٹلی کا ہرگز صوبہ نہ ہوتا ؛

یہ یقین کیا جاتا ہے، کہ سر ایڈورڈ گرے نے یہ بالواسطہ مگر موثر مدد اٹلی کو اس مفاہمت پر مدد دی تھی، کہ اگر یورپ میں کوئی باہمی کشمکش ہو تو اٹلی کا طرز عمل انگریزوں کے ساتھ دوستانہ رہیگا، واقعات مابعد سے اس قیاس کی تصدیق ہوتی ہے ؛

غرضیکہ برطانیہ اعظم کی گذشتہ تاریخ کے سرسری مطالعہ کرنے سے یہ بات ہر ایک تعلیم یافتہ شخص کو معلوم ہو سکتی ہے، کہ انیسویں صدی عیسوی کے دوران میں ترکوں کو جو کچھ نقصان پہنچا ہے، وہ بلاواسطہ انگلستان ہی کے ذریعہ پہنچا ہے، موجودہ زمانہ پر نظر ڈالتے ہوئے بھی یہی معلوم ہوگا، وہ ذلت آمیز عہدنامہ جو انگلستان اور ایران میں ہوا تھا، اس کی ابتدا انگلستان ہی کی طرف سے ہوئی تھی، اور یہ بھی ظاہر ہے، کہ انگلستان ہی مصر پر قابض ہے، عراق و عرب اور فلسطین پر بھی انگلستان ہی کا قبضہ ہے، آذربائجان کی جمہوری سلطنت کو اپنے زیر حفاظت لانا انگلستان کی ہی دیرینہ تمنا ہے ؛

قسطنطنیہ میں بھی انگریزوں کا دخل ہے، وہ انگلستان ہی تھا، جس نے شریف حسین .... کو خلیفہ وقت کے خلاف بغاوت کرنے کے لئے رشوت دیکر ابھارا، ان سب باتوں پر غور کرتے ہوئے، اگر مسلمان اپنی بدقسمتی کو انگلستان کی طرف محمول کریں، تو کوئی تعجب نہیں ؛

جنگ یورپ

۱۹۰۸ء کے انقلاب کے بعد ترکوں نے اپنے پرانے حلیف اور دوست انگلستان سے کیا کیا توقعات قائم کی تھیں، اور انگلستان نے نوجوان ترکوں سے کیا برتاؤ کیا ؟

یہ ایسی غم انگیز اور اس قدر تازہ داستان ہے، جو ایک ہزار صفحہ پر بھی ختم نہ ہوگی انگلستان نے صرف یہ ہی نہیں کیا، کہ ترکوں کی پاک خواہشوں سے بے پروائی برتی، بلکہ اُنھوں نے جو دوستی کا ہاتھ بڑھایا تھا، اس کے پکڑنے سے بھی انکار کردیا، نوجوان ترکوں کی جماعت کو حالات و واقعات سے تنگ آکر جب انگلستان کی طرف سے مایوسی ہوگئی، تو مجبوراً اپنا ہاتھ جرمنی کی طرف بڑھایا گیا، اور جرمنی نے نہایت خوشی اور مسرت سے دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کیا ؛

قسطنطنیہ میں اس وقت کے انگریزی سفیر کی ناقابلیت طرابلس اور بلقان کی جنگ، برطانوی محکمۂ خارجہ کا طرز عمل ترکی اور دوسری اسلامی سلطنتوں مراکو اور ایران کے ساتھ جرمن سفیر متعینہ باب عالی کی کامیاب ڈپلومیسی، ولیم قیصر جرمنی کی دوستانہ پالیسی جو اِس نے اپنے دادا کی تقلید میں اختیار کی تھی انگریزی حکومت پر روس کا عجیب و غریب اثر ؛

یہ سب ایسی باتیں ہیں، کہ ترکی پر جرمنی کی شرکت جنگ کا الزام لگاتے ہوئے نظر انداز نہیں کی جاسکتیں ؛

معاملات کی یہ حالت تھی، کہ عظیم الشان جنگ یورپ میں شروع ہوئی، ہندوستان کے مسلمانوں کی دلی خواہش یہ تھی، کہ ترک اس جنگ سے کوئی تعلق نہ رکھیں اُنکا یہ بجا خیال تھا، اگر کہیں ترک اس جنگ میں شریک ہوگئے، تو اُنکی حالت بہت نازک ہو جائے گی، اس پر ایک تار جو محکمۂ خارجہ ہند نے مسلمانانِ ہند کے اس وقت کے لیڈر محمد علی کی معرفت خلیفۃ المسلمین کے ایک وزیر کے نام بھجوایا تھا، جس میں ان سے التجا کی گئی، کہ ترک اس عظیم الشان جنگ میں غیر جانب دار رہیں، لیکن افسوس ترکوں نے نہ مانا، اس کی وجہ یہ تھی، کہ باب عالی سے برطانیہ کا اخلاقی اثر رخصت ہو چکا تھا ؛

کیونکہ سر ایڈورڈ گرے اپنے طرزِ عمل سے یہ دکھلا چکے تھے کہ ان کو ترکوں کی امیدوں اور تمناؤں سے کوئی ہمدردی نہیں ہے ؛

برطانیہ نے طرابلس اور بلقان کی جنگ میں جو طرزِ عمل اختیار کیا تھا، وہ ترکوں کو اچھی طرح یاد تھا، لڑائی کے پہلے انگریزوں نے عدن کے عرب باغیوں کو جو امداد دی تھی، اس سے ہر ترک خواہ جنرل ہو یا مدبر اچھی طرح جانتا تھا، اور ترک اس سے نہایت خوش تھے، مسٹر ایسکوئتھ کا اعلان جو تعصب میں ڈوبا ہوا تھا، مسلمانوں کے دماغوں میں ابھی تازہ تھا ؛

مسٹر لائڈ جارج نے رد ی پرزہ پر اپنی مشہور تقریر میں جو انہوں نے لڑائی شروع ہونے کے وقت کی تھی، جبکہ ابھی ترک شریک جنگ بھی نہیں ہوئے تھے، حضور پر نور آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر نہایت حقارت سے کیا اور قیصر جرمنی کا آپ سے مقابلہ کیا، ایسے وزرا سے جنہوں نے مذہب اسلام کی انتہائی تحقیر کی تھی، ترک بھلا کیا امید کر سکتے تھے، بلقان کی جنگ شروع ہونے کے چند ہی ہفتے پیشتر ہز مجسٹی کی حکومت کے مشورہ اور ضمانت پر کامل پاشا نے فوج کا ایک بڑا حصہ منتشر کر دیا تھا، یہ تمام باتیں ابھی تازہ تھیں اور ابھی اس کاغذ کی سیاہی بھی خشک نہ ہوئی تھی، جس پر جنگ طرابلس اور بلقان کا معاہدہ صلح لکھا گیا تھا ؛

انگلستان پر سے ترکوں کا اعتبار اٹھ جانا یہ کوئی غیر فطرتی اور بلا سبب نہ تھا، ان کا یہ اندیشہ بالکل بجا تھا، کہ کہیں روس کا قسطنطنیہ اور باسفورس پر قبضہ کرنے کا پرانا خواب لڑائی کے بعد پورا نہ ہو جائے ؛

ترک روس کے مقابلہ میں انگلستان کی امداد پر زیادہ بھروسہ نہیں کر سکتے تھے یہ ترکوں کی قوتِ فیصلہ کی غلطی ہوئی، کہ وہ لڑائی میں شریک ہوئے، لیکن یہ کہنا

کہ ٹرکی کا جرمنی کی شرکت کرنا بالکل بے سبب تھا، اس بات کو ظاہر کرتا ہے، کہ ایسی رائے رکھنے والا اس زمانہ کے واقعات سے قطعی لاعلم ہے ؛

ترکوں کو یہ اندیشہ کم نہیں ہو سکتا تھا، جبکہ حالت اس درجہ تک پہنچ گئی تھی، برطانیہ نے ان کے دو بڑے جہازوں کو ضبط کر لیا تھا، اور یہ جہاز بھی یونانی بیڑے کے مقابل ترکوں کے لیے پشت پناہ تھی ؛

ہمیں یقین ہے، کہ انگریزوں کے اس فعل نے ترکوں کے فیصلہ پر بہت اثر ڈالا، ان کے جہازات کا لے لینا کیا زیادتی نہ تھی ؟

پھر یہ بات غور طلب ہے، کیا اتحادیوں نے بشمول روس ترکوں کو کوئی اطمینان دلایا تھا، کہ ان کے مقبوضات برقرار رکھے جائیں گے ؛

گو وزیر اعظم برطانیہ نے یہ کہا ہے، کہ ترکوں کے شریک جنگ ہونے سے پہلے بھی اتحادیوں میں ترکی کے متعلق کوئی معاہدہ نہیں ہوا تھا لیکن اس سے ہماری بحث کا تصفیہ نہیں ہوتا، بلکہ ہم اپنی بحث کی تائید میں مسٹر ہیرلڈ کاکس کا جو انگریزی سیاست کے ماہرین میں ایک نمایاں حیثیت رکھتے ہیں ایک مضمون پیش کرتے ہیں، جو انہوں نے ایڈنبرا ریویو میں تحریر کیا ہے انہوں نے لکھا ہے " کہ ترکی حکومت نے اتحادیوں سے ضمانت چاہی لیکن روسی حکومت نے کسی ضمانت کے دینے سے انکار کر دیا، اور یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ ترکی حکومت کو روس کا بہت خوف تھا " ؛

اس رپورٹ کے مطالعہ سے بھی (جس کو امریکہ کے سابق پیرس مسٹر ای سنپر بیانات نے ۱۹۱۷ء میں امریکہ کے سکرٹری آف اسٹیٹ کو دیئے تھے) یہ بات ثابت ہوتی ہے، کہ اتحادیوں کے خلاف ترکی کی شرکت جنگ کی ذمہ داری ٹرکی سے زیادہ اتحادیوں پر عائد ہوتی ہے، جب ترکی ایک دفعہ جنگ میں شریک ہو گئی

تو یکایک بحر اسود کے دروازوں کا اپنے ایک پُرانے مددگار پر بند کر دینا کوئی جرم نہیں ہے، اور اس کو اس بنا پر سزا نہیں دی جا سکتی اگرچہ اس کا افسوس کیا جاتا ہے، کہ اتحادیوں کو بحر اسود میں جانے کا آزادانہ راستہ نہ دیا گیا؛

لیکن جب ہم ترکوں کو اس بات کی سزا دینا چاہتے ہیں، کہ کیوں اُنہوں نے آزادانہ راستہ دینے سے انکار کیا، تو ہم کو یہ ثابت کرنا چاہیئے، کہ قانون بین الاقوام یا فلاں معاہدہ کی رو سے ایسا نہیں کرنا چاہیئے تھا؛

جہاں تک ہم جانتے ہیں، کوئی ایسا معاہدہ نہیں ہے، جس کی رو سے وُہ ایسا کرنے کے لئے پابند ہوں، وزیر اعظم فرماتے ہیں "اب ترکی کو شکست ہوگئی اتحادیوں کا طرز عمل کیا ہو؟؛

اس کا سیدھا سا جواب یہ ہے، کہ اتحادی ایک خاص مقصد کے لئے شریک جنگ ہوئے تھے، اور جس کا اُنہوں نے تمام دنیا میں اعلان کیا، یہی مقصد بعد میں پریذیڈنٹ ولسن کے چودہ"۱۴" اصولوں کی شکل میں نمایاں ہوا، اس لئے سب سے بہتر یہ ہے، کہ ترکی کے مقدمہ کا فیصلہ انہی چودہ"۱۴" اصولوں کے مطابق کرنا چاہیئے؛

بیشک ترکی کو شکست ہوئی، اور اس لئے کچھ نہ کچھ اُسے شکست کا خمیازہ اُٹھانا پڑے گا، جس کی لاٹھی اُس کی بھینس یعنی طاقت ہی کا دوسرا نام استحقاق ہے، یہ ایک کلیہ ہے، کہ موجودہ تہذیب جس کے خلاف ادعا کرتی ہے، لیکن وہ باوجود اس ادعا کے بدستور اثر پذیر رہیگا، لیکن اس تیل اور کوئلہ کی تہذیب کے زمانہ میں بھی ہم اُمید کر سکتے ہیں، کہ ہمارے افعال کا فیصلہ اخلاق اور نیک نیتی کے ایک مقررہ قاعدہ کے مطابق کیا جائیگا؟

اور جب لوگ محض نیک نیتی کے بھروسہ پر کسی مقصد کے حصول کے لئے

امداد و اعانت سے دریغ نہ کریں، یہاں تک کہ ان کی مدد سے مقصد پورا ہو جائے
اس وقت وہ اور بھی زیادہ ہمدردی اور لحاظ کا استحقاق رکھتے ہیں؛

اس میں کوئی شک نہیں ہے، کہ ہندوستان کے مسلمانوں نے ہز مجسٹی کے وزراء کے اعلانات اور وعدوں پر پورا اعتماد کیا، اور اس امید میں کہ وہ وعدے جو سنجیدگی کے ساتھ کئے گئے تھے، پورے کئے جائینگے، وہ اپنے ہم مذہبوں کے ساتھ جنگ کرنے کے لئے گئے، اب کامیاب ہو جانے کے بعد ان وعدوں کی تاویلیں اور توجیہات کی جارہی ہیں؛

افسوس اس قسم کے لوگ یہ نہیں سوچتے، کہ اس قسم کے حیلہ اور حوالہ سے خود انگلستان کی عزت پر حرف آتا ہے، اور سلطنت برطانیہ کی توہین ہوتی ہے؛

ہم سے یہ کہا جاتا ہے، کہ مجلس صلح نے ترکوں کے ساتھ وہی شرائط طے کی ہیں، جو جرمنی اور آسٹریا کے ساتھ کی گئی ہیں، لیکن اسی کے ساتھ ہم شام، عراق اور فلسطین کی حکم برداری کا حال بھی سنتے ہیں اور جو کچھ بھی کہا جائے مگر جرمن اور آسٹریا کے شرائط صلح میں ہم کہیں، حکم برابر نہیں دیکھتے، آسٹریا میں مختلف صوبے آزاد کئے گئے اور اُن کو اپنے لئے حکومت کا خود انتخاب کرنے کا حق دیا گیا، برخلاف اس کے اگرچہ ٹرکی کے بھی چند صوبے آزاد کئے گئے، مگر اُن کو عیسائیوں کی حکمبرداری کے تحت رکھا گیا ہے؛

ٹرکی کے مقابلہ میں شام کی حکومت کا حق انتخاب فرانس کو، انطاکیہ کا اٹلی کو سمرنا اور تھریس کا یونان کو فلسطین اور عراق کا انگلستان کو سلیشیا اناطولیہ اور قسطنطنیہ کی حکومت کا حق انتخاب انجمن اقوام کو دیکر سلطنت عثمانی کا خاتمہ کر دیا گیا، لیکن مظلوم ترکوں نے صبر و شکر کے ساتھ یہ سب کچھ برداشت کر لیا،

اس پر بھی بلغاریہ سرویہ مانٹی نگرو اور یونان ابھار دیئے گئے، جنہوں نے یکایک حملہ کر کے جزیرہ نمائے بلقان کو بھی ترکوں کے قبضے سے نکال لیا ؛

نہ فقط ہمیں بلکہ ہر ایک مسلمان کو اِن ہولناک واقعات سے سخت افسوس ہوگا، اگرچہ خلافت کی گذشتہ تاریخ پڑھنے سے بھی یہ بات معلوم ہوچکی ہے، کہ کئی بار خلافت کیلئے بُرے دن آئے لیکن وُہ دن نہ رہے، مگر ابکی دفعہ خلافت اسقدر پامال ہوچکی ہے، کہ اب اُس کے سنبھلنے کی بظاہر کوئی اُمید نظر نہیں آتی ؛

دراصل یہ اہل یورپ اور انگریزوں کا قصور نہیں یہ جو کچھ ہو رہا ہے مسلمانوں کا اپنا کیا دھرا ہے، اگر مسلمان مسلمان ہوتے، تو ایک انگریز کیا تمام اہل یورپ ایک بال بھی بیکا نہ کر سکتے شریف مکہ نے بیت المقدس کے عیسائیوں کے ہاتھ میں جانے پر خوشیاں منائیں، اور خلافت کی بیخ کنی میں پوری کوشش کی، عراق کے عربوں نے خود ذوق و شوق سے انگریزوں کو بلایا، اور ترکوں کو پامال کیا، شام کے مسلمان غیر مذہب حملہ آوروں کے ممد و معاون بنے، ہندوستان، بلوچستان اور سرحدی صوبے کے لاکھوں مسلمان ترکوں اور خلافت کی قوت مٹانے کے لئے برٹش جھنڈے کے ساتھ میدان جنگ میں گئے اور انگریزی وزراء نے صاف اعلان کر دیا "کہ بیت المقدس اور شام کو مسلمانوں نے فتح کیا" اس فقرہ پر مسلمانوں کو اپنے گریبان میں سر ڈالنا چاہیئے ؛

سچ تو یہ ہے، کہ مسلمان اب کوئی قوم نہیں وہ نفس کے بندے ہیں اور اپنے ذاتی اغراض پر قومیت اور دین دونوں کو قربان کرچکے ہیں، وہ دین اور خلافت کو ضرر سے بچانے کیلئے اپنی زمینداریاں، اپنی تجارت اپنے گھر اپنی ذلیل دولت اور اپنی تن آسانی کو نہیں چھوڑ سکتے، قومی مصیبت نے نہ اُن کی شادیاں رکوائیں نہ اُن سے عیش و نشاط کی صحبتیں ترک کرائیں ؛

براتیں اُسی دھوم سے نکلتی ہیں، عروسی کی محفلوں میں رنڈیاں اُسی نازوانداز سے ناچتی ہیں، زچگیوں اور سالگرہوں اور دوسری تقریبوں میں ڈھولک اُسی گرمجوشی سے بجتی ہے، اور اللہ میاں کی سلامتی رتجگوں میں اُسی آن بان سے گائی جاتی ہے ؛

جب یہ حال ہے، تو کون کہہ سکتا ہے، کہ اس قوم پر کوئی مصیبت پڑی ہے ؛ غاصب شریف مکہ نے قوم کی بیخ کنی کے ناپاک ترین فعل سے حرمین شریفین کے شہر غصب کئے، امیر ابن سعود والیٔ حجاز نے اس کا استیصال کیا، تو ساتھ ہی مزارات مقدسہ کی بے حرمتی کر کے مسلمانوں کو مشتعل کر دیا[1] ؛

کس کس بات کو رویا جائے، ہمارے خیال میں تو موجودہ بادشاہ کابل امیر امان اللہ[2] ایدہ اللہ بنصرہ ہی ایک ایسے مسلمان بادشاہ ہیں، جنہوں نے محض خدا کی ذات پر بھروسہ کر کے شان اسلامی کو بٹہ نہ لگنے دیا، جن کی ذات ستودہ صفات سے آج افغانستان کی سرزمین ہر طرح کی علمی، ادبی سیاسی، مذہبی، اور تمدنی برکات سے معمور ہے، اور سلطنت افغانیہ کے شعبہ میں حیرت انگیز ترقی ہو رہی ہے ؛

افغانستان کا حال

انگریزوں نے ۱۸۳۳ء میں افغانوں کو بھی زنجیر استبداد میں ایسا جکڑ لیا تھا، کہ اس کے چھوٹنے کی کسی کو اُمید نہ تھی، لیکن یہ کسے معلوم تھا، کہ امیر عبدالرحمن خان مرحوم اور امیر شہید کے عہد سلطنت تک جو ملک اغیار کے پنجۂ آہنی میں جکڑا ہوا تھا اُسے چھڑانے کا شرف جوان بخت غازی امان اللہ خان ایدہ اللہ بنصرہ کو ہوگا ؛

چنانچہ غازی امان اللہ خان ان قابل قدر دیندار مسلمانوں میں ہیں، جنکے سینے

[1] اگلے صفحات میں امیر ابن مسعود کے مفصل حالات لکھے گئے ہیں ۱۲ ؛ [2] ہمیں افسوس ہے، کہ تاریخ اسلام طبع ہونے سے پہلے وہ بھی مغربی معاشرت کی تقلید میں اپنی سلطنت کھو بیٹھے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ؛

میں اسلام کی روشنی جلوہ گر ہے، جن کا ہر ایک فعل اسی روشنی اسلام کے ماتحت ہے اسی قوت اسلام سے اُنھوں نے ۱۹۳۰ء کی زنجیر استبداد کو تخت نشین ہوتے ہی ۱۹۱۹ء میں ایک ہی جھٹکے میں توڑ کر اپنی آبا و اجداد کی اسلامی سلطنت کو انگریزوں سے آزاد کرا لیا جس میں غازی اسلام نادر شاہ حال شاہ افغانستان شامل حال تھے،

ہمارے لئے زمانہ حال کے نظام دکن میر عثمان علی ہی اچھے جن کے سینے میں مسلمانوں کا درد ہے، اور وقتاً فوقتاً مظلوم مسلمانوں کے لئے اپنے ذاتی مصارف کو کم کر کے غریب مسلمانوں کی گراں بہا امداد کرتے رہتے ہیں، حال ہی میں مقامات مقدس کی عمارت کو از سر نو تعمیر کرانے کے لئے اس الوالعزم مگر خادم اسلام بادشاہ نے اپنی اسلامی ہمدردی کا عملی ثبوت دیا ہے ؎

ہمارے واسطے ایک چھوٹی سی ریاست کی والی علیا حضرت سلطان[1] جہان والئی ریاست بھوپال کا ہی دم غنیمت ہے، جن کے دستر خوان کے مصارف اسلامی کاموں اور قومی انجمنوں کے لئے وقف ہیں، خدا ایسے نیک دل مخیر اور درمند خادمانِ اسلام کو دیر تک سلامت رکھے، اور عقبیٰ میں ثواب دارین حاصل کریں، (آمین بحق سید المرسلین آمین) ؎

اب ہم چند ایک ضروری باتیں اور عرض کر کے اپنے اس سہ سالہ دماغی کام کو ختم کرنا چاہتے ہیں، باقی حالات یعنی جدید ترکی و ترکان احرار و امیر مسعود وغیرہ پچھلے ضمیمہ میں اگرچہ درج کر دیئے گئے ہیں، لیکن ہمارے دل میں اس بات کی حسرت رہ گئی ہے، کہ ہم تاریخ اسلام کی اس آخری جلد یعنی سلطنت عثمانیہ کو بالتفصیل مرتب نہیں کر سکے، یہ اس لئے کہ ایک تو ہم نے اس تاریخ میں اختصار کو مد نظر رکھا ہے، ضروری واقعات کے علاوہ ایسے جنگی کارناموں میں گھوڑ دوڑانے اور بھڑانے کے حالات درج کر کے تاریخ کو جنگ نامہ بنانا نہیں

[1] افسوس ہے کہ تاریخ اسلام کی تکمیل طباعت کے قبل ہی علیا حضرت ممدوحہ بھی رحلت فرما گئیں۔ (شوقؔ)

چاہا، دوسرے حجم کا لحاظ اور اس کی قیمت کا خیال بھی مدنظر تھا، سوئم وہ واقعات جو اسلام کے منافی اور مسلمانوں کے لئے باعث ننگ ہیں چھوڑ دیئے ہیں، ایسی ہی وجوہات کے باعث ہم مجبور ہو گئے، خیر یہ چند فقرات عرض کر کے ہم آخری صفحات کو پھر خلافت اور انگلستان کیلئے وقف کرتے ہیں،

چنانچہ یہ بھی کہا جاتا ہے، کہ انگلستان نے اسلئے جنگ کی کہ جرمنی بلجیم کی غیر جانبداری کے بارے میں اپنے وعدہ پر قائم نہیں رہا ؛

لیکن یہی اصول انگلستان کی نسبت کیا نہیں استعمال کیا جا سکتا ؟ جس نے ٹرکی کے مستقبل کے بارے میں اطمینان دلایا اور وعدہ کئے ؛

ایشیا میں برطانوی قوت کو اس سے زیادہ نقصان پہنچانے والی اور کوئی بات نہیں ہو سکتی کہ انگلستان کے الفاظ سے لوگوں کا اعتماد جاتا رہے انگلستان کیلئے یہ ایک مہلک دھبہ ہے ؛

سب سے اعلیٰ اصول یہ ہے کہ لوگوں کو ہمیشہ سچائی اور راستبازی پر قائم رہنا چاہیئے، چاہے آسمان بھی گر پڑے، یہی اصول سچی عظمت کا جوہر ہے ؛

کسی قوم کی جانچ اکثر اس کے لیڈروں کے افعال اور اعمال سے کی جاتی ہے، قوم کے بڑے بڑے لوگوں کے اقوال درحقیقت اس قوم کے خیالات کا عکس ہوتے ہیں، اگر اس وقت مدبرین انگلستان کے افعال و اقوال انگریزی قوم کے خیالات کا عکس ہیں، تو انگلستان کم از کم اخلاقی حیثیت سے دنیا کی نظروں میں ذلیل ہو چکا ہے ؛

لیکن افسوس کہ قوموں کی کشمکش میں انسانیت کے اصول کا بہت کم لحاظ کیا جاتا ہے ؛

بلاشبہ اس وقت انگلستان اپنی مادی شوکت اور عظمت کے انتہائی

عروج پر پہنچ گیا ہے، اپنے خطرناک دشمن جرمنی پر فتح پاکر مدہوش ہوگیا ہے لیکن اس کے اندرونی اور بیرونی خطرے ابھی ختم نہیں ہوئے ۔

انگلستان کے مدبرین ان نمایاں خطروں سے چشم پوشی نہیں کر سکتے، اس قسم کے وسیع وسائل کا عالمانہ مطالع کرنے کے وقت ہم کو اخبارات کے روزمرہ کے اس طرز تحریر کو جس میں وہ اس معاملہ کے روشن پہلو دکھاتے ہیں، احتیاط کے ساتھ نظرانداز کر دینا چاہیئے ۔

شکست خوردہ قوموں کے ساتھ جو شرائط صلح کی گئی ہیں، اُن سے دُنیا میں پائدار امن قائم نہیں رہ سکتا، علاوہ بریں جنگ کے نتائج نے بھی دوسری اقوام میں انگلستان کے خلاف حسد پیدا کر دیا ہے، یہاں تک کہ خود انگلستان کے حلیف بھی دل میں خوش ہیں، ۔

جرمنی بدلہ لینے کیلئے دوسری جنگ کی تیاری کر رہا ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے، کہ آئیوالی عالمگیر جنگ کا میدان ایشیا ہوگا، انگلستان اس جنگ میں اس سے زیادہ مہیب طریقہ سے مبتلا ہوگا، جتنا وہ گذشتہ جنگ جرمنی میں ہوا تھا ۔

اگر ایسا ہوا، تو سوال پیدا ہوتا ہے، کیا انگلستان اپنے متعدد دشمنوں سے بے چین ہندوستان اور مخالف اسلام کو ساتھ ملا کر جنگ کریگا، اس کو ہندوستان اور اسلام کے ذرائع سے متمتع ہونے کی ضرورت ہوگی بالخصوص اس لئے کہ انگلستان کی مخالفت میں جو طاقتیں بھی متحد ہوں، دوست ٹرکی اور شکرگذار ہندوستان اس کے جواب کے لئے کافی ہوتے ۔

لیکن ترکوں کو عاجز کر دیا گیا ہے، ایرانی ابھی اپنے پاؤں پر کھڑا ہونا چاہتے ہیں، مصر، مراکش، اور طرابلس یورپ کے زیراثر ہو چکے ہیں، لیکن

اسلام ابھی ایک زندہ قوت ہے، وہ نہیں مر سکتا، اسی اسلام کے بھروسہ پر حال کے امیر افغانستان نے صاف لفظوں میں یہ کہدیا ہے "کہ کوئی مسلمان بھی کسی حالت میں اس کو نہیں برداشت کر سکتا، کہ خلافت میں کسی قسم کی بھی دست اندازی کی جائے، یا خلیفۃ المسلمین پر کسی قسم کی بھی نگرانی قائم کی جائے، اگر وہ خلافت کے متعلق افغانستان کی دوستی کا کچھ لحاظ نہیں کرتے، تو وہ سلطنت کے استحکام کو خطرے میں ڈالتے ہیں، شاہان و گدایانِ اسلام دونوں اسلام کے راستے میں اپنی جان قربان کرنے کیلئے تیار ہیں"۔

ہماری رائے میں دول یورپ یا انگلستان سے مسلمانوں کو انصاف یا اچھے سلوک کی توقع رکھنا سخت بزدلی ہے، انہیں خود اپنے پاؤں پر کھڑا ہونا چاہیئے، اور مسلمانوں کا مسلمان بننا چاہیئے۔

ضمیمہ

تُرکانِ احرار

"اس میں کچھ شک نہیں، کہ خلافت عباسیہ کے بعد ترکوں نے دنیا میں اپنی شجاعت کا سکہ بٹھا دیا، تہذیب و تمدّن میں بھی وہ کسی مہذب قوم سے پیچھے نہیں رہے سلیم ثانی کے عہدِ سلطنت سے عثمانی سلطنت کے تاجدار بنکر نہ فقط مسلمانان عالم کے واجب التعظیم خلیفہ ہی بنے بلکہ شاہان یورپ و ایشیا پر بھی مسلّطہ رہے"۔

لیکن ترکان احرار نے محض جدید تمدن سے متمتع ہوتے ہوئے اگرچہ جہاد اسلام میں اپنی جانیں وقف کردیں، حجاز و حرمین شریفین کی جاروب

کشی کی، اپنے ملک کو اغیار سے بچانے کیلئے سربکف رہے، لیکن افسوس مذہبی فرائض کے پابند نہ رہے، یہی وجہ ہے، کہ مذہب کے مقدس احکام چھوڑ دینے سے اُن کے ہاتھ سے بہت سا علاقہ چھوٹ گیا ہمیں اس وقت ترکوں کی مذہبی کمزوریاں بیان کرنا مقصود نہیں یہ چند فقرات بھی محض اس لئے معرض تحریر میں آ گئے ہیں، کہ یہ تعجب رفع ہو جائے، جو باوجود اس سرفروشانہ جدوجہد کے ایسی بڑی اسلامی سلطنت پامال ہو گئی، جس میں ایسے ایسے الوالعزم جانبازوں نے اسلام کیلئے سرفروشی کی ؛

جن کے مختصر حالات ہدیہ ناظرین کئے جاتے ہیں ؛

غازی محمود شوکت پاشا

۱۸۹۱ء میں تقریباً ۲۲ سال کی عمر میں آپ سلطنت عثمانیہ کے بریگیڈیر جنرل تھے، آپ نے جرمن سے فوجی تعلیم حاصل کی تھی، اسی لئے اپنی فوج کو جرمنی طریقہ تعلیم سے آراستہ کرنے میں مصروف ہوئے ؛

جنگ روم و یونان میں بوجہ علالت طبع آپ شامل نہ ہو سکے اس جنگ کے خاتمہ پر آپ توپ خانہ کے افسر اعلیٰ مقرر ہوئے ؛

۱۹۰۱ء میں بسلسلہ تار برقی ایک مشن کے ساتھ آپ کو حجاز شریف میں جانا پڑا ؛

۱۹۰۴ء میں آپ انور پاشا کی تحریک سے انجمن اتحاد و ترقی کے ایک زبردست رکن بن گئے ؛

۱۹۰۶ء میں آپ علاقہ ناموں کے عہدہ گورنری پر مامور ہوئے اور اس عہدہ کو آپ نے نہایت قابلیت سے انجام دیا ؛

اسی ۱۹۰۶ء میں ترکان احرار نے البانیہ و مناستر کی پہاڑیوں میں اپنا اقتدار

قائم کر لیا تھا، چونکہ آپ بھی انجمن اتحاد ترقی کے سرگرم کارکن تھے، اس لئے ترکان احرار کی سرکوبی کی بجائے آپ نے اُن کی اعانت کی، اسی سال کے آخر میں جب ترکی میں انقلاب پرستوں کا طوفان اُمڈا ہوا تھا، آپ سالونیکا میں افسر مقرر کئے گئے ،

۱۹۰۸ء میں سلطنت عثمانیہ کے اندرونی معاملات ناقابلِ درستی ہو گئے جس کا نتیجہ دستوری حکومت میں ظاہر ہوا

جس وقت انقلاب پرستوں نے قسطنطنیہ پر حملہ آور ہونے کے لئے اپنی جمعیت قائم کی، تو جنرل محمود شوکت پاشا، اس مہم کے کمانڈنگ افسر مقرر ہوئے، اور آپ کی سرکردگی میں انقلاب پرستوں کا گروہ قسطنطنیہ میں داخل ہوا، وہ آپ ہی تھے، جنہوں نے سب سے پہلے سلطان محمد خامس کو تاجپوشی کی مبارک باد دی

سلطان محمد خامس کے تخت نشین ہوتے ہی آپ وزیر جنگ بنا دیئے گئے، اور آپ نے اس عہدہ کو قبول کرتے ہی معاونین سلطنت کے سامنے ایک زبردست تقریر کی، جس کے چند فقرے یہ ہیں

محضرات اس وقت سلطنت عثمانیہ خطرناک حالت میں ہے، میں فوج کے سپاہیوں، اور جمعیت اتحاد و ترقی کے اراکین اور تمام سلطنت کی رعایا سے اپیل کرتا ہوں، کہ وہ اس نازک وقت میں سلطنت کی مدد کریں"

۱۹۱۲ء میں بوجہ ناسازی طبع آپ وزارت جنگ کے عہدہ سے مستعفی ہو گئے

جن دنوں یہ شور ہوا کہ کامل پاشا وزیر اعظم ترکی کی وزارت آیڈریانوپل دشمنوں کے حوالہ کر دینے پر آمادہ ہے، تو ترکان احرار نے غازی طلعت پاشا

کو کامل پاشا کے پاس وزارت سے مستعفی ہونے کا پیغام دے کر بھیجا اگرچہ کامل پاشا مستعفی نہ ہوئے ؛

لیکن انجمن اتحاد و ترقی نے وزارت کا تختہ الٹ دیا، جدید وزیر سلطنت بنانے کے لئے انور پاشا نے شوکت پاشا کو مجبور کیا لیکن آپ نے اس عہدہ پر فائز ہونے سے انکار کرتے ہوئے فرمایا ؛

"کہ ایسی نازک حالت میں مجھ سے سلطنت ٹرکی کا بوجھ نہیں اُٹھایا جائیگا پھر میری صحت بھی خراب ہے" ؛

لیکن انور پاشا بھلا اس عذر کو کب ماننے والے تھے، اُنہوں نے اپنی جیب سے دو پستول نکالکر میز پر رکھتے ہوئے کہا "یہ لیجئے اگر آپ وزارت کو قبول نہیں کرتے، تو پھر اس ذلت کی زندگی سے آپس میں مرجانا بہتر ہے" ؛

اس اصرار محبت سے مجبور ہو کر آپ نے سلطنت عثمانیہ کی وزارت کا عہدہ قبول کر لیا ؛

اور آپ باب عالی میں تشریف لے گئے، دوسرے روز اعلان کر دیا گیا، کہ شوکت پاشا وزیر اعظم طلعت پاشا وزیر داخلہ عزت پاشا وزیر جنگ اور انور پاشا حاکم قسطنطنیہ مقرر ہوئے ؛

آپ نے وزیر اعظم ہوتے ہی سب سے پہلے فوجی حالت کو درست کرنے کی طرف توجہ فرمائی، چھوٹے چھوٹے قرضوں کو ادا کر کے سلطنت عثمانیہ کو اس مصیبت سے چھڑایا ؛

غرضیکہ آپ نہایت قابل اور مخلص وطن پرست تھے، ذاتی خود غرضی سے آپ کا دل ہمیشہ صاف رہا، نہایت ثابت قدمی اور مستقل مزاجی سے اپنے فرائض منصبی کو ادا کرنے کے عادی تھے ؛

لیکن ۱۹۱۴ء میں صبح کے وقت جبکہ آپ موٹر میں باب عالی کی طرف جا رہے تھے، کسی دشمن کے پستول کے وار نے آپ کو شہید کر دیا ۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ہ

غازی محمود مختار پاشا آپ کو آغاز شباب سے ہی فنون جنگ حاصل کرنے کا شوق تھا، چنانچہ جرمن میں آپ نے فن حرب کا آخری امتحان پاس کیا پہلے تو آپ فوج عثمانی میں افسر مقرر ہوئے، لیکن کچھ دن بعد آپ وزیر بحر کے عہدہ پر سرفراز ہو گئے ۔

جنگ بلقان کے موقع پر آپ کی ہی تحریک سے ٹرکی نے اعلان جنگ کیا تھا، لیکن ملکی ہمدردی اور انجمن اتحاد و ترقی کے تحریک سے آپ بھی اس عہدہ سے مستعفی ہو گئے ۔

حفاظت ملک کے لئے آپ نے اپنی بیش بہا خدمات وقف کر دیں، معرکہ ایڈریانوپل میں آپ بحیثیت کمان افسر شامل تھے، ۱۹۱۲ء کو بلغاروی لشکر نے قرق کلیسا پر خونریز حملہ کیا تھا، اس کے مقابلہ میں آپ کے ماتحت فوج بھیجی گئی تھی، چنانچہ قرق کلیسا میں بلغاریوں سے آپ نے زبردست مقابلہ کیا، اور بڑی دلاوری سے معرکہ کارزار میں گھس کر دشمنوں کو خاک و خون میں ملا دیا ۔

اس معرکہ کے بعد آپ ایڈریانوپل کی مہم میں شامل ہوئے وہاں پر بھی آپ نے جانبازی دکھلائی، اور دشمنوں کو شکست فاش دی، ابھی آپ دشمنوں کے تعاقب میں ہی تھے، کہ شتلجہ کے قریب بلغاروی فوج نے آپ کو گھیر لیا، لیکن آپ نے نہایت دلیری سے نہ فقط دشمنوں کے پنجے سے اپنی جان چھڑالی بلکہ دشمن کی فوج کو شکست دیکر پامال کر دیا ۔

ابھی آپ اسی مہم میں تھے، اور ایک روز اپنی فوج کے تین افسروں کے

ساتھ اندھیری رات میں دشمن کی چوکیوں کا حال معلوم کرنے گشت کو نکلے، تو یکایک دشمنوں کی گولیوں کا مینہ برسنا شروع ہو گیا، ایک گولی آپ کی ٹانگ میں بھی لگی جس کے لگتے ہی آپ گھوڑے سے گر گئے ؛

دوسرے افسروں نے آپ کو اٹھا کر کیمپ میں پہنچایا، اور اسی وقت موٹر کے ذریعے آستانہ کو پہنچا دیئے گئے، جرمنی سفارت خانے کے ہسپتال میں آپ زیر علاج تھے، جہاں سلطان المعظم خود آپ کی بیمار پرسی کے لئے تشریف لائے، اور آپ کی جنگی خدمات کا اعتراف کیا ؛

غازی احمد مختار پاشا

آپ نہایت شجاع مدبر تھے، اور قوم پرستوں کے معزز لیڈر تھے، ٹرکی کے جن جانباز ترکان احرار نے روس کی دھجیاں بکھیر دیں، ان میں آپ کے نام کو صف اوّل میں جگہ حاصل ہے ؛

اس جنگ کے بعد سلطنت عثمانیہ کی طرف سے مصر میں آپ ہائی کمشنر مقرر ہوئے، جہاں آپ نے مدبرانہ پالیسی سے قوم کی بہترین عملی خدمت کا ثبوت دیا ؛

جب ٹرکی میں دستوری حکومت رائج ہوئی، ان دنوں آپ مصر سے قسطنطنیہ میں پہلے آئے، بڑھاپے کے باعث خانہ نشین ہو گئے تھے، لیکن جولائی ۱۹۱۲ء میں سعید پاشا کی وزارت ٹوٹنے پر سلطنت عثمانیہ نے آپکو اس منصب پر مامور کر دیا، چنانچہ آپ نے صدارت کے عہدہ پر فائز ہوتے ہی اپنی تقریر میں یہ کلمات ادا کئے ؛

معاملات سلطنت عثمانیہ میں بہت سی اُلجھنیں واقع ہوئی ہیں، اگرچہ میں بھی ان کو سلجھانے کی پوری کوشش کرونگا لیکن قوم کا فرض ہے، کہ وہ سلطنت میں ہر طرح کا امن وامان قائم رکھ کر میری مدد کرے میں اس بات کا یقین دلاتا ہوں

کہ قوم اور سلطنت کی خدمت کیلئے میں نے اپنی زندگی وقف کردی ہے ؛

جنگ بلقان میں جب سرویا اور مانٹی نگرو کی افواج نے سلطنت عثمانیہ کی طرف قدم بڑھائے، تو آپ نے سلطان المعظم سے اعلان جنگ کر دینے کی درخواست کی، اور اس وطن پرست جانباز کی حسب خواہش ٹرکی نے اتحادیوں کے مقابلہ میں اعلان جنگ کر دیا، لیکن ترکی فوج نے شکست کھائی، اسی غیرت کے مارے آپ عہدہ وزارت سے مستعفی ہو گئے، اور خود میدان جنگ میں جا گھسے ؛

طلعت پاشا

آپ ایڈریانوپل کے مشہور کالج میں شرقی زبانوں کے پروفیسر تھے، اسی پروفیسری کی خدمات میں اپنی آزادانہ رائے کی بدولت حکومت نے سالونیکا میں آپ کو جلاوطن کر دیا تھا ؛

وہاں آپ نے ملک کو خطرات میں گھرا ہوا دیکھ کر وطن پرستی کے جذبے سے اپنے یاران ہم خیال انور بے، فتحی بے، شکری، نیازی بے وغیرہ کو جمع کر کے ینگ ٹرکش ایسوسی ایشن کی بنیاد ڈالی، جو بعد میں انجمن ترقی اتحاد کے نام سے مشہور ہوئی ؛

آپ کی ہی تحریک سے یہ تحریک فوج میں نشوونما ہوئی، رفتہ رفتہ اناطولیہ میں بھی اسی انجمن کی ایک شاخ جاری کی گئی، جس میں بہت سے لوگ شامل ہو گئے

جس وقت دستوری حکومت کی تجویز ترکان احرار میں در پیش تھی، اس وقت آپ ایڈریانوپل کی طرف سے پارلیمنٹ کے ممبر منتخب ہوئے اور اپنی قابلیت کے باعث پھر نائب صدر بن گئے ؛

انہی دنوں میں جب سلطان عبدالحمید خان نے احرار کی اس ملکی خدمت کو سلطنت کی بغاوت پر محمول کر کے ایسے ممبروں کی فہرست تیار کرنے کا حکم

دیا، تو اس فہرست میں آپ کا اسم گرامی بھی تحریر تھا ؛

اس لئے یہاں آپ نے لشکر کو اپنا ہم خیال بنایا، اور محمود شوکت پاشا کی ماتحتی میں فوج نے کوچ کر کے سلطان عبد الحمید خان کو معزول کر دیا ؛

اس انقلاب کے بعد آپ وزیر داخلہ مقرر ہوئے، لیکن کچھ عرصہ کے بعد مستعفی ہو گئے، جنگ بلقان میں آپ نے والنٹیری کی خدمات انجام دیں اور ترکی فوج میں مستقل مزاجی و ثابت قدمی کی تحریک کرتے رہے ؛

لیکن جب دیکھا، کہ وزارت سلطنت عثمانیہ ایسی صلح کرنے پر آمادہ ہے جو ملک کیلئے باعث ننگ ہے، تو قسطنطنیہ میں آکر انور پاشا وغیرہ سے خفیہ طور اس بات کیلئے مشورہ کیا گیا، چنانچہ انور پاشا اور طلعت پاشا ہی اس مہم کو سر انجام دینے کیلئے باب عالی میں پہنچے اور کامل پاشا وزیر سلطنت کو انہوں نے مستعفی ہونے پر مجبور کیا، اسی کشمکش میں ناظم پاشا جان بحق ہوئے اور کامل پاشا کی وزارت کا خاتمہ ہو گیا، اس کام سے فارغ ہو کر آپ نے ملک کی عزت بچانے کیلئے سر توڑ کوششیں کی، اور آپ کی مساعی جمیلہ سے ایڈریانوپل پر دوبارہ سلطنت عثمانیہ کا قبضہ ہو گیا ؛

جنگ یورپ میں انجمن اتحاد ترقی کے بعض سرگرم کارکن شامل ہونے کے خلاف تھے، لیکن آپ ترکی کو جنگ میں شامل کرنا ضروری خیال کرتے تھے ؛

آخر ۱۹۱۴ء میں اتحادیوں اور ترکی کے درمیان جنگ چھڑ گئی، اور چار سال کی جد و جہد کے بعد دول وسطی کا چھوٹا حلیف بلغاریہ جنگ سے دست بردار ہو گیا، چنانچہ بلغاریہ نے ترک جانبازوں کا تاب مقابلہ نہ لا کر بغیر کسی شرط کے ستمبر ۱۶ء کو اپنے ہتھیار رکھ دیئے، اور اپنے آپ کو اتحادیوں کے حوالے

کردیا، مگر ۲ اکتوبر ۱۹۱۹ء کو ٹرکی بھی جنگ سے دست بردار ہوگیا، اور ۱۲ نومبر ۱۹۱۹ء کو اتحادی بیڑا درہ دانیال سے گذر کر قسطنطنیہ میں پہنچ گیا، آپ اس ندامت کے مارے اپنے اہل وعیال سمیت برلن (جرمنی) میں آگئے، چنانچہ ۱۵ مارچ ۱۹۲۱ء کو جب آپ گھر سے نکلے، تو ایک بدبخت جرمنی نے پستول کے نشانہ سے آپ کو شہید کردیا، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ٥

شکری پاشا آپ فن حرب کے ماہر اکمل تھے، اور جرمن کے تعلیم یافتہ تھے، چنانچہ ۱۸۸۵ء میں جب آپ فنون حربیہ کی تکمیل کے لئے جرمن میں تھے تو وہاں کے جنگ جو اہل جرمن نے بھی آپ کی قابلیت کا اعتراف کیا، بلکہ شاہ جرمنی ولیم اول نے ایک خط میں سلطان عبدالحمید سے شکری پاشا کی جنگی قابلیت کا تذکرہ کیا ہے ؎

جب آپ تکمیل وتعلیم سے فارغ ہوکر جرمنی سے قسطنطنیہ میں آئے تو سلطنت عثمانیہ نے آپ کو ترکی توپ خانہ نمبر اول کا سپہ سالار مقرر کیا ؎

مگر کچھ عرصہ بعد سلطانی عتاب میں آگئے اور سپہ سالاری سے معزول ہوکر کمان افسر بنا کر ایڈریانوپل بھیجدیئے گئے ؎

ایڈریانوپل میں جا کر انہوں نے فوج کی اصلاح شروع کی، اور اپنے سپہ سالار شیر محمد پاشا پر اپنی قابلیت کا سکہ بٹھادیا، اس خدمات کے صلہ میں آپ میجر بنا دیئے گئے ؎

۱۹۰۴ء میں ٹرکی کے بعض اضلاع میں بغاوت کا طوفان اٹھ آیا، اور باغیوں نے مقدونیہ پر تسلط جما کر ایڈریانوپل اور مناستر کو اپنا مرکز قرار دیا تھا، انہی دنوں میں چھ ہزار جنگ جو بلغاریوں نے ترکی کے مشہور شہر ترلوہ اور وائزا میں جمع ہوکر ایڈریانوپل پر چڑھائی کرنے کی ٹھانی ؎

لیکن غازی شکری پاشا نے نہایت مستقل مزاجی اور دل جمعی ظاہر کر کے خود فوجیں جمع کرنا شروع کر دیں، اور بہت جلد ایک جرار لشکر کے ساتھ باغیوں کی سرکوبی کیلئے روانہ ہوئے ۔

آپ ۸۰ گھنٹے کی مسافت کو باوجود وسائل ناکافی ہونے کے صرف ۲۴ گھنٹے میں طے کر کے دائزہ پہنچے، اور بے خبری کے عالم میں باغیوں پر ایسا زبردست حملہ کیا، کہ اُن کی جمعیت منتشر ہو گئی، دائزہ سے ترانوہ پہنچے وہاں بھی باغیوں کا استیصال کر دیا، اس خدمات کا سلطان عبدالحمید کے دل پر کافی اثر ہوا اور آپ نے خوب عزت حاصل کی ۔

۱۹۰۰ئ میں جب مقدونیہ میں شورش ہوئی، تو سلطان نے آپ کو ہی اس شورش کے فرو کرنے کیلئے منتخب کیا، چنانچہ بموجب حکم سلطانی آپ مناستر میں پہنچے، جہاں آپ نے نہایت قابلیت اور صداقت کے ساتھ اپنے فرائض منصبی انجام دیئے ۔

چنانچہ ایک طرف تو سلطان کو جملہ امور کی بے کم کاست اطلاع دی، اور دوسری طرف انقلاب پرستوں کو نصیحت فرماتے ہوئے یہ کہا، کہ ہمیں موقع کا انتظار کرنا چاہیئے، ایسی عجلت باعث خرابی ہے، قبل اس کے کہ سلطنت کی اصلاح کی جائے وطن پرستوں کو اپنے دشمنوں کو پامال کرنے کی کوشش کرنا چاہیئے ۔

چنانچہ سلطان المعظم نے جن اراکین سلطنت کے مشورے کے باعث دستوری حکومت کا اعلان کیا، ان میں آپ بھی شامل تھے ۔

انقلاب سلطنت کے بعد آپ کو طرابلس الغرب کی حکومت تفویض ہوئی، لیکن آپ نے اپنی عدم قابلیت کا عذر کر کے اس حکومت کو منظور نہ کیا، بلکہ آپ انہی دنوں میں .... سقط الراس ارض روم کی فوج اور آستانہ کے لشکر

کے سپہ سالار مقرر ہوئے ؛

جنگ بلقان سے چند روز قبل غازی احمد مختار پاشا وزیر جنگ نے آپ کو محاذ جنگ پر بھیجا، آپ شوق جانبازی میں جنگ چھڑنے سے پانچ روز پہلے ہی پہنچ گئے، بلغاری فوج سے مقابلہ کرتے وقت آپ نے اپنی شجاعت اور فنون حرب کا بہترین ثبوت دیا ؛

جن دنوں ٹرکی میں کامل پاشا کی وزارت ٹوٹ گئی، اور ترکان احرار نے ملکی خدمات میں سرشار ہو کر ایڈریانوپل کی جنگ کو دوبارہ جاری کر دیا یعنی ۴ فروری ۱۳ء کو ایڈریانوپل پر پھر گولہ باری شروع ہو گئی، اس مرتبہ غازی شکری پاشا فوج کے سپہ سالار تھے، آپ نے بڑی جانبازی سے مدافعانہ جنگ کو جاری رکھا ؛

لیکن ۲۶ مارچ کو بلغاریوں نے ایڈریانوپل پر قبضہ کرنے کے ساتھ ہی آپ کو بھی گرفتار کر لیا ؛

قسطنطنیہ میں جب آپ کی گرفتاری کی خبر پہنچی تو ترکان احرار میں انتقام کا جذبہ پیدا ہو گیا ؛

چنانچہ بہادر غازی انور پاشا نے اپنی افواج کو ایڈریانوپل کی طرف بڑھایا، اور یہ غازی جوانمرد بلغاروی محاذ سے دشمنوں کو پامال کرتا ہوا ایڈریانوپل کے سامنے جا پہنچا، اور اپنی ہمت مردانہ سے اس جانباز ملک نے نہ فقط ایڈریانوپل کو دشمنوں سے واپس چھین لیا، بلکہ لولی برغاس اور ڈائنا پر بھی قبضہ کر لیا ؛

آخر بلغاروی اور ترکی عہد نامہ کی تکمیل کے بعد اسیران طرفین کی فہرست میں آپ بھی رہا ہوئے، اور آپ کا پُرتپاک خیر مقدم کیا گیا ؛

اور اس واقعہ کے دو سال بعد کچھ عرصہ بیمار رہ کر اس جہان فانی سے چل بسے

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ؛

حسین حلمی پاشا آپ اعلیٰ درجہ کے مدبر تھے، اور ۱۹۰۵ء میں مقدونیہ کے انسپکٹر جنرل کے عہدہ پر مامور تھے، روس و آسٹریا کی متفقہ سیاسی چالوں کا آپ نے جس خوش اسلوبی سے سدِ باب کیا، وہ آپ کا ہی حصہ تھا۔ ۱۹۰۸ء میں آپ مناستر کے عہدہ گورنری پہ فائز ہوئے، جہاں آپ نے اپنی قابلیت کا بہترین ثبوت دیا ؛

یہ وہ دن تھے، جب انجمن اتحاد ترقی نے اس بات کا فیصلہ کر لیا تھا، کہ مناستر میں آزاد حکومت کا اعلان کر دیا جائے، اور حسین حلمی پاشا کو یہ حکومت تفویض کی جائے، آپ ادھر تو سلطان المعظم کے وفادار ملازم تھے، ادھر ترکانِ احرار کو بھی ملکی خدمت کے متعلق حق بجانب خیال کرتے تھے، آخر مصلحت وقت کو مدِنظر رکھ کر آپ نے اراکین اتحاد و ترقی کو یہ جواب دیا ؛

"اگرچہ مجھے احرار سے ہمدردی ہے، مگر بحیثیت ایک ذمہ دار عہدہ دار ہونیکے میں اپنی طرف سے مناستر کی آزادی کا اعلان نہیں کر سکتا، تاوقتیکہ مجھے سلطان المعظم کی طرف سے اس قسم کا حکم موصول نہ ہو" ؛

اس جواب سے اراکین انجمن اتحاد ترقی مشتعل ہو گئے، بلکہ انور پاشا نے آپکو مخاطب کر کے صاف لفظوں میں کہدیا، اگر آپ ۲۴ گھنٹے کے اندر اس حکم کی تعمیل نہ کرینگے تو قتل کر دیئے جاوینگے ؛

آپ نے غازی انور پاشا کے (جو تھوڑے دن پہلے آپ کے ایڈیکانگ رہ چکے تھے) یہ پرجوش الفاظ سنتے ہوئے کہا، "نوجوان ترکوں سے تو مجھے فی الواقعہ ہمدردی ہے، میں کوشش کرونگا، کہ سلطان المعظم دستوری حکومت کا اعلان کر دیں" ؛

ابھی آپ سلطان المعظم کی خدمت میں یہ مشورہ عرض کرنے والے ہی تھے،

کہ دوسرے روز سلطان کا یہ حکم موصول ہوا، کہ دستوری حکومت کے خواب دیکھنے والوں کی اچھی طرح سرکوبی کی جاوے ؛

اِس حکم نامہ کے جواب میں آپ نے اس مضمون کا عریضہ لکھا:۔

"اگرچہ یہ بات نہایت معمولی ہے، کہ اراکین انجمن اتحاد و ترقی کو گرفتار کر کے فرمانِ سلطانی کی تعمیل کی جاوے، لیکن اِس حکم تعمیل سے مُلک میں بدامنی کا طوفان اُمڈ آئیگا، جو بعد میں روکے نہیں رُک سکتا، لہٰذا میں نہایت ادب سے ملتجی ہوں، کہ جلالت مآب مصلحت وقت کے خیال سے دستوری حکومت کا اعلان فرمادیں" ؛

غرضیکہ آپ کی اِس تحریر کا اسقدر اثر ہوا، کہ ۲۴ جولائی کی صبح کو دولت عثمانیہ کی حدود سلطنت میں بذریعہ تار برقی دستوری حکومت کا اعلان کر دیا گیا ؛

آپ کی اس دلیرانہ جرأت پر خوش ہو کر ترکانِ احرار نے جدید انتظام مرتب ہونے پر آپ کو وزیر سلطنت بنانے کی از حد کوشش کی لیکن سلطان عبد الحمید نے بجائے آپ کے کامل پاشا کو وزیر سلطنت کے عہدہ پر فائز کیا، لیکن جنگ بلقان کی صلح کے متعلق ترکانِ احرار نے جب کامل پاشا کو عہدۂ وزارت سے معزول کر دیا تو پھر ان کی جگہ آپ وزیر سلطنت بنائے گئے ؛

۲۷ اپریل ۱۹۰۹ء کو جب ترکان احرار نے اپنے ایک خاص اجلاس میں سلطان عبد الحمید خان کو تخت سے معزول کرنیکا فیصلہ کیا، اس وقت آپ اپنے ایثار اور وطن پرستی کا ثبوت دیتے ہوئے صدارت سے مستعفی ہو گئے ؛

مگر ۲۸ اپریل ۱۹۰۹ء کو جب سلطان عبد الحمید خان معزول خلیفہ کی بجائے ان کے بھائی محمد خامس تخت خلافت پر متمکن ہوئے، تو اُنہوں نے غازی حلمی پاشا کو اپنا وزیر سلطنت قرار دیا ؛

چنانچہ آپ نے اس عہدہ کی ذمہ داری کو محسوس کرتے ہوئے مُلک میں جدید

اصلاحات کا نفاذ کیا، زراعت کی طرف بھی توجہ کی، سلطنت کو قرض سے ہلکا کیا، ان جدید انتظامات میں آپ کو اس قدر محنت کرنا پڑی، کہ آپ کی صحت خراب ہو گئی، اس لئے آپ نے اپنے عہدہ سے استعفےٰ دیدیا۔

کچھ عرصہ بعد جب کہ آپ کی جگہ غازی احمد مختار پاشا مامور تھے، آپ وزیر قانون کے عہدہ پر فائز ہو گئے، اور آپ نے اپنے سابقہ عہدہ کا کچھ خیال نہ کیا۔

کامل پاشا نے جب الہلال کے مشہور حریت نواز ایڈیٹر عبدالعزیز شاویش کو بطور مجرم مصری حکومت کے حوالہ کر دیا، تو آپ کو یہ امر سخت ناگوار گذرا، بلکہ سلطنت عثمانیہ کی شاندار روایات کا حوالہ دیتے ہوئے کسی مجرم کو دوسری سلطنت کے حوالے کرنے کو صریح ظلم ثابت کر کے صدائے احتجاج بلند کی لیکن آپ کی یہ صدائے احتجاج جب کسی نے نہ سنی، تو آپ مجبور ہو کر اپنے عہدہ سے سبکدوش ہو گئے۔

پھر جنگ بلقان شروع ہونے پر آپ انجمن ہلال احمر کی صدارت کیلئے منتخب ہوئے، آپ نے ملکی و قومی خدمت کے مدنظر اسے قبول فرما لیا، اور قسطنطنیہ، انڈریا نوپل، سالونیکا، اسکپ یانیہ، صوفیہ، اسقورہ میں سات عظیم الشان ہسپتال قائم کر کے اپنے حسن انتظام کا ثبوت دیا۔

اس کے بعد ۳۱ اکتوبر کو دولت عثمانیہ کی طرف سے سفیر مقرر ہو کر وائنا تشریف لے گئے۔

جاوید بے آپ نہایت ذہین مستقل مزاج و ادیب تھے، ۱۹۰۶ء میں آستانہ کے مشہور کالج میں اقتصادیات سیاسی کے پروفیسر تھے، اس کے بعد کئی ایک کالجوں کے پرنسپل مقرر ہوئے۔

لیکن جب انجمن اتحاد ترقی کی کوشش بارآور ہوتی دیکھیں، تو ملکی و قومی خدمت

کے جذبے میں سرشار ہو کر پروفیسری کو چھوڑ کر ترکانِ احرار کے زمرہ میں شامل ہو گئے ؛

چنانچہ طرابلس کے اکثر معرکوں میں آپ نے جانبازی وطن کا بہترین ثبوت دیا ؛

جب پارلیمنٹ کا انتظام مرتب ہو گیا، تو سالونیکا کی طرف سے آپ بھی پارلیمنٹ کے ممبر منتخب ہوئے ؛

رفتہ رفتہ اپنی خداداد ذہانت سے وزیر مال کے عہدہ پر فائز ہو گئے، اس عہدہ کی مشکلات کو جس عمدگی کے ساتھ آپ نے حل کیا اس کا عملی ثبوت یہ ہے کہ آپ نے سلطنت کی مالی حالت کو سدھارا، سلطنت کے حصول قرض میں آسانیاں پیدا کیں، اور مالی کانفرنس سے خوشگوار تعلقات قائم کئے ؛

لیکن کامل پاشا کی وزارت سے آپ سخت ناراض تھے حتیٰ کہ اسی ناراضگی کے باعث آپ اپنے عہدہ سے مستعفی ہو کر یورپ میں چلے گئے، اور جب تک کامل پاشا کی وزارت کا خاتمہ نہیں ہوا، ترکی میں نہیں آئے ؛

محمود شوکت پاشا کے وزیر اعظم ہونے پر آپ پھر قسطنطنیہ میں چلے آئے، اور مالی کانفرنس میں اپنی قوم کے حقوق کی پوری نگہداشت کی، چنانچہ روسی و ترکی معاہدہ کی کامیابی کا سہرا آپ ہی کے سر ہے ؛

جنگ بلقان میں آپ والنٹیروں کی جمعیت جمع کر کے بلغاروی مورچوں پر جا پڑے گئے، جہاں اپنی دلیرانہ جرأت سے بلغاریوں کو پے در پے شکست دی ؛

بوسینہ ترکی فوج کے قبضہ سے نکل چکا تھا، آپ اپنی ہزیمت خوردہ فوج کو لے کر دشمن پر ایک دفعہ پھر حملہ آور ہوئے، اور دو گھنٹہ کی سخت خونریز لڑائی کے بعد نہ صرف بوشینہ کو واپس لے لیا، بلکہ بلغاریوں کو شکست فاش دی، اور ان کے خطوط محاذ شتلجہ پر بھی قابض ہو گئے ؛

اس کے بعد ادونیا میں فاتحانہ حیثیت سے داخل ہوئے، حالانکہ یہاں پر بلغاروی فوج کے ۶۰۰ سو نبرد آزما موجود تھے، لیکن کسی کو تاب مقابلہ نہ ہوئی پھر کوپرلی اور مناستر کی فوج کے سپہ سالار بن کر مناستر کی طرف پیش قدمی کی، اور بلغاروی فوج کو بھگا دیا ؛

اِن ملکی و قومی خدمات کے صلہ میں سلطان المعظم نے آپ کی قابلیت کا اعتراف کرتے ہوئے، اوّل درجہ کا تمغہ عنایت فرمایا ؛

آج کل آپ حکومت انگورہ میں ہیں، اور وہاں بھی آپ اسلامی قومی و ملکی خدمت میں منہمک ہیں ؛

زاغلول پاشا رئیس احرار مصر | آپ عالی دماغ تربیت یافتہ اور حریت پسند عالم تھے، شیخ عبدہ فاضل مصر کے ہمعصر تھے ؛

سیاست تو آپ کی گھٹی میں پڑی تھی، آغاز شباب میں ہی آپ کے سیاسی مضامین جریدۂ مصر، البرہان، المحدوسہ، اور التجارۃ جیسے معزز اخباروں میں، شائع ہو کر آپ کی اظہار قابلیّت کا باعث ہوئے، کچھ عرصہ بعد وزارت داخلیہ میں اسسٹنٹ مقرر ہوئے ؛

اس کے بعد محکمہ قضایہ کی وزارت کا عہدہ آپ کو تفویض ہوا، ۱۸۹۴ء کو مصر میں جب ایک ہولناک فساد واقع ہوا، تو آپ کی حریت نوازی کے خیال سے حکومت کو آپ پر بھی اس تحریک فساد کا شک ہوا، اور اسی وجہ سے آپ وزارت سے علیحدہ کر دیے گئے ؛

۱۸۹۲ء میں محکمہ اپیل میں نائب قاضی مقرر ہوئے، اور پھر اپنی قابلیت سے مشّار کے درجہ تک ترّقی کی ؛

آپ کی علمی قابلیّت مسلّمہ تھی، حکومت نے پہلے آپ کو وزیر تعلیمات

کا عہدہ پیش کیا، اس کے بعد وزارت معارف پر مامور کئے گئے ؛

لیکن باوجود ان مشاغل اور ملازمت کے فرائض انجام دینے کے آپ کا دل حریت کے جذبے سے معمور تھا، لوگوں میں اس کا اظہار کئے بغیر نہ رہ سکتے تھے ؛

لارڈ کرومر صاحب مصر سے رخصت ہوئے، تو انہوں نے اپنی لوداعی تقریر میں آپ کی نسبت ان الفاظ میں اظہار خیال کیا :-

"سعد زاغلول پاشا سے اگرچہ میرے دیرینہ تعلقات نہیں ہیں، لیکن ان کے تھوڑے سے میل جول نے مجھ پر ثابت کر دیا ہے، کہ مجھے ان کا احترام کرنا چاہیئے، اگر میں غلطی پر نہیں ہوں، تو میرے خیال میں ان کے سامنے ایسا مستقبل ہے، جو ملک کے لئے نہایت مفید ہوگا، کیونکہ ملکی خدمت کے لئے جو خدمات لازمی سمجھی گئی ہیں، وہ سب ان میں موجود ہیں، اور نہایت مستقل مزاج شجاع صادق ہیں، اور ایسے لوگوں کے موردِ الزام بن چکے ہیں، جو اُن سے بہت کم رتبہ رکھتے ہیں، لہٰذا ان صفات کا متصف اپنے مقصد میں کبھی ناکام نہیں رہ سکتا" ؛

جنگ یورپ کی آگ جب بھڑک اٹھی، تو اس اثنا میں آپ نے اخبارات کے ذریعے مصری قوم پرستوں کے خیالات معلوم کئے، اور انہی ایام میں جرمنی زبان سیکھی حالانکہ اُس وقت ان کی عمر ساٹھ سال کے قریب تھی ؛

جنگ یورپ ختم ہوتے پر آپ مصر کے چیدہ چیدہ حریت نواز جانبازانِ ملک کی ایک جماعت لے کر ۱۳ نومبر ۱۹۱۸ء کو اس لئے لندن میں گئے، تاکہ نہ فقط سلطنت برطانیہ پر مصری قوم کے مطالبات ظاہر کر دیئے جائیں بلکہ سارے دول یورپ کا سفر کر کے مدبرین سیاست کے سامنے

اس مسئلہ پر گفت و شنید کی جائے ؛

لیکن حکومت نے آپ کے اس مطالبہ کو مسترد کر دیا، اس وجہ سے تمام مصر میں مظاہرے شروع ہو گئے، جن کا سلسلہ آج تک جاری ہے اور اسی سلسلے میں مارچ ۱۹۱۹ء کو اُن کو اور اُن کے تین رفقا محمد محمود پاشا، اسمٰعیل صدقی پاشا، احمد الیاس پاشا کو مالٹا میں جلاوطن کیا گیا ؛

آپ کی اس جلاوطنی پر مصریوں نے پہلے سے بھی زیادہ شور و غوغا برپا کر دیا آخر آپ ۷ اپریل ۱۹۱۹ء کو رہا کر دیئے گئے ؛

بفضل خدا ابھی تک آپ زندہ ہیں، اگرچہ آپ بہت بوڑھے ہو گئے ہیں لیکن مُلکی و قومی خدمت میں مصروف ہیں ؛

انور پاشا | آپ نہایت خوش رُو تربیت یافتہ نوجوان ہیں قسطنطنیہ کے مدرسہ حربیہ کی تعلیم سے فارغ ہو کر آپ ترکی فوج میں داخل ہوئے، اور بہت جلد کرنیل کا درجہ حاصل کیا، عرصہ تک سپہ سالارانِ ترکی کے اے ڈی کانگ رہے ۱۹۱۳ء میں پاشا کا خطاب حاصل کیا ؛

آپ اپنی مادری ترکی زبان کے علاوہ عربی، فارسی، فرانسیسی، انگریزی جرمنی، روسی زبانوں پر حاوی تھے، اور اپنی فطری ذہانت خندہ پیشانی خوش خلقی، قومی و مُلکی ہمدردی کے باعث نہ فقط سلطنت عثمانیہ میں بلکہ تقریباً دنیا بھر میں مقبول و مشہور تھے ؛

۱۹۰۵ء میں آپ علمی پاشا انسپکٹر جنرل مقدونیہ کے ایڈیکانگ تھے، اور اس زمانہ میں انجمن اتحاد و ترقی کا صدر مقام سالونیکا میں تھا، چنانچہ آپ بھی قومی و مُلکی ہمدردی کے جذبے میں سرشار ہو کر ایڈیکانگ کے عہدہ سے سبکدوش ہو کر اراکین انجمن میں شامل ہو گئے ؛

۱۹۰۸ء میں سلطان عبدالحمید خان نے جب شمسی پاشا کو ترکان احرار کی سرکوبی کے لئے مناستر میں بھیجا، ان دنوں انور پاشا بھی مناستر میں تھے، اور اُن کی جمعیت نے وہاں پورا اقتدار حاصل کر لیا تھا ؛

چنانچہ ۷ جولائی ۱۹۰۸ء کو انور بے نے شمسی پاشا سے بلکہ صاف لفظوں میں کہہ دیا، کہ اگر وہ مناستر سے ایک منزل سے آگے بڑھے، تو ان کی زندگی کا خاتمہ کر دیا جاوے گا، چنانچہ ایسا ہی ہوا، شمسی پاشا دوسرے ہی روز قتل کر دیئے گئے، اور ان کی جگہ پر عثمان پاشا جب سپہ سالار بن کر آئے، تو وُہ بھی قید کر لئے گئے ؛

سلطان عبدالحمید کو انور پاشا کی ذہنیت اور شجاعت کا علم تھا، اُنھوں نے خیال کیا، کہ کسی طرح انور پاشا کو اپنے قابو میں لانا چاہیئے، اسی خیال کے مطابق انور پاشا کو سلطانی دعوت میں مدعو کر کے ان کی عزت و توقیر کرنے کا وعدہ کیا گیا، لیکن انور پاشا سمجھ گئے، کہ یہ میرے پھانسنے کا ایک جال ہے، اس لئے اُنھوں نے سلطانی دعوت کو قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا ؛

انور پاشا نے مناستر کے علاقہ میں آزادی اور خود مختاری کی ایسی آگ بھڑکا دی، جس کے شعلوں نے جمہوری سلطنت کا خاتمہ کر دیا ؛

اس نوجوان ترکی افسر کے وہ کارنامے ہر ایک شجاع کو حیرت میں ڈالے بغیر نہیں رہ سکتے، جو وُہ اپنے وطن کی خدمت میں انجام دیتا رہا ہے، انہیں محیر العقول کارناموں کے باعث اس کے دوست احباب اُس کی قوم اور اس کا ملک اُسے انتہائی عزت کی نظر سے دیکھتے تھے" ؛

اٹلی نے یکم اکتوبر ۱۹۱۱ء میں جب ٹرکی کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا، تو یہ وقت ٹرکی کے لئے نہایت نازک تھا، کیونکہ سلطنت عثمانیہ کی بحری طاقت نہایت

کمزور تھی، اور ملک میں بد امنی کا طوفان امڈا ہوا تھا لیکن ملکی خدمت کو مدنظر رکھ کر انجمن اتحاد ترقی نے ایک خفیہ جلسہ میں یہ فیصلہ کیا، کہ بہت سے ترکی افسر طرابلس میں بھیجے جائیں، جو وہاں پہنچکر عربوں کو جنگی قواعد سے آراستہ کریں ؛

چنانچہ اس بندش کی زمانہ میں انور پاشا اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر دشمنوں کی آنکھ میں خاک جھونکتے ہوئے مصر کے راستہ سے طرابلس پہنچ گئے ؛

اور وہاں سب سے پہلے ایک وفد حضرت شیخ سنوسی کی خدمت میں روانہ کیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا، کہ شیخ سنوسی کی ذات بابرکات کی معرفت قبائل عرب میں اٹلی کے خلاف حیرت انگیز جوش پھیل گیا ؛

انور پاشا کی ان دنوں کی خدمات کی نسبت مصر کے اخبارات نے اپنے اس طرح خیالات ظاہر کئے تھے ؛

انور بے کے نام سے تمام دنیا واقف ہے اس مشہور و معروف شجاع کی داد و ہش اور غیر معمولی شجاعت پر ہمیں رہ رہ کر تعجب آتا ہے، کہ غازی ممدوح کی فوجی لیاقت کا تمام دنیا لوہا مانے ہوئے ہے غازی انور بے نے اپنے قابل ماتحت افسروں عزیز بے علی المصری، اور مصطفےٰ کمال بے کی مدد سے فوج کے باقاعدہ بنانے میں حیرت انگیز اور فوق العادت کامیابی حاصل کرلی آپ نے مختلف قبائل عرب کی ایک فوج فرقۃ المحافظین کے نام سے بھی مرتب کی ہے ؛

چنانچہ اس فرقۃ المحافظین جمعیت نے بھی ۲۱ دسمبر ۱۹۱۱ء کی جنگ میں اطالویوں کو شکست فاش دی تھی ؛

اٹلی و ٹرکی کی صلح کے بعد ۲۰ دسمبر ۱۹۱۲ء کو طرابلس سے طبروق اور طبروق سے سلام پہنچے وہاں سے تھوڑی دور پر مربوط کی ریل کے ذریعہ اسکندریہ پہنچے

جہاں سے ایک جرمنی واقف کار افسر کی وساطت سے قسطنطنیہ میں صحیح و سلامت پہنچ گئے ؛

۸ اکتوبر ۱۹۱۲ء کو سب سے پہلے مانٹی نگرو نے ٹرکی کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا، اس کے بعد سرویہ، بلغاریہ اور یونان بھی ٹرکی سے پل پڑے ایسے نازک وقت میں انور پاشا قسطنطنیہ میں ہی تھے، اور میدانِ جنگ کی یہ حالت تھی، کہ بلغاریہ و یونان نے نوایڈریانوپل کا محاصرہ کر رکھا تھا، جن کی فوجیں قسطنطنیہ سے صرف ۲۵ میل کے فاصلہ پر بمقام شتلجہ پر کھڑی تھیں، دوسری طرف سرویوں اور یونانیوں نے بعض اہم مقامات اپنے قبضے میں کر لئے تھے ؛

اِن حالات میں غازی انور پاشا نے چاروں طرف ایک گہری نظر ڈالی، اور پھر کچھ سوچکر شتلجہ پہنچے وہاں ترکی فوج کے سامنے ایک پرجوش تقریر کے ذریعہ قومی حمیت جرأت اور باہمی اتفاق کی تعلیم دی ؛

ادھر انجمن اتحاد و ترقی کے سرگرم کارکن و ارکان احرار موجودہ وزیر کامل پاشا کو غدارِ ملک سمجھتے ہوئے، ان کو معزول کرنے کی فکر میں تھے، کیونکہ وہ سلطان المعظم کو دشمنوں کی ہیبت سے خائف کرتے ہوئے قسطنطنیہ تک چھوڑ دینے کا مشورہ دے رہے تھے ؛

لیکن جانبازانِ ملک اس ذلت کو گوارا نہیں کر سکتے تھے، اس لئے انجمن اتحاد ترقی نے فیصلہ کر لیا، کہ یا تو دول متحدہ کی یادداشت کو منظور کرنے سے انکار کرایا جاوے، یا کامل پاشا کو وزارت سے معزول کر دیا جاوے، دوسرے روز غازی انور پاشا اپنی ایک ہزار جان نثار فوج اور بعیت نیازی بے طلعت بے وغیرہ قسطنطنیہ میں داخل ہوئے ؛

غازی انور پاشا، خلیل پاشا، جمال پاشا سب سے آگے تھے، اُن کے

پیچھے طلعت بے امر بے مدحت بے وغیرہ یہ تمام حضرات وزارت عظمیٰ کے دفتر میں جہاں اس وقت وزراء کی مجلس یادداشت کا جواب لکھنے کیلئے منعقد تھی اپنے سادہ لباس میں بے روک ٹوک گھس گئے ؛

لطیف بے نے راستہ روکا تو وہ ایک ہی گولی سے ٹھنڈا کر دیا گیا، توفیق بے مزاحم ہوا لیکن مارے خوف کے پیچھے ہٹ گیا ؛

گولیوں کی پیہم آوازوں سے محافظ دستہ میں کچھ حرکت پیدا ہوئی، بلکہ ایک سپاہی نے تو انور پاشا کی طرف بندوق کی نالی بھی کر دی تھی، لیکن اس بہادر نے ذرا بھی جان کی پرواہ نہ کی نہایت مستقل مزاجی سے قدم بڑھاتے ہوئے اس ہال میں پہنچ گئے جہاں کامل پاشا اپنی قسمت کا فیصلہ سننے کے لئے موجود تھے ؛

چنانچہ انور پاشا نے کامل پاشا کو مخاطب کر کے تحکمانہ انداز سے کہا :-

"میں تم کو حکم دیتا ہوں، کہ یا تو جنگ جاری رکھنے کی قسم کھاؤ، یا اس کرسی سے الگ ہو جاؤ، اور اسے یاد رکھنا کہ تمہاری ذرا سی حیل حجت اس کمرے کو خون آلود کرے گی" ؛

کامل پاشا۔ (خوف سے کانپ کر) میرا خیال جنگ جاری رکھنے کے خلاف ہے ؛

انور پاشا۔ شتلجہ کی فوج اور قوم ایڈریانوپل کو دشمنوں کے حوالے کرنا پسند نہیں کرتی اگر تم بلغاریہ کو ایڈریانوپل دینے پر تیار ہو اور دشمن کا مقابلہ نہیں کر سکتے، تو آپ کو اپنی وزارت کی کرسی اُن لوگوں کے لئے فوراً خالی کر دینی چاہیئے جو اُس کرسی کے اہل ہیں، اور اعدا کا مقابلہ کر کے ملک کی خدمت کر سکتے ہیں ؛

کامل پاشا- میاں صاحبزادے، کیا تم مجھ سے زیادہ تجربہ کار ہو، اگر ایسا ہے یا تم یا تمہارے ساتھی وزارت جیسے اہم کام کو انجام دے سکتے ہو، تو یہ لو میرا استعفا ؛

انور پاشا نے استعفا کو جیب میں ڈالکر اُس کمرے کے چاروں طرف نظر ڈال کر حاضرین وزراء سے کہا، جب تک نئی وزارت قائم نہ ہو جائے آپ لوگ اپنے آپ کو نظر بند سمجھیں ؛

اگرچہ ترکان احرار کی تعداد نہایت قلیل تھی، لیکن حیرت انگیز انقلاب ایسی عزت سے ظہور پذیر ہوا، جو مدت تک تاریخ دنیا میں مشہور رہیگا ؛

اس کام سے فارغ ہو کر آپ نے فوجی حالت کو درست کیا، کیونکہ تھوڑے ہی عرصہ میں وزیر جنگ عزت پاشا نے اپنی جگہ پر آپ کو وزیر جنگ مامور کیا تھا، اس وقت سے آپ کی تمام کوششیں فوجی طاقت پر صرف ہونے لگیں ؛

جنگ یورپ کے شروع ہونے پر اگرچہ آپ کے رفقا اس جنگ میں ٹرکی کا حصہ لینا مناسب نہ خیال کرتے تھے، لیکن آپ کی جرأت نے ٹرکی کو جنگ یورپ میں شامل کر دیا، لیکن اس جنگ نے ٹرکی کو جس قدر نقصان پہنچایا، اس کا مختصر حال ہم گذشتہ صفحات پر تحریر کر چکے ہیں ؛

انہی حالات کی مجبوری سے آپ ۱۹ اکتوبر ۱۹۱۹ء میں وزارت جنگ کے عہدے سے مستعفی ہو کر ٹرکی سے نکل گئے ؛

چند سال ہوئے آپ کے شہید ہونے کی خبر سے تمام عالم میں صف ماتم بچھ گئی تھی، لیکن ابھی حال ہی میں افواہ مشہور ہوئی ہے، کہ آپ زندہ ہیں، اور اتحاد اسلام میں کوشاں ہیں، خدا جانے یہ خبر صحیح ہے، یا غلط، نہ ہمیں اس کا علم

ہے، اور نہ یہ تحقیق ہوا، کہ آپ کس جگہ... قیام پذیر ہیں۔

غازی مصطفےٰ کمال پاشا آپ بڑے روشن دماغ سیاست دان اور دلیر بہادر ہیں مدرسہ حربیہ قسطنطنیہ میں تعلیم تکمیل کر کے ترکی فوج میں ملازم ہوئے۔

ابتدا میں آپ انجمن اتحاد و ترقی کے مخالف تھے، لیکن قومی و ملکی ہمدردی جذبے سے متاثر ہو کر آخر آپ بھی انجمن ہذا کے ایک رکن بن گئے۔

جنگ طرابلس کے دنوں میں عربوں کو منظم و مرتب کرنے اور دشمن کی مدافعت کے لئے جو ترک افسر قسطنطنیہ سے طرابلس روانہ ہوئے ان میں آپ کا اسم گرامی بھی روشن ہے۔

جنگ بلقان کے موقعہ پر آپ نے غازی محمود مختار پاشا کی ماتحتی میں جس دلیری سے فوجی خدمات انجام دی ہیں، اس کا اعتراف غازی محمود مختار پاشا نے اکثر جگہ کیا ہے۔

جنگ یورپ میں ایک شدید خطرناک فوجی محاذ پر یعنی درہ دانیال میں آپ بھیجے گئے، آپ نے ایسی قابلیت اور شجاعت سے وہاں اپنے فرائض منصبی انجام دیئے، جس پر جرمن سپہ سالار و دیگر ترک افسروں کو حیرت تھی۔

گیلی پولی کے مقام پر آپ نے دشمن کو شکست فاش دیکر اپنی شجاعت کا ثبوت دیا، جس کے صلہ میں آپ کو پاشا کا خطاب ملا۔

جنگ یورپ کے بعد ۳۰ اکتوبر ۱۹۱۸ء کو جب ٹرکی جنگ سے دست بردار ہو گیا، اور قوم کے جانباز وطن پرست لیڈر قید اور جلاوطن کئے گئے، ان دنوں آپ مشرقی ترکی فوج اناطولیا کے کمانڈر تھے، آپ نے اس وقت تمام فداکاران ملت کو دعوت دی جو لوگ قوم کا حقیقی درد دل میں رکھتے تھے، وہ فوراً

مصطفےٰ کمال پاشا کے پاس پہنچ گئے ۔

ادھر سلطنت عثمانیہ نے اتحادیوں کے کہنے سننے سے معاہدہ کیا، اس کے مطابق مصطفےٰ کمال پاشا کو اس مضمون کا حکم پہنچا، کہ وہ فوراً آستانہ حاضر ہوں، یا اپنے آپ کو فوج کی کمان سے علیحدہ کریں، لیکن مصطفےٰ کمال پاشا نے اس حکم کی تعمیل کرنے سے انکار کر دیا، اور آپ کی زیر کمان فوج نے بھی آپ کا ساتھ دیا، چنانچہ اس قوم پرست جدید جمعیت نے سب سے پہلے گیلی پولی میں سامانِ جنگ کے ایک بڑے ذخیرے پر اچانک حملہ کر کے پانچ لاکھ کارتوس اور ۲۳ کلدار توپیں اپنے قبضہ میں کر لیں، اور جانب ایشیا ہو گئے ۔

ماہ اپریل ۱۹۲۰ء میں آپ کے خلاف ایک مہم بھیجی گئی، لیکن آپ کی صداقت و شجاعت کے باعث اس مہم کو پوری شکست ہوئی، بلکہ ہزاروں سپاہی اور افسر معہ سامان حرب وغیرہ مصطفےٰ کمال پاشا سے مل گئے، اس دن سے بمقام انگورا . . . مصطفےٰ کمال پاشا نے اپنی جدید ترکی سلطنت کا تمام دول یورپ میں اس مضمون کا اعلان کر دیا ۔

"جب تک خلیفہ اور دار الخلافہ پر غیر اقوام کا نا منصفانہ قبضہ ہے اس وقت تک سلطنت ترکی کی باگ ہمارے ہاتھ میں رہے گی"۔ ترک دار الحکومت اور حکومت کو اتحادیوں کے پنجہ میں گرفتار سمجھتے ہیں، لہٰذا قسطنطنیہ کے فتاویٰ اور احکام ترکی قوم کے لئے واجب التعمیل نہیں ۔

ترکوں نے اپنی آزادی کو بحال رکھنے کا مصمم ارادہ کر لیا ہے، وہ صرف اسی صلح کو پسند کریں گے، جس میں ترکی حقوق کا پورا خیال رکھا گیا ہو، ترکی قوم اپنے اصلی نمائندوں کے سوا کسی سے اور کوئی معاہدہ کرنے کا مجاز نہیں سمجھتی ۔

عیسائی اور دیگر غیر ممالک کے باشندے جو اس وقت ملک میں موجود ہیں وہ

قوم کی حفاظت میں رہیں گے، اور اُن کیلئے ضروری ہے، کہ وُہ ملک کے عام فوائدہ کے خلاف کوئی فعل نہ کریں ۔

انہیں دنوں میں جب ارمنوں کے کشت وخون کا ذمہ دار مصطفےٰ کمال پاشا اور انور پاشا وغیرہ کو سزائے موت کا حکم دیدیا، تو آپ نے انقرہ میں ایک زبردست تقریر کی جس کا ماخذ یہ ہے ۔

"اللہ کی زمین پر ایسی کوئی قوم نہیں جس نے دولت عثمانیہ کی طرح غیر مذاہب کے حقوق کا پاس و لحاظ رکھا ہو، میں یقیناً کہہ سکتا ہوں، کہ وُہ قوم ترک ہے جنہوں نے ہمیشہ اپنے آپ کو خطرے میں ڈالکر دوسروں کی حفاظت کی ہے ۔ چنانچہ سلطان محمد جب قسطنطنیہ میں داخل ہوئے تو اُنہوں نے دوسرے مذاہب کے پیشواؤں کو بہت سے حقوق اور وسیع آزادی دیکر اقوام عالم پر ظاہر کر دیا، کہ ترک مفتوح قوموں کے ساتھ کس قدر وسعت اخلاق سے کام لیتے ہیں، سلطان مرحوم نے غیر اقوام کے احساسات اور مذہبی روایات کا پورا پورا احترام کیا ۔

کوئی یہ خیال نہ کرے کہ میرے پاس اس دعویٰ کی یہی دلیل ہے، جو میں عرض کر چکا ہوں، نہیں بلکہ ترکی تاریخ کے اوراق اس قسم کی شاندار روایات سے بھرے ہوئے ہیں، معلوم ہوتا ہے، کہ صلح کانفرنس نے ہمارے دشمنوں کے بیانات کو صحیح مان لیا ہے، جن میں طرح طرح کے الزامات ہم پر تراشے گئے ہیں، لیکن یاد رکھو کہ ہمیشہ صداقت کو ہی فتح حاصل ہوتی ہے، ترکی سرحدات کے متعلق فرید پاشاہ نے اپنے سرکاری بیان میں جو کچھ کہا ہے، اُسے ہم کبھی نہیں تسلیم کر سکتے، کیا انہیں یاد نہیں، کہ فارس کے جنوبی علاقوں کی عربی بولنے والی آبادی اور فارس سے انطاکیہ تک تمام ترکی رعایا کی رگوں میں صدیوں سے

ترکی خون پیوست ہو چکا ہے، مانا کہ ہم پر الزام لگا کر اپنا اُلّو سیدھا کر لیا گیا ہے لیکن اس بات کو یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ بہادر قوم مصائب سمرنا کے بعد اب اس بات پر کمر بستہ ہو گئی ہے، کہ اپنے پامال شدہ ملک کی حفاظت بزور شمشیر کرے" ؎

یہ طویل تقریر جاری رکھتے ہوئے آپ نے اخیر پر فرمایا ؛

"۳۱ - نومبر ۱۹۱۸ء کو التولائے جنگ کے معاہدے پر ہم نے دستخط کر دیئے تھے، ہم نے یہ بھی تسلیم کر لیا تھا، کہ زائد عثمانی افواج ہماری موافقت سے منتشر کر دی جائینگی، لیکن انگریزوں نے فوراً موصل کی جانب پیش قدمی شروع کر دی، اور قسطنطنیہ پر بحری و بری قبضہ کر لیا، پھر اطنہ ارفلمین تاب اور مراش پر اُنھوں نے اور فرانسیسیوں نے تسلط جمالیا، حالانکہ یہ تمام کارروائیاں معاہدہ التولائے جنگ کے صریح خلاف تھیں یہیں تک نہیں کیا گیا، بلکہ مسٹر ولسن کے اصول کو تسلیم کرنے کے بعد ہی ہماری سلطنت کو تقسیم کر لیا جس کا نام اُنھوں نے حکم برادری رکھا، اس کے علاوہ ہم پر طرح طرح کے جھوٹے الزام لگائے گئے، ہماری شاندار روایات ماضی کی طرف سے منہ پھیر کر دینا کو بتایا گیا کہ ہم ترک حکومت کرنے کے نا قابل ہیں ؛

لیکن دنیا جانتی ہے، کہ ہم نے کس طرح ایک چھوٹی سی ریاست سے ایک عظیم الشان سلطنت قائم کی اور یورپ کے قلب و جگر میں گھس کر کس طرح اپنی عظمت و جلال کے جھنڈے گاڑ دیئے، جو قوم ایسی عظیم الشان سلطنت قائم کر سکتی ہے، لازم ہے، کہ اس میں تمام سیاسی و انتظامی قابلیتیں موجود ہوں" ؛

آپ کی اس تقریر سے معلوم ہوتا ہے، کہ مصطفےٰ کمال پاشا کا پایہ مدبرین سیاست سے کسقدر بلند ہے ؎

۱۷ر مارچ ۱۹۲۰ء کو جب اتحادیوں نے قسطنطنیہ پر باقاعدہ قبضہ کرلیا اس سے چند روز پہلے یونان نے سمرنا پر قبضہ کرلیا تھا، اور سلیشیا پر فرانسیسی فوج تسلط جمائے ہوئی تھی، ترکی کا قدیم دشمن آرمینا بھی اتحادیوں کے اشارے سے فتنہ و فساد پر آمادہ تھا، علاوہ ان مصائب کے ادھر سلطنت عثمانیہ نے اتحادیوں کے کہنے سے لشکر احرار کی سرکوبی کیلئے ایک لشکر بھیجا۔

اس وقت آپ کے صبر و استقلال، دلیرانہ شجاعت، مستقل مزاجی کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے، آپ نے نہایت استقلال سے ان تمام مصائب کا مقابلہ کیا اور اپنی جدید سلطنت کو اغیار کے چنگل سے بچالیا۔

۹ر دسمبر کو آخر کار مجبور ہو کر آرمینا نے ترکوں کے ساتھ صلح کرلی، جس کی رو سے آرمینا پر ترکی قوم پرست قابض ہوگئے۔

آرمینا پر قبضہ کرنے کے بعد آپ نے فرانس کو تخلیہ سلیشیا پر مجبور کیا، چنانچہ ۲۸ر اپریل کو ارفہ کے مقام پر سخت خونریز جنگ ہوئی جس میں فرانسیسیوں کی فوج کا بہت نقصان ہوا۔ اور جنگ میں التوا ہوا، ۱۷ر جون کو بعد میعاد التوائے جنگ شروع ہوگئی، اور سلیشیا میں فرانسیسی پلٹن ترکوں نے گرفتار کرلی۔

۱۳ر دسمبر کو انطاکیہ سے چالیس میل بجانب جنوب مشرق فرانسیسی اور ترکی فوج کے درمیان پھر جنگ ہوئی جس میں بہادر ترک حملہ آوروں نے سامان حرب اور بہت سے آدمی گرفتار کرلیے۔

ان پیہم شکست یابیوں کے بعد فرانس نے آخر کار سلیشیا کا علاقہ خالی کر دیا، اس کے بعد آپ کو یونان سے معرکہ آرا ہونا تھا، چنانچہ یونان کی پہلی لڑائی ۱۴ر اپریل ۱۹۲۱ء میں شاہ یونان کا بھائی مارا گیا، اور یونانیوں کو شکست فاش ہوئی۔

دوسری دفعہ آپ خود سپہ سالار بن کر یونان سے معرکہ آرا ہوئے، اور میدان جنگ سے فوج کوچ کرا کے دریائے سگاریہ پر آ گئے، یہ مقام انگورا سے چالیس میل کے فاصلہ پر تھا، وہاں آپ نے کئی میل تک پوشیدہ توپ خانے قائم کر دیئے، چنانچہ جب یونانی فوج اس مقام پر ترکی فوج پر حملہ آور ہوئی تو تمام پوشیدہ توپ خانوں کے منہ کھول دیئے گئے، جس سے چند ہی گھنٹوں میں ایک لاکھ یونانی تباہ ہو گئے، اور آپ کی اس شاندار فتح نے دنیا میں تھلکہ ڈالدیا ؎

ان لڑائیوں سے فارغ ہو کر اپنی سلطنت کے انتظام کی طرف توجہ کی اور ایسی خوش اسلوبی سے تمام انتظامات کئے جس کا تمام یورپ کو اعتراف ہے ؎

اسی سلسلے میں آپ نے تمام اسلامی سلطنتوں کو یگانگت و اتحاد کے مضبوط سلسلے میں منسلک کرنے کا بہترین کام انجام دینا چاہا ؎

چنانچہ اس خیال کی عملی دلیل افغانستان اور جدید ترکی کا اتحاد ہے، پچھلے دنوں میں آپ کی حکومت کی طرف سے غازی جمال پاشا (جو جنگ یورپ کے وقت شام کے ترکی لشکر کے وزیر اعظم تھے) افغانستان میں تشریف لائے، امان اللہ خان (حال امیر کابل) نے آپ کا پرتپاک خیر مقدم کیا، اور چند روز کے بعد دولت افغانیہ اور دولت عثمانیہ کے درمیان ایک عہد نامہ مرتب ہو گیا جس میں افغانستان نے ترکوں کے حق خلافت کو تسلیم کر لیا ؎

سلطان ابن سعود اور واقعات حاضرہ

یہ ۱۹۲۳ء کے واقعات ہیں، اگرچہ اس وقت سلطنت عثمانیہ اپنی باہمی کمزوریوں اور اہل یورپ کے جور و استبداد سے پامال ہو رہی ہے، لیکن وہ خادم اسلام اس وقت بھی اس اسلامی سلطنت کے محافظت میں شمشیر بکف ہیں ؎

ان دو جانبازانِ قوم میں ایک تو کمال پاشا ہیں، جو حدود ترکی میں دشمنانِ اسلام سے معرکہ آرا ہیں، دوسرے سلطان ابن سعود جو حجاز میں اپنی شمشیر خاراشگاف سے باطل پرستوں کا قلع قمع کر رہے ہیں ؛

ٹرکی میں اس وقت بھی یعنی ۱۹۲۶ء میں بھی فرانس اور انگلستان کی فوجیں مصطفےٰ کمال پاشا کے سامنے ہیں، اور آپ نہایت مدبرانہ اور دلیرانہ مدافعت کر رہے ہیں ؛

انگلستان زیادہ تر قبضہ موصل کے درپے ہے، اور فرانس دمشق کی نسبت اپنے حرص آز نکالے ہوئے ہے ؛

یہ دونوں سلطنتیں سلطنت عثمانیہ کی طرح اپنی چالوں سے جدید ترکی اور حجاز کے درپے آزار ہیں، اور طرح طرح کے منصوبے باندھ رہی ہیں ؛

ادھر تو یہ حالات رونما ہو رہے ہیں ادھر حجاز میں شریف مکہ اور اس کے جانشین عبداللہ جنہوں نے دنیاوی طمع سے حجاز کو ناپاک کرنے کی کوشش کی تھی، اُن کی امیر سعود نے سرکوبی کرتے ہوئے زیارات مقدسہ کو پامال کر کے اکثر مسلمانوں کو روحانی صدمہ پہنچایا ہے، اس کی نسبت ہندوستان کے مسلمانوں نے فرقہ دارانہ اثر سے متاثر ہو کر ۱۹۲۶ء میں خود سلطان ابن سعود کی خدمت میں وفد روانہ کر کے اُن سے یہ مطالبات کئے ؛

(۱) نجد و حجاز کی جنگ کے دوران میں جو مقابر مسمار کئے گئے ہیں، انکو از سر نو تعمیر کر دیا جائے ؛

(۲) جن لوگوں نے ہدم قباب کے جرم کا ارتکاب کیا ہے، اُن کو سزائیں دی جائیں ؛

(۳) حجاز میں مذہبی آزادی اور عقائد کی رواداری کا یقین دلایا جائے ؛

(۴) حجاز کی حکومت کا نظام اہل حجاز کی مرضی کے مطابق مرتب کیا جائے ؛
(۵) دنیائے اسلام کی ایک کانفرنس منعقد کی جائے ؛
(۶) سلطان نجد نے برطانیہ سے جو معاہدے کئے ہیں، وہ وفد کو دکھلائے جائیں ؛

ان مطالبات کے متعلق اگرچہ وفد کو پہلے اس بات کا یقین دلا دیا تھا کہ جو مقابر مسمار ہوئے ہیں، وہ فوج کی ناواقفیت اور غفلت کے باعث منہدم ہوئے ہیں، اگر مذہب اسلام میں ان قبوں کا جائز ہونا مجھ پر ثابت کیا جاوے، تو میں ان کو از سر نو تعمیر کرا دونگا ؛

لیکن ہمیں افسوس ہے کہ مابعد میں بھی سلطان کے حکم سے کئی مقدس روضے اور قبرستان، حتیٰ کہ جنت البقیع تک کی متبرک قبریں مسمار کر دی گئیں ؛ اس میں کچھ شک نہیں، کہ سلطان ابن سعود کا مذہب اس فعل کو جائز نہیں سمجھتا، لیکن ان کو دیگر مسلمانوں کے عقائد اسلام کا بھی لحاظ رکھنا چاہیئے تھا، ہمیں اس بات کا اعتراف ہے کہ سلطان ابن سعود نے اسلامی دنیا کی نمایاں خدمت انجام دی ہے، اور اگر ان کی تقریر ان کے دلی خیالات کا عکس ہے، اور وہ اپنے ان خیالات کے مطابق صداقت کے ساتھ عمل پیرا ہیں، تو ہمیں اس بات کا تعجب ہے کہ باوجود ایسے خادم اسلام نے کروڑوں مسلمانوں کے عقائد کا کیوں لحاظ نہیں رکھا، چنانچہ ذیل میں ہم ان کی تقریروں کا خلاصہ درج کئے دیتے ہیں مسلمانان ہندوستان کے ایک وفد کو رخصت کرتے وقت سلطان ابن سعود نے فرمایا :-

"میرا نصاریٰ سے معاہدہ ہے، کہ جب تک تم میرے دینی

شرف اور وطنی شرف اور عربی شرف سے تعرض نہ کرو گے اس
وقت تک میں تم سے کوئی تعرض نہیں کرونگا لیکن جب تم میرے
شرف اور وطنی شرف اور عربی شرف پر حملہ کرو گے تو میں تمہارے
توپ خانوں اور ہوائی جہازوں سے بالکل بے پرواہ ہو کر تمہارے
خلاف جنگ کا اعلان کر دونگا" ؛

جب آپ سے اس معاہدہ کے متعلق یہ کہا گیا" کہ بعض لوگوں کو شبہہ ہے، کہ آپ نے انگریزوں سے حال میں جو معاہدہ کیا ہے، اس میں موصل کے متعلق ترکوں سے کے خلاف لڑنے یا کم از کم خاموش بیٹھ رہنے کا عہد کیا ہے؟ اس پر آپ نے فرمایا ؛

"واللہ یہ تہمت ہے، اس معاہدے میں موصل یا ترکوں کا ذکر تک نہیں آیا میں مسلمان ہوں، اور میرے دل کو ہر مسلمان کے رنج سے رنج پہنچنا لازمی ہے اگر اس معاہدہ میں کوئی کلمہ مسلمانوں کے یا اسلام کے یا عرب کے یا قوم کے یا شرف کے خلاف ہو تو میں خدا سے اور رسول سے اور دین سے محروم رہوں، اس کے سوا میں کیا کہہ سکتا ہوں، میں اسلام کے لئے مر رہا ہوں، کتاب، سنت، سلف، ائمہ اربعہ سب میرے سر پر ہیں، ان کے سوا جو کچھ ہے، دیوار پر پھینک دینے کے قابل ہے، اس پر میری گردن کٹ جائے، تو پرواہ نہیں میرا نصب العین اجتماع کلمہ ہے ؛

ان تقاریر میں جو خیالات سلطان ابن سعود کے ہیں، وہ مسلمانوں کے لئے مبارک ہیں، قطع نظر اس کے کہ عام مسلمانوں کے عقائد سے آپ کو اختلاف ہے ؛

چنانچہ جب مقامات مقدسہ اور زیارات عالیہ و قبے گرا دینے کے متعلق

آپ سے استفسار کیا گیا، تو آپ نے فرمایا :۔

"میں وُہ سب کچھ کرنے کیلئے تیار ہوں، جو کتاب وسنت و
اسوۂ سلف صالح اور ارشادات ائمہ اربعہ میں موجود ہو
ورنہ نہیں کرونگا، باقی رہا عوام کا اضطراب یا فساد انگریزی کا
مسئلہ، تو مجھے خدا کے سوا کسی کا خوف نہیں میں کسی کو
خدا اور اُس کے رسول سے یا سلف صالحین و ائمہ اربعہ
سے افضل نہیں سمجھ سکتا" :۔

خیر یہ تو عقائد کا اختلاف ہے، جن کو ہماری تاریخ سے کچھ تعلق نہیں تاہم دشمنان اسلام کی مدافعت کے لئے آپ کا دم غنیمت ہے۔(۱) پھر ایسے موجودہ وقت میں جبکہ ادھر تو فرانس، انگلستان یونان وغیرہ ترکی کے خلاف ہیں، اور اس طرف حجاز میں شطرنج کی سی چالیں چلی جاتی ہیں :۔

حال ہی میں انگلستان کی طرف سے سر گلبرٹ گلیٹن سلطان ابن سعود کی خدمت میں اس غرض سے حاضر ہوئے تھے، کہ کسی نہ کسی طرح سلطان موصوف کو برطانوی خاکدار حکمت عملی کے جال میں پھانس لیں :۔

لیکن جب یہاں ان کی دال نہ گلی، تو سر گلبرٹ صاحب فی الفور صنعا رجو دالی یمن امام یحییٰ کا دارالسلطنت ہے، پہنچے، چنانچہ امام یحییٰ نے نہایت تپاک سے ان کا خیر مقدم کیا، سر گلبرٹ نے معاہدہ کے متعلق کچھ گفت و شنید کی، گو ابھی تک یہ معلوم نہیں ہوا، کہ معاہدہ مرتب ہو گیا ہے، یا نہیں، لیکن قاہرہ کا پیغام مظہر ہے، کہ یمنی فوج نے امام یحییٰ کے بیٹے کی سرکردگی میں عسیر کے دو شہروں کا محاصرہ کر لیا ہے، چونکہ عسیر سلطان ابن سعود کے زیر اثر ہے، لہذا اندیشہ ہے، کہ مبادا سلطان ابن سعود اور امام یحییٰ کے درمیان

(۱) ہم بھی آپ کے اقوال پر یقین رکھتے ہوئے افعال کی نسبت ہمیں علم نہیں۔ (شوق)

معرکہ کارزار نہ گرم ہو جائے ۔۱ ؎

امام یحیٰی آغاز کار ہی سے ترکوں کے بہت بڑے مداح اور وفادار رہے ہیں، جب شریف حسین نے خلیفۃ المسلمین کے خلاف علم بغاوت بلند کیا تھا، جب بھی امام یحیٰی اس فتنے سے الگ رہ کر ترکوں ہی کے ساتھ وابستہ رہے تھے، ایسے شخص کا انگریزوں کے ہاتھ میں کٹھ پتلی بن جانا سخت حیرت انگیز ہے، لیکن معلوم ہوتا ہے، کہ امام یحیٰی عرب میں سلطان ابن سعود کے روز افزوں نفوذ و اقتدار سے بہت متاثر ہوئے ہیں اور اب اس نفوذ و اقتدار کے مقابلہ میں انگریزوں کی مدد سے صف آرا ہونا چاہتے ہیں ۔

ہمیں امام یحیٰی جیسے بیدار مغز آدمی سے یہ توقع ہرگز نہ تھی، ہمیں اب بھی یقین ہے، کہ سلطان ابن سعود کا تدبر بروئے کار آئے گا اور وہ امام یحیٰی کو ہر طریق سے سمجھا بجھا کر مصالحت قائم رکھنے کی ضرورت کو قائل بنا لیں گے، کیونکہ زمانہ موجودہ میں مقامات مقدسہ کا انتظام کما حقہ، ہو رہا ہے، اور حجاز کو نو سال کے بعد امن و رفاہ کی صورت دیکھنی نصیب ہوئی ہے، ایسی حالت میں جو ذی اقتدار انسان محض ذاتی مقاصد کے لئے اس امن امان کو درہم برہم کریگا، وہ مخالفین کے ہاتھوں کو تقویت پہنچائیگا، اور جزیرۃ العرب میں اغیار اشرار کے مداخل کا معاون سمجھا جائیگا، اگرچہ سُنا جاتا ہے کہ سعودی حکومت میں حجاج کو نہ فقط زیادتی اخراجات بلکہ مقامات مقدسہ کی زیارت کے متعلق بھی خاص شکایات ہیں ۔

خدا کرے کہ امام یحیٰی اور ابن سعود اپنی غلطیوں کو جلد محسوس کر لیں ۔

شریف حسین کا انجام اُن کے سامنے ہے، جس نے برطانیہ کے وعدوں پر اعتبار کر کے اسلام و ایمان بھی بیچ دیا، لیکن دنیا نے اسلام

۱ ؎ ... [illegible]

نے اس کو مردود و ملعون قرار دیا، اور انگریزوں نے بھی عین مصیبت کے وقت اس کا ساتھ چھوڑ دیا ؛

ہمیں اُمید ہے، کہ امام یحییٰ بہت جلد عاقبت اندیشی سے کام لیں گے، اور سلطان ابن سعود بھی انکے خلاف تلوار نہ اُٹھا سکینگے، اس لئے کہ یہ طرز عمل خلاف شریعت اور منافی مقاصد اسلامیہ ہونے کے علاوہ خود امام یحییٰ اور ابن سعود کے لئے پیام اجل ثابت ہوگا، کیونکہ نہ امام یمن اغیار سے امداد پا کر ہی کامیاب ہو سکتے ہیں، اور نہ ابن سعود ہی عام مسلمانوں کو ناراض کر کے امیر عرب رہ سکتے ہیں ؛

یہ ۱۹۲۵ء تک کے واقعات ہیں۔

اس کے بعد علامہ الیاس برنیؒ کے سفرنامہ حجاز الموسوم صراط الحمید سے یہ معلوم کر کے ہمیں افسوس ہوا ہے کہ سلطان ابن سعود والیٔ حجاز ملکی اخراجات پورا کرنے اور جدہ سے مکہ تک ریلوے لائن نکالنے کے لئے دول خارجہ سے قرض لینا چاہتے ہیں۔

چونکہ قرض ستانی ایک ایسی بلا ہے جو نہ صرف کاروباری رعایات۔ ملکی مصنوعات مقبوضات سے چمٹ کے رہ جاتی ہے۔ بلکہ اس قرض کی بلائے بے درمان مقروض سلطنت میں بھی اپنا قبضہ جما لیتی ہے۔

لہذا بارگاہ ایزدی میں دعا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے اس عالم مرکز کو قرض کی بلا سے اور موجودہ والی حجاز کو اس قرض ستانی سے محفوظ رکھے۔

عبدالرحمن شوق (امرتسری)

تمت

ملنے کا پتہ

حاجی ملک دین محمد اینڈ سنز پبلشرز و تاجران کتب کشمیری بازار لاہور

سنہ ۱۳۴۵ھ تا سنہ ۱۳۶۰ھ

سنہ ۱۹۲۹ء تا سنہ ۱۹۴۱ء

حجاز و عرب و انقلاب افغانستان

ملک حجاز کے گذشتہ مختصر خارجی حالات کے بعد اس اسلامی ملک کے معاشی مسائل بھی کچھ اچھے نظر نہیں آتے۔

حجاج و حجاز اور والئے حجاز کے حالات

رعایا۔ نادار۔ تہی دست اور راعی کے لئے مالی مشکلات حائل ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حجاز ایسے ریگستانی خطہ میں ماسوائے مکہ معظمہ کا زمزم۔ مدینہ شریف کی کھجوروں۔ خاک شفا اور اونی کمبلوں کے رکھا ہی کیا ہے۔ اس پیداوار و تجارت پر رعایا کیا خوشحال ہو سکتی ہے اور سلطانی محاصل کیا وصول ہو سکتے ہیں۔ البتہ آمدنی کا سب سے بڑا ذریعہ حجاج کے محاصل اور نذرانوں پر موقوف ہے۔ لیکن حجاج کی یہ آمدنی حاجیوں کی زائد تعداد پر منحصر ہے۔ اور یہ زیادتی تعداد پر موقوف ہے۔ حاجیوں کی عقیدت اور راہِ سفر کے امن و اماں ہیں۔

اس میں شک نہیں۔ کہ سفر حج میں ترکوں کے عہد کی وہ پہلی سی بدامنی اور معلموں کی زیادتیوں کی اب شکایات نہیں رہیں۔ بلکہ سفر حجاز میں اس قدر امن حاصل ہو چکا ہے کہ حجاج کی گری ہوئی چیز کہیں پر بھی کوئی اٹھا نہیں سکتا۔ نیز وکلا معلمان و کارکنان حجاج پر سلطنت کی طرف سے اس قدر پابندیاں عائد کی گئی ہیں۔ کہ معلمان اور وکلاء حجاج سے اس لئے خوف زدہ رہتے ہیں۔ کہ ان کی شکایت پر کہیں ہماری شامت نہ آجائے۔

لیکن باوجود اس امن و امان کے سلطان ابن سعود والیٔ حجاز نے آثار سلف مٹانے دبالخصوص

بزرگانِ اسلام کے مزارات اقدس منہدم کرنے کی جو سخت غلطی کی ہے وہ نہ صرف ناقابل تلافی ہے بلکہ اس غلطی سے بلحاظ عقیدت حجاج کی تعداد اور سلطنت حجاز کی آمدنی میں کمی واقع ہوگئی ہے کیونکہ زائرین کو زیادہ تر آثار سلف کا شوق ہی آمادہ سفر کرتا ہے۔ برخلاف اس کے زائرین جب یہ شوق و عقیدت دل میں لئے ہوئے مکہ شریف وارد ہوکر جبل ثور میں اُس غارِ حرا کی زیارت کرنے جاتے ہیں جو ہادیٔ اسلام خیر الانام علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سب سے پہلی عبادت گاہ تھی۔ جہاں خدا کی طرف سے حضرت جبرئیل علیہ السلام کی زبانی حضور پُر نور صلعم پر مقدس اسلام کے مقدس دستور العمل (قرآن مجید کی پہلی آیت) کا نزول ہوا تھا۔ تو اس جگہ اس قدر سخت پہرا دیکھتے ہیں کہ کسی کو اندر جانے کی اجازت نہیں ہوتی۔ اگر کوئی آنکھ بچا کر اندر چلا جائے تو وُہ کوڑوں کی مار کھائے۔

عرفات کے میدان میں جبل رحمت پر بھی جانے کی اجازت نہیں۔ وہاں بھی سلطنت کی طرف سے پہرہ دار مقرر ہے۔ جہاں حضور پُر نور صلعم پر نہ صرف خدا کی طرف سے آیات قرآنی کا نزول ہوا۔ بلکہ حضور پُر نور صلعم نے اس جگہ خطبہ بھی فرمایا تھا۔

اسی طرح اگر اس متبرک مکان دارِ خیزران کے شوقِ زیارت کی طرف حجاج کے قدم اٹھیں تو وہ بھی مقفل پائیں۔ جہاں پر ابتدائے اسلام میں ہادیٔ اسلام خیر الانام علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے چند جانثارانِ اسلام کے ساتھ عبادت الٰہی کیا کرتے تھے۔ یہ وہی متبرک مکان تھا جس کے دروازہ پر خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ اسلام سے مشرف ہوئے تھے۔ اور عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسی مکان سے اسلام اور لقب فاروق سے مشرف ہوکر اپنے ۳۹ نو مسلم جانثاران کے ساتھ علی الاعلان عبادت الٰہی کرنے نکلے تھے

حجاج کو اگر فخر کائنات سرورِ عالم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے جذبۂ عقیدت و محبت میں مولود النبی کا شوقِ زیارت دل میں گدگدی دے۔ جس جائے متبرک پر نور محمدی نے اس عالم دنیا میں آکر نزول فرمایا۔ تو اس مقدس عمارت کی جگہ چٹیل غیر آباد میدان دیکھ کر غلامانِ محمدؐ کی

روحیں تڑپ اٹھیں۔ یہی حال جائے مولود حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا و جائے مولود حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کا ہے۔ کہ اگر کسی خادم بزرگان اسلام کو ان جائے متبرکات کا شوق دامنگیر ہو تو ان متبرک مقامات کو بھی بے نام و نشان پائیں۔ اگر زائرین جنت المعلیٰ کی زیارت یا صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کے مزارت اقدس پر فاتحہ پڑھنا چاہیں۔ تو تمام مزارات مقدسہ کو مسمار دیکھ کر ششدر رہ جائیں۔

مکہ شریف کے آثار سلف و انہدام زیارات کی اس بے حرمتی کا اثر ہے کہ جب زائرین اسلام مدینہ شریف میں روضۂ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنی آنکھیں بچھانا چاہیں۔ تو وہاں بھی نہ صرف دیوانگانِ محمدی کو اپنے جذبات محبت نچھاور کرنے کی اجازت ہو۔ بلکہ حکومت کی طرف سے مقرر کردہ واعظ حکومت کے بل بوتے پر اپنے مخصوص عقائد کی تلقین کر کے غلامانِ محمدؐ کی دلآزاری کا موجب ہوں۔ روضۂ پُر نور رسول مقبول علیہ الصلوٰۃ والتسلیم پر اپنی آنکھیں فرش راہ کرنے سے مایوس ہو کر جنت البقیع[1] و حضرت امیر حمزہ کی وسیع پختہ مسجد کی مسماری دیکھ کر زائرین اسلام کی آنکھوں سے خود بخود آنسو ٹپک پڑتے ہیں۔

یہی حجاج و زائرین دل برداشتہ ہو کر اپنے اپنے شہروں میں آ کر جب اہلِ شہر کو سلطان حجاز کے ملکی امن امان کی تعریف کے ساتھ ہی جب انہدام آثار سلف صالحین کے اس ارتکاب کا ذکر سناتے ہیں تو سامعین کے دلوں میں بھی غم و غصہ کے جذبات کے علاوہ ادائگی فرض حج میں بھی بے دلی سی پیدا ہو جاتی ہے۔

غرضیکہ مندرجہ بالا وجوہات ہی کمی حجاج کے سبب ہیں۔ جن کو اسلام کے کسی خاص عقیدہ

---

[1] جنت البقیع وہ متبرک قبرستان ہے جس میں اہل بیت و امہات المومنین و اکابر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کے مسمار شدہ مدفنوں کو اب یعنی ۱۳۵۸ھ میں چند چبوتروں کی شکل میں بنا دیا گیا ہے۔ لیکن ان پر بھی پھول چڑھانے۔ عود سلگانے۔ تبرکِ اٹھانے۔ آنسو بہانے بلکہ زیادہ دیر تک ٹھہرنے کی بھی اجازت نہیں۔ شوقؔ

کے ماتحت نہیں۔ بلکہ اظہار صداقت کے خیال سے معرض تحریر میں لایا گیا ہے۔

علامہ الیاس برنی صاحب نے اپنی مؤلفہ کتاب صراط الحمید میں حکومت حجاز کو جن الفاظ میں جو مشورہ دیا ہے۔ وہ بھی میرے مندرجہ بالا اظہار صدق کے مطابق ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:-

"حکومت کی طرف سے کچھ لوگ حرم نبوی میں وعظ کہتے ہیں۔ اور علانیہ حکومت کے بل بوتے پر تمام حجاج کے روبرو۔ اپنے مخصوص عقائد پر زور دیتے ہیں۔ لیکن یہ تبلیغ کا طریق نہیں ہے اس سے اشتعال اور دل آزاری کے سوا کچھ حاصل نہیں۔ خود حکومت اپنا نقصان کرتی ہے۔ اور حجاج کی مخالفت اور ناراضی بڑھاتی ہے۔"

حجاج سے حکومت کے مختصر تعلقات عرض کر دیئے گئے ہیں۔ اب حکومت کی قوم و قبیلہ کے حالات سُنیئے گا۔ اس کے دو طبقے ہیں۔ ایک طبقہ تو خاص مولویوں کا ہے۔ دوسرا عام طبقہ رعایا کا ہے۔ مولویوں کی تو یہ خواہش ہے کہ ان کے مخصوص عقائد کی سب رعایا تعمیل کرے۔ حکومت کا منشا بھی یہی ہے۔ اور عام رعایا کا مقصد یہ ہے۔ کہ ان کی معاش کی صورت حکومت کی ملازمت ہو۔

اب حکومت کے لئے مشکل یہ ہے۔ کہ اگر مولویوں کے احکامات کی رعایا سے تعمیل کرائے۔ تو حجاج ناخوش ہوتے ہیں۔ حجاج خوش نہ ہوں۔ تو حج کرنے کیسے آئیں۔ اور حکومت کا خرچ کیسے چلے۔

کہاں وہ وقت تھا۔ کہ حاجیوں کی تعداد تقریباً ۲ لاکھ کے قریب تک ہو جاتی تھی۔ لیکن ۱۳۵۸ھ میں تقریباً بیس ۲۰۰۰۰ ہزار بلکہ ۱۳۵۹ھ میں تو اس سے بھی کم تھی۔ ایسی صورت میں حکومت کے ملکی اخراجات کیسے پورے ہوں۔ اگر حکومت رعایا اور حجاج کے

محاصل بڑھائے تو رعایا میں ناراضی اور حجاج میں بے دلی پیدا ہوتی ہے۔
لہذا حکومت کے (دول خارجہ کے قرضہ سے محفوظ رکھنے کے لئے) اپنے ملکی اخراجات پورے کرنے کی ایک ہی صورت ہے۔ کہ حاجیوں کی تعداد بڑھائی جائے۔ اور تعداد بڑھ سکتی ہے۔ حجاج کے جذبۂ عقیدت اور ہر چہار آئمہ دین کے ارشادات کی متابعت کو برقرار رکھنے سے کاش کہ میرے یہ ناچیز خیالات سلطان ابن سعود والئی حجاز کے پیش نظر ہو جائیں۔

اب رہا حکومت کے قبیلہ کا دوسرا طبقہ ان میں سے اگرچہ حکومت نے بہت سے افراد کو اپنی ملازمت میں لے رکھا ہے لیکن جب حکومت کا خزانہ ہی خالی ہو۔ تو نہ سابقہ ملازمین کی تنخواہیں وقت پر مل سکتی ہیں۔ اور نہ دیگر افراد ہی بھرتی کئے جا سکتے ہیں۔

آخیر میں ہماری چند معروضات ذیل ان بزرگانِ اسلام سے ہیں۔ جو بہ توفیق ایزدی ادائیگی حج کے لئے ملک حجاز میں پہنچنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔

(۱) تمام حجاج کو حجاز کے ایسے تحفہ تحائف کے سوا۔ کوئی بدیشی بالخصوص یورپی مال حجاز میں خریدنا ہی نہ چاہیئے۔ تاکہ حجاج جس قدر مال اپنے تبادلہ زر میں وہاں سے لاسکیں وہ اہل حجاز کا ہی بنا ہو اور صرف اہل حجاز ہی اس کا مفاد حاصل کر سکیں۔

(۲) تجار لوگ اہل حجاز کو وہاں کی پیداوار اور مصنوعات کے متعلق نہ صرف ان کو مفید زبانی مشورے دیں۔ بلکہ وہاں چند دن رہ کر خود عمل کر کے اہلِ حجاز کو ایسے عملی طریقے بتائیں جس سے وہ اپنی تجارت میں کافی منافع حاصل کر سکیں۔ مثلاً جیسے کہ علامہ الیاس برنی نے فرمایا ہے۔

" مدینہ شریف کی کھجوریں اپنی خوبیوں کے لحاظ سے بلا مبالغہ دنیا میں بہترین ہیں۔ اور ان کی متعدد قسمیں ہیں۔ قرب و جوار میں دور دور تک نخلستانوں میں مزید توسیع ممکن ہے۔ اگر جدید طریق پر باقاعدہ ان کو ڈبوں وغیرہ میں جما کر بہ سبیل تجارت باہر بھیجا جائے۔ تو لاکھوں

روپیہ کی تجارت بآسانی ممکن ہے۔صرف تھوڑی سی اولوالعزمی اور تنظیم کی ضرورت ہے
اس قسم کی تجارت عراق نے شروع کر دی ہے۔چنانچہ بصرہ کی کھجوروں کے ڈبے ہندستان
کے بازاروں میں اب دستیاب ہوتے ہیں۔

کامران۔جدہ رابغ میں دریائی گھونگے۔سیپیاں بکثرت ملتی ہیں۔
اور ارزاں ملتی ہیں۔غریب بدو۔ان کی قدر کیا جانیں۔ان کو
ساحل پر یہ چیزیں مفت ملتی ہیں۔اور وہ کوڑیوں کے مول
دے دیتے ہیں۔بلکہ اگر کوئی حاجی ایسی چیزوں کو خریدے
تو اس کا احسان مانتے ہیں۔

ان دریائی چیزوں میں صنعت کی بہت گنجائش ہے۔بعض لوگ
چپ کے چپ یہ تجارت کرتے ہیں اور خوب نفع کماتے ہیں
پیسہ کی چیز دیگر ممالک میں روپے دلاتی ہے۔اسی طرح
حجاز کے بعض علاقوں میں روغن بلسان قدرتی طور بکثرت پیدا
ہوتا ہے۔اور یہ بڑی مفید دوا ہے۔زخموں کے اندمال
کے لئے بھی اور مقوّی بھی۔اگر کوئی اس کی باقاعدہ تجارت
کرے۔تو بہت کچھ ترقی کی گنجائش ہے۔

خلاصہ یہ کہ حجاز مسلمانانِ عالم کا اسلامی مرکز ہے۔ان پر اس بات کا حق پہنچتا ہے
کہ وہ اپنے تجربات تجارت و دیگر ہر قسم کی امداد حجاز۔اہلِ حجاز اور والیٔ حجاز کی کریں۔

انقلاب افغانستان کے متعلق ملاں شور بازار کے بقیہ حالات

سابقہ انقلاب افغانستان کے اصل حالات و اسباب کا لوگوں کو چونکہ بہت کم علم ہے۔
اس لئے سابق شاہ افغانستان امان اللہ خاں و ملاں شور بازار کے کچھ مزید حالات قلمبند کئے

جاتے ہیں۔ اخباری پروپیگنڈا اگرچہ اکثر اہل نظر کی نظر میں ناقابل یقین سمجھا جاتا ہے۔ لیکن پھر بھی اخبارات کی انہی خبروں پر قارئین کو یقین کرنا پڑتا ہے۔ چنانچہ انقلاب افغانستان کے متعلق اخبارات میں ملاں شور بازار کے جو حالات مشتہر ہوئے ہیں۔ اُن سے تو ظاہر یہی ہوتا تھا۔ کہ حضرت ملاں صاحب کوئی بڈھے اپنے خیالات کے کٹھ ملاں ہوں گے۔ جنہوں نے اپنے معتقدین کو اپنی پرانی تہذیب میں رکھنے کے لئے امان اللہ خاں سے بغاوت کی ہوگی۔

لیکن حقیقت اس کے برعکس ہے۔ کیونکہ ماشاءاللہ حضرت ملاں شور بازار جوان ہیں۔ خوش مزاج سنجیدہ۔ نہایت ذہین۔ باحوصلہ۔ صاحب علم۔ ملک وملت کے دردمند ہیں۔ سیاسیات اور حالات حاضرہ پر وسیع نظر رکھتے ہیں۔ غرضیکہ قدیم طرز کے ایسے مسلم نوجوان ہیں جنہیں علم وعمل اور دین و دنیا کا تدبر وتفکر ودیعت کیا گیا ہے۔ اس وقت ۱۳۵۸ھ تک حکومت افغانستان کی طرف سے مصر میں سفیر ہیں۔

حضرت ملاں صاحب کے اصل حالات انہی کی زبانی یوں معلوم ہوئے ہیں۔ کہ انقلاب افغانستان کے بعد جب کہ نادر شاہ امیر افغانستان مقرر ہوئے۔ تو ملاں شور بازار نے نادر شاہ کی خدمت میں یہ استدعا کی۔

"چونکہ میری ذات کی نسبت دنیا کو دھوکا دیا گیا ہے۔ اور میرے متعلقہ حالات اصلیت کے خلاف دنیا میں مشتہر ہو چکے ہیں۔ اس لئے میرے کورٹ مارشل کی اصل مسل مجھے عنایت کی جائے چنانچہ مقدمہ بغاوت کی روئداد اُن کو دے دی گئی۔ اور اس روئداد کو جن محترم افراد نے دیکھا ہے۔ اُن کے بیانات سے معلوم ہوا ہے کہ امیر امان اللہ اور حضرت ملاں شور بازار دونوں بچپن کے دوست تھے اور دونوں دوستوں کے باہمی تعلقات بھی خوشگوار تھے۔ بلکہ ملاں صاحب نے امان اللہ خاں کے یورپ تشریف

لے جاتے وقت ان کو جب یہ مشورہ دیا۔ کہ وہاں کی سیاسیات اور ترقیات کو بے شک بغور مطالعہ فرمائیے گا۔ مگر وہاں کی تہذیب عریاں کو اپنے جذبات میں جذب نہ فرمائیے۔ بلکہ بہتر تو یہ ہوگا۔ کہ ملکہ صاحبہ کو بھی اپنے ہمراہ نہ لے جائیے۔ کیونکہ عورتوں کا معاملہ نازک ہوتا ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ یورپ والے اپنی کسی پالیسی میں کامیاب ہو جائیں۔ اور بعد میں گتھیاں سلجھانے میں آپ کو دقت ہو جائے۔"

چنانچہ اس وقت امان اللہ خاں نے بھی ملاں صاحب کے مشورہ پر احتیاط و اعتدال کا وعدہ فرمایا۔ اور ہنسی خوشی وہ یورپ کو روانہ ہو گئے۔

لیکن افسوس کہ بعد میں یورپ کی ظاہری تہذیب سے موثر ہو کر امان اللہ خاں نے یورپی تہذیب و تمدن کو جس عجلت سے رائج کرنے کی کوشش کی اور اپنی اس عجلت میں انہوں نے افغانستان کے قدیم رسم و رواج کو جس حد تک نظر انداز کیا۔ وہ ایسی تلخ حقیقت ہے جس سے سب اہل نظر واقف ہیں۔ کہ امان اللہ خاں کی غیر مآل اندیشی سے ملک افغانستان میں کس قدر بے چینی و ابتری پھیلی۔

ملک کی یہ بدامنی و بے چینی کو دیکھتے ہوئے از راہ خیر اندیشی ملاں صاحب شور بازار نے جب وزراء سلطنت بلکہ خود امیر امان اللہ خاں سے اس حقیقت کا اظہار کیا۔ تو ان پر الٹا یہ شبہ کیا گیا۔ کہ خود ملاں صاحب ہی اپنی مخالفت میں یہ حقیقت بیان کر رہے ہیں۔

سلطنت کا یہ شبہ مٹانے کے لئے ملاں صاحب نے چاہا کہ جا بجا جلسے کر کے رعایا کے اصل جذبات و خیالات کا اظہار کرا دیا جائے۔ لیکن حکومت کی نظر میں یہ شبہ شکایت کی صورت اختیار کر گیا۔ اور ملاں صاحب کی نگرانی بلکہ بعد میں گرفتاری کے احکام بھی جاری ہو گئے۔ اور بغاوت کے جرم میں عدالت الحربیہ کے روبرو ملاں صاحب ماخوذ بھی ہو گئے

اور اسی عدالت کے حکم سے اُن کے کئی ساتھی جاں بحق ہوئے۔

اگرچہ ملاں صاحب کا پہلا نمبر تھا لیکن قدرت کو چونکہ ان کی زندگی منظور تھی۔ اس لئے خلاف توقع آپ کی شہادت ملتوی رہی۔ حتیٰ کہ ارکان سلطنت اور شاہی فوج انتظام سلطنت کرنے سے عاجز ہو گئی۔ اور ملاں صاحب کے دو اڑھائی ماہ مقید ہونے کے بعد ہی ملک میں ایسا انقلاب نمودار ہوا جس سے امیر امان اللہ کے بھی یک بیک قدم اکھڑ گئے۔ اور اس وقت امان اللہ خاں کو ملاں صاحب کی دور اندیشی کا جب یقین آیا۔ تو اپنی اسی مضطربانہ حالت میں ہی ملاں صاحب کو قید خانہ سے بلا کر پھر مشورہ طلب کیا۔ لیکن بقول ؎

چرا کارے کند عاقل کہ باز آید پشیمانی

اب کیا ہو سکتا تھا۔ تاہم ملاں صاحب نے پھر بھی امیر امان اللہ کو یہ آخری مشورہ دیا کہ

"آپ اپنا دستخطی معذرت نامہ تحریر کر کے اسے شایع کر دیجئے۔
اُمید ہے کہ اس سے رعایا کی تمام ناراضگی دور ہو جائے گی اور
ملک میں امن ہو جائے گا۔"

لیکن افسوس ہے کہ امیر امان اللہ خاں نے اپنی غلطیوں کا اعتراف کرنا اپنی شان کے خلاف سمجھ کر ملاں صاحب کے مشورہ کے مطابق معذرت نامہ شائع نہ کیا۔

اس کے بعد ملک کے حالات اس قدر نازک ہو گئے۔ کہ وزراء امراء میں بدحواسی پھیل گئی۔ اسی بدحواسی میں یہ قرار پایا کہ امیر امان اللہ خاں اپنے بھائی عنایت اللہ خاں کو اپنا جانشین مقرر کر کے اپنی جان بچانے کے لئے افغانستان سے نکل جائیں۔

ملاں صاحب نے وزراء کے اس مشورہ کی بھی مخالفت کرتے ہوئے امان اللہ خاں سے پھر کہا۔ کہ :-

"آپ خود ان کو جانشین مقرر نہ فرمائیں۔ کیونکہ جو مخالفت رعایا کو
آپ سے ہے اگر آپ کے بھائی عنایت اللہ خاں کی طرف منتقل

ہو گئی۔ تو پھر جب کہ آپ اس مخالفت کا مقابلہ نہیں کر سکے۔ تو وہ کیا کر سکیں گے۔ البتہ آپ کے بعد عنایت اللہ خاں ملک کی حالت سے خود بادشاہ مقرر ہو سکتے ہیں۔ اور میں بھی اس امر میں ان کی اعانت کی پوری کوشش کروں گا۔"

لیکن امان اللہ خان نے آپ کا یہ مشورہ بھی قبول نہ کیا۔

آخر وہی ہوا۔ کہ امان اللہ خاں کے تخت سے دست بردار ہونے کے بعد مخالفین نے عنایت اللہ خاں کا ساتھ نہ دیا۔ اور ان کو بھی تخت خالی کر دینا پڑا۔

ان حالات سے فائدہ اٹھا کر بچہ سقہ بادشاہ بن بیٹھا۔ لیکن اس کا اقتدار محض عارضی تھا۔ عام رعایا میں اس کا کوئی وقار نہ تھا۔

البتہ نادر خاں کا خاص اثر تھا۔ اگرچہ وہ اس وقت پیرس میں اپنی علالت کے باعث زیر علاج تھے۔ لیکن وطن کی ابتری نے انہیں اس قدر بے چین کر دیا۔ کہ وہ بے سر و سامان ہی پیرس سے چل کر اپنے وطن میں افغانستان میں آ گئے۔ اور اپنی ذہانت و حسن تدبر سے تمام سرداران جرگہ کو اپنے ساتھ ملا کر بچہ سقہ کے آوارہ لشکر کو مرعوب کر کے ملک میں امن قائم کر دیا۔

نادر شاہ کا یہ آخری کارنامہ تھا۔ لیکن افسوس کہ چند ہی سال کے بعد اسی انقلاب کے کسی انقلابی شوریدہ سر نوجوان نے ان کو بھی شہید کر دیا۔ اور ان کی جگہ اُن کے صاحبزادہ ظاہر شاہ نے افغانستان کا تخت حکومت سنبھالا جو اس وقت بھی تخت افغانستان پر جلوہ افروز ہیں۔ اور ان کے لائق اور بیدار مغز چچا ہاشم خاں اُن کے دست راست ہیں۔

سنہ ۱۳۴۵ھ تا سنہ ۱۳۶۰ھ

سنہ ۱۹۲۹ء تا سنہ ۱۹۴۱ء

موجودہ ٹرکی اور ایران جدید وغیرہ

اتاترک مصطفیٰ کمال اور موجودہ ٹرکی

سنہ ۱۹۲۶ء سے سنہ ۱۹۲۹ء تک کا عرصہ اتاترک کمال کے لئے بڑی جدوجہد و مشکلات کا تھا اس عرصہ میں ہی انہوں نے اپنے پروگرام کی تکمیل کی یعنی اناطولیہ جیسے ٹھیٹ ایشیائی حصہ میں معاشی و تمدنی ہزاروں چھوٹی بڑی اصلاحیں کر ڈالیں۔ اور انگورہ ایک اعلیٰ درجہ کا متمدن یورپین علاقہ معلوم ہونے لگا۔ لیکن آپ کی ان اصلاحات اور اس کامیابی سے ایک طرف تو آپ کے مداحوں کا حلقہ بڑھا۔ دوسری طرف دشمنوں اور حاسدوں کے دلوں میں حسد اور رقابت کی ایسی آگ بھڑک اٹھی۔ کہ انہوں نے آپ کی سلطنت کے تختہ ہی الٹ دینے کی کوشش شروع کردی۔

چنانچہ سنہ ۱۹۲۹ء کے آخر میں ادھر تو کردوں نے خلافت کا سوال اٹھا کر بغاوت کا علم بلند کر دیا۔ اُدھر ارمنوں نے تمام ترکی علاقہ میں اپنی سازش کا جال بچھا دیا۔ تیسری طرف ان کمیونسٹوں نے جن کو اتاترک نے ابتدا میں ہی کچل دیا تھا وہ سمرنا میں چپکے چپکے زور پکڑ رہے تھے۔ انہوں نے مزدور پارٹی کو اس جمہوریت کے خلاف ابھارا۔ اور انہوں نے سمرنا کے کارخانوں میں ہڑتالیں کرنا شروع کر دیں۔

علاوہ اس سازش اور بغاوت کے دسمبر سنہ ۱۹۳۰ء میں اناطولیہ کے شہر منمن کے ایک درویش شیخ محمد نے مہدی ہونے کا دعویٰ کر کے مصطفیٰ کمال کے خلاف پروپیگنڈا شروع کر دیا

اتاترک مصطفیٰ کمال نے شورش و بغاوت کی یہ خطرناک صورت دیکھی تو انہوں نے مجبوراً ملک میں مارشل لا جاری کر کے حکومت کے تمام اختیارات اپنے ہاتھ میں لے لئے۔ چنانچہ کردوں اور ارمنوں کی سرکوبی کے لئے تو جنرل صلاح پاشا کے ماتحت ۳۰ ہزار تر کی فوج بھیج کر ان کا قلع قمع کر دیا۔ ادھر سمرنا کے تمام باغی لیڈروں کو گرفتار کر کے جیل خانوں میں بند کر دیا۔ اور ساتھ ہی منمن کے خود ساختہ مہدی اور اُس کے ۲۸ سرکردہ مقتدیوں کو قسطنطنیہ میں پھانسی کے تختہ پر چڑھا کر اس خود ساختہ مہدویت کا بھی خاتمہ کر دیا۔

دولِ یورپ و ممالکِ اسلامیہ سے معاہدات مودّت

کردوں، اور ارمنوں کی بغاوت ملّاؤں کی شورش۔ خود ساختہ مہدی کے دعوئ مہدویت سے فارغ ہو کر اتاترک نے سب سے پہلے ملکی غنیم و ہزیمت خوردہ یونان کی طرف اپنی دوستی کا ہاتھ بڑھایا۔ اور اپنی فتوحات کی یادگار منانے کی بجائے یہ کہہ کر۔ کہ

"ہمیں اپنی جنگی یادگاروں کے مقابل اب یونان کی دوستی زیادہ عزیز ہے"۔

اپنی شرافت قلبی کا ثبوت دیا۔

یونان کے بعد ریاست ہائے بلقان سے معاہدات صلح مرتب کئے۔ جس میں دول یورپ کو مطلق مداخلت کا موقع نہ دیا۔ بلکہ خود ریاست ہائے بلقان کو ترکی سے مانوس کرنے کی پالیسی اختیار کی۔

چونکہ ترکی سرحدیں برطانیہ اور فرانس کے زیر اقتدار علاقوں سے ملی ہوئی واقع ہوئی تھیں۔ اس لئے جہاں اتاترک کمال نے ان دونوں یورپین ممالک سے دوستانہ تعلقات قائم کئے۔ وہاں ممالک اسلامیہ یعنی عراق۔ ایران۔ مصر۔ افغانستان وغیرہ سے بھی معاہدات مودّت کئے گئے۔ اور آپ کے ان معاہدات مودت پر مہر توثیق ثبت کرنے کے لئے ہی جنوری ۱۹۳۰ء میں امان اللہ خاں سابق والی افغانستان اور ایران

سے رضا شاہ پہلوی انگورا میں تشریف لے گئے تھے۔

درہ دانیال پر ترکی قبضہ

دوسری لوزان کانفرنس میں (جو جنوری ۱۹۲۳ء میں ہوئی تھی) اگرچہ سب مراحل اتاترک کی مرضی کے مطابق حل ہوئے تھے۔ لیکن درہ دانیال کے تمام قلعوں پر صرف ترکی قبضہ کو ہی تسلیم نہیں کیا گیا تھا بلکہ ہر قوم کو درہ دانیال میں جہاز رانی کی اجازت دی گئی تھی۔

اگرچہ اس وقت اتاترک نے مصلحت وقت کے لحاظ سے اس فیصلہ کو منظور کر لیا تھا۔ لیکن یہ فیصلہ ہمیشہ انہیں کانٹے کی طرح کھٹکتا تھا۔ اور وہ موقع کے منتظر تھے کہ کسی طرح اس فیصلہ کو ٹھکرا دیں۔

چنانچہ ۱۹۳۵ء میں ایک طرف تو جرمن۔ آسٹریا اور رائن لینڈ پر اپنا اقتدار قائم کرنا چاہتا تھا۔ دوسری طرف اٹلی نے بھی بغیر کسی سبب کے حملہ کر دیا۔ اس سیاسی کشمکش کو دیکھ کر اتاترک کمال نے بھی آبناؤں کی حفاظت کا سوال اٹھایا۔ اور ساتھ ہی درہ دانیال کی دوبارہ قلعہ بندی بھی شروع کر دی۔ اگرچہ جرمنی اور اٹلی کی طرف سے معاہدہ ورسائی کی اس صریح خلاف ورزی پر اتاترک کا یہ مطالبہ دولِ یورپ کے امکان سے باہر تھا۔ تاہم لیگ اقوام نے اتاترک کی عظیم شخصیت کے باعث ترکی کے اس مطالبہ کو تسلیم کر لیا۔ اور معاہدہ لوزان پر نظر ثانی کرنے کے لئے مانٹ رے میں معاہدہ لوزان پر دستخط کرنے والے تمام وزراء سلطنت کی ایک کانفرنس طلب کی۔ جنہوں نے درہ دانیال پر ترکی اقتدار کی مہر توثیق ثبت کر دی۔ اور ۲۸ اکتوبر ۱۹۳۶ء کے اس مبارک روز سے چوبیس ۲۴ برس کے بعد درہ دانیال پر پھر ترکی علم لہرانے لگا۔

بانی ایران جدید رضا شاہ اور تیمور تاش کے واقعات

ایران جدید کی ترقی و اصطلاحات کے متعلق بعض مغربی معاشرت کے دلدادگان کا خیال یہ تھا کہ ایران کی معاشرتی ترقی اور رضا شاہ

کی کامیابی کا راز تیمور تاش کی قابلیت کا ہی شرمندۂ احسان ہے۔ اگرچہ اس میں شک نہیں کہ عبدالحسین خاں قبیلہ تیمور تاش کے ایک بارسوخ گھرانے کا چشم و چراغ تھا۔ جو تیمور تاش کے لقب سے نہایت ہی ذی فہم اور قابل قدر شخصیت کا مالک تھا۔ اور اپنی اسی قابلیت و شخصیت کے باعث ہی رضا شاہ کے عہد حکومت میں وزیر اعظم سے بھی زیادہ رسوخ و اقتدار حاصل کر چکا تھا

چونکہ بچپن میں اس کی تربیت روس میں ہوئی تھی۔ اس لئے وہ نہ صرف روسی طرز معاشرت کا ہی دلدادہ تھا۔ بلکہ روسی نظام سلطنت کو بھی دنیا کا بہترین نظام سمجھتے ہوئے اپنے ملک ایران میں روسی نظام رائج کرنے کا خواہاں تھا۔

شاہ ایران رضا شاہ پہلوی بھی تیمور تاش کی تہذیب و قابلیت کے معترف تھے۔ اور اُسے اپنا عزیز مقرب خاص خیال کرتے تھے۔ ان وجوہات کے باعث عام رعایا نے یہ سمجھ رکھا تھا۔ کہ ایران کی یہ ملکی ترقیات و انتظامات سب تیمور تاش کے ہی دم سے ہیں۔ بلکہ بعض لوگوں کا یہ بھی خیال تھا کہ شاہ ایران اپنا ولی عہد اسی قابل قدر شخص کو ہی بنائیں گے۔ اگرچہ رعایا کے یہ خیالات رضا شاہ کے کانوں میں بھی پہنچے۔ لیکن انہوں نے نہ اس پر توجہ کی اور نہ اپنی توجہات و عنایات میں ہی تیمور تاش سے وابستہ رکھنے میں کمی آنے دی۔ بلکہ اپنے لخت جگر ولی عہد ایران کو تیمور تاش کے ہی زیر اثر انہیں سوئیٹزرلینڈ کے کسی سکول میں داخل کرنے کے لئے بھیج دیا۔

چنانچہ تیمور تاش ۱۹۳۲ء میں ولی عہد ایران کے ساتھ عازم سفر ہوا۔ لیکن واپس آنے کی بجائے عرصہ تک روس میں ٹھہر گیا۔

تیمور تاش کا اتنا عرصہ روس میں ٹھہرنا اگرچہ روسی پراپیگنڈا کے ماتحت تھا۔ لیکن بظاہر ادھر تو روسی ارکان سلطنت و دیگر مدبروں نے اُسے ڈنرز اور ٹی پارٹیز و دیگر مشاغل عیش عشرت میں مصروف رکھا۔ ادھر شاہ ایران کے دل میں تیمور تاش کا اتنی دیر روس میں ٹھہرنا کھٹکا۔ تو انہوں نے لکھا کہ فوراً طہران پہنچ جائیں۔ لیکن تیمور تاش نے اپنی شخصیت کے اقتدار و رسوخ کے نشہ میں اس شاہی حکم کی پرواہ نہ کی۔

ساتھ ہی اس کے روسی مدبروں نے اپنی تقریروں میں جب یہ ظاہر کرنا شروع کر دیا کہ ایران جدید کی تمام اصطلاحات تیمور تاش کے ہی دم سے ہیں۔ اور اس کی شخصیت شاہ ایران سے کم نہیں۔ تو ان تقریروں کا حال شاہ ایران کو بھی معلوم ہو گیا۔

جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ شاہ ایران کے شبہ کو تقویت پہنچی۔ اور تیمور تاش جب روس سے طہران لوٹا تو رضا شاہ نے اُسے اپنی مصاحبت سے موقوف کر کے قید کر دیا۔ اور اس پر مقدمہ چلانے کے لئے ایک کمیشن مقرر کر دیا۔ کمیشن نے تیمور شاہ پر رشوت و بغاوت کا الزام عائد کر دیا۔ غرضیکہ تیمور تاش کے قید ہوتے ہی رعایائے ایران میں رضا شاہ کی ہیبت چھا گئی۔ کیونکہ تیمور کی شخصیت کے متعلق ان کا یہی خیال تھا۔ کہ شاہ رضا تیمور تاش کا بال تک بیکا نہیں کر سکتا بلکہ اگر کسی وقت حکومت ایران نے اس کے خلاف کوئی اقدام کیا۔ تو ملک میں بغاوت برپا ہو جانے کا اندیشہ ہے۔

غرضیکہ رضا شاہ کے اس عزم اور طاقت سے رعایا سراسیمہ ہو گئی۔

اسی ایک واقعہ سے ہی اگرچہ شاہ ایران کی طاقت اور طرزِ حکومت کا اندازہ ہو سکتا ہے تاہم کہا جا سکتا ہے۔ کہ وہ حقیقتاً ملک و ملت کا خادم صادق ہے۔ بلکہ وہ بحیثیت شاہ کے بھی جمہوریت پسند شخص ہے۔

مارچ ۱۹۳۸ء میں رضا شاہ پہلوی نے تمام سفارتوں کے نام ایک مراسلہ ارسال کیا جس میں انہوں نے جدید ایران کا یوم جشن ۲۰۔ مارچ مقرر کر کے اس یوم سعید کو نوروز کے نام سے منسوب کر دیا ہے اور ساتھ ہی اُس نے ملک پرشیا کی بجائے ملک ایران کا نام تجویز کر دیا۔

لیکن افسوس کہ جس وقت جدید ایران رضا شاہ پہلوی کی قیادت میں ملکی۔ سیاسی تمدنی۔ معاشرتی۔ اخلاقی۔ ادبی۔ مراحل بڑی سرعت سے طے کر رہا تھا۔ عین اس وقت یعنی ماہ ستمبر ۱۹۴۱ء میں جنگ یورپ کے شعلے ایران تک بھی پہنچ گئے۔ اور رضا شاہ نے

مصلحت وقت کے لحاظ سے اس آتش جنگ میں کودنے کی بجائے تخت و تاج سے ہی دست برداری کو ترجیح دی۔

جواں بخت رضا شاہ پہلوی کی ان کے بڑھاپے میں یہ پہلی شکست تھی جس کے بظاہر اسباب تو یہی تھے کہ برطانیہ نے ایران کو لکھا تھا۔ کہ برطانیہ ایران میں برطانیہ کے غنیم جرمن افراد کو ملک ایران سے خارج یا گرفتار اور جرمن حملے کے انسداد میں ایران کی سرحد کو مضبوط کرنے کا خواہاں تھا۔ لیکن شاہ ایران رضا شاہ پہلوی نے برطانیہ کے ان احکامات کی پرواہ نہ کی۔

دراصل رضا شاہ کی یہ شکست اپنی سابقہ سخت گیری (جو غاصبان ملک و ملت کے لئے وابستہ تھی) کا نتیجہ تھی۔ جس کا مختصر تذکرہ تیمور تاش وغیرہ کے بیان میں گذشتہ صفحات میں ہو چکا ہے بہرحال جو کچھ ہوا سوائے اس کے اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ قدرت کو یہی منظور تھا۔ کہ جو شخص کل تک ایران جدید کا بانی و نجات دہندہ تھا۔ آج وہی سلطنت کا مجرم ہے۔ اور اس کی جگہ اس کا صاحبزادہ شاپور جمہوریہ ایران کا صدر ہے۔

بانی جمہوریہ ترکیہ اتاترک مصطفٰے کمال کی وفات حسرت آیات

اور موجودہ ترکی کا صدر عصمت انونو

ترکی میں اتاترک مصطفٰے کمال نے جو اپنا پروگرام ۱۹۲۴ء میں تجویز کیا تھا۔ وہ ۲۹ر اکتوبر ۱۹۳۸ء میں جب پورا ہو چکا تو ترکی قوم سے ترکوں کا یہ قائد اعظم مگر ملک و ملت کا سچا خادم بھی قدرت نے چھین لیا۔

اتاترک مصطفٰے کمال کی وفات حسرت آیات کے بعد ترکوں نے اپنے نجات دہندہ کا سچا جانشین عصمت انونو کو منتخب کر لیا۔ عصمت انونو اتاترک کے پرانے ہمدم اور مددگار

تھے۔ جو جنگ عظیم میں جبکہ کاکیشیا کی مہم اتاترک کے زیر کمان تھی۔ عصمت انونو اسی فوج میں کرنل تھے۔ اسی وقت سے اتاترک عصمت کی خداداد قابلیت کے قائل ہوتے تھے۔ اور اتاترک کو ان پر پورا اعتماد تھا۔

چنانچہ ستمبر ۱۹۳۷ء میں جب غیر جانب دار کمیٹی کی طرف سے اسپین کی بندرگاہوں اور روسی تجارتی جہازوں کو کسی غیر معلوم آبدوز نے بحیرہ روم میں غرق کر دیا۔ اور اس سلسلہ میں روس اور اٹلی کے درمیان تنازعہ بڑھا۔ تو عصمت انونو نے اس اندیشہ سے کہ کہیں درہ دانیال میں روس اور اٹلی کی بحری جنگ نہ چھڑ جائے۔ درہ دانیال کو بند کر دینے کی تجویز پیش کر کے اتاترک کی مرضی کے خلاف اس کی تیاری بھی شروع کر دی۔ لیکن اتاترک کو باوجود مخالفت کے عصمت انونو کی یہ تجویز تسلیم کرنی پڑی۔

اگرچہ بعد میں اتاترک نے عصمت انونو کا یہ دماغی انتشار دور کرنے کے لئے انہیں چھ ماہ کی رخصت دے دی۔ لیکن عصمت اور اتاترک کے ذاتی تعلقات اور باہمی مودت و محبت میں فرق نہ آیا۔

اکتوبر ۱۹۳۷ء میں عصمت انونو جب چوتھی مرتبہ جمہوریہ ترکی کی وزارت عظمیٰ کے عہدہ جلیلہ سے مستعفی ہوئے تو عام خیال یہی پیدا ہو گیا تھا کہ عصمت انونو اور اتاترک میں اختلاف پیدا ہو گیا ہے۔

بلکہ جون ۱۹۳۸ء میں عصمت جب ویانا سے ترکی واپس آئے تو یہ بھی افواہ اڑی تھی کہ اتاترک ان کو لندن کی سفارت پر مقرر کرنے والے ہیں۔ مگر یہ سب افواہیں بے بنیاد تھیں۔ دراصل اتاترک اور عصمت انونو ترکی کی یہ عظیم المرتبت دونوں ہستیاں دنیا کی سائنسی دوڑ میں شانہ بشانہ تھیں۔ مگر ان دونوں کے دماغوں میں حکومت کا نشہ نہ تھا۔ بلکہ ان کے پیش نظر صرف ترکی اور ترکوں کا مفاد تھا۔ غرضیکہ اتاترک اور عصمت انونو کی اس یک جہتی اور دوستی کا یہ ثبوت کافی ہے کہ اتاترک نے اپنے بستر مرگ پر بھی عصمت انونو کو فراموش

نہیں کیا۔ بلکہ اپنی زندگی کے آخری لمحوں میں ان کو یاد فرما کر اپنی وصیت ترکہ کا ایک بڑا حصہ جو اتاترک کی بہن مقبولہ خانم اور منہ بولی لڑکیوں کے حصہ سے دگنا تھا عصمت انونو کے بچوں کی تعلیم کے لئے وقف کر دیا۔

آج یہی عصمت انونو اتاترک کے زندہ جانشین اور جمہوریہ ترکی کے صدر اعظم ہیں۔ اور یہ واقعہ ہے۔ کہ ایسی جانشین ہستی ترکوں کو نصیب ہونی بہت مشکل تھی۔

چونکہ اتاترک کے ساتھ مدت تک کام کر چکنے کے حکومت ترکی کے تمام شعبات کی تجاویز سے اچھی طرح واقف ہیں۔ جو اتاترک کے مجوزہ پروگرام میں شامل ہیں۔ اس لئے عالم اسلام کو اُن سے یہ جائز توقع ہے۔ کہ ترکی کا اعزاز و وقار دن بدن ترقی کرے گا۔

۱۹۳۵ء تا ۱۹۴۱ء میں ہندوستان و پنجاب کے بعض ضروری واقعات

ہند کے شاہان اسلام و راجگان ہند میں تو کوئی ایسا اہم واقعہ قابل ذکر معلوم نہیں ہوتا البتہ سلطان العلوم نظام دکن کو گورنمنٹ ہند کی طرف سے برار کا علاقہ تفویض ہو چکا ہے اور شہزادہ دکن پرنس آف برار کے لقب سے ملقب ہو چکے ہیں۔ پنجاب میں مجلس احرار نے تحریک خلافت کے بعد جمعیت اسلام کے ماتحت مہاراجہ کشمیر کے متعلق جو تحریک شروع کی تھی۔ اس تحریک کے بعد گورنمنٹ ہند نے اپنی سیاسی مصلحت کی بناء پر سلطنت کشمیر کا ملحقہ علاقہ۔ تبت اسکردو۔ اپنی حدود سلطنت میں لے لیا ہے۔

مجلس احرار کی اس تحریک کے بعد جمعیت خاکساراں نے زور پکڑا۔ جس کے لیڈر علامہ عنایت اللہ مشرقی ہیں۔ اس جمعیت کا بظاہر مقصد چونکہ خدمت خلق سے وابستہ تھا۔ اس لئے خاکساروں نے بہت جلد تقویت و مقبولیت حاصل کر لی۔ اسی اثنا میں مسجد شہید گنج[1] کا واقعہ

---

[1] مسجد شہید گنج ریلوے روڈ کے قریب لنڈا بازار کی نکڑ پر واقعہ تھی جس پر سکھوں کے عہد حکومت سے ہی سکھوں کا قبضہ تھا۔ تاہم اس میں اکا دکا مسافر نماز پڑھ لیا کرتا تھا لیکن ۱۹۳۵ء میں سکھوں نے اس مسجد کو شہید کر دیا۔ لیکن باوجود

(باقی بر صفحہ ۸۹۱)

ہائلہ ہوا۔ اسی تحریک کے بعد علامہ مشرقی نے سول نافرمانی اختیار کرلی۔ اور گورنمنٹ ہند و پنجاب کو علامہ مشرقی اور ان کی جمعیت سے سختی کا رویہ اختیار کرنا پڑا۔ چنانچہ جب علامہ اور اُن کے کارکنوں کو گرفتار کرلیا گیا۔ تو خاکساروں نے لاہور کی مساجد میں اپنے محاذ قائم کرلئے۔ کچھ دنوں تک تو گورنمنٹ پنجاب کو حرمت مساجد کے زیر نظر خاکساروں کی جبری گرفتاری کے لئے مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ لیکن آخر کار مجبوراً مسجدوں میں خاکساروں پر چھاپہ مار کر ان کو گرفتار کرلیا۔

اس وقت جمعیت خاکساروں کے قائد اعظم علامہ مشرقی قید ہیں۔ اور تقریباً تمام خاکسار گرفتار ہو چکے ہیں۔ اس لئے یہ تحریک گورنمنٹ پنجاب نے سر دست کچل دی ہے۔

(بقیہ صفحہ گذشتہ) پر زور تحریک اور قانونی چارہ جوئی کرنے پر بھی قبضہ مخالفانہ کی بنا پر یہ مسجد تو مسلمانوں کو نہ ملی۔ لیکن اس کی بجائے مسجد شاہ چراغ جو جنرل پوسٹ آفس لاہور کے قریب ہے گورنمنٹ نے مسلمانوں کو واگذار کردی۔

سنہ ۱۹۳۵ء تا سنہ ۱۹۴۱ء

موجودہ عالمگیر جنگ یورپ

اور

جمہوریہ ترکی ۔ برطانیہ و جاپان

خاکسار مؤلف نے اسی تاریخ اسلام میں سنہ ۱۹۲۶ء کے واقعات قلمبند کرتے وقت صفحہ ۸۳۷ پر مندرجہ ذیل سطور

"کہ جرمنی بدلہ لینے کے لئے دوسری جنگ کی تیاری کر رہا ہے ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے ۔ کہ آنے والی عالمگیر جنگ کا میدان ایشیا ہوگا ۔ اور انگلستان اس جنگ میں اس سے زیادہ مصیبت میں مبتلا ہوگا جتنا کہ گذشتہ جنگ میں جرمنی ہؤا تھا ۔ میں نے جو قیاس کیا تھا آج وہ حرف بحرف پورا ہو رہا ہے ۔

چنانچہ سنہ ۱۹۳۵ء سے ہی جرمن کی ہنگامہ خیزیوں نے حبشہ ۔ چیکوسلواکیہ ۔ ہنگری ۔ بلغاریہ آسٹریا وغیرہ کا خاتمہ کر کے یورپ میں تلاطم برپا کر دیا ہے ۔ ۳ ستمبر سنہ ۱۹۳۹ء کو برطانیہ و فرانس نے پولینڈ کی حمایت میں جرمنی کے خلاف اعلان جنگ کیا مگر پولینڈ کی طاقت ہی کیا تھی ۔ تاہم بڑی پامردی سے اٹھارہ دن میں پولینڈ بھی ختم ہو گیا ۔ اس کے بعد روس نے ۳۰ نومبر سنہ ۱۹۳۹ء کو فن لینڈ پر حملہ کیا ۔ ۱۲ مارچ سنہ ۱۹۴۰ء کو فن لینڈ نے روس کا مطالبہ تسلیم کر کے صلح کر لی ۔ مگر آخر جرمنی کے زیر قیادت آزاد ہو گیا ۔

۹ اپریل سنہ ۴۰ء کو ہٹلر نے یکایک ڈنمارک اور ناروے پر حملہ کیا ۔ ڈنمارک نے جرمنی کی سیادت

...نگاہوں سے دیکھے بغیر نہیں رہ سکتا۔

...قل ان حالات میں کوئی دوسرا ملک اب تک غیر جانبدار

...یا اپنی پوری طاقت خرچ کر رہا ہے۔ کہ ترکی کو بھی آتش جنگ ...س میں شک نہیں کہ ترکی کا مطلع جنگ کے مہیب بادلوں سے ...تاہم عصمت انونو نے اپنے قول و عمل سے ثابت کر رکھا ہے کہ جمہوریہ ...ی الامقدور اپنی غیر جانبدارانہ پالیسی پر سختی کے ساتھ عامل رہے گی اور ترک اپنے ملک کی ایک انچ زمین پر بھی کسی کا قبضہ ہرگز ہرگز برداشت نہ کر سکیں گے۔ خدا ایسا ہی کرے۔

برخلاف اس کے۔ اگر وزراء ترکی میں پھوٹ پڑ گئی۔ اور ترکی کو اپنی عزت بچانے کے لئے میدان جنگ میں کودنا پڑا۔ تو پھر نہ جانے کیا ہوگا۔ غرضیکہ موجودہ وقت میں عالمگیر جنگ جاری ہے۔ جس میں تقریباً پینتالیس ۴۵ لاکھ افراد کی جانیں ہلاک ہو چکی ہیں۔

برطانیہ اپنی حدود مملکت میں آنے والی جنگ کے انتظامات میں مصروف ہے۔ روس کو فتح کرنے کے بعد ممکن ہے کہ جرمنی ایشیا میں اپنا میدان کارزار گرم کر دے ...عایائے ہندوستان نہ صرف ہراساں و مضطرب ہے بلکہ ہر قسم کے سامان تجارت کی درآمد بند ہونے کے باعث ملک کی اقتصادی بدحالی بد سے بدتر ہو رہی ہے۔ انہی پریشان کن واقعات (ماہ دسمبر ۱۹۴۱ء میں) جاپان نے امریکہ اور برطانیہ کے ساتھ اعلان جنگ کرتے ہی اپنے ساحلی علاقہ کی طرف سے برطانیہ کے مقبوضہ علاقہ برما وڈ پر یک بیک بمباری شروع کر دی ہے۔

موجودہ وقت میں برطانیہ اور جاپان کے میدان جنگ کا مرکز برطانیہ کا مقبوضہ شہر سنگاپور ہے۔ اور رنگون و کلکتہ یہ ہندوستان کے دونوں بڑے شہر فوجی رقبے قرار

دیئیے جا چکے ہیں۔

چنانچہ رنگون کی رعایا کے اکثر افراد ہراساں ہو کر رنگون

ہیں۔ اور کلکتہ میں رہنے والے ہزاروں مسافر سراسیمہ ہو کر کلکتہ

انہی افسوسناک اور متحیر کن حالات میں اس وقت یعنی آج

تاریخ کو تاریخ اسلام کے یہ صفحات ختم کرنے سے پہلے خاکسار مؤلف

دست بدعا ہے۔ کہ

" اللہ تعالیٰ نہ صرف اس ملک ہند کے راعی و رعایا بلکہ دنیا بھر کے
افراد کو موجودہ ہلاکت وتباہی سے محفوظ رکھے"۔

آخری گذارش

مسلمانانِ عالم سے عموماً اور قارئین تاریخِ اسلام سے خصوصاً یہ ہے کہ وہ خاکسار مؤلف کی اس تالیف سے استفادہ کرتے ہوئے میری زندگی میں دعائے خیر سے اور میرے مرنے کے بعد مجھے دعائے مغفرت سے یاد فرماتے رہا کریں۔ تاکہ شاید کسی اہلِ دل کی دل سے نکلی ہوئی دعا۔ میری خیر و مغفرت کا باعث ہو سکے۔

آخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ آمین بحق سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم